علم الانسان ما لم يعلم

١٣٣٩

کتبخانہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ

دہلی

شعبہ — ٩١٠.٩

شمارہ — 144H1

M4H

عدد داخلہ — 32064

A H Faruqi

Call No. 297.05 / MCH   Acc. No. 38060
Date of release

A sum of 5 Paise on general books and 25 P. on text-books per day, shall be **charged** for books not returned on the date last stamped.

بیادگار فدائے علم و دین جناب شیخ عطاء الرحمٰن صاحب مرحوم و مغفور

رسالہ

محدث دھلی

ملکیّت

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم دارالحدیث رحمانیہ دھلی

فہرست مضامین

مقاصد

Accession number 35060
Date

(۱) کتاب و سنت کی اشاعت
(۲) مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح۔
(۳) دارالحدیث رحمانیہ کے کوائف کی ترجمانی۔

ضوابط

(۱) یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو شائع ہوتا ہے
(۲) یہ رسالہ ان لوگوں کو سال بھر مفت بھیجا جائیگا جو ہر بذریعہ منی آڈر ٹکٹ خرچ کیلئے دفتر میں بھیجدینگے۔ وی پی نہیں بھیجا جائیگا۔
(۳) اس رسالہ میں دینی، علمی، اصلاحی، اخلاقی، تاریخی، تمدنی مضامین بشرط پسند شائع ہوتے ہیں۔
(۴) ناپسندیدہ مضامین محصولڈاک آنے پر واپس کئے جائینگے۔
(۵) شائع شدہ مضامین واپس نہیں کئے جائیں گے۔
(۶) جوابی امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے ضروری ہیں

پتہ

منیجر رسالہ محدث دارالحدیث رحمانیہ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

محدث دہلی

نگران اصول
مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

نمبر ۱	ماہ مئی ۱۹۳۹ء مطابق ماہ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ	جلد ۷

محدث کا ساتواں سال

محدث کا پچھلا نمبر پڑھنے والے معلوم کر چکے ہوں گے کہ مئی ۱۹۳۹ء سے اس کا نیا سال شروع ہو رہا ہے۔ نئے سال کا تصور آتے ہی دل و دماغ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی، اور ایک سال پہلے کے واقعات ہماری نگاہوں کے سامنے آگئے۔ قدرتاً قلب مجروح پر ایک ٹھیس سی لگی اور سینے سے ایک آہ سرد نکلکر فضا میں گم ہوگئی۔ قوم وملت کا درد رکھنے والے، رسالہ محدث کے سب سے پہلے بانی وسرپرست جناب شیخ عطاء الرحمٰن صاحب مرحوم ومغفور کی وہ دلنوازیاں جو ایسے مواقع پر خصوصیت کے ساتھ زیادہ نمایاں ہو جایا کرتی تھیں، ایک ایک کر کے یاد آنے لگیں۔ یوں تو مرحوم کی عادت ہی تھی کہ جب محدث کا نیا سال شروع ہونیوالا ہوتا ایک مہینہ پیشتر ہی سے مجھے یاددہانی کرتے رہتے، لیکن پچھلے سال تو انھوں نے اتنی غیر معمولی دلچسپی اور فیاضی سے کام لیا کہ محدث کی شان ہی دوسری ہوگئی، خود اپنے طور پر کوشش کر کے ملک کے اہل قلم فضلاء سے بہترین مضامین حاصل کئے، مدرسہ کے مختلف حصوں کے فوٹو بلاک تیار کرائے۔ ٹائیٹل نہایت خوبصورت اور رنگین نقش ونگار کے ساتھ چھپوایا۔ الغرض محدث اپنی زندگی میں بالکل پہلی بار اس نرالی شان سے وجود میں آیا تھا۔ لیکن آہ اکسے معلوم تھا کہ یہ مرحوم کے آخری لمحات ہیں اور قدرت یہ سب کچھ اسلئے کرا رہی ہے کہ ان کے نیازمندوں کے دلوں میں اس کی چبھتی ہوئی یاد ہر سال تازہ ہوتی رہے۔

دوستو! میرے لئے یہ منظر بڑا ہی دردانگیز ہے کہ اسی مئی ۳۸ء میں محدث کا شاندار نمبر شائع ہو کر، لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچے ہوئے ابھی شاید دو تین ہی ہفتے گذرے ہونگے کہ مرحوم کی علالت شروع ہوگئی، ہیضے کا سخت حملہ ہوا۔ اور تقریباً آٹھ دس روز بیمار رہ کر ۳۱ مئی اور یکم جون ۳۸ء کی درمیانی شب میں، اپنی تذکار و یادگار کے غیر فانی نقوش دلوں میں چھوڑ کر جنت کو سدھارگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

پس مجھ جیسے نیاز مند کیلئے جس نے دس پانچ ہی نہیں، بلکہ تقریباً اٹھارہ سال تک جس کی شفقت ومحبت کی گودوں میں پرورش پاکر سب کچھ حاصل کیا ہو، یہ ناممکن ہے کہ مئی کا مہینہ آئے۔ محدث کے نئے سال کی تیاریاں شروع ہوں، اور اس کا دل ماضی کے واقعات سے متاثر ہوئے بغیر رہ جائے۔ ع

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں؟

چنانچہ ایک طرف اگر ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق وعنایت سے چھ سال تک، اس کے دین کی صحیح خدمتیں انجام دینے، اور آئندہ کیلئے بھی اسی راہ پر لگے رہنے کی ہمت اپنے اندر پاکر، تشکر وامتنان سے اپنے دلوں کو معمور پاتے ہیں، تو دوسری طرف نہ صرف اپنے بلکہ عام دنیائے اسلام کے محسن، دین اور علم دین کے سچے خادم، ملک وملت کی بدحالی سے بے چین رہنے والے دردمند بزرگ کی جدائی سے بھی نڈھال ہو رہے ہیں، اس لئے مجھ میں اس وقت اس سے زیادہ کچھ کہنے کی تاب نہیں کہ مرحوم کی دینی خدمات کے صلے میں آپ سے خود ان کے نیز ان کے پسماندگان کیلئے جو ان کی قائم کی ہوئی راہ میں اپنی جان ومال پوری فیاضی کے ساتھ قربان کر رہے ہیں پرخلوص دعاؤں کی درخواست کروں۔

مرحوم کی ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ سال کا پہلا پرچہ معمول کے خلاف کسی بہتر صورت میں شائع کیا جائے۔ اسلئے اس نمبر میں بھی ہم نے اس کی کوشش کی ہے۔ کسی ظاہری رنگینیت کی طرف تو قدرتاً کچھ دل مائل ہی نہیں ہوا، ہاں معنوی حیثیت سے صفحات کی تعداد اپنے معمول سے بہت زیادہ بڑھا کر، مضامین کا معیار بھی نسبتاً اونچا کر دیا گیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سیدھی راہ پر قائم رکھے اور دین قیم کی صحیح خدمتیں انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے اور اُسے قبولیت بخشے۔ اللّٰھم آمین۔

آہ حضرت میاں صاحب مرحوم

از مولوی محمد شمس الدین صاحب شمس گیاوی متعلم .. مدرسہ رحمانیہ دہلی

دمبدم دردِ جگر ہوتا ہی جاتا ہے فزوں
گردشِ گردوں نے مجھکو کردیا اُف! سرنگوں

اے دلِ درد آشنا وہ پوچھتے ہیں حالِ دل
داستانِ رنج وغم ان سے کہوں تو کیا کہوں

کیا کہوں آنکھوں سے کیوں بہتا ہے میرے خونِ دل
کس کے غم میں کھو رہا ہوں آج میں صبر وسکوں

حضرتِ شیخ عطاؒ وہ قدردانِ علم وفن
ملتِ بیضا کا غم تھا جسکو جاں سے بھی فزوں

وہ فدائے دین وملت وہ شہیرِ روزگار
جسکو فطرت نے دیا تھا دین کا دردِ دروں

چھوڑ کر وہ بزمِ امکاں سوئے جنت چلدیا
ہے اسی کے غم نے آنکھوں سے بہایا جوئے خوں

شمسِ محزوں کرؒ عطاؒ کے واسطے تو یہ دعا
رحمتیں تیری خدایا اسپہ نازل ہوں سدا

تفسیر سورۃ والعصر

(مترجمہ مولوی محمد امین صاحب شوق مبارکپوری متعلم مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی)

۲۸ رمضان المبارک ۱۳۵۷ھ کو مسجد امام شافعیؒ مصر میں حضرت جلالۃ الملک فاروق اول بادشاہ مصر، وزراء حکومت اور دیگر بڑے بڑے عمائدین شہر کی موجودگی میں علامہ معاصر فقیہ وقت حضرت شیخ عبد المجید صاحب مفتی دیار مصر نے اپنے مخصوص انداز میں سورہ والعصر کی تفسیر بیان کی تھی جسے مصر کے رسالہ "الھدی النبوی" نے شائع کیا ہے یہ تفسیر بہت سی مفید باتوں پر مشتمل ہے اسلئے ناظرین محدث کے استفادہ کی غرض سے ہم اُسے عربی سے اردو میں منتقل کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔ (مترجم)

موصوف نے حمد و نعت کے بعد فرمایا اما بعد اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۔

حضرات آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید فرقان حمید میں متعدد جگہوں پر اپنی بعض مخلوقات کی قسمیں کھائی ہیں اور ان قسموں کے ساتھ ساتھ ایسی چیزیں ذکر کی ہیں جن کے متعلق ہر پڑھنے اور سننے والا اگر غور کرے تو بآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ چیزیں اللہ کی مخلوق اور اس کی قدرت کی مظہر ہیں مثلاً فرمایا گیا۔ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا الایۃ پ ۳۰ ع ۱۶ - یعنی قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی اور قسم ہے چاند کی جبکہ اسکے پیچھے آوے دوسری جگہ فرمایا وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی (پ ۲۷ ع ۱) یعنی قسم ہے تارے کی جبکہ وہ ڈوب جائے۔ یہ اور اسی قسم کی بہت سے آیتوں میں جن جن چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں ان میں ان قسموں کے ساتھ ہی ان نشانیوں اور دلیلوں کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے جو ان کے حادث اور فانی متبدل اور متغیر ہونے پر دلالت کرتی ہیں تاکہ ان لوگوں کے زعم باطل کی تردید ہو جائے جو ان چیزوں کی غیر معمولی حیثیت کو دیکھکر ان پر فریفتہ ہوگئے۔ اور خود انھیں کو مالک و متصرف سمجھکر اپنا معبود بنا بیٹھے۔ حالانکہ یہ چیزیں خود قابل پرستش نہ تھیں بلکہ درحقیقت عبادت اور پوجا کے لائق تو وہ ذات ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا اور ایک خاص نظام کے ماتحت رکھکر جس طرح سے چاہا ان پر تصرف کیا۔

اسی طرح زمانے کے بعض مخصوص حصوں کی بھی قسمیں کھائی ہیں جیسے فرمایا وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی پ ۳۰ ع ۱۔ یعنی قسم ہے رات کی جبکہ وہ چھپالے اور قسم ہے دن کی جبکہ وہ روشن ہو جائے۔ اس قسم سے "زمانے اور وقت" کی اہمیت ظاہر کرنی مقصود ہے۔ اور لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ وقت کتنی قابل قدر چیز ہے۔ تاکہ انسان اسکو ایک عبث اور فضول چیز تصور کرتے ہوئے کھیل کود، ہنسی مزاق، لغو اور بیہودہ باتوں میں نہ گذار دے۔ بلکہ اپنے خالق و منعم حقیقی کی عبادت میں مصروف و مشغول رہے اور ایسا عمل کرے جو اس کیلئے دونوں جہان میں مفید ثابت ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تھوڑے سے وقت کے مقابلہ میں ایک دوسری زندگی بھی بنائی ہے جہاں یا تو اس دنیاوی زندگی کے اعمال کے بدلے میں ایسی جنت اور ایسے باغات کا ابدی آرام نصیب ہوگا۔ جہاں ہر قسم کی راحت ہی راحت ہے۔ یا اُس آگ میں رہنا ہوگا جس کے ایندھن بدعمل انسان اور پتھر ہوں گے۔ پس جن چیزوں کی

اہمیت ہو مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی قسمیں کھائے تاکہ غافل اور بے عمل اس کی اہمیت محسوس کرکے اپنی سرکشی اور گمراہی سے توبہ کریں اور ان قیمتی چیزوں کی قدر کریں۔

نیز زمانے کے بعض اجزاء یا خود زمانے کی قسم کھانے سے ان لوگوں کی تردید بھی مقصود ہے جو نحوست اور شر و فساد کو زمانے کی طرف منسوب کرکے اُسکو بُرا بھلا کہتے ہیں حالانکہ اس میں زمانے کا کوئی قصور نہیں بلکہ یہ تو انسان کی بداعمالیوں اور بدکرداریوں کا نتیجہ ہیں۔ زمانہ تو حکم خدا کے ماتحت ہے۔ اسی کے فرمان سے آنا اور جانا، گذرنا اور فنا ہوتا رہتا ہے۔ اُسے کسی چیز کی برائی یا بھلائی میں فی نفسہ کیا دخل ہے؟ اور ساتھ ہی اس بات پر تنبیہ کرنا چاہتا ہے کہ زمانے میں جو آئے دن طرح طرح کے انقلابات اور عظیم الشان نشانیاں ظاہر ہوتی رہتی ہیں یہ فی الحقیقت اللہ کی زبردست قدرت اور بے نظیر حکمت کی روشن دلیل ہیں۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے زمانے کو رات دن، تاریکی، روشنی کی طرف منقسم فرمایا ہے۔ دن میں سورج کو روشنی بخشنے والا اور رات میں چاند اور ستاروں کو عالم میں اُجالا کرنیوالا بنایا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے یکے بعد دیگرے نکلنے اور کسی ایک کو دوسرے کے نہ پا لینے میں سمجھنے اور غور کرنے والوں کیلئے بے شمار دلائل و بینات ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۙ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۙ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۙ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ (پ۲۳ ع۲) ترجمہ "اور رات ان کیلئے ایک بڑا نشان ہے جس میں سے ہم دن کھینچ کر الگ کر دیتے ہیں تب تو وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور سورج ہے کہ برابر اپنے مقررہ کام پر چلا جا رہا ہے۔ یہی ہے انتظام خدائے غالب دانا کا۔ اور چاند ہے کہ ہم نے (اسکی رفتار کی) منزلیں مقرر کر دی ہیں (جس پر وہ چلتا رہتا ہے) یہانتک کہ (گھٹتے گھٹتے) وہ کھجور کی ایک پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہ تو سورج ہی سے بن پڑتا ہے کہ چاند کو جا لے اور نہ ہی رات دن سے پہلے آ سکتی ہے۔ اور ہر ایک اپنے اپنے گھیرے کے درمیان تیر رہا ہے۔"

رات و دن کا گذرتے رہنا، کبھی گرمی و سردی کا بڑھ جانا، اور کبھی دونوں کا معتدل ہو جانا۔ کبھی فصل گل کی رعنائیاں، اور کبھی بادِ خزاں کی بربادیاں، کسی میں جانوروں اور انسانوں کا سکون اور راحت اختیار کرنا، اور کسی میں چلنا پھرنا اور کام کاج میں مشغول ہو کر اپنی معیشت کے اسباب مہیا کرنا۔ کیا یہ تمام چیزیں قدرت الٰہی کی کچھ کم نشانیاں ہیں؟ اسی طرح زمانے کی تقسیم سالوں، اور سالوں کی مہینوں میں، مہینوں کی دنوں، اور دنوں کی گھنٹوں میں ہونا بھی مظاہر قدرت کی گوناگوں بوالعجبیوں کی حامل ہے۔ یہ اور اسی قسم کی بہت سی حکمتوں کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں وَالْعَصْرِ فرما کر "زمانے" کی قسم کھائی ہے چنانچہ مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین نے کہا ہے کہ اس سورۃ میں والعصر سے مراد مطلقاً "زمانہ" اور "دہر" ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۔ یعنی ہر وہ انسان (خواہ مرد ہو یا عورت) جو عاقل بالغ، اور شریعت کا مکلف ہے کسی نہ کسی نقصان (دنیوی ہو، یا اُخروی) سے ضرور دوچار ہوتا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ "مگر وہ لوگ جو کہ اللہ پر ایمان لائے۔ نیک عمل کئے اور باہم ایک دوسرے کو حق و صبر کی وصیت بھی کرتے رہے" اب اس آیت میں نقصان اور نامرادی سے بچنے والوں کی جن جن صفتوں کا ذکر ہے ان کی تفصیل سنئے۔ سب سے پہلی چیز ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اس کے اوصاف و اعمال نیز

اہل ایمان اور پھر ایمان کے دینی و دنیاوی فوائد اور نتائج بھی خود قرآن مجید ہی میں بالتفصیل بیان کر دیئے ہیں چنانچہ ارشاد ہے :-

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ (پ۳ ع۸) ترجمہ اللہ کا رسول (اس کلام) پر ایمان رکھتا ہے جو اس کے پروردگار کی طرف سے اس پر نازل ہوا ہے اور جو لوگ (دعوت حق پر) ایمان لائے ہیں۔ یہ سب اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں (انکے ایمان کا دستور العمل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ) ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی کو دوسرے سے جدا نہیں کرتے (کہ اسے مانیں، دوسروں کو نہ مانیں۔ یا سب کو مانیں مگر کسی ایک سے انکار کر دیں) ہم خدا کے تمام رسولوں کی یکساں طور پر تصدیق کرنے والے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ج وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ؕ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (پ۱ ع۱) ترجمہ متقی انسان وہ ہیں) جو غیب (نگاہوں سے اوجھل باتوں) پر یقین رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور ہم نے جو کچھ انھیں دے رکھا ہے اس میں سے (نیکی کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں نیز وہ لوگ جو اس (کتاب) پر ایمان رکھتے ہیں جو تم پر (یعنی پیغمبر اسلام پر) نازل ہوئی ہے اور ان تمام (کتابوں) پر جو تم سے پہلے (یعنی پیغمبر اسلام سے پہلے) نازل ہو چکی ہیں (ساتھ ہی) آخرت کی (زندگی) کا بھی ان کو یقین ہو۔ تو یقیناً یہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے (بتائے ہوئے) صحیح راستہ پر ہیں اور یہی لوگ ہیں جو (دنیا اور آخرت میں) کامیاب ہونگے۔

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ الآیہ (پ۲ ع۶) ترجمہ نیکی اور بھلائی (کی راہ) یہ نہیں ہے کہ تم نے (عبادت کیوقت) اپنا منہ پورب کی طرف پھیر لیا یا پچھم کی طرف کر لیا (یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات ظواہر و رسوم کی کر لی) نیکی کی راہ تو ان لوگوں کی راہ ہے جو اللہ پر، آخرت کے دن پر، ملائکہ پر، آسمانی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں۔ نیز ارشاد ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ (پ۲۶ ع۱۴) ترجمہ مومنین وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول پر پھر شک نہیں رکھتے اور جہاد کرتے ہیں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ذریعہ راہ خدا میں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو کہ سچے ہیں۔

قرآن مجید کی ان تصریحات کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایمان کی تعریف حضرت جبرئیلؑ کے پوچھنے پر یوں بیان فرمائی ہے اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْ تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ۔ (صحیحین) ترجمہ (اصل ایمان) یہ ہے کہ تم اللہ، اس کی کتاب، اس کے ملائکہ، اس کے رسولؐ، قیامت، اور تقدیر الٰہی (جو بظاہر اپنے علم میں) بھلی ہو یا بری کا یقین رکھو۔ ان آیات و حدیث سے اس ایمان کی حقیقت روشن ہو چکی جسکو اللہ پسند کرتا ہے۔ اور جس کی طرف اپنے بندوں کو دعوت دیتا ہے تاکہ وہ اس کی بدولت فلاح یاب ہو سکیں۔

لیکن آج عام طور پر مسلمان جس . . . . . . ایمان کا نہایت بلند آہنگی کے ساتھ دعوی کر رہے ہیں یہ محض رسمی اور تقلیدی ایمان ہے۔ اسے اصلی و حقیقی ایمان نہیں کہا جا سکتا اسلئے کہ اصلی ایمان اس کا نام نہیں کہ آبا و اجداد کی تقلید میں اختیار کیا گیا

ہو، بلکہ اصلی اور حقیقی ایمان تو وہ ہے جس کا تعلق روح، قلب، وجدان اور اعمال کے ساتھ نہایت گہرا اور سخت ہو۔ مگر افسوس آج کتنے ایسے بدنصیب افراد اور جماعتیں دنیا میں موجود ہیں جو اپنے آپ کو ایماندار تو سمجھتی ہیں لیکن یہ ایمان نہ ان کو برائیوں سے باز رکھتا ہے اور نہ بھلائیوں کی دعوت دیتا ہے۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ ایمان وہ نہیں جس کا تعلق روح کی پاکیزگی اور قلب کی تطہیر سے ہے۔ تو پھر آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ایمان حقیقی کیسے ہو سکتا ہے اور اس کی بنا پر نقصان و خسران سے بچنے کی کیونکر توقع کی جا سکتی ہے؟ سنئے! حقیقی ایمان تو وہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۚ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۰ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ (پ۹ ع۱۶) ترجمہ مومنوں کی شان تو یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں، اور جب اس کی آیتیں پڑھکر سنائی جاتی ہیں، تو ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں، اور وہ ہر حال میں اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ جو نماز قائم کرتے ہیں۔ اور ہم نے جو کچھ دے رکھا ہے، اس میں سے (ایک حصہ ہماری راہ میں بھی) خرچ کرتے ہیں۔ بلاشبہ ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں۔ ان کیلئے ان کے پروردگار کے یہاں مرتبے ہیں، اور بخشایش، اور بڑی خوبی و عزت کی روزی!"

دوسری صفت اللہ تعالیٰ نے نقصان سے بچنے والوں کی یہ فرمائی ہے کہ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یعنی اچھے اور نیک کام کئے۔ نیک کام وہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا اور اس کے کرنیوالے سے خوش ہوتا ہے، انھیں پر انسان کی اصلاح و فلاح اور دونوں جہان کی سعادت و نجاح کا دارومدار ہے۔ اچھے کام کا تعلق یا تو ظاہری اعضا (مثلاً ہاتھ پاؤں، زبان وغیرہ) سے ہوتا ہے جیسے صدقات و خیرات کرنا، ضعیفوں اور کمزوروں کی امداد کرنا، مظلوموں کی یاری و نصرت کرنا، زبان سے سچی اور اچھی بات کہنا، نماز پڑھتے رہنا وغیرہ۔ یا ان کا تعلق باطن سے ہے جس سے قلب کو سکون اور نفس کو زینت حاصل ہوتی ہے یعنی اپنے اندر اخلاق حمیدہ کا پیدا کرنا جیسے اللہ اور رسول کی محبت اور جس کو یہ دونوں محبوب رکھیں اس سے محبت کرنا اور جس سے یہ دشمنی رکھیں ان کو اپنا دشمن جاننا، ایفائے عہد، اخلاص و احسان وغیرہ کا خوگر ہو جانا۔ الغرض ہر وہ چیز "عمل صالح" ہے جو حسن عمل کی بنیاد اور نیکی و رواداری کا سرچشمہ ہو۔ قرآن حکیم اور احادیث نبویہ نے انھیں بالتفصیل بیان کر دیا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ سچے اور پکے مومن سے نیک اعمال کا صادر ہونا ضروری اور لازمی ہے جیسے سورج کیلئے روشنی اور دن کیلئے نور۔

تیسری صفت یہ فرمائی کہ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ یعنی آپس میں ایک دوسرے کو حق کی وصیت کی۔ تواصی کے معنی ہیں باہم ایک دوسرے کو نیک باتوں کی تلقین کرتے رہنا۔ اور جب کبھی اس فرض منصبی میں کوتاہی اور سستی برتی جانے لگے تو وصیت پر برقرار رہنے کا اقرار اور وعدہ لیتے رہنا "حق" باطل کا ضد ہے۔ چونکہ "حق" ایک متحقق متعین، اور موجود واقعی کا نام ہے اسلئے باطل اُسے کہیں گے۔ جس کا حقیقتاً کوئی وجود ہی نہ ہو، یا ہو، لیکن اس کی مضرت، اس کا شر اور اس کے مہلک اثرات اسکو اس لائق بنا دیتے ہیں کہ اس کا عدم، وجود سے زیادہ انسب و اولیٰ قرار پاتا ہے۔ یعنی وہ اس لائق ہے کہ ہمیشہ معدوم ہی رہے، اس کا وجود میں آنا مناسب نہیں۔ پس حق وہ ہے جو سرتاپا خیر ہی خیر ہو، یا خیر شر پر، نفع، نقصان پر غالب ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اپنے دین، اپنے وعدے، اور خود اپنی ذات کو بھی "حق" سے تعبیر کیا ہے۔ پس حق کا لفظ ایک ایسا جامع کلمہ ہے جو انسان کی ہر

دنیاوی و اخروی کامرانی و فائز المرامی کو محیط ہے۔ حقوق تو بیشمار ہیں مثلاً اللہ کا حق بندوں پر، انسان کا اپنے نفس پر، مرد کا عورت پر، عورت کا مرد پر، والدین کا بچے پر، بچے کا والدین پر، دوست کا دوست پر، بادشاہ کا رعیت پر، اور رعیت کا بادشاہ پر، الغرض اَن گنت ایسے حقوق ہیں جن کی حفاظت و نگہداشت پر اللہ تعالیٰ نے ہماری اخروی نجات اور دنیوی کامیابی کا انحصار رکھا ہے۔ لیکن ان تمام حقوق کی اصل اور جامع حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جسے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ جو شخص ان حقوق کی (جن کا ذکر حدیث مندرجہ ذیل میں ہے) پوری پابندی کے ساتھ ادائیگی و حفاظت کر لیگا تو یقیناً وہ دیگر تمام حقوق کی بجا آوری پر بھی بآسانی قادر ہو جائیگا۔

عَنْ مُعَاذٍ اِذْ قَالَ لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَدْرِیْ یَا مُعَاذُ مَا حَقُّ اللّٰہِ عَلٰی عِبَادِہٖ؟ اَنْ یَّعْبُدُوْہُ وَلَا یُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا۔ اَتَدْرِیْ مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰہِ اِذَا ھُمْ فَعَلُوْا ذَالِکَ اَنْ لَّا یُعَذِّبَھُمْ ترجمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے معاذ (رضی اللہ عنہ) کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ (سنو) اللہ کا حق بندے پر یہ ہے کہ بندہ اللہ کی عبادت کرے اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہ جانے۔ اور کیا تمہیں علم ہے کہ بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے؟ (اسے بھی سنو) بندے کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ بندہ اگر اس کی عبادت خلوص کے ساتھ بجالائے، اور کسی کو اس کا شریک نہ گردانے تو وہ اس پر عذاب نہ کرے۔ الغرض اگر فلاح مقصود ہے تو ہم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ ان حقوق کا خود خیال رکھے۔ اور دوسرے کو بھی انکی ادائیگی اور تحفظ کی تلقین کرتا رہے۔

چوتھی صفت باری تعالیٰ نے فرمائی وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ یعنی ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی "صبر" کے شرعی معنی ہیں احکام شرعیہ اور اطاعت الٰہیہ پر مستعد رہنا اور اپنے نفس کو اس کی تعمیل پر مجبور کرنا، اسی طرح ہر قسم کی برائیوں اور خطا کاریوں اور گناہوں سے نفس کو بچانے کی کوشش کرنا، پس اگر اسے تمام اخلاق سعیدہ اور صفات حمیدہ کا واحد سرچشمہ کہا جائے تو بجا ہے بلکہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کو پیش نظر رکھکر صبر کو جزو ایمان بتایا جائے تو مبالغہ نہیں۔ لَا یَرْجُوَنَّ عَبْدٌ اِلَّا رَبَّہٗ، وَلَا یَخَافَنَّ اِلَّا ذَنْبَہٗ، وَلَا یَسْتَحْیِ مَنْ لَّا یَعْلَمُ اَنْ یَّتَعَلَّمَ وَلَا یَسْتَحْیِ اِذَا سُئِلَ عَمَّا لَا یَعْلَمُ اَنْ یَّقُوْلَ: لَا اَعْلَمُ، وَاعْلَمُوْا اَنَّ مَنْزِلَۃَ الصَّبْرِ مِنَ الْاِیْمَانِ کَمَنْزِلَۃِ الرَّاْسِ مِنَ الْجَسَدِ، فَاِذَا ذَھَبَ الرَّاْسُ ذَھَبَ الْجَسَدُ، وَاِذَا ذَھَبَ الصَّبْرُ ذَھَبَ الْاِیْمَانُ۔ بندہ کو سوائے خدا کے کسی سے بھی امید نہ رکھنی چاہیے، اور اپنے گناہوں کے سوا کسی سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ اور جو چیز نہ آتی ہو اس کے سیکھنے میں شرمانا نہیں چاہیے، اور جس چیز کا علم نہ ہو اگر اس کی بابت دریافت کیا جائے تو اپنی لاعلمی اور عدم واقفیت کے اعتراف کر لینے میں ہرگز جھجھک نہ محسوس کرنی چاہیے۔ اور یقین جانو کہ صبر کا ایمان کے ساتھ وہی تعلق ہے جو سر کا جسم کے ساتھ۔ اگر جسم سے سر جدا کر دیا جائے تو دھڑ کس کام کا؟ ٹھیک اسی طرح اگر "صبر" نہ ہو اور اس کو کھو دیا جائے تو ایمان کی بھی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی"۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے بڑی اہمیت دی ہے۔ چنانچہ تقریباً نوے جگہ قرآن پاک میں مختلف عنوانوں سے اس کا ذکر آیا ہے۔ کبھی اس کی تعمیل و پابندی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ پ۴ ع۶ ۔ اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! اگر کامیابی و سعادت حاصل کرنی چاہتے ہو تو ساری باتوں کا ماحصل یہ ہے کہ) صبر کرو۔ ایک دوسرے کو صبر کی ترغیب دو، ایک دوسرے کے ساتھ بندھ

جاؤ، اور (ہر حال میں) خدا سے ڈرتے رہو۔ تاکہ (اپنے مقصد میں) کامیاب ہو! (وَاصْبِرُوْا) وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ پ۱۴ ع۲۲ (اے پیغمبر!) صبر کرو اور تیرا صبر کرنا نہیں ہے مگر اللہ کی مدد سے۔ اور کبھی اس کو اپنی نصرت و مدد حاصل کرنے کیلئے شرط گردانا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ بَلٰٓی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ (پ۴ ع۴) ترجمہ ہاں، بلاشبہ، اگر تم صبر کرو اور تقوی کی راہ اختیار کرو، اور پھر ایسا ہو کہ دشمن اسی دم تم پر چڑھ آئے تو تمہارا پروردگار (صرف تین ہزار فرشتوں ہی سے نہیں بلکہ) پانچ ہزار نشان رکھنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد کریگا (اور ان کی کثرت وطاقت تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکے گی۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ صبر کرنے والوں کو یہ بشارت سنادیں کہ ان پر ان کے رب کی طرف سے رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہے اور اللہ کے نزدیک یہی لوگ سیدھی راہ پر ہیں۔ اور اسی "صبر" کے ساتھ اللہ نے اپنے بہت سے مخلصین بندوں کی مدح سرائی بھی فرمائی ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے۔ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ (پ۲۳ ع۱۳) ترجمہ بیشک ہم نے تو اسے صابر پایا وہ بہت ہی اچھا بندہ ہے۔ وہ اللہ کی طرف بہت رجوع کرنیوالا ہے اور خاتم انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی ارشاد ہے فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ پ۲۶ ع۴) ترجمہ تو بھی استقلال پر قائم رہ جیسا کہ اولوالعزم انبیا صبر و استقلال پر جمے رہے۔ اور نیز فرمایا گیا اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ پ۲۳ ع۱) بلاشبہ صبر کرنے والوں کو بیشمار نیک بدلہ دیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں پر ان گنت اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے جو دوسرے کسی نیک کام پر حاصل نہیں ہوسکتا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ پ۲ ع۲) اے پیروان دعوت ایمانی! صبر اور نماز (کی معنوی قوتوں) سے سہارا پکڑو (یہی دو قوتیں ہیں جن کے ذریعے تم راہ عمل کی مشکلوں اور آزمائشوں سے عہدہ برآ ہوسکتے ہو۔ یقین کرو، (کہ نصرت) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے! غور کرو! کیونکر اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص معیّت، حفاظت، نصرت و تائید سے صابرین کو مشرف کیا اور ان کو ایک امتیازی رتبہ بخشا۔ اور یہ سب کے سب ایمان کے مدارج میں سے صبر کے بلند ترین درجہ میں ہونے پر واضح دلیل ہیں۔ اور صابر اس کے ذریعے دینی امامت و پیشوائی کے مرتبہ کو بھی حاصل کرسکتا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ پ۲۱ ع۱۶) ترجمہ اور ہم نے ان کو پیشوائے دین بنادیا جو ہدایت کیا کرتے تھے ہمارے حکم کے موافق جبکہ انھوں نے استقلال دکھلایا۔ اور جبکہ وہ ہمارے احکام پر یقین رکھنے والے تھے" اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا فرماتے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَالْعَزِيْمَةَ عَلَى الرُّشْدِ ترجمہ اے اللہ میں تجھسے اپنے کاموں اور ارادوں میں ثابت قدمی اور سیدھے راستہ کی دعا کرتا ہوں اور فرماتے مَآ اُعْطِیَ اَحَدٌ عَطَآءً خَيْرًا وَّاَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ کوئی شخص صبر سے زیادہ بہتر اور اکمل عطیہ اللہ کی طرف سے نہیں دیا گیا۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان میں خلوص، پختگی اور شدت عطا فرمائے، اور ہمیں ان مومنوں میں بنائے جن کے عمل، صالح اور پسندیدہ ہیں۔ اور جو تواصی بالحق اور تواصی بالصبر پہ کاربند ہوکر ہر قسم کی خیبتہ و خسران، نامرادی و نقصان سے محفوظ ہیں۔ اللہم آمین

حجیت حدیث پر ایک نظر

ناظرین کرام یہ بات ظاہر ہے کہ ہم نور سے جس قدر قریب ہوں گے۔ اسی قدر روشنی زیادہ ہوگی۔ اور تاریکی نیست نابود ہوگی۔ لیکن ہم رفتہ رفتہ جس قدر بھی چراغ سے دور فاصلے پر چلے جائیں گے۔ ظلمت کے پردے حائل ہوتے ہوتے ضیاء کو بالکل ختم کر دینگے۔ یہانتک کہ نور کا ایک دھندلا سا خاکہ رونما ہوگا۔ اور اردگرد کی تمام چیزیں آنکھوں سے اوجھل ہوجائیں گی۔ یہی حال ہے شمع ہدایت کا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو نور ایمانی تھا وہ مرور ایام کے باعث اب باقی نہیں رہا۔ ضلالت وجہالت کے تاریک پردوں نے اسلامی تعلیمات کو یکدم بدل کر دیا ہے۔ خود آنحضور کے زمانہ اور آپ کی وفات کے متصل کے زمانے کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو فرق بین نظر آئیگا۔ چنانچہ ایک صحابیؓ کا ارشاد ہے "مَا انْفَضْنَا عَنْ أَيْدِيْنَا التُّرَابَ حَتّٰى أَنْكَرْنَا قُلُوْبَنَا" ہم نے ابھی آپ کے دفن کرنے کے بعد ہاتھوں سے مٹی بھی دور نہ کی تھی کہ ہمارے دل بے نور معلوم ہوتے تھے۔

جب صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ کیفیت تھی۔ جنھوں نے اپنی عمر کا اکثر حصہ شمع رسالت وہدایت پر پروانہ وار نثار کر دیا تھا۔ اور ہمیشہ برکات اور فیوض سے اپنے دامنوں کو مالا مال رکھتے تھے۔ تو خود خیال کیجئے کہ ہمارے دلوں اور ہمارے ایمانوں میں کس قدر روحانیت ہوگی۔ اور خاص کر ایسے دور میں جب دہریت اور کفر والحاد کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر اسلامی تعلیمات کو خس وخاشاک کی طرح بہالیجانے کی پیہم کوشش عمل میں لا رہے ہوں۔ اور ان کو معدوم کرنے کیلئے کوئی تجویز بھی فروگذاشت نہ کی گئی ہو۔ بہت ہی مشکل ہے کہ دین اسلام کا صحیح فوٹو جو سلف صالحین کے زمانے میں پایا جاتا تھا اسوقت باقی رہے۔ جدید "تہذیب وتمدن" اور "نئی روشنی" اور موجودہ حریت فکر اور آزاد خیالی کے دور میں ایسے مذاہب وادیان معرض وجود میں آرہے ہیں جن کا اصل الاصول ہی یہ ہے کہ "مذہب اسلام ترقی مدارج کیلئے سد راہ ہے" لہذا اس کے قیود سے بے نیاز ہوجانا چاہیئے۔

ان خود ساختہ مذاہب میں اہل قرآن حریت قیود میں سب سے زیادہ گوئے سبقت لیگیا ہے۔ جو ادلہ اربعہ (چار دلیلیں کتاب، سنت، اجماع، قیاس) کو تو کجا۔ سوائے کتاب اللہ کے کسی کو قابل حجت نہیں مانتے۔ ہم تو اجماع وقیاس سے انکار کرتے تھے اور صرف اللہ اور رسول اللہ جو کلمۂ توحید کے دو جزء ہیں کے اقوال شریفہ کو اپنے لئے مشعل راہ سمجھتے تھے لیکن انھوں نے ایسی نرالی چال چلی۔ کہ اسلامی کلمہ توحید کے دو رکنوں میں سے ایک کے کلام (کتاب اللہ) کو لے لیا اور دوسرے کے کلام (حدیث شریف) کو چھوڑ دیا۔ تاکہ "مسلمان" بھی رہیں۔ اور اسلامی قیود سے سبکدوش بھی ہوجائیں ؎

زاہد کمال ترک سے ملتی ہے یاں مراد
جو دنیا بھی چھوڑ دی ہے تو عقبیٰ بھی چھوڑ دے

ان کی شوخی طفلانہ کا راز یہ ہے۔ کہ مذہب اسلام کی گرفت صرف حدیث وسنت سے ہے۔ کیونکہ قرآن مجید ایک اصولی کتاب ہے۔ اس میں قوانین کلیہ مذکور ہیں۔ اور مسائل کو اجمالی طور پر بیان کیا گیا ہے۔ تمام جزئیات اور جملہ تشریحات کا بیان اس میں نہیں ہے۔ اور نہ ہی ہوسکتا تھا۔ قرآنی آیات کی تشریح کا دارومدار حدیث رسول اللہ پر ہی ہے۔ کیونکہ رموز مملکت خویش خسرواں دانند۔ اللہ کے کلام کی تشریح رسول اللہ ہی کرسکتے ہیں ان کی تعلیم کے بغیر یقینی طور پر کوئی بھی اس کی صحیح تفسیر وتاویل نہیں

ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جملہ انبیاء کا کوئی بشر معلم نہیں ہوتا۔ رسولوں کا معلم خود خدا ہوتا ہے تاکہ بعثت کے بعد اس کے کلام کو سمجھ سکیں اور خدائی کلام کے مقصد و مدعا اور جملہ جزئیات و فروعات کو مستنبط کرسکیں۔ پس انھوں نے حدیث کو ناقابل صحت و حجت اور غیر واجب العمل قرار دے دیا۔ تاکہ مذہب کی گرفت بالکل معمولی ہوجائے۔ اور اسلام چند ایک عقائد اور عبادات و معاملات ہی کا نام رہ جائے۔ چنانچہ بعض جدید مفسرینؒ کے خیال سے صرف تین نمازیں ہیں۔ اور بعض کے نزدیک نماز صرف دعا اور توجہ قلبی کا نام ہے جو سیر و تفریح کرتے وقت سر بزانو کرنے سے بھی ادا ہوسکتی ہے۔ اس کھلی ہوئی غلطی کو دیکھکر میں آپ کی خدمت میں چند سطریں سپرد قلم کرتا ہوں تاکہ آپ اس فتنہ سے محفوظ رہیں۔

رسولؐ کی شان

لیکن قبل ازیں کہ آپ کے سامنے حجیت حدیث کے دلائل بیان کروں۔ صرف چند لفظوں میں تمہیداً رسولؐ کی شان بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جو فریقین میں مسلم ہے اس کے بعد معاملہ صاف ہوجائے گا۔ رسولؐ اللہ کی نسبت ہم خاکم بدہن کبھی بھی یہ لفظ نہیں کہہ سکتے کہ آپ محض ایک چٹھی رساں کی طرح تھے۔ یعنی فرامین خداوندی کو بغیر کسی تبیین و تشریح، افہام و تفہیم کے صرف بندوں تک پہنچا دینا ہی آپ کا کام تھا۔ بلکہ آپ ایک طبیب اور مسیح کی حیثیت رکھتے تھے۔ عقائد۔ عبادات۔ معاملات۔ اخلاق غرضیکہ ہر دینی اور دنیوی امر کے آپ ہیرو اور رہنما تھے جیساکہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۔ (پ ۲۸ س جمعہ) ترجمہ خدائے قدوس کی یہ شان ہے کہ اُس نے اَن پڑھ لوگوں میں انہی جیسا رسول بھیجا۔ جو قرآنی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کے ظاہر و باطن کا تزکیہ کرتا ہے۔ اور کتاب اللہ اور علم و عرفان کی ان کو تعلیم دیتا ہے۔

مندرجہ بالا آیت شریف میں نبی کا نصب العین تلاوت قرآن ہی نہیں ہے بلکہ آپ کو معلم اور طبیب بتایا گیا ہے۔ اگر آپ کی ذمہ داری صرف پیام بری اور پوسٹمینی کی تھی۔ تو وہ تلاوت آیات پر ختم ہوگئی۔ پھر تطہیر اور تعلیم کتاب و حکمت کی کیا ضرورت تھی اور ایک اور امر قابل غور ہے وہ یہ کہ کتاب اللہ کی بھی زبان عربی اور مرسل الیہم بھی عربی۔ جب دونوں کی زبان عربی تھی تو پھر تعلیم کی کیا ضرورت تھی۔ اپنی زبان کو ہر ایک سمجھ سکتا ہے۔ اس کے افہام کی چنداں ضرورت نہیں پس صاف معلوم ہوا۔ کہ آپ محض پیامبر نہ تھے بلکہ اس سے بہت بڑھکر تھے۔ جس کو قرآن مجید نے خود ہی بیان کیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (پ ۲۱ س احزاب) رسول اللہ کی ذات گرامی تمہارے لئے نمونہ عمل ہے"۔ اگر کتاب اللہ ہی ہمارے لئے لائحہ عمل ہوتی تو آپ کے وجود مبارک کو نمونہ عمل کیوں کہا عرف عام میں نمونہ عمل (اسوہ) کا استعمال شائع ذائع ہے۔ جس کو جملہ حرکات و سکنات نشست و برخاست قول و فعل خواہ وہ دل سے تعلق رکھتے ہوں۔ یا دوسرے اعضاء سے کی اتباع اور واجب العمل ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ پ ۳ س آل عمران۔ اے نبیؐ تو لوگوں کو کہہ دے اگر تم اللہ کی محبت چاہتے ہو تو میری تابعداری کرو۔ یہی محبت الٰہی کا ذریعہ ہے"۔ اس آیت میں نبی کی فرمانبرداری تقرب الٰہی کا مسلک قرار دیا گیا ہے اگر محض قرآن ہی کی اطاعت مقصود بالذات ہوتی۔ تو صاف طور صراحۃً قرآن کا لفظ مذکور ہوتا۔ جیساکہ باقی مقامات میں اطاعت

نی کی آیات میں صراحتہً قرآن کا لفظ مذکور ہے۔ پس صاف معلوم ہوا کہ قرآن کے علاوہ اور چیزیں بھی ہیں۔ جن کے سامنے سر
دنیاز خم کرنا لابدی ہے۔ وہ رسول اللہ کے اقوال و افعال ہیں۔ جن کو احادیث کے اسم سے مسمی کیا جاتا ہے اور اسی طرح
رآن مجید میں متعدد مقام پر رسول کی اطاعت کو فرض قرار دیا گیا ہے سورۂ نسار کی آیات ان لوگوں پر حجت ہیں۔ جو روز
شن کی طرح حجیت کی ناطق ہیں۔

رآن اصولی کتاب ہے

اس جگہ ایک اور بات بھی قابل الذکر ہے۔ جس کی طرف پہلے اشارہ کر چکا ہوں۔ وہ یہ کہ قرآن اصول و قوانین کلیہ کا مجموعہ ہے۔ احصار جزئیات کی نہ ہی گنجائش تھی۔ اور نہ ہی قرآن
سے ذکر کے درپے ہے۔ پس اس اجمال کی تفصیل۔۔۔۔ اور ان اصول کی فروع ذات پاک محمدی مجسم کتاب ہے۔ جس کا ہر قول
ل متن قرآنی کی تفسیر و شرح ہے۔ اور قرآن کی تفسیر و وضاحت نبی کے بغیر نا ممکن ہے چنانچہ سورہ نحل میں ارشاد ہے۔
وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمْ (پ ۱۴ س نحل) وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ (پ ۱۴ س نحل)
ی اے نبی تجھ پر کتاب اتارنے کی غرض و غایت یہی تھی۔ تاکہ تو اس کو بیان کردے۔ حالانکہ وہ لوگ جن کو سب سے پہلے قرآن
ذریعہ مخاطب کیا گیا سب عربی تھے۔ پھر بھی نبی علیہ السلام کو کتاب کی توضیح و بیان کرنے کیلئے مبعوث فرمایا۔ اور یہ بیان بھی
کا کوئی نفسی قول نہیں ہوتا تھا بلکہ خدا، نبی کے ذریعہ متکلم تھا۔ چنانچہ والنجم میں ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ
حیٰ (پ ۲۷ س نجم) ترجمہ نبی کا تشریعی قول وحی الٰہی ہے۔ اور لسان رسول اللہ کا مبدء تعبیر ہے۔ نبی اپنی طرف سے کسی چیز کا
ن نہیں ۔ گفتہ او گفتۂ اللہ بود۔ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود۔

ان آیات سابقہ سے معلوم ہوا۔ کہ قرآن میں ایسے رموز و نکات ہیں جن کی وضاحت و بیان کیلئے رسول کی ضرورت
، اور اس وضاحت و بیان کا دوسرا نام حدیث و سنت ہے۔ اور جیسے قرآن واجب العمل ہے اسی طرح اس کا بیان (حدیث و
ت) جو اس کا ایک تشریحی جزو ہے وہ بھی واجب العمل۔ اور قرآن مجید کے معنی لغتی سمجھ لینے سے اس کا علم حاصل نہیں ہوتا۔ جب تک
ی کی وضاحت (حدیث) مدنظر نہ ہو۔ چنانچہ ابن ماجہ کے شروع میں روایات آتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی واقعہ کا
رہ ہوا۔ تو آپ نے جواب دیا کہ اس واقعہ کا ظہور علم کے معدوم ہوجانے پر ہوگا۔ ایک صحابی نے تعجب سے کہا کہ کیا علم بھی فنا
سکتا ہے۔ جبکہ ہم اس کی تعلیم میں کمربستہ ہیں اور اسی طرح ہماری نسلیں در نسلیں اس کی تعلیم و تدریس اور اشاعت میں ہمارے
تھ شانہ بشانہ ہونگی۔ اور مردانہ وار ابدالآباد تک اس کی ترویج کرتی رہیں گی۔ نبی علیہ السلام نے یہود و نصاریٰ کی مثال دیکر
ں کی رائے کا جواب دیدیا۔ اور فرمایا کہ ظاہری تلاوت یہاں مقصود نہیں۔ دیکھو یہود و نصاریٰ توراۃ انجیل کو پڑھتے ہیں
اس کے الفاظ کے معانی کے بھی عالم ہیں۔ مگر اس کے باوجود پھر بھی وہ علم سے نا آشنا ہیں۔ کیونکہ انبیاء کی تعلیمات اور انکے
رشحات کو انھوں نے پس پشت ڈالدیا۔ اسی طرح سینکڑوں آیات اور تاریخی واقعات ہیں۔ جن سے عدم تخصیص قرآن
ن طریق سے معلوم ہوجاتی ہے۔

جیت حدیث پر قرآن کی شہادت

چنانچہ خود قرآن ڈنکے کی چوٹ حدیث کی حجیت پر ناطق ہے سورہ احزاب میں ہے مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (پ ۲۲ سورہ احزاب) اللہ اور نبی کے فیصلہ سے کسی مرد و عورت کو سرتابی کی گنجائش نہیں اور سورہ حشر میں ہے مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ترجمہ نبی جو کچھ تمہیں دے اس کو مضبوطی سے تھامے رہنا۔ اور جس سے منع کرے اس سے بال برابر بھی آگے نہ بڑھنا۔ ان آیات سے صاف طور پر استدلال کر سکتے ہیں کہ نبی کا تمام تر کام خدائی روشنی میں ہوتا تھا۔ پس اس کا ہر قول و فعل حجت ہے۔ نیز ان آیات کو قرآن کے ساتھ خاص نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اصول کا قاعدہ ہے المطلق یجری علی اطلاقہ مطلق کو ہم خاص نہیں کر سکتے۔ مگر جب کوئی قرینہ صارفہ ہو، تو اسوقت تخصیص ہو سکتی ہے۔ اور یہاں کوئی مخصص نہیں۔ کیونکہ محض قرآن کا حجت ہونا خود نظری ہے اور کسی دلیل سے اسکا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ اور جب نبی کا فیصلہ اسوقت کیلئے کار آمد ہو سکتا ہے۔ تو آنے والے زمانے کیلئے بھی حجت ہو سکتا ہے جیسا کہ استاد کی شاگرد کو تعلیم وقتی نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ مفید ہو سکتی ہے۔

منکرین حدیث کے اعتراضات اور دلائل کے جوابات

نصوص قرآنی کے علاوہ احادیث صحیحہ بھی عدم تخصیص قرآن پر دلالت کرتی ہیں مگر مخالف کیلئے چونکہ حجت نہیں۔ اسواسطے اس سے پہلو تہی کر کے ان کے اعتراضات اور ان کے دلائل کا جواب درج کیا جاتا ہے تاکہ کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ ذیل میں چند روایات صحیحہ اور ضعیفہ جن سے یہ لوگ اکثر استدلال کرتے ہیں۔ ان کے جوابات درج کئے جاتے ہیں۔ سب سے بڑی دلیل یہ حدیث پیش کی جاتی ہے۔ لَا تَكْتُبُوْا عَنِّیْ فَمَنْ كَتَبَ عَنِّیْ غَیْرَ الْقُرْاٰنِ فَلْیَمْحُهٗ۔ ترجمہ مجھ سے کوئی چیز بھی نہ لکھو۔ جو آدمی مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ اور لکھے اس کو چاہئے کہ اس کو مٹا دے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حدیث و سنت قابل حجت ہوتی تو آپ اس کے لکھنے سے منع نہ فرماتے۔ لیکن یہ مطلب سراسر غلط ہے اس کے دو وجوہ ہو سکتے ہیں اول یہ کہ کسی چیز کی کتابت کی مخالفت اس کے نفاذ کے لیئے مانع نہیں ہو سکتی۔ اور قلمبند نہ کرنے سے اس کا غیر معتبر ہونا لازم نہیں آتا۔ کتابت اور چیز ہے دلیل ہونا دوسری چیز۔ خصوصاً جبکہ مخالفت صرف وقتی تھی نہ کہ دائمی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ شروع اسلام میں جبکہ کتابت کا چرچا نہیں تھا۔ اسوقت اگر احادیث اور قرآن دونوں کو لکھنے کی اجازت دیدی جاتی تو اغلب تھا کہ قرآن اور حدیث کی عبارتیں خلط ملط ہو جاتیں۔ اور قرآن محفوظ نہ رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب کتابت کا رواج ہو گیا اور آپ کو دونوں میں اختلاط ہو جانے کا احتمال باقی نہ رہا۔ اور آپ نے سمجھ لیا کہ لکھنے والے قرآن و حدیث کی عبارات میں پوری طرح امتیاز کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ تو کتابت حدیث کا سلسلہ شروع کر دیا۔ بخاری و مسلم کی روایات سے ظاہر ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کی کتابت حدیث پر کفار نے اعتراض کیا کہ نبی مقتضیات بشریت کی وجہ سے غیظ و غضب میں آکر کلام بھی کر دیتا ہے اور تم اس کو بھی لکھنا شروع کر دیتے ہو۔ رسول علیہ السلام نے کفار کا اعتراض سنکر ابن عمر کو دوبارہ تلقین کتابت کی اور ارشاد فرمایا۔ کہ میری زبان حق گو ہی ہے۔ ہزل و افترا میرے لئے محال ہے۔ اور خود فتح مکہ کے موقعہ پر ابو شاہ یمنی کی خواہش کے مطابق صحابہؓ سے حج کے احکام لکھوا کر اسکو دیئے۔ اسی طرح متعدد واقعات ہیں اور خود اہل قرآن کا قول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بہت سی احادیث کے مجموعہ کو جلا دیا تھا۔ اگر کتابت حدیث کا وجود ہی نہیں تھا تو یہ مجموعہ کہاں سے آیا؟ پس ذرا خدا کے ڈر سے سوچو آپ کے بعض دلائل بعض کی تردید کرتے ہیں۔ اور باطل عقیدہ رکھنے والوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ پس آپ کا طریق استدلال بالکل بے سر و پا ہے کیونکہ معلوم ہو گیا کہ یہ ممانعت

ایک خاص مصلحت کی بنا پر وقتی چیز تھی۔ اور ثانیاً یہ کہ کتابت کی ممانعت سے یہ کب لازم آتا ہے کہ حدیث حجت شرعی نہیں۔

(۲) دوسری دلیل یہ کہ تذکرۃ الحفاظ میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ سے احادیث کا مجموعہ منگوا کر جلا دیا تھا۔ اور لوگوں کو احادیث کے بیان کرنے سے روکتے تھے۔ یہ دلیل بالکل ناقابل استدلال ہے جبکہ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے باغ فدک حضرت فاطمہؓ اور حضرت عباسؓ کی ملکیت میں نہیں دیا تھا۔ اور وجہ یہ بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انبیاء کے ترکہ میں میراث نہیں جاری ہوتی بلکہ اس میں سب حقدار ہیں۔ ہاں سالانہ وظیفہ اہل بیت کو بیت المال سے برابر دیا جایا کریگا۔ اور نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد دفن کی جگہ کے تعین میں بہت زیادہ اختلاف ہو گیا تھا تو حضرت ابوبکرؓ نے فوراً کھڑے ہو کر نبی علیہ السلام کی حدیث پڑھکر تمام اختلاف کو فرو کر دیا۔ اور فرمایا میرے نبیؐ کا ارشاد ہے کہ نبی جہاں فوت ہوتا ہے وہیں دفن کیا جاتا ہے۔

اور ابوبکر صدیقؓ کا خلیفہ ہونے کے بعد پہلا خطبہ اتنا دردناک اور المناک ہے کہ مخالفین کے دلائل بالکل ضعیف ہو جاتے ہیں۔ آپ نے حمد وثنا اور صلوٰۃ کے بعد فرمایا۔ اے لوگو آپ کی زمام حکومت کا میں مالک ہوں۔ مجھے آپ پر کوئی فوقیت نہیں ہے۔ جبتک کتاب اللہ اور حدیث وسنت سے میں رطب اللسان ہوں تب تک میری اطاعت واجب ہوگی اور جب ذرا سا بھی اس کے خلاف حکم کروں تو بغاوت تم پر لازم ہوگی۔ یہ واقعات اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ حدیث کو حجت شرعیہ مانتے تھے۔ پس واقعات تاریخیہ کی روشنی میں ذرا دیکھو کہ ابوبکرؓ کی تعلیمات کس قسم کی تھیں۔ بھلا ابوبکرؓ میں جرأت ہو سکتی ہے۔ کہ رسولؐ کی آواز کے خلاف آواز اٹھائے۔ آپ ان کے حالات زندگی کو دیکھیں۔ ہجرت کے وقت مصائب برداشت کرنے کا اندازہ کریں۔ جنگوں میں مالی امداد کو مدنظر رکھیں۔ ابوبکرؓ کی رسول اللہ پر قربانیاں تمام امت کی قربانیوں سے بڑھکر ہیں۔ ایک کم رتبے کا صحابی بھی سولی پر چڑھنے کے وقت بھی رسول کی شان میں کوئی لفظ نہیں کہہ سکتا، چہ جائیکہ ابوبکرؓ اور وہ بھی منصب خلافت پر متمکن ہونے کے بعد نبی علیہ السلام

اور پھر ذرا غور تو کرو کہ امام ذہبی جو تذکرۃ الحفاظ کے مصنف ہیں۔ خود ان روایات کو نقل کرتے ہیں لیکن حدیث وسنت کو حجت مانتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کے متعلق بھی سنا جاتا ہے کہ وہ حدیث کے منکر تھے۔ لیکن دشمن کی آنکھ اچھی چیز کو بری طرح دیکھتی ہے۔ آپ تو کہتے ہیں۔ حدیث رسولؐ کو نظر انکار سے دیکھتے تھے لیکن میرے نزدیک رسول اللہؐ کے علاوہ وہ تو ابوبکرؓ کے فیصلہ کو بھی حجت مانتے تھے۔ چنانچہ ایک دن خطبہ کے دوران میں ارشاد فرمایا۔ جسکا خلاصہ یہ ہے اے لوگو مجھ سے پہلے میرے دو بزرگ (رسولؐ اللہ اور ابوبکرؓ) گذر چکے ہیں۔ پس میں اگر ان کے طریق کار سے کوئی علیحدہ روش اختیار کرونگا تو اس میں منفرد سمجھا جاؤنگا۔ اس واسطے یہ دونوں طریق میرے لئے لائحہ عمل ہیں۔

اور فیصلہ کرتے وقت کتاب اللہ کو مقدم کرتے۔ اس کے بعد سنت رسولؐ کو۔ بعد ازاں خلیفہ اول کے فیصلوں کو جو حدیث وسنت کے مطابق تھے علاوہ ازیں تمام صوبوں کے قاضیوں کے نام خطوط ارسال کئے جسمیں سنت نبوی سے کتاب اللہ کے بعد فیصلہ کرنیکا حکم دیا۔ اسی طرح ہزار ہا واقعات ہیں جو ہمارے لئے سند ہو سکتے ہیں۔ مسائل واحکام میں سنت نبوی پر عمل کرنے کے علاوہ بعض ایسے مقامات پر بھی جہاں بظاہر کوئی فائدہ منصور نہ ہوتا وہاں بھی حدیث کو مقدم کرتے۔ چنانچہ اپنی خلافت کے دوران میں حج کرنے کیواسطے مکہ شریف آئے۔ حجر اسود کا بوسہ لینے کے وقت ارشاد فرمانے لگے۔ اے حجر اسود

ہیں جانتا ہوں کہ تو ایک محض بے جان پتھر ہے۔ جس سے کوئی نفع یا نقصان متعلق نہیں۔ اگر میں نے نبی علیہ السلام کو بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا۔ تو ہرگز تیرا بوسہ نہ لیتا۔ اکثر مسائل میں حدیث کا علم ہونے کی بنا پر صحابہؓ کے مجمع میں کھڑے ہو کر سوال کرتے۔ کہ اس مسئلہ میں نبی علیہ السلام نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ لہٰذا جو کچھ بتاتے اس کے مطابق عمل کرتے اور کرلیتے۔ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ اخبار آحاد کو بغیر شاہد کی تائید کے تسلیم نہیں کرتے تھے۔ جب یقین ہوتا کہ یہ مرفوع حدیث ہے۔ تو اس پر عمل پیرا ہوتے۔ لیکن اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ لوگ حدیثیں بیان کرنے میں جری نہ ہو جائیں۔ صحیح اور غلط کا امتیاز اٹھ جائے اور پھر آئندہ امت میں فتنے پیدا ہونے لگیں۔ ان واقعات کے ہوتے ہوئے۔ پھر ان کی طرف انکار حدیث کی نسبت کرنا کسقدر انصاف کا خون اور حق کی پردہ پوشی ہے اس کے علاوہ حدیث کی عدم حجیت پر اصولی اعتراض بھی کرتے ہیں۔ جسکو ہم تفریح دماغ کے لئے مع جواب ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

اہل قرآن کہا کرتے ہیں۔ کہ کسی طویل حدیث کے متعلق ہمارا یقین نہیں کہ یہ واقعی رسول اللہ کے لفظ ہیں یا صحابی نے اپنی عبارت میں رسول اللہ کے مقصد کو بیان کیا ہے۔ دوسری صورت میں ممکن ہے کہ نبی علیہ السلام کا مقصد و مراد کچھ اور رہا ہو۔ اور صحابیؓ نے کچھ اور سمجھا ہو۔ پس اس فرضی حدیث کو ہم قابل صحت نہیں کہہ سکتے۔ یہ ایک علمی نزاع ہے۔ کہ آیا روایت بالمعنی جائز ہے یا نہیں۔ بعض لوگ ہر طبقہ کیلئے منع بتاتے ہیں۔ جیسا امام مالک کا مذہب ہے۔ اور بعض لوگ صرف حدیث وسنت میں منع جانتے ہیں۔ باقی عبارات میں جائز تاکہ نبی علیہ السلام کی طرف ایسے الفاظ منسوب نہ ہوں۔ جسکو آپ نے ارشاد نہیں فرمایا۔ لیکن محدثین میں سے اکثر اس طرف مائل ہیں۔ کہ جو راوی لطائف و نکات عبارت سے واقف ہو۔ اس کیلئے جائز ہے کہ دوسرے کی عبارت کو اپنے لفظوں میں ادا کر دے۔

اکثر حدیثیں ایسی ہیں۔ جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آنکھوں سے حدیث بیان کرتے وقت آنسو بہ جاتے تھے۔ زبان کانپنے لگ جاتی تھی۔ بدن تھرتھرا اٹھتا تھا۔ چہروں کے سرخی مائل رنگ زردی سے بدل جاتے تھے۔ منہ کی تازگی مرجھا جاتی تھی۔ غرضیکہ ایک ایسی کیفیت طاری ہوتی تھی جو احاطہ تحریر سے بہت بلند ہے۔ اور بعض روایتوں میں تو یہ لفظ موجود ہیں کہ بعض صحابہ باوجود مسائل کے مضامین و عبارات ضبط ہونے کے پھر بھی قصداً حدیث بیان نہیں کرتے تھے تاکہ ہماری زبان سے خدانخواستہ ایسے لفظ نہ نکل جائیں جن کو لسان پاک نے تعبیر نہ کیا ہو۔

مسلمانو! خدارا ذرا انصاف تو کرو ایسی حالت کے ہوتے ہوئے ہم ان کے متعلق ایسے خیالات کریں۔ کہ شاید وہ مضمون نبوی نہ سمجھے ہوں۔ اور اس کو دوسرے لفظوں میں بیان کر دیا ہو۔ یہ سراسر ہماری لاعلمی نہیں تو اور کیا ہے۔ واللہ اس گرد و نواح نے ہمارے دلوں سے صحابہ کی عزت بالکل کافور کر دی ورنہ ایسے خیالات رکھنے والے مفتری نہیں تو کیا ہیں۔ اپنی یادداشت اور قوت حافظہ پر قیاس مت کرو۔ صحابہ اور اہل عرب کے حفظ کی قوت کے لحاظ سے اتنی حدیثوں کا محفوظ رکھنا عقل کے نزدیک کچھ مستبعد نہیں۔ آؤ تاریخ خضری جلد اول تاریخ ابن ہشام وغیرہ میں حالات عرب کی اوراق گردانی کرو۔ تمام مورخین رقمطراز ہیں کہ اہل عرب کتابت سے ناآشنا تھے۔ ان کو اپنے دماغوں پر اعتماد ہوا کرتا تھا۔ اسی اسی یا سو سو شعر کا قصیدہ ایک مجلس میں سنتے۔ اور پھر ایک دفعہ سننے کے بعد تمام کے تمام اشعار فوراً اسی مجلس میں پڑھ دیا کرتے تھے۔ یہ تھی ان کی ذکاوت و ذہانت

اور حافظہ کی قوت۔ پس ان سے ان متون حدیث کا محفوظ رہنا کوئی انوکھی چیز نہیں۔

پھر موجودہ زمانے میں بھی اکثر مرید ایسے ہیں جن کو اپنے مرشد کے لفظوں پر عبور حاصل ہوتا ہے۔ اور اپنے پیر کی ایک ایک چیز کو محفوظ رکھتے ہیں۔ جب ہماری یہ حالت ہے تو نبی کے پیاروں کی کیا حالت ہوگی۔ واقعات سامنے رکھو اور انصاف سے اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو ؎

پیش کہ برآرم زدستت فریاد　　ہم از تو ازدست تو مے خواہم داد

اور پھر اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ انھوں نے روایت بالمعنی کی، تو اس میں حرج بھی کیا ہے۔ ایک لفظ کی جگہ اسی کے ہم معنی دوسرے لفظ کو بیان کر دیا جائے تو کیا مضائقہ ہے۔ تمام علماء امت کا اجماع ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ دوسری زبانوں میں کر سکتے ہیں۔ اور کئے بھی گئے ہیں۔ حتیٰ کہ اہل قرآن بھی حال ہی میں معرض وجود میں آئے۔ اور تمام کے تمام عجمی ہیں۔ اور عرب شریف میں تو دوائی کیلئے بھی ان کا وجود نہیں اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ ترجمہ کرنا ضروری امر ہے۔ پس جب ایک زبان کو دوسری زبان سے بدل سکتے ہیں تو کیا ایک زبان کے الفاظ مترادفہ کو ایک دوسرے کے قائم مقام نہیں کر سکتے؟ اور بعض کی تفسیر بعض سے نہیں کر سکتے؟ جب وہ جائز ہے۔ تو یہ واجب ہوگا۔ اور پھر خود اہل قرآن باوجود عجمی ہونے کے قرآن مجید کے جو معنی سمجھتے ہیں۔ وہ خدا کی وحی سے بھی بڑھکر سمجھتے ہیں۔ اور ان کے حق اور سچ ہونے پر ان کا یقین کامل ہے۔

تو کیا صحابہ عربی ہوکر رسول عربی کی بات کا مقصد نہیں سمجھ سکتے تھے۔ تعجب ہے کہ اہل قرآن عجمی ہوکر خدا کے کلام کو سمجھ لیں اور صحابہ عربی ہوکر اپنے جیسے عربی کے کلام کو نہ سمجھیں۔

جب ان لوگوں کو کہا جاتا ہے کہ کتاب اللہ میں اصول وقوانین کلیہ ہیں۔ تمام مسائل کو تفصیلی طور پر اور اس کی ہیئت ادائیہ کو بیان نہیں کیا گیا۔ تو تم قرآن پر کس طرح عمل کر سکتے ہو۔ تو جواب میں لب کشائی کرتے ہیں کہ کیفیت ادائیہ تواتر عملی سے ثابت ہے یعنی رسول اللہ سے آج تک لوگوں نے عمل کے ادا کرنے کی کیفیت کو ملحوظ رکھا اور اسی طرح آخر تک عمل کے ذریعہ تمام لوگوں تفصیل حالات سے مطلع ہوتے رہیں گے۔ اس جواب کے متعلق مجھے چند شکوک ہیں جنکا نہ جواب ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔

(۱) رسول اللہ سے لیکر منکرین حدیث کی پیدائش کے زمانہ تک ہر زمانہ میں تمام مسلمان اس بات پر متفق رہے ہیں کہ حدیث وسنت حجت قطعی ہے۔ اس کے خلاف کسی زمانہ میں کوئی نظیر آپ کو نہیں مل سکتی۔ اگر آپ اس تواتر (عملی) کو مانتے ہیں جو مختلف فیہ بھی ہے۔ تو اس تواتر (اعتقادی) کو بھی آپ کو تسلیم کرنا چاہئے۔

(۲) مسلمانوں کے تواتر عملی میں بعض ایسی چیزیں داخل ہو چکی ہیں۔ جو بالکل حرام ہیں۔ مثلاً قبر پرستی کا عام رواج ہے۔ . . . . مجالس میلاد کا قیام عام طور پر ہوتا ہے۔ اگر آپ کہیں کہ یہ بدعات داخل فی الدین ہیں تو آپ کی غلطی ہے۔ اور اگر آپ ان کو خارج مانیں گے تو کیوں؟ اگر آپ کہیں گے کہ رسول اللہ کے زمانے میں اس کا وجود نہ تھا۔ پس رسول اللہ کے زمانہ میں وجود ہونے یا ہونے کیلئے ہمارے پاس ایک مرقع محفوظ ہونا چاہئے۔ جس میں رسول اللہ کی زندگی کا خاکہ اور جملہ اقوال وافعال مکتوب ہوں۔ تاکہ ہم دیکھکر فیصلہ دیکیں کہ یہ چیز عہد نبوی میں تھی۔ اور اسی زمانہ رسالت میں فلاں چیز کا وجود تک نہ تھا۔ لہٰذا آپ کے تواتر عمل کے لائحہ عمل بننے کیلئے سنت نبوی کا ثبوت ماننا ضروری ہے۔ ورنہ

تواتر عمل بدعات کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے۔ اور امتیاز صرف حدیث سے ہی ہو سکتی ہے۔

(۳) تواتر عمل دو قسم کا ہوتا ہے ایک متفق علیہ۔ دوسرا مختلف فیہ۔ قسم اول پر تو وہی اعتراض پڑتا ہے۔ دوسرے قسم کے تواتر میں بہت دقت پیش آتی ہے۔ جیسے فاتحہ خلف امام یہ ایک تواتر مختلف فیہ۔ بعض کے نزدیک فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے۔ اور بعض کے نزدیک غیر ضروری۔ اب ہم کوئی صحیح رائے بغیر حدیث و سنت کے قائم نہیں کر سکتے۔

(۴) تواتر عمل کا قیامت تک محفوظ رہنا بہت مشکل ہے۔ اتنی بڑی مدت میں صدہا بدعات داخل ہو سکتی ہیں۔ اور بہت سے فرائض خارج ہو سکتے ہیں۔ اُس کی حفاظت بغیر حدیث کے نہیں ہو سکتی۔

(۵) اگر سابقہ اعتراضات سے حفاظت ہی رہے کیواسطے صحابہ کرام تابعین وتبع تابعین نے نبی کے عمل کی صورت کو عملاً یاد رکھنے کے علاوہ روایتہً اور تحریراً بھی اوراق میں محفوظ کر دیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تاکہ احادیث صحیحہ کے آئینہ سے نبی اکرم کی صورتِ عمل کو ملاحظہ کر لیں۔ تو اس میں امت پر کسقدر احسان ہے جس سے ہم تمام عمر سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ جزاھم اللہ عنا وعن سائر المسلمین آمین۔

حافظ عبد الرحیم امرتسری

"ترانۂ اختر"

یہ نظم اس وقت لکھی گئی جبکہ میاں صاحب مرحوم کی حرم سرا مع اپنے دونوں پوتوں کے بخیریت تمام فریضۂ حج ادا کر کے مراجعت فرمائے وطن ہوئیں

کونسا مژدۂ جاں بخش صبا لائی ہے — کیسی یہ گوشِ تمنا نے خبر پائی ہے
چشمِ بینا کو یہ کیا چیز نظر آئی ہے — ہر سو کیوں ! کیف و مسرت کی گھٹا چھائی ہے
"حج" سے آیا ہے کوئی لیکے پیامِ دل خیز — گل و غنچہ کا یہی باعثِ رعنائی ہے
کیوں نہوں گلشنِ ملت کے ہرے برگ و شجر — جب انھیں کعبہ و یثرب سے شناسائی ہے
ہو مبارک انھیں یہ طوفِ حرم کعبہ! — حج سے آنکی خبر جن کے کہ اب آئی ہے

کیوں خوشی تجھکو نہ ہو اخترِ تابندہ سخن
جب خبر کعبہ و یثرب کی صبا لائی ہے

محمد عبد الشکور اختر گیاوی متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی

تعلیمات اسلامی کا اثر ہندوستان پر

(از مولوی محمد اقبال صاحب متعلم جماعت سابعہ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت انبیاء سابقین کی طرح کسی مخصوص نسل انسانی یا کسی خاص قطعہ ارضی یا معین مدت کے ساتھ خاص نہ تھی بلکہ آپ کی بعثت تمام جہان اور ہمیشہ ہمیش کیلئے تھی آپ کا نور تمام عالم کو منور کرنیوالا تھا۔

آپ نے جب تبلیغ شروع کی تو چند نفوس قدسیہ نے (جو انگلیوں پر شمار کئے جاسکتے تھے) آپ کا پیغام قبول کیا لیکن رفتہ رفتہ سنہ ۶ھ تک آپ کا پیغام عرب کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ تک پہنچ چکا تھا نیز اکثر قبائل حلقہ بگوش اسلام ہوچکے تھے قریش کی علانیہ مخالفتوں اور منافقین و یہود مدینہ کی خفیہ ریشہ دوانیوں کے باوجود کثیر التعداد عربوں نے اسلام قبول کرلیا تھا اور آپ کے ادنیٰ سے ادنیٰ اشارہ پر سر دھڑ کی بازی لگادینے کیلئے تیار رہتے تھے۔ غزوہ بدر　نیز اور تمام غزوات پر سرسری نظر ڈال جایئے آپ کو روز روشن کی طرح صاف معلوم ہوجائے گا کہ صحابہ کرام کا یہ وصف جانبازی باوجود انتہائی بے سروسامانی اور قلت اسلحہ کے ان میں بطریق اکمل موجود تھا۔

صلح حدیبیہ سے لوٹنے کے بعد جبکہ آپ کو اس بات کی کافی امید ہوچکی تھی کہ عرب میری دعوت اصلاح قبول کرلیگا اور رفتہ رفتہ یہ سب میرے حلقہ بگوش ہو جائیں گے تو آپ نے قریب کے دیگر غیر مسلم سلاطین کے نام دعوت نامے بھیجنے شروع کئے جن میں سے بعض کا انجام متوقع اور بہتر ثابت ہوا لیکن کوئی نمایاں کامیابی نہیں ہوئی۔ اسی اثناء میں آپکا انتقال ہوجاتا ہے جبکہ تمام عرب آپ کی دعوت قبول کرچکا تھا لیکن خارجی تبلیغ ابھی پوری نہ ہوئی تھی۔ آپ کے جانشین حضرت ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ جب داخلی فتنوں کو فرو کرچکتے ہیں تو انھیں اس چیز کا خیال آتا ہے۔ وہ حضرت عمرؓ کے مشورہ سے روم و ایران کی جانب حضرت خالد بن الولید اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی زیر قیادت دو لشکر روانہ کرتے ہیں۔ مسلمان نشۂ اسلام سے سرشار اور چور جہاد کے بے پناہ جذبہ سے معمور ہوکر جدھر جاتے ہیں کامیابی ان کے قدم چومتی نظر آتی۔ چند ہی سالوں میں وہ روم و ایران کی عظیم الشان اور بے مثال طاقت والی حکومتوں کے پرخچے اڑا دیتے اور تہس نہس کردیتے ہیں۔ خلافت راشدہ کے بعد بھی (اگرچہ خلافت اسلامیہ پر زوال آجاتا ہے مسلمانوں میں وہ جوش ایمانی اور جذبۂ جہاد نظر نہیں آتا) لیکن یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے اور اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا تھوڑی مدت میں دنیا کے　اہم حصوں پر قابض ہوجاتے ہیں اور ان کا شہرہ تمام کرہ ارضی میں ہوجاتا ہے مفتوحہ ممالک میں مسلمانوں سے قبل شخصی حکمرانی کا رواج تھا جسکے لوازم سے دیگر مفاسد کے علاوہ ظلم اور ناانصافی اور رعایا کی عزت وعصمت مال ومتاع کی غیر مصئونی اور ضیاع بھی ہے۔ مسلمان ان کے لئے آیۂ رحمت اور ابر کرم ثابت ہوتے ہیں اور شخصی فرمانروائی ظالمانہ ومستبدانہ حکومتوں کے ستائے ہوئے مظلوم اسلام کے سایۂ امن وعافیت میں پناہ لیتے ہیں۔ مسلمان ان کے علاوہ جن ممالک میں فاتحانہ نہیں بلکہ تاجرانہ یا سیاحانہ طریقہ سے گئے اپنے فرض امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے غافل نہیں رہے جسکے نتیجہ کے طور پر انھیں وہاں بھی بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ ہاں ان مقامات پر مفتوحہ ممالک کی طرح کامیابی نہیں حاصل ہوئی

اور اکثریت اسلام سے دور ہی دور رہی لیکن اسلام کی عدیم النظیر قوت جاذبہ اور مادۂ کشش وہاں بھی اپنا ہمہ گیر اثر ڈالتی ہے اسلئے جو قومیں اسلام قبول نہیں کرتیں وہ بھی اس کے ہمہ گیر اثر سے محفوظ نہیں رہ سکتیں بلکہ بعض میں تو اسلام کا اتنا اثر ہوتا ہے اور وہ ان میں اسقدر تبدیلی و انقلاب پیدا کر دیتا ہے کہ ان کی اصلیت پہچاننی مشکل ہو جاتی ہے۔

الغرض حضور صلعم کا پیغام قلیل عرصہ میں تمام عالم میں پھیل جاتا ہے ہر ملک میں آپ کے پیرو نظر آنے لگتے ہیں اور انھوں نے ان قوموں کے خیالات میں بھی تغیر پیدا کر دیا جو مسلمان نہیں ہوئی تھیں۔ مسلمانوں ہی کی بدولت عیسائی دنیا ترقی کے مدارج اعلیٰ پر نظر آرہی ہے وہ آج انا ولا غیری کا ڈنکا بجاتے میں بھی مسلمانوں ہی کی مرہون منت ہے۔ آپ ہی کی تعلیمات کا اثر تھا کہ عیسائی دنیا میں ایک انقلاب انگیز حرکت شروع ہوئی اور پروٹسٹنٹ فرقہ پیدا ہوا جس میں ایک حد تک کافی اصلاح موجود ہے اور اس میں توحید کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔

ہندوستان میں مسلمان اگرچہ خلافت راشدہ ہی کے زمانے میں آچکے تھے مگر وہ فاتحانہ حیثیت سے چوتھی صدی ہجری ہی میں آئے اور کم و بیش نوسو سال تک حکومت کی۔ اسلام کی عرب اور مغربی ممالک میں کامیابی کو دیکھتے ہوئے یہ امر تعجب خیز معلوم ہوتا ہے کہ اتنی صدیوں میں انھیں ہندوستان میں کوئی اہم کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ مگر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہاں کے مسلمان حکمراں حد سے زیادہ روادار و بردبار تھے۔ انھوں نے تبلیغ اسلام کا کوئی انتظام نہیں کیا اور اس فریضہ سے ہمیشہ غافل رہے۔ ان میں قرون اولیٰ کی طرح اسلامیت بھی نہ تھی علاوہ ازیں اسمیں ہندوؤں کی انفرادیت پسندی۔ چھوت چھات اور مسلمانوں سے علیحدگی کے خیال کو دیکھتے ہوئے اگر ہم اور ممالک سے قطع نظر کر لیں تو اس کی یہ کامیابی بھی کم نہیں کیونکہ یہاں نہ تو تبلیغ کی کوئی منظم تحریک موجود تھی نہ ہی اس کیلئے باقاعدہ انجمنیں تھیں بلکہ یہ چیز صرف صوفیا اور اولیاء کی مرہون منت ہے۔ جہاں جہاں اہل اللہ کا گذر ہو گیا آبادی کی آبادی مسلمان ہو گئی۔ انہی نفوس قدسیہ کی برکت ہے کہ آج ہندوستان میں نو کروڑ کے قریب فرزندان توحید نظر آرہے ہیں۔ اور ہندوؤں کی تہائی آبادی محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھ رہی ہے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان کی اکثریت نے اسلام کے سایۂ عاطفت میں پناہ نہیں لی اور اس سے دور دور رہنے کی کوشش کرتی رہی۔ مگر یہ چیز کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ یہ اکثریت بھی خود کو اسلام کے ہمہ گیر اثر سے محفوظ نہیں رکھ سکی اور جسقدر تعلیم کی روشنی بڑھتی گئی اکثریت کو اس بات کا فزوں تر احساس ہوتا گیا کہ ہمارا مذہب ہمارے لئے کافی نہیں اگر ہم اسی حالت پر قانع رہے تو یا ہم بتدریج اسلام میں مدغم ہو جائیں گے۔ یا ہمیں انتہائی پست ذلیل اور حقیر بنکر رہنا پڑیگا۔ چنانچہ انھوں نے چن چن کر اسلام کی خوبیوں کا اقتباس کرنا شروع کر دیا اور انھیں اپنا بنانے لگ گئے اس طرح اصلاح کے نام سے وہ اسلام کے بہت زیادہ قریب ہو گئے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہندو مذہب کا دائرہ بہت وسیع ہے ہر ہندی شخص ہندو کہلا سکتا ہے چاہے وہ آستک ہو یا ناستک یا کچھ اور اسکا دامن بہت کشادہ ہے یہانتک کہ مختلف اور متضاد اعتقاد رکھنے والوں کو بھی محیط ہے اسی لئے حکیم الامت علامہ اقبال مرحوم اسے اکال الامم کے لقب سے یاد کرتے ہیں یہاں بہت سی تہذیبیں آئیں اور اسی میں جذب ہو گئیں۔ لیکن یہ خصوصیت صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ ہندو مذہب اسکے مقابلہ میں بالکل نہ رک سکا۔ بلکہ اس قدر زیر اور اتنا متاثر ہوا کہ اپنی اصلیت ہی کھو بیٹھا۔ مقدس مذہب اسلام نے اپنی انفرادیت قائم رکھتے ہوئے مذہبی حیثیت سے اس میں تین عظیم الشان انقلاب پیدا کئے

(۱) آریہ سماج (۲) برہمو سماج (۳) سکھ دہرم جنھیں دیکھکر ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام ہندوستان میں قطعاً ناکامیاب نہیں رہا بلکہ اسے یہاں بھی عظیم الشان کامیابی نصیب ہوئی اور یہ خطہ بھی نبی امیؐ کے فیض سے محروم نہیں رہا آج ہم اس چیز کو ذرا وضاحت سے دکھلانے کی کوشش کرینگے کہ ہندو دنیا اسلام سے کسقدر متاثر ہوئی ہے اور زمانہ ماضی قریب اور موجودہ دور کے ہندو رہنما و مصلحین نے کس قدر اسلام کی خوشہ چینی کی ہے۔ اور دین فطرت کی کشش انھیں کتنی تیزی سے اسلام کی طرف کھینچ رہی ہے۔ اس سے پیشتر کہ اسلام کے پیدا کردہ انقلابات کی توضیح کی جائے اور اسکے اثرات کو اجاگر کرکے دکھلایا جائے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قبل از اسلام دنیا کی حالت پر ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ مفہوم اور مقصود کی وضاحت آسانی سے ہوسکے۔

(۱) اسلام سے پہلے دنیا نور ہدایت سے خالی تھی توحید کا تصور بھی نہ تھا ہزاروں اور لاکھوں معبود بنائے گئے تھے تمام کرۂ ارضی پرستاران رب واحد سے بالکل اسی طرح خالی ہوچکی تھی جس طرح ہتھیلی بال سے۔

(۲) بعثت نبوی سے قبل دنیا انسانیت کے حقیقی مفہوم سے قطعاً ناآشنا تھی۔ نسب۔ دین و مذہب۔ قبیلہ و خاندان ملک و وطن کے روابط بشری نہ ہونے کی صورت میں ایک دوسرے سے جنگ و جدال اور کشت و خون جائز تھا۔ صلہ و عطیہ۔ اخوت و ہمدردی۔ رحم و کرم کے مستحق صرف وہ لوگ ہوسکتے تھے جو مذکورہ بالا اشیا میں ان سے مربوط ہوتے۔ ملک و وطن۔ دین و مذہب۔ زبان و رنگ کی ہم آہنگی کے باوجود نسب و خاندان کے اختلاف کی صورت میں وہ ان تمام بھلائیوں سے محروم رکھے جاتے تھے۔ ان کی حیثیت غلاموں سے کچھ ہی بڑھکر ہوتی تھی بلکہ بعض حالات میں تو وہ ان سے بھی بدتر حالات میں رہنے پر مجبور کئے جاتے تھے اور وہ انسانیت کے حقوق سے یکسر محروم کردئے گئے تھے۔ غرضکہ تمام کرہ زمین پر ملک و وطن قبیلہ و خاندان۔ نسل و رنگ۔ شعوب و قبائل کے طاغوتی بتوں کا تسلط تھا۔ اور کل عالم میں ان کی پرستش ہوتی تھی۔

(۳) اسکے علاوہ ان میں ایک ایسا فرقہ بھی موجود تھا جو تمام روابط بشریہ ہر قسم کی یکسانیت و ہم آہنگی کے باوجود اچھوت پنے کا ویسا ہی شکار تھا جیسا کہ ہند کے شودر رویش یا عرب و دیگر ممالک میں غلام لونڈیاں تھیں سوسائٹی نے انھیں انسانی فضل و شرف سے محروم کرکے حیوانات میں شامل کردیا تھا انھیں پیدائش سے لیکر موت تک انسانوں کا غلام مجبور و بے دست و پا بناکر رکھا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ "مہذب" یورپ کے بعض حصص میں بروایت "اخلاق یورپ" ایسے فرقے بھی موجود تھے جنکا عقیدہ تھا کہ "عورتیں ناپاک حیوان ہیں، ان کے اندر روح کا وجود بھی نہیں۔ تاہم ان پر عبادت اور خدمت ضروری ہے اونٹ اور کاٹنے والے کتے کی طرح ان کے منہ کو بند کردینا چاہئے تاکہ وہ ہنس اور بول نہ سکیں۔ کیونکہ عورتیں شیطان کی جان ہیں"۔ روم کی مجلس اعلیٰ نے بھی اس کو تسلیم کرلیا تھا۔ یونان میں ایک دفعہ خاص اسی لئے مجلس منعقد کی گئی تھی تاکہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ عورت میں روح ہے یا نہیں اور بحث و تمحیص کے بعد ان میں روح کے وجود سے انکار کردیا گیا تھا۔

(۴) نجات اخروی اور تقرب خداوندی کے حصول کیلئے علائق دنیا سے مکمل آزادی ضروری تھی دینداری اور دنیاداری دو متبائن چیزیں تھیں جو کسی میں یکجا ہو ہی نہیں سکتی تھیں۔

(۵) ہر مذہب نے علم کو صرف ایک طبقہ کے ساتھ خاص کردیا تھا یہودی اپنا علم کسی دوسرے کو بتلاتے ہی نہ تھے۔ ہندوں کا بخل علمی آشکارا اور شہرۂ آفاق ہے۔

(۶) دنیا اخلاقی حیثیت سے انتہائی پستی میں پڑ چکی تھی۔ شراب نوشی ہند قدیم سے سلف کا باعزت مشغلہ تھا۔ رامائن کے عہد زریں میں بھی اس کا رواج عام تھا اس کی رزمیہ نظموں میں بادہ نوشی کی کثرت مثالیں اور حوالے ملتے ہیں اور بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ عہد عتیق کی پاک اور پوتر رسم دیرینہ تھی۔

لیکن آفتاب اسلام کی ضیاباری نے ان تمام ظلمتوں کو نور سے بدل دیا ساری تاریکیاں کافور ہوگئیں۔ ہوائے یثربی نے ایک ہی جھونکے میں تمام عالم کے مشام جان کو معطر کر دیا توحید کا فراموش شدہ حیات افروز سبق محمد عربی ہی کی زبان سے دوبارہ زینت گوش بنا۔ آپ کا روحانی پیغام وہ فصل نوبہار ثابت ہوا کہ اس کی عطر بیزیاں دنیا کے گوشہ گوشہ میں دوش صبا کے ذریعہ قیامت تک پھیلتی رہیں گی۔ بتوں کی وقعت گھٹ گئی۔ اصنام منہدم کر دیئے گئے۔ شرک کی دیوار متزلزل ہوگئی۔ بت پرستی کا سفینہ ڈانواڈول ہوگیا۔ رب واحد کی پرستش ہونے لگی۔ اکیلے اور واحد اللہ کو پوجا جانے لگا۔ ہر در و دیوار سے آواز اٹھنے لگی۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے توحید کا سبق دیکر اور تمام انسانوں کو ایک آدم کی اولاد بتلا کر تمام اصنام خیالی کے پرزے پرزے اڑا دیئے۔ اس نے برتری کا معیار تقویٰ و پرہیزگاری کو قرار دیا نہ کہ وطن و ملک یا نسل و قبیلہ یا رنگ و روپ کو اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ (خدا کا محبوب صرف متقی ہے) اور لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰی عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰی عَرَبِيٍّ اِلٰی آخرہ[1] اسی چیز کے مظہر ہیں اس نے سینوں کو اسقدر ابھارا کہ برتر و کمتر کے تمام امتیازات مٹ گئے۔ اس نے عورتوں کو اسقدر عزت دی کہ انھیں مختلف حالتوں میں "نور نظر" "گھر کی زینت" "چراغ خانہ" اور اندھیرے گھر کا اجالا بنا دیا۔ مردوں اور عورتوں کو مساوی حقوق سے نوازا وَلَهُنَّ[2] مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کا یہی مطلب ہے۔ اسنے ان کے انفرادی۔ منزلی اجتماعی اور سیاسی حقوق پر کوئی ناجائز و نامناسب پابندی نہیں کی۔ اسنے عورت کو وہ حقوق دیئے جنھیں موجودہ دور کی مہذب و ترقی یافتہ عورت کوشش بسیار کے بعد بھی نہ حاصل کر سکی۔ اس نے رہبانیت سے بالکل روک دیا اور بتلا دیا کہ دنیا میں رہ کر بیوی بچوں سے ملکر لذائذ دنیا سے بہرہ اندوز ہو کر۔ خواہشات انسانی کو حاصل کر کے بھی خدا کا تقرب اس کی خوشی۔ اور نجات اخروی مل سکتی ہے اس کے نزدیک علائق دنیا تقرب خداوندی سے مانع نہیں۔ لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ اسلام میں رہبانیت جائز نہیں۔ اور قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ پ ۸ ع ۱۰) کہدو (اے محمد) کہ اللہ نے جو اپنے بندوں کی زینت اور حلال روزی کی چیزیں پیدا کی ہیں ان کو کس نے ان پر حرام کر دیا) ۔ سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ اسلام نے علم اور علماء کی زبردست حمایت کی۔ لوگوں کو اس کیلئے ابھارا۔ اس نے علم کو کسی جماعت کے ساتھ خاص نہیں کیا بلکہ ہر ایک شخص کیلئے اس کا دروازہ کھولدیا۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں ہر قسم کے طالب علم موجود تھے جنھوں نے آپ سے کسب فیض کیا۔ آپ نے جنگ بدر کے نادار قیدیوں کا فدیہ یہ مقرر فرمایا تھا کہ وہ مدینے کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھا کر آزادی حاصل کر سکتے ہیں۔ ایک مشہور حدیث ہے طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ۔ اگرچہ اس کا شمار موضوعات میں ہوتا ہے لیکن اس سے وہ ذہنیت پوری طرح سمجھ میں آسکتی ہے جو اسلام کے بعد عربوں میں پیدا ہو گئی تھی۔

ان مختصر اشارات اور مقدمات کو ذہن نشین کر لینے کے بعد آگے بڑھیے اور دیکھیے کہ نبی امی فداہ ابی و امی کی تعلیم نے ظلمتکدۂ ہند کو کس طرح روشن کیا اور رحمت عالم کے ابر کرم کی ترشح نے اس بے برگ وبار اور شور زمین پر کیسے گل و بوٹے کھلائے ہیں۔

[1] کسی عربی کو کسی عجمی پر یا کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں ۱۲ [2] عورتوں کے مردوں پر حقوق ہیں جس طرح مردوں کے عورتوں پر ۱۲

(۱) آریہ سماج

ہندوؤں میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اور ترقی پذیر جماعت یہی ہے اس کے بانی پنڈت سوامی دیانند سرسوتی تھے جو اسلامی تعلیمات اور عربی زبان سے آشنا تھے انکا دور وہی ہے جبکہ انگریز ہندوستان پر آہستہ آہستہ قبضہ جما رہے تھے اور انگریزی تعلیم عام ہو رہی تھی۔ سب سے پہلے ہندو ہی اس طرف متوجہ ہوئے اور انھیں میں اس تعلیم کا رواج ہوا اسلامی تعلیمات اور جدید دنیا سے واقفیت اور علم کی روشنی نے تعلیم یافتہ طبقہ میں بتوں اور مورتیوں سے نفرت کا ایک عام جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ پنڈت جی نے بھی اس موقع کو غنیمت سمجھکر فائدہ اٹھانا چاہا اور تمام ہندوستان میں توحید کا پرچار کرنا اور بتوں اور مورتیوں کی پوجا سے برگشتہ کرنا شروع کر دیا۔ اسی مقصد سے انھوں نے تمام ہندوستان کا دورہ بھی کیا تھا۔ اگرچہ اس آواز کے بازگشت کے طور پر انپر قاتلانہ حملہ بھی کیا گیا (جسمیں انھیں ایک لاہوری مسلمان نے بچایا تھا) عام ہندوؤں نے اسکو بہت بری نظر سے دیکھا اور اس تحریک سے نفرت و بیزاری کا اظہار بھی کیا کیونکہ ان میں تعلیم نہ تھی اور طبیعتیں ابھی تک بدستور جمود و خمود کی طرف مائل تھیں لیکن پنڈت جی نے ان کی کچھ پروانہ کی۔ اور برابر ہمت سے کام کرتے رہے تعلیم جدید نے ایسے افراد بھی پیدا کر دیئے تھے جنھیں اپنے مذہب کی کمزوری کا احساس بخوبی تھا اور جو یہ سمجھ چکے تھے کہ ہمارا مذہب ہمارے لئے کافی نہیں ہے اگر ہم اسی حالت پر قائم رہے تو یا تو بہت جلد فنا ہو جائینگے یا ہمیں انتہائی ذلت و رسوائی کے ساتھ رہنا پڑیگا" چنانچہ انھوں نے ان کی آواز پر لبیک کہا اور بہت کچھ مدد کی پنڈت جی نے چند دنوں کی تکلیف برداشت کرنے کے بعد اپنے متبعین کی کافی تعداد پیدا کر لی تھی۔ انھوں نے صرف یہی نہیں کہ سب سے بڑے اعتقادی مسئلہ اور تمام عقائد کی بنیاد (توحید) کو اسلام سے مستعار لیا تھا بلکہ اس وقت سے لیکر اب تک برابر کتر بیونت جاری ہے اور بہت سی چیزیں اصلاح کے نام پر لی جا رہی ہیں اسلام مرتب اور منظم شکل میں آج بھی "سوا" "بنا ہوا" ہے مگر عمل کیلئے اس کے ایک ایک رکن کی طرف بینائی جاری ہے اس کے ایک ایک جزو کی طرف التفات و رغبت ہے چھوت چھات کو ہندوؤں کی زندگی کا رکن سمجھ لیجئے۔ ذات پات کی سختیاں معاذاللہ کس درجہ کی تھیں! ایک کے ہاتھ کا چھوا ہوا پانی دوسرے کیلئے ناپاک۔ اس کا سایہ بھی بھرشٹ کرنے کیلئے کافی۔ لیکن رحمت عالم کا اعجاز دیکھئے کہ آج ہندوؤں کے بڑے بڑے پنڈت اور پروہت خود ہی ذات پات کے بندھن توڑکر درن آشرم کے خلاف بغاوت کرکے اسلام کی سطح مساوات و اخوت کی طرف دوڑے ہوئے چلے آرہے ہیں۔

میں شروع ہی میں کہدوں کہ باب میراث میں ہندو اور مسلمان عورتوں کے مرتبہ میں ایک اصولی فرق ہے۔ اسلامی شریعت میں عورت مرد کے ساتھ میراث کے ایک بڑے حصہ میں شریک ہے یعنی لڑکوں کے ۲/۳ حصہ کے ساتھ لڑکیوں کا ۱/۳ حصہ ہے اس کے برعکس ہندو قانون میں لڑکے کی موجودگی میں عورت کو کوئی حق میراث قطعاً پہنچتا ہی نہیں۔ جب سرے سے اولاد نرینہ کا وجود ہی نہ ہو تب البتہ بیوہ یا لڑکی کو میراث پہنچ سکتی ہے جب بھی صرف حین حیات گذارہ کے طور پر عورت اپنے حصہ کی مالک اور متصرف ہو ہی نہیں سکتی بجز (استری دھن) کی صورت کے۔

شریعت اسلام میں عورت کے ساتھ میراث کے باب میں بڑے انصاف سے کام لیا گیا ہے اور اس کی حیثیت معتبر تسلیم کرلی گئی ہے اور مسلمان عورت کم از کم اس بارے میں تو اپنی ہندو دولہن سے زیادہ خوش نصیب ہے۔" (لیڈر ۳۱ جنوری ۱۹۳۸ء)

یہ پنڈت کشن پرشاد کول برسر ونٹس آف انڈیا سوسائٹی کے ایک مضمون کا اقتباس ہے اسی کے ساتھ حسب ذیل تقاریر کو بھی ملا لیجئے

تو نتیجہ نکالنے میں آسانی ہوگی۔

"وقت آگیا ہے کہ ہندو سوسائٹی قانونی حالات میں اپنے طبقہ نسواں کے ساتھ عدل کرنا سیکھے ہندو قانون نہ صرف مسئلہ وراثت میں بلکہ بہت سے دوسرے مسائل میں اسلامی اور مسیحی قوانین سے بہت تر ہے اور عورت کے حق میں نامنصفانہ اور غیر منصفانہ اعتبار سے کچھ بڑھکر ہے۔" (سر تیج بہادر سپرو کی تقریر ہندوؤں کی سوشل کانفرنس منعقدہ ۳۱ مارچ ۱۹۲۹ء)

"ہندو قانون نے جائداد کے باب میں عورتوں کو انکے حقوق سے محروم کر رکھا ہے اور معاشی حیثیت سے انھیں مردوں کا دائمی غلام بنادیا ہے معمولی معمولی ضرورتوں میں بھی ہندو عورت اپنی پیدائش سے موت تک سر تا سر مرد ہی کی محکوم رہتی ہے اور اس کا اثر سیرت و اخلاق پر درجہ افسوسناک پڑ رہا ہے (تقریر پنڈت اقبال نرائن گرٹو ایم اے در کانفرنس مذکور)۔

اس کانفرنس کا ایک ریزولیوشن بھی ملاحظہ فرمالیجئے "اس کانفرنس کی رائے میں ہندو قانون وراثت کی ایسی ترمیم ضروری ہے جس سے عورتوں کا حق جائداد میں تسلیم ہو جائے۔ جس حق سے وہ اب تک محروم ہیں" غرضکہ اسی مضمون کی تقریریں اس کے قبل اور اس کے بعد خدا معلوم کتنی ہندو لیڈروں کی زبان سے ہو چکی ہیں یا ہم مفہوم کی تحریر خدا معلوم کتنی' ہندو اہل قلم کے قلم سے نکل چکی ہیں۔ بیٹی کو باپ کی سنگدلی سے۔ بہن کو بھائی کے زور و ظلم سے۔ بیوی کو شوہر کی بیدردی سے۔ ماں کو بیٹے کی شقاوت سے جو کچھ سہنا پڑا سال دو سال نہیں سینکڑوں بلکہ ہزاروں برس سے سہنا پڑ رہا ہے۔ آخر اس پر خود ظالموں اور سنگدلوں کا دل بھی پگھل چلا۔ اور نظریں للچا کر بالآخر اسلام کے سرسبز و شاداب گلشن ہی کی طرف اٹھیں۔ اور بھیک محمد عربی (بابا) ہی کے دروازہ غریب نواز سے ملی صرف میراث ہی کا مسئلہ نہیں بلکہ نکاح۔ خلع۔ طلاق۔ تعدد ازدواج۔ حرمت سود۔ حرمت شراب۔ وغیرہ کتنے ہی مسائل اجتماعی زندگی سے متعلق ایسے ہیں جن میں شریعت اسلامی کی افضلیت و جامعیت کا اعتراف بارہا غیر مسلم قوموں کے سخت ترین منکرین کر چکے ہیں اور آریہ سماجی کسی نہ کسی عنوان سے اس کیلئے گنجائش نکالنے پر اپنے آپ کو مجبور پا رہے ہیں

طلاق۔ کہنا چاہئے کہ ابھی کل تک خالص اسلامی مسئلہ تھا مسیحیوں اور سناتن دھرمیوں۔ آریہ سماجیوں غرضکہ سب کی طرف سے ہدف اعتراض تھا لیکن اب سب کے سب اپنے اپنے ہاں جواز طلاق کی مختلف صورتیں نکال رہے اور پارلیمینٹ۔ اسمبلی۔ کونسل کے ذریعہ ہر جگہ قانون میں ترمیم کرا رہے ہیں۔ نیز تعدد ازدواج کیلئے بھی کسی نہ کسی عنوان سے گنجائش نکالنے پر اپنے آپ کو مجبور پا رہے ہیں

ودہوا بواہ (نکاح بیوگان) کا نام بھی اب سے چند سال پیشتر سننا محال تھا اور ہندو عورت بیوگی کے بعد (چاہے یہ مصیبت اس غریب پر شوہر کے گھر جانے سے پیشتر ہی آپڑے) ہمیشہ کیلئے مجرد رہنے پر مجبور کی جاتی تھی اور اس کیلئے عقد ثانی قطعاً حرام تھا مگر اب ان سب میں ترمیم ہو چکی ہے اور دستگیری انہی نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے فرمائی ہے۔

صغر سنی کی شادی کا صرف رواج ہی نہیں تھا بلکہ مستحب اور مستحسن اور بعض حالات میں ضروری سمجھا جاتا تھا اس کی روک تھام کیلئے سب سے پہلے شاردا ایکٹ پاس ہوا مگر وہ بھی غیر اطمینان بخش ثابت ہوا تو گذشتہ سال مسٹر بی داس ممبر اسمبلی نے اس کو اور بھی سخت تر کرنے کیلئے ترمیم پیش کی اور اسے بھی پاس کرالیا۔ بچارا مسٹر بجوڑیا اور دلی کے ہندو رویا کئے نگران غریبوں کی کون سنتا تھا وہاں تو اپنے مذہب میں خامی اور کمی نظر آرہی تھی جس کا بدل ان بیچاروں کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ (اگرچہ مکمل نقل نہ ہونیکی وجہ سے اس میں بھی خامی رہ گئی ہے کیونکہ اسلام نے صغر سنی کی شادی کی اجازت دیکر خیار بلوغ کا حق بھی دیدیا تاکہ مفاسد مکمل طور پر ختم ہو جائیں

اور یہی راہ حق اور طریق اعتدال ہے)۔

ابھی کل تک ہمارے اور آپ کے دل ودماغ سود سے مرعوب تھے اور بڑے بڑے روشن خیال "جواز سود" پر رسالے لکھ رہے تھے اور علمار کبار تک نظر ثانی کرنے کیلئے تیار تھے مگر دنیا دیکھ رہی ہے کہ آج ہر ملک شرح سود کی لعنت سے چیخ اٹھا ہے اور "تحریم سود نہ سہی" تحدید سود ہی کیلئے سرگرم قانونی کوششوں میں مصروف ہے (دیکھئے مدراس ویوپی وغیرہ اسمبلیوں کے قوانین قرضہ)

محکمہ آبکاری ابھی کل تک امریکہ کی ولایت سے لیکر ہندوستان کے "صوبجات" تک ہر حکومت کے محاصل سرکاری کا ایک اہم ذریعہ تھا لیکن آج یہ واقعہ ہے کہ غیر مسلم حکومت اپنے نظام نامہ اصلاح کی پہلی دفعہ بندش شراب ہی کو بنا رہی ہے اور اسی پر فخر کرتی ہے (دیکھئے کانگریسی صوبوں۔ یوپی۔ بمبئی۔ مدراس۔ بہار۔ اڑلیسہ۔ وغیرہ کے کارناموں کی فہرست)

ان تمام اجتماعی اور اعتقادی قوانین اور دساتیر میں ترمیم پہ ترمیم نبی امی ہی کے قانون کے ماتحت ہو رہی ہے اور اب تو نماز جمعہ اور نعرۂ تکبیر تک کی بھیک اسی سلطان بوریہ نشین سے مانگی جارہی ہے۔ (دیکھئے ۱۹۳۶ء میں لاہور کے ایک اہم جلسہ کا ریزولیوشن۔ اور جنوری سال رواں کے لیڈر الہ آباد کو)

ہندوؤں کے تمام وید۔ شاستر۔ اور قوانین منو اٹھا کر دیکھ جائیے اور نظر گڑا گڑا کر گھور گھور کر دیکھ لیجئے اگر آپ کو مذکورہ بالا اشیا سے مایوسی ہو " اور ضرور ہوگی" اگر ان چیزوں کا کہیں پتہ نہ چلے اور ناامیدی ہو جائے تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے قانون میں ایک ایک لفظ اور ایک ایک نقطہ ملاحظہ کر لیجئے۔ ان سب چیزوں کے علاوہ سب سے بڑا اثر اسلام کا ہندو مذہب پر یہ ہوا کہ وہ اسی کی بدولت تبلیغی مذہب بنگیا ہندوؤں کے یہاں تبلیغ کا کوئی حکم نہیں بلکہ اس کی ایک ناقص صورت پرائشچت کے نام سے پائی جاتی ہے مگر اسکا مقصد غیر ہندو کو ہندو بنانا نہیں بلکہ صرف یہ ہے کہ گناہگار ہندو مخصوص رسوم ادا کر کے گناہ سے پاک ہو جائیں۔ انکی تمام قدیم تاریخ میں غیر ہندو کو ہندو بنانے کی کوئی مثال نہیں۔ آریہ سماج کے لیڈروں نے جب دیکھا کہ مسلمان ہندوستان میں چند ہزار کی تعداد میں آئے تھے لیکن انھوں نے اپنے ہمہ گیر اثر سے کروڑوں ہندوؤں کو مسلمان بنا لیا اور چوتھائی ملک پر قابض ہو گئے ہیں تو انھیں خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں تھوڑے ہی دنوں میں وہ بالکل فنا نہ ہو جائیں اور مسلمان تمام ہندوستان پر آہستہ آہستہ قابض نہ ہو جائیں چنانچہ تبلیغ کے مقابلہ میں شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں شروع کی گئیں اور غیر ہندوؤں کو ہندو بنانے کا آوازہ کانوں میں پڑنے لگا۔

مگر افسوس کہ اس جماعت کا رویہ داعی اسلام۔ اسلام۔ اور مسلمانوں کے بارے میں ہمیشہ انتہائی دل آزار نامناسب۔ اور افسوسناک رہا ہے۔ سوامی دیانند پنڈت لیکھرام۔ پنڈت شردھانند وغیرہ کی دریدہ دہنی عالم آشکار ہے ان کے بارے میں انکا طرز تکلم بالکل بازاریوں کی طرح ہے ان کی کتابیں اسلام پر لچر پوچ اعتراضات سے پُر ہیں۔

برھمو سماج

اس مذہب کے بانی کلکتہ کے ایک روشن خیال تعلیم یافتہ فاضل راجہ رام موہن رائے نامی ہیں۔ راجہ صاحب عربی زبان کے ماہر تھے علوم مشرقیہ پر کافی دستگاہ رکھتے تھے۔ فارسی میں سب سے پہلے انھوں نے ہی کلکتہ سے اخبار نکالا اسلامی تعلیمات سے بخوبی واقف تھے وہ بہت ہی وسیع النظر اور مدبر انسان تھے انھوں نے ہندوؤں کے عقائد میں بعض بہت اہم تبدیلیاں کیں انھوں نے بتلایا کہ تمام قوموں اور ملکوں میں انبیار اور رشی و منی گذرے ہیں جو کہ سب اصول میں متفق تھے اور سبھوں کا پیغام بھی ایک ہی تھا برخلاف انکے ہندوؤں میں یہ وسعت خیالی قطعاً معدوم ہے عام ہندوؤں کے نزدیک ہندو مذہب ہی تمام صداقتوں کا سرچشمہ ہے

اس کے علاوہ جتنے مذاہب گذرے اور انبیا آئے سب باطل اور مفتری وکذاب تھے۔ خداوند تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش میں صرف اسی مذہب کو الہام سے مشرف فرمایا تھا اور دنیا کی تمام مخلوق کو اس نعمت سے محروم رکھا تھا لیکن راجہ صاحب نے ان کے ان خیالات کی پرزور تردید کی اور انکی غلطی کو واضح کیا۔ جس کی وجہ سے انکے متبعین میں ایک حد تک کافی وسعت خیالی پیدا ہوگئی۔ ان کے دلوں سے دیگر مذاہب سے تنفر جاتا رہا۔ ان کے ہم خیال لوگ عام طور پر تمام بانیان مذاہب کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں۔ وہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم میلاد کی مجالس میں بھی شرکت کرتے ہیں .... انھوں نے ہندوؤں میں معاشرتی اور اجتماعی اصلاح کی بھی کافی کوشش کی ہے چھوت چھات کے خلاف موثر تحریکیں جاری کیں۔ ہریجنوں کیلئے مندروں کے دروازے کھلوا دیئے۔

. . . .

. . . .

راجہ صاحب کا سب سے زیادہ اثر گاندھی جی پر پڑا ہے گاندھی جی کا مذہب وہی ہے جو رام موہن رائے کا تھا گاندھی جی انکے بڑے معتقد ہیں اور ان کی مشن کو ترقی دینا ہی انکی زندگی کا مقصد ہے۔ واردھا کی تعلیمی اسکیم میں بھی انھوں نے تمام مذاہب کی تعلیم کو نکال کر رام موہن رائے کی تعلیم اور انکے نظریۂ حیات وفلسفۂ زندگی کو اختیار کیا ہے (اور اس اسکیم کا سب سے بڑا نقص یہی ہے جس کی وجہ سے اسے ناقابل قبول بتلایا جارہا ہے۔)

سکھ دہرم ہندوستان میں تعلیمات اسلامیہ سے متاثر ہو کر اہم اور بڑا انقلاب سکھ دہرم کے نام سے رونما ہوا اس مذہب کے بانی گرونانک صاحب تھے جو کبیر صاحب کے شاگرد تھے انکے گرو کبیر پر بھی اسلامی تعلیمات کا اثر تھا لیکن ان سے کم۔ یہ صرف تعلیمات اسلامیہ سے بخوبی واقف وعالم ہی نہیں بلکہ ان پر عامل بھی تھے اور نہایت مرنجان مرنج صدر درجہ صوفی اور بے نفس تھے یہ اسلامی تعلیمات سے اسقدر متاثر تھے کہ آج تک ایسے لوگ ہیں جو انھیں مسلمان سمجھتے ہیں۔ اور ان کی کتابوں میں ان کے بعض اقوال بھی اسی قسم کے ملتے ہیں۔

چنانچہ عقیدہ توحید اور اقرار رسالت کے متعلق فرماتے ہیں۔

پاک پڑھو سی کلمہ رب دا محمدؐ نام ملائیے (جنم ساکھی بھائی بالا ص۱۲۱) فرماتے ہیں کہ صرف ایک خدا کا جو تمام لوگوں کا پالنے والا ہے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھنا چاہیئے لیکن صرف یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور کلمہ محمد الرسول اللہ بھی ملانا ضروری ہے۔ بغیر اس کے صرف لا الہ الا اللہ کام نہ دیگا۔ اس عبارت پر غور فرمائیے صاف توحید ورسالت کا اقرار معلوم ہوتا ہے ایک اور جگہ فرماتے ہیں ؎۵

کلمہ آکھیاں اوگن ہووے گناہوں پاک
آگے ملے گناہ پھر بہشتوں ملے طلاق
(جنم ساکھی بھائی ص۱۷۵)

فرماتے ہیں کہ انسان جب دل کی گہرائیوں سے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پڑھتا ہے اسی وقت تمام گناہوں سے پاک صاف ہوجاتا ہے۔ (حدیث اَلْاِسْلَامُ یَہْدِمُ مَاکَانَ قَبْلَہٗ بھی اسی کی مظہر ہے) پھر فرماتے ہیں کہ اگر کلمہ پڑھتے ہوئے بھی گناہ کرے تو جہنم سے چھٹکارا نہیں۔

؎۵ [illegible]

رسول اللہ صلعم کی ختم رسالت کے متعلق بھی صاف طور پر اقرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ختم الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

لے آیا پیغمبری سید ختم رسولؐ ۔ نام محمد مصطفیٰ درگاہ وِچّہ قبول۔

گرو نانک صاحب کے ان اقوال زریں سے روشن ہوگیا کہ وہ صرف ایک خدا مانتے تھے شرک کو موجب دخول جہنم جانتے تھے۔ نیز یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور آخری نبی بھی مانتے تھے۔ اور دل سے ان کے شیدائی تھے ۔ عقیدۂ توحید و رسالت کے معلوم کر لینے کے بعد اب قرآن حکیم کے متعلق ان کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے ۔ فرماتے ہیں ؎

تیرے کوٹا بھالیاں تیرے سو دسے بید	توریت انجیل زبور پڑھ سن ڈٹھے وید

یعنی تمام مذاہب کا ہم نے مطالعہ کیا۔ تینوں مذہب کی تعلیمات پر غور کیا توریت انجیل زبور کو غور سے پڑھا اور سنا لیکن آخر کیا ہوا! ؎

رہی قراں کتب ہی کلجگ میں پردان	مطلب دوہاں نہ سمجھیا ہندو مسلمان

نتیجہ یہی نکلا کہ ہمارے ماننے اور عمل کرنے کے لائق صرف قرآن مجید ہی ہے لیکن ہندو مسلمان دونوں کے دونوں اسے نہ سمجھے ہندو تو اس لئے کہ بیجا تعصب میں آکر انھوں نے پس پشت ڈال دیا۔ اور مسلمان کا نہ سمجھنا یہ ہے کہ انھوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔ ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ گرو نانک نجات کا راستہ قرآن ہی پر عمل کرنے کو بتلاتے تھے۔ نیز آپ یہ بھی یاد رکھیں کہ انھوں نے قدمبوسی آستانہ نبوت اور شرف زیارت خانہ کعبہ بھی حاصل کیا تھا جسے تمام سکھ دنیا بھی مانتی ہے۔

عقیدۂ توحید و رسالت اور حج کے بعد نماز کے متعلق بھی ان کے اقوال سنئے ؎

لعنت بر سر تنہاں جو ترک نماز کریں	تھوڑا کہتا کھٹیا ہنھو ہتھ گویں۔

یعنی جو لوگ نماز چھوڑتے ہیں ان پر لعنت ہو اُن کے تمام اعمال بغیر نماز پڑھے دئے رائیگاں اور ضائع ہیں۔ ایک اور بزرگ باوا فرید نامی تھے جو گرو صاحب کے ہم عصر تھے وہ اپنے کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں ؎

اٹھ فریدا جو سادھ پنج نماز گذار	جو سر سائیں نہ نیویں سو سر کپ اتار
جو سر سائیں نہ نیویں سو سر کیجیے کائیں	کنی ہیٹھ جلائیے بالن سندے تھائیں

(آدگرنتھ ۱۳۷۸ء)

یعنی اے فرید اٹھ اور وضو کر کے (اسلام کی بتائی ہوئی) پانچوں نمازیں ادا کر کیونکہ جو سر رب العزت کے سامنے نہیں جھکتا وہ اس لائق ہے کہ اسے تلوار سے قلم کر دیا جائے اور آگ کی بھٹی میں بھون دیا جائے۔ اس سے ان بزرگ کے دل میں نماز کی جو وقعت تھی صاف عیاں ہے ہی نہیں بلکہ گرو صاحب خود اپنی زبان سے اذان بھی دیا کرتے تھے۔ جنم ساکھی بھائی بالا ص۱۶۲ میں مرقوم ہے تاں سری گوردنے اُچی سرنال بانگ دتی۔ یعنی سری گوروجی نے بلند آواز سے اذان کہی۔

ان اقوال اور حوالہ جات سے صاف ظاہر ہے کہ سکھ دھرم میں اسلام نے بہت اہم انقلابات پیدا کئے اور ان کے ریفارمر اور مصلحین تمام کے تمام اسلامی اثر سے متاثر تھے اگرچہ اب تعصب بڑھ رہا ہے۔[۴۴] یہ تو اسلام کے پیدا کردہ اہم انقلابات کا مختصر خاکہ تھا ان کے علاوہ بھی جتنے ہندو مصلحین و ریفارمروں کو اہمیت حاصل ہے وہ سب بھی اسلام کے اثر سے متاثر اور اس کے انقلاب سے منقلب تھے۔ مثلاً

رامانند جو تیرہویں صدی عیسوی میں پیدا ہوا تھا یہ چھوت چھات کا بہت بڑا مخالف تھا یہ چھوٹی قوموں کو بھی نصیحت کرتا

[redacted]

تھا اس کا قول تھا کہ نجات حاصل کرنے میں قومیت کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ڈال سکتی ۔ ان کے چیلوں میں چھوٹی قوموں کے لوگ بھی تھے اور وہ ان کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا تھا جیسے اعلیٰ قوموں کے ساتھ ۔

کبیر ۔ سوامی رامانند کے شاگردوں میں سب سے مشہور کبیر ہوئے ہیں یہ بڑے خدا پرست اور زاہد تھے ان کا قول تھا سچا مذہب صرف ایک خدا کی پرستش سکھاتا ہے وہ ذات پات کی تفریق کو بیکار اور فضول سمجھتے تھے ۔ خدا تک پہنچنے کیلئے دنیا کو ترک کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے ۔

بلبھہ آچاریہ ۔ یہ ۱۴۷۹ء کے قریب پیدا ہوئے تھے ان کا قول یہی تھا کہ رہبانیت ۔ فاقہ کشی ۔ اور جسم کو قسم قسم کی تکلیف پہنچانا وشنو کو خوش کرنے کے وسیلے نہیں ہیں اچھی غذا کھاتے، اچھا کپڑا پہنتے، آرام و آسائش سے زندگی بسر کرتے ہوئے بھی انسان خدا کو خوش رکھ سکتا ہے اسی طرح سے تمام ہندو ریفارمر تعلیمات اسلامی سے سرتاسر متاثر تھے ۔

الغرض اسلام سے بیشتر ہندو یکسر ضلالت وگمراہی میں تھے اور رسوم ورواج، ذات پات کی جکڑ بندیوں میں مبتلا تھے اسلام سے پہلے یہاں کسی ہندو ریفارمر کا پتہ نہیں چلتا لیکن جب مسلمان آئے تو ہندوؤں کو اپنی کمزوری کا احساس ہوا اور مختلف مصلحین اور ریفارمر پیدا ہوئے ۔ مگر حالات نامساعد ہونے کی وجہ سے انھیں زیادہ کامیابی نصیب نہ ہوئی ۔ انگریزی تعلیم اور جدید دنیا سے واقفیت حاصل کرتے ہی انھیں اس چیز کا احساس فزوں تر ہوتا گیا اور اس دور کے مصلحین کو کامیابی نصیب ہوئی کیونکہ حالات مساعد تھے ہر قسم کی آسانیاں اور سہولتیں میسر تھیں ۔

مضمون کافی طویل ہو چکا ہے حالانکہ ہم نے ابھی تک صرف اعتقادیات اور اجتماعی و معاشرتی حالات ہی پر مختصراً بحث کی ہے ضرورت تھی کہ تہذیب و تمدن کے تمام شعبوں کا تجزیہ کرکے ایک ایک چیز کو اجاگر کیا جاتا لیکن عدیم الفرصتی اور "محدث" کے صفحات کی قلت مانع ہے اسلئے ہم چند ہندو سکھ مبصرین ومفکرین کے اقوال نقل کرنے کے بعد اپنے اس مضمون کو ختم کر دینگے ۔ (جن میں یہ بحثیں بھی ضمناً آگئی ہیں) اور اگر موقعہ ملا تو پھر کبھی مفصل روشنی ڈالیں گے ان شاء اللہ

پروفیسر ایشوری پرشاد ایم ۔ اے ۔ ایل ۔ ایل ۔ بی ۔ لکھتے ہیں "مسلمان دوسرے اور غیر ممالک کے باشندوں کی طرح ہندوستان کے باشندوں میں جذب نہیں ہوئے ان کی تہذیب کا ہندو قوم پر بہت اثر پڑا ۔ مسلمانوں کے مذہب اور ان کی تہذیب کا ہندو مذہب پر گہرا اثر پڑا ۔ مسلمانوں کے آنے سے ہندوستان میں ایک نئے لٹریچر کا ظہور ہوا ۔ فارسی میں امیر خسرو نے اپنی جودت طبع کے جوہر دکھائے (تاریخ ہند ص۱۲۸) مورخ بھی بہت ہوئے ہندی لٹریچروں کو بھی کافی ترقی ہوئی ۔ سنسکرت میں بھی کتابیں لکھی گئیں ۔ (تاریخ ہند ص۱۳۲-۱۳۱)

شہرۂ آفاق انقلابی لیڈر مسٹر ایم این رائے جو روس کے پہلے اشتراکی آمر لینن کی پارٹی کے سکریٹری رہ چکے ہیں اور پچھلے سال چھ برس کی طویل قید کاٹ کر رہا ہوئے ہیں اپنی کتاب "اسلام کی تاریخی عظمت" میں لکھتے ہیں "اگرچہ اسلام کے اصلی خدوخال پر رجعت پرستی اور تنگ خیالی کا پردہ پڑ گیا تھا ۔ پھر بھی اسلام نے ہندو سماج پر بیحد انقلاب آفریں اثر کیا ۔ مسلمان حکمران اپنی سلطنت کو تلوار کے زور سے اتنا مستحکم نہ کر سکتے تھے جتنا کہ اسلام کے قوانین کی فضیلت اور برتری نے کیا" آگے چلکر مسٹر ایم ۔ این رائے ایک انگریز مسٹر ہاول (جو برہمن قانون کا ثناخواں اور ہندو تہذیب کا بہت بڑا مداح اور اینڈو یورپین کلچر کے قصیدہ خواں ہونیکی وجہ سے

اسلامی تہذیب کا سخت مخالف ہے اور اس کا ذکر ہمیشہ متعصبانہ لہجہ میں کرتا ہے) کے حسب ذیل خیال (شودر مسلمان ہوکر برہمنوں کے پنجے سے آزاد ہوگئے اور برہمنوں کے آقابن گئے۔ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی طرح اسلام نے ذہنی قوتوں میں ہیجان پیدا کیا اور اعلی خیالات کو تحریک ہوئی اور بہت سے قابل افراد کو ہندوستان کی سرزمین نے پیدا کئے اور بعض تو اپنی ذہانت اور اپچ میں بے مثل ہوئے ہیں نشاۃ ثانیہ کی طرح اس میں بھی شہری زندگی اور تمدنی حضارت کی طرف رغبت تھی اس لئے شودروں نے اپنے گاؤں کو خیرباد کہکر شہروں میں گھر بنائے) کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ متذکرہ صدر بیان میں صرف ایک بات کا اضافہ کرتا ہوں کہ کبیر بھگت۔ گرونانک۔ سنت تکارام۔ اور دوسرے بزرگ جنھوں نے برہمنوں کی قدامت پرستی کے خلاف جہاد کیا ہے ان پر اسلامی تہذیب کا کافی اثر تھا۔ اگر حقائق سے اعراض نہ کیا جائے اور انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو مسلمانوں کے کلچر اور تہذیب پر ہندوؤں کو حقارت سے ناک بھوں چڑھانا زیب نہیں دیتا اس سے تاریخ کی تحقیر ہوتی ہے اور ہمارے سیاسی مستقبل کو دھکا لگتا ہے۔ مسلمانوں سے سیکھ کر یورپ اس وقت موجودہ تہذیب کا قائد اور علوم وفنون کے خزانے کا مالک ہے۔ اور آج بھی اس تہذیب کے ہونہار فرزند اپنے محسن۔ اسلام کے احسانات کا اعتراف کرتے ہوئے محجوب نہیں ہوتے (ہندوستان میں) عام بیداری پیدا ہورہی ہے۔ اور وقت ہے کہ ہندو اور مسلمان دونوں ملکر انسانی تاریخ کے ان قیمتی اوراق سے زندگی حاصل کریں۔ اسلام نے دنیا کی تہذیب اور تمدن میں بیش بہا اضافہ کیا ہے اس کی تاریخی عظمت اور اس کے تمدن کی فضیلت کی صحیح جانچ پڑتال ہندوؤں میں بصیرت پیدا کریگی۔ اور اسکے ساتھ ہی مسلمانوں کو انکے مذہب کی اصلی روح نظر آجائیگی۔ جس سے انکی تنگ نظری کا علاج ہو جائیگا۔ اور اس طرح ہندو جان لیں گے کہ اسلام کتنے بلند تمدن کا حامل ہے اور مسلمانوں کو پتہ چل جائیگا کہ وہ اس سے کتنے دور ہیں (احسان سنڈے ایڈیشن ۲۷ر مارچ ۱۹۳۹ء)

ہندوستان کی شہرۂ آفاق انگریزی شاعرہ وادیبہ بلبل ہند مسز سروجنی نائیڈو ممبر کانگریس ورکنگ کمیٹی وسابق صدر انڈین نیشنل کانگریس اپنے ایک بیان میں فرماتی ہیں "عربوں نے صرف ملک کی زمینیں فتح نہیں کیں بلکہ دل ودماغ فتح کئے انھوں نے قوموں کے لٹریچر اور خیالات کو متاثر کیا ہمارے (اہل ہنود) کے وہم وخیال کو حقیقت کا جامہ مسلمانوں نے پہنایا۔ ہمارے افکار وتخیلات میں حرکت اور جان انھوں نے ڈالی، مسلمانوں نے دنیا میں علوم وفنون کی بیشمار خدمات سرانجام دی ہیں، اخلاق، فیاضی، اور مردانگی ہمیشہ ان کی قومی خصوصیات رہی ہیں انھوں نے ہندوؤں کی طرح اشاعت علوم میں کبھی بخل نہیں روا رکھا ہمیشہ بنی نوع انسان کی تعلیم وتربیت کی فکر میں رہے ہیں" (اخبار وکیل مورخہ ۲۶) -

جناب سردار بھاگ سنگھ صاحب بسو بیدار اپنے ایک مضمون میں گورونانک صاحب کی توحید اور اقرار رسالت پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں "مندرجہ بالا حوالہ جات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ گورونانک دیوجی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل وجان سے معتقد تھے اور انھیں خدا کا رسول اور اپنا مرشد ہادی سمجھتے تھے ان حقائق کے منکشف ہوجانے کے بعد کوئی سکھ جو گورونانک دیوجی کا معتقد کہلاتا ہے یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر گورونانک دیوجی چودھویں صدی کا چاند ہیں تو رسول پاک (حضرت محمد صاحب) سورج ہیں۔ گوروجی نے نور وعلم وعرفان حضرت محمد (صلعم) سے حاصل کیا ہے"

اور یہی سردار صاحب گرونانک صاحب کی زیارت مدینہ طیبہ اور عقیدۂ نماز پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں "ان حوالہ جات

کو دیکھکر ہر انصاف پسند انسان بلا لیت و لعل یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ سری گورونانک دیو جی مذہب اسلام اور پیغمبر اسلام کے سچے شیدائی تھے۔ انھوں نے جو بزرگی حاصل کی وہ سب حضرت محمد (صلعم) کے فرامین پر عمل کرنے سے حاصل کی اب جسکو سیدھی راہ چلنے کی تمنا ہو وہ حضرت محمد (صلعم) کی بتائی ہوئی شاہراہ پر چلیں اور سورگ میں پہنچیں۔"

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (جنھوں نے اپنی زندگی ایک یتیم کی حیثیت سے شروع کی تھی) نے دنیا میں ظاہر ہو کر ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا جس کے مقابلہ میں ہمیں گذشتہ اور موجودہ دور میں کوئی سیاسی مذہبی یا معاشرتی انقلاب نظر نہیں آتا وہ جب مبعوث ہوئے تو دنیا میں ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ظلمت ہی ظلمت تھی۔ ان کی عمر بہت کم۔ اور کام بہت بڑا۔ جس کی وجہ سے ان کی زندگی میں ان کی لائی ہوئی تعلیمات صرف عرب اور قریب کے دیگر ممالک میں محدود رہیں۔ مگر ان کے متبعین اور پیروؤں نے ان کی تعلیمات کی تبلیغ اسقدر جوش۔ ہمت۔ ولولہ اور ہم دانشمندی سے کی کہ تھوڑے ہی دنوں میں دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھر گئے جہاں فاتح کی حیثیت سے گئے۔ مفتوحہ ممالک نے بسر و چشم ان کے پیغام کو قبول کیا اور مسلمان ہو گئے۔ لیکن جہاں فاتح کی حیثیت سے نہیں بلکہ سیاح تاجر یا اور کسی حیثیت سے گئے۔ وہاں بھی انھوں نے انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ جو قومیں اس سے دور دور اور متنفر رہیں وہ بھی کبھی نہ کبھی اس کے قدموں پر جھکی ہوئی۔ نذر عقیدت پیش کرتی ہوئی نظر آئیں۔ ہندوستان میں مسلمان سب سے پہلے تاجرانہ و سیاحانہ طریقہ سے آئے۔ ضمنی طریقہ پر انھوں نے تبلیغ کا کام بھی کیا جس کا اثر بھی ہوا۔ مگر کوئی نمایاں کامیابی نہیں ہوئی۔ اس کے بعد وہ فاتحانہ حیثیت سے مگر اس وقت آئے جب ان میں اضمحلال پیدا ہو چکا تھا۔ ان کے تمدن و تہذیب انتہائی عروج پر پہنچ کر زوال پذیر ہو رہے تھے اس وقت قیادت و سیادت کی عنان متمدن و مہذب عربوں کے ہاتھ سے نکلکر تاتاریوں کے ہاتھوں میں جا چکی تھی۔ لیکن اس وقت بھی مسلمانوں میں معاشرت و تمدن میں انقلاب پیدا کرنے کے خصائص موجود تھے۔ ہندوؤں کو ان کے میل جول اور تعلقات کی وجہ سے اسلامی تعلیمات کی برتری معلوم ہوئی اور اسی وقت سے ہندو مصلحین کا وجود ہمیں نظر آنے لگا۔ کبیر۔ چیتنہ بلبھہ آچاریہ۔ سنت تکارام۔ رامانند وغیرہ اسی عہد کے پیداوار ہیں۔ لیکن ان سب کی تعلیمات ان کے انتقال کے بعد ہی یا زیادہ سے زیادہ چند سالوں کے بعد ختم ہو گئیں لیکن جب انگریزی دور شروع ہوا۔ انگریزی تعلیم عام ہو گئی اور اس کی وجہ سے طبیعتوں کا جمود و خمود جاتا رہا تو اس زمانہ کے مصلحین کی آوازوں کی اہمیت کا احساس ہوا۔ حالات سازگار ہونے کی وجہ سے یکے بعد دیگرے توحید۔ تبلیغ۔ مساوات۔ عورتوں کے حقوق۔ طلاق۔ خلع۔ وراثت۔ نکاح بیوگان۔ صغرسنی کی شادی کی اصلاح۔ بندش شراب۔ روزہ۔ تحدید سود۔ وغیرہ جیسے اہم مسائل لیکر اپنے مذہب کی خامیوں کو دور کیا گیا۔ تین اہم اور زبردست انقلاب پیدا ہوئے۔ یہی گورونانک مذہب (سکھ دہرم) پنڈت دیانند کا مذہب آریہ سماج۔ راجہ رام موہن کا مذہب برہمو سماج۔ جو ابھی تک زندہ اور ترقی کر رہے ہیں اس کے علاوہ اصلاح کی جو انفرادی کوششیں ہو رہی ہیں وہ سب کی سب اسلام ہی کی مرہون منت ہیں۔ مہاتما گاندھی کی تعلیم کی جان کیا ہے! ان کے پیغام کی روح کیا ہے؟ یہی نا کہ چھوت چھات مٹا دو یہ بری چیز ہے۔ مساوات برتو۔ نمک پر ٹیکس نہ لگاؤ۔ شراب بند کرو۔ کھدر پہنو۔ آزادی حاصل کرو۔ مگر دیکھو کہ ہندو دہرم میں ان چیزوں کا کہیں پتہ چلتا ہے۔ نہیں اور یقیناً نہیں۔ بلکہ یہ سب چیزیں بھی اسلام ہی سے مستعار لی ہوئی ہیں۔ الغرض اسلام نے ہندوستان پر لازوال اور بہت زبردست احسانات کئے ہیں جن کا شکریہ کبھی بھی اور کسی حالت میں نہیں ادا کیا جا سکتا

آخر میں مَیں وہی کہونگا جو-ایم-این رائے نے کہا ہے کہ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اسلام کی تاریخی عظمت اسکی تعلیم کی اہمیت و وقعت اور اس کے تمدن کی ہمہ گیری کو ہندو مسلمان دونوں سمجھیں۔ کیونکہ اس کے بغیر دنیا و آخرت میں نجات کی کوئی صورت نہیں-اور ترقی کا یہی واحد ذریعہ ہے۔ خصوصاً مسلمانوں کو اس طرف بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے کیونکہ انھیں کی بے علمی کی وجہ سے آج اسلام ہندوستان میں ناکارہ مذہب بناہوا اور ناقابل التفات سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ اس کو فعال و زندہ مذہب کہہ سکیں گے اور اسی طرح ان کی روح میں وہ جِلا و نور پیدا ہو جائیگا۔ جس نے صحابہ کرام اور قرن اول کے مسلمانوں میں پیدا ہو کر تمام عالم کو اپنی تابانی و درخشانی سے بقعہ نور اور انوار الٰہی کا مہبط بنا دیا تھا۔ اللہم وفقنا لما تحب و ترضیٰ

حج سے آیا ہے کوئی لیکے پیامِ دل خیز

محدث کی کسی گذشتہ اشاعت میں ہم اپنے ناظرین کو بتا چکے ہیں کہ محترم جناب شیخ عطاء الرحمٰن صاحب مرحوم و مغفور کی اہلیہ محترمہ باوجود اپنے بڑھاپے اور جسمانی کمزوری کے بھی اس سال دوبارہ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لیجا رہی ہیں آپ کے ساتھ میں آپ کے دو نوعمر اور نوخیز پوتے (یعنی آپ کے بڑے لڑکے جناب حافظ فضل الرحمٰن صاحب کے صاحبزادے) بھی تھے۔ آج ہم بیحد مسرت اور دلی شادمانی کے ساتھ اپنے ناظرین کو یہ خوشخبری سنا رہے ہیں کہ بفضلہ تعالیٰ اس سعادت سے بہرہ اندوز ہو کر، خیر و برکت، عافیت و راحت کے ساتھ آپ براہ کراچی ۲۲ مارچ سنہ ۳۹ء بروز بدھ کو پھر دہلی واپس آگئی ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک

ہم تمام متعلقین مدرسہ اور عملۂ "محدث" کی طرف سے آپ اور نیز آپ کے دونوں نوجوان پوتوں کی خدمت میں نیازمندانہ ہدیۂ **مبارکباد** پیش کرتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تادیر آپ کا بزرگانہ سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین

(ایڈیٹر)

قانون خلع

معاشرتی اصلاح کا ایک اہم کارنامہ

شریعت حقہ نے جس طرح مردوں کو مخصوص حالات میں طلاق دینے کی اجازت دی ہے اسی طرح عورتوں کو بھی حق خلع عطا کرکے خاص صورتوں میں نکاح فسخ کرانے کا اختیار دیا ہے۔ لیکن ہماری صد سالہ غیر اسلامی۔ غیر قرآنی اور غیر شرعی معاشرت نے ہماری عورتوں کو طلاق میں مساوات کے فطری اور ابدی حق سے محروم کر رکھا ہے۔ اسی لئے جب وہ ناقابل برداشت حالات میں گھر جاتی ہیں اور ان کی گھر کی خوشگوار زندگی جہنم زار بن جاتی ہے تو وہ اس "عذاب الیم" سے نجات و رستگاری حاصل کرنا چاہتی ہیں لیکن انھیں ایسا کوئی راستہ نظر نہیں آتا جو انھیں منزل مقصود تک پہنچائے اور جس پر چلنے کے بعد ان کیلئے دلی تمنا و خواہش کا حصول آسان ہوجائے۔ مجبوراً وہ ارتداد و کفر کی راہ اختیار کرلیتی ہیں۔ ہزاروں عورتیں محض ازدواجی زندگی کی ناکامی کی وجہ سے اسلام کے سایہ من سے ہٹ کر آغوش کفر میں پناہ لے چکی ہیں اور ان کی تعداد نوان سے بھی زیادہ ہے جو آئندہ اسی بدترین فعل کو اختیار کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ بہت مدت سے اس شدید ضرورت کا احساس کیا جارہا تھا کہ شوہروں کی نالائقی۔ بیرحمی۔ مفقود الخبری وغیرہ کی شکار عورتوں کو۔ ان مصائب و آلام سے بچانے کیلئے انھیں ان کا حق (خلع) واپس دیا جائے۔ اور ایسی صورت پیدا کی جائے کہ انھیں اپنا یہ حق استعمال کرنے میں کوئی دقت و مشکل نہ پیش آئے اور وہ اسے آسانی سے استعمال کرسکیں۔ تاکہ انھیں اس کے لئے کفر و ارتداد کی معصیت انگیز راہ نہ اختیار کرنی پڑے۔

مرکزی اسمبلی کے ممبر مولوی محمد احمد صاحب کاظمی . . . . کو خدا جزائے خیر دے کہ اس سلسلہ میں انھوں نے سبقت کی اور قانون خلع (زوجہ کو فسخ نکاح کا اختیار دینے کا قانون) کا مسودہ پیش کیا جو کہ تین سال کی آہستہ خرام بلکہ محزام کی نازنینانہ چال چلتے ہوئے لیجسلیٹو اسمبلی و کونسل آف اسٹیٹ کے سرمائی سیشن میں پاس ہوکر ۱۰ مارچ ۱۹۳۹ء سے نافذ ہوچکا ہے (انقلاب ۲۶ مارچ ۳۹ء)

عورتوں کو نکاح فسخ کرانیکا حق

اس قانون کی رو سے ہر وہ مسلمان عورت عدالت کے ذریعہ اپنا نکاح فسخ کرانے کی مجاز ہوگی:۔

(۱) جس کے شوہر کو دو سال یا دو سال سے زیادہ کی سزا ہوگئی ہو۔ یا وہ دو سال سے لاپتہ ہو اور اس نے اپنی بیوی کے گذر بسر کے لئے کوئی انتظام نہ کیا ہو۔

(۲) جسکا شوہر مسلسل دو سال تک اپنی بیوی کی طرف سے لاپرواہی برتنے یا دو سال تک اسے نان نفقہ نہ دے۔

(۳) جسکا شوہر سات سال سے لاپتہ ہو۔ یا سات سال یا اس سے زیادہ مدت کیلئے سزایاب ہوگیا ہو

(۴) جسکا شوہر تین سال تک بیوی سے ازدواجی تعلقات قائم نہ کرے۔

(۵) جسکا شوہر کسی جسمانی عارضہ کی وجہ سے "فرائض زوجیت" ادا کرنے کے ناقابل ہو۔

(۶) جسکا شوہر دو سال سے پاگل ہو۔ یا جذام یا کسی زہریلے جنسی مرض کا شکار ہو جائے۔
(۷) جس کی شادی باپ یا کسی دوسرے ولی نے سن شعور (یعنی ۱۵ سال) کی عمر سے پہلے کردی ہو ایسی عورت انیس سال کی عمر سے پہلے پہلے اپنا نکاح فسخ کرا سکیگی۔ لیکن اگر انیس سال کی عمر تک اس نے اپنا یہ حق استعمال نہ کیا تو پھر اسے اس شکایت کی بنا پر فسخ نکاح کا حق نہ رہیگا۔
(۸) جسکا شوہر اپنی بیوی کے ساتھ بیرحمانہ سلوک کرے یعنی (ا) اسے مارنے پیٹنے کا عادی ہو (ب) مارنے پیٹنے کا تو عادی نہ ہو لیکن اس کے ساتھ بے رخی اور روکھے پن کا ایسا بیرحمانہ برتاؤ کرے جس سے بیوی کیلئے زندگی وبال جان ہو جائے۔ (ج) آوارہ عورتوں کے ساتھ رہے اور سیاہ کاری کے ساتھ زندگی بسر کرے یا اپنی بیوی کو سیاہ کارانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور کرے (د) بیوی کے مملوکہ مال کو اس سے چھین لے یا اسے اس مال سے فائدہ نہ اٹھانے دے۔ (ہ) بیوی کو مذہبی اعمال ووظائف کی بجا آوری سے روکے (ز) اس کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں اور وہ قرآن پاک کی ہدایات کے بموجب ان میں عدل نہ رکھ سکے۔
(۹) کوئی ایسی وجہ پیدا ہو جائے جس کی بنا پر شریعت نے عورت کو خلع کا اختیار دیا ہو

قانون کے نقائص

حق خلع یعنی عورت کو نکاح فسخ کرانے کا حق کوئی نیا قانون نہیں ہے جسے موجودہ افسوسناک وتباہ کن نتائج سے بچنے کیلئے بذریعہ اسمبلی اختراع کرایا گیا ہے بلکہ مسلم عورتوں کو یہ حق ابتدائے اسلام سے حاصل ہے اور تمام علماء وفقہاء کے نزدیک مسلم ہے۔ ہندوستان میں بھی جب تک اسلامی حکومت تھی انھیں یہ حق حاصل تھا اور اس پر برابر عمل ہوتا رہا ہے۔ مگر انقلاب دہر اور صورت حالات کی تبدیلی نے ان سے یہ حق چھین لیا اور ایک صدی سے زیادہ ہوئے کہ انھیں اس حق سے محروم کر دیا گیا ہے۔ ہندوستان کی اسلامی حکومتوں کا مذہب حنفی تھا اور فقہ حنفی ہی پر عمل بھی کیا جاتا تھا۔ جس میں کہ خلع کی صورتوں کی وضاحت نہیں کی گئی بلکہ انھیں حاکم وقاضی کے اختیار تمیزی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اسلامی دور میں اس سلسلہ میں کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی۔ کیونکہ ہر قاضی وحاکم بذات خود قرآن وحدیث اور فقہ کا ماہر ہوتا تھا۔ لیکن برطانوی سامراج نے آکر طرح طرح کی مصیبتیں پیدا کر دی ہیں۔ اور چونکہ عدل وانصاف کی کرسیوں پر بیٹھنے والے ماہران شریعت کے بجائے ماہران قانون ہوا کرتے ہیں۔ اور فیصلہ قرآن وحدیث کے مطابق نہیں بلکہ "محمڈن لا" کے مطابق ہوتا ہے۔ اسلئے جن چیزوں کا فیصلہ عدالت کے اختیار تمیزی پر موقوف کر دیا گیا ہے ان کے بارے میں ان عدالتوں میں بڑی دقت پیش آتی ہے اسی لئے اس قانون کو اسمبلی کے ذریعہ پاس کرایا گیا ہے تاکہ عدالتیں اسی واضح ضابطہ کو پیش نظر رکھکر بلا پس وپیش عمل کر سکیں۔

لیکن یہ قانون جب پاس ہو کر نظروں کے سامنے آیا تو معلوم ہوا کہ اس میں بعض افسوسناک خامیاں رہ گئی ہیں۔ اور بعض دفعات کے اعتبار سے تو یہ قانون شریعت حقہ اور مسلمانوں کی خواہشات کے قطعاً خلاف ہے۔ چنانچہ اسی قانون کے دفعہ (۵) میں ہے کہ "اگر عورت اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے تو اس کا نکاح فسخ نہ ہوگا۔ بلکہ وہ بدستور مسلمان شوہر کے نکاح میں رہیگی۔" حالانکہ یہ تعلیمات نبویہ کے قطعاً خلاف ہے۔ ارتداد کے بعد ازدواجی تعلقات باقی نہ رکھنے پر تمام علماء وفقہاء متفق ہیں۔ لیکن اس بارے میں کہ اسکے بعد اسکو شوہر سے جدا کیا جائے یا نہیں؟ وہ فقہاء بھی جو کہ عورت کے ارتداد کو فسخ نکاح کا موجب نہیں سمجھتے کچھ زیادہ نرمی نہیں کر سکے۔ ان فقیہوں کے نزدیک بھی ارتداد کے بعد شوہر کو عورت سے زناشوئی کے تعلقات منقطع کر لینا چاہئیں

البتہ اسے اپنی نگرانی میں محبوس رکھنا چاہیئے۔ یہانتک کہ وہ دوبارہ اسلام کی صداقت کو محسوس کرنے یا ہمیشہ کیلئے اپنے سابق شوہر کے گھر میں کنیز کی حیثیت سے اہانت آمیز زندگی گذارنا منظور کرے۔ لیکن یہ چیز صرف دارالاسلام ہی میں ہوسکتی۔ اس دورِ ضلالت میں کسی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ مرتد ہوی اس کے گھر میں ہو اور وہ اسے اپنے گھر میں کنیز سمجھکر صرف اپنی نگرانی میں رکھے اور ارتباط و یگانگت کے تمام سابق رشتے منقطع کرلے۔ چونکہ یہ دفعہ اسلامی شریعت کے بالکل منافی ہے اسلئے اسکو اس سے حذف کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

ہمارے خیال میں اس دفعہ کے بڑھانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ اسکو بڑھانے کا باعث یہ خیال تھا کہ عورتیں مرتد ہوکر غیر مذہب اختیار کرلیتی ہیں۔ اسلئے اس دفعہ کے بڑھ جانے سے یہ مصیبت کم یا فنا ہوجائیگی۔ لیکن جبکہ خلع بل کی وجہ سے ارتداد کے اسباب ہی فنا کردیئے جارہے ہیں تو خواہ مخواہ ایک غیر اسلامی قانون بننے کی کیا ضرورت ہے صاف سی بات ہے کہ جب عورتیں مسلمان رہ کر بھی اپنے شوہروں کی بے رحمیوں اور ظلم کوشیوں سے نجات حاصل کرسکیں گی تو ان کے سامنے مرتد ہونے کا سوال ہی نہ آئیگا۔ اسلئے یہ دفعہ سراسر لغو اور بالکل غیر مفید اور غیر اسلامی ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ سلیکٹ کمیٹی نے ہندوؤں کے اعتراض پر یہ منظور کرلیا ہے کہ اگر کوئی ایسی عورت جو غیر مسلم سے مسلم ہوئی ہو اپنے مذہب میں واپس جانا چاہے تو اس پر اس قانون کا اطلاق نہ ہوگا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اسلام کا اصول ہر جگہ اور ہر شخص کیلئے ایک ہونا چاہیئے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ جس مسلمان عورت کا باپ مسلمان ہو وہ تو ارتداد کے بعد مسلمان شوہر ہی کے قبضہ میں رہیگی۔ لیکن جس مسلمان عورت کا باپ غیر مسلم ہو وہ ارتداد . . . . . کے بعد مسلمان شوہر کے قبضہ میں نہ رہیگی۔ وقت کے سیاسی تقاضوں سے مجبور ہوکر شریعت کے اصول بدلنا کسی صورت سے گوارا نہیں کیا جاسکتا۔ دفعہ تین میں سات سال کی مدت بھی بہت زیادہ ہے اس میں بھی تخفیف کرنے کی ضرورت ہے۔ سب سے اہم اور بہت بڑا نقص یہ ہے کہ سلیکٹ کمیٹی نے اس دفعہ کو بالکل ہی اڑا دیا ہے جس میں اس قسم کے مقدمات کے فیصلہ کرنے کیلئے مسلمان جج ہونا ضروری قرار دیا گیا تھا۔ اس دفعہ کے اڑا دینے کی وجہ سے یہ قانون بالکل بیکار ہوجاتا ہے اور اس سے وہ فوائد نہیں حاصل کیئے جاسکتے جنکا تخیل محرک کے دماغ میں تھا۔ کیونکہ حق خلع دینے کے باوجود۔ اس دفعہ کو اڑا دینا یہ معنی رکھتا ہے کہ ایسی مشکلات کا اضافہ کردیا جائے جن کے ہوتے ہوئے اس حق سے فائدہ اٹھانا ہی غیر ممکن ہوجائے۔ اسلام خلع کرانے کا اختیار صرف مسلمان قاضی و حاکم کو دیتا ہے اس کے نزدیک غیر مسلم کا خلع کرایا ہوا معتبر ہی نہیں۔ اور اس کے نزدیک غیر مسلم کے فیصلہ کا عدم و وجود برابر ہے۔

مشکلات کا حل ضرورت ہے کہ دفعہ (۵) بالکل اڑا دی جائے۔ اور دفعہ (۳) جسمیں کہ سات سال کی قید ہے) میں تخفیف کرکے مدت کو اور کم کیا جائے۔ آخری مشکل سے نجات حاصل کرنے کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ (۱) اس دفعہ (جس میں کہ مسلم جج کی قید لگائی گئی ہے) کو بحال کیا جائے (۲) مسلمانوں کیلئے علیحدہ نظام شرعی قائم کیا جاتے۔ موجودہ حالات میں پہلی صورت کا ہونا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے سوائے چار صوبوں کے باقی تمام صوبوں میں مسلمانوں کی تعداد بہت قلیل ہے۔ یعنی ۲ فیصدی سے لیکر اٹھارہ فیصدی تک۔ اسلئے وہاں اسوقت

مسلم ججوں کا تناسب آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے۔ پنجاب میں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں اور بلحاظ تعلیم کے دوسرے صوبوں کے مسلمانوں سے بہت آگے ہیں اور جہاں اسوقت اسلامی وزارت بھی ہے۔ مسلم ججوں کا تناسب ۳۳ فیصدی سے زیادہ نہیں۔ تو ظاہر ہے کہ جن صوبوں میں مسلمان دو فی صدی یا پانچ یا چھ فی صدی ہیں وہاں مسلم ججوں کا تناسب ایک دو فی صدی سے زیادہ نہیں ہوگا۔ یہ بھی ناممکن ہے کہ گورنمنٹ ہر ضلع میں ایک مسلمان دیوانی جج مقرر کرے۔ یہاں تک کہ خود پنجاب میں بھی یہ نہیں ہوسکتا۔ یہ کہنا کہ ایسی صورت میں عورت کو چاہئے کہ جہاں مسلم جج ہو وہاں جاکر وہ مقدمہ پیش کرے سراسر لغو اور مہمل بات ہے۔ ذرا غور کیجئے ایک مظلوم و بیکس مسلمان عورت ہے جو کہ دن رات اپنے شوہر کے مظالم کی تختۂ مشق بنی ہوئی ہے۔ اور اس پر زندگی وبال جان ہو چکی ہے۔ سامان معیشت اس کے پاس بالکل نہیں ہے۔ یا ہے تو مگر بہت کم۔ ایسی صورت میں اس سے کہا جائے کہ تم اس ضلع میں جاکر اپنا مقدمہ پیش کرو، جہاں کہ مسلم جج ہے اور وہاں ہی اپنے مقدمہ کی پیروی کرو۔ اور اپنے تمام گواہوں کو وہاں پہنچانے کا خرچہ بھی اٹھاؤ۔ تو اس کا کیا مطلب ہوسکتا ہے؟ اس کا تو صاف مطلب یہ نکلا کہ قانون فسخ اس کیلئے بالکل بے کار رہوگا اور اس کے سامنے پہلے کی طرح دو ہی راستے کھلے رہیں گے۔ یعنی یا تو وہ (نعوذ باللہ) مرتد ہو کر کفر کی پناہ لے یا گھل گھل کر اپنی جان دیدے۔

نظام شرعی قائم کیا جائے

دوسری۔ آخری اور سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کیلئے علیحدہ نظام شرعی قائم کیا جائے اور آپس کے تمام تنازعات اور مقدمات کا فیصلہ کیا جایا کرے۔ مسلمانوں میں نظام شرعی کے قیام کی ضرورت کا احساس ہو رہا ہے اور ہندوستان کے طول و عرض میں خدا کے فضل سے جلسے ہو رہے ہیں مگر ضرورت ہے کہ اس تحریک کو اور بھی تقویت دی جائے اور پرزور (لیکن پرامن) طریقے پر اسے منوانے کی پوری کوشش کیجائے۔

کیا یہ ممکن ہے؟

سوال ہوسکتا ہے کہ حکومت مسلمانوں کیلئے علیحدہ نظام شرعی قائم کرسکتی ہے؟ اور وہ ایسا کرنے کے لئے بآسانی تیار ہو جائیگی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ضرور ایسا ہوسکتا ہے اور اگر حکومت اس کیلئے آمادہ ہو جائے تو اسے کسی قسم کی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑیگا۔ ایسا کرنے میں اسکا فائدہ ہی ہے نقصان نہیں۔ وہ دوسروں کیلئے اس قسم کا انتظام کرچکی ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں کیلئے نہ کرے۔ ہمارے سامنے سکھوں اور پارسیوں کی مثال موجود ہے۔ پارسیوں نے ہندوستان میں قلیل التعداد ہونے کے باوجود گورنمنٹ سے اپنا علیحدہ نظام منظور کرالیا ہے۔ ان کے وہ تمام مقدمات جو فریقین پارسی مذہب کے قانون کی رو سے کرانا چاہیں۔ انکے مذہبی علماء کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ اور ان کا فیصلہ ناطق ہوتا ہے اور اس کے خلاف صرف ہائی کورٹ میں اپیل ہوسکتی ہے۔ سکھ غالباً ان سے بھی کم ہیں اور مسلمانوں کے مقابلے میں تو کوئی حیثیت نہیں رکھتے یعنی صرف ۴۰ لاکھ ہیں۔ مگر اس کے باوجود انھوں نے گوردوارہ ایکٹ پاس کرالیا ہے جس کے رو سے وہ سکھ ٹریبونل بنوا سکتے ہیں۔

اگر اسقدر چھوٹی چھوٹی اور ناقابل التفات اقلیتیں اپنا علیحدہ نظام مقرر کرسکتی ہیں اور جداگانہ قانون بنوا سکتی ہیں۔ تو کیا مسلمان جو کہ ہندوستان کی دوسری سب سے بڑی قوم ہیں ایسا نہیں کرسکتے؟ کرسکتے ہیں اور ضرور کرسکتے ہیں۔ مگر ہاتھ پر ہاتھ رکھکر نہیں۔ بلکہ اس کیلئے ضرورت ہے مستقل جدوجہد عظیم الشان ایجی ٹیشن اور ہمہ گیر پروپیگنڈا کی اور قانون ساز مجالس میں

ان لوگوں کو بھولنے کی جنکا مطمح نظر اپنی حیات سیاسی کی سربلندیاں۔ کرسیاں اور عہدے نہ ہوں۔ بلکہ جو سچے اور مخلص مسلمان ہوں دل میں مسلمانوں کا درد رکھتے ہوں اور ایثار پسند ہوں۔

جمعیۃ العلماء نے اپنے گیارہویں اجلاس کے موقعہ پر اس قسم کی تجویز پاس کی تھی لیکن شاید ارباب جمعیۃ اس کیلئے اسیقدر کافی سمجھتے ہیں اور آگے قدم نہیں اٹھانا چاہتے۔ کیونکہ اجلاس کے بعد سے ابتک اس کیلئے کوئی اور مزید موثر کارروائی نہیں کی گئی۔

موجودہ حالات میں کیا کیا جائے

لیکن سوال تو یہ ہے کہ موجودہ حالات میں کیا کیا جائے۔ جبکہ مسلمان جج کے علاوہ شریعت کے نزدیک کسی اور کا فیصلہ معتبر نہیں۔ اور ہندوستان میں مسلمان ججوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ اور نہ ہی کم از کم دو تین سال تک نظام شرعی کے قیام کی صورت نظر آرہی ہے تو وہ غریب معصوم اور مظلوم عورتیں کیا کریں۔ جو شوہروں کے مظالم کی تختۂ مشق اور مصیبتوں کی شکار ہیں۔ کیا وہ مرتد ہو کر کفر کی آغوش میں پناہ لے لیں۔ خودکشی کرکے جان دیدیں یا بدستور ان کے مظالم کی تختۂ مشق بنی رہیں۔

میرے خیال میں جب تک ان مشکلات کا ازالہ نہیں ہوجاتا اور نظام شرعی قائم نہیں ہوتا اسوقت تک مسلمان مجالس اور ادارات کو آگے بڑھ کر اس کام کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہیئے۔ جسکی صورت یہ ہو کہ وہ اپنی زیر نگرانی ہر ہر شہر و قصبہ بلکہ ممکن ہو تو دیہات میں بھی ایسی پنچایتی مجالس قائم کریں جو کہ ان معصوم و مظلوم عورتوں کو ظالم شوہروں کے دست برد سے بچائیں تاکہ وہ ارتداد و خودکشی کے معصیت آمیز افعال کے ارتکاب سے محفوظ رہیں۔

چند ضروری باتیں

اگرچہ اس قانون کے ذریعہ ایک بہت بڑی مصیبت دور کردی گئی ہے۔ مگر ابھی تک تمام مشکلات کا ازالہ نہیں ہوا۔ اور اس کے بعد بھی چند ضروری باتیں ایسی رہ جاتی ہیں جنکا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۱) گھریلو جھگڑوں کے اسباب زیادہ تر مردوں کے پیدا کردہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کا طرز عمل بالکل غیر ہمدردانہ اور ظالمانہ ہوتا ہے حالانکہ اس کیلئے ان کے پاس کوئی وجہ جواز نہیں۔ احادیث کے مطالعہ سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے اچھے برتاؤ رکھنے کو کسقدر اہمیت دی ہے۔ اور ان سے حسن معاشرت رکھنے پر کسقدر ابھارا ہے۔ ترمذی میں حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ یعنی ایمانداروں میں سب سے زیادہ کامل ایمان اس شخص کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ اور تم (مسلمانوں) میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے ترمذی دارمی ابن ماجہ میں ہے خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي "تم میں اچھے وہ لوگ ہیں جو اپنی بیوی کے حق میں اچھے ثابت ہوں۔ اسی لئے میرا برتاؤ اپنی بیویوں کے ساتھ بہت اچھا ہے" میاں بیوی میں اختلاف ڈالنے کے متعلق آپ نے بہت سخت حکم دیا ہے فرماتے ہیں لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ امْرَأَةً عَلَىٰ زَوْجِهَا أَوْ عَبْدًا عَلَىٰ سَيِّدِهٖ (ابوداؤد) یعنی میاں بیوی یا غلام اور آقا میں جو شخص جھگڑے اور فساد ڈلواتا ہے (وہ ہمارے اسلامی طریقہ کے خلاف چلنے والا نافرمان ہے) وہ ہم میں سے نہیں ہے" آپ کا برتاؤ اپنی بیویوں کے ساتھ جسقدر بہترین تھا اسکی مثال ملنی محال ہے۔ الغرض ضرورت اس بات کی ہے کہ مردوں کو عورتوں سے الفت و محبت سے پیش آنی کی تلقین کرنی چاہیئے۔ اور انھیں اپنے فرائض و حقوق سے آگاہ کرنا چاہیئے۔ تاکہ عورتوں کو خلع کرانے کی ضرورت ہی نہ محسوس ہو۔

(۲) اس چیز کی بھی سخت ضرورت ہے کہ ہمارے نوجوانوں میں مطلقہ اور مخلوعہ عورتوں سے پرہیز کرنے کی جو غیر اسلامی ذہنیت پیدا ہوگئی ہے اس کو مٹایا جائے کیونکہ اگر طلاق یا خلع حاصل کر لینے کے بعد بھی عورتیں اسی طرح بے یار و مددگار بھٹکتی رہیں تو انکی مشکلات میں کمی ہونے کے بجائے اضافہ ہو جائیگا۔ اور اس قانون سے کوئی معتدبہ فائدہ نہیں حاصل کیا جاسکیگا۔

(۳) آخر میں ہمیں عورتوں سے یہ کہنا ہے کہ اگر چہ اب انھیں یہ حق حاصل ہو چکا ہے اور اسے استعمال کرکے وہ جب چاہیں خلع حاصل کر سکتی ہیں مگر انھیں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ان کے شوہر انسان ہیں فرشتہ نہیں کہ غلطیاں ہونے کا احتمال ہی نہ رہے ان سے غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ اسلئے اگر وہ انھیں تکلیف پہنچاتے ہیں۔ مارتے پیٹتے ہیں۔ نان و نفقہ نہیں دیتے وغیرہ وغیرہ تو انھیں یہ زیب نہیں دیتا کہ دوڑی دوڑی چلی جائیں۔ اور عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا کر خلع حاصل کرلیں۔ بلکہ انھیں چاہئے کہ محبت۔ خدمت۔ وفاداری اور فرمانبرداری کے حربوں سے ان کے دل پر فتح حاصل کرلیں۔ اپنی شہرت و قابلیت سے ان کی آنکھوں کو خیرہ کر دیں۔ تدبر و دانشمندی سے کام لیکر ان کے دل رام کرلیں اور مٹھی میں لیکر جس طرف چاہیں پھیر دیں خلع حاصل کرنے کیلئے عدالت کا دروازہ صرف اس وقت کھٹکھٹانا چاہئے جبکہ تمام حربے بیکار ہو جائیں کوئی بھی کارگر نہ ثابت ہو صلح و مفاہمت کے تمام دروازے بند ہو جائیں اور ایک ساتھ رہنا دشوار ہو جائے۔

شرعی نقطۂ نگاہ سے بلا عذر معقول خلع کرانا بہت بڑا گناہ ہے۔ متعدد احادیث میں طلاق و خلع بلا عذر معقول کی سخت مذمت کی گئی ہے ابوداؤد میں ہے۔ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ یعنی حلال مبغوض و مکروہ چیزوں میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بری اور مبغوض چیز طلاق ہے۔ دارقطنی میں ہے وَلَا خَلَقَ اللّٰہُ شَیْئًا عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ اَبْغَضَ اِلَیْہِ مِنَ الطَّلَاقِ یعنی اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر طلاق سے بڑھ کر کوئی مبغوض چیز نہیں پیدا کی۔ مسند احمد ترمذی۔ ابوداؤد و ابن ماجہ دارمی وغیرہ میں ہے آپ نے فرمایا اَیُّمَا امْرَأَۃٍ سَأَلَتْ زَوْجَھَا طَلَاقًا فِیْ غَیْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَیْھَا رَائِحَۃُ الْجَنَّۃِ۔ یعنی انتہائی ناقابل برداشت اور مایوس کن حالات کے بغیر طلاق طلب کرنیوالی پر جنت کی خوشبو تک حرام ہے۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ طلاق صرف اسوقت طلب کرنا چاہئے جبکہ گذر بسر کی کوئی صورت نظر نہ آئے۔ اور حالات انتہائی مایوس کن صورت اختیار کرلیں۔ نسائی شریف میں ہے عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ۔ اَلْمُنْتَزِعَاتُ وَالْمُخْتَلِعَاتُ ھُنَّ الْمُنَافِقَاتُ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۸۴) یعنی حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ عورتیں جو بلا عذر شرعی کے اپنے شوہروں کی نافرمانی کرتی ہیں اور وہ عورتیں جو کسی واقعی تکلیف اور حقیقی عذر کے بغیر خلع کراتی ہیں وہ منافق ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خلع یا طلاق صرف اسوقت حاصل کئے جائیں جبکہ ایک ساتھ رہنا دشوار ہو جائے۔ ناقابل برداشت مظالم کا سامنا کرنا پڑے حالات بالکل مایوس کن و ناقابل اصلاح ہو جائیں۔ اصلاح کی کوئی صورت نہ باقی رہے۔ کوئی حربہ کارگر نہ ثابت ہو۔ لیکن اگر خدانخواستہ آپ ایسا کرنے کیلئے تیار نہیں تو فَحَرَامٌ عَلَیْھَا رَائِحَۃُ الْجَنَّۃِ (ان پر جنت کی خوشبو حرام ہے) اور ھُنَّ الْمُنَافِقَاتُ (وہ منافق ہیں) وغیرہ الفاظ پھر ذہن نشین کر لیجئے اور اسکے بعد جو کچھ چاہئے کیجئے۔

عندلیب فارانی

شہید ہندؒ

(از جناب ملک ابویحیٰی امام خانصاحب نوشہروی)

مؤلف تراجم علمائے حدیث ہند

سلطنت مغلیہ کے زوال سے پہلے بھی ملک میں اسلام کو وہ ترفع نصیب نہ تھا جسے اسلام کی حقیقی شان سے تعبیر کیا جاسکے جس کی وجہ بہت کچھ مسلسل ملکی جنگیں تھیں۔ اور کچھ شہنشاہ جلال الدین اکبر کا طرز حکومت جس سے ان کا منشا ہر مذہب و ملت کو اپنی ہی ذات سے مانوس رکھنا تھا۔ اگر اکبر چاہتے تو اس کے بغیر بھی ملک کا اعتماد عام حاصل کر سکتے تھے۔ آخر اکبر کی اس روش کے نتائج غازی عالمگیر علیہ الرحمہ کے دور حکومت میں نمودار ہوئے۔ جنھیں ملکی جنگوں کیلئے اپنی زندگی وقف کرنا پڑی۔ سیواجی اور سکھوں کی مسلسل سرکشی۔ نے اورنگ زیب کو ہمہ وقت مصروف پیکار رکھا۔ ان دونوں جماعتوں کی یہ تمام جدوجہد اس قسم کی تھی جس قسم کی سعی آج کل آریہ سماج سے نظام دکن کے خلاف ظہور میں آرہی ہے۔ محض ہندوؤں کے فرضی حقوق کے حاصل کرنے کی آڑ میں پُرامن حیدر آباد اور اس کے نیک دل حکمراں کے خلاف طرح طرح کے حیلوں اور سازشوں سے محاذ جنگ قائم کردیا گیا ہے تا آنکہ عالمگیر کی تمام عمر انہی مہربانوں کیلئے وقف ہوگئی اور اورنگ زیب کی رحلت کے بعد زوال حکومت جو شروع ہوا۔ تو پھر حکومت کا اونٹ کسی کروٹ نہ بیٹھ سکا۔

نام نہاد صوفیہ اور فقرا جو باطناً شیعہ تھے۔ مذہبی طور پر مسلمانوں کے عقائد خراب کرنے کے ٹھیکہ دار تھے۔ جس کے نتائج میں عوام نے اسلام کی ظاہریت یعنی نصوص کو چھوڑکر رسوم کو اختیار کرلیا۔ قرآن اور سنت کے نام بھلا دیئے۔ اشخاص پرستی۔ پیر پرستی۔ قبروں کی پوجا۔ تعزیوں کا وجوب شعار دین بن گیا۔ جن سے جُبن۔ نامردی پیدا ہوگئی اور اجتماعیت وجہاد سب کچھ رخصت ہوگئے۔

شیعی مشن کھل کھیلا۔ لوگوں کے دلوں میں اپنے ائمہ کی عصمت و برتری کا سکہ جمادیا۔ اور یہ جادو اس حد تک موثر ہوا کہ ابھی تک ہندوستان کے مسلمان اس آسیب سے مخلصی حاصل نہیں کرسکے۔ اہل سنت کہلانے والے مسلمانوں کی عزاداری اس پر گواہ ہے کہ محرم میں کس سج دھج سے یہ حضرات (اہلسنت) شیعوں کے دوش بدوش تعزیہ پرستی۔ تعزیہ سازی۔ سینہ کوبی اور شیون و بکا میں مصروف نظر آتے ہیں۔

سلطنت مغلیہ کے آخری دور حکومت میں اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں حکومت کا نام صرف کاغذوں پر تھا۔ ورنہ کمپنی اپنا تسلط وعمل ملک پر کرچکی تھی۔ البتہ صوبہ پنجاب میں ابھی تک رنجیت سنگھ کی حکومت قائم تھی۔ جس کے بل بوتے پر سکھ سورما اسلام کے خلاف تُلے بیٹھے تھے۔ ان سورمیروں کی اسلام سے دشمنی اسوقت کیلئے نہ تھی بلکہ یہ تو ہمیشہ کیلئے ان کا اصل دین ہوچکا ہے۔ چنانچہ اب بھی جہاں جہاں ان کا دور دورہ ہے مسلمانوں کی ایذادہی میں ان کو وہی لطف حاصل ہوتا ہے۔ اسوقت پنجاب ہی میں لاتعداد مقام ہیں۔ جہاں اذان تک کی بندش ہے۔ چنانچہ قصبہ راجہ جنگ کا قضیہ تو روزمرہ اخباروں میں آتا ہے یہاں سکھوں کی زمینداری ہے۔ پھر اذان وتکبیر کیسے ہوسکتی ہے!

سکھوں نے اس غرور و نخوت میں پنجاب میں اسلام کو کرپانوں سے چھیدنا شروع کیا۔ اذانوں کا تو کیا ذکر، مسجدوں کو ان سورماؤں نے اصطبل بنا لیا۔ مسلمانوں کی عزت، ان کے حرم کی عصمت، ان کی دولت کی حفاظت، عزت کی حمایت ہر چیز پر سکھوں کا قبضۂ مخالفانہ تھا۔ یہی دور شہید ہند جناب سیدنا شاہ محمد اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ (دہلوی) کے ظہور کا ہے۔

دہلی میں ایک دینی سلطنت حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ محدث علیہ الرحمۃ کی تھی جن کے وفور علم۔ رفعتِ اجتہاد۔ فقاہت۔ محدثیت تجدید دین اور سب سے بالاتر ثقاہت و عدالت کا چرچا اسوقت سے لیکر اب تک تمام انتہائے عالم میں مسلم ہے۔ شہید ہند ان بزرگوار (حضرت حجۃ اللہ) کے پوتے ہیں۔ انھوں نے ہوش سنبھالا تو جملہ علوم موجہ پڑھے۔ سن رشد پر پہنچے۔ تو سیاست وقت کا مطالعہ کیا۔ علمی اعتبار سے وہ کتابیں لکھیں جن سے ان کی اصابت فکر کے سامنے سب کو سر جھکانا پڑا۔ "تقویۃ الایمان" وہ مشہور کتاب ہے جسکی اشاعت لاکھوں سے متجاوز ہے۔ خلد آشیاں شہید ہند نے نطق و گویائی سے ہندوستان کو جو فائدہ پہنچایا اس کی تعریف و توصیف میں کتابوں کے دفتر بھرے ہوئے ہیں۔

شہید علیہ الرحمۃ کی وعظ و تذکیر محراب و منبر کی پابند نہ تھی بلکہ ایسا تو ہوا ہی نہ ہوگا کہ آپ نے کبھی منبر پر وعظ فرمایا ہو، دہلی کا ہر گلی کوچہ ان کے لئے منبر تھا۔ جہاں کھڑے ہوگئے حلقہ بن گیا۔ جیب سے حمائل شریف نکالی اور توحید کے نغمے شروع کر دیئے، لوگ سن رہے ہیں۔ اور سرمست سخن ہو کر شرک سے توبہ کر رہے ہیں۔ شاید ہندوستان میں ہی ایک واعظ ایسے ہوئے ہیں جن کی تذکیر و نصیحت رنڈیوں تک کیلئے جاری تھی اور جن کی ہدایت سے متاثر ہو کر یہ گم کردہ راہ طائفہ حلقہ بگوش توحید ہو گیا۔ معاصی کا قلادہ گلے سے اتارا۔ اور نغمۂ توحید کو آویزہ گوش بنایا۔ روایت ہے کہ آپ کے وعظوں سے ہدایت یافتہ رنڈیوں میں سے اکثروں نے نکاح کر لئے اور ایک نیک بخت خاتون جہاد میں شریک حال ہو کر غازیوں کے گھوڑوں کیلئے دانہ دَلا کرتیں، اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نازل فرمائے۔

جب سیدنا محمد اسمٰعیل شہیدؒ نے سیاست اسلام کا مطالعہ کیا۔ تو اسوقت ایک طرف مسلمان عقائد کے زوال میں مبتلا تھے تو ادھر پنجاب کے مسلمان سکھوں کے جور و طغیان سے پریشان حال۔ دہلی میں پے بہ پے ان مظالم کی خبریں آتیں۔ علما اور صوفیہ کو اپنی مسندوں اور تکیوں کی فکر سے مخلصی نہ تھی جیسا کہ ان دونوں فرقوں کا اب بھی یہ حال ہے۔ مسلمان ہر لحاظ سے رو بہ زوال ہیں۔ سیاست سے نابلد۔ تمدن سے بے بہرہ۔ دولت سے تہی مایہ علوم سے خالی الذہن۔ مگر ہمارے یہ رہبران علم و روحانیت ہیں کہ گویا ان کے کانوں تک یہ اخبار پہنچتے ہی نہیں۔

یہی حال اسوقت بھی تھا۔ اول تو پنجاب ہی میں علما اور صوفیہ کی کیا کمی تھی۔ خصوصاً آخر الذکر جماعت جسکی سرفرازی میں پنجاب مشہور عالم ہے۔ ہر شہر میں متعدد خانقاہیں۔ سجادہ نشین۔ پیر صاحب۔ اور شاہ جی موجود ہیں۔ عرس ہوتے ہیں۔ ہزاروں مسلمان نذریں پیش کرتے ہیں۔ قبروں کی نیازیں علیحدہ۔ پیر صاحب زیادہ سے زیادہ اتنا کرم فرماتے ہیں کہ عرس کے روز دیوان خاص میں ذرا دیر کیلئے تشریف لاکر زائرین کو دیدار سے مسرور فرما جاتے ہیں۔ مگر اسلام جس کے نام پر یہ رچار رچا رکھی ہے اس ابتذال تک آپہنچا۔ اور ان سجادہ نشینوں کو خبر تک نہیں۔ ان عرسوں اور میلوں میں کبھی وعظ و ارشاد نہیں ہوتا۔ بلکہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس سے تو پیر صاحب کی پیری کا عصا ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔

اُسوقت دہلی میں بھی علما کی کمی نہ تھی۔ اس شہر کے اندر و باہر بیشمار مقبرے اور قبے نظر آتے ہیں۔ ان میں سے اکثر اسی دور کی یادگار ہیں ہیں جبکہ مسلمانوں میں ذہنی ابتذال آچکا تھا۔ سلطنت مغلیہ کا چراغ ٹمٹمانے تک پہنچ گیا تھا۔ پنجاب کے مسلمان سکھوں کے ہاتھوں مرتد ہونے کے قریب آرہے تھے۔ مگر نہ تو پنجاب کے علما و زہاد میں سے کسی نے مسلمانوں کی امداد و مخلصی کو شعار دین سمجھا۔ اور نہ دہلی کے ہی کسی عالم یا صوفی نے اپنے نام لیواؤں کے اس درد و کرب کو محسوس کیا ؎

تمہیں آشفتہ مزاجوں کی خبر سے کیا کام　　تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنے

آخر مسلمانوں کی اس ذلت اور در بدری کا درد حجۃ اللہ شاہ ولی اللہؒ دہلوی کے نامور پوتے مولانا محمد اسمٰعیلؒ کے دل میں اٹھا وہ اس درد کو لیکر سید احمد (حضرت امیر المومنین) کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ امیر الوقت نے اس درد کو دیکھکر اس کا تجزیہ کیا۔ اور ایک ایک جزو کو سراپا درد پایا۔ خود بھی درد بن گئے۔ ہر بن مو سے اس درد کا شیون بلند ہوا۔ اور شاہ اسمٰعیلؒ تو اس درد کے حامل ہی تھے۔ وہی یہ جنس گرانمایہ لیکر اپنے مرشد جہاد (طریقت نہیں) کی خدمت میں پہنچے تھے۔ دونوں بیقرار ہو کر تڑپنے لگے۔ کسی پہلو چین نہ مل سکا۔ مرشد نے بریلی کو خیرباد، مرید نے دہلی کو الوداع پکارا۔ صوبہ صوبہ شہر بشہر قریہ بہ قریہ اسے لیئے لیئے پھرے۔ جہاں گئے قبول عام نے استقبال کیا جس نے سنا سراپا درد بن گیا۔ اور کرب و بلا سے تڑپنے لگا۔ مرشد کی متابعت کے بغیر کوئی مداوا نظر نہ آیا۔ گروہ کے گروہ دائیں بائیں آگے پیچھے چلے جا رہے ہیں۔ ان کا داعیہ یہ ہے کہ پنجاب کے مسلمانوں کو اُس درد سے مخلصی دلائیں جو ہمارے لئے بھی موجب کرب بن گیا ہے۔ پھر کیا گذری؟ ؎

ستبدی لک الایام ما کنت جاھلا　　ویاتیک بالاخبار ما لم تزود

(باقی)

بہارِ نو

(از جناب ضیاء الدین صاحب ضیاؔ الہ آبادی متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی)

"محدث" نے بہارِ نو کا مژدہ پھر سنایا ہے　　گلستانِ صحافت پر نیا غنچہ کھلایا ہے
معطر ہے دماغ اہل دانش پھر نئے سر سے　　سبھی کو بوئے عنبر بیز نے بیخود بنایا ہے
تمنائی نہ کیوں ہو طالب علم و ادب ہر دم　　خزانہ علم و دانش کا عجب اس نے لٹایا ہے
روانی قابلِ تحسین معانی دید کے لائق　　اسی نے مصطفٰے کے دین کا دریا بہایا ہے
وہ جس نے ظلمتوں کو نور سے یکسر بدل ڈالا　　وہ جس نے کفر کے خرمن کو خاکستر بنایا ہے
وہ جس نے حسن خلقی کے سبق سب کو دیے کیا کیا　　وہ جس نے خدمت اسلام کا بیڑا اٹھایا ہے
وہ جس کا حُسن ہے بزم جہاں میں نادر و یکتا　　وہ ان رعنائیوں کے ساتھ ہم تک آج آیا ہے
نہ پوچھو اسکے ہر مضمون کی شوکت و عظمت کو　　کہ دنیائے صحافت میں بہت اعزاز پایا ہے

بیاں اشعار میں کیا ہو ادا ہو نظم میں کیونکر
ضیاؔ رتبہ "محدث" کا جو قدرت نے بڑھایا ہے

LIBRARY ... 025

ندائے سوز

(از محترمہ حافظۂ قرآن، فاضلۂ دینیات، نورجہاں بیگم صاحبہ ندآ ایف اے ...)

کہوں کیا اے ندآ اب کیا فضائے باغ عالم ہے — خزاں کا دور دورہ ہے بہارِ گل کا ماتم ہے
ہمارے دل سے تو پوچھے کوئی جذبات کا عالم — یہ ہے وہ ساز جسکی ہر صدا ایک نغمۂ غم ہے
فنا کے گود میں ہے آجکل احساسِ بیداری — نہیں کچھ زندگی جس میں ہمارا اب وہ عالم ہے
ہمارے ہاتھ رہ سکتا ہے میدانِ عمل کیوں کر — نہیں وہ شوقِ جانبازی سرِ تسلیم گو خم ہے
ہمیں مطلق نہیں احساس اچھائی برائی کا — زمانہ جسقدر برباد کردے اسقدر کم ہے
کبھی تاریخ عالم کا ہمیں سے نام روشن تھا — ہمارے نام سے شرمندہ اب تاریخِ عالم ہے
حیاتِ مطمئن ہم کو میسر ہی نہیں آتی — جہانِ زندگی کا ذرہ ذرہ آج برہم ہے
فرائض سے ہوئے ہیں بے خبر ہم اس زمانے میں — زمانہ ہم کو ہنس ہنس کر کہے جو کچھ بھی وہ کم ہے
ندآ یہ سب ہے زیباؔ ناروی کے فیض کا حاصل — ہماری نظم میں پنہاں حقیقت ہائے عالم ہے

Accession Number 38060...
Date.........

نغماتِ بیداری

(از محترمہ قمر النساء صاحبہ مریخ کاشمیری زیبائی کلکتوی)

یہ جذبہ کوئی جذبہ ہے یہ کیا جذبے کا عالم ہے — ارادے تو بہت کچھ ہیں مگر اس پر عمل کم ہے
تجھے افسوس کیوں آتا نہیں اپنی تباہی پر — زبانہ ہوگیا، تو مبتلائے حسرت و غم ہے
نہ تجھ میں وضع داری اب نہ تجھ میں شانِ خودداری — تری یہ زندگی عالم میں بیشک ننگِ عالم ہے
عجب کچھ ہیں ترے طور و طریقے اس زمانے میں — نہ تجھ میں پختہ کاری ہے نہ وہ عزمِ مصمم ہے
کہاں ہے اب وہ تو کا نہیں دلیرانِ جہاں جس سے — کہاں فتح و ظفر کا تیرے قبضے میں وہ پرچم ہے
جگا تکبیر کے نعروں سے پھر سوتی ہوئی دنیا — سنبھل تیرا نظامِ زندگی کس درجہ برہم ہے
تجھے احساس ہونا چاہئے کچھ اپنی ہستی کا — تری اچھائیوں کا کسقدر شیرازہ برہم ہے
ذرا اے قوم پھر بیدار کردے ذرہ ذرہ کو — اگر کچھ احترامِ جذبۂ فاروقِ اعظم ہے

مجھے اشعار کہنے میں تأمل کچھ نہیں ہوتا
یہ اے مریخ زیباؔ ناروی کا فیض کیا کم ہے

امام مسلم رحمہ اللہ ؎

(۱)

(از مولوی عبید الرحمن صاحب طالب مبارکپوری رحمانی)

پچھلے ساڑھے تیرہ سو برس کے زمانے میں گلشن اسلام میں لاکھوں گلہائے رنگ کھلے اور مرجھا گئے۔ لیکن قدرت کے ہاتھوں نے قبولیت عام اور عزت و شرف کا تاج انہی کے سر پر رکھا جو اسلام کی ابتدائی تین صدیوں میں صفحۂ دنیا پر جلوہ آرا ہوئے موجودہ دور مادیت اور روشن خیالی میں جہاں ہر چیز کو عقلی نظر سے تاکا جاتا ہے خواہ اس قبولیت اور عزت و شرف کا سبب کچھ ہی قرار دیا جائے لیکن اگر یہ کہا جائے تو غالباً بیجا نہ ہوگا کہ یہ حامل اسرار الٰہی فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشینگوئی کا اثر تھا کہ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم یعنی بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر وہ جو اس کے متصل اور قریب ہے اسی طرح وہ جو اس کے متصل ہے۔

آئندہ سطور میں آپ کو تیسری صدی ہجری کی ایک ایسی نامور اور باکمال ہستی سے روشناس کرانا چاہتا ہوں جس کا تبحر علمی قوت حافظہ جودت و فقاہت اور جلالت شان محتاج بیان نہیں جسے فن حدیث میں وہ رتبہ حاصل تھا کہ شاید ہی ویسا رتبہ کسی کو حاصل ہوا ہو۔ وہ باکمال اور بزرگ ہستی مسلم بن حجاج بن مسلم القشیری النیساپوری کی ہے۔

نام ونسب ووطن مسلم نام ابو الحسین کنیت عساکر الدین لقب سلسلۂ نسب یہ ہے ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم بن وزد بن کوشاذ القشیری النیساپوری۔ قشیر عرب کے ایک قبیلہ کا نام ہے چونکہ امام مسلم کا سلسلۂ نسب قشیر سے ملتا ہے اس وجہ سے قشیری کہے جاتے ہیں۔ لیکن وطن کے اعتبار سے آپ نیساپوری الاصل تھے۔

ولادت وتعلیم وتحصیل علم خراساں کے اضلاع میں ایک ضلع کا نام نیساپور ہے اور اس میں ایک شہر نصر آباد ہے۔ امام مسلم ؎ ۲۰۴ھ میں نصر آباد میں پیدا ہوئے اس وقت سرزمین نیساپور گلہائے عطر بیز سے علوم و فنون کا گلشن بنی ہوئی تھی جن کی عطر بیزی کا یہ عالم تھا کہ لوگ دور دور سے اپنے دامن کو معطر کرنیکے لئے جوق در جوق چلے آرہے تھے۔ امام مسلمؒ نے جب ہوش سنبھالا تو ان کے آوازۂ کمال کو سنا۔ ان کی ابتدائی تعلیم کے حالات مخفی ہیں لیکن قرینہ اور گمان یہی بتلا رہا ہے کہ امام صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد حجاج جو خود مشائخ میں شمار کئے جاتے تھے سے یا کسی ابتدائی مدرسہ میں حاصل کی ہوگی۔ چودہویں سال کی عمر میں آپ نے حدیث شروع کی اور یحییٰ بن یحییٰ نیساپوری وغیرہ جیسے علماء سے جو اس وقت ماہرین فن سمجھے جاتے تھے حدیث کی تعلیم شروع کی۔ لیکن باوجود تکمیل کے جب آپ کی علمی تشنگی وہاں نہ بجھ سکی تو وہاں سے نکلکر دوسرے ممالک مثلاً حجاز۔ عراق۔ شام۔ مصر۔ بغداد وغیرہ میں پہنچکر وہاں کے علماء سے ملاقات کی اور علم حدیث میں بلند مرتبہ حاصل کیا۔

؎ امام مسلمؒ کے حالات تاریخ بغداد للخطیب۔ تذکرۃ الحفاظ للذہبی۔ ابن خلکان۔ طبقات الحنابلہ لابن ابی یعلیٰ۔ تہذیب التہذیب لابن حجر۔ کشف الظنون سے لئے گئے ہیں۔ ؎ ابن خلکان اور ابن الاثیر نے مذکورہ سنہ کے علاوہ ۲۰۲ھ اور ۲۰۶ھ بھی لکھا ہے۔ ابن الاثیر نے مقدمہ جامع الاصول میں ۲۰۶ھ کو ترجیح دی ہے۔

امام صاحب کا مذہب فروع میں صاحب کشف الظنون کے قول کے مطابق امام صاحب شافعی المذہب تھے۔ لیکن صاحب توجیہ النظر کی روایت کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ آپ فروعی مسائل میں کسی خاص امام کے مقلد نہیں تھے بلکہ فروع میں آپ کا وہی مسلک تھا جو اہل حدیث کا ہے یعنی سنت کا اتباع بغیر کسی خاص امام کی تقلید کے۔ اس سلسلہ میں یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ محدثین کا مذہب کے اعتبار سے دو طبقہ ہے ایک طبقہ وہ ہے جو خود اجتہاد کا فقاہت کا درجہ رکھتا ہے۔ جیسے امام بخاریؒ امام ابوداؤد وغیرہما۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو نہ بالکل مجتہد ہی ہے اور نہ کسی امام کا مقلد ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ ائمہ میں بغیر تعین کے امام شافعیؒ امام احمدؒ۔ امام اسحٰقؒ کے اقوال کی طرف میلان رکھتا ہے۔ جیسے امام نسائیؒ، ابن ماجہؒ ابن خزیمہؒ ابویعلیٰ، امام مسلمؒ اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

شہرت علم وفضل امام صاحب اپنے تبحر علمی قوت حافظہ اور فقاہت وجودت کی وجہ سے بہت جلد مشہور ہو گئے اور آپ کے علمی کمال کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا چنانچہ آپ کے آوازۂ کمال کو سنکر اکناف واطراف ملک سے طالبان علم حدیث کی ایک بڑی تعداد امنڈ آئی اور آپ کے حلقۂ درس میں شریک ہوکر بیشمار لوگوں نے علم وفضل کا رتبہ حاصل کیا۔

امام صاحبؒ کے بارے میں ان کے شیوخ اور معاصرین کی رائیں اس شخص کی جلالت شان اور بزرگی وکمال کا کیا پوچھنا جس کی تعریف میں خود اس کے اساتذہ ومشائخ ومعاصرین رطب اللسان ہوں۔ امام مسلم کی وہ ہستی ہے جس کی تعریف وتوصیف خود اس کے اساتذہ ومشائخ نے کی ہے۔ چنانچہ امام مسلمؒ کے استاذ محمد بن عبدالوہاب فرا فرماتے ہیں کان من علماء الناس واوعیۃ العلم ماعلمتہ الاخیرًا یعنی امام مسلم ممتاز علماء میں سے تھے بلکہ علم کا خزانہ تھے میں ان کو اچھا ہی جانتا ہوں۔ ابن اخرم کا قول ہے انما اخرجت مدینتنا ھذہ من رجال الحدیث ثلثۃ محمد بن یحیی وابراھیم بن ابی طالب ومسلم یعنی ہمارے اس شہر نے صرف تین ہی محدث پیدا کئے محمد بن یحییؒ ابراہیم بن ابوطالبؒ اور امام مسلمؒ۔ اسحاق کوسج امام مسلم کی شان میں یہ کلمہ فرماتے ہیں لن نعدم الخیر ما ابقاك الله للمسلمین یعنی جب تک اللہ تعالیٰ آپ کو زندہ رکھے گا اسوقت تک ہم بھلائی سے محروم نہ ہونگے۔ آپ ہی کے متعلق حافظ ابو قریش کا قول ہے حفاظ الدنیا اربعۃ ومنھم مسلم کہ دنیا میں حفاظ کل چار ہیں جن میں کے ایک مسلم ہیں۔

وفات امام صاحب نے اتوار کی شام میں ۲۵ رجب ۲۶۱ھ کو مقام نصرآباد میں ۵۵ برس کی عمر میں وفات پائی اور دوشنبہ کے دن جنازہ کی نماز پڑھی گئی اور نصرآباد میں مدفون ہوئے۔

آپ کی وفات کے بیان کے سلسلہ میں حافظ ابوبکر خطیب نے تاریخ بغداد میں سندًا ایک عجیب وغریب واقعہ لکھا ہے فرماتے ہیں ایک دفعہ مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی جس میں امام مسلم موجود تھے اثنائے مذاکرہ میں ایک حدیث پیش کی گئی جس کے متعلق امام مسلم کو علم نہیں تھا۔ امام مسلم مجلس سے اٹھکر سیدھے مکان آئے اور چراغ روشن کیا اور حدیث کی تلاش کیلئے تنہائی میں بیٹھ گئے اور گھر والوں کو منع کر دیا کہ میرے پاس کوئی نہ آئے۔ گھر والوں نے کہا کہ کھجور کی ایک ٹوکری ہدیہ میں آئی ہے آپ نے فرمایا اس کو میرے پاس رکھدو۔ امام مسلم حدیث تلاش کرتے جاتے اور ایک ایک کھجور نکال نکال کر کھاتے جاتے یہاں تک کہ ٹوکری کی کل کھجوریں ختم ہوگئیں اور آپ کو حدیث مطلوبہ مل گئی۔ آپ کو اس علمی تفکر میں زیادہ کھانے کا احساس نہ رہا۔ اور یہی

پ کی موت کا سبب بنا۔

خلاق و عادات امام صاحب تام القامۃ تھے اور آپ کی ڈاڑھی و سر سفید آپ کی عادت شریفہ تھی کہ عمامے کے
ملہ کو دونوں کندھوں کے درمیان رکھا کرتے۔ امام صاحب انتہا درجہ ذکی اور فہیم تھے۔ آپ کی قوت حافظہ جودت و فقاہت
شہور تھی لیکن اس کے باوجود بے انتہا متواضع اور بردبار تھے کہ اپنی حیات مبارکہ میں نہ کسی کی غیبت کی اور نہ کسی پر سب و شتم
یا اور نہ کسی کو مارا۔ آپ کے مزاج میں غایت درجہ استغنا تھا اسی وجہ سے کسی کی فیاضیوں کے دست نگر نہ ہوئے۔

امام صاحب کا آخری ورود بغداد امام صاحب متعدد دفعہ بغداد تشریف لیگئے اور اپنے فیوض و برکات سے اہل
بغداد کو مستفید فرمایا اور بغداد کے سینکڑوں حضرات نے آپ سے علم حدیث حاصل کیا۔ لیکن آپ کا آخری سفر بغداد ۲۵۹ھ میں ہے
س کے بعد سے پھر آپ کو بغداد جانیکا اتفاق نہیں ہوا۔

شیوخ و اساتذہ امام صاحب کے شیوخ و اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے اسلئے ان سب کا احصا اور شمار کرنا دشوار اور
مشکل ہے ہاں چند مشہور اور نامور اساتذہ کے نام کو جن پر امام صاحب کو فخر اور ناز تھا ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔
یحییٰ بن یحییٰ نیسا پوری امام اسحٰق بن راہویہ امام محمد بن اسمٰعیل البخاری۔ امام احمد ابن حنبل عبداللہ بن مسلمہ قعنبی۔ سعید
بن منصور۔ شیبان بن فروخ، احمد بن یونس۔ اسمٰعیل بن ابی اویس۔ داؤد بن عمرو الضبی۔ ہیثم بن خارجہ۔ ان اساتذہ میں امام صاحب
و امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بہت زیادہ عقیدت تھی اور آپ انکا بہت زیادہ ادب کرتے تھے۔ حدیث کے دقائق اور باریکیوں
کے پوچھنے اور حل کرتے وقت رونے لگتے کبھی فرط عقیدت سے امام بخاریؒ کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور کہتے مجھے اجازت دیجئے
میں آپ کے پائے مبارک کو بوسہ دوں دعنی اقبل رجلیک یا امیر المومنین فی الحدیث۔
ان شاء اللہ آئندہ "امام بخاری امام مسلم کی نظر میں" کے عنوان کے ماتحت اس کے متعلق مفصل طور پر لکھیں گے۔

تلامذہ امام صاحب کے تلامذہ اور شاگردوں کا سلسلہ بہت دور تک پھیلا ہوا ہے آپ کے حلقۂ درس میں بیٹھکر بہت سے مشہور
ر باکمال لوگوں نے فیوض و برکات حاصل کئے ہیں جن میں بعض بڑے نامور اور ذی مرتبہ گذرے ہیں اور دنیا میں انھوں نے بہت
بلند جگہ پائی۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ جن کی فقاہت وسعت نظر تبحر مذاہب پر عبور محتاج بیان نہیں امام صاحب ہی کے شاگردوں میں سے
ہے۔ علامہ ابن خزیمہ جنکو علامہ ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی نے امام الائمہ اور شیخ الاسلام کا لقب دیا ہے امام صاحب ہی کے شاگرد
ہے۔ ذیل میں امام صاحب کے بعض مشہور اور ممتاز تلامذہ کے نام مع مختصر حالات کے درج ہیں۔
(۱) ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن الضحاک السلمی الضریر البوغی الترمذی۔ نہر جیحون و سیحون کے ایک قدیم شہر ترمذ میں
. . . ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا سورہ مروزی الاصل ہیں۔ کسی وجہ سے ترمذ میں آکر آباد ہو گئے تھے آپ
امام بخاری امام مسلم کے علاوہ امام ابوداؤد قتیبہ بن سعید علی بن حجر محمد بن بشار سے بھی فیض و برکت حاصل ہے۔ آپ نے
حدیث حاصل کرنے کیلئے بہت دور دور کا سفر کیا ہے۔ چنانچہ بصرہ کوفہ واسط حجاز خراساں وغیرہ ممالک آپ کے علمی
رہ چکے ہیں۔ امام ترمذی کی بہت سی تصانیف ہیں لیکن ان سب میں مشہور ترجامع ترمذی کتاب العلل شمائل ترمذی ہے۔
ن کیا جاتا ہے کہ آپ خوف خدا کی وجہ سے اکثر رویا کرتے تھے جس کی وجہ سے آنکھوں کی بصارت جاتی رہی۔ لیکن بعض کے

نزدیک یہ صحیح نہیں بلکہ ان کا بیان ہے کہ مادرزاد نابینا تھے ۲۷۹ھ مقام ترمذ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

(۲) ابوعوانہ یعقوب بن اسحق بن یزید الاسفرائنی ثم النیساپوری۔ آپ اسفرائن میں پیدا ہوئے آپ کی تاریخ ولادت پردۂ خفا میں ہے آپ نے آخری زندگی نیشاپور میں بسر کی ہے علم حدیث کی تحصیل میں بہت سے ممالک کا سفر کیا اور ہر ملک کے ماہرین فن حدیث سے ملاقات کی دمشق میں محمد بن عبدالصمد اسمٰعیل بن ۔ محمد بن قیراط مصر میں یونس بن عبدالاعلی مزنی اور ربیع عراق میں سعدان بن نصر عمر و بن شبہ خراساں میں محمد بن یحییٰ ذہلی، مسلم بن حجاج جزیرہ میں علی بن حرب وغیرہ غرض ہر ملک کے باکمال اور مشہور مشائخ سے فن حدیث کو حاصل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ شافعی المذہب تھے اور اسفرائن میں مذہب شافعی کے مروجہ اور اول بانی کا شرف آپ ہی کو حاصل تھا۔ فن حدیث میں آپ کو بہت بڑا مرتبہ حاصل تھا چنانچہ حاکم آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کان ابوعوانۃ من علماء الحدیث وامثالھم۔ آپ نے صحیح مسلم کی احادیث کی تخریج میں ایک کتاب لکھی ہے جو آج صحیح ابوعوانہ کے نام سے مشہور ہے، ۳۱۶ھ میں مقام نیشاپور میں انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔

(۱) ابوحاتم محمد بن ادریس بن المنذر الحنظلی ۱۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کو لڑکپن ہی میں علم حدیث حاصل کرنیکا شوق ہوا چانچہ صغر سنی ہی میں آپ وطن سے پاپیادہ نکلکر بحرین رملہ طرطوس پہنچے اور وہاں کے اساتذہ فن سے حدیث حاصل کیا۔ آپ کے علمی سفر سے متعلق ایک خاص اور مشہور واقعہ ہے کہ آپ احادیث نبوی کی تحصیل میں پاپیادہ ۔ ۔ سفر کرتے۔ چنانچہ ابوحاتم کا خود اپنا بیان ہے کہ میں نے ہزار فرسخ تک پاپیادہ چلنے کا شمار کیا اس کے بعد میں نے ترک کر دیا۔

علم حدیث کی تحصیل میں سفر کی مشکلات اور غربت ۔ ۔ وتنگدستی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قیام بصرہ کے زمانہ میں ایک دفعہ خرچ ختم ہو گیا تو میں نے کپڑے فروخت کر ڈالے اور کچھ اس کی قیمت سے کام چلایا لیکن جب وہ بھی ختم ہو گئی تو کئی دن فاقے گذرے آخر ایک ہم سفر کو اطلاع ہوئی تو اس حالت اور مصیبت سے نجات دلائی۔ ۲۷۷ھ میں ۸۲ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

(۴) ابوبکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ بن المغیرہ بن صالح بن بکر السلمی النیشاپوری۔ ۲۲۳ھ میں پیدا ہوئے قوت حافظہ ذکاوت فطانت اور فقاہت آپ کی مشہور تھی۔ آپ کو فن حدیث وفقہ میں حد درجہ کا کمال حاصل تھا چنانچہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں آپ کو امام الائمہ اور شیخ الاسلام جیسے عالیشان القاب سے ذکر کیا ہے فرماتے ہیں "انتھت الامامۃ والحفظ فی عصرہ بخراسان"

آپ کی تصانیف بہت زیادہ ہیں علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ایک سو چالیس لکھا ہے آپ کی تصانیف میں سب سے بڑی اور مہتم بالشان تصنیف صحیح ابن خزیمہ ہے جس میں آپ نے صحیح حدیثوں کو منتخب کر کے جمع کیا ہے۔ ۲ ذی القعدہ ۳۲۱ھ کو ۸۹ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

(باقی)

گلہائے عقیدت

(آزاد الوی)

یہ نظم اس وقت لکھی گئی جب حضرت میاں عبدالوہاب صاحب مدظلہ العالی مہتمم مدرسہ کی والدہ محترمہ اپنے دو پوتوں کے ساتھ حج بیت اللہ سے واپس تشریف لائیں۔ آزاد

دل میں فروغِ کعبۂ یزداں لئے ہوئے
پہلو میں انبساط کا طوفاں لئے ہوئے

اے تشنگانِ بادۂ یثرب ہو خوش کہ آج
آیا ہے کوئی بادۂ عرفاں لئے ہوئے

اُف رے یہ مشک بیزیٔ بادِ مدینہ کہ
ہر ہر نفس ہے بوئے گلستاں لئے ہوئے

اللہ رے جمالِ مدینہ کی دل کشی
نظریں ہیں آج نورِ درخشاں لئے ہوئے

سرمستِ انبساط نہ ہوں کیوں وہ آج جب
دل ہے فروغِ طور کا ساماں لئے ہوئے

رندانِ قدح خوار نہ کیوں خوش ہوں آج جب
آتا ہے جامِ ساقیٔ دوراں لئے ہوئے

آئے ہیں حج سے لوٹ کے نورؔ و شفیعؔ[1] آج
پہلو میں انبساط کا طوفاں لئے ہوئے

دادی بھی آ رہی ہیں بصد تزک و احتشام
دل میں فروغِ کعبۂ یزداں لئے ہوئے

اللہ رے یہ آنے کا فرحت اثر سماں
ہر ہر نظر ہے کیف کا ساماں لئے ہوئے

آئی ہے آج گلشنِ ملت میں فصلِ گل
رعنائی و جمال کا طوفاں لئے ہوئے

آزاد ہوتی جاتی ہے ہر آنکھ فرشِ راہ
پہلو میں اپنے دید کا ارماں لئے ہوئے

[1] نور احمد و شفیع احمد حضرت میاں صاحب کے پوتے۔

قوت حافظہ اور دانتوں کی مضبوطی کیلئے قرآنی عمل

ریاست رامپور سے دو بزرگوں نے قرآن مجید کی آیتوں کے دو عمل لکھکر بھیجے ہیں جن کے متعلق ان کا بیان ہے کہ ہم ان وردوں کا سالہا سال سے تجربہ کر کے فائدہ اٹھا رہے ہیں اب ناظرین محدث بھی ان پر عمل کر کے بہرہ مند ہوں اور بتلانے والوں کو دعا خیر سے یاد کریں۔ (ایڈیٹر)

(۱) سورہ فاتحہ (یعنی سورہ الحمد) کی ایک تسبیح (یعنی سو مرتبہ) رات کو سوتے وقت پڑھکر سینہ پر دم کر لیا کریں۔ روزانہ یہ عمل جاری رکھیں انشاء اللہ حافظہ بہت جلد قوی ہو جائیگا۔ (سید سعادت علی و سید ابن علی)

(۲) رات کو جو وقت آسمان سے ستارہ ٹوٹتے ہوئے دیکھے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھکر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ تک پڑھے پھر زبان

کی نوک کو اوپر کے دانتوں کے اندر کی جانب داہنی طرف سے دانتوں کی جڑوں میں پھیرتا ہوا بائیں جانب اخیر تک لائے ۔ پھر بائیں جانب اندر کی طرف سے پھیرتا ہوا سب دانتوں کی جڑوں میں گھماتا ہوا داہنی جانب نیچے کی طرف اخیر تک لاکر ختم کردے ۔ بس ۔

اسی طرح جب ستارہ ٹوٹتے ہوئے دیکھے عمل کرے انشاء اللہ تعالیٰ دانت جڑ پکڑ جائیں گے ۔ راقم کے دانت چوٹ کے صدمہ سے ہل گئے تھے اس عمل سے اصلی حالت پر ہوگئے ۔ اور درد و نزلہ وغیرہ سے بھی بفضلہ امن رہتا ہے ۔ میرا سترہ سال سے اس پر عمل ہے ۔ (سید محمود علی)

شانِ رحمانیہ

(از ثناء اللہ صاحب شمیم گیاوی متعلم دار الحدیث رحمانیہ دہلی)

اے فدایانِ شریعت حامیانِ علم دیں !! آپ کی خدمت میں کچھ کہنا ہے باصدق یقیں
مدرسہ رحمانیہ کا ہے کوئی ثانی کہیں ؟ خرمن تعلیم سے اکثر ہیں جس کے خوشہ چیں
علم و حکمت کا خزینہ ہے یہ پیارا مدرسہ
مدرسہ یہ مدرسہ یعنی ہمارا مدرسہ

"عبدِ رحمان" "وعطائے" نے ہے دیا جسکو وجود شرق سے تا غرب جس کا ہوگیا نام و نمود
جلتے ہیں اس کی ترقی دیکھکر اسکے حسود کون ہو مانع ترقی دے جسے ربِّ ودود
میں کروں تعریف مجھمیں تابِ گویائی کہاں
رُک گئی آکر یہاں افسوس خامہ کی زباں

قابلِ صد رشک ہو گا کیوں نہ اسکا یہ شباب ہیں نگہباں جبکہ اسکے حضرتِ "عبدالوہاب"
کیوں نہ ہو خورشید کے مانند اسکی آب و تاب علم کے گردوں پہ جب چمکا ہے بنکر آفتاب
مدرسہ کیا ہے یہ گویا علم و فن کی کان ہے
فی الحقیقت ملت ختم الرسل کی جان ہے

لائقِ صد رشک ہو کیونکر نہ یہ اپنا چمن سینچتے ہیں اپنے خوں سے اسکو جب استادِ فن
اس دعا پر ختم کر تو اے شمیم اب یہ سخن رکھ انھیں قائم ہمیشہ اے خدائے ذوالمنن
تا ابد یہ "مدرسہ رحمانیہ" قائم رہے
اور اس کا یہ جمالِ دلربا دائم رہے

کتاب عمل

(از مقبول احمد حبیب اعظمی مہوری متعلم مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی)

معزز ناظرین کرام! خداوند قدوس اسوقت کسی قوم کے قصر عظمت کو اس کی بداعمالیوں کے پاداش میں منہدم کرتا ہے اور اسے منصب ممتاز و ارفع مقام سے ڈھکیل کر قعر مذلت کے عمیق ترین گڑھے میں گراتا ہے جب اس قوم کے افراد اصول مذہب کا جوہر چھوڑ دیتے ہیں اور بوجہ خمار غفلت اس بیش بہا نعمت سے محروم ہو جاتے ہیں اسکا نتیجہ بدیہ مرتب ہوتا ہے کہ کچھ دنوں بعد اس کا نام و نشان صفحۂ دہر سے حرف غلط کی طرح بالکل ناپید اور نیست و نابود کر دیا جاتا ہے اور انکا شمار جماعت خائبین و خاسرین میں کیا جاتا ہے چنانچہ خداوند لایزال اپنے کلام معجز نظام میں یوں ارشاد فرماتا ہے۔ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى۔ یعنی جو شخص ہمارے ذکر (قرآن کے احکام) سے اعراض کریگا اس کی دنیاوی زندگی بھی تنگ ہوگی اور آخرت میں بھی وہ اندھا ہوگا)۔

اللہ اکبر عالم کو سبق انسانیت سکھا نیوالی شمع ہدایت دکھانیوالی اور دنیا کی سب سے زیادہ حساس اور غیور قوم ایسی بےحس ہو رہی ہے کہ اس کے پیارے مذہب اسلام کے مٹانے کی سعی پیہم کی جا رہی ہے اور وہ اس طرح خواب خرگوش میں پڑی ہوئی ہے کہ اپنے تئیں بالکل خبر ہی نہیں قوم مسلم وہ تھی کہ جس نے عالم میں تہلکہ مچا دیا تھا صرف اسلام کی پابندی کی وجہ سے ایسے افراد پیدا ہوئے کہ جن کے نام سے سلاطین جہاں ہر وقت لرزاں اور ترساں رہتے تھے ان کے ہاتھ میں صرف اتباع احکام مذہب تھی جس کی بنا پر وہ شیر نر کی طرح تنہا اور صرف تنہا بخوف و ہراس قیصر و کسریٰ کے دربار میں داخل ہوتے ہیں اور ایک زمانہ آتا ہے کہ یہی قوم ان کی بادشاہت و نظام سلطنت کو تہس نہس کر ڈالتی ہے اور اسلامی پرچم لہرانے لگتا ہے یہی وجہ تھی کہ عرصہ قلیل میں قوم مسلم چپہ چپہ میں نظر آنے لگی اور ہر جگہ اسلامی حکومت کا علم بلند ہوا مشرق سے مغرب تک تمام جگہ مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی۔ اندلس میں سات سو سال تک مسلمانوں کی سلطنت قائم رہی ہے۔

مگر دیکھنا یہ ہے کہ ان کی اتنی ترقی کے باوجود تنزل پذیر ہونے کے اسباب کیا تھے وہ صرف یہی کہ پابندی مذہب کو انھوں نے ضروری اور لابدی نہ سمجھتے ہوئے پس پشت ڈالدیا یہانتک کہ اسلامی حکومت سے وہ کوسوں دور جا پڑے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج اندلس میں مسجدیں ویران ہو چکی ہیں ان کی صورت کھنڈرات کی حیثیت اختیار کر چکی ہے افسوس! صد افسوس کوئی ان کو آباد کرنیوالا نہیں زمانہ موجودہ کے مشاہدات بھی یہی ہیں کہ جب انھوں نے اپنے مذہب کی پابندی کو ترک کر دیا اور تمام قابل عمل قوانین و اصول مذہب کو لغو اور لچر قرار دیا۔ فوراً فلک کے مہیب گھاٹ اتار دئے گئے ورنہ کیا چیز تھی کہ کبھی تو وہ زمانہ تھا کہ قوم مسلم جس جانب رخ کرتی تھی اعدائے اسلام کے جگر پاش پاش ہو جاتے تھے اور صرف نام ہی سنکر اپنے سر کو خم کر دیا کرتے تھے چہ جائیکہ میدان حرب میں آنیکی تاب لا سکیں۔ وجہ اس کی یہی تھی وہ جانتے تھے کہ وہ اپنے دین مقدس کے سامنے کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے۔ نوامیس الٰہیہ کے تحفظ کے سامنے آل و اولاد کی حقیقت متصور نہیں کرتے اگرچہ قوم رحمدل بھی ہے لیکن مذہبی امور میں لوہے سے

بھی زیادہ سخت ہے اس قوم کو تمام تکالیف و مصائب صبر شکن گوارہ ہیں لیکن مذہب کے خلاف ایک لفظ کا سننا گویا ان کے قلوب میں نشتر بھونکنا ہے۔ کیونکہ ان کے جان و مال درحقیقت خداوند قدوس ہی کے ہیں اور یہی انکا خیال رہتا ہے چنانچہ اس کی شہادت قرآن مجید دیتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے جان و مال کو جنت کے عوض خرید لیا ہے۔

چنانچہ اس سرفروشی کا نتیجہ ہمیشہ ہی رہا کہ قوم مسلم فاتح و غالب کی حیثیت سے میدان کارزار سے مراجعت کیا کرتی تھی ایک زمانہ آگہ ہے کہ ساری دنیا میں اسلامی سکہ جما دیا جاتا ہے بام عروج پر پہنچکر اغیار کو سرنگوں کیا جاتا ہے۔ غرض انھوں نے اپنے اندر وہ طاقت پیدا کی جس کی بنا پر تمام مقاصد عالیہ میں کامیاب اور فائز المرام ہوئے کون سی چیز نہیں جس میں انھوں نے ترقی نہ کی ہو لیکن وہ کایا پلٹ ہوئی کہ ہماری قوم دن بدن تنزل اور مائل بہ پستی ہوتی جاری ہے ان کی طبیعت کا رجحان اسی طرف ہے چنانچہ اسی طرح ہو رہا ہے کہ ہم دینی اور دنیوی امور میں پیچھے پڑے ہوئے ہیں لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انھوں نے احکام تو چھوڑا ہی تھا لیکن اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جو برائیاں اقوام دیگر کے اندر تھیں۔ انکو بھی انھوں نے قبول کر لیا۔ اور نہ صرف قبول کیا بلکہ ان پر اس سختی کے ساتھ عمل پیرا ہوئے کہ اپنی وہ تعلیم جس کو سرور دو عالم محمد صلعم آج سے ساڑھے تیرہ سو برس قبل دے گئے تھے اس کو بالکل بحر نسیان و فراموشی میں نہایت ہی بری طرح غرق اور برباد کر دیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آہ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے اعلیٰ اور زرین اصول کو لیکر دوسری اقوام ترقی کے زینہ پر چڑھیں اور ہم ان کے گندے اور مہلک ترین قوانین کو اپنے لئے ضروری سمجھیں۔ چنانچہ ان کو معلوم ہوگا کہ قرآن پاک ہر مسلمان کے گھر میں تو ضرور موجود ہوگا۔ مگر کس غرض کیلئے! محض برکت و ثواب کیلئے، وہ کتاب جو دنیا میں ہماری ہدایت اور رہنمائی کیلئے آئی تھی، وہ اچھے اچھے جزدانوں میں ملفوف ہو کر کسی طاق کی زینت، یا کسی الماری کی آرائش بنکر دھری ہے وہ کتاب جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے دونوں جہان کے فلاح و بہبودی کی باتیں لکھی تھیں محض تزئین طاق ہو کر رہ گئی۔

اکثر مسلم مرد عورت کو قرآن مجید کی تلاوت کا شوق ہے وہ تلاوت بھی کرتے ہیں مگر جو تلاوت کا حق ہے وہ ادا نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کا تو ارشاد ہے مسلمانو! قرآن کے مضامین پر تم غور کیوں نہیں کرتے کیا تمہارے دلوں کو تالے لگے ہیں (سورہ محمد) مسلمانو قرآن پر عمل کرو، اور اللہ پر بھروسہ رکھو لیکن ہم اپنے پروردگار کا حکم نہیں مانتے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب پر عمل پیرا ہونے کیلئے بار بار تاکید فرمائے اور ہم ٹس سے مس نہ ہوں اور اس کے حکم کی پروا نہ کریں۔ اس نافرمانی کی سزا ہم خود بھگت رہے ہیں مگر ہماری آنکھیں نہیں کھلتیں۔ ہم انھیں آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ہمسایہ قوم اپنے مذہب کی تجدید اور پرانی تہذیب کو زندہ کرنے میں ہمہ تن مصروف ہے لیکن ہم کو غیرت نہیں آتی۔

قرآن مجید بجز اس کے کہ یہ ایک علم و عمل کی کتاب ہے، اور ہے کیا چیز۔ اللہ تو خود فرماتا ہے کہ ہم نے قرآن کو آسان کر دیا ہے تاکہ اس سے لوگ نصیحت حاصل کریں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے برے کاموں کے کرنے سے روکا ہے اچھے اور نیک کام کرنے کے لئے ہدایت فرمائی ہے تاکہ ہم پرہیزگاری کی زندگی اختیار کریں۔

اگر ہم قرآن کی تعلیم پر عمل کریں تو پھر وہی اگلی سی شان پیدا ہو جائے، دنیا میں بھی کامیاب ہوں اور آخرت میں بھی سرفراز

ہوکر رہیں مگر حالت تو یہ ہے کہ ہم قرآن پڑھتے بھی ہیں تو طوطے کی طرح نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں نہ عمل کی

کیا یہ خدا جل جلالہٗ کے احکام کی پیروی ہے ؟ جب ہم کچھ سمجھیں گے نہیں تو عمل کس چیز پر کریں گے۔ قرآن تو کتاب عمل ہے اس کے مضامین پر غور کرنا اور عمل کرنا ہمارا فرض ہے۔ یہ کافی نہیں کہ ہم چند سورتیں رٹ لیں اور ورد کے طور پر اپنا سبق دہرالیں اگر ہم قرآن مجید پر عمل نہ کریں گے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ اللہ نے ہم کو جس کام کے کرنے کیلئے حکم دیا ہے ہم اس کی تعمیل تو کجا اپنے مالک حقیقی کے حکم کو جانتے اور سمجھنے کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر ہمارا کوئی نوکر ہمارے حکم کی پرواہ نہیں کرتا تو کیا ہم اس کی گستاخی اور لاپرواہی سے خوش رہیں گے، ہرگز نہیں۔ یہ اللہ کی نافرمانیوں کی سزا ہے کہ ہم دنیا میں ذلیل و خوار ہیں۔ یہ ذلت اور رسوائی تو دنیاوی سزا ہے اور آخرت میں جو گت بنے گی وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ جس کے دربار میں جوابدہی کے لئے حاضر ہونا برحق ہے۔

پس مسلم بھائیو، اگر تمہیں عزت آبرو کے ساتھ زندگی کے دن گذارنے ہیں تو قرآن کریم اور سرکار مدینہ کی احادیث کو اپنا سچا رہبر اور رہنما بناؤ۔ اور اسی کی روشنی میں خواہ دنیوی امور ہوں یا اخروی سب کو اسی کے پیش نظر انجام دو۔ آپ کو معلوم ہے کہ موجودہ حکومت کو سب کچھ منظور ہو سکتا ہے لیکن یہ نہیں کہ قرآن و حدیث کی تعلیم عام ہو اور اس پر مسلمان عمل پیرا ہوں۔ گو آپ کو یہ کہکر بھلا دیا گیا ہے کہ ہم کسی کے مذہب میں مداخلت نہیں کرتے لیکن جو کچھ اندرونی طریقہ سے مذہب اسلام کے ساتھ کیا جارہا ہے محتاج بیان نہیں۔ پچاس برس پہلے سے ملازم کے نام سے ایک ایسی جماعت موجود ہے جو حاملان قرآن و حدیث کے اقتدار کو فنا کرنے کیلئے تیار ہے یہی وجہ ہے کہ سرکاری اسکول و مدارس کے نصاب تعلیم ایسے نہج پر بنائے گئے کہ کٹر سے کٹر مسلم تعلیم یافتہ شخص جب پڑھکر نکلتا ہے تو اس کا تیر سب سے پہلے علماء حق اور حاملان قرآن و حدیث کے سینہ میں پیوست ہوتا ہے۔ پس اے مسلمانوں کے ناخداؤ اپنی باہمی منافقات اور تکفیر بازی کو چھوڑ دو اور متحد و متفق ہو کر قال اللہ اور قال الرسول کی سہاونی اور پیاری آواز کو پھیلاؤ۔

ضروری اعلان

(۱) خط و کتابت کے وقت اپنا خریداری نمبر جو پتہ کی چٹ پر ہوتا ہے ضرور لکھا کریں۔

(۲) پتہ ہمیشہ صاف اور خوشخط لکھئے۔

(۳) رسالہ وی پی نہیں بھیجا جائے گا۔ چار آنے بذریعہ منی آرڈر بھیجا کریں

(۴) منی آڈر کی کوپن پر بھی اپنا پتہ ضرور لکھا کریں۔

(۵) رسالہ میں کسی قسم کا اشتہار وغیرہ چھاپنے کے لئے نہ بھیجئے۔

(۶) محدث میں شائع ہونے کیلئے فتوے بھی نہ بھیجے جائیں۔

(۷) جواب طلب باتوں کیلئے ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنے ضروری ہیں۔

درتہنیت سال نو رسالہ محدّث

(از محمد یونس صاحب حافظ مبارکپوری)

ہے صبا لائی یہ مژدہ خوشگوار　　گلشن اسلام میں آئی بہار
بلبلیں ہر سمت ہیں نغمہ سرا　　کر رہی ہیں جان و دل اپنے نثار
ساری کلیاں ایکدم پھر کھل گئیں　　ہوگیا شاداب سارا کشت زار
ہیں خوشی سے پتے پتے جھومتے　　ہنستے ہیں گلہائے گلشن باربار
گلشنِ اسلام میں اے مومنو!　　آئی ہے پھر رحمتِ پروردگار
مرحبا وہ دن بھی اب آ ہی گیا　　ایک عالم کو تھا جس کا انتظار
یعنی اس پرچہ کا ہے سالِ گرہ　　جسکو ہر پرچے پہ ہے حاصل وقار
اے محدث مدح کیا تیری کروں　　تو ہے سچا دین کا خدمت گذار
پھونک کر مردہ تن مسلم میں روح　　قوم مسلم کو ہے کرتا ہوشیار
اے محدث تو ہے علم دین کا　　بالیقیں دریائے ناپیدا کنار
مذہبِ اسلام کا خادم ہے تو　　اور مسلم کا ہے سچا غمگسار
ہیں مدیر اسکے نہایت باکمال　　اہل علم و فن ہیں سب مضموں نگار
اسکے مالک صاحب جود و سخا　　نیک خو و نیکو کار و دیندار
مذہب حق کی اشاعت کیلئے　　ہے ہوا جاری یہ پرچہ ماہوار
اسکے مالک بندہ وہاب کو　　رکھ ہمیشہ شاد اے پروردگار
دے ترقی ان کی عمر و جاہ میں　　ہے دعا تجھ سے یہی لیل و نہار
حشر تک قائم رہے باآب و تاب　　اے خدا یہ دین و ملت کی بہار

ہے دعا حافظ کی یارب باربار
دے ترقی اس کو تو لیل و نہار

RGD. No. L. 3204.

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب پرنٹر و پبلشر نے جید پریس دہلی
میں چھپوا کر دفتر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع کیا۔

بیادگار فدائے علم و دین جناب شیخ عطاء الرحمن صاحب مرحوم و مغفور

رسالہ

محدّث دہلی

ملکیت

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم دارالحدیث رحمانیہ دہلی

RGD.No.L.3204.

فہرست مضامین

مقاصد

(۱) کتاب وسنت کی اشاعت۔

(۲) مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح۔

(۳) دارالحدیث رحمانیہ کے کوائف کی ترجمانی

ضوابط

(۱) یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو شائع ہوتا ہے

(۲) یہ رسالہ ان لوگوں کو سال بھر مفت بھیجا جائیگا جو ہر بذریعہ منی آرڈر ٹکٹ خرچ کیلئے دفتر میں بھیجدینگے وی پی نہیں بھیجا جائیگا۔

(۳) اس رسالہ میں دینی، علمی، اصلاحی، اخلاقی، تاریخی، تمدنی مضامین بشرط پسند شائع ہوتے ہیں۔

(۴) ناپسندیدہ مضامین محصولڈاک آنیپر واپس کئے جائینگے

(۵) شائع شدہ مضامین واپس نہیں کئے جائینگے۔

(۶) جوابی امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے ضروری ہیں

پتہ

منیجر رسالہ محدث دارالحدیث رحمانیہ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

محدث دہلی

نگران اصول
مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

جلد ۷ | ماہ جون ۱۹۳۹ء مطابق ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ | نمبر ۲

چند تازہ عبرت انگیز حوادث

جب آزادی اور حریت کی فضا میں رہ کر جذبات واحساسات بیدار رہیں تو ادنیٰ سے ادنیٰ ٹھوکر بھی انسان کو ہوشیار اور چوکنا رکھتی ہے۔ لیکن کسی خاص ماحول میں صدیاں گذر جانے کے بعد، جب صرف عملی ہی قوتیں نہیں بلکہ سمجھنے بوجھنے اور جانچنے پہچاننے کی صلاحتیں بھی سلب کر لی جائیں، تو بڑی سے بڑی چیخ اور سخت سے سخت کڑک تو کجا؟ ہولناک سے ہولناک دھماکہ بھی کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتا یہی حال آج ہمارا ہے۔ دولت وحکومت تو مدت ہوئی جا چکی، اور اسی کا اثر ہے کہ آہستہ آہستہ مذہب اور احساسات مذہب بھی دن بدن زوال پذیر ہیں۔ خدا کی طرف سے تنبیہات کا سلسلہ قائم ہے، لیکن افسوس! کوئی سننے والا کان، اور توجہ کرنیوالا دل ہی نہیں۔ زندگی کا ہر لمحہ کسی نہ کسی قومی یا شخصی حادثے کو سامنے لا کر فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ (اے آنکھوں والے! ان واقعات اور حوادث کو اپنی آنکھوں سے دیکھکر عبرت حاصل کرو) کی فطری آواز سے ہمیں اپنی اصلاح حال کی طرف متوجہ ہونے کی دعوت دیتا رہتا ہے لیکن یہاں تو کفر والحاد، غفلت وجمود کی مسموم ہواؤں نے ہمیں سُن کر رکھا ہے۔ پس احساس ہو تو کیونکر؟ اور حرکت ہو تو کیسے؟

---

۴ راپریل ۱۹۳۹ء کو عراق کے نوجوان فرمانروا شاہ غازیؒ کا انتقال بغداد میں کتنی دردانگیز حالت میں ہوا۔ آپ اپنی موٹر کو خود ہی چلاتے ہوئے تیزی کے ساتھ اپنے شاہی محل کی طرف جا رہے تھے کہ یکایک موٹر ایک بجلی کے کھمبے کے ساتھ اس زور سے ٹکرائی کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور شاہ موصوف کا سر پھٹ گیا۔ آپ فوراً بیہوش ہو گئے۔ اور ڈاکٹروں کے ہزاروں جتن کے باوجود اسی غشی اور بے ہوشی کے عالم میں صرف چالیس منٹ کے بعد آپ کی روح پرواز کر گئی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٥

شاہ موصوف ۲۱ سال کی عمر میں ابھی ۱۹۳۳ء ہی میں تخت نشین ہوئے تھے، لیکن اپنی حکومت کے اسی پانچ چھ سالہ دور میں

نظام مملکت اس خوبی اور بیدار مغزی کے ساتھ سنبھالا کہ نہ صرف عراق بلکہ دنیائے اسلام کی بڑی بڑی امیدیں آپ کی ذات سے وابستہ ہو گئی تھیں۔ اتحادِ اسلامی کے خواب کی عملی تعبیر دیکھنے کیلئے جن عظیم الشان ہستیوں کی طرف نگاہیں لگی ہوئی تھیں، ان میں شاہ غازی مرحوم کی شخصیت بھی ایک ممتاز حیثیت رکھتی تھی۔ وہ بڑے اولوالعزم انسان اور بڑے جوانمرد بادشاہ تھے، عراق نے ان کے عہدِ حکومت میں بڑا اونچا مرتبہ حاصل کر لیا تھا اور توقع تھی کہ ان کی ذات سے عراق دنیائے اسلام کا ایک بہت بڑا مرکز بن جائیگا۔

لیکن سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ ایک طرف انسانی خیالات و توقعات کی یہ دنیا ہے اور دوسری طرف فیصلۂ قضا و قدر کا یہ عبرت خیز نقشہ۔

اسی سانحہ کے متصل ہی ۶ر اپریل ۱۹۳۹ء کو دوسرا الم انگیز ملی حادثہ یہ پیش آیا کہ البانیہ کی اسلامی حکومت کو اٹلی کے جابر ڈکٹیٹر مسولینی نے محض اسلئے ہڑپ کر لیا کہ وہ کمزور تھی، اٹلی کے مقابلہ میں نہ اس کے پاس اسلحہ تھے نہ سامانِ جنگ اور نہ فوجیں۔ اس چھوٹی سی اسلامی سلطنت کی آزادی کو سلب کرنے کیلئے اٹلی نے بیک وقت چار سو ہوائی جہازوں ایک سو ستر جنگی جہازوں، اور ۳۵ ہزار فوج سے حملہ کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک بچے اور ایک دیو کا مقابلہ تھا اسلئے نتیجہ وہی ہوا جس کی توقع تھی۔

اس ظالمانہ حملہ سے ایک ہی دن پہلے شاہ البانیہ کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا تھا۔ لیکن حملے کے بعد مجبوراً بادشاہ البانیہ کو اپنے اس نوزائیدہ شہزادہ اور اپنی ملکہ کو لیکر اسی حالت میں تخت و تاج کو چھوڑ کر وطن سے، بے وطن، دیس سے، بدیس ہونا پڑا۔ اور اب وہ اپنے اہل و عیال سمیت یونان میں اپنی زندگی کے دن گذار رہے ہیں۔

ایک حساس اور درد مند مسلمان کیلئے یہ سانحہ بھی کچھ کم عبرت انگیز نہیں۔

ان بین الاقوامی اور ملی حوادث کے سلسلے میں، ایک میرے ذاتی صدمے کا حال بھی سن لیجئے جو اسی اپریل کے مہینے میں پیش آیا ہے۔ گو اپنی نوعیت کے لحاظ سے یہ حادثہ ایک شخصی حیثیت رکھتا ہے لیکن بفحوائے اَلسَّعِیْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَیْرِہٖ۔ (خوش نصیب وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے) آپ کے لئے بھی فائدے سے خالی نہیں۔

مسلمانوں کی عام بدحالی اور خصوصاً مذکورہ بالا دونوں تازہ واقعات کے باعث دل صدمے میں تھا ہی کہ برادر عزیز کی طرف سے اطلاع نے رہے سہے ہوش و حواس بھی گم کر دیئے کہ ۱۰ر اپریل کو تقریباً ۱۲ بجے دن میں گھر میں اچانک آگ لگ گئی۔ اور اس شدت سے لگی کہ تھوڑی ہی دیر میں سارا گھر شعلہ زار بن گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ شاید اس جھونپڑے کا کوئی گوشہ بھی ایسا باقی نہیں رہ جائیگا جس میں ہم سر چھپا کر بیٹھ سکیں گے۔ گاؤں میں اس حادثہ کی اطلاع بجلی کی طرح پھیل گئی۔ جس نے جہاں سُنا وہیں سے بے تابانہ دوڑتے ہوئے جلد سے جلد یہاں پہنچنے کی کوشش کی۔ اور آناً فاناً میں انسانوں کا اتنا زبردست اجتماع ہو گیا کہ شاید ایسے موقع پر اس سے پہلے کم ہوا ہوگا۔ شہر تو ہے نہیں کہ فائر بریگیڈ (آگ بجھانے کی مشین) کا انتظار کیا جاتا۔ بلکہ مجمع کا ہر فرد خود فائر بریگیڈ بننے کے لئے تیار تھا۔ چنانچہ آس پاس کے کنوؤں اور گڑھوں سے پانی کھینچا جانے لگا اور ادھر باہمت بوڑھوں اور بہادر نوجوانوں کی ایک جماعت اپنے آپ کو خطرے میں ڈالکر بھڑکتے ہوئے شعلوں کے سامنے دیواروں پر چڑھ گئی۔ اور اتنی محنت و جانفشانی،

سرعت و مستعدی کے ساتھ مسلسل پانیوں کا دھارا دیا کہ خدا کے فضل و کرم سے تھوڑی ہی دیر کے بعد آگ ٹھنڈی پڑ گئی اور بیاختہ زبانوں سے نکلا ع رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت ۔ مکان کا ایک کافی حصہ جل جانے کے باوجود بھی اس کو غنیمت سمجھا جارہا ہے اسلئے کہ جس تیزی کے ساتھ آگ بڑھ رہی تھی اس کے لحاظ سے تو خدا جانے کیا انجام ہوتا ۔

قارئین کرام! میرا مقصود ان واقعات کے دہرانے سے محض واقعات بتانا نہیں ہے بلکہ ان تازہ حوادث و سوانح کی یاد دہانی سے اصلی غرض یہ ہے کہ آپ ان سے عبرت حاصل کریں ۔ احساس و بیداری پیدا کریں ۔ لپنے اعمال و احوال کا خود ہی محاسبہ کریں اور اصلاح و نیکی کی وہ راہ اختیار کریں جس سے دونوں جہان کی کامرانیاں آپ کے قدم چومیں ۔ اور آپ فلاح دارین حاصل کر سکیں ۔ ورنہ یاد رکھیں کہ اس دنیا کی زندگی بہرحال فانی ہے ۔ دولت و ثروت نے ہمیشہ کسی کا ساتھ نہیں دیا ہے ۔ اور نہ اطمینان و سکون ہمیشہ کسی کو حاصل رہتا ہے ۔ آپ نے دیکھ لیا کہ شاہ عراق ، اور شاہ البانیہ نے عیش و عشرت کے نرم و نازک گدوں کو چھوڑ کر کس طرح ایک نے قبر کا کونا بسایا ، اور دوسرے نے دربدر کی خاک چھانی ۔ میں یا میرے گھر والے یہ کب جانتے تھے کہ ۱۰ اپریل کی صبح ہمارے لئے شام قیامت بنکر آرہی ہے ۔ پس ان واقعات سے سبق حاصل کرو اور سمجھ لو کہ ؎

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے ✣ یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

ہندی مسلمان

(از آزاد صاحب الوی متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی)

ثریا کی جبیں چومی ترے لب ہائے خنداں نے ✣ نقابِ کہکشاں اُلٹی تری زلفِ پریشاں نے

نگاہِ شوق تیری چیرتی تھی آسمانوں کو ✣ ذرا تو یاد تو کر اپنی اگلی داستانوں کو

کلیمی شان تھی تیری تصرف میں ید بیضا ✣ نظر کے سامنے رہتا تھا ہر دم طور کا جلوہ

پلٹ دیتا نہ کیوں تو سینکڑوں قوموں کی تقدیریں ✣ کہ قول اللہ فی الارض خلیفہ کی تھا تفسیریں

لئے گنجینۂ علم و ہدایت تھا تو سینے میں ✣ گہرِ حکمت کے تھے محفوظ کیا کیا اس خزینے میں

وہی ہے تو فقط ہے نام تیرا مسلمِ ہندی ✣ پڑا ہے خوابِ غفلت میں نہیں اب کچھ خبر اپنی

ہے حاصل زندگی کا آج تیری صرف غم کھانا ✣ اسیرِ فکر ہونا رنج سے گھُل گھُل کے مر جانا

تیرے جذبات کی رو میں جہاں بہہ جائیگا اب بھی ✣ ذرا اٹھ دیکھ پھر ہر سمت تو چھا جائیگا اب بھی

وہی شوکت وہی رفعت وہی عظمت ہو پھر حاصل
اگر ہو جائے تو راہِ عمل کا رہروِ کامل

شہیدِ ہند

(از جناب فاضل ابویحیٰی امام خانصاحب نوشہروی)

رسالہ محدث (بابت ماہ مئی ۱۹۳۹ء) میں بعنوان "شہیدِ ہند" جو سطور شائع ہوئی ہیں ان میں ہندوستان کی اسلامی حالت عہدِ اکبری سے (اور وہ بھی بطور اجمال) دکھائی گئی ہے مگر اب اس نکبت کی کہانی (ہندوستان میں) آغازِ اسلام سے دہرائی جاتی ہے۔ گویا ؎

مجھے منظور ہے پھر امتحاں برقِ تجلّی کا ﷺ جگر کو آشنائے سوزِ پنہاں کر رہا ہوں میں

ہر چند یہ تشبیب بھی ناقص ہے مگر اس سے ایک موہوم سا خاکہ ذہن میں قائم ہونے کی امید ہے۔ کاش فرصت ملے! کتابیں دستیاب ہوسکیں! تو اس اجمال کی تفصیل کی جاسکے! تو ———— ؟

فاتحانہ سلسلہ میں ہندوستان میں اسلام کی آمد جناب روحی فداہ محمد بن قاسم ثقفی سے ہوئی۔ بیشک وہ فتح ہی کی غرض سے حملہ آور ہوئے مگر اس حملہ کے محرکات خود ہندوستان کے ہندی حکمران راجہ داہر کے ظلم و سرکشی کا نتیجہ تھا کیونکہ اسی زمانہ میں:— سراندیپ کے راجہ نے چند جہازوں میں قیمتی تحفے اور ان مسلمانوں کے یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں کو جو اس جزیرہ میں گذر گئے تھے حجاج (بن یوسف) کے پاس روانہ کیا۔ راستہ میں مقام دیبل میں سندھ کے راجہ داہر کے سپاہیوں نے ان جہازوں کو لوٹ لیا اور مسلمان بچوں اور بیوہ عورتوں کو گرفتار کرلیا۔ حجاج نے جب یہ واقعہ سنا۔ تو راجہ داہر کو لکھا کہ ہمارے آدمیوں کو جو تمہارے سپاہیوں نے لوٹ لئے ہیں ہمارے پاس بھیجدو۔ راجہ داہر نے جواب دیا کہ جن لوگوں نے لوٹا ہے ان سے تم خود آکر چھڑالو حجاج نے دربارِ خلافت کی منظوری سے عبداللہ اسلمی کو ۶ ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا راجہ داہر کی فوج نے اس کا مقابلہ کیا اور شکست دیدی۔ عبداللہ مقتول ہوا۔ حجاج نے پھر ۶ ہزار فوج روانہ کی۔ اس نے بھی شکست کھائی۔ اس کے بعد اس نے اپنے بھتیجے **محمد بن قاسم** کو جو ۱۷ سالہ نوجوان تھا چھ ہزار شامی فوج کے ساتھ سندھ کی مہم پر بھیجا۔ پہلے اُس نے صوبہ مکران پر جو مسلمانوں کا تھا اور جس پر داہر کی فوجیں قابض ہوگئیں تھیں قبضہ کیا اس کے بعد سندھ کی طرف آیا۔ حجاج نے ایسا بندوبست کیا تھا کہ ہر تیسرے دن دونوں طرف کے خطوط ایک دوسرے کے پاس پہنچتے تھے۔

محمد نے دیبل کا محاصرہ کیا۔ دشمن اثنائے محاصرہ میں ایک بار نکل کر صف آرا ہوا محمد نے شکست دی اور قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ ایک مسجد تعمیر کرائی۔ اور چار ہزار سپاہی طلب کرکے وہاں متعین کئے پھر آگے بڑھا۔ بیرون کے باشندوں نے مصالحت کرلی۔ دریائے سندھ کے قریب جس وقت پہنچا تو سر بیدس کے رؤسا نے آکر صلح کرلی۔ اور خراج دینا منظور کیا۔ وہاں سے سہوں کی طرف پیش قدمی کی اور اس کو فتح کیا۔ اب راجہ داہر فوجیں تیار کرکے۔ خود مقابلہ میں آیا۔ سخت جنگ ہوئی۔ ہاتھیوں کی وجہ سے تازی گھوڑے قابو سے باہر ہوگئے۔ مسلمانوں نے پیدل جنگ کی۔ شام کے وقت داہر مارا گیا۔ اور اس کی فوج شکست کھا کر بھاگی اور برہمنا آباد میں جاکر مجتمع ہوئی۔ محمد (بن قاسم) بھی اسی طرف بڑھا۔ پہلے راودر پر لڑائی ہوئی۔ اس کو فتح کرکے برہمنا آباد پہنچا

غنیم کو شکست دی۔ اور اپنا عامل مقرر کر کے ساوندری کا محاصرہ کیا۔ وہاں کے باشندوں نے امان مانگ لی۔ پھر بسمہ اور روز کے رئیسوں نے صلح نامے بھیجے۔ محمد بن قاسم نے رور میں بھی ایک مسجد بنوائی۔ پھر دریا کو عبور کر کے ملتان کا محاصرہ کیا۔ اس کی فتح میں بہت مال غنیمت ہاتھ آیا۔ ملتان سے مختلف سمتوں میں فوج کے دستے بھیجے اور بہت تھوڑے عرصہ میں سارا سندھ فتح کر لیا۔[۱] آپ نے اسلام کی خون آشامی کو ملاحظہ فرمالیا۔ کہ راجہ داہر سے ان کی راہزنی کی تلافی کی استدعا کی گئی مگر راجہ کے غرور و نخوت نے جواب دیا کہ "کہ جن لوگوں نے لوٹا ہے ان سے تم خود آ کر چھڑا لو"

اس قسم کی مثال سمجھنے کیلئے کانگریس کی ۱۹۳۰ء کی تحریک نمک سازی پیش کی جا سکتی ہے۔ گاندھی جی نے فرمایا ہندوستانی نمک کھاتے ہیں۔ نمک زمین سے پیدا ہوتا ہے۔ زمین ہندوستان کی ہے۔ زمین سے نمک حاصل کرنے کا حق ہر ایک ہندوستانی کو حاصل ہے۔ گورنمنٹ وقت نے تنبیہ کی۔ قانون سے ڈرایا کہ بغیر لائسنس کے نمک حاصل کرنا جرم ہے۔ گاندھی نے سول نافرمانی جاری کر دی۔ کانگریسی حضرات نے گاندھی کا اقتدا کیا۔ ہر جگہ نمک بننے لگا۔ تمام ملک نے "مہاتما گاندھی کی جے" پکاری۔ حکومت کو ظالم و بے انصاف بتایا۔ گاندھی اور ان کے مرید قید بند میں جکڑ دیے گئے۔

اسی طرح کی مثال ملک میں کانگریس کے دوسرے معاملات کی ہے جہاں کسی ہندوستانی کی حق تلفی دیکھی۔ ستیا گرہ شروع کر دی۔ میں کہتا ہوں کہ کانگریس تو انگریز کا فوجی مقابلہ بھی کرتی۔ اگر اس کے ہاتھ میں ہتھیار ہوتے۔ ہر شہر میں پولیس اور فوج کے ساتھ جنگ کے نتیجے میں کشتوں کے پشتے لگ جاتے۔ یہ مقاومت مجہول۔ یہ خاموش مقابلہ۔ یہ عدم تعاون۔ یہ ستیا گرہ یہ سول نافرمانی اگر "ہمارا پیدائشی حق ہے" تو راجہ داہر سے عرب مظلومین کی دادرسی کیلئے محمد بن قاسم کا حملہ "اسلام تلوار کے زور" سے پھیلائے جانے کا متوجب کیوں ہوا! ؎

اک دل پہ چوٹ ایک جگر پر لگائیے ✢ حصہ لگائیے تو برابر لگائیے

پس محمد بن قاسم کی فاتحیت اسلام کی فتح تھی۔ دین رفتہ رفتہ پھیلتا ہی رہا۔ گو اس کے بعد صدیوں تک کسی مسلمان تاجدار کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی خواہش نہ ہوئی۔ آخر ملک گیری کی ہوس ہوتی تو کوئی ادھر بھاگتا۔ تا آنکہ برہمنوں نے راجپوتوں پر عرصہ زیست تنگ کر دیا۔ راجپوتوں نے دربار غزنی میں اپنے کارندے بھیجے کہ کسی طرح غازی محمود (غزنوی) ہندوستان پر توجہ فرمائیں اور راجپوتوں کو برہمنوں کے ہر رنگ زمین دام سے نجات دلائیں۔ پے بہ پے قاصد غزنی جانا شروع ہوئے۔ ان کی زبانی ہندوستانی مسلمانوں کی مظلومیت کا اظہار بھی کرایا گیا۔ محمود نے ہندوستان پر حملہ کیا اور ہر حملے کے بعد ہندو راجپوتوں نے دوسرے حملے کے لئے معروضات بھیجے۔ یہی راجپوت محمود کی رہبری کرتے کرتے اسے سومنات ــــــ لے پہنچے۔ مقصد یہ تھا کہ برہمنوں کے عروج کا زینہ یہی مندر اور ان کے گپت خزانے ہیں۔ مندروں کی توہین سے برہمنوں کی ایشور بھگتی کا اثر ظاہر ہو جائے گا اور خزانے لٹ جانے سے ان کی قوت میں ضعف آ جائیگا۔ اور یہی ہوا۔ آخر راون کے سیتا جی کو ہر لیجانے (اغوا کر لینے) کی بھی راجپوتوں کے دلوں میں خلش باقی تھی (اور ابھی تک باقی ہے) کیونکہ راون برہمن تھے اور سیتا جی ایک چھتری کی سپتری تھیں۔ شری رام چندر جی مہاراج کی دھرم پتنی۔ پھر دیش بھر میں برہمنوں کا زور۔ تمدن ان کا۔ تہذیب کے یہ مالک۔ سوشل رواج و رسوم کے یہ مختار۔ تمام ہندو ان کا سیوک۔ اور یہ ایشور کے اوتار۔ چھتری کا خون کھول اٹھا۔ مگر مقابلہ کی طاقت سے

[۱] تاریخ الامۃ حصہ سوم ص ۸۱ ــ ۸۲

محروم تھے۔ محمود غزنوی کا سہارا لیا۔ اور برہمنوں کا تیا پانچا کر ڈالا۔ محمود غزنوی کا پہلا حملہ ۳۹۲ھ ۱۰۰۱ء میں ہوا۔

جب محمود کی ان فتوحات اور ہندوستان کے مندروں کے ان گپت خزانوں کے چرچے وسط ایشیا میں زبان زد عام وخاص ہونے لگے تو ہماشما کے سامنے ہندوستان کا بھرم کھل گیا اور جب بھی کسی قوم کی یوں ہوا خیزی ہوجائے تو پھر ہر شخص کی جرأت بڑھ ہی جاتی ہے۔ آخر ۵۷۱ھ ۱۱۸۲ء میں علاءالدین خلجی حملہ آور ہوا۔ گر خلجی حکومت کو استحکام ۵۹۷ھ میں حاصل ہوا۔ جب اس نے گجرات پنجاب کو فتح کرلیا۔ تیمور ۸۰۱ھ میں آیا۔ بابر ۹۳۲ھ میں آیا۔ اور بابر ہی سے سلطنت مغلیہ کا آغاز ہوا۔

مگر اسلامی بادشاہت کا آغاز ہندوستان میں محمود غزنوی سے ہوچکا تھا۔ اور ہندو راجوں کی سطوت کا خاتمہ بھی محمود کے پہلے حملے سے ہوگیا تھا۔ الغرض ۳۹۲ھ (از محمود غزنوی) تا بہ آخری تاجدار مغلیہ یعنی بہادر شاہ ثانی (از ۱۲۵۳ھ تا ۱۲۷۵ھ) تک ہندوستان پر اسلامی پرچم لہرایا۔ کل مدت تقریباً ۸۶۳ سال۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ حکومتیں اسلامی تھیں یا سیاسی؟ آیئے ان دوروں پر ایک نظر ڈالیں۔

بیشک ان تمام مسلمان بادشاہوں کے زمانوں میں ہندوستان میں اسلام بڑھا۔ پھلا پھولا۔ اور پھیلا۔ مگر کسی خاص نظم و نسق کے ماتحت؟ تاریخ اس ثبوت کے اظہار میں ساکت ہے البتہ جب سے مغربی مورخین اور فرنگی قسم کے فلسفہ حل ملل و اقوام نے ہندوستان میں جگہ حاصل کی ہے۔ قوموں اور قبیلوں کے خصائص پھر وجوہ خصائص کے تجزیہ کے ساتھ ہندوستان میں اسلام کے عروج کا سبب مسلمان بادشاہوں کی مسلسل تبلیغ اور "اسلام بزور شمشیر" ثابت کرنے میں بڑی عرقریزی سے کام لیا جارہا ہے۔ پھر ان فرنگی فلسفیوں کے ایسے نظریوں کو بھارت کے نوخیز محققوں نے جن کی تخم ریزی سوامی دیانند سرسوتی نے فرمائی تھی۔ ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ان کو نکھارا۔ ان میں رنگ بھرا۔ اور کتنا دلچسپ مرقع بنا دیا! کہ مسلمان غاصب تھے! مسلمان ڈاکو تھے! مسلمان لٹیرے تھے انھوں نے دیش کا کلچر بدل ڈالا! ہندو تہذیب کو مٹا دیا۔ پردہ کی رسم جاری کردی۔ نیوگ بند کرا دیا! آٹھ کروڑ ہندوں کو شدھ کرکے اسلام میں داخل کرلیا! — اور "اسلام بزور تلوار پھیلا" تو گویا اوم کی تفسیر ہی ہے۔

لیکن ان آریہ مہاپرشوں کے ذہن نشین کیسے کیا جائے۔ کہ صاحب! اگر آج مسلمان بیگانۂ وطن ہیں تو کل تک آپ بھی تو ناآشنائے ہند ہی تھے۔ گناہ کی قسم تو ایک ہی ہے۔ کسی نے تو رکے تڑکے جام ارغوانی پی کر نامہ اعمال سیاہ کرلیا تو کسی مجبور و مقہور نے رات کی تاریکی میں اسے شراب نہیں پانی سمجھ کر پی لیا! دوسرے ملک پر تصرف اگر موجب تعزیر ہے تو پہلے خود کو حوالہ دار و رسن کیجئے۔ پھر مسلمانوں کے فرد عمل پر نگاہ ڈالئے۔ نہ یہ کہ ؎

خمے کہ ابروِ شوخِ تو در کماں انداخت بقصدِ جانِ منِ زارِ ناتواں انداخت

آپ کے حملہ کی صورت میں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ نے تو ہندوستان کے اصلی باشندوں کو ابدی غلامی میں ڈال دیا ایک ہندو مہاشہ شریمان دلیپ سنگھ جی بان پرستھی فرماتے ہیں:۔

"آج کل جو اقوام اچھوت کہلاتی ہیں وہ کسی زمانہ میں اس ملک میں آباد تھیں اور یہی اقوام اس ملک کی مالک تھیں۔ جب وسط ایشیا سے آریہ سیتھین وغیرہ اقوام نے اس ملک پر حملہ کرکے اس کو فتح کرلیا۔ تو ان مفتوح اقوام کو اپنا حلقہ بگوش بنالیا۔ ان کے تمام پولیٹکل حقوق سلب کرلئے گئے۔ یہانتک کہ زرعی اور

سکتی زمین میں بھی ان کے حقوق نہیں رہنے دیئے۔ جن لوگوں نے اس غلامی کو قبول نہیں کیا۔ وہ بھاگ کر پہاڑوں اور جنگلوں میں چلے گئے۔ جو لوگ پست ہمت بزدل اور کمزور تھے انھوں نے آزادی پر آرام کو ترجیح دی۔ اور جان بوجھکر مجبوراً غلامی کے طوق کو قبول کر لیا۔ جب پولیٹیکل غلامی منظور ہوگی تو فاتح اقوام نے جو تہذیب یافتہ اور عالم تھیں -ان کو سماجک (مجلسی) غلامی کے پھندے میں پھنسایا اور ان کا نام شودر۔ دسیو ملیچھ وغیرہ رکھا اور خود مہذب کہلانے لگے۔ آہستہ آہستہ اس قسم کے قانون ایجاد ہوئے کہ آریہ لوگ شودروں کی عورتوں سے شادی کر سکتے ہیں۔ اور اس قانون کو توڑنے والے پر سخت سزائیں مقرر کی جائیں گی۔ یہانتک قانون بنائے گئے کہ شودروں کے پاس دھن دولت ہو تو زبردستی چھین لینا چاہئے۔ یہ لوگ ساتھ نہ بیٹھ سکیں۔ کھانا ہمراہ نہ کھا سکیں۔ یہانتک کہ ان کی آبادی بھی علیحدہ ہو۔ ان کے پانی بھرنے کی جگہ بھی علیحدہ ہو۔ یہ لوگ تعلیم حاصل نہ کر سکیں ـــــــ"

(منقول از اخبار تیج[1] دہلی بابت ۸ راگست ۱۹۲۵ء صفحہ ۲)

مگر مسلمان فاتحین ہند نے ملک کے کسی باشندے کو ہندوستانی ہونے کے جرم میں تختہ ظلم نہیں بنایا۔ چھوت کا تو کیا ذکر برابر کے حقوق دیئے۔ ہندوؤں کو سلطنت کا ندیم بنایا۔ دربار کا رکن اور پایہ تخت کی اعتمادی بخشی۔ بساط اکبری کے فیل۔ پاسبان۔ مہرے بھی ہندو تھے۔ نورتن اکبری میں راجہ ٹوڈرمل کا عنوان سرلوح نظر آتا ہے۔ شہنشاہ اکبر کے میمنہ میں راجہ مان سنگھ داد شجاعت دے رہے ہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر کو متہم کرنے کا سودا ہے مگر اس غریب کی فرد عمل میں جب سینکڑوں ہندو راجپوتوں کے نام ہر منصب (ہزاری) پر نظر آتے ہیں تو الزام عاید کرنے والوں کی جسارت پر رحم آتا ہے۔ چنانچہ اورنگ زیب کے ہندو گورنروں کی جو تعداد (بقیہ حوالہ جات) صاحب وقائع عالمگیری (چودھری نبی احمد صاحب سندیلوی) نے لکھی ہے۔ ان کی (ناتمام) تعداد ایکسو دس ہے۔ اور جوں جوں تحقیق بڑھے گی اس تعداد میں اضافہ یقینی ہے۔

اورنگ زیب کے ہندو گورنروں میں سے ایک" مرزا راجہ جے سنگھ کچھواہہ (ساکن جے پور) ہیں جن کا منصب ہفت ہزاری اور ہفت ہزار ذات ہے۔ یہ مردنیکو" سیواجی کی مہم پر مامور ہوئے ۸ جلوس (۱۰۷۵ھ) قلعہ پورندھر اور کونکن کے دیگر مشہور قلعے فتح کئے۔ سیواجی نے صلح کیلئے درخواست کی جو منظور ہوئی . . . . راجہ مرزا علم سنسکرت میں مہارت رکھتے تھے ترکی فارسی عربی زبانوں سے واقف تھے" (وقائع عالمگیری ص ۴۸)

کنور رام سنگھ (پسر مرزا راجہ مذکور) منصب پنجہزاری ذات پنجم ہزاری سوار ۸ جلوس میں سنبھاجی پسر سیواجی مہراج کو لیکر دربار میں حاضر ہوئے اور اسی سال سیواجی مہراج کے استقبال کے لئے بھیجے گئے جو مرزا راجہ (کنور رام سنگھ کے والد ماجد) کے ذریعہ سے امان کے طالب ہو کر اطاعت کا حلف اٹھا چکے تھے" (وقائع عالمگیری ص ۴۹)

اور" راجہ کشن سنگھ پسر راجہ رام سنگھ (ممدوح) منصب ہزار و چہار صد سوار باپ کی زندگی ہی میں ملازمت شاہی میں داخل ہوئے اور صوبہ کابل میں تعینات ہوئے" (وقائع عالمگیری)

اور" راجہ بشن سنگھ پسر راجہ کشن سنگھ (ممدوح) منصب ہزاری و چہار صد سوار ۱۵ ربیع الثانی ۱۰۹۵ھ کو بجائے باپکے

[1] اخبار تیج آریوں کا اخبار ہے اور دہلی سے نکلتا ہے (مضمون نگار)

خطاب راجگی سے موصوف ہوکر منصب ہزاری ذات و چہارصد سوار مرحمت ہوا اور اسی سال راٹھوروں کی تنبیہ پر مامور ہوئے اس کے بعد اسلام آباد (متھرا) کی فوجداری پر سرفراز ہوکر سنہ ۴۲ جلوس سنہ ۱۱۱۱ھ میں وفات پائی اور عالمگیر سے ان کے بیٹے بجے سنگھ کو راجہ جے سنگھ کا خطاب مرحمت ہوا جو راجہ جے سنگھ سوائی کے نام سے مشہور ہیں" (وقائع عالمگیری ص ۵۱)

اور " دھیراج راجہ جے سنگھ سوائی (مذکور) پسر راجہ بشن سنگھ (ممدوح الصدر) منصب دوہزاری ذات دوہزار سوار" (وقائع عالمگیری)

اور " راجہ بجے سنگھ برادر راجہ جے سنگھ ممدوح الصدر ...... (وقائع عالمگیری)

صرف ایک ہی خاندان ہیں (شجرہ ذیل کے مطابق) ۶ گورنر (بعہد عالمگیر) مقرر ہوئے۔ شجرہ ملاحظہ ہو:۔

(۱) مرزا راجہ جے سنگھ
(۲) کنور رام سنگھ
(۳) راجہ کشن سنگھ
(۴) راجہ بشن سنگھ
(۵) راجہ جے سنگھ (۶) راجہ بجے سنگھ

اسپر بھی اورنگ زیب پر مندروں کے انہدام۔ ہندوؤں کے بجبر مسلم بنانے۔ روزانہ ایک من جنیؤ نذر آتش فرما کر دسترخوان پر تناول فرمانے کے فسانے عام کئے جارہے ہیں۔ حالانکہ شاہان مغلیہ اور راجپوتان ہند کا باہمی اعتماد اس سے بھی کہیں زیادہ بڑھتا گیا کہ ہندو راجپوتوں نے بطیب خاطر اپنی راج کماریاں مغلیہ شاہزادوں کے حرم میں داخل کیں۔ ان مراسم اور اس پر غازی اورنگ زیب کے متعلق موجودہ ہندو نیتاؤں کے اتہام کا خاکہ نظم ذیل میں کسی قدر دلنشیں پیرایہ میں حوالہ قلم کیا گیا ہے۔

قرابت راجگانِ ہند سے اکبر نے جب چاہی — کہ یہ رشتہ عروسی کشور آرائی کا زیور تھا
توخود فرماں دہِ جے پور نے نسبت کی خواہش کی — اگرچہ خود بھی راجہ صاحب دیہیم و لشکر تھا
ولی عہد حکومت اور خود شاہنشہِ اکبر — گئے انبیر تک جو تخت گاہ ملک و کشور تھا
ادھر راجہ کی نور دیدہ گھر میں حجلہ آرا تھی — ادھر شہزادہ پر چتر عروسی سایہ گستر تھا
دلھن کو گھر سے منزل گاہ تک اِس شان سے لائے — کہ کوسوں تک زمیں پر فرشِ دیبائی مشجر تھا
دلھن کی پالکی تو دلپنے کاندھے پر جو لائے تھے — وہ شاہنشاہ اکبر اور جہانگیر ابن اکبر تھا
یہی ہیں وہ شمیم انگیزیاں عطرِ محبت کی — کہ جن سے بوستانِ ہند برسوں تک معطر تھا

تمہیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ عالمگیر ہندو کش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا

(شبلی نعمانی مرحوم)

آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ کہ حضرت محمد بن قاسم غزنوی خلجی غوری، بابر، اور اس کی کئی پشتوں تک جن تمام کی مدت بادشاہت ۸۸۳ سال تک ہے۔ ہندوستان میں مسلمان حکمراں برسر حکومت رہے۔ ان کے گھروں میں ہندو حرم نے حجلہ عروس کو زینت بخشی مگر ان تمام امتیازات کے باوجود ہندوستان میں ہندو نیتاؤں کی اکثریت رہی۔ بیشک یہ حکومتیں اسلامی تھیں وہ خود ضرور مسلمان تھے

مسلمان رہے اور اسلام ہی پر ایک ایک کا خاتمہ ہوا (ارحمہم یا ارحم الراحمین)

مگر ان کی حکومت مذہبی نہ تھی۔ ثبوت میں یہی کیا کم ہے کہ شاہزادگان مغلیہ کے حرم میں ہندو راجہ کماریاں تمام عمر اپنے دہرم پر قائم رہیں اور اسی پر ان کا خاتمہ ہوا۔ دنیا میں بس ایک مثال ان حضرات کی رواداری کیلئے کافی ہے۔ ورنہ مغلوب قوم کی صنف نازک کا غالب قوم اور وہ بھی ترک بہادر جیسا کہ مغل بادشاہ تھے۔ کے حرم میں داخل ہونا اور اپنے مذہب قدیم پر جینا اور مرنا ان کی مذہبی حکومت نہ ہونے کیلئے کتنی بیّن دلیل ہے مگر افسوس کہ ملک کے موجودہ مسموم اثرات کی وجہ سے ان بدیہیات کو بھی قابل التفات نہیں سمجھا جاتا ؎

نکتہ چیں ہے غمِ دل اسکو سنائے نہ بنے ✤ کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

بلکہ معاملہ اور بھی نازک ہے کہ ان شاہانِ اسلام کی اس غیر مذہبی حکومت سے ہندوستان میں اسلام کمزور ہوتا گیا۔ اس کی بنیادیں کھوکھلی ہوتی گئیں۔ اسلام کا حصار شق ہونے لگا۔ اس کی جمعیت میں شگاف در شگاف پڑنے لگے۔ مذہب کا یہ قلعہ متزلزل ہوتے ہوتے آخر:۔ وھی خاویۃٌ علیٰ عروشھا۔ (اپنی ہی بنیادوں پر گر پڑا)

اشاعت اسلام کا نام نہیں۔ امارۃ شرعیہ کے وجود سے ملک تہی دست ہے۔ بیت المال اور مرکزیت اسلام عنقا ہیں۔ علماء اعلائے حق سے گریز کرتے ہیں۔ آخر ان سب کوتاہیوں کے صدقے مسلمانوں میں عام جُبن۔ نامرادی پستی اور رسم پرستی جاری ہو گئی۔ ہندوستان میں قبور پر یہ سر بفلک قبے اسی مذہبی دور (!) کی یادگار ہیں۔ ایصال ثواب موتیٰ بصورت وجوب اسی زمانہ کا شاہکار ہے۔ پیران طریقت کی روحانی پادشاہت انہی شاہانِ اسلام کے عہد میں قائم ہوئی۔ جو اب تک مسلمانانِ ہند کے گلوگیر ہے قرآن مجید سے صرف ایصال ثواب کا کام لینا مگر اس کی تعلیم سے نظام جماعت کو مربوط نہ کرنا انہی حکومتوں کا صدقہ ہے۔ آیات مبارک سے عملیات کا استفادہ کب جاری ہوا؟ حاضرات (برائے مجنوں) کب شروع ہوا؟ قلعہ معلی میں سورۃ یٰسین کا نام سورۃ ہیضہ اسی مذہبی حکومت کا تکملہ ہے اور یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ سورۃ یٰسین فرمان نبوی کے مطابق تلقین موتیٰ کیلئے مختص تھی۔ لہذا اس کے متعلق بدشگونی کے گمانِ بدکی وجہ سے اس کا نام ہی سورۃ ہیضہ رکھدیا ہے (اس زمانہ میں کہیں وبائے ہیضہ چکی ہوگی جس میں موتیٰ کو اس سورۂ مبارکہ سے تلقین کی جاتی ہوگی!)

پھر یہ شاہان اسلام (ہند) خود آپس میں آویزش جاری رکھتے۔ شیر شاہ سوری اور ہمایوں کی لڑائیاں مشہور ہیں۔ جن کی پاداش میں ہمایوں کو غرق دریا سے فیروز سقہ نے بچا۔ شکست خوردہ ہمایوں ایران بھاگ گیا۔ شاہ قاچار کی مدد کے سہارے پھر ہندوستان پر حملہ کیا اور خاندان مغلیہ کی کھوئی ہوئی عظمت (اسلام کی نہیں کیونکہ مسلمان تو سوری بھی تھا) دوبارہ حاصل کی۔ اور سطوت مغلیہ کا جھنڈا سرزمین ہند میں اس قوت سے پیوست کیا کہ صدیوں تک ہل نہ سکا۔ فلک پیر نے اس پرچم کو جھک کر بوسہ دینے میں اپنی سعادت سمجھی۔ کوہ ہندوکش سے لیکر راس کماری تک اس پرچم کا جلال سطح ارض کے چپہ چپہ پر چھا گیا۔ یہ سب کچھ ہوا۔ مگر ملک میں تبلیغ اسلام کیلئے کسی کو خیال نہ آیا۔ اسلئے کہ ان میں سے ایک حکمران بھی مذہبی حکومت کا دلدادہ نہ تھا۔ سب سے زیادہ ملزم عالمگیر اورنگ زیب کو بنایا جاتا ہے۔ اس متعصب مسلمان حکمران کا بنارس کے ایک پروہیت کے حقوق مذہبی کی حفاظت کے متعلق یہ فرمان ناقابل اعتنا نہ ہوگا۔

مہر
اورنگ زیب شاہ غازی بہادر
ابن صاحبقران ثانی

مہر
منشور لامع النور اورنگ زیب شاہ
غازی بہادر

لائق العنایہ والرحمۃ ابوالحسن بالتفات شاہانہ امیدوار بودہ اندکہ چوں بمقتضائے مراحم ذاتی و مکارم جبلی ہمگی ہمت والانہمت و تمامی نیت حق طویت ما بر رفاہیت جمہور انام و انتظام احوال طبقات خواص و عوام مصروفست و از روئے شرع شریف و ملت منیف مقرر چنیں است کہ دیر ہائے دیرین برانداختہ نشود و بتکدہا تازہ بنا نیابد۔ و دریں ایام معدلت انتظام بعرض اشرف اقدس ارفع واعلیٰ رسید کہ بعض مردم از راہ عنف و تعدی بہ ہنود سکنہ بنارس و برخے امکنہ دیگر کہ بنواحی آں واقعست و جماعت برہمناں سدنہ آں محال کہ سدانت[1] بت خانہ ہائے قدیم آنجا بانہا متعلق دارد مزاحم و متعرض مے شوند و میخواہند کہ انیاں را از سدانت آں کہ از مدت مدید بایں ہا متعلق است باز دارند و ایں معنی باعث پریشانی و تفرقہ حال ایں گروہ مے گردد۔ لہذا حکم والا صادر مے شود کہ بعد از ورود ایں منشور لامع النور مقرر کنند کہ من بعد احدے بوجہ بے حساب تعرض و تشویش باحوال برہمنان و دیگر ہنود متوطنہ آں محال نرسانند تا انہا بدستور ایام پیشین بجا و مقام خود بودہ بجمعیت خاطر بدعا بقائے دولت خداداد ابد مدت ازل و بنیاد قیام مایند دریں باب تاکید دارند۔

بتاریخ ۱۵ ر شہر جمادی الثانیہ ۱۰۶۹ھ نوشتہ شدہ (وقائع عالمگیری ص ۱۰۴)

ترجمہ		شریعت غرا کے مقدس قانون کے مطابق گو نئے مندر نہیں بنائے جا سکتے مگر پرانے مندروں کو توڑا بھی نہیں جا سکتا۔ ہمارے گوش گذار یہ خبر ہوئی ہے کہ بعض عمال از رہ جبر و تعدی قصبہ بنارس اور اس کے آس پاس کے دوسرے مقامات کے ہندوؤں اور برہمنوں پر جو قدیم بت خانوں کے پروہت ہیں تشدد کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پروہتوں کو ان کی پروہتی سے الگ کر دیں۔ جس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ یہ بیچارے پریشان ہو کر مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔ اس لئے تم کو (ابوالحسن) حکم دیا جاتا ہے کہ اس فرمان کے پہنچتے ہی ایسا انتظام کرو کہ کوئی شخص تمہارے علاقے کے برہمنوں اور دوسرے ہندوؤں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہ کرے اور ان کی تشویش کا باعث نہ ہو۔ تاکہ یہ جماعت بدستور سابق اپنی اپنی جگہ پر اور اپنے منصبوں پر قائم رہ کر اطمینان قلب کے ساتھ ہماری دولت خداداد کے حق میں مصروف دعا رہے اس بات میں تاکید جانو۔" (وقائع عالمگیری ص ۱۰۴)

سلسلہ کلام میں شاید ربط نہ رہا ہو۔ مقصود شہید ہند کے متعلق کچھ عرض کرنا تھا مگر تاثرات نے کہاں لا ڈالا ہے ؎

جانا پڑا رقیب کے در پہ ہزار بار + اے کاش جانتا نہ تیری رہگذر کو میں

معلوم ہوا کہ مسلمان بادشاہان ہند نے کسی وقت بھی اس ملک میں "اسلامزم" کا پرچار نہیں کیا بلکہ صرف ذوق حکومت ان کا چسکا تھا۔ اگرچہ اس لحاظ سے بھی وہ کسی بد مذاقی کے مرتکب نہیں ہوئے۔ انہی اسباب و علل کی بنا پر ہندوستان میں کبھی کہیں اسلام کی تحریک علما و صوفیہ نے بھی نہیں کی اور وہ کرتے بھی کیسے خود بادشاہوں کے نزدیک یہ تحریکیں خار راہ تھیں۔

[1] بمعنی پروہتی ۱۲

اورانہی وجوہات سے ہندوستان میں حقیقی اسلام کو کوئی ترقی حاصل نہ ہوسکا۔ وہی جمود یہاں کے مسلمانوں میں تھا۔ جو وسط ایشیا کے اہل اسلام پر مسلط تھا۔ عقائد کی وہی کمزوری ہندوستان کے مسلمانوں میں جاری تھی۔ جس کی وجہ سے ابھی تک مسلمانان عالم میں "اسلامزم" کا شوق پیدا نہیں ہوسکا۔ ایک سرے سے تمام مسلمان بدعات کے خوگر تھے۔ گور پرستی اور تعزیہ بازی ان کی گھٹی میں پڑ چکی تھیں۔ فحاشی و منکرات طبیعت ثانیہ بن چکی تھیں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ تا آنکہ حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے ظہور فرمایا۔ ان کی برکت سے میرزا مظہر جان جاناں رضی اللہ عنہ حق شناسا بن گئے۔ یہ مرد خدا بھی صرف کتاب وسنت کے شیدائی تھے۔ مگر اس دور میں جو بھی اس جنس گرانمایہ کا طالب بنا۔ آل محمدؐ کے نام نہاد نام لیواؤں مگر فی الحقیقت حسن بن صباح کے مریدوں اور دشمنانِ دین محمدؐ کی تیغ ستم کا شکار رہا۔ چنانچہ حضرت جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شیعہ ہی نے شہید کرڈالا۔ اسی طرح ان شیعہ حضرات کے ہاتھوں شاہ محمد رمضان صاحب علیہ الرحمۃ (ساکن قصبہ مہم ضلع رہتک) درجہ شہادت سے فائز ہوئے۔ ان کی کربلا شہر اُجین (ریاست گوالیار) ہے۔ وہیں دفن ہوئے۔ یہ بزرگ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی (المتوفی ۱۲۳۹ھ) کے معاصر تھے۔ اور غالباً علم ظاہری میں اس خانوادۂ عالی کے فیض یافتہ۔

شیعہ حضرات میں بھی ایک صاحب شہید کے لقب سے ملقب کئے گئے۔ ان کا نام نامی قاضی نوراللہ صاحب شستری ہے ان بزرگوار کو شیعی گروہ "شہید ثالث" سے ملقب کرتا ہے مگر ان کی شہادت کا محور خلفائے ثلٰثہ کی تکفیر ہے۔ جس کی پاداش میں اس وقت کے قانون کے مطابق نورالدین جہانگیر نے قاضی صاحب کو کیفر کردار تک پہنچایا۔

میرے عرض کرنے کا مدعا یہ ہے کہ ہندوستان میں وقتاً فوقتاً اہل علم حضرات درجہ شہادت سے فائز ہوئے۔ مگر ان شہادتوں کو شہید ہند جناب سیدنا شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلوی (المتوفی ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ) کے فوز کامرانی سے جو نسبت ہے وہ ظاہر ہے۔ مرزا مظہر جان جاناں اور شاہ محمد رمضان کسی نے بھی مسلمانوں کو بیعت عامہ کیلئے نہیں ابھارا۔ غازیوں کو دعوت جہاد کا فریضہ ادا کرنے کی دعوت نہیں دی۔ غزا کے لئے سفر نہیں کیا۔ میدان وغا میں نہیں اترے۔ کفار سے مقاتلہ کی نوبت نہیں آئی۔ اپنے ہاتھوں سے کسی کافر کو واصل جہنم نہیں کیا۔ خود مقابلہ میں تیغ دودم کو اپنے خون سے سیراب نہیں کیا۔ مگر سیدنا محمد اسمٰعیل شہید رحمہ نے ان مدارج میں سے ہر ایک کو طے کیا۔ انھوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو گور پرستی سے بچانے کیلئے شبانہ روز وعظیں کیں۔ بدعات کے خلاف ہر وقت آپ کی کوششیں جاری تھیں۔ تعزیوں کو سرنگوں کرنے کے لئے وہ سربکف تھے حتّٰی کہ ان غیر اسلامی عناصر کو اسلام کے وجود سے محو کرنے کیلئے آپ نے اپنی جان بھی نثار کردی۔

افسوس ہے کہ مضمون سابق (مندرجہ رسالہ محدث بابت ماہ مئی ۱۹۳۹ء) اور اس مضمون کے بعض مفہومات میں تکرار یا توارد ہوگیا ہے جسکی وجہ راقم مضمون کا عدم سلیقہ تحریر ہے۔ کچھ اپنی املاکی بدخطی۔ جسکی مسخ ہیئت کی وجہ سے میں مسودہ کا کوئی حصہ اپنے پاس رکھنے کے لئے مرتب نہیں کرسکتا بنفسہ یہ مضمون جن نازک حالات میں لکھا گیا ہے۔ اس کا اندازہ میرے سوا مدیر اعلیٰ جناب فاضل استاد مولوی نذیر احمد صاحب :- سلام علی نجد ومن حل بالنجد - : کو بھی ہے۔

دولت اسلامیہ کے زوال کا اصلی سبب

(از مولوی عبدالجلیل صاحب رحمانی)

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ پ۱۰ع۲ ترجمہ باہمی جنگ وپیکارخانہ جنگیوں اور منازعت میں مت پڑو ورنہ تمہاری اسپرٹ نکل جائیگی اور تم کمزور پڑجاؤگے ؎

وتشعبوا شعبا فکل جزیرۃ ✤ فیھا امیر المومنین ومنبر

یعنی مختلف گروہوں میں بٹکر ہر جگہ الگ الگ ایک امیر بنا کر جدا جدا منبر ومحراب بنا لیئے۔

میں آیۂ کریمہ کے بعد مساور بن ہند بن زہیر کے اس شعر سے اپنے عنوان کی ابتدا کررہا ہوں جسمیں قرون ماضیہ کے اسلامی خلفاء کے تشتت وانتشار ان کی خودسری اور الگ الگ خلافت ونیابت اور طوائف الملوکی کا نقشہ شاعر نے پیش کیا ہے۔ کاش اے معشر المسلمین! اور اے فرزندان اسلام اور اے نوجوانان ملت اسلامیہ تم سرمستی وغفلت بیخودی ومیگساریت، مدہوشی ومخموریت سے اب بھی بیدار ہوجاتے اور آنکھ پھاڑکر دیکھتے چرخ نیلوفری اور گردش ایام نے تمہاری غفلت وسرشاری سے کتنا فائدہ اٹھایا، تمہیں پیس کر ریزہ ریزہ کردیا۔ حکومت وسلطنت، امامت کبری اور خلافت ارضی جیسا مرتبہ عظمی تمہارے ہاتھوں سے چھین لیا یہ کیا مدہوشی ہے ایسے دردانگیز واقعات اور جگرسوز حوادث دہری تمہارے لئے تازیانۂ عبرت ثابت نہیں ہوتے، تم نے ایک لمحہ کیلئے بھی کبھی غور کیا سرزمین جنت نشان اندلس پر آٹھ سو سال تک حکومت وفرمانروائی کرنے کے بعد کس طرح نکالے گئے۔ چھ سات صدیوں تک نہایت شان وشوکت کروفر کے ساتھ عروس البلاد بغداد پر اسلامی پرچم لہرانے کے بعد کس طرح کفر وشرک اور زندقہ والحاد، ظلم واستبداد کے بادصرصر سے تمہاری حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔

آہ اے بدنصیب مسلمان تونے تاریخ کا وہ دردناک باب نہیں پڑھا جس میں تمہارے کروفر اور تزک واحتشام کا مرثیہ لکھا گیا ہے غور کرو غرناطہ جو کسی وقت رشک قرطبہ بنا ہوا تھا اور ایک زمانے تک مسلمانوں کا علمی مرکز بھی رہ چکا ہے جب وقت آخری فرمانروائے ابوعبداللہ سے یہ شہر خالی کرایا گیا تو وحشی درندوں خونخوار عیسائیوں نے مسلمانوں پر کیا ظلم ڈھایا تھا۔ اللہ اللہ ۱۵۶۱ء سے لیکر ۱۶۱۰ء تک کی ایک قلیل مدت میں تیس لاکھ مسلمانوں کو محض عیسائیت اور لاانجیل عقیدہ تثلیت کے نہ قبول کرنے کے جرم میں وہاں سے جلاوطن کردیا گیا۔ بادشاہ ہنری ہفتم نے خود مستعد ہوکر اپنے دور استبداد میں بیک وقت پانچ لاکھ مسلمانوں کو اسی جرم میں جلاوطن کردیا قصور یہ تھا کہ توحید پر کیوں قائم ہیں ؎

مکش بہ تیغ ستم والہان ملت را ✤ نہ کردہ اند بجز پاس حق گناہِ دگر

یہی وہ وحشی درندے ہیں جنھوں نے ارض قدس اور مسجد اقصیٰ کی پاک ومتبرک زمین پر ستر ہزار محمدیوں کو تہ تیغ کردیا تھا اے بے حس اور جامد مسلمانو! اسی موقعہ پر تمہارا خون بہاکر تمہاری عورتوں اور بچوں فقہاء اور محدثین، اکابر علماء وفضلاء، مفسرین قرآن اور امت مسلمہ کے برگزیدہ بزرگوں کو قتل کرکے بھٹیوں میں جھونک کر فخریہ طور پر "گاڈفری" اور "ٹڈمینڈ" فاتحین یروشلم نے سلاطین یورپ کے

پاس یہ تہنیت نامہ روانہ کیا تھا۔ آپ اس کا اندازہ اور صحیح اندازہ اس سے لگائیں کہ رواق سلیمان اور کلیسائے اعظم میں ہمارے گھوڑے گھٹنوں تک مسلمانوں کے نجس خون میں چلتے رہے (کروسیڈاز مچاڈ جلد ۳)

تاریخ کی یہ عبرتناک داستان پڑھتے ہوئے مسجد عمرؓ کی بے حرمتی چھ گھنٹوں کے اندر سات ہزار مسلمانوں کا دردناک قتل، مسجد حرم پاک میں متواتر آٹھ دن تک قتل عام کی گرم بازاری، دیواروں اور ٹیلوں سے معصوم بچوں کو ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش کرنا، حاملہ خواتین کے شکموں کا چاک کرنا اور اس قسم کے بیسیوں واقعات پر تم عبور تام حاصل کر لو پھر دیکھو ان سارقان متاع انسانیت اور غارتگران تہذیب و متانت کی اپنی تہذیب و تمدن پر یہ رقاصی اور اس کی نغمہ سرائی کہاں تک بجا ہے۔ ہاں ہاں انھیں واقعات کے سلسلہ میں لاطینی اور مشرقی تاریخ بھی پڑھ لو پھر دیکھو کیا ستر ہزار مسلمان نہیں شہید کئے گئے تھے۔ اور پھر یہ بھی تاؤکس کے مظالم تھے کہ بیت المقدس کی جب شمالی دیوار توڑ کر اندر داخل ہوئے تو مسلمانوں کے مقدس خون کے سوتے باہر ابل پڑے تھے۔ یہ تو سب کچھ ہوا مگر اس کی تہ میں کونسی نحوست مضمر تھی۔ کس نے انھیں ہمارے قتل کی دعوت دی۔ آہ شرم و ندامت سے گردن جھک جاتی ہے جب اپنی طوائف الملوکی اور جنگ و پیکار پر نظر ڈالتے ہیں اسی انشقاق و افتراق ہی نے تو ہمیں ہلاک و برباد کیا ہے۔ اپنی بربادی کا یہ عبرتناک باب فراموش نہ کیجئے۔ عین اسوقت جبکہ دولت سلجوقیہ خطرے میں مبتلا ہے عیسائیوں کی یورشوں سے بیحد اضطراب پھیلا ہوا ہے اس نازک وقت میں دولت فاطمیہ عیسائی درندوں کے ساتھ مراسم قائم کر کے سلجوقیہ کی بربادی کا سامان فراہم کرتی اور بیت المقدس میں عیسائیوں کے داخلہ کو بنظر استحسان دیکھتی ہے اور پوری امداد و اعانت کی امید بھی دلاتی ہے۔ یا للعجب!

یہ سب اسلئے ہے کہ ان دولتوں میں باہم اختلاف چلا آرہا تھا۔ مذکورہ سطور میں تم نے عیسائیوں کا سلوک اور بیت المقدس میں انکا فاتحانہ داخلہ دیکھ لیا۔ اب ذرا ایک طائرانہ نظر ۵۸۳ھ کی تاریخ پر بھی ڈالئے جبکہ "پرنس آرنلڈ حاکم کرک" اور شہنشاہ فرانس قیدی کی حیثیت سے اسلامی دربار میں حاضر کئے گئے تو شہنشاہ فرانس کی پانی کے اظہار خواہش پر کیا ہم نے انھیں معطر شربت نہیں پلایا تھا؟ اور پھر آخر میں دونوں بادشاہوں کو معہ چار ہزار قیدی فوجوں کے کیا بلا فدیہ رہا نہیں کر دیا تھا؟ ذرا ٹھہرو! اور ہمارا بھی بیت المقدس کا فاتحانہ داخلہ دیکھ لو اور دیکھو بھی تو سرکیس سیحی کی کتاب تاریخ اورشلم میں جہاں چلکر لکھتا ہے "سلطان (صلاح الدینؒ) نے فتح کے بعد معمولی فدیہ پر عیسائیوں کو چھوڑ دیا۔ تین ہزار کو تو بلا فدیہ ہی چھوڑ دیا۔ ملکہ اورشلم کے ساتھ بھی نرمی اور سلوک کا برتاؤ کیا" شاید تمہیں یہ بھی معلوم ہو جو وقت بحکم سلطان صلاح الدین مفتوحین عیسائی ہجرت کرنے لگے تو سب کے آگے پطرس اعظم معہ دیگر اساقفہ بہت سی بیش بہا اشیاء، نقرئی و طلائی زیورات، ہیرے و جواہرات لیکر نکلا تھا بعض ندماء دربار اور وزراء کے توجہ دلانے پر سلطان (صلاح الدینؒ) نے جواب دیا۔ لا اعذر بہ ولو غدر بنا۔ ہم نقض عہد نہیں کر سکتے اگرچہ ہمارے ساتھ کیا گیا۔" میرے قول کی مزید توثیق کیلئے تیسری جنگ صلیبی کے وقائع نگار "پول" کی رائے بھی سن لیجئے۔ بوڑھے اور اپاہج مرد، معصوم بچے، نوجوان عورتوں کو رچرڈ شاہ انگلستان کے حکم سے بھیڑ اور بکریوں کی طرح ذبح کیا گیا۔ جس طرح سلطان صلاح الدین کے رحم و فیاضی کی داستان فراموش نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح رچرڈ شاہ انگلستان کے مظالم بھی نہیں بھولے جا سکتے"۔ والفضل ما شهدت به الاعداء" خوبی و کمال تو یہ ہے کہ دشمن بھی مداح ہوں۔

میرا خطاب خصوصاً ان شبان مسلمین سے ہے جن نوجوانوں کی رگ رگ میں اسلام کا گرم خون کھولتا ہے مگر آہ۔ بدقسمتی اور

مسلمانوں کے تشتت وافتراق۔ طائفہ بندیوں اور تحزب کی وجہ سے خدمت ملک کا انھیں اچھا موقعہ ہی نہیں ملتا، کہیں ٹوڈیوں، رجعت پسندوں اور قدیمی کاسہ لیسوں کا "مہذب گروہ" ہے تو کہیں دقیانوسی خیالات اور خام نظریات والوں کا "مقدس گروہ" کہیں شوسلسٹ اور دہریے ہیں تو کہیں پاکستانی الحاصل ؎

وتشعبوا شعبا فكل جزيرة ٭ فيها امير المومنين ومنبر

کا صحیح نقشہ اب سامنے آگیا ہے۔ شاہ صاحب۔ پیر صاحب۔ امیر صاحب۔ قائد صاحب۔ رہبر صاحب۔ لیڈر صاحب۔ یہ ہیں تمام اصحاب کرام۔ اور پھر شان الٰہی دیکھیے آپ جس جماعت سے تعلق رکھینگے کافر ضرور ہونگے اسلئے کہ اب تو بڑی بڑی یونیورسٹیوں اور کالجوں کے بھی ہیٹ کوٹ اور پتلون پوش بے ریش و مونچھ "بزرگ" "مولاناؤں" نے بھی بحمد اللہ اچھا خاصا تکفیر سازی کا کارخانہ کھول لیا ہے۔ یہی رہ گئے تھے پاسبان اسلام مگر کیا کہا جائے ع۔ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔

ابتک تو عبا پوش ہی کارخانہ تکفیر کے چلانے کی وجہ سے خود کافر اور قابل گردن زدنی سمجھے جاتے تھے مگر خوش قسمتی سے آپ نے بھی تکفیر بافی کے لئے اچھی خاصی کمپنی قائم کرلیا۔ وقت کا یہ کتنا روح فرسا نقشہ ہے مگر پھر بھی خواب غفلت کے متوالوں کو کچھ نظر نہیں آتا اگر جلد از جلد اس مرض مہلک، اور موت و ہلاکت کے سیلاب عظیم کا بندوبست نہ کیا گیا تو عنقریب زندگی کی اس آخری کشمکش میں ہمارا فنا ہوجانا یقینی ہے، قرون سالقہ کی باہمی آویزش اور اختلاف و تفرق کے وہ عواقب بد جن سے ہمارا جاہ و حشم تاراج ہوگیا جب ان نتائج و عواقب پر ہماری نظر پڑتی ہے تو دل کانپ اٹھتا ہے۔ ساتویں صدی کے اواخر اور آٹھویں صدی کے اوائل کا زمانہ دیکھو تاریخ اسلام کا کتنا پرآشوب نازک اور انقلابی زمانہ ہے اس محشر آفات دور کو دیکھا جائے تو پچاس لاکھ مسلمانوں کی خونریزی کی سب سے بڑی ذمہ داری خود مسلمان کی گردن اور انھیں کے اختلافات ہیں۔ مسلمانوں کے باہمی تشتت وافتراق، جنگ و جدل، معرکہ و جنگ آرائیاں، بے جا تعصب مذہبی اور انھیں کے نفاق و شقاق نے غارتگران تاتار ہلاکو خاں اور اس کے دیگر وحشی درندوں کو اپنے گھروں میں بلایا۔ خلیفۃ المسلمین کو کچے چمڑے میں بند کرایا۔ حرم سرا کی محترم خواتین کو انتہائی بے دردی سفاکی اور بے رحمی کے ساتھ قیدی بناکر پیدل چلایا۔ اے بے غیرت مسلمان! خاندان نبوت سے تعلق رکھنے والی خواتین ہی کے حسرتناک اور الم انگیز واقعات کا نقشہ کھینچتے ہوئے شیراز کا علامہ خون کے آنسو روتا ہوا ہمارے رلانے کیلئے یہ کہہ گیا ہے ؎

يساقون سوق المعز في كبد الفلا ٭ عزائز قوم لا يعودون بالزجر
جلبن سبايا سافرات وجوهها ٭ كواعب لا تبرزن من حلل الخدر

یعنی حرم سرا کی وہ شرفا زادیاں جو معمولی سرزنش بھی برداشت نہیں کرسکتی تھیں انھیں قیدی بناکر بھیڑ بکریوں کے گلہ کی طرح میدانوں میں پیدل دوڑایا گیا۔ وہ پردہ نشین نوجوان خواتین جنھوں نے پردے سے سر بھی نہیں نکالا تھا انھیں کھلے بند بے پردہ گھسیٹا گیا۔ کتنی عبرت انگیز ہے یہ داستان جب دیکھا جائے کہ اسی خاندان عباسیہ کے ایک پرشوکت خلیفہ نے بقول "ایڈورڈ گبن" قیصر روم کو "لے کتے کے بچے" کے لقب سے خط لکھا تھا مگر آج اسی کے خاندان کی حرم سراؤں کا یہ حشر اور ان کے بچوں کا خون پانی سے بھی زیادہ ارزاں ؎

خون فرزندان عم مصطفےٰ شد ریختہ ٭ ہر بر اں خاکے کہ سلطانان نہادندے جبیں

نازنینان حرم راخون حلق نازنیں ؛ زاستان بگذشت ومارا خون دل از آستیں
زنیہار از دور گیتی وانقلاب روزگار ؛ درخیالے کس نگشتے کانچناں گردد چنیں

یہ جو کچھ ہوا محض شیعہ سنی، حنفی، شافعی کی باہم جنگ وپیکار اور الگ الگ مساجد، الگ الگ اوقاف ومدارس ائمہ
نقسیم الگ الگ قضاۃ، دفاتر فقہ کی الگ الگ تعزیرات وقوانین اور ایک دوسرے کی ردوکد، مذہبی عصبیت اور فرقہ
ی نے قبائل منگولیہ خونخوار تاتاریوں کو خلافت اسلامیہ کی ابتدائی اور انتہائی غارتگری اور تاخت وتاراج کیلئے دعوت دی
کے اس قبیلہ میں بہت سے خونخوار پیدا ہوئے جن سے دنیا کی عظیم الشان سلطنتیں لرزہ براندام تھیں پانچویں صدی میں "اٹیلا"
قبائل کا وہ رہبر اعظم گذرا ہے جس سے رومن امپائر کانپ رہی تھی اور رومن ہی نہیں بلکہ رومی تہذیب وتمدن کا بھی چراغ
لیلئے انھیں کے ہاتھوں سے گل ہوگیا اور چھٹی صدی میں انہیں وہ مشہور قائد چنگیز خاں پیدا ہوتا ہے جس نے ایسا عسکری سیلاب
ر بن ٹوٹتے ہی بڑے سے بڑے متمدن اسلامی ممالک بھی نہ ٹھہر سکے اگرچہ اپنے عہد میں چنگیز خوارزم کے بالائی علاقہ تک
ٹیا پر قبضہ کرکے رک گیا مگر جب اسکے پوتے ہلاکو خاں کا زمانہ آیا تو اسے بھی کچھ زمانہ تک دولت عباسیہ کی شوکت وسطوت اور
ں سالہ عظمت سلطنت سے آگے قدم بڑھانے نہ دیا۔ یہی زمانہ تھا جبکہ خراسان کے حنفیوں اور شافعیوں میں معرکہ آرائی کا
م تھا طوس کے احناف نے شوافع کی عداوت وضد میں شہر کا دروازہ کھولدیا اور ہلاکو خاں کو حملہ کی دعوت دی گئی پھر کیا تھا
ں نے اپنے ان صحرائی بادرفتار گھوڑوں پر جو سو سو میل کی مسافت طے کرکے پھر دم لیتے تھے۔ ایسے گھوڑوں پر سوار ہوکر ۔ ۔
یے اور جب ان کی شمشیریں نیام سے باہر ہوئیں تو کہاں شافعی اور کہاں کا حنفی سب کو ذبح کردیا۔ یہ ایسا واقعہ ہے جسے
کا وقائع نگار کبھی نہیں بھول سکتا۔ یہ تو تھی ابتدا۔ اسکے بعد اگرچہ فتح خراسان سے دار الخلافت بغداد کے فتح کا دروازہ کھل گیا تھا
ی دار الخلافت بغداد جو عباسیوں کا ششصد سالہ پایۂ تخت تھا اسپر حملہ آور ہونیکی جرأت ہلاکو خاں کو نہ ہوئی مگر آخری ہلاکت و
ہونا تھا ادھر بغداد میں شیعوں اور سنیوں کا میدان کارزار گرم تھا خبث ابن العلقمی خلیفہ معتصم باللہ العباسی کے وزیر نے
میر الدین طوسی شیعی کے ذریعہ ہلاکو خاں کو بغداد پر بھی حملہ کی دعوت دیکر آخری بدبختی کی تکمیل کرادی جس پر شیراز کا بلبل گریہ کناں
ع نالہ کش شیراز کا بلبل ہوا بغداد پر۔

شیعوں پر تو کوئی تعجب نہیں مگر طوس کے نکتہ سنجوں اور موشگافان دقائق حنفیوں پر تعجب ہوتا ہے جنکی نظریں گرمی اور سردی
میں استنجا کے ڈھیلے کے اقبال وادبار اور عورت ومرد کے طریق استنجا کے نکات، اور نکاح وطلاق اور سینکڑوں فقہی حقائق کو
مگر نہ سمجھیں تو یہ راز کم از کم جس طرح بہت سی احادیث نبویہ کو محض اس احتمال کی بنا پر کہ ہوسکتا ہے یہ حدیث منسوخ ہو۔ چونکہ
روں مذہب کے خلاف ہے؟ اسلئے قابل عمل نہیں ایسے ہی مرجوح ہی احتمال ذہن میں کیوں نہیں آگیا کہ ایسا نہ ہو شافعیوں
تھ ہم بھی نہ منسوخ ہوجائیں اور تاتاری دونوں کیلئے ناسخ ہوں۔ اصل راز یہ ہے کہ تقلید کی ظلمت اور مذہبی عصبیت انسان کو
نہ غور وفکر علم وبصیرت کی تحصیل سے باز رکھتی ہے، مسلمانو! تم اپنی وحدت کو دیکھو تم واحد خدا۔ واحد کتاب، واحد رسول
جدا رہو، تمہیں اقوال رجال کا مکلف نہیں بنایا گیا ہے تاکہ تمہارے اندر تشتت وافتراق ٹولیاں اور جماعتیں نہ پیدا ہوں کیونکہ
ی رائیں الگ الگ ان کے خیالات باہم مختلف۔ تحقیقات جدا جدا پھر بھی اگر اقوال رجال کی تابعداری تم پر فرض ہو تو تفریق و

اختلاف کی خلیج اور زیادہ وسیع ہوتی جائیگی حالانکہ مسلمان کی شان یہ ہے۔ المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضا (حدیث) ایک مومن کو دوسرے مومن کے ساتھ اس طرح ملکر رہنا چاہئے کہ دونوں بنیان مرصوص بنجائیں، للہ پردۂ غفلت سے سر نکالو اور فرقہ بندیوں کو اٹھادو۔ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی کشتی پر سوار ہوجاؤ، یہی وہ کشتی ہے جو تمہیں منزل مقصود تک پہنچادیگی یہی وہ بیڑا ہے جس نے گم گشتگان عرب، گم کردۂ منزل، صحرائی بدوؤں، کاروان حجاز، لات وعزی کے پجاریوں۔ ہبل ونائلہ کے پرستاروں، یزدان واہرمن کے دلدادوں، نور وظلمت کے گرویدوں کو اوہام پرستی، تخیلات پرستی۔ اشجار پرستی اور اصنام پرستی وآتش پرستی سے نجات دلائی پر ان کے تحزب وطوائف بندی کو حرف غلط کی طرح مٹاکر بکر وتغلب، شیبان وازد، لخم وجذام، قضاعہ وکندہ، بوحنیفہ وطے، اسد وہوازن، غطفان وثعلبہ، اوس وخزرج کو ایک ہی سلک میں منسلک کردیا۔ حرب فجار، حرب بسوس، حرب داحس وغبرا کی خطرناک جنگوں سے جو دائمی بغض وعناد دلوں میں پیدا ہوگیا تھا۔ عرب کے صحرا نوردبدو، خانہ بدوش عربی جنکے دلوں میں ان جنگوں کا جوش انتقام ہروقت موجزن رہتا تھا۔ ان سب کے غیظ وغضب کینہ وحقد کو مودۃ ومواخاۃ سے بدلکر عہد رسالت کے عظیم الشان اجتماع میں اعلان کردیا گیا "جاہلیت کا خون معاف کیا جاتا ہے" انما المومنون اخوۃ۔ آپس میں مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ کا درس دیتا تھا کہ صہیب رومی، عداس نینوائی، بلال حبشی۔ عمر قرشی۔ ابوذر غفاری۔ ابوہریرہ دوسی، حذیفہ یمانی، آتش پرست سلمان بت پرست خالد تثلیث پرست عباس بن مرداس۔ یہودیت نواز عبداللہ بن سلام، کلیساؤں اور گرجوں، خانقاہوں اور معبدوں سے نکل نکل کر سب کے سب کشتی اسلام پر سوار ہوگئے۔ اور یہ قافلہ اسلام بڑھا بھی توکسطرف، انکے جولانگاہ بنے تو کون سے ممالک سنو اور غور سے سنو، یہ تھوڑی سی جمعیت مگر متحدہ قوت دم کے دم میں عراق، خراساں، ترکستان، ایران، سیستان، ہندوستان اور کابل کو مسخر کرلیتی ہے۔ اور دوسری جہت میں افریقہ۔ الجزائر، ٹیونس، مصر، اسپین اور مراکش پر برق کی طرح چھاگئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ بحری بیڑوں، دریائی آبدوزوں، کشتیوں اور جہازوں کے ذریعہ حبشہ۔ زنجبار، جزائر ہند، جاوا، سماٹرا، جزائر افریقہ چین، کریٹ، سائپرس اور سسلی پر مسلمان جادھمکے۔ یہانتک کہ امریکہ کے مشہور عالم ڈریپر کو کہہ دینا پڑا "کوئی مذہب اتنی جلدی اور اسقدر وسعت کے ساتھ نہیں پھیلا جیسا کہ مذہب اسلام تھوڑے ہی عرصہ میں کوہ الثائی سے بحرالکاہل تک اور ایشیا کے مرکز سے افریقہ کے جنوبی کنارے تک جا پہنچا" چھوڑ دغیروں کے قولوں اور بیانات کو خود دیکھو کیا سعد بن ابی وقاص الزہری القرشی نے عراق ایران کا تاج حکومت مسلمانوں کے قدموں پر نہیں ڈالدیا تھا؟ اور کیا سیف اللہ خالد بن ولید اور ابوعبیدہ بن العامر بن الجراح نے مردود رومیوں کو اورشلم اور سرزمین شام سے نکالکر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی موعودہ سرزمین کی قدیمی امانت مسلمانوں کے سپرد نہیں کردی تھی؟ اور پھر کیا فراعنہ مصر کی سرزمین باغستان مصر اور وادی نیل کو رومن شہنشاہی سے زبردستی عمرو بن العاص نے نہیں چھین لیا تھا؟ عبداللہ بن زبیر۔ اور ابن ابی سرح ہی تو تھے جنھوں نے افریقہ کا میدان دشمنوں سے لے لیا تھا اسی طرح پھر جاؤ زرار بن الازور، عکرمہ بن ابی جہل، مثنی بن الحارثہ، یزید بن ابی سفیان، موسی نصیر اور طارق جیسے بہادران اسلام کے جنگی کارناموں کو اور پھر دیکھو، بیزنطینی ہزار سالہ شہنشاہیت کا خاتمہ کن کے ہاتھوں ہوا سے

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے وہ کیا گردوں تھا توجسکا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سر دارا

تمدن آفریں اخلاق آئین جہانداری ⁂ وہ صحرائے عرب یعنی شتربانوں کا گہوارہ

آخر متقدمین مسلمانوں میں کونسی اسپرٹ اور کونسی جنرل تعلیم ان کے پاس تھی جس کی بدولت دنیا کا چپہ چپہ خدا کی وسیع زمین کا ایک ایک گوشہ ہفت اقلیم کا ایک خطہ ان کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں انمیں وحدت تھی تفریق نہیں اجتماع تھا تشتت نہیں، مرکزیت تھی لامرکزیت نہیں، قرآن وحدیث کی واحد تعلیم تھی، اقوال رجال کی پیروی نہیں۔ مگر آہ بدقسمتی سے وحدت گاہ مکہ میں بھی تثلیث کے بالمقابل تربیع کی بنیاد رکھکر چار الگ الگ مصلے قائم کردیئے گئے تھے۔ اب بحمداللہ سلطان ابن سعود ایدہ اللہ بنصرہ کی کوشش سے یہ فتنہ فرو ہوگیا۔ جہاں کے اتفاق واتحاد کی ضیا بارکرنیں سارے عالم کیلئے تنویر بخش ثابت ہوئی تھیں جس سرزمین مقدس پر بیٹھکر سالار قافلہ امتہ اسلامیہ محمد عربی علیہ الوف التحیہ والسلام نے اتفاق وتنظیم کے ہزاروں قوانین وضع کئے تھے اسی ارض پاک پر یہ سب کچھ ہوا جس کو ہرگز نہ ہونا تھا۔ آپ تو یہ تعلیم دے گئے تھے ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنتی ۔ یعنی میں نے تمہاری ہدایت ورہبری کیلئے قرآن وحدیث جیسے دو راہبر چھوڑے ہیں جبتک انکی اقتدا کروگے گمراہ نہ ہوگے مگر افسوس ہم نے اس قول زرین کو پس پشت ڈالدیا۔ مسلمانو اس تفریق واختلاف کو ترک کرو تم حنفی شافعی مالکی حنبلی، معتزلی۔ جبری۔ قدری۔ مرجی خارجی۔ رافضی۔ زیدی، اثناعشری اور اسی طرح ہزاروں قسم کے ایری غیری نتھوخیری بناکر نہیں پیدا کئے گئے ہو تمہاری تخلیق صرف فطرۃ اور دین قیم پر ہوئی ہے صرف مسلمان کہہ کر اللہ نے تم کو پکارا ہے ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ میں یہی بیان کیا گیا ہے۔ پھر غیروں کی طرف انتساب کے کیا معنی ان بیچارے ائمہ دین اور اسلاف نے تو خود اپنا دم خم اور اپنی اپنی ہستی قرآن وحدیث ہی کی روح سے برقرار رکھا ہے ورنہ انس بن مالک، ثابت بن زوطا الکوفی، ادریس بن عباس، محمد بن حنبل الشیبانی، اسمٰعیل بن ابراہیم۔ حجاج بن مسلم القشیری، اشعث السجستانی عیسی الترمذی، شعیب النسائی، یزید بن ماجۃ القزوینی کے بیٹوں کو کون جانتا اگر ان کے اسماء زندہ ہیں تو قرآن وحدیث ہی کے چشمہ صافی سے سیراب ہونے کی وجہ سے۔ پس ہم بھی وہیں سے لیں جس مبداؤ مخرج سے انھوں نے لیا"۔

اگر اماموں، مرشدوں پیروں، اور مشائخوں کے اقوال کو حجت سمجھکر ہم نے ان پر عمل شروع کردیا تو سمجھ لو اختلاف وتشتت تفریق وانتشار کے عمیق گڑھے میں کو دپڑے کیونکہ ان کے مذاہب الگ الگ رائیں مختلف، قیاس آرائیاں جدا جدا، اجتہادات باہم متضاد لہذا سب کو چھوڑکر اسلام کے واحد پلیٹ فارم پر آجاؤ اور صرف قرآن وحدیث ہی کو اپنا شاہراہ عمل بناؤ تمہاری بربادی وتباہی نکبت وادبار، افلاس وگداگری، ذلت ورسوائی، غلامی ومحکومی کا سب سے بڑا سبب یہی تمہارا باہمی اختلاف ہے۔ آج کتنے مدعیان سیاست، سیاست کی چادر اوڑھے ہوئے ہیں مگر اندر سے تحزب بندی کی روح پکار پکار کر نقاب کشائی کررہی ہے۔ ان بزرگوں کو آپ دیکھیں ان کی زندگی کا بہت بڑا دینی اور مذہبی جہاد یہ ہوتا ہے کہ جب دیہات میں پہنچے تو فوراً اعلان کردینگے "لوگو! دیہات میں جمعہ نہیں جائز ہے دیکھو دیہات میں جمعہ ہرگز نہ پڑھنا۔ ان اللہ کے بندوں کو کون سمجھائے کہ جب یونہی اقوال رجال کے پیچھے لٹھ لیکر دوڑنا ہے تو پھر چھوڑو ان بیچارے دیہاتی جمعہ گذاروں کو کیونکہ یہ بھی تو بہت سے ائمہ کے مسلک کے موافق عمل پیرا ہیں ؎

سہ چیز است آنکہ پایانے ندارد ⁂ شب من، درد من، افسانۂ من

اسلامی عدالت اور مسلمان کی شناخت

(از مولوی محمد حسن صاحب احسنؔ گونڈوی متعلم)

اوپر اور نیچے نظر ڈالنے پر کوئی تم سے بہت دور کچھ تمہارے بالکل متصل، لیکن مافوق الادراک اور قیاس وگمان سے بالاتر قدرت کی جو صناعیاں اور کرشمہ سازیاں ہمیں دکھائی دے رہی ہیں جب سے انکا قیام معرض وجود میں آیا۔ اسی وقت سے مسلمان ایک نرالی شان اور مخصوص صفت وکیفیت اور نظر فریب حلیہ کے ساتھ بلا اعتبار جماعت آخر کبھی قلیل کبھی کثیر تعداد میں زمانہ کی خوش بختی سے موجود رہا اور اب بھی ہے اور تا قیام قیامت رہیگا۔ باوجود سعی بلیغ اور جان توڑ کوششوں کے مخالف نہ اسے کبھی مٹا سکا اور نہ مٹا سکیگا۔ نبیوں کے تبدل سے فروعات میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں لیکن اس کے اصل الاصول میں کبھی فرق نہیں آیا۔ آج میں تبلانا چاہتا ہوں کہ مسلمان کی پہچان کیا ہے اور اس کی شناخت کیونکر ہو سکتی ہے اور کیا چیز اس کے اندر بہ الامتیاز پائی جاتی ہے وہ کونسا جذبہ کونسی اسپرٹ کونسا اعتقاد جازم ہے جس سے ہر مخالف وموافق بآسانی ایک مسلمان کو معلوم کر سکتا ہے اور کونسی کسوٹی ہے جسپر مسلمان پرکھا جا سکتا ہے۔ مسلمان خدا کو ایک اور لاشریک جان کر بوئے گل توحید کو اپنے رگ وریشے میں بسا کر اس کی مرضی پر اپنے آپ کو قربان کر دیتا ہے اور بس ؎ دو لفظ میں پوشیدہ کل میری کہانی ہے۔

اس پوشیدہ حقیقت اور چھپی ہوئی کہانی کی نقاب کشائی یوں ہوتی ہے کہ مسلمان سب سے پہلے جام توحید حلق سے اتار کر جسم کے رگ وپے میں پھیلا دیتا ہے اور ان خدائی قاصدوں (جنھوں نے انسان کو خلافت الٰہی کے ممتاز عہدے پر سرفراز ہونیکی بشارتیں دیں اور ہر زمانہ میں بھٹکے ہوئے انسان کی ہدایت کی جس سلسلہ کی آخری کڑی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) پر ایمان رکھتا اور اللہ کے بھیجے ہوئے کو برحق رسول مانتا اور ان کے احکام کو خدائی احکام سمجھتا ہے اور ان صحائف کو جو انبیا کو دئے گئے منزل من اللہ مانتا ہے چنانچہ آخری صحیفہ (قرآن) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا جو حقائق ومعارف کا ایک گنجینہ ہے اس میں کوئی چیز تشنۂ وضاحت نہیں سب کچھ کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے جسمیں ہر مسائل کا جواب موجود ہے اللہ رب العزت مسلمان کی پہچان بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا " مسلمان جب کسی مقدمہ کے فیصلہ کے ماتحت اللہ اور اس کے رسولؐ کے روبرو بلایا جاتا ہے تو عواقب وانجام سے بے پرواہ ہو کر بے دھڑک کہدیتا ہے

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

وہ تو قضاء الٰہی اور فرمان رسولؐ کے سامنے اپنے لئے کوئی اختیار اور چون وچرا کی گنجائش ہی نہیں سمجھتا بلکہ ان سے روگردانی اور مخالفت کو باعث صد ضلال وگمراہی خیال کرتا ہے وہ اگرچہ بادشاہ بلکہ شاہنشاہ ہو لیکن اللہ اور اس کے رسولؐ کی مرضی یہ ہے کہ اپنی لڑکی ایک مسکین سے بیاہ دے تو اسے بخوشی منظور کر لیتا ہے وہ اپنی آنکھوں اور زبان، دل دماغ، اعضا وجوارح خواہشات نفس سب پر خدا اور صرف خدا کی حکومت تسلیم کرتا ہے اس کے خلاف نہ کوئی حرف زبان پر لا سکتا ہے اور نہ کوئی کام کرنے کے لئے تیار ہے اپنا بھلا برا نفع نقصان سب اسی کی طرف سمجھتا اور اپنے کو فقیر اسے غنی تصور کرتا ہے خدا کے قہر وجلال

غیض وغضب سے ڈرتا اور اس کے غفران کی امید رکھتا ہے وہ آیت ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ" کے ماتحت خدا کی محبت کے حصول کو رسُول کی اطاعت پر منحصر سمجھتا ہے وہ حدیث لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین" کے ماتحت ماں باپ بال بچے خویش اقارب دوست آشنا سب کی محبت پر رسولؐ کی محبت کو ترجیح دیتا ہے اور اسی کو اپنا کامل ایمان سمجھتا ہے وہ اپنے جان ومال کو جو اسے اسکے رب نے مفت دیا ہے جنت جیسے گرانقدر وگراں مایہ قیمت کے بدلہ میں اسی کے ہاتھ بیچ کر اپنی اس بیع سے بہت خوش ہوتا ہے اور تن تنہا دشمنان خدا کو قتل کرتا ہوا خود قتل ہو جاتا ہے لیکن اسی کو اپنے حق میں فوز عظیم خیال کرتا ہے وہ خدا کے روبرو اپنے گناہوں سے توبہ کرتا اور معافی چاہتا ہے اس کی عبادت کرتا اور حمد وثنا گاتا ہے اسی کے سامنے جھکتا اور جبیں سائی کرتا ہے وہ مخالفین کے ہجوم میں بھی کلمہ حق کہنے میں تامل [illegible] بلکہ اچھی باتوں کا حکم کرتا اور بری چیزوں سے روکتے ہوئے اللہ کے حدود کی نگہداشت کرتا ہے وہ اللہ کے بارے میں محبت کرتا اور اسی کیلئے بغض رکھتا ہے خواہ اسکا بھائی اور باپ ہی کیوں نہ ہو وہ باپ کی گردن مار سکتا ہے بیٹے سے تا حیات قطع کلام کر سکتا ہے۔ اکلوتے فرزند کی گردن پر چھری چلا سکتا ہے لیکن رب کو ناراض نہیں کر سکتا۔ اس کی راہ میں اگر ہمالہ بھی حائل ہو تو وہ اطاعت الٰہی کی ضرب کاری سے اسے بھی ریزہ ریزہ کریگا۔ اللہ اور رسولؐ کے حق میں گستاخی کرنیوالے کی زبان بند کر دیگا خواہ اسے جان سے ہاتھ دھونا پڑے وہ اعلاء کلمۃ اللہ کرتا ہے خواہ کتنے ہی مصائب کا سامنا کرنا پڑے وہ تیروں کی بوچھاڑوں میں ٹھہر سکتا اور توپ کے گولے سینہ تان کر کھا سکتا ہے لیکن دُم دبا کر میدان سے پیچھے نہیں بھاگ سکتا وہ برے فعل کو ہر ممکن ذریعہ سے روکتا ہے اگر ہو سکا تو ہاتھ سے، ورنہ زبان سے اگر یہ بھی نہیں ہو سکتا تو کم از کم دل سے برا سمجھتا ہے۔ اس کا دل ملائم اور نرم ہوتا ہے جب قرآنی آیتیں اس پر تلاوت کی جاتی ہیں تو اس کے ایمان میں زیادتی ہو جاتی ہے اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس کی آنکھیں سیلاب اشک جاری کرتی ہیں اگر اتفاقاً کسی اکھڑ سے سابقہ پڑ جائے تو " بابا معاف کر" کہکے اپنی عزت بچا کر چلا جاتا ہے۔ مسلمان دنیا میں رہ کر دنیا طلبی کو مقصود بالذات نہیں قرار دیتا بلکہ اپنی آخرت بناتا ہے وہ دنیا میں مسافر کی طرح زندگی بسر کرتا ہے اور آخرت کی طرف کوچ کرنے کیلئے زاد آخرت جمع کرنے میں ہمہ تن مصروف رہتا ہے وہ موت سے کبھی غافل نہیں ہوتا اسے اپنے سے بالکل متصل سمجھتا ہے وہ زندگی پر موت کو ترجیح دیتا ہے لیکن یہ صرف اسلئے کہ خدا سے ملنے کا یہی ایک ذریعہ اور اس کے وعدوں کے حاصل کرنیکا یہی ایک وسیلہ ہے وہ دنیا کی نظروں میں ہردلعزیز رہنا چاہتا ہے اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس کے ہاتھ پیر ضمیر زبان کسی سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی پسند کرتا ہے جو اسے اپنے لئے محبوب ہے اس کا سلام کلام مفید متعارف نہیں ہوتا مسکینوں سے ہمدردی کرنا اس کا شیوہ ہوتا ہے۔ بیکسوں کا تعاون اپنا فرض سمجھتا ہے۔ جب لوگ کھاتے ہیں تو وہ بھوکا رہتا ہے جب موذن کی صدائے اللہ اکبر اسکے پردہائے گوش کو چیرتی ہوئی دل کی گہرائیوں میں اترتی ہے تو اپنا کاروبار چھوڑ دیتا ہے اس کا کدال اگر اوپر اٹھا ہوا ہو تو وہیں کا وہیں رہ جاتا ہے اور نماز کی حاضری دینے کیلئے تیار ہو جاتا ہے اگر بات کر رہا ہو تو جملہ پورا کرنے کا موقع نہیں پاتا اپنی سوئی کو اگر کپڑے میں پرو دیا ہے تو نکالنے کی کوشش نہیں کرتا وہ نماز کو ہر چیز پر مقدم جانتا ہے اپنے قلبی اضطراب کو اسی سے رفع کرتا ہے اور اسے گناہوں کا کفارہ خیال کرتا ہے جب دنیا محو خواب ہوتی ہے تو وہ جاگتا ہے جب دنیا بیخبر ہوتی ہے تو وہ دست بدعا ہوتا ہے

جسمانی اعتبار سے اگرچہ کمزور ہو پھر بھی بہادر ہوتا ہے اسکے عزائم میں استقلال اور ارادوں میں پختگی ہوتی ہے وہ حق کا شیدائی حق گو کا فدائی اور باطل کا دشمن ہوتا ہے وہ موافق کے حق میں نرم ہوتا ہے لیکن جب اس سے مخالف اور باطل کی قوتیں ٹکراتی ہیں تو وہ بپھرے ہوئے شیر کے مانند اور ہمالہ سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے جس سے ٹکرا کر وہ قوتیں معدوم اور پاش پاش ہو جاتی ہیں وہ مخالف سے زور بازو اور زور ایمان دونوں سے لڑتا ہے وہ دنیا کو دین پر قربان کرتا ہے دنیا کو دین کے بدلے میں حاصل نہیں کرتا وہ دین کی زندگی کو اپنی زندگی سے اہم تر سمجھتا ہے اپنی خواہشات کو دین کے تابع کرتا ہے نہ کہ دین کو خواہشات کے۔ وہ دشمن کو مغلوب کرنے سے نفس کے مغلوب کرنے کو زیادہ بہادری سمجھتا ہے وہ عقوبت کے برداشت کرنے سے عبادات کے مصائب برداشت کرنے کو آسان تر سمجھتا ہے وہ توحید کی جدائی سے روح کی جدائی آسان تصور کرتا ہے وہ تختۂ دار پر بھی اپنی جان کو توحید کے عوض خریدنا نہیں چاہتا اسے اقوال حق سے مسرت اور اقاویل باطل سے کوفت ہوتی ہے وہ سب کچھ سن سکتا ہے لیکن کتاب و سنت کے مخالف کچھ بھی سننے کیلئے تیار نہیں وہ ہزار مرتبہ جلایا جائے ایمان پر قربان کر دیا جائے تو اس بھینٹ کو بہت خوشی سے قبول کر سکتا ہے لیکن ایمان نہیں دے سکتا شارع کے افعال و طریقے چھوڑنا تو کیا وہ تو اس کے تھوک کو بھی نہیں چھوڑتا بلکہ تبرکاً اسے چہرہ پر مل لیتا ہے۔ پردہ کی صریح اور کھلی آیتوں پر عمل کر کے پردہ کی چیزوں کو پردہ میں رکھنا چاہتا ہے اپنی بہو بیٹیوں کو بے حجابی کے ساتھ سر بازار اور علانیہ پھرانے کو بے دینی اور بد توفیقی اور ان کے دامن عصمت و آبرو پر ایک بدنما داغ سمجھتا ہے اور خود عورتوں کے بے پردگی کی حمایت میں لکچر دینے کو ناقابل تلافی اور ناقابل عفو گناہ خیال کرتا ہے وہ اپنے اعمال کسی شہرت کی غرض سے نہیں کرتا اسے کبھی یہ خواہش نہیں ہوتی کہ میری عبادات دیکھکر لوگ مجھے متقی پرہیزگار سمجھیں بلکہ وہ تو کوئی عبادت ریاکاری کی خاطر کرنے کو شرک سمجھتا ہے وہ زہد و تقویٰ کے مخفی رکھنے ہی کو بہترین زہد و تقویٰ خیال کرتا ہے۔ مسلمان خود مسلمان معلوم ہوتا ہے زبان سے اظہار کی ضرورت نہیں ؎ مشک آں است کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔

محدث ۔ اس میں شک نہیں کہ ایک سچے مسلمان اور مخلص مومن کی یہی پہچان اور یہی علامتیں ہیں۔ لیکن ہم ذرا گریبان میں منہ ڈالکر سوچیں کہ آج اگر کوئی غیر مسلم ہم کو ان علامتوں سے پہچاننا چاہے، تو کیا ہمارا کوئی حلیہ بھی اس نقشے کے مطابق پائے گا؟ اور کیا ان علامتوں کی بنا پر ہمیں کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے؟ سوچکر اپنے عمل سے جواب دو۔

گلشن حدیث کا ایک خوشنما پھول

(از مولوی محمد ہادی حسن صاحب سالم شاکپوری دربھنگوی)

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاحَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهٗ عَلٰی هَلَكَتِهٖ فِی الْحَقِّ، وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِیْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا۔ (ترجمہ) حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا درست ہے ایک اس آدمی پر جسکو خدا نے دولت دی اور پھر اسکو راہ حق میں خرچ کرنے پر مسلط کر دیا ہو، دوسرے اس شخص پر جسکو خدا نے علم و حکمت عنایت فرمایا

اور وہ اس کے ذریعہ سے فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو تعلیم دیتا ہے (بخاری مسلم) "تشریح" حدیث مذکور میں حسد سے مراد غبطہ اور رشک ہے مطلب یہ ہے کہ کوئی مرد مسلمان اگر اپنے کسی بھائی کو صاحب نعمت و ثروت دیکھے تو وہ اس کی تمنا کر سکتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مجھکو بھی ویسی ہی نعمت عطا فرمائے تاکہ میں بھی اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کروں اور خلق خدا کو فائدہ پہنچاؤں لیکن یہ تمنا کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں کہ اس کے بھائی سے نعمت زائل ہوجائے اور خود اس کو مل جائے۔

چونکہ دولت اور اس کا نیک کاموں میں خرچ کرنا علم سیکھنا اور اس کا لوگوں میں پھیلانا یہ دونوں جلیل القدر نعمتیں ہیں اسلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی دونوں کو حدیث مذکور میں مخصوص فرمایا اور فرمایا کہ یہی دونوں چیزیں قابل رشک و غبطہ ہیں، لیکن اصل مقصد یہ ہے کہ ہر نیک کام میں دوسروں کے برابر ہونے کی کوشش اور خواہش کرنا اسلام میں محمود ہے۔ ہاں اس کے برخلاف حسد ایک بہت بڑا شرعی اور اخلاقی گناہ ہے۔ حسد کے معنیٰ یہ ہیں کہ کوئی شخص دوسرے کی ترقی اور عروج کو دیکھکر جلے اور کسی طرح بھی اس کو اپنے بھائی کی بھلائی پسند نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اسلام جو ایک پیغام محبت اور مودت ہے ایک ایسی مذموم صفت کو کیسے پسند کر سکتا تھا جس سے مسلمانوں میں اختلاف و نزاع کی پرورش ہو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف عنوانوں سے اس سے بچنے کی ہدایتیں فرمائیں۔ کبھی فرمایا اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ دین تو خیر خواہی کا نام ہے یعنی ایک دوسرے کا بھلا چاہنا یہ دین کی بات ہے۔ اور حسد کرنے والا کبھی دوسرے کی بھلائی نہیں چاہتا۔ کبھی ارشاد ہوا لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ یہ ایمان کی شان نہیں ہے کہ انسان اپنے مسلمان بھائی کیلئے وہ چاہے جو خود اپنے لئے نہ چاہتا ہو۔ بلکہ مومن تو وہ ہے جو اپنے بھائی کے لئے وہی چاہے جو خود اپنی ذات کیلئے چاہتا ہے۔

اس حدیث میں بھی حسد کی کیسی صاف مذمت کی گئی ہے یعنی جب تم اپنی دولت و راحت، ترقی و عروج، نیک نامی و شہرت کا زوال نہیں پسند کرتے ہو تو پھر اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے متعلق یہ کیونکر گوارا کرتے ہو۔ ان اشارات کے علاوہ صاف صاف الفاظ میں بھی حسد اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج سے منع فرما دیا۔ فرمایا لَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا۔ مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ حسد نہ کرو بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے ناراض ہو کر منہ نہ پھیرو۔ بلکہ اے اللہ کے بندو سب بھائی بھائی ہو کر رہو۔ اس حدیث میں تو حضورؐ نے حسد کے دنیاوی نقصانات کی طرف اشارہ فرمایا ہے یعنی یہ کہ اسکی وجہ سے عداوتیں بڑھ جائینگی۔ دلوں میں کدورتیں پیدا ہوجائیں گی، فتنہ و فساد کے دروازے کھل جائیں گے لیکن دوسری جگہ تو اس کے اخروی نقصان کو بڑا ہی خطرناک بتایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا یَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ یعنی حسد انسان کی تمام نیکیوں اور بھلائیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ پس نہ صرف شرعی بلکہ اخلاقی اور انسانی حیثیت سے بھی ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ کسی کے ساتھ حسد نہ کرے۔ ورنہ اسکے خطرناک نتائج اس کی دونوں جہان میں ذلت و رسوائی کا باعث بنیں گے۔

اعوذ باللہ من شر حاسد اذا حسد ٥

روح اخبار

—— ایک بزبان آریہ مقرر رام چرن شرما نے نرسنگھ پور (سی پی) کے عام اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا "ہندوؤں کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کو زبردستی آریہ بنائیں، اور ان سے کہدیں ہندوستان ہندوؤں کیلئے ہے نہ کہ مسلمانوں کیلئے۔ اگر تمہیں رہنا ہے تو ہندو بنکر رہو ورنہ تمہارے لئے درہ خیبر کھلا ہوا ہے وہاں سے عرب واپس چلے جاؤ" (زمزم ۱۱ مئی ۳۹ء)

—— اعلیٰ حضرت سلطان ابن سعود اور امیر عبداللہ والئی شرق اردن نے سید امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین سے اپیل کی ہے کہ وہ فلسطین میں اپنے پیروؤں کو جنگ وجدال ترک کرنے اور حالات کو خوشگوار بنانے کی ہدایت فرمائیں۔

—— حکومت حجاز جنگ کے خطرہ کو شدت سے محسوس کر رہی ہے چنانچہ اسوقت تک جرمنی، انگلستان اور جاپان سے اسلحہ سے بھرے ہوئے چودہ جہاز جدہ پہنچ چکے ہیں حکومت حجاز نے امریکہ اور روس کو بھی چند ٹینکوں اور ہوائی جہاز گرانیوالی توپوں کا آرڈر دیا ہے۔ (مدینہ)

—— جہانسی سے ۹ میل کے فاصلہ پر موضع مکر میں جبکہ ایک برات گذر رہی تھی تو اچانک زور کا دھماکا ہوا جس کے نتیجہ میں ۳۰ براتی زخمی ہوگئے ہسپتال میں ۱۵ آدمیوں کی حالت تشویشناک ہے واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ جب برات بازاروں میں سے گذر رہی تھی تو آتشبازی ہورہی تھی۔ ایک پٹاخے کی چنگاری دوسرے پٹاخوں پر جاگری۔ تمام پٹاخے اچانک بڑے دھماکے کے ساتھ پھٹے ۳۰ آدمی زخمی ہوگئے ایک آدمی اسی وقت مرگیا۔ ہسپتال میں جن ۱۵ آدمیوں کی حالت خطرناک ہے کہا جاتا ہے کہ ان کے بچنے کی کوئی امید نہیں یہ ہے آتشبازی کا نتیجہ۔ (تیج)

—— مسلم لیگ کی طرف سے ایک وفد ہندوستان کے مختلف شہروں میں دورہ کر رہا ہے اور ہر جگہ کانگریسی صوبوں میں مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے جا رہے ہیں ان کی دردانگیز داستان مسلمانوں کو سنا رہا ہے۔ یہ وفد پنجاب سرحد، سندھ کے علاوہ بنگال آسام وغیرہ کا بھی دورہ کریگا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مسلم لیگ کا ایک وفد ممالک غیر میں دورہ کرنے کے لئے بھیجا جائے گا۔ یہ وفد عرب ملکوں کے علاوہ جرمنی، اٹلی، اور برطانیہ کا دورہ کریگا جو ہندوستان میں مسلمانوں پر جو کچھ گذر رہی ہے اس سے ان ملکوں کے باشندوں کو آگاہ کریگا۔ (انقلاب)

—— ترکی نے بعض جرمن کارخانوں کو کچھ تجارتی جہاز بنانے کیلئے آرڈر دیا تھا لیکن کارخانے مدت معین میں جہاز بنا کر نہ دے سکے اسلئے حکومت ترکیہ نے تاوان کا مطالبہ کیا۔ ایک وفد جرمنی سے اس مسئلہ کے دوستانہ تصفیہ کیلئے ترکی آیا طویل گفت وشنید کے بعد وفد نے پچیس لاکھ مارک بطور تاوان ادا کرنا منظور کر لیا۔

—— مصر میں اسلحہ سازی کیلئے تین کارخانے کھولے جائیں گے ٹینڈرز کا نو لاکھ کا اندازہ ہے۔

منیجر

یادگار فدائے علم و دین جناب شیخ عطاء الرحمن صاحب مرحوم و مغفور

رسالہ

محدّث دھلی

ملکیّت

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم دار الحدیث رحمانیہ دہلی

فہرست مضامین

مقاصد

(۱) کتاب و سنت کی اشاعت۔

(۲) مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح۔

(۳) دار الحدیث رحمانیہ کے کوائف کی ترجمانی۔

ضوابط

(۱) یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو شائع ہوتا ہے

(۲) یہ رسالہ ان لوگوں کو سال بھر مفت بھیجا جائیگا جو ۳ ؍ بذریعہ منی آرڈر ٹکٹ خرچ کیلئے دفتر میں بھیجدیں گے وی پی نہیں بھیجا جائیگا۔

(۳) اس رسالہ میں دینی علمی اصلاحی، اخلاقی، تاریخی، تمدنی مضامین بشرط پسند شائع ہوتے ہیں۔

(۴) ناپسندیدہ مضامین محصولڈاک آنے پر واپس کئے جائینگے

(۵) شائع شدہ مضامین واپس نہیں کئے جائیں گے۔

(۶) جوابی امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔

پتہ

منیجر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

محدث دہلی

نگران اصول
مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

نمبر ۳	ماہ جولائی سنہ ۱۹۳۹ء مطابق جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۵۸ھ	جلد ۷

قرآن پاک کا تاریخی اعجاز

(از حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی)

دنیا کے ہر پیغمبر نے اپنی امت کے سامنے حیرت انگیز معجزے پیش کئے ہیں۔ حضرت نوحؑ کی دعا نے عالم کو غرقاب کر دیا حضرت شعیبؑ اور لوطؑ کی دعاؤں نے آتش فشاں پہاڑوں کے دہانوں سے آگ برسائی۔ حضرت موسیٰؑ کے معجزے نے فرعون کو بحر احمر کا طعمہ بنایا۔ عصائے موسیٰ کی کارفرمائی نے چٹانوں کی چھاتی سے پانی کا دودھ بہایا۔ اور بحر احمر کے دو ٹکڑے کر دیئے دم عیسیٰؑ نے جسم کے اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو چنگا کیا۔ فرش موت کے سونے والوں کو جگایا۔ اور قبر کے مردوں کو قُم بِاِذْنِ اللہ کہکر جلایا۔

یہ واقعات دنیا میں پیش آئے۔ اور ختم ہوگئے۔ برق کا شرارہ تھا جو دم کے دم میں چمکا اور بجھ گیا۔ لیکن ایک پیغمبر ایسا بھی آیا جس کے حیرت انگیز معجزے نے قوموں کو ہلاک کرنے کی بجائے ان کو حیات تازہ بخشی، پتھر دلوں کو موم، عقل کے اندھوں کو بینا اور بنی آدم کی پوری جمعیت کو غفلت و بیہوشی کی نیند سے جگا کر ہشیار اور کفر و شرک کی ہلاکت سے بچا کر زندہ کیا۔ یہ حیرت انگیز واقعہ بجلی کی چمک کی طرح دفعتاً ظاہر ہو کر غائب نہیں ہوگیا۔ یدبیضا، عصائے موسیٰؑ اور دم عیسیٰؑ کی طرح اپنے امکان اور وقوع میں فلسفیانہ موشگافیوں اور عقلی نکتہ سنجیوں کا محتاج نہیں۔ یہ روز روشن کی طرح واقعے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اور ہزار ہا سال تک ممتد و متواتر واقعیت بن کر دنیا اور اہل دنیا کے سامنے جلوہ گر رہا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری دین اور آخری صحیفہ لیکر اور قصر نبوت کی آخری اینٹ بن کر اس دنیا میں تشریف لائے۔ آپ کے بعد نہ کوئی دین آنیوالا، نہ کوئی نئی کتاب اترنے والی۔ اور نہ کوئی نبوت مبعوث ہونے والی تھی۔ اس لئے ضرورت تھی کہ

دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح آپ کا خاص معجزہ وقتی اور عارضی نہ ہو۔ بلکہ جب تک اس دنیا میں آپ کی نبوت کا نور چمکتا رہے اس کی روشنی قائم رہے۔ چنانچہ وقتی اور عارضی معجزوں کے علاوہ آپ کو ایسا خاص معجزہ بھی بخشا گیا۔ جو قیام قیامت تک باقی اور قائم رہنے والا ہے۔ قرآن نے تحدی کی کہ میں اپنے رسول پیغمبر کی صداقت کی گواہی ہوں۔ جن وانس بھی ملکر چاہیں تو مجھ جیسی کتاب کی ایک صورت بلکہ ایک آیت بھی بنا کر پیش نہیں کر سکتے۔ اس اعلان پر پوری چودہ صدیاں گذر چکی ہیں مگر اب تک فضائے بسیط کے ہر گوشے میں اس کے جواب میں خاموشی چھائی ہے۔

یہاں بھی عقل و فلسفے کی نکتہ آرائیوں سے بچ کر آئیے۔ تاریخ میں واقعیت کا چہرہ دیکھیں۔ قرآن پاک دنیا کی سب سے تاریک سرزمین میں سب سے جاہل قوم پر اترا۔ جو علم و تمدن سے عاری، دولت و ثروت سے خالی۔ سامان و اسلحہ سے محروم اور ہر قسم کی دنیاوی اور مادی طاقت سے تہی مایہ تھی۔ قرآن نے تیرہ برس تک کبھی پہاڑوں کے غاروں سے اور کبھی پہاڑوں کی چٹانوں سے انسانیت کو آوازیں دیں۔ اس طویل مدت میں اس کی پکار کے جواب میں سب و شتم، سنگریزے اور پتھر تیر و تبر اور تیغ و خنجر کی بارش ہوتی رہی۔ لیکن جونہی چودہویں برس کا چاند طلوع ہوا اس کی روشنی ماہ شب چہاردہم بن کر نمودار ہوئی اور چند سال کے عرصے میں دیکھا تو عرب کا گوشہ گوشہ بقعہ نور بن گیا تھا۔

قرآن کا سب سے بڑا تاریخی معجزہ یہ ہے کہ ۲۳ برس کی تعلیم میں ایک اُن پڑھ اور جاہل قوم کو دنیا کی عالم ترین اور متمدن ترین قوم بنا دیا۔ جس کی عظمت نے دنیائے قدیم کے دونوں بازو قیصر و کسریٰ کو توڑ دیا۔ چالیس برس کی مدت میں جب خلافت راشدہ کا دور ختم ہوا۔ قرآن کے ماننے والوں نے جو بحر ہند کے دہانے سے لے کر بحر اطلانتک کے ساحل تک پھیلے ہوئے تھے۔ دنیا کی کایا پلٹ دی۔ تاریکی کی جگہ نور، جہالت کے بدلے علم، شرک و کفر کے بجائے خدا پرستی آئی۔ دنیا کی سب سے غریب و مفلس قوم سب سے بڑی عالم و علم پرور اور متمدن ہوگئی۔ دنیا کی سب سے ضعیف و کمزور قوم سب سے قوی اور سب پر غالب ہوگئی۔ وہ قوم جس کو دنیا میں کبھی سیاسی عزت و جاہ و جلال نصیب نہیں ہوا تھا اس نے دنیا کی شہنشاہی کا تاج اپنے سر پر رکھا۔

عرب و عجم۔ ترک و دیلم، حبش و زنگ، ہندو سندھ جس نے بھی قرآن کو اپنے سینے سے لگایا۔ اس نے فتح و ظفر کا پرچم ہاتھ میں لیا۔ تخت شاہی اپنے دونوں پاؤں کے نیچے بچھایا۔ اور حکومت کا تاج اپنے فرق شاہی پر رکھا۔ عربوں کی کیا بساط تھی؟ دیلم کو کون جانتا تھا؟ سلجوق سے کون واقف تھا؟ غور و خلج و تغلق کس شمار میں تھے؟ کُرد کس گنتی میں ہیں، خوارزم شاہی، اور مصر کے ممالک اور ہندوستان کے ترکی غلاموں کی حیثیت کیا تھی؟ اور مٹھی بھر آوارہ گرد ترک قبیلے کا سردار عثمان خاں جس کی اولاد نے یورپ ایشیا اور افریقہ دنیا کے تین براعظموں پر چھ سو برس تک حکومت کی اسلام سے پہلے کیا تھا؟ مگر جب انھوں نے اپنی عقیدت کا سر قرآن کے آگے جھکایا تو دنیا کی شہنشاہیوں نے ان کے آگے اپنی گردنیں جھکا دیں۔

عربوں کا تمدن کیا تھا؟ عربوں کے وحشیوں کا رتبہ کیا تھا؟ بربر کی بربریت کی داستانوں سے کون آگاہ نہ تھا؟ ترک و تاتار کی درندگی کے واقعات سے کس کے کان آشنا نہ تھے؟ مگر دیکھ لو کہ جب قرآن نے ان کے سر پر سایہ ڈالا تو انھیں کے ہاتھوں عظیم الشان سلطنتوں کی بنیادیں پڑیں۔ بڑے بڑے متمدن شہر آباد ہوئے۔ علوم و فنون کی درسگاہیں کھلیں۔ اور تمدن و تہذیب کے نقش و نگار اور آثار نمودار ہونے لگے۔ فلسفہ و عقل کی جلوہ آرائی ہوئی۔ علم و فن نے ترقی کی۔ بیسیوں

نئے علوم اختراع ہوئے۔ پچھلے علوم نے رونق تازہ پائی۔ اور ان کی بری اور بحری تجارتوں نے دنیا کی منڈیوں پر قبضہ کرلیا ان سب سے ماوراء اور مادہ و مادیات سے ہٹ کر انسانی اخلاق وآداب نے اسی قرآن کی تعلیم وہدایت سے تکمیل کا درجہ پایا۔ عدل وانصاف اور اخوت ومساوات کے سبق ازبر ہوئے۔ اہل جہان کی آنکھوں نے وہ منظر دیکھا جس کو آغاز آفرینش سے آج تک انھوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا مغرب کی قوموں کو مشرق سے اور مشرق کی بستیوں کو مغرب سے ملا دیا اور حسب ونسب، قومیت ووطن، پستی وبلندی اور شاہی وگدائی کے ہر قسم کے نشیب وفراز کو مٹا کر قرآن والوں کی برادری اور واحد قومیت پیدا کردی جس کا وطن دنیا کا ہر ملک اور جس کا مسکن دنیا کا ہر گوشہ تھا۔

باطل پرستی کے ہر طلسم کو توڑ دیا۔ بتوں کے ہیکل مسمار کردیئے۔ ستارہ پرستی کا چراغ گل کردیا۔ انسانی جانوں کی قربانی موقوف کردی۔ دختر کشی کی رسم کو بیخ وبن سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ عورتوں کو عزت، غلاموں کو آزادی، اور غریبوں کو بشارت دی۔ اور سب کے لئے صرف ایک ایمان اور عمل صالح کو ہر قسم کی ترقیوں اور سعادتوں کا زینہ بنایا۔ اور بتایا کہ انسانی سعادت کی شاہراہ، غاروں، خلوتوں اور پہاڑوں سے ہوکر نہیں گذرتی۔ بلکہ شہروں بازاروں، مجمعوں اور انسانی بھیڑ بھاڑ کے اندر سے گزرتی ہے۔ حق کی نصرت انسانوں کی بھلائی، یتیموں کی سرپرستی۔ غریبوں کی امداد، گرتوں کی دستگیری مظلوموں کی فریادرسی اور غلاموں کی آزادی ہی نیکیوں کی جڑیں ہیں۔ اور اس راہ میں ہر قسم کی جدوجہد زحمت کشی ومحنت وایثار وقربانی۔ اصل نفس کشی وریاضت ہے اور سب کے آخر میں اور سب سے بڑھکر اس نے مسلمانوں کو اللہ کے آستانہ قدس کے سوا دنیاوی قوت کے ہر آستانہ سے بے نیاز کردیا۔ خدائے قادر کی قدرت کے سوا ہر قدرت سے وہ بے نیاز اور ہر قوت سے وہ بے پرواہ ہوگئے۔ انھوں نے فرعونوں کو دریا میں دھکیل دیا۔ نمرودوں کے تخت الٹ دیئے۔ ہامانیوں کی سلطنتیں چھین لیں۔ اور شدادیوں کی بہشت پر قبضہ کرلیا اور وہ یہ سب اس لئے کرسکے کہ انھوں نے ان سب جھمیلوں کے ساتھ ہر رشتہ محبت کو توڑ کر صرف خدا سے اپنا رشتہ جوڑا تھا۔ ان کے ہر عمل کی غایت اللہ کی خوشنودی اور رضامندی تھی۔ تو اللہ بھی ان سے خوش ہوا۔ اور اپنی خوشنودی کا ہر خزانہ ان کے لئے کھول دیا۔

قرآن نے اللہ والوں کی جماعت پیدا کی۔ جو اللہ ہی کے لئے پکڑتی اور چھوڑتی تھی۔ اور اللہ ہی کے لئے دیتی اور لیتی تھی اور اسی کے لئے جیتی اور مرتی تھی۔

مسلمانو! ربانی قوت کا یہ سرمایہ اب بھی تمہارے پاس ہے۔ اور اللہ کے اس خزانۂ رحمت کی کنجی اب بھی تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ ہمت کرو۔ اور ادب سے اس کے اوراق کھولو۔ اس کے معنوں کو سمجھو۔ اس کی باتوں پر یقین کرو۔ اور اس کے حکموں کو مانو اور عمل کرو پھر دیکھو کہ تم کہاں سے کہاں پہنچتے ہو۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

(معارف)

✤

ہمارا حقیقی مصلح کون ہے؟

(مترجمہ مولوی محمد امین صاحب شوق مبارکپوری متعلم مدرسہ رحمانیہ)

انسان کے نزدیک اس کے نفس سے زیادہ کونسی چیز زیادہ عزیز ہو سکتی ہے؟ کون ہے جسے انسان اپنی ذات سے بھی زیادہ اپنے لطف وکرم، فضل وانعام کا زیادہ مستحق قرار دے سکے؟ کس کی ہستی ہے جسے انسان اپنے نفس سے بھی زیادہ اپنا خیر خواہ اور ہمدرد سمجھے؟

یقیناً انسان کا نفس ہی خود اپنا آپ بہترین ہمدرد، سچا خیر خواہ اور مخلص ہمنوا ہے۔ ہاں اس کا انکار نہیں کہ شفیق باپ کی قیمتی نصیحتیں، مخلص بھائی اور سچے دوست کی ہمدردانہ باتیں، مرشد صادق کی بزرگانہ ہدایات، کسی نیک دل خطیب اور اصلاح پسند واعظ کے ناصحانہ کلمات بھی کارگر ہو سکتے ہیں بشرطیکہ آپ ان پر توجہ کریں۔ ارادت وعقیدت کے ساتھ ان پر دھیان دیں دل سے سنیں اور محفوظ رکھیں۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ ان کی تعمیل کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں، اور ان کی بجاآوری کیلئے نفس کو آمادہ رکھیں لیکن ساتھ ہی یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ ان تمام مذکورہ بالا حضرات کی خیر خواہانہ وہمدردانہ باتوں کے متعلق کوئی نہ کوئی پہلو خود اپنی غرضمندی یا کسی نوع کی سوظنی کا بھی پیدا کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً باپ کے متعلق آپ کو گمان ہو سکتا ہے کہ ان کی ساری نصیحتیں، خیر خواہیاں محض اسلئے ہیں کہ آپ ان کے حق میں ان کے لائق فرزند، سعادتمند اور فرمانبردار اولاد ثابت ہوں۔ اور اسی طرح کسی غلطی پر اپنے بھائی یا دوست کے ٹوکنے کو ان کی عیب جوئی وعیب بینی اور خوامخواہ کی نصیحتی پر محمول کر سکتے ہیں۔ نیز خطیب، مرشد اور واعظ کی ہدایتوں کے متعلق بھی یہ خیال کر کے لاپرواہی برت سکتے ہیں کہ ان لوگوں کی باتیں صرف دوسروں ہی کیلئے ہوتی ہیں، اوروں کو یہ لوگ بھلائی اور نیکی کی تعلیم دیتے ہیں لیکن خود کو بھول جاتے ہیں۔ پس ان نصیحت کرنے والوں کے متعلق آپ کے دل میں اس قسم کے شبہات کا پیدا ہو جانا ان ناصحین کے مقاصد میں مخل ہوگا۔ اور کبھی آپ وہ راہ اختیار نہیں کر سکتے جس پر یہ لوگ آپ کو چلانا چاہتے ہیں۔

پس آیئے اب میں آپ کو آپ کے لئے ایسا مخلص ناصح بتاؤں جس کے اخلاص میں آپ کو ہرگز شک کی گنجائش نہ ہو، آپ اس پر ہر طرح کا اعتماد اور وثوق رکھتے ہوں، اور آپ کا اس کی بابت یہ اعتقاد ہو کہ یہ میرے حق میں سراپا خیر ہی خیر اور سعادت ہی سعادت ہے۔ اور اسکی جتنی نصیحتیں ہوتی ہیں سب کی سب اخلاص پر مبنی ہیں۔ اس کی محبت حقیقی محبت ہے اور وہ میرا سچا خیر خواہ ہے۔ پس سنئے وہ خود آپ ہی کی ذات اور آپ ہی کا نفس ہے، آپ کو چاہیئے کہ اپنے نفس کی اصلاح کیلئے خود اپنے ہی نفس کو ناصح، مرشد، مصلح، واعظ، آمر و ناہی، ڈانٹنے والا، مدافعت کرنیوالا بنائیں۔ وہ جس بھلائی کی طرف بلائے اس کی اطاعت کرنی چاہیئے اور جن منکر باتوں سے باز رہنے کا حکم دے اس سے رک جانا چاہیئے اور اسی سے نصیحتیں حاصل کرنی چاہئیں۔ اسی کو اپنا رہنما بنانا چاہیئے۔ کیونکہ سچا رہبر اور حقیقی مرشد وہی ہے۔ کسی نے کہا ہے "مَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مِنْ نَفْسِهٖ وَاعِظٌ، لَمْ تَنْفَعْهُ الْمَوَاعِظُ" جس شخص کا نفس خود اس کے لئے واعظ نہ ہو اس کے حق میں مواعظ نفع بخش ثابت نہ ہونگے۔ شاید

آپ نے دانشمند شاعر کا قول سنا ہوگا ؎

لا ترجع الانفس عن غيها ما لم يكن منها لها زاجر

ترجمہ۔ انسان برائیوں سے باز نہیں رہ سکتا جب تک کہ خود اس کا نفس اُسے اس سے باز نہ رکھے۔" دوسرا شاعر کہتا ہے ؎

ما عاتب الحر الكريم كنفسه والمرء يصلحه الجليس الصالح

ترجمہ" کسی نیک طینت انسان کیلئے اس کا نفس ہی بہترین مصلح ہے اسلئے کہ وہ اس کا ہمنشین ہے" اور ایک صالح ہمنشین آدمی کی پوری اصلاح کردیتا ہے۔ انسان اپنے لئے بہترین استاذ، لائق مصلح، سچا ناصح اور عمدہ مرشد ہے اور وہی اپنے آپ کو اپنی برائیوں پر اچھی طرح تنبیہ کرسکتا ہے اور وہی اپنا سچا رازدار اور مونس ہے بشرطیکہ اس کی رازداری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائے۔ ہمیں اپنے نفسانی علاج کی طرف بہت جلد پیش قدمی کرنی چاہئے اور ان تیر بہدف دواؤں کا استعمال بہت جلد کرنا چاہئے جن کے ذریعہ ہم سے پہلے لوگوں نے اپنے اپنے نفوس کی اصلاح کی پس ان کے نفوس درست اور ان کے قلوب صحیح ہوگئے نفس کی اصلاح کیلئے مندرجہ ذیل ہدایات پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

(۱) جب ہم کسی میں کوئی اخلاقی عیب، یا نفسیاتی اور ادبی مرض دیکھیں تو اپنے نفس پر ایک غائر نظر ڈالیں کہ کیا ہم بھی اس عیب سے ملوث اور اس نقص و بیماری سے متاثر ہیں؟ اگر ہمیں ہمارا نفس ان عیوب و نقائص سے آلودہ نظر آئے تو پوری کوشش اور کامل جد و جہد سے اپنے آپ کو ان کے ترک پر مجبور کرنا چاہئے! اگر اللہ کے فضل سے ہم میں وہ بیماریاں نہ ہوں تو اس پر خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے مزید فضل و انعام کی توفیق طلب کرنی چاہئے۔

(۲) اگر آپ کسی شخص میں خلق عظیم اور عادت کریمانہ محسوس کریں تو اپنے آپ پر بھی ایک غائر نظر ڈالکر دیکھیں کہ آپ کا نفس ان صفات حمیدہ کا حامل ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈی اور کلیجہ کو تر کیجئے، اور اگر خدانخواستہ آپ ان صفات کریمانہ سے خالی ہوں تو ان کو اپنے اندر پیدا کرنیکی تڑپ اور حاصل کرنیکی ہر ممکن کوشش کیجئے۔ اور اسوقت تک دم نہ لیجئے تاوقتیکہ وہ آپ کے اندر صحیح طور پر پیدا نہ ہوجائیں۔

(۳) آپ کے دشمن آپ کو جن جن چیزوں سے متہم، اور جن جن نقائص کو جتا کر آپ کو شرمندہ کرتے ہیں انھیں نہایت خندہ پیشانی اور وسعت صدری سے سکر ان پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ آیا آپ کے اندر حقیقتاً وہ عیوب و نقائص پائے بھی جاتے ہیں یا نہیں؟ اگر آپ کا نفس ان عیوب کا شکار ہے تو آپ کو برہم اور رنجیدہ خاطر ہونے کے بجائے جلد از جلد ان کے ازالہ اور تدارک کیلئے سعی بلیغ سے کام لینا چاہئے!

(۴) اور اپنے نفس کی نکتہ چینی نہایت شدت سے کرنی چاہئے۔ اگر کوئی نقص معلوم ہوجائے تو اس سے درگذر اور اغماض نہ کرنا چاہئے بلکہ سختی سے اس پر کنٹرول کرنا چاہئے اور اس کے قلع قمع کرنے کیلئے کمر بستہ ہونا چاہئے۔ نیز توبہ و طلب مغفرت کیلئے عزم بالجزم کرلینا چاہئے اسی کو اللہ نے بیان فرمایا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (پ۹ ع۱۴) ترجمہ جو لوگ متقی ہیں، اگر انھیں شیطان کے وسوسہ اندازی سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو فوراً چونک اٹھتے ہیں اور پھر (پردہ غفلت اس طرح ہٹ جاتا ہے گویا) اچانک آنکھیں کھل گئیں۔

[redacted]

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ، فَأُولٰئِكَ يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا۔ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ، وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ط أُولٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۔ (پ ۴ ع ۱۴) ترجمہ البتہ یاد رہے کہ اللہ کے حضور توبہ کی قبولیت انھیں لوگوں کے لئے ہے جو برائی کی کوئی بات نادانی و بے خبری میں کر بیٹھتے ہیں تو پھر فوراً توبہ کر لیتے ہیں (اور ان کا ضمیر اپنے کئے پر پشیمانی محسوس کرتا ہے) تو بلا شبہ ایسے ہی لوگ ہیں کہ اللہ بھی (اپنی رحمت سے) ان پر لوٹ آتا ہے اور یقیناً وہ سب کچھ جاننے والا اور (اپنے تمام احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے! لیکن ان لوگوں کی توبہ توبہ نہیں ہے جو (ساری عمر تو) برائیاں کرتے رہے لیکن جب ان میں سے کسی کے آگے موت آکھڑی ہوئی، تو کہنے لگا اب میں توبہ کرتا ہوں (ظاہر ہے کہ ایسی توبہ سچی توبہ نہ ہوئی) اسی طرح ان لوگوں کی توبہ بھی توبہ نہیں ہے جو دنیا سے کفر کی حالت میں جاتے ہیں۔ ان تمام لوگوں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے (جو ان کو پاداش عمل میں پیش آئیگا!)

(۵) اگر آپ کا نفس کبھی کسی برائی پر آمادہ کرے تو اس کی مخالفت کی کوشش کیجئے اس طرح آپ کی قوت ارادیہ میں پختگی پیدا ہوگی اور جب آپ اپنے ارادہ پر غالب آجائیں گے تو نفس اور شیطان کو آپکے گمراہ کرنے کا موقع ہاتھ نہ لگے گا۔

(۶) بدکرداروں و بداخلاقوں، بے دینوں و بے عملوں کی صحبت، ان کی دوستی اور ہمنشینی سے حتی الامکان بچتے رہنا چاہئے۔ اسلئے کہ بداخلاقی و بدعملی ایک بہت جلد سرایت کر جانیوالا مرض ہے کسی دانا کا قول ہے (لَا تُعَانِ إِصْلَاحَ مَنْ تَوِيَ فَسَادُهُ فَيُجِيلُكَ إِلٰى فَسَادِهِ قَبْلَ أَنْ تُجِيلَهُ إِلٰى صَلَاحِكَ) ترجمہ اس شخص کی اصلاح کی کوشش نہ کرو جس کے اندر برائیاں جڑ پکڑ چکی ہوں، اسلئے کہ قبل اس کے کہ تم اس کو اپنی اصلاح کی طرف لے آؤ۔ وہی تمکو اپنی برائیوں کی طرف کھینچ لیگا۔

(۷) بزرگوں اور نیک لوگوں کی ہمنشینی کو اختیار کرنا چاہئے اور اپنے نفس کو انکی روش پر چلانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

(۸) جن لوگوں نے نفس امارہ کو اپنی ثابت قدمی سے شکست دی اور جن حضرات نے نفس کی مخالفت اسلام کے خلاف جذبہ پیدا کرنے پر کی ان کے کارہائے نمایاں پڑھتے رہنا چاہئے اسلئے کہ اس سے روح کو طاقت ایمان وایقان میں زیادتی کا مادہ اور اسوۂ حسنہ کے اختیار کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔

(۹) اپنے نفس کی مخالفت کے لئے ایک تیز ہتھیار رہنا چاہئے اگر ذرا بھی ڈھیل دی گئی تو یاد رکھئے کہ فساد میں نہ صرف جری بلکہ وادی ضلالت کی اس طرح ہوا کھلائیگا کہ رہائی اور چھٹکارہ حاصل کرنا ناممکن ہو جائیگا۔

(۱۰) بغرض استراحت جب بستر پر لیٹیں تو روزانہ ہر شب کو اپنے نفس کا محاسبہ کیجئے اور سوچئے کہ آپنے کون سے بھلے اور نیک کام کئے اور کن کن برائیوں میں حصہ لیا، پھر دل میں یہ پختہ ارادہ کرنا چاہئے کہ اس سے بھی بڑھکر آئندہ نیکی اور کار خیر کرونگا اور برائیوں سے پوری جدوجہد کے ساتھ بچوں گا۔ اسی طرح روزانہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہئے۔

اب میں اپنے پروردگار سے نہایت خلوص کے ساتھ دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان چیزوں کی توفیق عطا فرمائے جس سے ہم اپنے نفوس کی اصلاح اور پاکیزگی حاصل کر سکیں ع این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

صفحۂ نسواں

عورت کو کیسا رہنا چاہیئے؟

(از جناب شوکت اللہ صاحب انصاری)

بیاہی ہوئی عورتوں کا بچہ ہو جانے کے بعد دل سے اتر جانا وہ پرسوز نغمہ ہے جو ہر مصلح کی زبان پر ہے۔ ہمارے خیال میں مرد و عورت دونوں اپنے فرائض اور ایک دوسرے کے حقوق سے ناواقف یا غافل و بے پروا ہوتے ہیں۔ جسکی وجہ سے وہ بدترین صورت پیدا ہو جاتی ہے جسے نہ مرد چاہتا ہے اور نہ عورت۔ مردوں کے فرائض پر ہم پھر کبھی بحث کرینگے۔ آج ہم چند ایسی چیزوں پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں جن پر عمل کرکے ۹۹ فیصدی عورتیں آرام اور اچھی طرح سے زندگی گذار سکتی ہیں۔

(۱) **عورت کو تصنّع سے پاک رہنا چاہیئے** فطرت کے خلاف اور جسمانی موزونیت کے نامناسب اشیاء کے استعمال کا نام تصنع ہے تصنع نہ صرف یہ کہ قدرت کی حقیقی خوبیوں کو زائل کر دیتی ہے اور نہ صرف یہی بلکہ بسا اوقات مصائب سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ تہذیب نو سے متاثر ہو کر اکثر نوجوان لڑکیاں اور عورتیں یہ سمجھ بیٹھتی ہیں کہ ہم صرف تصنع اور بناوٹ ہی سے قابل احترام بن سکتی ہیں اور جاذب و دلکش بننے کا یہی ایک ذریعہ ہے بلاشبہ وقتی طور پر وہ اس طرح اپنا مقصد حاصل کر سکتی ہیں لیکن انجام کے اعتبار سے یہ فعل بہت برا ثابت ہوگا کیونکہ اگر آپ کی جاذبیت و دلکشی کا راز تصنع و بناوٹ پر منحصر ہے تو اس بات کا یقین رکھئے کہ آپ کا ستارہ اقبال بہت جلد گردش میں آجائیگا اور آپ کی مقبولیت بھی باقی نہ رہیگی کیونکہ عارضی چیز کبھی دائمی نہیں ہو سکتی اس لئے لازمی طور پر آپ پر کبھی ایسا وقت بھی آجائیگا جبکہ آپ اس تصنع کو برقرار نہ رکھ سکیں گی حالانکہ آپ کی ساری مقبولیت کا راز اسی میں مضمر تھا اس حالت میں جو نتیجہ ہوگا ظاہر ہے کہ آپ کے حق میں اچھا نہ ہوگا اس کے برخلاف اگر آپ اپنی ذاتی خوبیوں اور خلقی اوصاف کی وجہ سے دلوں میں اپنی جگہ پیدا کرینگی تو ہمیشہ کامیاب و بامراد رہیں گی۔ قدرت ہر عورت کو زیب و زینت کے خاص خاص اوصاف سے نوازتی ہے اور بہترین و قابل احترام صفتوں سے متصف کرتی ہے۔ جو اوروں میں نہیں پائی جاتیں اور جن کی وجہ سے یہ اوروں سے ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا ہر عورت کو چاہیئے کہ وہ سب سے پہلے اپنے ان اوصاف حسنہ و صفات مخصوصہ کو معلوم کرے جن کی وجہ سے خاص درجہ حاصل کر سکتی اور ممتاز ہو سکتی ہے پھر وہ تمام تکلفات سے کنارہ کش ہو کر انھیں چیزوں کو اختیار کرتے اور درجہ اتم تک پہنچانے کی کوشش کرے اس طرح وہ جو مرتبہ حاصل کریگی وہ ہمیشہ باقی رہنے والا اور نیک انجام ثابت ہوگا۔

آجکل مصنوعی اسباب زینت و آرائش کا استعمال عام ہے اور یہ متعدی مرض شہروں سے گذر کر دیہاتوں میں بھی پہنچ چکا ہے اس سلسلہ میں عارضی طور پر چہروں میں دلکشی و جاذبیت پیدا کرنیوالی چیزوں کا نام زیادہ نمایاں ہے حالانکہ بعد میں ان کی بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اول تو اس کو برقرار و قائم رکھنے کیلئے بیجا تکلفات کرنے پڑتے ہیں پھر ایسا کرکے شوہر کو بھی عارضی دلکشی و جاذبیت کا شعبدہ بنا دیتی ہیں ایسی حالت میں انھیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب وہ ایسا نہ کر سکیں گی اسوقت انکا شوہر جو عارضی چمک دمک زیبائش و آرائش کا عادی ہو چکا ہے کس طرح سے پیش آئیگا۔

پاؤڈر کا استعمال ویسے بھی مضر صحت ہے لیکن اس کا اور اس جنس کی دوسری چیزوں کا مسلسل اور ہمیشہ کا استعمال چہرہ کی ہیئت کو بھی تبدیل کر کے بھدا اور کریہہ بنا دیتا ہے۔

یہ مرض بھی عام ہے کہ عورتیں اچھا سے اچھا اور قیمتی سے قیمتی لباس پہننا چاہتی ہیں۔ نہ وہ اپنے جسم کا لحاظ کرتی ہیں اور نہ گھر کی اقتصادی و ذہنی حالت کا۔ بعض عورتیں ایسی بھی دیکھی گئیں ہیں جو اپنی حیثیت سے گرا ہوا لباس استعمال کرتی ہیں حالانکہ یہ دونوں صنفوں کی سراسر نادانی ہے اس کے لئے ہمیشہ یہ قاعدہ کلیہ یاد رکھئے کہ لباس ایسا ہونا چاہیئے جو ہر لحاظ سے مناسب وموزوں ہو۔ نہ حیثیت سے گرا ہوا ہونا چاہیئے نہ زیادہ بلکہ درمیانی لباس استعمال کرنا چاہیئے۔ موسم کے مطابق اور شکل وصورت، قدوقامت کے مناسب ہونا چاہیئے۔ ایک کپڑا چاہے کتنا ہی قیمتی کیوں نہ ہو لیکن اگر وہ آپ کو سجتا نہیں۔ اس سے شکل نکھرنے کے بجائے بھدی اور خراب ہوجاتی ہے۔ یا وہ قدوقامت کے لحاظ سے موزوں نہیں۔ یا موسم کے خلاف ہے تو وہ اپنی تمام خوبصورتی وگرانی کے باوجود آپ کے کسی کام کا نہیں۔

اگرچہ آپ کے حسن وجمال ظاہری زیبائش وآرائش کے محتاج نہیں۔ لیکن حیثیت وشان کے لوازم کا خیال رکھنا ضروری ہے اس لئے لباس ہمیشہ ایسا پہننا چاہیئے جو نہ حیثیت سے گرا ہوا ہو اور نہ بڑھا ہوا، قدوقامت کے مناسب ہو، شکل وصورت کو نکھارنے والا ہو، اور موسم کے خلاف نہ ہو۔

اگرچہ فربہ وموٹا ہونا برا سمجھا جاتا ہے اور اسی لئے موٹی عورتیں دواؤں کا استعمال کر کے دبلی، پتلی، اور موزوں جسم بننا چاہتی ہیں لیکن مٹاپا اور فربہی صرف اسوقت معیوب سمجھا جاتا ہے جبکہ لباس قدوقامت، شکل وصورت رنگ وروپ اور موسم کا لحاظ کئے ہوئے بغیر استعمال کیا جائے۔ اگر کپڑے کے انتخاب میں ان چیزوں کا خیال رکھا جائے تو بہت سی پتلی، دبلی، نازک اندام عورتیں بھی انکے سامنے ماند پڑجائیں۔

غرض ایک عورت کو ہر قسم کے تصنع وبناوٹ سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ خلقی اوصاف اور حقیقی خوبیوں کے حق میں زہر قاتل ثابت ہوتا ہے۔

(۲) عورت کو اپنی عمر کا ساتھ دینا چاہیئے

آجکل کی شادیاں عموماً جذبات کے ماتحت ہوتی ہیں۔ جو عورت جسقدر زیادہ دلکش جاذب اور دلفریب ہوتی ہے۔ اسی قدر زیادہ مقبول ہوتی ہے۔ مردوں کی نظریں زیادہ تر شباب کی رعنائیوں پر رہتی ہیں جس کی وجہ سے عورتیں یہ خیال کرتی ہیں کہ ہمیشہ ۱۸ - ۲۰ سال کی نئی نویلی دلھن بنی رہنا چاہیئے۔ لیکن انھیں اپنی نظروں کو اور وسیع کر کے یہ دیکھنا چاہیئے کہ مکروفریب کا پردہ ضرور چاک ہو کر رہتا ہے۔ ایک ۴۵ یا ۵۰ سالہ عورت کوشش بسیار اور نوجوانوں کی طرح لباس پہنکر ان کے لب ولہجہ میں گفتگو کر کے ان کا طریق رہن سہن اختیار کر کے جوان نہیں بن سکتی، اس کی یہ کوشش یکسر غیر طبعی ہونے کی وجہ سے تصنع وبناوٹ کو نمایاں وعریاں کر کے نظروں میں اور حقیر کردیگی۔ جو دلکشی وتازگی، فرحت وبہجت، رونق وخوبصورتی شباب اور عہد جوانی میں ہوتی ہے وہ عمر کے ڈھل جانے وبڑھاپے کے آجانے کے بعد کسی صورت میں باقی نہیں رہ سکتی۔ باقی رہنے والی چیزیں تو صرف اور صرف صفات حسنہ اور خلقی نیک اوصاف ہیں۔ جو کہ خود بھی طول وزیادتی عمر کے ساتھ راسخ ہو کر درجۂ کمال

کو پہنچ جاتے ہیں، جن کی قدر و قیمت دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ اور یہ وہ چیزیں ہیں جن کے سامنے شباب کی رونق و تازگی جوانی کی رعنائی کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ پھر مرد کی جسقدر زیادہ عمر ہوتی ہے اسیقدر اس کی توجہ بھی ان کی طرف سے ہٹ کر اس طرف مائل ہو جاتی ہے۔ اس کی نظروں میں شباب کی رعنائیوں اور مستیوں کی قدر و قیمت زیادہ نہیں رہ جاتی بلکہ اس کی توجہ ان چیزوں سے ہٹ کر ان اوصاف حسنہ وصفات خلقیہ کی طرف منعطف ہو جاتی ہے جو کہ زیادتی عمر کے ساتھ بڑھتی اور پختہ ہوتی رہتی ہیں۔ اور انسان کو کامل بنا دیتی ہیں۔ شباب کی رعنائیوں و سرمستیوں کو ثبات و دوام نہیں۔ یہ دن بدن ڈھلتی جاتی ہیں۔ لیکن اب عورت کے مستور اوصاف دن بدن اجاگر اور نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ اور مرد کی نظر میں شباب کی رنگینیوں و سرمستیوں کا قائم مقام بن جاتے ہیں۔ اسلئے یہ سمجھنا کہ دلکشی و رعنائی تازگی و رونق ہی کے ذریعہ اچھا رتبہ و بہتر مقام حاصل ہو سکتا ہے اور مرد کی نظر میں ہمیشہ انھیں چیزوں کی جویاں رہتی ہیں سراسر غلطی ہے۔ اگر ایک ۵۰ یا ۴۰ سالہ عورت عزت و احترام حاصل کرنا چاہتی ہے تو اس کے لئے مناسب ہے کہ وہ اپنی عمر کا لحاظ کر کے آرائش و زیبائش کرے۔ ایسا کپڑا پہنے جو اس سن و سال کے مناسب ہو۔ نہ یہ کہ وہ ۱۹ یا ۲۰ سالہ نوجوان کے مشابہ بننے کی کوشش کرے۔ ایسی عورت کے لئے اسباب آرائش و زیبائش کپڑے، پوڈر، لونڈر لپ اسٹک غازے وغیرہ نہیں بلکہ وہ چیزیں ہیں جن کا تعلق باطن سے ہے۔ اسے چاہئے کہ اپنے اخلاق و عادات، تدبر و دانش مندی، ہوشیاری وزیرکی سے مرد کے دل پر قبضہ کئے رہے کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں جو اس کی منزلت و مرتبت کو لازوال و غیر فانی بنا دینگی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ عورت کو اپنی عمر کا ساتھ دینا چاہئے۔ اگر وہ اس کے برخلاف کریگی تو اس کے افعال غیر طبعی رسوا اور ذلیل کر دینے والے ثابت ہوں گے۔

(۳) وقت اور مناسبت کا خیال رکھنا چاہئے عورت کو سسرال پہنچنے کے بعد سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کا یہ نیا ماحول کیسا ہی خاندان والے کس حیثیت و رتبہ کے ہیں تمام لوگ انھیں کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ پھر جس حال میں انھیں پائے وہی حال اپنا بھی بنالے جس رنگ میں رنگا ہوا انھیں دیکھے اسی میں خود بھی رنگ جائے۔ انھیں کی طرح طرز معیشت رکھے۔ انھیں کے طریقہ بود و باند کو اختیار کرے۔ ان کی عزت و حیثیت کے مطابق رہے ان سے کم یا زیادہ حیثیت کے امور تمدن و تہذیب نہ اختیار کرے۔ غرض اپنی سابقہ عادتوں میں تبدیلی کر کے اسی خاندان کی ایک رکن اور اُسی قبیلہ کی ایک فرد بن جائے۔ کسی دیکھنے والے کو یہ سمجھنے کا موقعہ نہ دے کہ وہ کسی غیر خاندان کی ہے۔ بلکہ وہ انھیں میں کی ایک ان کے مرتبہ و اقبال بڑھانے میں کوشاں، اور ان میں کی ایک فرد بن جائے۔ کیونکہ ان کی مخالفت کر کے وہ کسی طرح سے بھی کامیاب زندگی نہیں گزار سکتی۔

اسی طرح اسے اپنے اسباب سامان تزئین، اسباب آرائش اور لباس وغیرہ کے پہننے، اختیار کرنے اور استعمال کرنے میں بھی وقت اور مقام کا لحاظ کرنا چاہئے، زیورات کا استعمال بلاشبہ حسن کو دوبالا کر دیتا اور جمیل و دلکش بنا دیتا ہے لیکن اگر کوئی عورت انھیں گھر کے کام کاج کے اوقات یا کھانے کی حالت میں استعمال کرے تو سوائے پھوہڑ، بدتہذیب و کم عقل کے اُسے اور کیا کہا جائیگا۔ زیورات کے استعمال کا بہترین وقت رات ہے۔ کیونکہ یہ بجلی یا لیمپ کی مصنوعی روشنی اور

تاریکی میں چمکتے اور بہت زیادہ بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جواہرات اور زیورات کے استعمال کے صرف دو ہی وقت ہیں۔ (۱) خوشی اور تقریب کے موقعہ پر (۲) رات میں شوہر کے پاس شب باشی کی حالت میں۔ اس کے علاوہ اس کیلئے اور کوئی وقت بہتر و موزوں نہیں۔

(۴) عورت کو میکہ بھول جانا چاہیئے۔ ہر عورت کو سسرال میں قدم رکھتے ہی یہ سوچ لینا چاہیئے کہ یہ چوکھٹ غیر کی ہے اور یہ مکان دوسرے کا ہے۔ اب تک اس گھر والے اس کے غیر تھے۔ انھیں اس سے کبھی سابقہ نہیں پڑا وہ اس کے عادات و خصائل سے ناواقف، اس کی سیرت و کردار سے ناآشنائے محض اور اس کے رہنے سہنے کے طریقہ سے بے خبر ہیں پھر جبکہ اجنبیت و ناآشنائی کے اتنے پردے حائل ہیں تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ فوراً ہی اس کے دل کی بات معلوم کر لیں اور اس کی مرضی کے مطابق کام کریں۔ لہذا اسے وہاں تکلیفیں بھی پہنچینگی، خلاف طبع چیزوں سے بھی سابقہ پڑیگا۔ غیر خوش آیند باتیں بھی سامنے آئیں گی مگر اسے ان سب چیزوں کو برداشت کرنا چاہیئے کیونکہ وہ ایک غیر جگہ اور غیر گھر میں ہے جہاں اس کے مزاج سے کوئی واقف نہیں جہاں والے اس کی عادتوں سے ناآشنا ہیں۔ سب سے بڑھکر یہ کہ وہ وہاں ناز برداری کرانے نہیں بلکہ کرنے جارہی ہے۔ لہذا اسے گھبرانا اور پریشان نہ ہونا چاہیئے اور نہ وہاں کی تکلیف و مصیبت قید و حبس کی زندگی سے دل برداشتہ ہونا چاہیئے۔ انکو حقیر نہ سمجھنا چاہیئے۔ عورتوں میں بہت بری عادت ہے کہ سسرال کی ذراسی بھی جائز یا ناجائز تکلیف نہیں برداشت کر سکتیں اور سسرال والوں کے سامنے بھی میکہ کی راحت و آسایش، عیش و آرام، آزادی و بے پروائی کا تذکرہ کرتی ہیں اور سسرال کی زندگی کی برائی اور ان کے متعلق حقارت آمیز الفاظ استعمال کرتی ہیں، ہمارے ابا ہمیں اس طرح چاہتے تھے، ہماری اماں ہم پر یوں فدا ہوتی تھیں، ہم گھر پر تنکا بھی نہیں توڑتی تھیں، بھائی بہن ہم پر جان چھڑکا کرتے تھے، ذراسی تکلیف پر ڈاکٹروں، اور حکیموں کا تانتا بندھ جایا کرتا تھا۔ آرام سے رہتی تھیں نہ کسی چیز کی فکر تھی نہ کسی کا ڈر تھا نگوڑا یہاں کیا آئے کہ زندگی عذاب میں پڑگئی۔ ہر وقت کام ہر وقت کام دھندا، ہوکیلے آئیں نوکرانی کی ضرورت نہیں رہی، مر بھی جائیے مگر حکیم ڈاکٹر کا نام بھی نہ لیا جائیگا۔ ہر وقت فکر ہر وقت ڈر۔ زندگی نہ ہوئی عذاب ہوگئی لعنت ایسی زندگی اور ایسے گھر والوں پر ہماری عورتوں کا اسی قسم کا ایک لمبا چوڑا لکچر ہوتا ہے جو ساس نندوں اور سسرال والوں کو مخاطب کرکے دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ سوائے بدہونے کے اچھا نہیں ہوسکتا۔ کوئی باغیرت شخص اپنی توہین و تحقیر ٹھنڈے دل سے دیکھ سُن نہیں سکتا۔ اس کا نتیجہ آپس میں بددلی، نفرت، وعداوت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اچھا خاصا امن و اطمینان کا گھر جنگ کا میدان بنجاتا ہے۔ جس کی پوری ذمہ دار بہو ہی ہوتی ہے۔ اگر وہ ایسی بیکار چیز نہ چھیڑے تو یہ نوبت کبھی بھی نہ آئے الغرض اسے میکہ اور میکہ کی ساری باتوں کو بھول جانا چاہیئے۔ اُسے یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کی زندگی یہیں سے شروع ہوئی ہے اُسے اسی دنیا کو آباد کرنا اور اسی گھر کو اپنا گھر سمجھنا چاہیئے۔

یہ سمجھنا کہ اگر وہ یہ طریقہ اختیار کریگی تو ہمیشہ کے لئے مصیبت کی آماجگاہ بن جائیں گی اور ان مصیبتوں اور تکلیفوں کا کبھی خاتمہ ہی نہ ہوگا۔ سراسر غلط فہمی ہے۔ کیونکہ خدمت، وفاشعاری، اچھے اخلاق، خوش خلقی، خندہ روئی، محبت وغیرہ وہ ہتھیار ہیں جنھیں استعمال کرکے آپ سخت سے سخت دلوں کو بھی نرم اور اپنی طرف مائل بنا سکتی ہیں اگر آپ ایسا کریں گی تو یقین

رکھیں کہ آپ شمع محفل، چراغ خانہ، گھر کی ملکہ اور آنکھوں کا نور بن کر رہیں گی اور آپ کی جہنم سے بدتر زندگی رشک فردوس بن جائیگی

(۵) ہمیشہ صاف ستھرا اور سادہ رہنا چاہیئے

آجکل مصنوعی اسباب آرایش کی بہتات ہے اور بیسیوں قسم کی دوائیں محض چہرہ کی دلکشی ورعنائی رونق وزیبائش کیلئے بازار میں بکتی ہیں ہم نے پہلے کسی مقام پر بحث کرتے ہوئے ان کے مضر اثرات ونقصانات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کے مسلسل اور متواتر استعمال کرنے سے روکا ہے لیکن اگر اعتدال، حکمت ودانش مندی کے ساتھ موسمی عوارض سے بچنے اور اعضار کی طبعی رونق اور دلکشی کے تحفظ وبقار اور نمایاں کرنے کے لئے کبھی کبھی ان کا استعمال کرلیا جائے تو کوئی حرج اور نقصان نہیں۔ پاوڈر وغیرہ مصنوعی اسباب تزین کی مخالفت کا اصلی اور اہم سبب یہ ہے کہ اگرچہ ان کا استعمال لطافت وپاکیزگی کیلئے ہوتا ہے اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ چہرہ ودیگر اعضار موسمی تغیرات یا سستی وغفلت کی وجہ سے بُرے بھدے اور ایسے نہ ہوجائیں کہ دیکھکر طبیعت مکدر ہوجائے، لیکن ہمارے یہاں اس کا استعمال صحیح طریقہ سے نہیں کیا جاتا جس کی وجہ سے بجائے فائدہ کے نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور چہرہ رعنا ودلکش ہونے کے بجائے بھدا اور بدنما ہوجاتا ہے۔ ان کے استعمال کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اول پاوڈر یا اور کسی قسم کی کوئی روغنی چیز چہرہ پر مل لی جائے اور پھر گرم پانی سے اچھی طرح صابن ملکر دھو، یا نہا لیا جائے۔ اور اس کے بعد چہرہ یا جسم کو کسی موٹے کپڑے یا تولیہ سے صاف کرلیا جائے لیکن عورتیں اتنی زحمت ومشقت گوارا نہیں کرتیں اور صرف پاوڈر چہرہ پر مل لیتی ہیں جو کہ غلط ہے اور فائدہ کے بجائے نقصان پہنچاتا ہے۔

عورت کو چاہیئے کہ ہر وقت صاف ستھرا رہے اور سادہ لباس پہنے جس طرح شوہر کے ساتھ شب باشی کی حالت میں وہ پاک وصاف رہتی، اور زینت کا مناسب اہتمام کرتی ہے دیگر اوقات میں بھی ویسے ہی رہے۔ بعض عورتیں گھر میں معمولی کثیف اور میلا کپڑا پہنتی ہیں۔ جو ان کے کوتاہ بین کم نظر، پھوہڑ اور بخیل ہونے کی دلیل کے علاوہ صحت کو نقصان بھی پہنچاتا ہے۔

عورتوں کو کبھی بھی سر جھاڑ منہ پھاڑ نہیں رہنا چاہیئے۔ ہمیشہ بال صاف رکھنا اور کنگھی چوٹی سے آراستہ رہنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے خلاف رہنا شوہر کو متنفر اور بددل بنا دیتا ہے۔ شہری خواتین نے تو یورپین طرز پر فریفتہ ہوکر بالوں کو کھلا رہنا شروع کردیا ہے جو کہ صحت وتندرستی کیلئے مضر نقصان دہ اور نفاست وپاکیزگی کے خلاف ہے۔

(۶) بشاشت ونرم گوئی عورت کا بہترین زیور ہے۔

عورتیں شوہروں کو خوش کرنے کیلئے بے انتہا تکلفات اور غیر معمولی اخراجات کرتی ہیں حالانکہ یہ ایسی چیز نہیں جس کا حصول روپوں پر موقوف ہو یہ بات تو وہ صرف ایک تبسم دلنواز سے حاصل کرسکتی ہیں، عورت کا تبسم، اس کے چہرے کی بشاشت اور نرم گوئی وہ چیزیں ہیں جو ہر دل کو نرم اور خوش کرسکتی ہیں، یہ قدرت کے وہ بیش بہا عطیات ہیں جو غمگین سے غمگین انسان کو بھی ساری تکلیفیں بھلا دینے پر مجبور کردیتے ہیں۔ یہ عورت اپنی اس قوت سے وہ کام لے سکتی ہے جو خزانۂ قارون خرچ کردینے سے بھی سرانجام نہیں پاسکتے۔ ہزاروں خوشحال گھرانے ایسے دیکھے گئے ہیں جو تمول اور دولتمندی کے باوجود جہنم زار بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اسلئے کہ ہر نعمت موجود ہونے کے باوجود ایک چیز کی کمی ہوتی ہے اور وہ ہے عورت کا تبسم۔ کوئی میاں یہ نہیں چاہتا کہ جب وہ گھر میں آئے تو بیوی صورت دیکھتے ہی رو رو کے کاٹ کھانے کو دوڑے اور کہے۔ گھر میں نہ تیل ہے کہ چراغ جلاؤں۔ نہ آٹا ہے کہ روٹی پکاؤں نہ لکڑیاں ہیں جن سے چولھا گرم ہو۔ باہر ہیں ہفت ہزاری گھر میں جورو فاقوں کی ماری۔ میری قسمت تو پھوٹ گئی جو اس

دلدر گھر میں اماں باوا نے جھونک دیا۔ خدا غارت کرے بی سلامت کو جنھوں نے مجھے کٹنی بنکر اس دوزخ میں ڈلوادیا۔ کسی دن بھی دو گھڑی کا سکھ اس گھر میں نصیب ہوا۔ آدھی آدھی رات کو گھر میں آتے ہیں۔ یہ موا بائیسکوپ نہیں معلوم کس موذی نے نکالا۔ جب سنو یہی سنو کہ آج تیتھر والے کنوئیں میں گئے ہیں۔ آج مچھلی والوں کے بائسکوپ کے سامنے کھڑے ٹہل رہے تھے۔ کل پھوارہ کے بائسکوپ کے چکر کاٹ رہے تھے۔ دنیا مری چلی جارہی ہے مگر مجھ کمبخت سے موت بھی کترا کر چلتی ہے۔ میں تو کچھ کھا کر سو جاؤں جب اس دوزخ سے چھٹکارا ملے۔ چاہتے تو سبھی شوہر ہیں مگر ایسے خوش نصیب بہت کم ہونگے جن کی مرضی پوری بھی ہو جاتی ہو۔

عورت کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ یہ باتیں اسوقت کہنے کی نہیں ہیں بلکہ اسے ایسی چیزوں کے لئے مناسب موقعہ کی تلاش میں رہنا چاہیئے جب مل جائے تو سب کچھ کہہ لے مگر یہ ضروری نہیں کہ بات سختی اور غصہ میں بجھی ہوئی ہو۔ اور ایسے وقت ہی کہی جائے جبکہ مرد دن بھر کا تھکا ماندہ گھر میں داخل ہو۔ بڑی سے بڑی بات اگر آہستگی اور نرمی سے مناسب وقت پر کہی جائے تو کبھی بھی بری نہیں معلوم ہو سکتی۔ لیکن اگر چھوٹی سے چھوٹی بات بھی غصہ اور سختی کے ساتھ غیر مناسب وقت میں کہی جائے تو ایسی بات پر شوہر کیا ہر شخص جل بھن کر کباب ہو جائیگا۔ اس لئے جب کبھی بھی شوہر باہر سے آئے۔ یا رنجیدہ ہو ایسی چیزوں کو مت چھیڑو۔ ہنس مکھ چہرے سے اسکا استقبال کرو۔ کھانا آرام سے کھانے دو اسوقت ہنسی اور دلچسپی کی باتیں کرو ہمیشہ خندہ روئی سے پیش آؤ متبسم چہرے سے خیر مقدم کرو۔ اسی طرح تم کامیاب زندگی گذار سکتی ہو۔

میاں کیا چاہتا ہے۔ پچھلے دنوں آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن سے کسی مقرر نے "میاں کیا چاہتا ہے" کے عنوان سے ایک تقریر نشر کی تھی۔ ہم خفیف تبدیلی کے بعد اس کا کچھ اقتباس یہاں درج کرتے ہیں۔ ہر عورت انھیں حرز جاں بنا کر اور ان پر عمل کر کے کامیاب و بامراد زندگی بسر کر سکتی ہے اور اس طرح سے رہ سکتی ہے کہ جنت کی حوریں بھی اس پر رشک کرنے لگ جائیں۔

میاں یہ چاہتا ہے کہ بیوی ہم خیال ہو عقل والی ہو۔ لکھنا پڑھنا جانتی ہو۔ خانہ داری کے حساب سے واقف ہو کھانا پکانا اور پکوانا آتا ہو صاف رہنے کی عادت ہو اپنے لباس اور گھر کے سامان کو صاف رکھے۔ سر جھاڑ منہ پھاڑ نہ ہو۔ صبح اٹھکر کنگھی کر لیا کرے۔ پان کھاتی ہو تو پیک دان میں پیک تھوکے گھر کے فرش اور دیواروں کو اگالدان نہ بنائے۔ میاں چاہتا ہے بیوی فضول اور بیکار قیمتی کپڑے اور قیمتی زیور جمع نہ کرے بلکہ شادی بیاہ عید بقرعید کے خاص موقعوں کے لئے دو چار چیزیں سلیقہ سے گھر میں رکھ چھوڑے۔ اور ان کو ہر موسم میں دھوپ دے اور کپڑوں کو داغ دھبے سے بچائے۔ اور زیور جڑاؤ نہ ہو بلکہ سونے کا ہو اور پرانی طرز کا ہو کیونکہ نئے فیشن کے زیور میں لاگت آئے سو روپے کی اور مال ہو پچیس روپے کا۔ پرانے زمانے کے زیور سو روپے کے خریدو تو نناوے روپے کے جب چاہو بیچڑالو اور سونے کا بھاؤ بڑھ جائے تو سو کے ڈیڑھ سو بن جائیں۔

میاں چاہتا ہے بیوی ایسی ہو جس کو نوکروں سے کام لینا آتا ہو۔ یہ نہ ہو کہ خود کچھ کام نہ کرے سارا کام نوکروں پر ڈال دیا کیونکہ ہندوستان کا کوئی نوکر ہمدردی سے کام نہیں کرتا جب تک کہ گھر کے مالک ان کے سر پر کوچوان کی طرح چابک لئے نہ بیٹھے رہیں اور ان سے کام نہ لیں۔ میاں چاہتا ہے بیوی آمدنی سے خرچ کو نہ بڑھائے ۵۰ کی آمدنی ہو تو ۴۸ خرچ کرے کپڑے درزیوں سے نہ سلوائے خود سیئے یا ایسی نگرانی رکھے کہ درزی کپڑا نہ چرا سکے۔

میاں چاہتا ہے کہ بیوی باورچی خانہ کی نگرانی کر سکتی ہو اور کرتی ہو۔ ماما اور پکانیوالے پر سارا کام نہ چھوڑ دے میاں چاہتا ہے کہ بیوی کے پاس گھر کے تمام اسباب کی فہرست موجود ہو اور وہ بے ضرورت چیزیں نہ خریدے جب ضرورت پڑے تو بازار میں جاکر نئی نئی ضرورتیں پیدا نہ کرے۔ میاں چاہتا ہے کہ بیوی اپنے شوہر کے قرابت داروں اور دوستوں کا ایسا ہی خیال رکھے جیسے میاں رکھتا ہے اور ان کے درجوں کا فرق اچھی طرح سمجھے۔ اور ان کی خاطر مدارات کا خیال رکھے۔ لیکن فقط شیریں کلامی اور اچھے برتاؤ تک محدود رہے۔ کھانے پکانے، لینے دینے کے خرچ نہ بڑھائے۔

میاں چاہتا ہے بیوی ایسی ہو کہ گھر کی ضرورتوں کا سامان خریدنے سے پہلے یہ سوچ لیا کرے کہ چیز اچھی ہو اور زیادہ قیمتی نہ ہو۔ اور یہ بھی کہ گھر میں اس کے رکھنے کی جگہ بھی ہو مثلاً کسی کا گھر بہت چھوٹا ہے اور بیوی نے چار پلنگ اور چھ کرسیاں اور دو میزیں خریدیں اور یہ نہ سوچا کہ ان کو رکھوں گی کہاں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ چیزیں بارش اور دھوپ میں باہر پڑی رہیں گی اور خراب ہو جائیں گی۔ میاں چاہتا ہے بیوی سویرے اٹھکر اپنے گھر کی ہر چیز دیکھ لیا کرے تاکہ اگر کوئی چیز بے سلیقہ رکھی ہو اور خراب ہو رہی ہو تو وہ ٹھیک ہو جائے۔

میاں چاہتا ہے بیوی اپنے شوہر کی کتابوں، اور کپڑوں اور ضرورت کے سامان کو ایسے سلیقہ سے رکھے کہ ہر چیز قرینہ سے اور صاف ستھری رہے اور جب میاں کوئی چیز مانگے تو تلاش کرنے کا غل شور برپا نہ ہو اور میاں یہ بھی چاہتا ہے کہ بیوی ہر کام کا وقت مقرر کرلے نہ ہر وقت باورچی خانہ میں گھسی رہے نہ ہر وقت کپڑے سیا کرے نہ ہر وقت بچوں میں مصروف رہے بلکہ جب میاں گھر میں آئے تو بیوی اس کے پاس بیٹھے اس سے بات چیت کرے۔ ہنسے بولے۔ اور گھر کی ضرورتوں سے اسے آگاہ کرے اور اس سے باہر کے حالات پوچھے۔ اور میاں اپنے حالات سنائے تو بیوی اچھے مشورے دے سکے اور پریشانی کے وقت میاں کی ہمت بڑھائے اور کہے کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ دنیا اور زندگی اسی کا نام ہے۔ یہاں مشکلیں آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں۔ مردانگی سے کام لو۔ ہر مشکل کو خدا آسان کر دیتا ہے۔ اگر آدمی مشکلات کا مقابلہ سمجھ اور دوراندیشی سے آخر تک کرتا رہے۔

میاں چاہتا ہے بیوی اپنے میکہ والوں کی دعوتیں زیادہ نہ کیا کرے۔ اور گھڑی گھڑی میکہ جانے کے خیال میں نہ رہے

میاں چاہتا ہے کہ بیوی اپنے شوہر کی محرم راز ہو۔ میاں کی ہر بات کی پردہ پوشی کرے اور میاں کی عزت کو اپنی عزت اور میاں کی خوشی کو اپنی خوشی۔ اور میاں کے آرام کو اپنا آرام خیال کرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ میاں چاہتا ہے کہ بیوی اس کی شریک زندگی ہو۔ رفیق ہو۔ مونس ہو۔ اور ایسا نہ ہو کہ بیوی میاں کے سر پر آسیب بن کر سوار رہے اور بھوتنی چڑیل کی طرح میاں کی زندگی کو دوزخ کی زندگی بنا دے کیونکہ ایسی بیوی کو میاں وبال جان سمجھتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ

(از مولوی ابو سعید امام الدین صاحب مظفر نگری متعلم مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ)

ابھی اہل اسلام کے دل تاجدار مدینہ کے دوسرے جانشین کی شہادت کے غیر معمولی صدمہ کو برداشت کرکے مطمئن ہونے بھی نہ پائے تھے اور وہ زخم جو خلفاء راشدین میں ممتاز خلیفہ حضرت فاروق اعظمؓ کی جانگداز شہادت سے پرستاران توحید کے دلوں میں لگا تھا ابھی مندمل بھی نہ ہوا تھا کہ یکایک ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ مطابق ۲۰ مئی ۶۵۶ء کو مدینۃ الرسول کی پرسکون گلیوں سے شہادت حضرت عثمانؓ خلیفہ ثالث کی صدائیں غیر معمولی انداز میں مومنین کے دلوں سے ٹکراتی ہوئی زخم پر نمک پاشی کا کام کر گئیں۔

حضرت عمرؓ کی دس سالہ خلافت کے بعد مسلمانوں کے مشورے سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا آپ کی خلافت کی مدت ۱۲ سال ہے جن میں ابتدائی چھ سال کا زمانہ نہایت امن اور سکون کا زمانہ ہے اس زمانہ میں حضرت عثمانؓ اپنے حلم اور بردباری کی وجہ سے تمام مسلمانوں کے اندر ہر دلعزیز شمار کئے جاتے تھے مگر جب ۶ سال گذر جاتے ہیں تو مسلمانوں میں رنجش کا دور شروع ہوجاتا ہے اور یہ رنجش آہستہ آہستہ اسدرجہ بڑھ جاتی ہے کہ آخر ان کی شہادت تک کی نوبت آجاتی ہے۔ حضرت سعید بن مسیبؓ سے جب جناب عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ نے عبد اللہ بن ابی سرح کو مصر کا حاکم بنا کر بھیجا اور ابھی ان کو مصر پہنچے ہوئے صرف دو ہی سال کا عرصہ گذرنے پایا تھا کہ اہل مصر نے ان کی شکایت کی حضرت عثمانؓ نے ایک تہدید نامہ لکھکر عامل مصر کے پاس روانہ کیا مگر اس نے اس خط کی قدر نہ کی اپنے اسی انداز کے مطابق کام کرتا رہا جو کہ پہلے تھا اور جن لوگوں نے شکایت کی تھی ان تمام کو قتل کردیا یہ حالت دیکھکر سات سو آدمیوں کی ایک جماعت دار الخلافۃ (مدینہ منورہ) میں حاضر ہوئی اور مسجد میں اوقات نماز کے وقت لوگوں سے شکایتیں کیں حضرت طلحہ بن عبد اللہ نے اس معاملہ میں حضرت عثمانؓ سے نہایت سختی کے ساتھ گفتگو کی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بھی اس واقعہ کی خبر ہوئی تو کہلا بھیجا کہ آپ ایسے شخص کو کیوں معزول نہیں کردیتے جس پر بے گناہوں کے قتل کا الزام عائد کیا جاتا ہے اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لاتے ہیں اور وہ بھی حضرت عثمانؓ کو حاکم مصر کی معزولی ہی کا مشورہ دیتے ہیں آخر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اچھا میں عبد اللہ بن ابی سرح کو معزول کرتا ہوں یہ لوگ خود اپنا گورنر مقرر کرلیں - میں بھی اسی کو مقرر کردوں گا۔ چنانچہ لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد کو نامزد کیا اور کہا کہ آپ ان کو مصر کا حاکم (گورنر) بنا دیجئے آپ نے ان کی مرضی کے مطابق عبد اللہ بن ابی سرح کی معزولی اور محمد بن ابی بکرؓ کی تقرری کا ایک فرمان لکھدیا۔ محمد بن ابی بکرؓ یہ فرمان لیکر مصر کی جانب روانہ ہوئے آپ کے ساتھ انصار اور مہاجرین کی ایک جماعت بھی روانہ ہوئی تاکہ اہل مصر اور عبد اللہ بن ابی سرح کی کیفیت خود ملاحظہ کریں۔ یہ تمام قافلہ ابھی راستہ کی تیسری ہی منزل طے کرنے پایا تھا کہ اچانک کچھ فاصلے پر ایک سانڈنی سوار غلام تیزی کے ساتھ جاتا ہوا نظر آیا جس کی ہیئت سے معلوم ہوتا تھا کہ یا تو یہ کسی کا قاصد ہے یا اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہے لوگوں نے اس کو پکڑ لیا اور تمام کیفیت دریافت کی۔

اس نے کہا میں حضرت عثمانؓ کا غلام ہوں اور عامل مصر کے پاس جارہا ہوں ایک شخص نے (محمد بن ابی بکرؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کہا یہ عامل مصر ہیں۔ اس نے کہا نہیں ان کو نہیں دینا ہے۔ اتنا کہکر جلدی سے بھاگنے کی کوشش کی لیکن محمد بن ابی بکرؓ نے دو آدمی بھیجکر اس کو گرفتار کرلیا اور ڈپٹ کر پوچھا کہ سچ بتا تو کون ہے اور کہاں جارہا ہے۔ غلام کچھ ایسا مرعوب سا ہوا کہ گھبرائی ہوئی باتیں کرنے لگا کبھی کہتا کہ میں مروان کا غلام ہوں، اور کبھی کہتا امیرالمومنین حضرت عثمانؓ کا۔ آخر مجمع میں سے ایک شخص نے اسکو پہچان لیا۔ اور کہا یہ تو امیرالمومنین ہی کا غلام ہے۔ محمد بن ابی بکرؓ نے دریافت کیا کہ تم کو امیرالمومنین نے کس غرض سے اور کس کے پاس بھیجا ہے اس نے کہا میں مصر کے عامل کے پاس ایک خط لیکر جارہا ہوں۔ خط مانگنے پر اس نے دینے سے انکار تو کیا لیکن ظاہر ہے کہ وہ اب کیونکر چھپا سکتا تھا۔ جامہ تلاشی کے بعد خط برآمد ہوا۔ کھولکر دیکھا گیا تو حضرت امیرالمومنین کی طرف سے شاہی مہر کے ساتھ عبداللہ بن ابی سرح کے نام لکھا گیا تھا کہ:۔ "تمہارے پاس محمد بن ابی بکر اور ان کے ساتھی جارہے ہیں ان کو کسی حیلہ سے قتل کرڈالنا اور جن لوگوں نے تمہاری شکایتیں کی ہیں ان کو سخت سزائیں دینا اور اپنے عہدہ پر قائم رہنا۔ میں نے تم کو معزول نہیں کیا ہے۔" پڑھتے ہی محمد بن ابی بکرؓ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور خط کے مضمون سے آگاہ کیا چونکہ اس پر حضرت عثمانؓ کے نام کی شاہی مہر بھی لگی ہوئی تھی۔ اسلئے بظاہر یہ یقین ہوگیا کہ یہ حضرت عثمانؓ ہی کا خط ہے۔ تمام مجمع حضرت عثمانؓ کے خلاف بھڑک اٹھا اور طے ہوگیا کہ یہیں سے مدینہ واپس چلو۔

مدینہ واپس پہنچکر صحابہؓ کی جماعت کو جمع کیا گیا۔ بالخصوص حضرت علیؓ و طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو مدعو کیا اور وہ خط سامنے رکھکر تمام واقعات بیان کئے۔ ظاہر حالات کے پیش نظر سب حیران تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ حضرت عثمانؓ نے بلا وجہ مسلمانوں کی اتنی بڑی جماعت کو قتل کرانے کی سازش کیسے کی۔ آخر مصری بے حد غضبناک صورت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت عثمان کے مکان کا محاصرہ کرلیا۔ محمد بن ابی بکرؓ کی حمایت میں قبیلہ بنی تیم کے آدمی چڑھ آئے۔ حضرت علیؓ نے یہ کیفیت دیکھی تو ایک جماعت کو حضرت عثمانؓ کے پاس روانہ کیا اور خود خط، اونٹنی اور غلام کو ساتھ لیکر امیرالمومنین کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت علیؓ نے ان تینوں چیزوں کو سامنے رکھکر حضرت عثمانؓ سے پوچھا کیا یہ اونٹنی آپ کی ہے خلیفۃ المسلمین نے فرمایا، ہاں، پھر غلام کے متعلق سوال کیا کیا یہ غلام بھی آپ کا ہے خلیفہ نے پھر فرمایا ہاں۔ حضرت علیؓ نے دریافت کیا کہ کیا یہ خط بھی آپ ہی نے لکھا ہے اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں حلفیہ کہتا ہوں کہ یہ خط میرا لکھا ہوا نہیں ہے نہ میں نے کسی کو لکھنے کی اجازت دی اور نہ مجھکو اس کا علم ہے کہ کس نے لکھا ہے حضرت علیؓ نے فرمایا اس پر آپ کی مہر بھی ہے آپ نے فرمایا بیشک مہر بھی شاہی ہی ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا بڑے تعجب کی بات ہے کہ اونٹ آپ کا غلام آپ کا خط پر مہر آپ کی اور آپ کو کچھ معلوم نہیں، حضرت عثمانؓ نے پھر قسم کھاکر فرمایا واللہ مجھے اس کارروائی کی کچھ خبر نہیں۔ پھر لوگوں نے پہچانا کہ یہ تحریر مروان کی ہے۔ لوگوں نے کہا مروان کو ہمارے حوالہ کیجئے۔ مگر حضرت عثمانؓ نے اس واسطے مروان کو ان کے حوالہ نہ کیا کہ یہ لوگ تحقیق و تفتیش کے بغیر محض اپنے گمان کی بنا پر اس کو قتل کرڈالیں گے۔ اب لوگوں کا غصہ بڑھتا گیا اور پوری شدت کے ساتھ خود حضرت امیرالمومنین ہی کی جان کے دشمن ہوگئے۔ گھر میں پانی دانہ تک جانا بند کردیا۔ جب کئی روز ہوگئے تو حضرت عثمانؓ نے بالاخانے سے سر نکالکر حضرت علیؓ کو آواز دی۔ ادھر سے جواب ملتا ہے کہ حضرت علیؓ یہاں موجود نہیں ہیں چونکہ پانی کا راستہ کئی دن سے بالکل بند تھا۔ اسلئے تمام اہل و عیال پیاس سے بیتاب تھے۔

آہ آج وہ شخص پانی کی ایک ایک گھونٹ کو ترس رہا ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک مسلم کنواں اپنی ذات سے خرید کر تمام مدینہ والوں کے لئے وقف کر دیا تھا۔ کسی شخص نے حضرت علیؓ کو اس کی خبر کی۔ حضرت علیؓ نے تین مشکیزہ پانی فوراً روانہ کئے۔ پانی لے جانے والوں کو بھی باغیوں نے تیروں سے زخمی کر دیا۔ پھر حضرت علیؓ کو یہ خبر پہنچی کہ اگر مروان کو سپرد نہ کیا گیا تو حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے جائیں گے آپ نے اپنے فرزند حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو خلیفہ کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیا اور حکم دیا کہ ننگی تلوار لے کر دروازے پر کھڑے رہنا اور اندر کسی کو داخل نہ ہونے دینا۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بھی اپنے اپنے لڑکوں کو حفاظت کے لئے مقرر کر دیا تھا۔

باوجود ان احتیاطوں کے بھی محمد بن ابوبکرؓ دو آدمیوں کو اپنے ساتھ لیکر محافظین سے نظریں بچا کر ایک انصاری کے مکان سے ہوتے ہوئے خلیفہ کے مکان میں جا پہنچے ان کے آنے کی کسی کو خبر بھی نہ ہوئی کیونکہ گھر کے تمام آدمی اوپر کوٹھے پر تھے اور گھر میں صرف حضرت عثمانؓ اور ان کی زوجہ محترمہ تھیں۔ محمد بن ابی بکرؓ نے ساتھی سے کہا کہ پہلے میں حضرت عثمان کے پاس جاتا ہوں جب ان پر اچھی طرح قابو پالوں تو حملہ کر دینا۔ چنانچہ محمد بن ابی بکرؓ نے آگے بڑھکر اس حالت میں جب کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے ڈاڑھی پکڑ لی۔ آپ نے فرمایا کہ محمد آج اگر تمہارے باپ (ابوبکرؓ) زندہ ہوتے تو اس ڈاڑھی کی قدر کرتے۔ اس جملے سے محمد بن ابی بکرؓ کو کچھ ندامت محسوس ہوئی۔ اور ہاتھ ہٹا لیا۔ مگر ان کے ساتھیوں میں سے ایک نے امیر المومنین کے نیزہ مارا اور دوسرے نے تلوار اٹھائی ہی تھی کہ آپ کی وفادار بیوی (نائلہ بنت فرافصہ) سامنے آگئیں اور تلوار کو اپنے ہاتھ پر روک لیا۔ جس سے آپ کی انگلیاں کٹ کر الگ ہو گئیں۔ لیکن دوسرے وار میں آخر ظالموں نے امیر المومنین کا سر تن سے جدا کر ہی دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ کی جاں نثار بیوی اس منظر کو دیکھکر چیخ اٹھیں اور بالاخانہ سے چلا کر کہا قَدْ قُتِلَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ لوگو! امیر المومنین تو شہید کر دیئے گئے۔ اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام مدینہ میں کہرام مچ گیا۔ بڑے بڑے صحابہ کرام بیتابانہ دوڑے ہوئے آئے دیکھا کہ ہمارا امیر سرخ قبا زیب تن کئے ہوئے ملاء اعلیٰ کو پرواز کر رہا ہے۔ بیت المال لوٹ لیا گیا۔ اہل و عیال گھر سے بے گھر کر دیئے گئے۔ اور یہ سب کچھ اس پاک سرزمین (مدینہ منورہ) میں ہوا۔ جہاں کسی جانور کی خونریزی بھی روا نہیں۔ کجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یکے بعد دیگرے دو دو صاحبزادیوں کے شوہر، ایک باعفت و باعصمت بزرگ اور جلیل القدر صحابیؓ اور سب سے بڑھکر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشین اور برحق خلیفہ کے ساتھ یہ گستاخی اور بے رحمی ہ لیکن اب کیا ہوتا، فتنہ انگیز اپنے ناپاک ارادے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ بجز کف افسوس ملنے کے اور کیا ہاتھ آتا۔

اس حادثہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا لیکن چونکہ فتنہ و فساد کے جراثیم پیدا ہو چکے تھے اسلئے اب مسلمان ایک دن بھی چین سے نہ بیٹھ سکے۔ اور تمام وہ قوتیں جو آج سے پہلے کافروں کے مقابلہ میں صرف ہوتی تھیں آپس کی خانہ جنگیوں میں خرچ ہونے لگیں اسی لئے مسلمان کمزور ہوتے چلے گئے اور آج تک ہوتے جا رہے ہیں۔ حضرت علیؓ تقریباً چار سال تک خلیفہ رہے لیکن بجز آپس میں خون خرابہ ہونے کے ایک دن بھی ایسا نہ ہوا جس میں کافروں کی کسی جماعت سے جنگ آزمائی کا موقع ملا ہو۔ اور آج بھی ہم کو اسی خطرناک بیماری نے مبتلائے مصائب کر رکھا ہے۔ کفر ہماری اس نادانی سے فائدہ اٹھا رہا ہے کاش مسلمان اس حقیقت کو سمجھ جائیں۔ فقط

اکنافِ عالم میں اسلام کی ضیا باریاں

(از محمد عبدالشکور صاحب اختر گیاوی متعلم دار الحدیث رحمانیہ)

میرے لئے اس جیسے وسیع مسئلہ پر روشنی ڈالنا ایک دشوار گذار امر ہے کیونکہ اس مہتم بالشان مضمون کی بیشمار تفصیلات و توضیحات ہیں اور اس کی اہمیت نہ صرف گذشتہ زمانہ کی تاریخی پہلو ہی کو پیش کرتی ہے بلکہ موجودہ زمانہ کی تمام مذہبی، ملی، قومی، سرگرمی، جوش جد و جہد وغیرہ حتی کہ حیات مستقبلہ کا مدار بھی یک گونہ اسی سے وابستہ نظر آتا ہے۔ اس عظیم الشان مسئلہ پر تو وہی شخص بسط و تفصیل کے ساتھ روشنی ڈال سکتا ہے جو تاریخ۔ حدیث۔ قرآن پر کافی عبور رکھتا ہو اور جو اس کی عمیق گہرائیوں سے معانی و مطالب کے گرانمایہ جواہرات کو نکالکر پیش کرنے کی قدرت و مہارت تامہ رکھتا ہو۔ میں اور میری بساط ہی کیا کہ میں اس اہم تر مضمون پر خامہ فرسائی کروں لیکن کچھ یہ خیال کر کے کہ شاید یہی چند حروف مجھ عاصی کیلئے نجات و رہائی کا ذریعہ بنجائیں۔ چند اہم واقعات کو مختصر طور پر حوالہ قلم کرنا چاہتا ہوں جن سے قریب قریب ہم سبھی واقف ہیں۔

اسلام نے کس طرح گذشتہ تین صدیوں میں یا اس سے بھی زیادہ عرصہ میں اور خصوصیت سے حضرت نبی کریم کی زندگی میں ترقی کی؟ یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا موزوں و مناسب جواب سوائے موجودہ زمانے کے کسی نے نہیں سوچا اور اسی سوال کا تسلی بخش جواب نہ پانے کی وجہ سے اہل مغرب اسلام کے متعلق بہت سی غلط فہمیوں کا شکار ہوئے اور ان غلط فہمیوں میں سے آج تک بھی بہت سی باقی چلی آرہی ہیں ان افتراؤں اور غلط بیانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے لیکن یہ لغو اور بے بنیاد خیال حقیقتاً اس شدید کاوش نفرت و دشمنی کا نتیجہ ہے جس سے صلیبی جنگوں کے سلسلہ کا آغاز ہوا لیکن موجودہ زمانے میں نہ صرف اس تعصب و بغض کا ہی قلع قمع ہو گیا بلکہ کثرت سے مشاہدات جدیدہ نے رونما ہو کر ان غلط نقوش کو بہانتک ملیامیٹ کر دیا کہ اب ان کی مخالفت کی بھی چنداں ضرورت نہیں رہی ان خیالات کے رونما ہونیکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ امر ہر شخص کے دل میں خوب اچھی طرح دلنشیں کرایا گیا کہ چونکہ اسلام مسلمانوں کی ہر ایک فتح کے بعد نہایت ہی سرعت کیساتھ پھیلا تھا اس لئے جو لوگ اسلام سے متمتع ہوتے تھے وہ جبر و اکراہ کا نتیجہ تھے لیکن تاریخ کا ایک ہی حوالہ اس امر کو روز روشن کی طرح واضح کر دیگا کہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔

ان تمام ممالک میں جن پر مسلمان قابض ہوئے لوگوں کے مشرف باسلام ہونیکے وجوہات بھی مختلف ہیں اول جس کی وجہ سے مفتوح ممالک کے لوگ بعجلت تمام حلقہ بگوش اسلام ہوئے یہ تھی کہ مسلمانوں کی فتوحات سے پیشتر ان ممالک میں نظم و نسق نہ تھا اور باشندگانِ ملک اپنے فرمانروایان کے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے دوسری وجہ یہ تھی کہ تمام کی تمام نسل انسانی اسوقت بداخلاقی و بدکرداری کے انتہاء عمیق قعر مذلت میں گری ہوئی تھی اور اس وقت کے مذہبی اعتقادات ایسے قبیح تھے جن سے انسانی قلب و ضمیر کو تسکین نہیں ہو سکتی تھی اور ان سب وجوہات سے بڑھکر ان لوگوں کے قبولیت اسلام کی بڑی بھاری وجہ اسلام کی سادگی اور اس کے شاندار عقیدہ کی کشش تھی جس کی اہل عرب نے انھیں تلقین کی تھی

ان صحرائی عربوں کے ارفع خصائل اورحق وصداقت کی حمایت، ان کی ان تھک کوشش وجاں نثاری اوران کی اعلیٰ جمہوریت نے مفتوحین کے قلوب کو قوت مقناطیسی کی طرح اپنی طرف کھینچا وہ صحرائی عرب جہاں بھی گئے انھوں نے نسل انسانی کو مصیبت ظلم وتشدد ایذارسانی سے مخلصی دلائی۔ مسلمانوں کی فتوحات کے بعد جولوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے انھوں نے اسلام کسی جبر واکراہ کے ماتحت نہیں بلکہ اپنی ہی رضا ورغبت سے قبول کیا جولوگ اسلام سے بہرہ اندوز ہوئے انھوں نے نہ صرف اپنے فاتحین کا مذہب قبول کیا بلکہ ان کے راہ ورسم اور رواج واطوار تک کو اختیار کرلیا۔

اسلام یقیناً امن وسلامتی کا مذہب ہے اور اسلامی روایات اور تعلیمات سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ خود لفظ "اسلام" ایسے مادہ سے مشتق ہے جس کے حقیقی معنی ہی سلامتی اورامن کے ہیں۔ اور مسلمان جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو وہ لفظ سلام ہی سے ایک دوسرے کو مخاطب کرتے ہیں اور جنت میں بھی مومن لفظ سلام سے ہی ایک دوسرے کو مخاطب کریں گے۔ قرآن کریم کی وہ آیت کریمہ یاد کیجئے جو ہمیں بتارہی ہے کہ امن وسلامتی اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ہے جوکہ اپنے بندوں کو بہشت میں سلامتی وامن کی آخری منزل مقصود کی طرف مدعو کرتا ہے قادر مطلق اپنے برگزیدہ بندوں کوامن وسلام کے الفاظ سے ہی یاد فرمائیگا اور ان کو بھی سلام سلام کے سوا اور کچھ سنائی نہ دیگا اس لئے امن وسلامتی ہی شروع سے لیکر اخیر تک اسلام کی ہر تعلیم میں دکھائی دیتی ہے۔ اسلئے ہمارے پاک ومطہر حضرت نبی کریم صلعم نے اپنا کار منصبی یعنی تبلیغ حق نہایت صلح وآشتی کے ساتھ لوگوں کو کرنا شروع کیا۔ کیونکہ ارشاد الٰہی ہے اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ الآیہ (پ ۱۴ ع ۱۶)

ایسا ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن کلیتہً امن وسلامتی کا مشن تھا آپ ان لوگوں کے چال وچلن کے ذمہ دار نہیں ٹھہر سکتے جنکو آپ نے تبلیغ فرمائی کیونکہ آپ کا فرض منصبی تو فقط حق کو پہنچانا تھا ایک نبی یا رسول پر صرف ابلاغ حکم کے سوا اور کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوسکتی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاندین اسلام کے تلخ سے تلخ نکتہ چینیوں کو صبر وتحمل وبردباری سے سننے کا ارشاد ہوا بعضوں نے یہ لغو بے ثبات بات اڑائی کہ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد آپ کے تحمل وبردباری میں فرق پڑگیا تھا۔ کیونکہ وہاں اپنے متبعین کی جماعت کثیر کے آپ امیر تھے لیکن امر واقع اس کے بالکل خلاف ہے حقیقت یہ ہے کہ فرقان حمید کی بہت سی مشہور ومعروف آیات جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں ان میں رواداری تحمل وبردباری کی بڑی شد ومد کے ساتھ تاکید کی گئی ہے جیساکہ سورہ بقر کی آیت لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ سے عیاں ہوتا ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اکناف عالم میں فرداً فرداً مبلغین ارسال فرمائے۔ ان مبلغین اسلام کو مختلف اطراف میں حضرت نبی کریم کے ارسال فرمانے کی غرض وغایتہ ان لوگوں کو جبر وتعدی کے ساتھ زیر نگیں کرنے یا اسلام قبول کرانے کی ہرگز نہ تھی۔ یہ دردانگیز واقعہ دو دفعہ ہوا کہ جب حضرت رسالت مآبؐ نے مبلغین کی جماعتوں کو روانہ کیا تو وہ قتل ہوگئیں جس سے اس وقت کے مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کو نقصان عظیم پہنچا۔ اسجگہ پر شاید ہمیں اپنی بریت کیلئے کثیر التعداد غزوات اور جنگی مہمات کی بھی وضاحت کرنی پڑے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے کفار مکہ کے خلاف کیں یہ ایک امر واقعہ ہے کہ ان تمام غزوات دسریہ میں حضرت رسالتمآب حملہ آور نہ ہوئے اور مسلمانوں کو اس وقت ہتھیار باندھنے کی اجازت فرمائی جبکہ بچاؤ کی بظاہر کوئی صورت نظر نہ آتی تھی کیونکہ اس نازک موقعہ پر کسی قسم کی بزدلی یا کمزوری دکھانا سراسر اسلام کے تختہ کو الٹنا اور اسکو صفحہ ہستی سے معدوم کرنے کے مترادف ہے۔

[illegible] اچھی نصیحت کے ساتھ لوگوں کو [illegible]

بہادران اسلام نے غزوۂ بدر میں اپنے سے تین گنا زیادہ فوج کا مقابلہ کیا جوان سے کئی گنا زیادہ آلات حرب سے مزین ومرصع تھی انھوں نے آلام ومصائب وفاقہ کشی کی تمام صعوبتیں اس وقت جھیلیں جبکہ ان کے قصبے کا دس ہزار کی جمعیت نے محاصرہ کرلیا اور احد کے معرکۃ الآراء غزوہ میں ان کے جاں نثار وبہادر جنگجو ایک کثیر تعداد میں کام آئے لیکن ان کا یہ رویہ طرز عمل کسی ظلم وتشدد کی وجہ سے نہ تھا اور نہ کوئی ہوا و حرص یا غارتگری کی لالچ پر مبنی تھا جو کچھ ان سے غزوات محولہ بالا اور ان کے علاوہ میں ظہور پذیر ہوا وہ محض دفاعی طور پر تھا اور اس طرز عمل کو اختیار کرنے کیلئے وہ مجبور تھے اور انھیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی اور پر بھروسہ نہ تھا اور فقط پاک وسادہ ایمان ان کے دلوں میں جاگزیں تھا۔ فتح مکہ کے بعد بھی آپ کے طرز تبلیغ میں حلم، نرمی اور حکمت ٹپکتی تھی حالانکہ اس وقت اگر آپ چاہتے تو لوگوں کو مشرف باسلام کرنے کیلئے جبر واکراہ سے بھی کام لے سکتے تھے کیونکہ اسوقت آپ تمام عرب کے بادشاہ ہوچکے تھے لیکن آپ تبلیغ دین متین میں ہمیشہ بردباری اور تحمل سے کام لیتے رہے اور آپ کے بردبارانہ رویہ کی مصدق آپ کی وہ ہدایات ہیں جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سفیروں کو سفارت پر روانہ کرتے وقت فرمایا کرتے تھے۔ مندرجہ ذیل الفاظ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل ؓ کو فرمائے جبکہ حضرت معاذ حاکم کی حیثیت سے یمن جارہے تھے آپ نے فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آتے رہنا یہ وہ انسب واسہل طریقے تھے جو آنحضور ؐ نے دین حقہ کی اشاعت کیلئے اختیار کئے۔

ایک اور غلط خیال جو ابھی تک لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہے وہ یہ ہے کہ اسلام درحقیقت ملک عرب کیلئے ہی مخصوص ومحدود ہے اور عرب سے باہر ممالک کے لئے مذہب اسلام نہیں آیا لیکن اس جگہ پر ہم اس لچر خیال کی تردید دیگر تمام استدلال کو چھوڑکر محض تاریخی واقعات کی تحقیق سے ہی کرسکتے ہیں۔ جاں نثار حضرت بلال حبشی ؓ نامور سلمان فارسی ؓ اور ملک شام کے صاحب عظیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء میں سے تھے جو ممالک غیر کے باشندہ تھے اور آپ کی تبلیغی جدوجہد کے اولیں ثمرات میں سے تھے اس کے علاوہ حضور پرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمسایہ سلاطین کی طرف بہت سے سفیر ارسال فرماکران کو تبلیغ دین فرمائی جن میں شاہ ایران قیصر روم شاہ مصر شاہ حبش وغیرہ خاصکر قابل ذکر ہیں اس کے علاوہ قرآن کریم کی بہت سی آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام ایک ہمہ گیر مذہب ہے اور اس کی پاک واطہر تعلیم کل دنیا جہان کیلئے مشترکہ ہے اللہ تعالیٰ نے اسی لئے ہمارے رسول اکرم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کل دنیا وجہان کیلئے رحمۃ للعالمین بناکر بھیجا۔ اور جو پیغام اور شریعت حضور علیہ الصلوٰۃ والتحیات اپنے ساتھ لائے ہیں وہ ایک اکمل واتم ہدایت ہے اور اس اکمل شریعت محمدی سے مترشح ہے کہ اسلام کو ایک ہمہ گیر مذہب قرار دینا قدرت نے روز ازل ہی سے تاکا تھا اور اس کی اشاعت دور نزدیک ہونی مقرر لکھی جاچکی تھی اور تمام ادیان باطلہ پر اسکو انشاء اللہ غلبہ حاصل ہوگا اور بحیثیت مسلم ہونے کے اور قرآن کریم کی پیشینگوئیوں پر قوی ایمان رکھنے کے ہمارا یہ کامل ایمان ہے کہ یہ سچا سادہ اور پیارا مذہب اسلام آخر کار کل ادیان باطلہ پر غلبہ پاکر رہیگا۔

لیکن اسلام کب کسطرح۔ اور کیونکر غیر مذاہب پر غلبہ حاصل کرے گا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جسکا جواب بالکل ظاہر ہے۔ اسلام میں تبلیغ دین کی دھن وروح ہمیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فقط عملی زندگی میں ہی نظر نہیں آتی بلکہ خود قرآن کریم

میں بھی جا بجا واضح احکامات تبلیغ اسلام کی تاکید و تائید کرتے ہیں اسلام ہر ایک مسلم سے توقع رکھتا ہے کہ وہ حق و صداقت کے کلمات و پیغام کو نسل انسانی تک پہنچائے اور اپنے فریضہ کو بحیثیت اللہ تعالیٰ کا مبلغ ہونے کے باحسن وجوہ سرانجام دے۔ یہ ضروری ہے کہ ہماری تبلیغ اسلام صرف زبانی جمع خرچ ہی نہ ہو بلکہ ہم قوی و مستحکم ایمانیات و اعتقادات کے ساتھ اور اپنے احسن و اعلیٰ نمونے سے تبلیغ دین متین کریں۔ گذشتہ تاریخ ہمیں واضح طور پر بتلاتی ہے کہ اسلام کے فرداً فرداً مبلغین قوموں کی قومیں اور یہاں تک کہ ملکوں کے ملک کو محض انفرادی تبلیغ و تلقین سے اسلام سے بہرہ اندوز کرنے میں مظفر و منصور ہوئے۔ بہت سے معترضین اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ بہت سے ممالک میں اسلام کی اشاعت مسلم فاتحین کی وجہ سے ہوئی لیکن اگر وہ لوگ تعصب سے بالاتر ہو کر چشم حق نگر کے ساتھ اسلامی کتب و تواریخ کا مطالعہ کرتے تو شاید اس قسم کی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوتے ان کو یہ امر اچھی طرح سے دلنشین کرنا چاہیئے کہ سیلون، جاوا، ملایا، اور چین میں کہ جہاں مسلمانوں کو کبھی بھی تسلط حاصل نہیں ہوا وہاں بھی اسلام کے شیدائی کثرت سے نظر آتے ہیں۔ پھر آج افریقہ کے تاریک و تار براعظم میں اسلام باوجود عیسائی مشن کی باترتیب و باقاعدہ مشنری کی روک تھام کے بھی آگ کی طرح پھیل رہا ہے۔ قبولیت اسلام کی تاریخ میں سوداگروں مسافروں اور انفرادی مبلغوں کی جدوجہد کے بہت سے شاندار کارنامے ہمیں نظر آتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی آہستہ و مستقل تبلیغ نے قوم سے محی السنۃ، قاطع البدعۃ وغیرہ کا خطاب دلایا یہ لوگ اولیاء اللہ تھے جن کے اعلیٰ و رفیع اخلاق فاضلہ نے اسلام کیلئے بہت بڑا کام کیا۔ جن میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ حضرت مولانا نذیر حسین صاحبؒ اور غازی ملت شہید جفا حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی اطہر شخصیتوں اور ان کے کارہائے عظیم سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ مذہب اسلام کو گذشتہ زمانہ میں بہت شان و اقتدار حاصل تھا لیکن حالات حاضرہ اس امر کے متقاضی ہیں کہ اس امی اللقب حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلقین کردہ مذہب کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچایا جائے اور مشعل اسلام تنگ و تاریک گوشوں تک پہنچا کر ان کو اسلام کی تیز شعاعوں سے منور کیا جائے لیکن پیشتر اس کے کہ ہم دوسروں کیلئے مشعل راہ بنیں اور دوسروں کیلئے ہم مذاہب کے علمبردار ہوں! آیئے پہلے ہم اپنے گھر کی تو خبر لیں کہ آیا ہم خود بھی مسلم کے حقیقی معنوں میں مسلمان کہلانے کے مستحق بھی ہیں یا کہ نہیں۔ آیئے ہم دیکھیں کہ آیا اس ضابطہ پر عمل پیرا بھی ہیں یا نہیں جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ہم تک پہنچا اور ہمارے اخلاق ان لوگوں کی کشش کا موجب بھی ہو سکتے ہیں یا نہیں جن سے ہم ملاقی ہوں اگر خوبیوں اور محاسن کے اس معراج کمال تک آج ہم پہنچ جائیں تو آپ یاد رکھیں مسلم ہستی وہ معجز نما کارہائے نمایاں دنیا میں کر دکھلائے گی جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے گذشتہ زمانے میں کئے۔ آیئے ہم الفاظ اور عمل دونوں سے مسلمان ہو جائیں اور پھر ہم اس وقت عظمت و عزت کے وارث ہو سکتے ہیں۔

غرض اسلام نے محض دینی روحانی اور اخلاقی قوت کی وجہ سے آہستہ آہستہ ترقی کی اس کی سادی اور فطرتی تعلیم انسانی قلوب پر اثر کرتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو مذہب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمایا افریقہ اور یورپ میں اس پرفتن زمانۂ حال میں بھی پھیل رہا ہے اور اب ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں فرزندان توحید وہاں پیدا ہو چکے ہیں حالانکہ اسلام اپنی دنیوی طاقت گنوا بیٹھا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت کیلئے کسی دنیوی سلطنت طاقت و اقتدار کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ایک ابدی صداقت ہے جو مقبول عام ہو کر رہیگی۔ انشاء اللہ۔

دارالحدیث رحمانیہ کا ششماہی امتحان

حسب دستور اس سال بھی حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی نے پہلے طلبہ کو امتحان کی تیاری کے لئے ایک ہفتہ کی مہلت دی پھر ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۰ مئی ۱۹۳۹ء بروز ہفتہ سے باقاعدہ تحریری امتحان شروع ہوا۔ اور تین روز کے بعد ۲ ربیع الثانی مطابق ۲۳ مئی کو دماغی راحت و سکون حاصل کرنے کیلئے مدرسہ میں تعطیل رہی۔ ۴ ربیع الثانی مطابق ۲۴ مئی بروز بدھ سے پھر تعلیم شروع ہوگئی۔ ۲۰ ربیع الثانی مطابق ۹ جون بروز جمعہ کو خود عالیجناب مہتمم صاحب نے نتیجہ سنایا۔ بحمداللہ مجموعی حیثیت سے نتیجہ اچھا رہا چند لڑکے جو ناکام ہوگئے ہیں ان کو مہتمم صاحب نے تنبیہہ کی اور آئندہ اپنی کمزوری پوری کر لینے کی ہدایت فرمائی۔

(حاشیہ: ۲ مطابق ۲۲ مئی بروز دوشنبہ کو ختم ہوگیا۔ ۳ ربیع الثانی)

مندرجہ ذیل طلبہ اپنی اپنی جماعتوں میں اول آئے ہیں۔

جماعت ہشتم حافظ عبدالرحیم لاہوری	جماعت سوم - میزان الرحمٰن بنگالی
〃 ہفتم - عبدالرحیم بھوجیانی	〃 دوم - عبدالقادر اڑلیسوی
〃 ششم - حافظ عبدالخالق جیپوری	〃 اولیٰ - محمد اکبر پنجابی
〃 پنجم - عبداللہ اعظمی	〃 ادنیٰ - محمد شریف پنجابی
〃 چہارم - رستم احمد بنگالی	(مینیجر رسالہ محدث دہلی)

حشر تک آئے نظر پھولا پھلا رحمانیہ

(از عبدالصبور صاحب صابر بستوی متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی)

مجھکو ذوقِ علم نے پہونچا دیا رحمانیہ　　دیکھکر میں محوِ حیرت ہوگیا رحمانیہ
رنگ برنگ کے پھول اس گلشن میں آتے ہیں نظر　　علم و حکمت کا گلستاں ہے بنا رحمانیہ
کس قدر ہے حسن منظر اور کتنا خوشگوار　　ہے یہ کیسا خوشنما اور دلربا رحمانیہ
طالبانِ علم کا گہوارہ ہے رحمانیہ　　آنیوالے آئیں بے چون وچرا رحمانیہ
قوم کا بے لوث خادم ہے بلاشک بس یہی　　کشتیٔ علم و ہنر کا ناخدا رحمانیہ
حاملِ قرآں، حدیثِ مصطفےٰ کا پاسباں　　علم و حکمت کا ہے مخزن بر ملا رحمانیہ
درحقیقت عاملانِ دینِ حق کے فیض سے　　اس قدر عزت کا مالک ہوگیا رحمانیہ
جسکو اس میں شک ہو وہ آکر یہاں پر دیکھ لے　　بنگیا ہے راہِ حق کا رہنما رحمانیہ
خوش رہیں دونوں جہاں میں مہتمم عبدالوہاب　　جن کے دم سے فیض کا چشمہ بنا رحمانیہ
رات دن رہتا ہے صابر کا یہی اب مدعا　　حشر تک آئے نظر پھولا پھلا رحمانیہ

MUSLIM ... کتب خانہ جامعہ ملیہ دہلی

روحِ اخبار

—— لاہور میں علامہ اقبال مرحوم کے مقبرہ کی ایک عالیشان عمارت تعمیر ہونے والی ہے۔ جس پر ۲۵ ہزار روپیہ صرف کیا جائیگا (کاش یہ رقم مرحوم کی کسی بہترین شرعی یادگار پر صرف کی جاتی)۔

—— تقریباً چھ ماہ کے بعد فیض آباد کی عدالت نے ٹانڈہ کے فساد کے مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے ۴۲ مسلمانوں کو ایک ایک سال قید بامشقت کی سزا کا حکم سنا دیا۔ اور دیگر ۱۴ مسلمان بری کر دیئے گئے۔ (انقلاب)

—— دہلی کی ایک عدالت نے ایک شخص کو دفعہ ۲۶۲ کے ماتحت ۹ ماہ قید سخت کی سزا دی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے ڈاک کا ایک استعمال شدہ ٹکٹ دوبارہ استعمال کیا تھا۔ (تیج)

—— حکومت پنجاب حصار اور رہتک کے اضلاع سے قحط دور کرنے کی مستقل اسکیم پر غور کر رہی ہے ایک تجویز یہ ہے کہ اس علاقہ میں ٹیوب ویل کے ذریعہ آبپاشی کا انتظام کیا جائے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ پانی فراہم کرنیکے لئے ریاست بلاسپور میں بند لگایا جائے (انقلاب)

—— فیڈرل کورٹ کے جج سر شاہ محمد سلیمان صاحب ۳ رجون کو بمبئی سے لندن تشریف لے گئے ہیں۔

—— مسٹر این بھنڈاری ڈسٹرکٹ وسشن جج نے سادھو شیام پوری کی اس اپیل کا فیصلہ سنا دیا جو خیبو مندر دہلی کے سلسلہ میں سب جج کے فیصلہ کے خلاف دائر کیا تھا۔ فاضل جج نے ماتحت عدالت کے فیصلہ کی تائید کرتے ہوئے اپیل معہ خرچہ خارج کر دی اور اپنے فیصلے میں لکھا کہ وہاں شیومندر کا کوئی وجود نہیں یہ کہانی محض ایک گپ اور بنائی ہوئی ہے۔ (نظام گزٹ)

—— لاہور ہائی کورٹ کے ایک ایڈوکیٹ باوا فقیر سنگھ کو نو ہزار روپیہ کا ایک جعلی دستاویز بنانے کے الزام میں کئی سال کی طویل سماعت کے بعد سشن جج نے تین سال کی قید سخت کی سزا کا حکم دیدیا۔ (نظام گزٹ)

—— حکومت ترکی نے وسیع پیمانہ پر جنگی تیاریاں شروع کر دی ہیں۔ درہ دانیال کے تمام قلعوں کو غیر معمولی طریق پر مسلح کیا گیا ہے۔

—— سلطان ابن سعود نے حجازی طلبہ کو جو فن پرواز سیکھنا چاہتے ہیں مصر کے مدارس طہران میں داخل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اب تک حجازی طلبہ اس فن میں مہارت پیدا کرنے کے لئے اٹلی جایا کرتے تھے۔ مگر جب سے مسولینی نے البانیہ پر قبضہ کیا ہے گورنمنٹ حجاز نے اٹلی سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ (انقلاب)

—— گذشتہ چند سال سے ہندوستان میں جعلی سکے بالخصوص جعلی روپے بہت چل گئے ہیں۔ اسلئے حکومت ہند ایک ایسے قسم کا روپیہ چلانا چاہتی ہے جس کی نقل ہی نہ ہو سکے۔ یہ روپے شاہ جارج ششم کی مہر سے جلد ہی تیار ہونے والے ہیں۔ غالباً حکومت ہند مشرقی ہند کے ڈچ روپے کی تقلید کریگی جس میں دو روپے ملے ہوتے ہیں مگر اس کے کنارے الگ الگ ہوتے ہیں۔ اور وہ محفوظ کنارے کے روپے کہلاتے ہیں۔ (تیج)

منیجر

یادگار فدائے علم و دین جناب شیخ عطاء الرحمن صاحب مرحوم و مغفور

رسالہ

MUSLIM U
کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ
دہلی

محدث دہلی

ملکیت

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم دارالحدیث رحمانیہ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

محدث دہلی

نگران اصول
مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

جلد ۷ | ماہ اگست ۱۹۳۹ء مطابق جمادی الاخریٰ ۱۳۵۸ھ | نمبر ۸

فہرست مضامین

پتہ

منیجر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی

مناسبات

سالانہ تفریح جاننے والے جانتے ہیں کہ سلف کی روش پر چلنے والی مذہبی درسگاہوں میں شاید دارالحدیث رحمانیہ دہلی ہی ایک ایسی درسگاہ ہے جہاں تعلیم وتدریس، تقریر وخطابت، مضمون نگاری وانشاپردازی کے ساتھ ساتھ دماغی فرحت اور جسمانی راحت کے اسباب بھی مہیا کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ مدرسہ میں روزانہ شام کے وقت تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد کھیل کود کی جو سہولتیں حاصل ہیں، ان کے علاوہ مرحوم مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فیاضی کی بدولت موسم برسات میں ایک سالانہ تفریح کا سلسلہ بھی قائم ہے۔ اِدھر بدلیاں آئیں، ساون کی گھٹائیں چڑھیں، انبساط انگیز جھڑیاں لگیں، فرحت بخش ہوائیں چلیں اور ادھر طلبار رحمانیہ کے دل ودماغ مختلف تفریحی خیالات وجذبات کے مرکز بن گئے، اور جب تک اس جشن سے فارغ نہ ہولیں انھیں کسی کروٹ چین نہیں ملتا۔

اس سال بھی یہی ہوا کہ ابھی بارش کے چند چھینٹے ہی پڑے تھے کہ ان کی توجہ اس طرف مبذول ہوگئی، اور دن بدن اشتیاق بڑھتا گیا، جو اصرار کی حد تک پہنچ گیا، اسلئے باوجود اس کے کہ ابھی موسم کچھ زیادہ خوشگوار نہیں ہوا تھا شفیق اور فیاض دل مہتمم صاحب نے طلبہ کی دلجوئی کے خیال سے ان کی درخواست منظور کرلی۔ اور فرمادیا کہ جس دن دل چاہے چلے جاؤ۔ اس اعلان کے ہوتے ہی خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی، ہر شخص اپنے اپنے مقام پر ایک خاص کیفیت کے ساتھ مسرور نظر آنے لگا، فطری ذوق اور طبعی میلان کے مناسب ہر شخص اپنی اپنی تفریح کا سامان مہیا کرنے میں مصروف ہوگیا۔

اعلان کے مطابق ۱۶ر جمادی الاولی ۱۳۵۸ھ مطابق ۵ رجولائی ۱۹۳۹ء بروز بدھ کو ٹھیک چار لاریاں ٹھیک ۲ بجے مدرسہ کے سامنے آکر کھڑی ہوگئیں، مدرسہ کا سارا اسٹاف تیار ہی بیٹھا تھا۔ فوراً سوار ہوگئے، اور ۱۰ منٹ کے بعد "مہرولی عرف قطب صاحب" کی طرف روانہ ہوگئے، راستہ میں "پرانا قلعہ" "شاہ ہمایوں کا مقبرہ" وغیرہ بعض تاریخی مقامات دیکھتے ہوئے تقریباً ۴ بجے منزل مقصود پہنچ گئے۔ وہاں ٹھہرنے کیلئے عالیجناب محترم جناب شیخ عبدالرحمن صاحب مرحوم کے صاحبزادے محترم جناب شیخ محمد صاحب نے اپنی خاص کوٹھی کی کنجیاں مرحمت فرمادی تھیں۔ اسلئے سب نے آپ ہی کی کوٹھی میں قیام کیا جو نہایت ہوادار اور آرام دہ جگہ ہے۔ ہم جناب شیخ محمد صاحب کی اس عزت افزائی اور کرم فرمائی کے بے حد ممنون اور شکرگذار ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دونوں جہان میں سرخروئیاں اور سربلندیاں عطا فرمائے اور غریب پردیسیوں کے ساتھ اس نوازش کے بدلے میں ان کو اور ان کے تمام بھائیوں کو بہترین انعامات سے نوازے۔ اَللّٰھُمَّ آمین۔

عالی قدر محترم جناب حاجی شیخ عبدالوہاب صاحب مہتمم مدرسہ نے پچھلے سال کی طرح اس سال بھی لڑکوں میں تقسیم

کرنے کے لئے بالکل نئے پیسے بھجوا دیئے تھے، پیسے ایسے خوبصورت اور جاذب نظر تھے کہ دیکھنے میں سونے کی گنی معلوم ہوتے تھے، آٹھ آٹھ آنے کی الگ الگ گڈیاں بنی ہوئی تھیں سب کو ایک ایک گڈی دیدی گئی، اس سے ان کی خوشی کے جذبات چند در چند زیادہ ہوگئے۔ وہاں پہنچکر اِدھر اُدھر پہاڑیوں پر تفریح کے لئے لوگ منتشر ہوگئے، مغرب کے بعد کھانے کے لئے دسترخوان چن دیا گیا، بہترین پراٹھے، قورما اور کھیر سے سب کی تواضع کی گئی، جو دہلی کے مشہور باورچیوں کو وہیں بھیجکر تیار کرائے گئے تھے۔ رات نہایت لطف سے گذری۔ ۹ جولائی کی صبح کو تقریباً ۸ بجے جناب مہتمم صاحب برف کی سلی اور قلمی آموں کی ایک کثیر مقدار لیکر وہاں پہنچ گئے، آپ کی تشریف آوری سے ہمارے دل باغ باغ ہوگئے۔ تھوڑی دیر تک آپ اساتذہ کے ساتھ باتوں میں مشغول رہے، اور پھر اپنی ضرورت کی وجہ سے جلد ہی واپس آگئے۔ ہم لوگ تقریباً ۱۱ بجے کھانے سے فارغ ہوئے اس وقت بھی کھانے کا بہترین انتظام تھا۔ کافی تعداد میں سب کو آم ملے۔ برف کا ٹھنڈا ٹھنڈا پانی ہر وقت تیار رہتا تھا۔ الغرض ہر طرح کی راحت و آسائش کے ساتھ دن گذار کر تقریباً چھ بجے شام کو انھیں لاریوں کے ذریعہ خوش خوش مدرسہ واپس آگئے۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جناب مہتمم صاحب مدظلہ العالی کے دامن کو ہمیشہ ہر قسم کی خوش نصیبیوں سے مالا مال رکھے، اور ان کی آل و اولاد، مال و دولت، عزت وجاہ، حشمت و اقبال میں روز افزوں ترقیاں عطا فرمائے

الٰہ الحق آمین

آیات القرآن

اسی عنوان کے ماتحت آئندہ صفحات میں جناب مولانا سید اقتدار احمد صاحب سہوانی لکچرار دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ وصدر انجمن اہلحدیث علی گڑھ کا ایک مضمون شائع ہو رہا ہے، یہ درحقیقت مولانا کی ایک مستقل کتاب ہے جس کا موضوع بحث خود اس کے ٹائیٹل پر مذکور ہے۔ ہم اس کو محدث میں اس طرح شائع کر رہے ہیں کہ اگر کوئی صاحب چاہیں تو ان اوراق کو محدث سے الگ کرکے ایک کتاب کی شکل میں مرتب کر سکتے ہیں یہ مضمون کئی قسطوں میں ختم ہوگا۔ ہماری درخواست ہے کہ ناظرین اس کو بغور پڑھیں، اور اس کے قیمتی مضامین سے فائدہ اٹھاکر فلاح دارین حاصل کریں۔

ساتھ ہی ہم سب سے پہلے جناب فاضل مضمون نگار کے جنھوں نے یہ دینی خدمت انجام دی اور اس کے بعد اپنے محترم جناب مولانا ابو یحیٰی امام خانصاحب کے شکر گذار ہیں جنھوں نے یہ تحفہ ہم تک پہنچایا۔

اللہ یوفقنا لما یحبہ ویرضاہ

مدیر

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ

(نصیحت ہی کرنا تیرا منصب ہے نہ کہ انھیں زبردستی ہدایت پرلانا۔ کہ توڈرانیوالا ہے۔)

آیاتُ القرآن

فی بعض مسائلِ

تقویۃ الایمان

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کی تصانیف "تقویۃ الایمان وصراطِ مستقیم" پر

اعتراضات کا جواب آیات قرآن، احادیثِ صحیحہ و اقوال سلف سے

مؤلفہ

جناب مولوی سید اقتدار احمد صاحب سہسوانی (صدر انجمن اہلحدیث) علی گڑھ

رسالہ محدث دہلی میں شائع ہوئی

فہرست اعتراضات

(۱) مولانا نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر لکھا۔

مولانا شہیدؒ تقویۃ الایمان کی فصل پنجم اشراک فی العادت میں لکھتے ہیں:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ نہ کسی زندہ کو کیجئے نہ کسی مردہ کو نہ کسی قبر کو کیجئے نہ کسی تھان کو کیونکہ جو زندہ ہے سو ایک دن مرنے والا ہے اور جو مر گیا سو کبھی زندہ تھا اور بشریت کی قید میں گرفتار پھر مر کر کچھ خدا نہیں بن گیا بندہ ہی بندہ ہے۔

(۲) مولانا نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بندہ اور غلام اور عبد کہا۔

مولانا شہیدؒ تقویۃ الایمان میں بیان توحید و شرک کے اندر لکھتے ہیں:۔ کوئی فرشتہ اور آدمی غلامی سے زیادہ مرتبہ نہیں رکھتا۔ ایضاً۔ عبارت منقول اعتراض (۱)

(۳) مولانا شہیدؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا بھائی لکھا۔

فصل پنجم اشراک فی العادت میں لکھتے ہیں:۔ یعنی انسان آپس میں سب بھائی ہیں جو بڑا اور بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے اور مالک سب کا اللہ ہے بندگی اس کی چاہیئے۔

(۴) مولانا شہیدؒ نے خدا تعالیٰ کے سامنے تمام مخلوق کو "چوہڑے چمار" لکھکر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی۔

فصل اول اجتناب عن الشرک میں لکھا ہے:۔ اور یہ یقین جاننا چاہیئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔

(۵) مولانا شہید نے نماز میں غیرِ خدا کے تصور کو گدھے اور بیل کے تصور سے بدتر کہا اور اس سے انبیاء کی توہین کی۔

مولانا شہید صراط مستقیم میں مخلات نماز کے بیان میں لکھتے ہیں:۔ و صرف ہمت بسوئے شیخ و امثال آں از معظمین گو جناب رسالتمآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورت گاؤ خر خود است۔

(۶) مولانا شہیدؒ نے اپنے امام (الوقت) سید احمد صاحب شہید کو نبوت میں کامل بنا کر نبوت کی توہین کی اور در پردہ اپنے پیر کی نبوت کا دعویٰ کیا۔

مولانا شہید صراط مستقیم میں فصل راہ نبوت میں لکھتے ہیں:۔ حضرت ایشاں از بدو فطرت بر کمالات طریق نبوت اجمالاً مجبول بودہ اند۔

(۷) مولانا شہید نے تقویۃ الایمان میں رسول اللہ صلعم کے عالم غیب ہونے سے انکار کیا۔

فصل ثانی اشراک فی العلم میں لکھا ہے۔ غیب کی بات سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا نہ فرشتہ نہ آدمی نہ جن۔ دوسری جگہ لکھا ہے یہ اللہ ہی کی شان ہے کسی ولی نبی کو جن و فرشتہ کو پیر و شہید کو امام و امام زادہ کو بھوت و پری کو اللہ صاحب نے یہ طاقت نہیں بخشی کہ جب وہ چاہیں غیب کی بات معلوم کرلیں۔

پس ان تمام اعتراضات کے جوابات فرداً فرداً عرض کئے جاتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الرحمان الذی خلق الانسان وعلمہ البیان والصلوۃ والسلام علی انسان العین وعین الانسان الذی انزل الیہ فرقان القران - اما بعد اقتدار احمد بن سید آل محمد شاہ متوطن سہسوان عرض پرداز ہے کہ جب ہندوستان علم دین سے بے بہرہ تھا گھر گھر شرک وبدعت کا دور دورہ تھا اسوقت مولانا اسمٰعیل صاحب شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب عربی زبان میں ردشرک میں لکھی پھر بخیال ہدایت عوام اس کے ایک حصے کا اردو ترجمہ کر کے "تقویۃ الایمان" نام رکھا - اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کئے اور آج بھی کچھ لوگ انہی باتوں کو دہرا کر جاہلوں کو بہکاتے ہیں - چنانچہ ایک کتاب انوار آفتاب صداقت اس کی مخالفت میں شائع ہوئی ہے جس کا حال میں آیات محکمات میں لکھ چکا ہوں اب بخیال ہدایت عوام اس کے تمام اعتراضوں کا جواب لکھتا ہوں -

بشریت انبیاء

پیدائش حضرت آدمؑ | اللہ جل جلالہ نے جنات کو آگ سے ملائکہ کو نور سے انسان کو مٹی سے پیدا کیا مسلم میں ہے قال خلقت الملائکۃ من نور وخلق الجان من مارج من نار وخلق آدم مما وصف لکم فرمایا رسول اللہ صلعم نے پیدا کئے فرشتے نور سے اور پیدا کیا جنات کو آگ سے اور پیدا کیا آدم کو اس سے جو تمہیں بتا دیا گیا سورۂ اعراف میں ہے خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ مجھے آگ سے پیدا کیا اوراس (آدمؑ) کو مٹی سے - لَمْ اَکُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَہٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (پ۱۴ س حجر ع ۳) بشر جسے نونی مٹی سے پیدا کیا ہے میں اُسے سجدہ نہ کروں گا - کیا میں اُسے سجدہ کروں گا جسے مٹی سے پیدا کیا ہے - ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْنًا (پ۱۵ س ۱۰ ع ۷) ان آیات سے ثابت ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے ہوئی ممکن ہے کہ کوئی جاہل کہدے کہ یہ مقولہ شیطان کا ہے جواب یہ ہے کہ یہ مقولے اسوقت کے ہیں جب وہ معلم الملکوت مقرب بارگاہ تھا دوم جب کہیں اللہ پاک نے اس مقولہ کا رد نہیں فرمایا تو قابل تسلیم ہے ورنہ اس قسم کے مواقع پر اللہ پاک ان کا رد فرما کر اصل بات ظاہر فرما دیتا ہے -

انسان کی پیدائش مٹی سے | سوم یہ کہ سورہ زمر میں ہے اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں آدمی کو مٹی سے پیدا کرتا ہوں - سورۃ الرحمٰن میں ہے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ انسان کو مٹی سے اور جنات کو آگ سے پیدا کیا - ان آیات سے ثابت ہوا کہ اللہ نے حضرت آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا اسی وجہ سے ان کی اولاد لفظ آدمؑ کی جانب منسوب ہوکر آدمی کہلائی -

ہرانسان کا مبدا صرف آدم علیہ السلام تھے | ان کے بعد ان کی بی بی حضرت حوا علیہا السلام کو انہی کے پہلو سے پیدا کیا - هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا (پ۹ اعراف ۱۴۶) وہ (اللہ) وہی ہے جس نے تم سب کو ایک نفس سے پیدا کیا اور اسی سے اس کے جوڑے کو بنایا پھر انہی دونوں کی اولاد بڑھتی گئی - یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا

رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً (پ ۴ نساء ع ۱۲)
اے لوگو اس پروردگار سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک نفس سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے بکثرت مرد اور عورتیں پیدا کیں۔

حضرت آدمؑ کی کنیت ابوالانسان اور ابوالبشر دونوں تھی | حضرت آدم علیہ السلام کی کنیت حدیث میں ابوالبشر اور ابوالانسان آئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ آدمی اور بشر اور انسان یہ تینوں ایک ہی ہیں

خدا نے فرشتوں اور انسانوں دونوں میں سے رسول منتخب فرمائے | پھر جب حضرت آدمؑ کی اولاد بکثرت ہوگئی اور دنیا میں پڑگئی تعلقات عبد و معبود کو بھولنے لگی تو اللہ پاک نے انہی آدمیوں میں سے نبی اور رسول منتخب فرمائے اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (پ ۱۷ ع ۱۷) اللہ رسول منتخب فرماتا ہے فرشتوں اور آدمیوں سے لیکن جو رسول فرشتوں میں سے چنے گئے یہ وہ تھے جو کہ ان انبیاء و رسل کو جو آدمی تھے منجانب اللہ تعلیم دیتے تھے اور اللہ کے پیام ان کے پاس پہونچاتے تھے یعنی وحی لاتے۔

جبرئیل علیہ السلام امین ہیں | حضرت جبرئیل علیہ السلام کی نسبت ہے عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْ مِرَّةٍ (پ ۲۷ نجم ۵۶) سکھایا اسکو (جبرئیل) قوت والے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ (پ ۱۹ شعراء ۱۵۶) لایا اسکو (جبرئیل) روح الامین۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ (پ ۳۰ تکویر ۶۶) یہ کہنا ہی (جبرئیل) پیامبر بزرگ صاحب قوت کا جو صاحب عرش کے نزدیک بارتبہ ہے اس جگہ اسکا کہنا مانا ہوا ہے امانت دار ہے پھر کثرت اولاد آدم کے ساتھ حسب ضرورت ہر جگہ نبی یا رسول بھیجے گئے۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (پ ۲۲ فاطر ۱۵۶) کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی نذیر نہ ہوا ہو وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (پ ۱۳ رعد ۸۶) اور ہر قوم میں ہادی ہے۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا ہم نے ہر امت میں رسول اٹھائے۔

سلسلہ ولادت گیہوں سے گیہوں جو سے جو پیدا ہوتا ہے | اب ہم پیدائش کی جانب متوجہ ہوتے ہیں تو یہ دیکھتے ہیں کہ نباتات میں ہمیشہ گیہوں سے گیہوں جو سے جو اسی طرح دوسری چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ گندم از گندم بروید جو ز جو، یہی طریق چرند و پرند وحوش و بہائم میں ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ یہی طریقہ انسانوں میں ہے چنانچہ حضرت آدمؑ کی اولاد سے نسلاً بعد نسلٍ اور قرناً بعد قرنٍ اور بطناً بعد بطنٍ انسان ہی نبی و رسول ہوتے رہے۔ حضرت ابراہیم نوح شیث لوط ہود عزیر صالح یوسف عیسیٰ موسیٰ ہارون یعقوب علیہم السلام اور دیگر تمام انبیاء و رسل صاحب کتب و صحائف بنی آدم ہی تھے۔

بشریت رسول | ان سب کے بعد خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلعم تشریف لائے چونکہ آپ کے والدین بھی انسان ہی تھے اسلئے حسب قانون قدرت آپ بھی بشر تھے اور آپ کی بشریت میں شک کرنا عقلاً دلیل حمق ہے اور یہی مخالفین کا پہلا اعتراض ہے جواب یہ ہے کہ آپ کی بشریت پر مثل دیگر انبیاء کی بشریت کے قرآن پاک شاہد ہے سورہ بنی اسرائیل میں ہے اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا کیا اللہ نے بشر کو رسول بنایا ہے سورہ انعام میں ہے وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ۔ انھوں نے کچھ اللہ کی قدر نہ کی جب یہ کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نہیں اتارا۔ اب جہال کہتے ہیں جس طرح

کفار انبیاء کو شاعر کاہن ساحر کہتے تھے اسی طرح انھوں نے بشر کہا جواب اول یہ ہے کہ جہاں کہیں اللہ پاک نے کفار کے مقولے بیان فرمائے ہیں انکار بھی فرمایا ہے جیسے وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ (پ۲۳ یٰسین ع۴) ہم نے اسے شاعر نہیں بنایا۔ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُوْنَ (شعراء ع۱۱) شاعروں کا اتباع گمراہ کرتے ہیں وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ (پ۳۰ تکویر ع۱) تمہارا صاحب مجنون نہیں پس اگر بشریت بھی کفار کا غلط قول ہوتا تو اسکا بھی رد فرمادیا جاتا۔ دوم یہ کہ سورہ ابراہیم میں ہے قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ان سے ان کے رسولوں نے کہا ہم تو تم ہی جیسے آدمی ہیں۔ یہاں یہ بھی سمجھ لیجئے کہ آیت بالا میں لفظ اِنْ اور اِلَّا نے بقاعدہ نحو حصر کا فائدہ دیا جس کے یہ معنی ہوئے کہ نہ ہم جن ہیں نہ حور نہ فرشتہ نہ کچھ اور فقط آدمی ہیں اور وہ بھی ایسے ہی جیسے تم ہو۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ کہدے (اے محمد) میرا رب پاک ہے اور میں تو صرف آدمی ہوں اور رسول ہوں جس طرح آیت بالا میں حصر تھا اسی طرح اس آیت میں لفظ ہَلْ اور اِلَّا نے وہی فائدہ دیا یعنی یہ کہ بجز بشریت و رسالت کے مجھ میں اور کوئی بات نہیں سورہ یوسف میں ہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ۔ تجھ سے پہلے بھی ہم نے مرد ہی رسول بھیجے تھے ان پر وحی آتی تھی اس آیت میں اللہ پاک نے لفظ رجل سے مرد کی تخصیص فرمادی جو انسان کے ذکور کے لئے مخصوص ہے۔ سورہ کہف میں ہے قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ کہدے اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں تم جیسا آدمی ہوں مجھ پر وحی آتی ہے حم سجدہ میں ہے۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ۔ کہدے اس کے سوا کوئی بات نہیں ہے کہ میں تم ہی جیسا آدمی ہوں مجھ پر وحی آتی ہے۔ ان دونوں آیتوں میں لفظ انما نے بقاعدہ نحو حصر کردیا جس کا یہ نتیجہ ہے کہ نہ فرشتہ ہوں نہ حور ہوں نہ کچھ اور ہوں فقط آدمی ہوں اور وہ بھی ایسا ہی جیسے تم ہو البتہ مجھ پر وحی آتی ہے اور لفظ مثلکم نے صاف کردیا کہ تم ہی جیسا ایک آدمی ہوں۔

رسول فرشتہ نہیں | یہ وہ آیتیں ہیں جن میں لفظ بشر آیا ہے ان کے سوا اور بہت سی آیتیں ہیں جن سے بشریت رسول ثابت ہوتی ہے مثلاً وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا (پ۷ انعام ع۱) اگر ہم اسے (رسول کو) فرشتہ بناتے تو بھی مرد ہی بناتے اس آیت میں لفظ رجل ہے جس کا ترجمہ انسان مرد ہے۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ تمہارے پاس تمہارے ہی نفوس میں سے رسول آیا پس اگر تم آدمی ہو تو آدمی اور اگر کچھ تم اور ہو تو کچھ اور، اور بروایت انفسکم تمہارے نفس یعنی اشرف میں سے یعنی جو لوگ تم میں سے شریف ہیں ان میں سے رسول آیا اور تم آدمی ہو، لہذا رسول بھی آدمی ہوئے۔ ملا علی قاری حنفی شرح شفا میں لکھتے ہیں من انفسهم بضم الفاء من جنسهم العربی او البشری دون الملکی یعنی من انفسہم فے کے پیش کے ساتھ ہے جس کے یہ معنی ہیں ان عربوں میں سے یا آدمیوں کی جنس میں سے نہ ملائکہ میں سے انفسہم بفتح الفاء ای اشرفهم واعظمهم فی نفوسهم فے کے زبر کے ساتھ انفسہم کے یہ معنی ہیں تمہارے اشراف میں سے اور اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں انہ جعل من جنسکم البشری فانکم لن تطیقوا علی التلقین الملکی ولیکون ادعی الی متابعتہ حیث یفعل هو ایضاً بمقتضی مقالتہ ولو کان ملکا لربما قیل ان القوۃ البشریۃ لیست کالقدرۃ الملکیۃ تمہاری جنس بشری میں سے اسلئے کہ اگر رسول فرشتہ ہوتا تو تم اس کی تلقین میں رسول ملکی کی متابعت نہ کرسکتے اسلئے کہ قوت بشری قدرت ملائکہ جیسی نہیں تفسیر بیضاوی میں من انفسکم کی تفسیر میں لکھتی ہیں من جنسکم عربی مثلکم یعنی تم جیسا

تم عربوں میں سے، امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں۔ فی تفسیرہ وجوہ الاول یرید انہ بشر مثلکم کقولہ تعالیٰ اکان للناس عجبا ان اوحینا الی رجل منھم وقولہ انا بشر مثلکم والمقصود انہ لوکان من جنس الملائکۃ لصعب الامر بسببہ علی الناس علی ما مر تقریرہ فی سورۃ الانعام اس کی تفسیر میں کئی وجہ ہیں اول یہ کہ اس آیت سے وہ مقصود ہے جو آیات اکان للناس عجبا ان اوحینا الی رجل منھم اور انا بشر مثلکم میں بتا دیا گیا ہے یعنی یہ کہ تمہارا رسول تم جیسا آدمی ہے اور غرض یہ ہے کہ اگر تمہارا رسول فرشتوں میں سے ہوتا تو لوگوں پر معاملہ سخت اور کٹھن ہو جاتا اور لوگوں کو اس کے اتباع میں مشکل پڑ جاتی جس کا پورا بیان سورہ انعام میں گزرا۔ پھر امام رازی آیت قل انما انا بشر مثلکم کے تحت میں لکھتے ہیں بیان کانہ یقول انی لا اقدر علی ان احملکم علی الایمان جبرا وقھرا فانی بشر مثلکم ولا امتیاز بینی وبینکم الا بمجرد ان اللہ اوحی الی وما اوحی الیکم فانا ابلغ ھذا الوحی الیکم۔ یہ بیان ہے گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے یہ طاقت وقدرت نہیں کہ میں تم کو زبردستی ایمان لانے پر مجبور کر سکوں کیونکہ میں تو تم ہی جیسا ایک آدمی ہوں اور مجھ میں اور تم میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں کہ تم پر وحی نہیں آتی مجھ پر اللہ کے پاس سے وحی نازل ہوتی ہے۔ پھر میں اسی وحی کو تم تک پہنچا دیتا ہوں۔ تفسیر بیضاوی میں اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے لست ملکا ولا جنیا میں فرشتہ یا جن نہیں ہوں غرضکہ قرآن شریف میں بہت سی آیات موجود ہیں جو بشریت پر دال ہیں۔ مثلاً رسولا منکم تم ہی میں سے رسول رسولا منھم انہی میں سے رسول لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (پ ۴ آل عمران ع ۸) اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر یہ احسان فرمایا کہ ان کے پاس انہی میں سے رسول بھیجا۔

بحث اَوَّلُ مَا خلق اللہ نوری یہاں یہ بات کہہ دینا بہت ضروری ہے کہ بعض جاہل مدعی علم کہتے ہیں کہ حدیث اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ سے رسول اللہ صلعم کا نور ہونا اور سب سے پیشتر ہونا ثابت ہوتا ہے اور جبکہ رسول اللہ صلعم نور ہوئے تو بشر نہ ہوئے جواب اس کا بچند وجوہ ہے اول یہ کہ حدیث اول ما خلق اللہ نوری معلق ہے اور حدیث معلق اقسام مردود سے ہے پس وہ سند اور حجت نہیں ہو سکتی اور یہی حال ہے حدیث مروی براویان مجہول کا جیسا کہ تمام کتب اصول میں لکھا ہوا ہے۔ دوم یہ کہ یہ حدیث مخالف ہے دیگر احادیث صحیحہ وآیات قرآنی کے اللہ پاک فرماتا ہے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ (پ ۱۲ ہود ع ۱) زمین وآسمان کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا اس آیت سے معلوم ہوا کہ عرش اور پانی کے بعد زمین وآسمان پیدا کئے گئے بخاری میں ہے کان اللہ ولم یکن شیئ قبلہ وکان عرشہ علی الماء ثم خلق السموات والارض اللہ سے پہلے کچھ نہ تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا پھر زمین وآسمان کو پیدا کیا اس میں لفظ ثُمَّ ہے جو تعقیب کیلئے آتا ہے جس کے معنی بعد کے ہوتے ہیں یعنی بعد کو (پھر) زمین وآسمان بنائے۔ ابو داؤد میں ہے اول ما خلق اللہ القلم اگرچہ خلقت عرش قلم سے پیشتر ہے جیسا کہ البیان فی اقسام القرآن میں حافظ ابو یعلی ہمدانی کا قول فیصل نقل کیا ہے بہرحال یہ ان صحیح احادیث کے خلاف ہے۔

(باقی باقی)

"مولود رسول" کے متعلق

(از جناب فاضل مولانا ابو یحییٰ امام خاں صاحب مؤلف تراجم علماء حدیث ہند)

(مضمون نگار) راقم نے یہ مضمون ایک مقامی ضرورت کے لئے لکھا تھا جب وہاں کام میں نہ آسکا تو بادنیٰ تغیر "محدث" کے لئے بنا دیا۔ اس میں یہ امر قابل افسوس ہے کہ مسودہ کے آخری دو ورق بھی گم ہوگئے۔ سو میرے جیسے بے سروسامان کے لئے کسی متاع کی گم گشتگی تعجب انگیز نہیں بلکہ عادت اور عمر بھر کی عادت۔ اسی لئے آخر میں ناتمام لکھنا پڑا۔ فقط

جس طرح کل تک ایک دنیا شدت گرما سے جہنم زار بن چکی تھی۔ گرمی سے بچنے کے لئے ہر ذی روح سر چھپاتا پھرتا تھا زمین جہنم کدہ اور آسمان آتش بار بن چکا تھا۔ حتیٰ کہ فضا تک ان گرم اور تند لوؤں سے خانہ خراب ہو چکی تھی۔ بعینہ اسی طرح آج سے ۱۳½ سو سال پہلے تمام سطح ارضی انسانی بدکرداریوں سے ملوث تھی۔ نیکیوں کے نشانات مٹ چکے تھے۔ چپہ چپہ پر بداعمالیوں کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ کفر و شرک کی تند ہواؤں نے جہنم کو غضب ناک بنا رکھا تھا۔ بدکرداری عصمتوں پر غالب تھی فحاشی و بابی شرافت و تہذیب پر مسلط تھی۔ موانست و مودّت بغض و عناد سے لرزاں تھی یعنی تمام عالم ایک سرے سے اضطراب و خلفشار بن چکا تھا۔ معصیتوں اور بدکرداریوں کی یہ یلغار پانچسو سال تک ربع مسکوں پر مصروف ترک و تاز رہی۔ یعنی از صعود سیدنا عیسیٰ بن مریم تا بہ بعثت محمد ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور جس طرح آج لوؤں کے گرم تھپیڑے روح پرور ہواؤں کی صورت میں راحت جان ہو رہے ہیں۔ آسمان کی آتش ریزی ابر دریا بار سے بدل کر لطف زیست دوبالا کر رہی ہے قدم قدم پر خاک و خاشاک کی جگہ فرش زمردین دعوت خرام دے رہا ہے۔ اسی طرح روحانیت کی اس بربادی کے زمانہ میں جب کہ دنیا کا قیام بھی معرض خطر میں تھا۔ کرۂ ارض کے وسط میں وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ۔ (پ۲۵ شوریٰ ع۲) اور ہم نے تیری طرف عربی زبان میں قرآن بذریعہ وحی بھیجا تھا کہ تو اہل مکہ اور اس کے تمام اطراف کو (قیامت سے) ڈرائے۔ ایک فریق جنت میں ہوگا تو دوسری ٹولی جہنم میں جائیگی۔

ابن آدم میں سے ایک منتخبہ روزگار ہستی کو "رحمۃ للعالمین" کا سراپا پہنایا گیا۔ جو ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں میں سے صرف اسی کے بدن پر موزوں آسکتا تھا۔ جس کی موزونیت کی سج دھج دیکھکر خالق حقیقی نے اسے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (پ۲۲ سبا ع ۹) ہم نے تجھے تمام لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنا دیا، لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے۔ ان سب پر یہ اعزاز ارزانی ہوا کہ اب حلینۃ الانبیا میں کوئی دوسرا ظاہر نہیں ہو سکتا۔ وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔ (پ۲۲ احزاب ع۵) اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ وہ تو خدا کے رسول اور سلسلہ نبوت کا تتمہ ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ ہر شے کا جاننے والا ہے)

روحانیت کا یہ ابرِ رحمت مکہ سے اُٹھا۔ اور تمام عالم پر چھا گیا۔ تشنگانِ حجاز اُس سے سیراب ہوئے۔ عجم کی پیاس اُس سے بجھی۔ ایران کے آتش کدے اس کی برکت سے منبعِ آبِ شیریں بن گئے۔ ہندوستان پر اس ابرِ رحمت بار کی گھٹائیں اس زور سے برسیں کہ گنگ جمن کے دھاروں کا رخ پریاگ و کاشی سے ہٹ کر حجاز کی طرف ہو گیا۔ یعنی

گھٹا اک پہاڑوں سے بطحا کے اُٹھی پڑی چار سو یک بیک دھوم جس کی
کڑک اور دمک دربدر اُس کی پہونچی جو نیگس پہ گرجی تو گنگا پہ برسی
رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

صدق اللہ تعالیٰ۔ وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ (پ۲۵ شوری ع۴) جس نے لاکھوں ناامیدیوں کے بعد مینہ برسائے اپنی رحمتیں تمام عالم میں پھیلائیں وہی مددگار لائق حمد و تعریف ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول آخرالزماں کی عزت بخشی تو ساتھ ہی عادی بت پرستوں کی آبائی عادتوں کو ملحوظ فرماتے ہوئے رسول کے بشر ہونے کا تذکرہ بھی فرما دیا یعنی قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (پ۱۶ کہف ۳۶) (اے رسول خدا) کہدے اکہ میں تمہاری طرح ہی ایک انسان ہوں (البتہ) میری طرف وحی آتی ہے۔ تمہارا خدا ایک ہی ہے (نہ کہ میں بھی خدا ہوں) جو شخص اپنے رب کی رضا کا طلبگار ہے۔ اُسے نیک عمل کرنے چاہئیں۔ اور اپنے رب کی بندگی میں کسی اور کو شریک نہ بنائے۔

اس آیت کے مطالب کسقدر صاف ہیں کہ (۱) رسول بشر ہے اور (۲) عبادت کے قابل صرف خدا ہے مگر طریق جاہلیت پر چلنے والے نام کے ملاؤں نے رسولؐ کی بشریت سے انکار کیا۔ اور کہا کہ نہیں صاحب خود احد ہی میم کا نقاب اوڑھکر رسول بن بیٹھا۔ پھر تعجب ہے کہ اس آیت میں وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا کیوں آیا؟ رسول کیا اپنی ہی عبادت کرتے؟۔

ایک اور آیت سنئے۔ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ (پ۴ آل عمران ۷۶) محمدؐ صرف رسول ہے (یعنی خدا نہیں) اس سے پہلے کئی رسول گذر گئے۔ کیا اگر محمدؐ مر جائے (یعنی مات) یا کوئی اسے قتل کردے تو تم دین ہی سے پھر جاؤ گے۔ اگر ایسا ہے تو پھر تم سراسر نقصان میں رہو گے) فرمائیے "ما محمد الا رسول" سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا ہونا بھی ثابت ہے یا صرف رسول ہونا ہی اور فان مات اور قتل سے کیا مفہوم ایک ہی ہے؟۔

اور آیت سنئے۔ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (پ۲۳ زمر ۶، ۱) اے رسول تو بھی مرجانے والا ہے اور یہ بھی مرجانے والے ہیں؛ تو کیا اگر آنحضرت خدا تھے تو خدا کو بھی موت آجائیگی جو آپ احد و احمد میں میم کا پردہ بتلاتے ہیں۔

ایک اور آیت میں فرمایا۔ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ (پ۱۵ بنی اسرائیل) "پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو شب کے وقت مسجد اقصیٰ کی طرف سیر کرائی"۔ اگر آپ کا دعویٰ سچا ہے تو کیا اللہ ہی نے اللہ کو سیر کرائی پھر تو دو خدا ہو گئے۔ ایک خدا سیر کرانے والا دوسرا سیر کرنے والا۔ پھر یہ

کیوں فرمایا کہ قُلْ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا "اگر چند خدا ہوتے تو فساد برپا ہوتا" پھر اسکے کیا معنی ہوئے۔
ایک اور آیت سنئے۔ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (پ فرقان ع۱)
وہ ذات کسقدر بابرکت ہے جس نے اپنے بندے (حضرت محمدؐ) پر قرآن نازل فرمایا" مگر آج ہمارے مولوی کہتے ہیں کہ خدا خود ہی محمد بن کر آگیا۔ پھر خداوند عالم نے قرآن کس پر اتارا۔
ایک اور آیت سنئے۔ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (پ. قصص)
"توجسکو چاہے ہدایت نہیں دے سکتا (بلکہ) خدائے تعالیٰ جسکو چاہے ہدایت یاب فرماسکتا ہے اور وہی ہدایت پانے والوں کو جانتا ہے (مگر تو نہیں جانتا)" اگر خدا اور رسول دونوں ایک ہیں تو پھر یہ تفریق کیوں ہے۔ کہ تو چاہے تو ایسا نہیں ہوسکتا اور خدا چاہے تو ہوسکتا ہے۔ اور خدا ہی ہدایت پانے والے کو جانتا ہے (تو نہیں جانتا)۔
مسئلہ:۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ عوام کا جو عقیدہ ہے کہ خدائے تعالیٰ رسولوں اور ولیوں کی درخواست نامنظور نہیں کرتا بالکل غلط ہے۔
اور آپ کو معلوم ہے کہ اس آیت کا سبب نزول کیا ہے؟ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے (حقیقی) چچا جن کا نام ابوطالب تھا۔ ان کے ایمان لانے کے لئے آنحضرتؐ ان کی موت تک خواہاں رہے مگر ابوطالب مرتے دم تک ایمان نہ لائے اس پر پروردگار نے یہ آیت بھیجی کہ "إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ (پ قصص ع۹) آپ جس کو چاہیں راہ یاب کردیں یہ ضرور نہیں ہاں اللہ جس کو چاہے سیدھی راہ پر لگادے اور وہ خوب جانتا ہے کہ کون راہ پانے والے ہیں" اسی طرح ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند عالم کو ہر ایک معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش محبوب نہیں۔ چنانچہ ترمذی وغیرہ میں مروی کہ ایک دن قریش کے سردار دربار نبوی میں حاضر تھے۔ اور آپ ان کو اسلام کی خوبیاں اس امید پر سمجھا رہے تھے کہ یہ اسلام قبول کرلیں تو دین الٰہی کو بڑی تقویت پہنچیگی۔ اسی درمیان میں عبداللہ بن ام مکتومؓ (نابینا) بھی آگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ علمنی مما علمك اللہ اے اللہ کے رسولؐ جو باتیں اللہ نے آپ کو بتائی ہیں ان میں سے کچھ مجھے سکھا دیجئے انکی طرف سے اس کا بار بار مشتاقانہ انداز میں اصرار ہوتا رہا مگر سرداران قریش کے اسلام کی خواہش کی بنا پر آپ نے ابن ام مکتوم کی طرف توجہ نہ کی بلکہ کسی حد تک آپ کو یہ قطع کلام ناگوار بھی ہوا۔ چنانچہ سورہ عَبَسَ وَتَوَلّٰی کی آیتیں نازل ہوئیں۔ اور آنحضرتؐ کو تنبیہ کی گئی کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے بعد سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ابن ام مکتوم کی بڑی عزت کرتے اور فرماتے یہ وہی ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مجھ پر خفگی فرمائی۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک امر میں اپنے رسول کی موافقت نہیں کرتا۔
بلکہ واقعہ یہ ہے کہ رسالت اللہ رب العالمین کی دین ہے۔ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ (پ بقرہ ع۱۳) یعنی خدائے تعالیٰ جسکو چاہے اپنی رحمت سے سرفراز کرے"۔ اور اَللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (پ انعام ع۱۵) خداوند عالم خوب جانتا ہے جس کو نبوت ودیعت فرماتا ہے"۔ اس بارے میں یہ آیتیں بھی قابل غور ہیں۔

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ (پ۳۰ والضحیٰ) ترجمہ از شاہ صاحب دہلوی۔ اور پایا تجھکو راہ بھولا ہوا پس راہ دکھائی اور پایا تجھکو فقیر پس غنی کیا" اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کہنے والے اور بتلانے والے جاہلوں کے لئے یہ آیت بھی قابل غور ہے وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ (زخرف) ترجمہ از شاہ صاحب دہلوی" اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری طرف ایک فرشتہ اپنے حکم سے تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان، پر ہم نے رکھی ہے یہ روشنی اس سے راہ دیتے ہیں جس کو چاہیں اپنے بندوں میں، اور تو البتہ سوجھاتا ہے سیدھی راہ۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت نزول رسالت سے قبل کتاب و ایمان دونوں سے ناآشنا تھے (وَمَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ) (۲)، آنحضرت عبد تھے۔ (من عبادنا)

یہ آیت بھی سامنے رکھئے کہ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِن كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ۔ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُم بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ (بقر) ترجمہ جس بشر کو خدائے تعالی کتاب اور حکومت و نبوت عطا کرتا ہے اسکو شایاں نہیں کہ وہ امتوں کو خدا کی عبادت سے ہٹا کر اپنی پوجا پر لگائے بلکہ (نبی بشر) تو یہ حکم دیتا ہے کہ اے لوگو رب والے بن جاؤ۔ جیسا کہ تم میری لائی ہوئی کتاب سے سنتے اور پڑھتے ہو مگر وہ بشر نبی یہ حکم نہیں دیتا کہ لوگو! تم فرشتوں اور نبیوں کو خدا بنا لو وہ تمہارے مسلم ہونے کے بعد تمہیں کفر کا حکم دے ہی کیسے سکتا ہے"

جو لوگ خدا کو محمدؐ بتاتے ہیں جواب دیں کہ اس آیت کے مطابق نبی بشر تھے یا نہیں اور انھوں نے فرشتوں اور نبیوں کی عبادت کی پوجا کی بجائے رب واحد کی بندگی کے لئے ہدایت کیوں فرمائی اور فرشتوں اور نبیوں کی پوجا کو کفر سے کیوں تعبیر فرمایا ان آیات پر بھی غور فرمائیے۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۔ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (معارج) واقعی قرآن ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا ہے۔ نہ کسی شاعر کی تک بندی ہے۔ مگر تم پورا ایمان نہیں لاتے۔ اور قرآن کسی جوتشی کی خیالی کہانی بھی نہیں۔ مگر تم تو غور ہی معمولی سا کرتے ہو۔ (ارے یہ قرآن تو) سارے جہان کے رب کا نازل کردہ ہے)"۔ مسلمانو! ان آیات کے بعد کی آیتیں سنئے اور خدا و رسول کو ایک بنانے والوں کے بہتان اور کج فہمی پر ماتم کیجئے۔ فرمایا کہ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۔ اگر رسولؐ ہم پر (خدا تعالی پر) کوئی جھوٹی بات گھڑ لاتا تو کیا ہوتا!!!

لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ فَمَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ (معارج) ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے۔ ہم اس کی گردن اڑا دیتے اور تم میں سے کوئی بھی ہمیں اس سے نہ روک سکتا۔

قابل غور ہے کہ رسول بھی اگر خدا تعالی پر کوئی بہتان باندھتا۔ تو اس کی بھی گردن اڑا دی جاتی۔ تو کیا اگر خدا و رسول ایک

ہی ہیں۔ تو خدا اپنی ہی گردن اڑا دیتا؟

(اللہ اکبر کبیرا واسبحٰ کثیرا) کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔ یہ کتنا بڑا بول ہے جو ان کی ناپاک زبانوں سے ٹپکتا ہے یہ تو سراسر افترا باندھتے ہیں اللہ رب العالمین پر مگر آجکل کے ملانے رسول کو خدا بنانے میں شرم نہیں کرتے۔ قرآن کریم کی یہ آیتیں جن میں آنحضرت کو بشرؐ ، عبدٌ من عبادنا" وغیرہ مکرر در مکرر فرمایا گیا ہے۔ اور جن میں سے بعض اوپر نقل ہو چکی ہیں۔ آخر ان کو کیا کیجئے گا۔ پس لے مسلمانو! اس پر عمل کیجئے۔ کہ ھٰذا کتٰب انزلنٰہ مبارک فاتبعوہ واتقوا اللہ لعلکم ترحمون ۰ (پ انعام ۶) یہ کتاب برکتیں لے کر آئی۔ اس کی پیروی کرو، اور خدا تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تم رحمت کے حق دار بن سکو۔ معلوم ہوا کہ اس کتاب (قرآن) میں خدا تعالیٰ ہر ایک فرشتے، یا رسول وا پنی عبادت تک میں شریک ہونے سے منع فرماتا ہے۔

مگر بعض مولوی مولویوں کی قرآن فہمی کا یہ حال ہے کہ مولود میں فرماتے ہیں کہ "قیام مولود میں یہ تعظیم رسول کی نہیں بلکہ خدا کی ہے۔ کیونکہ خدا تنزل کر کے محمدؐ کی صورت بن آیا۔ تعالی اللہ عما یصفون۔ الآیۃ۔ یہ (مُلّانے) خدا تعالیٰ کی جو صفت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے اغور تو فرمائیے وما محمدٌ الا رسولٌ (آل عمران) محمدؐ صرف اللہ کا رسول ہے" کے کیا معنے ہیں۔ یہ مولوی لوگ اگر قرآن سمجھنے سے عاجز ہیں تو اس میں ٹانگ اڑانے کی کیا مصیبت ہے۔

اسی طرح مولوی مولوی قیام مولود کا استدلال اس آیت سے کرتے ہیں کہ۔ واذکروا اللہ قیاما وقعودا۔ ترجمہ اللہ کا ذکر کھڑے ہو کر چاہے بیٹھ کر کرو) معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگ قرآن صرف ناظرہ پڑھتے ہیں۔ اگر ترجمہ تک پڑھتے تو اس لغویت میں ہرگز نہ پڑتے۔ جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا بنفسہ یہ شعار تھا کہ شب کے وقت جب آنحضرت کی آنکھ کھلتی تو آسمان کی طرف دیکھکر یہ آیتیں پڑھتے ان فی خلق السمٰوات والارض واختلاف اللیل والنھار لاٰیات لاولی الالباب۔ الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم تا آخر (حدیث) خود رسولؐ اللہ جب خود ان آیات کی تلاوت فرماتے تو کیا اسوقت آپ خود کو خدا سمجھتے تھے؟

آئیے اب ذرا مسئلہ قیام مولود یا قیام للرسول پر غور کیجئے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن کریم متن ہے اور رسول رب العٰلمین کے اقوال و افعال قرآن کی تفسیر ہیں۔ جن کا نام حدیث ہے۔ حدیثوں میں قیام للرسولؐ کے خلاف کیا احکام ملتے ہیں۔ یہ ہیں صحابی انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا راوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذلک (ترمذی) ترجمہ اصحاب کے نزدیک رسول اللہ سے زیادہ محبوب کوئی دوسرا نہ تھا۔ مگر وہ بھی جب آنحضرت کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے اس لئے کہ رسول اللہ ہی اس کو ناپسند فرماتے تھے۔ جب زندگی میں رسول خدا اپنے لئے قیام ناپسند فرماتے۔ تو ذکر مولود (جس میں آپ کی روح کا تشریف لانا صرف نقش خیالی ہے) میں قیام کرنا کتنی لغویت ہے۔

ایک اور حدیث سنئے ابو امامہؓ صحابی فرماتے ہیں کہ۔ خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متکئا علی عصا فقمنا لہ فقال لا تقوموا کما تقوموا الاعاجم یعظم بعضہ بعضا (ابوداود) ترجمہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

عصا ٹیکے ہوئے تشریف لائے اور ہم لوگ کھڑے ہوگئے۔ تب آپ نے فرمایا یہ عجمیوں کی سی تعظیم کیوں کرتے ہو؟ پس جب زندگی میں آنحضرت نے اپنے لئے قیام سے منع فرمایا تو ہم ان کے حکم کا خلاف کرکے کیوں گنہگار نہیں!

مولودی مُلّا نے جب قرآن و حدیث کے دلائل کے سامنے عاجز آجاتے ہیں تو پھر رسوم ملکی کو سامنے لاتے ہیں مگر رسوم ملکی کو دین میں داخل کرلینا بجائے خود حرام ہے جیسا کہ قرآن کریم میں بصراحت فرمایا گیا۔ مثلاً وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ۔ (بقرہ) ترجمہ۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ احکام خدا کی اطاعت کرو تو کہتے ہیں۔ کیوں! ہم نے اپنے بزرگوں کو جس ڈہرے پر چلتے دیکھا اس پر ہم چلیں گے۔ (کیا خوب!) ان کے باپ دادا اگرچہ بے عقل اور گم کردہ راہ ہی کیوں نہ ہوں؟

حضرات! اس آیت سے آپ نے غلط رسوم کے خلاف اسلام کی حقیقت سمجھ لی۔ ایک حدیث پیش کی جاتی ہے۔ فرمایا ابغض الناس الی اللہ ثلث ملحد فی الحرم ومبتغ فی الاسلام سنۃ الجاھلیۃ ومطلب دم امرءٍ مسلم بغیر حق لیھریق دمہٗ (بخاری) فرمایا رسول خدا نے کہ اللہ پاک کے نزدیک تین شخص بے حد قابل عتاب ہونگے۔ بیت اللہ میں بیدینی پھیلانے والا (۲) اسلام میں جاہلیت کی رسمیں ادا کرنے والا (۳) ناکردہ گناہ مسلمان کی جان لینے والا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام میں جاہلیت کی رسمیں داخل کرنا خداوند عالم کی بے حد ناراضگی کا سبب ہے۔ (اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عفو تحب العفو فاعف عنا۔ بار الٰہا تو سراپا رحم ہے۔ رحم سے محبت فرماتا ہے ہم پر رحم فرما۔)

پس ——————!

دین مکمل ہوچکا۔ اس کے حدود متعین ہوچکے۔ اس کے رسوم قائم ہوگئے۔ اب ان میں کمی نہیں ہوسکتی اضافہ ناممکن ہے قرآن کریم دین کی بنیاد ہے۔ اقوال و افعال رسول اس کی فصیل ہے جو شخص اس فصیل سے نکلا وہ دین سے نکل گیا۔ یہ قول رسول ہے من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو ردٌ (بخاری و مسلم) ترجمہ جس کسی نے ہمارے دین میں کوئی ایسی بات نکالی جو نئی ہو وہ مردود ہے۔

(ناتمام)

مسلم سے

از عبدالشکور اختر رحمانی

بتا مسلم رہے گا دہر میں تو بے نشاں کب تک
اڑائیں گے عدو دامن کی تیرے دھجیاں کبتک

بتا مسلم ستائے گا تجھے یہ آسماں کب تک
کریگا اپنی مظلومی پہ تو آہ و فغاں کب تک

تجھے اس ذلت و خواری پہ کبتک ہوش آئے گا
دکھائے گی تری غفلت شعاری پستیاں کبتک

خدارا غیرت قومی کا اب احساس پیدا کر
سہیگا اس طرح اغیار کی تو دھمکیاں کبتک

خدارا چاک کردے پردۂ غفلت! تو اے مسلم
رہیگا تجھ پہ یہ چھایا ہوا خواب گراں کب تک

تو اے محو تغافل! چاک کردے پردۂ غفلت
سنی جائیگی بربادی کی تیری داستاں کب تک

تو اب تڑپا دے مسلم قوم کو جادو بیانی سے
رہیگا اس طرح روکے ہوئے اختر زباں کبتک

داعی اوّلؑ کی حیات طیبہ

اور

ہمارے لئے درس عبرت وموعظت

(از جناب مولوی عبدالجلیل صاحب رحمانی)

آج بھی اسی سابق سلسلۂ کلام کے ضمن میں آدم علیہ السلام کی حیات طیبہ کے قرآنی بصائر وحکم پر قدرے بحث کی جاتی ہے امید کہ ناظرین بغور ملاحظہ فرمائینگے۔

دخول جنّت وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِيْنَ ۝ (س بقرہ پ۱ ع۴) ہم نے آدمؑ اور اس کی بیوی (حوا) سے کہا تم دونوں جنت میں جاؤ اور جو جی چاہے کھاؤ اور جہاں چاہو عیش وعشرت کے ساتھ زندگی بسر کرو، ہاں البتہ فلاں درخت کے قریب ہرگز مت جانا ورنہ حد سے تجاوز کرنے والوں میں شمار ہوجاؤ گے۔ ایک طالب حق اور جویائے مطلوب کو اس پرخار وادی اور دشوار گذار گھاٹی میں قدم رکھکر اپنے دامن عقل وفکر کو الجھانے کی ضرورت نہیں۔ کہ آیا اس جنت سے مراد وہی معہودہ جنت جسے جنت سماوی جہنم کا مقابل سمجھا جاتاہے یا کوئی اور ہی (حدیقہ) باغ دنیاوی اور جنت ارضی مراد ہے جسمیں سیدنا آدم علیہ السلام داخل کئے گئے تھے، اسفار اور دواوین تفاسیر میں کیا بحث ہے۔ فخر رازی کا کیا خیال، ابن جریر کا عندیہ، ناصر الدین بیضاوی کی کیا تحقیق، خازن اور صاحب معالم کا قول اور حافظ ابن کثیر کا کسطرف رجحان ہے آیا اس سے جنت ارضی یا جنت سماوی مراد ہے اور پھر جمہور علماء اور محدثین اکابر صحابہ اور سلف امت جنت سماوی۔ اور کچھ مفسرین اور علماء اسلام اور ایک طائفۂ امت مسلمہ کا جنت ارضی کا قائل ہے تو پھر اُن میں کس کا مذہب راجح اور کس کا مرجوح ہے؟ اور وجہ ترجیح کیا ہے؟ نیز اسی قسم کی بحث شجرہ ممنوعہ کے متعلق بھی کہ آیا وہ گندم کا درخت تھا یا انگور کا یا درخت انجیر وغیرذلک اور پھر ان اقاویل میں سے راجح مرجوح کون ہے۔ ہمارا مطمع نظر چونکہ فی الحال ہر ہر مسئلہ پر محققانہ بحث وتنقید اور ان اقوال مختلفہ پر مبصرانہ نقد وجرح نہیں یہاں تو صرف فی نفسہ ان واقعات میں جو بصائر وعبر انسانی زندگی کے لئے جو حکم ومصالح بنی نوع انسان کیلئے جو پند ومواعظ ان میں مضمر ہیں انھیں کا انکشاف وتبیین ہے۔ اور پھر ممکن ہے موقر جریدۂ "محدث" کے وسیع حلقہ ناظرین میں کچھ ایسے حضرات بھی ہوں جو محض مغربی کورانہ تقلید۔ اور ہر دینی ودنیاوی تاریخی غیر تاریخی عصری نظریہ تحقیق ہی کو واجب القبول اور منزل من اللہ اور کالوحی سمجھتے ہوں اور ہر وہ اسلامی نظریہ جس تک اپنی ذاتی کم مائگی علم وبصیرت اور بے بضاعتیٔ فہم ودرایت اور کوتاہی عقل کی وجہ سے نہ پہنچ سکیں اس کے ممتنع الوقوع (محال) سلسلۂ اسباب وعلل سے خارج، اور فرسودہ دقیانوسی عقیدہ ہونے کا فتوی اس پر صادر کردیا کرتے ہوں۔ کاش انھیں معلوم ہوتا کہ ہمارا عدم علم اور حقیقت ناشناسی کسی مسئلہ متنازعہ کے ممتنع ومحال ہونے کی دلیل نہیں اگر یہ حقیقت ان کی سمجھ میں آجاتی تو ہرگز سورہ فیل کی تشریح وتفسیر میں طیرؐ سے مراد

بدشگونی، اور تذکرۂ سیدنا سلیمانؑ اعظم وملکۂ سبا بلقیس کے سلسلہ میں "ہدہد" سے "ہدہد نامی انسان" نہ مراد لیا جاتا۔ اگرچہ عصر حاضر نے ہندوں کیلئے ابجد کی وضع، اور نامہ بر کبوتروں کی رسم قدیم کے احیاء سے ان متنورین (نئی روشنی والوں) کے بعض استحالات پر پانی پھیر دیا ہے تاہم ایسے عقلمندوں سے دنیا اب بھی خالی نہیں۔ لہذا ہم ان مباحث میں پڑے بغیر اپنا مقصد قارئین کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

اے طالبان حق اور اے تشنگان معارف قرآنی! کبھی تم نے غور کیا آدم علیہ السلام کے دخول جنت اور شجرہ ممنوعہ میں ہماری زندگی کے لئے عبرت وموعظت پند وتذکیہ کا کتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے تم نے خالق السموات کی قدرت اور فاطر کی فطرت نظام کائنات اور اس عالم سفلی کی رنگینی، انواع واقسام کی ہری بھری جڑی بوٹیوں گلہائے بوقلموں، چمکتے دمکتے، مہکتے اور کھلکھلاتے لالہ وگلاب تازہ بہ تازہ ہرے بھرے سبز وشاداب میووں، سیب وانار خوشہائے انگور، ہزاروں لذائذ اور سینکڑوں انواع واقسام کے فواکہ، ہزاروں حسین وجمیل موہنی صورتوں پر اگر غور کیا ہوتا تو تمہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ دنیا ایک جنت سرا ہے، لہذا ہمارے لئے بھی کچھ اشیاء مباحہ اور کچھ اشجار ممنوعہ کا ہونا لابدی ہے ایک مرتبہ تم پھر اس مسئلہ پر غور کرو اور دیکھو جنت موعودہ سماوی اور اس جنت ارضی میں کسقدر گہری مماثلت ہے اگرچہ ہم انعامات جنت اور انعامات ارضی کی تمثیل حقیقی نہیں بیان کر سکتے۔ اگرچہ شاہد پر غائب کا قیاس کرنا ہمارے نزدیک بھی صحیح نہیں تاہم جو دھندلا سا خاکہ ہمارے سامنے موجود ہے یہ ایسی نظیر ہے جس سے ہم انعامات جنت کا قدرے اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہزاروں انعامات جنت آج بھی اپنے انھیں اسماء کے ساتھ ہمارے درمیان مشہور ومعروف ہیں جن اسماء کے ساتھ زبان وحی نے انھیں پکارا ہے "ابتداء نعمت جنت کباب ماہی سے لیکر انتہائے امر تک نظر ڈال لئے۔ پھر دیکھئے حور وغلمان شہد وشراب سیب وانار، کوثر تسنیم، انگور ورمان۔ حریر ودیباج، کمخواب وزربفت، باغ وبہار حدائق وگلزار، جام ومینا، نقرہ وزر لعل وگہر موتی وہیرے فرش وقالین، تخت وتاج اسپ وبراق، قصر ومحل حویلی وعشرتکدے ان میں کونسی ایسی نعمت ہے جو یہاں موجود نہیں جنکا موعودہ جنت سماوی میں وعدہ کیا گیا ہے۔" گنج قارون، تخت طاؤس، ارم شداد بھی تو آخر اسی دنیا کا افسانۂ ماضی ہے! خصوصاً نیل وفرات کے وجود نے تو اور اس جنت زار ارضی کو آگے بڑھا دیا۔ اگرچہ یہ بالکل صحیح ہے کہ اثمار جنت اور دیگر نعمتہائے جنت اور دنیاوی نعمتوں کے رنگ وبو لذت وغیرہ میں آسمان وزمین کا فرق ہے پھر ان کثیر التعداد انعامات کے وجود سے کیوں نہ ہمارے سامنے جنت موعودہ کا ایک اجمالی خاکہ آجائے خصوصاً جبکہ مشہور منہ زور ہمام بن غالب التمیمی عرب شاعر تنہا اپنی محبوبہ نواری کو جنت ٹھیرا رہا ہے ؎

وکانت جنتی فخرجت منها + کآدم حین اخرجه الضرار

مطلب یہ ہے کہ معشوقہ نوار میرے لئے ایک جنت تھی مگر طلاق دیدینے کے بعد میں اس سے اسی طرح جدا ہو گیا جیسے آدم علیہ السلام جنت سے۔

اب آئیے ہم حلال وحرام، طیبات وخبائث مباح وممنوع اشیاء پر غور کریں اور دیکھیں سیدنا آدم علیہ السلام کو معہ رفیقہ حیات یہ حکم سنایا جاتا ہے وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ الخ (پ ۱ س ۲ ع ۴) تو ہم کو کیا حکم دیا گیا؟ محرمات کے ضمن میں جسکی نظر آیتہ ذیل پر پڑیگی فوراً پکار اٹھیگا کہ ہمارے علم ویقین، ایمان وایقان، صبر وشکیب کا زبردست امتحان وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى الخ (پ ۱۵ س ۱۷ ع ۲۴) کے اندر موجود ہے اور یہ ایک ایسا شجر ممنوعہ ہے جو پوری جاذبیت کے ساتھ ہم فرزندان آدم کے زہد وورع تقدس وطہارت عصمت وعفاف کو برباد کردینے کیلئے موجود ہے۔ اللہ اللہ کتنا صبر شکن ہوتا ہے وہ عالم تنہائی جہاں غیر کی نظر نہ پڑتی ہو، تمام موانع معدوم ہوں قوۃ بہیمیہ قوۃ ملکوتیہ پر غالب آچکی ہو، محبوب پورے حسن وجمال اور فریب نظر کے ساتھ عصمت وعفاف کے خلاف آمادہ پیکار ہو

اور ساتھ ہی ساتھ سارقان متاع ایمان، اور غارتگران گنج اسلام نفس امارہ اور شیطان مرجوم بھی عفت وعصمت کے حصن حصین کو فتح کرنے کیلئے اپنی خفیہ ریشہ دوانیوں میں لگا ہوا ہی وہ وقت ہے جبکہ بڑے بڑے شہسواروں بہادروں اور شمشیر زنوں کے پائے استقلال پھسل جاتے ہیں اور یہی وہ ساعت ہے جبکہ سیدنا آدم علیہ السلام کے اکل شجرہ اور اس کے عواقب بد پر نظر ڈالکر صحیح غور وفکر کرنا چاہیے

بانی اسلام پیغمبر عربی علیہ السلام نے ایسے ہی عصمت آب پاکبازوں کو میدان حشر کی حدت وتمازت اور آفتاب کی تپش سے محفوظ رہنے کی بشارت سناتے ہوئے فرمایا ہے" کہ ایسا انسان عرش بریں کے سایہ میں ہوگا" نیز ذیل کا یہ بھی فرمانِ رب محرمات کے ضمن میں ہمیں سیدنا آدم علیہ السلام کے شجرۂ ممنوعہ اور اس کے عواقب بد کا درس دیتا ہے۔ ارشاد یوں ہے۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ الخ (پ۱۵ س ۴۶) یعنی اے بنی نوع انسان دیکھنا کسی یتیم وبے یار ومددگار بچے کی دولت وزر کے قریب بھی غصب وخیانت کی نیت سے مت جانا۔ آہ ہم ہیں کہ ہمیشہ اسی فکر میں رہتے ہیں کہ کوئی سبیل غیر کے مال وزر پر قبضہ واقتدار جمانے کی نکل آئے تو بہتر ہو حالانکہ اس اور اس جیسی بہت سی آیات نے ہمیں محرمات وخبائث سے بطریق اکمل واقف کار بنا دیا ہے پھر بھی غفلت شعاری اور کور بصری ہمارے دل ودماغ پر اور قوۃ شیطانیہ بہیمیہ ہمارے قوائے عاملہ پر اس طرح مسلط رہتی ہے کہ خیر وشر میں تمیز کئے بغیر بڑے سے بڑے جرائم اور محرمات کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں۔ کاش! ہمیں سمجھ آئے۔

اگر سیدنا آدم علیہ السلام پر طیبات کا دروازہ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا الخ (آیۃ مذکورۃ الصدر) سے کھولدیا گیا تھا تو ہمارے لئے بھی باب طیبات کھلا ہوا ہے آیتہ ذیل پر غور کرو ارشاد ہے وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا۔ (پ۷ س ۵ ع ۱) ترجمہ جو حلال وطیب رزق اللہ نے عطا فرما رکھا ہے اسے کھاتے رہو۔

میرے بزرگو اور عزیزو! ذرا تذکرہ آدم سیدنا کے ضمن میں آیتہ کریمہ ذیل پر بھی ایک سرسری نظر ڈالکر خود بتلاؤ اللہ نے کیا کیا حکم ومصالح بصائر وعبر مضمر کر رکھے ہے ارشاد ہے فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ (بقرہ ع۴) ابو البشر آدم ؑ نے اپنے رب سے کچھ کلمات طیبہ حاصل کر لیا تھا جسکے ورد ووظیفہ کے نتیجہ میں اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور الطاف کریمانہ سے نواز دیا۔ اللہ اللہ کتنی پاک تعلیم ہے۔ امید وڈھارس، انابت، وتوبہ۔ رجوع الی اللہ واستغفار عن المعصیۃ پر اس سے بڑھکر کیا تمثیل اور سچی نظیر پیش کی جا سکتی تھی دوسری جگہ یوں ارشاد ہے ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى (طہ ع۷) یعنی خدائے عزوجل نے آدم ؑ کی توبہ قبول کر کے مقرب بارگاہ بنا کر انھیں ہدایت پر لگا دیا۔ کوئی وجہ نہیں اگر توبہ کے شرائط صحیحہ کے مطابق ہم توبہ کریں اور پھر ہماری توبہ زود یا بدیر مقبول نہ ہو پس ہمیں چاہیے یاس وحرماں، ناامیدی وقنوط کا ہلکا سا بھی تصور نہ کریں اور ہمیشہ دست بدعا رہیں اے مبدء فیاض اپنے فیض عمیم اور اے قادر مطلق اپنے لطف وکرم سے ہمیں بھی نواز، اے غافر الذنب وقابل التوب ہماری بھی سن لے۔ یہ ہماری رٹ اور وظیفہ ہو۔ جہاں قرآن پاک نے کچھ مواعظ ونصائح بتائے وہاں ہمارے لئے آدم علیہ السلام کی پیغمبرانہ پوزیشن کو بھی نہایت صاف اور واضح کر دیا ہے ورنہ بائبل تو محض ان کے دخول جنت اکل شجرہ، اخراج اور زمین کا ان کے وجود سے "لعنتی" ہونا ہی ثابت کرتی ہے۔ آدم ؑ کے توبہ وانابت واجابت منجانب اللہ کا اس میں کوئی ذکر نہیں حالانکہ اگر ابو البشر کو ویسا ہی مرجوم ومطرود مانا جائے جس طرح بائبل بیان کرتی ہے تو پھر ہم نہیں سمجھ سکتے کہ انسانیت کی شرافت کا طریق اثبات کیا ہوگا۔ نیز بائبل اس سے بھی خاموش ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام آیا عام انسانی سطح سے کچھ بلند وبالا شرافت اور رتبہ ومرتبہ بھی رکھتے تھے یا نہیں۔ مگر

اسلامی تعلیم نے تذکرۂ آدمؑ کے سلسلہ میں ان کے منصب نبوت کو بھی واضح کر دیا ہے کہ امر

وفات چونکہ سیدنا آدم علیہ السلام کی تعلیم و تبلیغ کا دائرہ مابعد کے انبیا علیہم السلام کی طرح کوئی وسیع نہ تھا بلکہ ان کی بشارت و نذارت اور ارشاد و رہبری اپنے بیٹوں اور وقت کے مومنین ہی سے متعلق تھی اس لئے قرآن نے انکے تبلیغی کارناموں کو بیان نہیں کیا آپ نے نو سو تیس [۹۳۰] سال کی عمر پائی اور آپ کی اولاد ایک معتدبہ تعداد میں نسل انسانی کی بقا کے لئے آپ کی موجودگی ہی میں زمین پر پھیل گئی تھی جن انبیاء علیہم السلام کی زندگی قوم کی تعمیری اصلاح اور دنیاوی واخروی انقلاب کیلئے سرگرم عمل تھی اور جنھوں نے قوم و ملک کے لئے تعلیم و تدریس اور عملی سیاست کا فریضہ باحسن وجوہ انجام دیکر انسان نما وحشیوں کو انسان کامل بنایا ان کا سلسلہ حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہو کر خاتم الانبیاء والرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو جاتا ہے اگرچہ بہتوں کو اپنے مقاصد میں کامیابی نہیں ہوئی تاہم وہ جس جوانمردی و استقلال عزم و ثبات سے قوم کی اصلاح کیلئے وقف ہو گئے تھے۔ ہمارے لئے اس میں بڑے بڑے عبر و مواعظ پوشیدہ ہیں ہر مصلح قوم کو اپنی زندگی انہیں کی طرح سنوارنی چاہیے۔ (باقی)

اسلامی شان

(از مولوی عبدالشکور صاحب بستوی مولوی فاضل و متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی)

دنیا میں ہمیشہ سے یونہی دستور چلا آ رہا ہے کہ حق و باطل کی معرکہ آرائیاں بڑے شد و مد سے ہوتی رہیں کیونکہ جب سے حق نمودار ہوا ہی زمانہ سے باطل نے بھی سر اٹھایا جس کی یہی کوشش رہی کہ حق کو نیست و نابود کر دے مگر دشمن چہ کند چوں مہرباں باشد دوست بالآخر حق سے ٹکرا کر باطل پاش پاش ہو گیا اور فرمانِ خداوندی وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ۔ (س صف پ۲۸) اللہ اپنی روشنی پوری کرے گا خواہ مشرکوں کو ناگوار ہی ہو پورا ہوا چنانچہ آیت اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (پ۲۶ س حم) میں اسی امر کی رف اشارہ ہے کہ "فدایان نبوی باہم نہایت ہی رحم و کرم سے پیش آتے ہیں اور تواضع و انکساری انکی امتیازی شان ہے"۔ دوسرا صف یہ فرمایا کہ حریف سے مقابلہ کی حالت میں اپنی ایمانی حرارت کا اس طرح مظاہرہ کرتے ہیں کہ باطل مرعوب ہو جاتا ہے۔ اور نانیت کا پہلو نمایاں ہو جاتا ہے۔ قرن اول کے مسلمان اس آیت کے صحیح مصداق تھے چنانچہ انھوں نے جس قدر بھی ملکی فتوحات حاصل ں وہ اندرونی اتحاد کا سرچشمہ تھا اور سیلاب کی طرح دنیا پر اس طرح چھا گئے جس کے تصور سے بھی حیرت ہوتی ہے اس کی اولین ری رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی اور مدنی زندگی کے حالات اور واقعات ہیں غور فرمائیے کہ آنحضورؐ نے رفقا سمیت مکی رگی میں رحماء بینھم کی کیسی جھلک دکھائی اور کمزوری اور بیکسی کے عالم میں باہم وہ ایثار پیش کیا جسے دیکھکر بہتیرے کافر لمان ہو گئے اس کے بعد جب وطن مالوف کو خیرباد کہنا پڑا اور مدینہ کی طرف ہجرت کر آئے وہاں پہنچکر سب سے پہلے نام انجام دیا وہ اس قدر عبرت انگیز اور اصلاحی پہلو پر مشتمل ہے جس کی تہ تک پہنچنا ہر ایک کا کام نہیں یقین جانیں کہ شیر یکری کو یکجا جمع کرنا بہت آسان ہے مگر مدت دیرینہ کے ٹوٹے ہوئے قلوب کو جوڑنا بہت دشوار امر ہے وہی اوس اور نج جو عرصہ دراز سے برسرپیکار تھے خون آشامی تلواریں ہر وقت ان کے سروں پر منڈلاتی رہتی تھیں آنحضورؐ کی آمد کا

یہ نتیجہ ہوا کہ وہ اس قدر متفق اور متحد ہو گئے جس کی نظیر دنیا پیش کرنے سے عاجز اور قاصر ہے جنھوں نے اپنے مہاجرین بھائیوں کی دامے درمے معاونت کے علاوہ جس کے پاس دو بیویاں تھیں ایک کو طلاق دیکر مہاجر بھائی کے حوالہ کر دیں اور اپنی جائیداد کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور سنگھٹن کو وہ عملی جامہ پہنایا کہ موجودہ دنیا اس قدر ترقی کرنے کے باوجود ایسی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔

آج جبکہ مسلمان ترقی سے کوسوں دور جا پڑے ہیں اور اس قدر پریشان ہو گئے ہیں کہ انھیں کوئی راستہ نظر نہیں آتا کیونکہ ان کی طاقت اور ان کا زور آپس کی ناجائز جنگوں میں فنا ہو گئی ان کا متحد شیرازہ بکھر چکا جس سے نہ وقار باقی ہے اور نہ عزت ہی محفوظ ہے۔ ایسے پر آشوب دور میں اگر ان کا کوئی علاج ہو سکتا ہے تو صرف وہی نسخہ ہے جسکو قرآن پاک میں مسلمانوں کا ذاتی امتیاز اور نمایاں شان قرار دیا ہے ۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (پ س حم) یعنی کافروں کے مقابلہ میں سخت اور آپس میں مہربان و رحمدل۔ جو در اصل تمام امراض کا واحد علاج ہے۔ آپس کے اتحاد کا یہ نتیجہ ہوگا کہ ہمسایہ قومیں جن کی نظروں میں یہ کھٹک رہے ہیں وہ خوفزدہ ہو کر ان کے حقوق اور مطالبات کو تسلیم کرنے میں ذرا سا بھی تردد نہ کریں گی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود نے جب دیکھا کہ فدائیان نبوت فرط محبت میں آنحضورؐ کے لعاب دہن کو بھی اپنے جسموں پر مل لیتے ہیں تو اس قدر خوفزدہ ہوا کہ آنحضورؐ سے کلام بھی نہ کر سکا اور واپس جا کر کہا کہ اے قریش یاد رکھو کہ میں قیصر و کسریٰ کے دربار میں بھی گیا اور ان کے تعلقات کا بھی مشاہدہ کیا مگر جو خصوصیت اور ربط محبت اصحاب محمدؐ میں پایا رب کی قسم دنیا کی کسی قوم میں موجود نہیں لہذا ان سے صلح کر لینا ہی مناسب ہے ان سے مقابلہ کرنا بہت دشوار ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ قریش نے صلح کی۔

اب آپ خود ہی غور فرمائیں کہ کیا وہ ایثار ہم میں بھی موجود ہے جس کو صحابہ کرامؓ نے دنیا کے سامنے پیش کیا ابوسفیان نے ہرقل کے دربار میں یہی کہا تھا کہ عرب میں جو شخص مدعی نبوت ہے اس کے ماننے والے اس کے حکم سے روگردانی نہیں کرتے بلکہ ہر وقت اس کی فرمانبرداری میں سر ہاتھوں پر لئے رہتے ہیں جو محمدؐ کی اطاعت میں آجاتا ہے وہ اس دین سے ہرگز نہیں پلٹتا اس کے جواب میں ہرقل نے کہا کہ اگر یہ اوصاف جسے تم نے بیان کئے ہیں محمدؐ اور اصحاب محمدؐ میں موجود ہیں تو یقین جانو کہ ایک زمانہ وہ بھی آئیگا کہ اس کی حکومت ہمارے ملک کو گھیر لیگی اور یہ بھی یاد رکھو کہ جس دل میں حق جم جائے اور راسخ ہو جائے وہ کبھی نکل نہیں سکتا۔ سچ دین اور حق والوں کی یہی شناخت ہے۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ ایک زمانہ وہ بھی آیا کہ ہرقل کی بات پوری طرح صادق آئی اور انھیں مسلمانوں نے جو معدودے چند تھے آپس کے اتحاد و اتفاق کا وہ منظر پیش کیا جس سے تمام اقوام ان کی زیر نگیں ہو گئیں غزوۂ احد کا وہ واقعہ کس قدر عبرت انگیز ہے جو ہر مسلم کو تڑپا دیتا ہے جو ملت اسلامیہ کے لئے شاہکار ہے گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہے تیروں اور تلواروں کی بھرمار ہے ایک اسلامی سپاہی زخم سے چور چور ہو کر کراہ رہا ہے پیاس کی شدت سے زبان خشک ہو چکی ہے نیم جان ہے مگر عشق الہٰی کے نشہ میں سرشار ہے اپنے ساتھی سے پانی کے لئے اشارہ کرتا ہے چنانچہ پیش کیا جاتا ہے مگر معاً اس مرد مجاہد کی نظر اپنے ایک دوسرے بھائی پر پڑتی ہے جو اسی کی طرح بیتاب ہو رہا ہے۔ حب اسلامی جوش مارنے لگتا ہے اور پانی پینے سے انکار کرتے ہوئے اپنے نفس پر غیر کو ترجیح دیتا ہے اور کہتا ہے کہ پہلے اُسے پلا دو بعد میں میں پی لونگا دوسرے کے پاس پانی پہنچا اس نے اپنے تیسرے مسلم بھائی کی طرف اشارہ کیا جب تیسرے کے پاس پہنچا تو وہ آخرت کی طرف جا چکا تھا دوسرے کے پاس آئے تو وہ بھی رب کی ملاقات سے مشرف ہو چکا تھا اسی طرح جب پہلے کے پاس پہنچے تو ایثار پسند خادم اسلام بھی دنیا کو چھوڑ چکا تھا اور رب کے انعامات و اکرام سے

لطف اندوز ہورہا تھا اللہ اللہ یہ تھے ہمارے اسلاف جنھوں نے ایسی تنگی کی حالت میں بھی رحماء بینہم کا نقشہ کھینچکر بتادیا پیاسے مرجانا برداشت ہے مگر ایک مسلمان بھائی کی تکلیف کو دیکھ نہیں سکتے کہاں ہیں وہ لوگ جو عبرت حاصل کریں اور اپنی حالت کا اسلاف سے مقابلہ کریں۔ آج ہم ہیں کہ ایک مسلمان بھائی کو اچھا کھاتے اور اچھا پہنتے دیکھ نہیں سکتے بلکہ ہروقت اسی فکر میں رہتے ہیں کہ جس طرح بھی ممکن ہو آزار پہونچائیں ایک دوسرے کی پگڑی اچھالیں اور جہانتک ہوسکے اسے رسوا کریں حالانکہ تمہاری وہ کتاب جس پر تمہارا ایمان ہے جس کو دن میں پانچ دفعہ نمازوں میں پڑھتے ہو اس میں تمہاری شان تمہارے اعمال کے خلاف مذکور ہے۔ تمہارے نبی کا فرمان ہے کہ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ حقیقی مسلمان اور موحد وہ ہے جس کے شرونا وایذارسانی سے دوسرا مسلمان بھائی محفوظ رہ سکے مگر افسوس آج ہمارا معاملہ بالکل برعکس ہے ہم ایک کافر اور معاند اسلام کو اپنی پناہ میں رکھ سکتے ہیں اس کی عصمت کے نگہبان ہوسکتے مگر اپنوں سے ایسی عداوت ہے کہ اس کی صورت بھی دیکھنے کیلئے تیار نہیں چہ جائیکہ بھائی چارگی کریں۔ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضاً یعنی ایک مومن دوسرے مومن کے لئے آہنی دیوار کی طرح ہے جس کی ہر ایک اینٹ کو دوسرے سے تقویت پہنچتی ہے اب اگر کوئی نادان دیوار میں اپنا سر مارے تو یقیناً اس کا سر لہولہان ہوجائے گا دیوار کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچیگا۔ اسی طرح مسلم کی شان یہ ہے کہ باہم اس طرح مل جل کر رہے کہ جب کبھی دشمن سے مقابلہ ہو تو دشمن کے پرزے پرزے اڑجائیں مگر مسلمان ہیں کہ فولادی دیوار کی طرح جمے ہوئے ہیں دنیا کی کوئی طاقت بھی انھیں ہلا نہیں سکتی دوسری جگہ فرمایا المسلم کجسد واحد ان اشتکی عینہ اشتکی کلہ۔ مسلمان کی مثال ایک جسم کی طرح ہے اگر اس کی آنکھ میں معمولی بھی تکلیف ہوجاتے تو سارا بدن مضطرب اور بے چین ہوجاتا ہے۔ اگر ایک مشرق کے مسلمان کو کوئی کانٹا بھی چبھے تو مغرب کے مسلمان کو بغیر نکالے ہوئے نیند نہیں آتی۔

مگر ہائے افسوس کہ ایک ہندوستان کے مسلمان بھی ہیں جنھیں آپس ہی کے جھگڑوں سے فرصت نہیں ملتی آپس کی پارٹی بندیوں نے انھیں اوج ثریا سے زور سے پھینکدیا جس سے نہ تو ان کا مذہب محفوظ رہ سکا اور نہ کلچر و تمدن پریشان ہیں ان کی کوئی فریاد سننے والا نہیں تڑپتے ہیں مگر کسی کو پرواہ نہیں قرآن نے سچ فرمایا وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ۔ (پ ۱۰ س انفال ع ۶) مسلمانو دیکھنا آپس میں جھگڑے نہ کرنا ورنہ صراط مستقیم سے ہٹ جاؤ گے اور تمہاری بندھی ہوئی ہوا نکل جائے گی پھر تمہارا کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔ اے مسلمانو! کیا تم نے کبھی ارکان اسلام کے حکم اور فوائد پر بھی غور کیا کوئی لمحہ بھی تم نے اس کے لئے صرف کیا تاکہ تمہیں معلوم ہوجاتا کہ دن میں پانچ دفعہ دربارِ خداوندی میں حاضر ہونے سے کیا مقصد ہے کیا اس سے خدا کو کوئی فائدہ پہونچتا ہے جس کا وہ محتاج ہے یا اس سے تمہاری ہی اصلاح مقصود ہے ادائیگی صلوٰۃ سے اہم غرض یہ ہے کہ مسلمان یک قالب یکجان ہو کر مجاہدانہ زندگی بسر کرے ایک کے اشارے سے جھکے اور کھڑا ہو جس میں امیر غریب راعی رعایا کا کوئی سوال نہیں۔ مولا کے روبرو سب مساوی حیثیت رکھتے ہیں تفوق صرف تقوی میں ہے روزہ میں بھی روٹی کے مسئلہ کو حل کیا ہے اسی طرح زکوٰۃ اور حج میں سرمایہ داری اور افلاس کا علاج بتایا گیا ہے جس سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ ملت بیضا نے مسلمانوں کی تمام مشکلات کا حل

نہایت آسان طریق سے کردیا ہے۔ مگر ہماری تفریق نے ہمارا یا ور ضائع کر دیا سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمان کیوں منتشر اور غیر منظم ہیں جبکہ ان کا خدا اور رسول قرآن وقبلہ دین واسلام سب کچھ ایک ہے پھر مسلمانوں میں دوئیت کہاں سے پیدا ہوگئی اتحاد ذاتیات وحدت ذاتی کو مستلزم ہوتا ہے اس کے برعکس آج ہم ہیں کہ اسلام اور دین صادق کو ہزاروں فرقوں میں تقسیم کر دیا۔ ہم نے اپنوں سے بگاڑ کیا اور غیروں سے تعلقات کئے سانپ کو کچلا مگر اس کے بچوں کو زندہ رکھا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اشداء علی الکفار پر عمل کرتے جو ہمارا فرض اولین ہے قرن اول کے مسلمانوں کو دیکھو انھوں نے اسلام کی محبت میں والدین کو بھی خیرباد کہدیا مگر داعی اسلام کا دامن نہ چھوڑا رئیس المنافقین کا بیٹا عبداللہ جس کے دل میں اسلام کی محبت راسخ ہو چکی تھی ایک دفعہ باپ نے کسی غزوہ میں منازعت کے موقعہ پر کہدیا کہ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَنْفَضُّوْا۔ لوگو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک زکوٰۃ کا مال مت دو اور جب تک کہ یہ مہاجرین مفلسین موجود ہیں - - - - - - - ظاہر امر ہے کہ قول کس قدر تکلیف دہ اور منافقت پر مشتمل تھا بیٹے نے جب سنا کہ میرے باپ نے مسلمانوں کی شان میں ایسا گستاخ کلمہ نکالا ہے جوش اسلامی موجیں مارنے لگتا ہے تلوار میان سے نکالکر مدینہ کے دروازہ پر کھڑا ہو جاتا ہے اور اعلان کر رہا ہے کہ آج اپنے باپ کو اس وقت تک مدینہ میں داخل نہ ہونے دونگا جب تک آنحضورؐ کی طرف سے اجازت نہ ہوگی ورنہ اسی تلوار سے باپ کا سر قلم کر دونگا۔

ناظرین غور کریں کیا آج ہم میں بھی یہ جوش اسلامی باقی ہے۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

قرآن پاک میں والدین کی اطاعت کیلئے کتنا زور دیا گیا ہے فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (بنی اسرائیل ۳) مسلمانوں اپنے والدین کو کسی بات پر مت ڈانٹو حتیٰ کہ انھیں اُف تک نہ کہو۔ نرم انداز میں بات کرو ان کے فرمانبردار و مطیع رہو رب سے ان کے لئے دعائیں کرتے رہو کہ خدایا جس طرح انھوں نے صغر سنی میں ہماری تربیت کی ہے۔ تو بھی ان پر اپنا فضل وکرم نازل فرما۔

اس آیت پاک میں اطاعت والدین کی کس قدر تاکید فرمائی ہے اسی طرح احادیث نبوی بھی شاہد ہیں۔ مگر قرآن پاک میں دوسری جگہ فرمایا وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (پ لقمان ع ۱۱) والدین اگر شرک کی تعلیم دیں ایسی صورت میں ان کا کہنا ہرگز نہ مانو۔ آپ نے دیکھا کہ جب تک حق وصداقت کا سوال رہا اس وقت تک والدین کی تمام اوامر ونواہی قابل قبول ہیں مگر جیسے ہی کفر کا مقابلہ ہوا . . . . وہی اولاد دشمن ہوگئی اور ان کی فرمانبرداری واجب نہ رہی یہی مطلب ہے قرآن کے اس فرمان کا جسکو اسلام اور مسلمانوں کا مابہ الامتیاز قرار دیا ہے۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (مسلمان وہ ہیں جو کافروں کے مقابلہ میں سخت ہو کر اور آپس میں مل جل کر رہتے ہیں) +

(باقی)

کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

روح اخبار

—— حکومت افغانستان نے یہ اعلان کیا ہے کہ کوئی ایسا شخص جس کے پاس سو روپیہ افغانی سے زائد مالیت کے افغانی نوٹ ہوں حدود افغانستان میں داخل نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی کوئی شخص اتنی مالیت کے نوٹ لیکر حدود افغانستان سے باہر جا سکتا ہے خلاف ورزی کرنے والے کو گرفتار کیا جائیگا۔ (زمیندار)۔

—— یمن کی اطلاع ہے کہ حکومت حجاز، عراق، اور یمن نے ہر خارجی طاقت کا مقابلہ کرنے کیلئے اتحاد کی بنیاد ڈالی ہے اور بحر احمر کی حفاظت کیلئے اس بلاک نے اپنا متحدہ محاذ قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے (زمزم)۔

—— حکومت عراق کے نمائندہ نے یمن سے واپس آکر اپنے ایک بیان کے دوران میں کہا کہ یمن میں فوجی تنظیم کا کام وسیع پیمانے پر ہو رہا ہے۔ اگر یمن پر کسی نے حملہ کیا تو امام یمن دس لاکھ فوج میدان میں لے آئیں گے۔ اور یمن کا ہر باشندہ اپنے ملک پر قربان ہو جائے گا۔ (زمزم)۔

—— حکومت ترکی اور ایران کے مابین ایک معاہدہ ہوا ہے جس کے رو سے ترکی نے ایران کو اسکندریہ کے نزدیک آزاد بندرگاہ تعمیر کرنے کی اجازت دیدی۔ (زمزم)۔

—— حال ہی میں کلکتے کی ٹکسال سے نئے سکے جاری ہوئے ہیں۔ ان میں سب سے آخر میں نکل کی دونی جاری ہونیوالی ہے دونی کے کونے حسب معمول گول ہیں۔ اور بادشاہ کی تصویر گول حلقے میں دی گئی ہے۔ سب سکوں کے حروف پہلے سے قدرے جلی کر دیے گئے ہیں۔ نیا روپیہ ایسی طرح کا بنایا گیا ہے کہ اس کی جعلی نقل نہیں ہو سکیگی۔ (زمزم)۔

—— ۱۸ جولائی، آج شام کو مسلم لیگ پارٹی کے تقریباً ایک درجن ممبر بمبئی میونسپل کارپوریشن کی میٹنگ سے واک آؤٹ کر گئے جبکہ پرائمری اسکولوں کی چند کتابوں پر بحث ہوئی جن کو جامعہ ملیہ دہلی نے تیار کیا ہے۔ مسلم ممبروں نے یہ رائے ظاہر کی کہ ان کے خیال میں یہ کتابیں مسلم تمدن کے مطابق نہیں ہیں۔ (تیج)

—— حکومت پنجاب نے آخری فصل ربیع کے لئے ساڑھے پانچ لاکھ روپے سے زیادہ معافی ان اضلاع کے زمینداروں کے لئے منظور کی ہے جہاں اجناس کی قیمتیں ان قیمتوں کی بہ نسبت زیادہ گھٹ گئی ہیں جو بندوبست کے وقت فرض کی گئی تھیں اور جن کی تلافی کسی اور سبب سے نہیں ہوئی۔ مختلف اضلاع کے لئے اعداد و شمار حسب ذیل ہیں۔

شیخوپورہ	۵۰۴۳۹	روپے	منٹگمری	۱۶۷۱	روپے
گجرات	۲۰۳۳۹۴	روپے	جھنگ	۶۷۱۸۹	"
شاہ پور	۱۶۳۵۸۲	روپے	ملتان	۶۳۹۰۹	"
میانوالی	۲۱۴۲	"	مظفرگڑھ	۱۵۷۸۷	"
		میزان		۵۶۸۱۱۳	روپے

یہ معافیاں ان معافیوں کے علاوہ ہیں جو کلکٹروں نے فصل کے نہ ہونے کے باعث معمولی قواعد کے ماتحت منظور کی ہیں۔

بر ۱۲

یادگار فدائے علم و دین جناب شیخ عطاء الرحمن صاحب مرحوم و مغفور

رسالہ

محدث دہلی

ملکیت

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم دارالحدیث رحمانیہ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

محدث دہلی

نگران اصول
مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

جلد ۷ | ماہ ستمبر ۱۹۳۹ء مطابق رجب المرجب ۱۳۵۸ھ ہجری | نمبر ۵

فہرست مضامین

پتہ

منیجر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی

چار آنے محصول ڈاک کے لئے بھیجنے پر یہ رسالہ سال بھر تک مفت بھیجا جائیگا (منیجر)

رسولؐ کی پیدائش نور سے نہ تھی | سوم یہ کہ خلقت ملائکہ نور سے ہے جیسا کہ مسلم میں ہے خلقت الملائکۃ من نور فرشتے نور سے پیدا کئے گئے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرشتہ ہونے سے انکار فرمایا گیا ہے قرآن شریف میں ہے وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَکٌ (پ۱۲ س ہود ۲۶) میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ چہارم یہ کہ اگر آپ کے قول کے مطابق مان لیا جائے کہ رسولؐ اللہ نور الٰہی سے نور تھے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ نور نور الٰہی کا کُل تھا یا جز۔ اگر کل تھا تو آپ کے قول کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجسم خدا ہوئے، عام اس سے کہ وہ حلول طریانی ہو یا سریانی اور اگر وہ نور نور الٰہی کا جز تھا تو آپ نے خدا کی تجزی کردی اور یہ دونوں شقیں باطل ہیں اور عقل و مذہب کے خلاف ہیں۔ پس آنحضرتؐ کا نور نہ ہونا اور بشر ہونا ثابت۔ اب رہا اللہ تعالیٰ کا نور فرمانا تو تمام مفسرین نے اس نور کو بمعنی مُنوِّر روشن کنندہ لکھا ہے اور آنحضرتؐ ظلمت کفر و شرک میں نور اور نور توحید و نور اسلام سے ظلمتکدۂ جہاں کے منوّر تھے اور یہ اسی طرح فرمایا ہے جس طرح قرآن مجید اور توراۃ وغیرہ کو نور کہا ہے۔ جاہل ایک یہ بات کہا کرتے ہیں کہ بخاری و مسلم میں حدیث صوم وصال میں لست کاحد منکم اور لست کھیئتکم آیا ہے ان کے یہ معنی ہیں میں تمہاری طرح نہیں ہوں میں تمہاری ہیئت پر نہیں ہوں اور چونکہ حدیث آیت کی مفسر اور آیت سے موخر ہے پس اس حدیث نے آیات بشریت کو منسوخ کردیا۔

بحث نسخ | اس کے چند جواب ہیں۔ اول یہ کہ نسخ احکام میں ہوا کرتا ہے نہ کہ اخبار میں اور یہ تمام آیات بشریت اخبار ہیں۔ پس نسخ کی کوئی وجہ نہیں۔ طیبی شرح حدیث عثمان بن مظعون میں لکھتے ہیں ان النسخ علی تقدیر صحتہ تاخیر الناسخ انما یکون فی الاحکام لا فی الاخبار۔ نسخ احکام میں ہوتا ہے نہ اخبار میں اور وہ بھی جبکہ ناسخ کا موخر ہونا ثابت ہو پس یہ آیات منسوخ نہیں ہوسکتیں۔ دوم یہ کہ اخبار آحاد کتاب اللہ کی ناسخ نہیں ہوتیں اس مسئلہ میں علمائے حنفیہ بھی متفق ہیں۔ سوم کتب ناسخ و منسوخ اور شروح احادیث و تفاسیر میں کبھی کسی امام یا عالم نے ان کو منسوخ نہیں لکھا پھر آپ کا قول کیونکر قابل تسلیم ہو۔ چہارم ان احادیث کے معنی آپ غلط سمجھے ان کے یہ معنی نہیں کہ میں بشر نہیں ہوں بلکہ ان کے یہ معنی ہیں کہ میں اللہ کا رسولؐ ہوں میرے پاس وحی آتی ہے میرا اللہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے میں امین ہوں صادق ہوں معصوم ہوں تم میں کوئی میرے برابر عابد و زاہد نہیں۔ تم میں اتنا خوف خدا نہیں جتنا مجھ میں ہے میں رؤف و رحیم ہوں بردبار ہوں ان باتوں میں کوئی تم میں سے مجھ جیسا نہیں نہ میں ان باتوں میں تم جیسا ہوں۔ یہ مطلب نہیں کہ میں آدمی نہیں یا تم آدمی نہیں یہ بات تو ایسی ہے کہ ہر شخص دوسرے سے کہا کرتا ہے۔ ایک حکیم یا ڈاکٹر کہتا ہے میں تسا یا تم مجھ سے نہیں تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ میں امراض و اسباب امراض سے واقف ہوں۔ اس کے علاج جانتا ہوں دواؤں کی ماہیت و اثرات سے آگاہ ہوں تم ان سے ناواقف ہو۔ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ میں آدمی نہیں ہوں یا تم آدمی نہیں ہو۔ اسی طرح ایک بادشاہ رعیت سے وکیل موکل سے عالم جاہل سے پہلوان کمزور سے شہری دیہاتی سے کہتا ہے اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہوتے کہ تم آدمی نہیں ہو یا میں آدمی نہیں ہوں۔ پنجم جس طرح آپ ان احادیث کو عدم بشریت پر دلیل لاتے ہیں اسی طرح یہ دلیل بشریت ہیں۔ اسلئے کہ ان میں یہ نہیں فرمایا کہ میں بشر نہیں ہوں بلکہ صرف اتنا فرمایا ہے کہ تم میں کوئی مجھ سا نہیں میں تسا نہیں اسکے یہ معنی ہیں کہ صرف میں ہی بشر ہوں اور تم کچھ اور ہو پس جس طرح آپ اس کو بشر نہ ہونے کی دلیل قائم کرتے ہیں اسی طرح یہ بشر ہونے کی دلیل ہیں فما ھو جوابکم فھو جوابنا یعنی پس جو تمہارا جواب ہے وہی ہمارا جواب ہے۔ ششم یہ کہ وہ احادیث کہ جن میں لست کاحد منکم اور لست کھیئتکم آیا ہے اس کی تشریح ملا علی قاری ہروی

حنفی شرح شفا میں یوں فرماتے ہیں لست کھیئتکم ای صفتکم من جمیع الوجوہ یعنی میں تمہاری صفات پر من جمیع الوجوہ نہیں پھر لکھتے ہیں لست کھیئتکم ای فی ضعف بنیاتکم و فتور حالکم میں تمہاری حالت پر نہیں ہوں، تمہاری بنیتوں کی کمزوری اور تبدیل حالات میں۔ پس معلوم ہوا کہ ان حدیثوں میں ضعف بنیات وغیرہ کا بیان ہے نہ کہ انکار بشریت۔ ہفتم ولا اقول انی ملک میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ اس آیت کی تفسیر میں ہر مفسر نے بل بشر بل آدمی لکھا ہے اس کے خلاف کسی نے نہیں لکھا۔

قرآن سے بشریت رسول | ہشتم اصل بات یہ ہے کہ کفار کو بشریت رسولؐ سے انکار تھا وہ کہتے تھے کہ رسول فرشتہ ہونا چاہیے نہ کہ آدمی اسلئے اللہ پاک نے جگہ جگہ بشریت کو ظاہر فرمایا ہے تفسیر جامع البیان میں ہے وما ارسلنا من قبلک الا رجالا لا ملائکۃ رد علی من قال اللہ اعظم ان یکون رسولہ بشرا نوحی الیھم فاسئلوا اھل الذکر۔ اھل الکتاب ایخبروکم انھم بشر لا ملائکۃ ان کنتم لا تعلمون ہم نے تجھ سے پہلے بھی انسان مرد ہی رسول بھیجے تھے نہ کہ فرشتے یہ ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے تھے کہ اللہ کا رسول آدمی نہیں ہو سکتا ہم ان پر وحی بھیجتے تھے پس تم اہل کتاب سے پوچھ لو تاکہ وہ تمہیں بتا دیں کہ وہ فرشتے نہ تھے انسان تھے اگر تم نہیں جانتے ہو۔ پس اب بشریت رسولؐ سے انکار وہی کفار عرب کا عقیدہ ہے جس کا اللہ پاک نے رد فرمایا ہے نہم کفار کہتے تھے لَوْمَا تَاْتِیْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ (پ۱۴ س حجر ۱) لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ (پ۷ س انعام ۱) کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا تو اس جواب میں اللہ پاک نے فرمایا قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا (اگر زمین میں فرشتے ہوتے تو ہم ان کے پاس فرشتہ ہی کو رسول بنا کر بھیجتے اس سے ثابت ہوا کہ چونکہ زمین پر انسان ہی ہیں اسلئے انسان ہی کو رسولؐ بنایا

دہم ایسی احادیث بکثرت موجود ہیں جن سے آنحضرت کی بشریت ثابت ہوتی ہے وہاں کس کو ناسخ اور کس کو منسوخ کہا جائے گا بخاری میں ہے بعثت من خیر قرون بنی ادم قرنا فقرنا حتی کنت من القرن الذی کنت منہ۔ میں بھیجا گیا ہوں بہترین قرون بنی آدم سے یہانتک کہ ہوں میں اس قرن سے جس سے کہ ہوں مسلم میں ہے ان اللہ اصطفی کنانۃ من ولد اسمعیل واصطفی قریشا من کنانۃ واصطفی من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم اللہ نے کنانہ کو اولاد اسمعیلؑ سے منتخب فرمایا اور قریش کو کنانہ سے اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھکو ترمذی میں ہے انا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ان اللہ خلق الخلق فجعلنی فی خیرھم ثم جعلھم فرقتین فجعلنی فی خیرھم فرقۃ ثم جعلھم قبائل فجعلنی فی خیرھم قبیلۃ ثم جعلھم بیوتا فجعلنی فی خیرھم بیوتا فانا خیرھم نفسا وخیرھم بیتا۔ میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں اللہ نے مخلوق پیدا کی تو مجھے ان کے بہترین میں پیدا کیا پھر انھیں دو فرقے کیا تو مجھے بہتر فرقہ میں پیدا کیا پھر انہیں قبیلے بنائے تو مجھے ان کے بہتر قبیلہ میں بنایا پھر ان میں گھر بنائے تو مجھے بہتر گھرانے میں بنایا پس میں لوگوں میں بہتر گھرانے کا ہوں باعتبار ذات کے۔ ان احادیث میں گو کہ لفظ بشر وغیرہ نہیں آیا لیکن ان سے بشریت صاف طور پر ثابت ہوتی ہے اور یہ بات تو ایسی ہے کہ ہر شخص جانتا ہے انسان کی اولاد انسان ہی ہوتی ہے پس تسلیم کرنا پڑیگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی

انسان ہی تھے اور اگر آپ یہ کہیں کہ کبھی انسان کی اولاد غیر انسان بھی ہوتی ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد بھی آپ کے قول کے موافق غیر انسان ہوئی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت آدمؑ سے لیکر عبداللہ و آمنہ والدین آنحضرتؐ تک یہ سب انسان تھے یا غیر انسان اگر غیر انسان تھے تو آنحضرتؐ بھی غیر انسان ہوئے اور اگر انسان تھے تو آنحضرتؐ بھی انسان ہوئے اگر یہ کہا جائے کہ صرف آنحضرتؐ غیر انسان تھے تو یہ تسلیم ہوگیا کہ کبھی انسان کی اولاد غیر انسان بھی ہوتی ہے اور یہ قانون قدرت کے خلاف ہے یا مدعی اسکا ثبوت دے بہر حال یہ تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیر انسان کی اولاد غیر انسان ہوتی ہے یا انسان لامحالہ کہنا پڑیگا کہ غیر انسان پس اس صورت میں آنحضرتؐ کی تمام اولاد اور حضرت فاطمہ زہراؓ بھی غیر انسان ہوئیں اور حضرت فاطمہؓ کی تمام اولاد جو سید کہلاتی ہے سب غیر انسان ہوئے حالانکہ آپ ان سب کو انسان مانتے ہیں اور اگر آپ کہیں کہ غیر انسان کی اولاد انسان ہوتی ہے تو یہ قانون قدرت کے خلاف اور آپ کے ذمہ اس کا ثبوت، پھر یہ کہ آنحضرتؐ کو اگر غیر انسان تسلیم کر لیا جائے تو ایک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قطع نظر اس سے کہ انسان و غیر انسان میں مناکحت شرعاً درست بھی ہے یا نہیں انسان و غیر انسان میں توالد و تناسل ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہوتا تو ازواج مطہرات سب کی سب انسان تھیں ان کی اولاد کیوں ہوئی اگر ہوتا ہے تو اس کی کوئی مثال بتایئے کہ فرشتہ اور انسان سے اولاد ہوئی۔ پھر یہ بتایئے کہ جب آپ آنحضرتؐ کو غیر انسان مانتے ہیں اور ازواج مطہرات کو انسان تو ان دونوں غیر جنس سے جو اولاد ہوئی وہ انسان ہوئی یا غیر انسان یا کوئی اور تیسری چیز اگر انسان کہئے تو دعوی بلا دلیل باطل اور اگر غیر انسان کہئے تو تمام اولاد آنحضرتؐ کو غیر انسان تسلیم کر لیا حالانکہ وہ سب آپ کے نزدیک بھی انسان ہی ہیں اور اگر کوئی تیسری چیز ہے تو یقیناً وہ جن فرشتہ حور غلمان وغیرہ سے الگ ہے بس اس کا نام بتایئے حالانکہ آپ اسے انسان ہی کہتے ہیں پس معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کو بشر نہ ماننا عقلاً بھی نادرست ہے۔

احادیث بشریت رسولؐ | یا زدہم مسلم میں ہے انما انا بشر اذا امرتکم بشئی من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشئی من رائی فانما انا بشر۔ بلا شک میں آدمی ہوں جب تمہیں دین کی بات بتاؤں تو مان لو اور جب کوئی بات اپنی رائے سے بتاؤں تو میں آدمی ہی تو ہوں مسلم میں ہے انما انا بشر فما حدثتکم عن اللہ تعالی فہو حق وما قلت فیہ من قبل نفسی فانما انا بشر میں آدمی ہوں پس جو بات تم کو اللہ کی طرف سے بتاؤں وہ حق ہے اور جو اپنی طرف سے بتاؤں تو میں آدمی ہی تو ہوں مسلم میں ہے انا محمد بشر اغضب کما یغضب البشر میں محمدؐ سرا پا مجھے بھی دوسرے آدمیوں کی طرح غصہ آتا ہے۔ ترمذی میں بروایت حضرت عائشہؓ ایک حدیث ہے آنحضرتؐ کی بابت فرماتی ہیں۔ کان بشرا من البشر آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے بخاری و مسلم میں ہے انما انا بشر وانکم تختصمون تم جھگڑتے ہو اور اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں آدمی ہوں بخاری و مسلم میں ہے انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون میں آدمی ہوں ایسا ہی بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو اگرچہ اس قسم کی احادیث بکثرت موجود ہیں اب صرف ایک حدیث اور سن لیجئے یہ تو آپ کو خوب معلوم ہوگا کہ حجۃ الوداع آنحضرتؐ کا آخری حج تھا یہ حج ماہ ذی الحجہ سنہ ہجری مطابق ماہ فروری ۶۳۲ء میں ہوا تھا اس حج کے دو ماہ بعد یعنی دوشنبہ دوسری ربیع الاول سالہ مطابق ماہ مئی ۶۳۲ء کو آپ کی وفات ہوئی۔ اس حج میں عرب کے تمام قبائل جن کی نفوس شماری ایک لاکھ سے زائد تھی موجود تھے جب آپ بعد ادائے حج واپس ہوئے تو آپ نے غدیر خم پر تمام صحابہؓ کو جمع کرکے ایک خطبہ دیا جس کے الفاظ مسلم

نسائی، مسند احمد بن حنبل، ترمذی، طبرانی، طبری، حاکم میں یہ ہیں ایھا الناس انما انا بشر اے لوگو اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں ایک آدمی ہوں اس حدیث کے تاخر زمانہ سے آپ کو ماننا پڑیگا کہ یہ تمام متقدم حدیثوں کی ناسخ ہے۔ ورنہ اس کے بعد کی حدیث معہ وقت، ماہ، سنہ، وغیرہ بتایئے الحاصل ان تمام احادیث سے آنحضرت کا بشر ہونا ثابت ہے اور وہ بھی اس طرح کہ خود آنحضرت اپنی زبان مبارک سے بار بار بشر فرماتے ہیں اور آپ کے قول کے موافق حدیث آیت کی مفسر و ناسخ ہے اور یہاں یہ حدیثیں ان آیات بشریت کی تائید فرماتی ہیں اب وہ لوگ غور فرمائیں جو رسول اللہ کو بشر کہنے والے کو کافر کہتے ہیں اسلئے کہ حضرت عائشہؓ اور خود آنحضرت اپنے آپ کو بشر فرماتے ہیں۔

۱۲ دوازدہم یہ کہ حسب اصول اذا تعارضا تساقطا جب ایک مرتبہ کی دو حدیثیں باہم متعارض ہوں تو دونوں ساقط ہوجاتی ہیں پس ان احادیث کے وہ معنی جو کہ واقعی ہیں اور ہم اوپر بتا آئے ہیں آپ کو ماننا پڑینگے تاکہ ان احادیث میں مطابقت ہوسکے۔ پس اگر آپ ہمارے بتلائے ہوئے معنی تسلیم کرتے ہیں تو بشریت ثابت اور اگر نہیں تسلیم کرتے تو بوجہ تعارض آپ کی اور ہماری پیشکردہ احادیث ساقط، اور جب احادیث ساقط تو آپ کا دعوی نسخ آیات باطل اور آیات قرآنی بجائے خود قائم اور ہمارا دعوی بشریت رسول ثابت۔

ثبوت بشریت فقہ سے

۱۳ سیزدہم جو لوگ قرآن و حدیث کے مقابلہ میں فقہ کو مانتے ہیں اور بوجہ تقلید ان پر امام کا قول ماننا واجب ہے ان کے لئے یہ جواب مخصوص ہے۔ ہر امام ہر فقیہ ہمیشہ سے انبیاء و رسل کو اور آنحضرتؐ کو بشر ہی کہتے آئے ہیں چنانچہ تمام کتب فقہ و سیر وغیرہ میں لکھا ہوا ہے صرف دو تین عبارتیں پیش ہیں۔ ملا علی قاری حنفی مرقاۃ شرح مشکوۃ میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے متعلق عزت و احترام کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اَکْرِمُوْا اَخَاکُمْ۔ (اپنے بھائی کی عزت کرو) لکھتے ہیں۔ ھو بشر مثلکم ومفرع من صلب ابیکم آدم وہ تم جیسا آدمی ہے اور تمہارے باپ آدمؑ کی پشت سے ہے تعلیق المجلی شرح منیۃ المصلی میں ہے لانی من البشر فاذا نسیت فذکرونی چونکہ میں آدمی ہوں پس جب بھولجاؤں تو یاد دلا دیا کرو۔ فتح القدیر میں ہے ولکن انما انا بشر انسی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی میں تو آدمی ہوں ایسے ہی بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو پس جب میں بھولا کروں تم یاد دلا دیا کرو متکلمین بھی بشریت تسلیم کرتے آئے ہیں شرح مواقف میں ہے فقولہ انما انا بشر مثلکم یوحی الی یدل علی مماثلتھم سائر الناس فیما یرجع الی البشریۃ والامتیاز بالوحی لاغیر یہ فرمان ربانی اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ (پ۱۶ س کہف) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ (محمد رسول اللہ صلعم) صفات بشریت میں تمام آدمیوں کے مانند تھے صرف اتنا فرق تھا کہ ان پر وحی آتی تھی اس کے سوا کچھ فرق نہ تھا۔ شرح عقائد نسفی میں ہے الرسول انسان بعثہ اللہ الی الخلق لتبلیغ الاحکام۔ رسول آدمی ہے خدا نے اسے تبلیغ احکام کیلئے مخلوق میں بھیجا۔ شرح مقاصد میں ہے النبی انسان بعثہ اللہ لتبلیغ ما اوحی الیہ وکذا الرسول نبی اور رسول انسان ہیں جو ان پر وحی آتی تھی اس کی تبلیغ کے لئے اللہ نے بھیجا تھا جن کتابوں کے آپ حوالے دیتے ہیں انہیں اور تمام کتب فقہ و سیر و کلام میں بشریت انبیاء و رسل پر کئی کئی فصلیں موجود ہیں۔ ذرا شفاء قاضی عیاض اور شرح علی قاری اور مواہب لدنیہ اور زرقانی ہی کو دیکھ لیجئے یہ کتابیں تو آپ کے نزدیک معتبر ہیں آپ تو ان کی سندیں

لاتے ہیں مگر آپ کیوں دیکھنے اور ماننے لگے۔ آپ کو تو حنفیت سے بھی دشمنی ہے آپ تو دیوبندیوں کو کافر کہتے ہیں آپ تو "خشکہ باگندہ بہروزہ اگرچہ گندہ است لیکن ایجاد بندہ است" کے قائل ہیں آپ کا خود ساختہ مذہب تو اسلام کا مٹانا، رسولؐ کو خدا بنانا ہے آپ کے نزدیک تو ہر شخص بشریت رسولؐ کا قائل کافر تھا۔ اب چند آپ کے مقلد منکر بشریت رسول آپ کے نزدیک مسلمان ہوئے ہیں۔ اللہ اللہ انبیاء ورسل تو کفار کو مسلمان بنانے کیلئے دنیا بھر کی مصیبتیں اٹھائیں اور مفت خورے علماء سو مسلمانوں کو کافر بنائیں۔ آہ۔ ایکبار اور بھی دنیا ابھی روٹ لیگی۔ یہاں مجھے ایک واقعہ یاد آگیا ابھی شدھی کے سلسلہ میں بریلی کے ایک کافر گر مولوی صاحب کی مٹی تبلیغ کے لئے اٹھی بڑی کوشش سے ایک آدمی کو مسلمان کیا پھر کیا تھا تمام حوالی موالی چیلے چانٹے اخباروں میں مضمون لکھنے لگے ہر طرف سے تحسین وآفرین کی آوازیں آنے لگیں مگر واہ رے رو ہیلکھنڈ فوراً ایک شاعر نے یہ شعر لکھکر حاضر خدمت کردیا ؎

آپ کے باپ نے لاکھوں کو بنایا کافر ✣ ناخلف آپ ہیں جو ایک مسلمان کیا

چہاردہم آپ کا یہ دعویٰ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صورت انسانی اور جامہ بشری میں تھے لیکن وہ دراصل انسان نہ تھے بلکہ کچھ اور تھے اس کا کیا مطلب ہے اگر یہ ہے کہ جن یا فرشتہ تھے تو غلط ہے اسلئے کہ قرآن میں صاف طور پر فرشتہ ہونے سے انکار ہے۔ ولا اقول انی ملک میں تم سے نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں اور چونکہ جن بھی بحیثیت خلقت ملائکہ ہی کی جنس سے ہیں جیسا کہ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اِلَّآ اِبْلِيْسَ (پس سجدہ کیا تمام فرشتوں نے مگر ابلیس) اور كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (س کہف) (شیطان جنوں میں سے تھا پھر اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی) سے جن کا ایک ہونا ثابت ہے۔ اس لئے جن ہونے سے بھی انکار ہوگیا پھر اگر فرشتہ یا جن یا کچھ اور مان لیں تو بقول ملا علی قاری فانکم لن تطیقوا علی التلقین الملکی تم فرشتہ کی تلقین میں اس کی متابعت نہ کرسکتے ان قوۃ البشریۃ لیست کالقدرۃ الملکیۃ قوت بشری قوت ملائکہ جیسی نہیں اور بقول قاضی بیضاوی لو کان من جنس الملائکۃ لصعب الامر بسببہ علی الناس۔ اگر جنس ملائکہ سے ہوتے تو آدمیوں پر دشواری ہوجاتی پس رسول اللہ کو غیر انسان ماننے میں اطیعوا الرسول اطاعت کرو رسول کی اور فاتبعونی میرا اتباع کرو یہ آیتیں بیکار ہوئی جاتی ہیں یا ان پر عمل ناممکن ہوجاتا ہے اسلئے کہ انسان فرشتہ یا جن یا کچھ اور کی برابری نہیں کرسکتا پھر یہ کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور ان کے سوا تمام مخلوق ادون المخلوقات۔ تو اب اگر انسان کو داخل جنات ملائکہ وغیرہ کرتے ہیں تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ اشرف المخلوقات کو ادنی المخلوقات میں داخل کردیا اور یہ بجائے ترقی مراتب، تنزل ہوگیا پس لامحالہ ماننا پڑیگا کہ تمہاری مراد "کچھ اور" سے ایسی چیز ہے جو انسان سے اشرف وافضل ہو اور وہ بجز ذات باری جل جلالہٗ اور کیا ہوسکتی ہے پس اگر ذات باری مراد ہے اور یقیناً یہی مراد ہے تو یہ بتائیے کہ ذات باری نے جو جسم رسول میں ظہور کیا اس کی کیا شکل ہے آیا بحیثیت اولاد یا کنبہ ناتا قرابت یا جز یا کل، اولاد تو اس لئے غلط کہ آپ اولاد آدم میں اولاد عبداللہ بن عبدالمطلب تھے۔

عقیدۂ یہود ونصاریٰ | پھر یہ کہ یہ وہی عقیدہ ہے جو یہود ونصاریٰ کا تھا۔ یہود حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ (پ ۱۰ س توبہ ۴) یہود نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے وَقَالَتِ

النَّصَارٰى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ (پ۱۰ س توبہ ع۴) نصاریٰ نے مسیح کو اللہ کا بیٹا کہا۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا (پ۱۱ س یونس ع۷) ان لوگوں نے کہا اللہ کا بیٹا ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ (پ۶ س مائدہ ع۳) یہود و نصاریٰ نے کہا ہم اللہ کے بیٹے ہیں. بہرحال اولاد کہو یا رشتہ ناتا ان سب کو اللہ پاک نے رد فرمایا ہے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ہ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ہ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ کہدے (اے محمدؐ) اللہ ایک ہے وہ بے نیاز و بزرگ ہے نہ اس کے کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے نہ اس کے کنبہ ناتا قبیلہ ہے۔

بحث الوہیت رسولؐ اور خدا کی تجزی | اب اگر خدا کا جزء مانئے تو غلط اسلئے کہ یہ خدا کی تجزی ہوئی جاتی ہے اور تجزی باطل ہے اور کل من حیث ہو کل ہمیشہ اپنے جزء کا محتاج ہوتا ہے اور جو چیز کسی دوسرے کی محتاج ہو وہ خدا نہیں ہوسکتی۔ پھر یہ کہ وہ جزء الٰہی جو رسولؐ میں آیا وہ صلب پدر و شکم مادر میں ہوتا ہوا آنحضرت تک پہنچا وہ جزء خداوندی بھی چونکہ خدا تھا اس لئے آپ نے بہت سے خدا تسلیم کر لئے یا ہر زمانہ کا جدا گانہ خدا تسلیم کیا پھر چونکہ وہ لوگ مشرک بت پرست تھے اور جزء خداوندی خدا ہے تو ان لوگوں کی تمام بت پرستی خدا کی بت پرستی ہوئی اور انکا تمام شرک خدا کا شرک ہوا پس کمال تعجب ہے کہ خدا خود معبود برحق ہو کر غیر معبود کو پوجے اور ہمیں اپنی پرستش کا حکم دے پھر وہی جزء الٰہی آنحضرتؐ کی اولاد اور اولاد کی اولاد میں آیا تو پھر وہی بہت سے خدا تسلیم ہو گئے۔ پھر آنحضرتؐ کی اولاد میں جس کسی نے شرک کیا اس کا وہ شرک اور بت پرستی وہی خدا کی بت پرستی ہوگئی اور یہ عقلاً محال ہے پھر اس جزء خداوندی میں کوئی رسولؐ کی خصوصیت نہیں رہی اسلئے کہ آنحضرت کی تمام اولاد میں بھی وہی جزء موجود ہے پس آپ کا مطلب فوت ہوگیا۔

بحث حلول الٰہی | اب اگر آپ یہ کہیں کہ ذات باری نے صرف جسم رسول میں حلول کیا نہ اس سے پیشتر کسی میں نہ بعد کو تو یہ وہی عقیدہ ہے جو نصاریٰ کے فرقہ یعقوبیہ کا تھا۔ امام فخر الدین رازی مفاتیح الغیب میں لکھتے ہیں انهم يقولون ان مريم ولدت الهتها ولعل معنى هذا المذهب انهم يقولون الله تعالىٰ حل فى ذات عيسى واتحد بذات عيسىٰ وہ لوگ کہتے ہیں مریم نے خدا جنا شاید اس مذہب کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ذات عیسیٰ میں حلول کیا اور ذات عیسیٰ سے متحد ہوگیا۔ تفسیر مدارک میں ہے ان بعض النصارى كانوا يقولون كان المسيح بعينه هو الله لان الله ربما يتجلى فى بعض الازمان فى شخص فتجلى فى ذلك الوقت فى شخص عيسى ولهذا كان يظهر من شخص عيسىٰ افعال لا يقدر عليها الا الله بعض نصاریٰ مسیح کو بعینہ خدا کہتے تھے اور کہتے تھے بعض زمانوں میں خدا بعض آدمیوں میں ظاہر ہوتا ہے اور اس زمانے میں ذات عیسیٰؑ میں ظہور کیا ہے اسی لئے عیسیٰؑ سے وہ افعال ظاہر ہوتے ہیں جو خدا کے سوا کسی سے نہیں ہوسکتے۔ تفسیر کبیر میں ہے بعض القوم حلولية وجوز حلول الاله فى بعض الاجسام الحالية الشريفة بعض آدمی حلولیہ ہیں ان کے نزدیک خدا کا بعض اجسام عالیہ شریفہ میں حلول درست ہے۔ اسی بات کو اللہ پاک نے فرمایا ہے۔ لقد كفر الذين قالوا ان الله هو المسيح بن مريم یقیناً کافر ہو گئے وہ جنھوں نے کہا مسیح ابن مریم ہی خدا ہے پس آپ کے اور نصاریٰ کے عقیدہ میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ انھوں نے ذات عیسیٰ میں حلول مانا اور آپ نے ذات خاتم النبیینؐ میں۔ جو سراسر خلاف اسلام ہے۔ اسی طرح نصیری ذات علی رضی اللہ عنہ اور خارجی ذات عمر فاروقؓ اور باطنی ہمیشہ ایک

آدمی میں حلول مانتے ہیں۔ انہی باتوں کے رد کے لئے انبیاء و رسل آئے۔ اسی کے رد سے تمام قرآن پاک بھرا ہوا ہے پھر یہ بتلایئے کہ جب خدا نے ذات خاتم النبیینؐ میں حلول کیا تو وہ اپنی جگہ پر قائم رہا یا نہیں اگر قائم رہا تو آپ نے دو خدا مان لئے اور تعدد آلہ باطل۔ اللہ پاک فرماتا ہے قُلْ لَوْ کَانَ فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور اللہ ہوتے تو فساد پڑ جاتا اگر اپنی جگہ خدا قائم نہیں رہا تو آپ نے اللہ کو معدوم کردیا اور رسولؐ کو خدا بنادیا اور یہی آپ کا مطلب ہے جیسا کہ آپ نے اپنا عقیدہ لکھا ہے قل ھو محمدٌ احد کہہ دے محمد ایکؐ اور ایسا عقیدہ رکھنے والا باتفاق کافر ہے۔

بشریت رسول و کسر نفسی | اب یہ بات بتا دینا بھی نہایت ضروری ہے کہ یہ لوگ جب عاجز آتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے جو اقرار بشریت کیا ہے وہ آنحضرتؐ کی کسر نفسی ہے اس کے ثبوت میں ایک عبارت تفسیر کبیر کی پیش کی جاتی ہے چونکہ اس عبارت میں تحریف ہے اسلئے ہم اولاً پوری عبارت نقل کرتے ہیں قولہ ولا اقول انی ملك ومعناه ان القوم کانوا یقولون مالھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق ویتزوج ویخالط الناس فقال تعالیٰ قل لھم انی لست من الملائکۃ۔ یہ ارشاد خداوندی کہ میں فرشتہ نہیں ہوں اس کا یہ مطلب ہے کہ لوگ کہتے تھے یہ کیسا رسولؐ ہے جو کھانا کھاتا ہے بازاروں میں پھرتا ہے لوگوں سے ملتا ہے نکاح کرتا ہے تو اللہ نے فرمایا کہہ دے کہ میں فرشتہ نہیں ہوں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں واعلم ان الناس اختلفوا فی ان الفائدۃ فی ذکر نفی ھذہ الاحوال الثلاثۃ فالقول الاول ان المراد منہ ان یظھر الرسول من نفسہ التواضع للہ والخضوع لہ والاعتراف بعبودیتہ حتی لایعتقد فیہ مثل اعتقاد النصاری فی المسیح والقول الثانی ان القوم کانو یقترحون منہ اظھار المعجزات القاھرۃ القویۃ کقولھم وقالوا لن نومن لك حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا۔ فقال تعالیٰ فی اخر السورۃ۔ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا۔ یعنی لا ادعی الا الرسالۃ والنبوۃ واما ھذہ الامور اللتی تطلبوھا فلا یمکن تحصیلھا الا بقدرۃ اللہ فکان المقصود من ھذا الکلام اظھار العجز والضعف وانہ لا یستقل بہ تحصیل ھذہ المعجزات التی تطلبونھا منہ والقول الثالث ان المراد من قولہ لا اقول لکم عندی خزائن اللہ معناہ انی لا ادعی کونی موصوفاً بالقدرۃ اللائقۃ باللہ تعالیٰ وقولہ لا اعلم الغیب ای ولا ادعی کونی موصوفا بعلم اللہ تعالیٰ وبمجموع ھذین الکلامین حصل انہ لا یدعی الالھیۃ ثم قال ولا اقول لکم انی ملك وذلك لانہ لیس بعد الالھیۃ درجۃ اعلیٰ حالا من الملائکۃ فصار حاصل الکلام کانہ یقول لا ادعی الالھیۃ ولا ادعی الملکیۃ ولکن ادعی الرسالۃ وھذا منصب لا یمتنع حصولہ لبشر فکیف اطبقتم علی استنکار قولی و دفع دعوای۔ اللہ نے جو ذات رسول سے ان تین باتوں کا انکار فرمایا ہے اس سے کیا فائدہ ہے اس بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے پہلا قول یہ ہے کہ یہ اسلئے ہے کہ رسول اپنے نفس کی جانب سے اللہ کی شان میں اپنی عاجزی اور اپنی عبدیت کا اظہار کرے تاکہ رسولؐ کے متعلق لوگوں کو وہ خیال نہ ہو جو عیسیٰؑ کے بارے میں ہوا (یعنی خدا اور وہی یہاں درپیش ہے) دوسرا قول یہ ہے کہ قوم معجزات قویہ طلب کرتی تھی مثلاً کہتی تھی کہ ہم اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک زمین سے چشمہ نہ پیدا ہو جائے اسوجہ سے آخر سورت میں اللہ پاک نے فرمایا کہہ دے میں تو رسولؐ اور آدمی ہوں یعنی یہ باتیں جن کے تم طالب ہو

اللہ کی قدرت میں ہیں۔ میں تو ان سے قاصر و عاجز صرف مدعی رسالت ہوں۔ تیسرا یہ قول ہے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ میں قدرت خداوندی نہیں رکھتا میں غیب نہیں جانتا اس کا یہ مطلب ہے کہ مجھے علم الٰہی نہیں ان دونوں باتوں کے انکار سے یہ نتیجہ نکلا کہ میں مدعی الوہیت نہیں میں فرشتہ نہیں یہ اس لئے کہ اللہ کے بعد ملائکہ کا درجہ ہے تو خیال ہوتا کہ رسول فرشتہ ہے پس اس سے انکار کیا کہ میں فرشتہ بھی نہیں اور خدا بھی۔ بلکہ میرا دعویٰ تو صرف رسالت ہے اور رسالت بشر کو ملنا کوئی امر ناممکن نہیں۔ پھر تم میرا کہنا کیوں نہیں مانتے۔ اس عبارت ہی سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ مدعی کا مطلب اس سے ثابت نہیں ہوتا لیکن ہم بخیال اتمام حجت و رفع شک مختصر جواب دیتے ہیں۔ اول یہ کہ یہ قول بعض کا ہے نہ مجمع علیہ چنانچہ اسی عبارت میں دو قول اور موجود ہیں۔

کسر نفسی | دوم یہ کہ آپ کے کہنے کے مطابق اگر انکار کسر نفسی ہے تو ملکیت اور علم غیب اور خزائن اللہ تینوں سے انکار کسر نفسی ہے پس تسلیم کرنا پڑیگا کہ آپ میں تینوں باتیں موجود ہیں جن میں سے علم غیب کا رد آگے آئیگا۔ اور فرشتہ اور خزائن اللہ ہونا آپ کو خود تسلیم نہیں۔ سوم یہ کہ وجہ کسر نفسی یہ بتائی گئی ہے کہ کہیں رسولؐ کی نسبت وہی خیال نہ پیدا ہو جائے جو مسیح کی بابت نصاریٰ کو ہوا اور انکار بشریت کی شکل میں وہی شکل موجود ہے یعنی الوہیت پس جس بات کا رد کیا گیا وہی آپ نے مان لی۔ چہارم اگر یہ قول کسر نفسی ہے تو فرشتہ ہونے سے انکار بھی کسر نفسی ہوا جس کے یہ معنی ہوئے کہ آنحضرتؐ فرشتہ ہیں اس سے انکار بشریت نہ ثابت ہوا۔ پنجم کسر نفسی تسلیم کرنے کی صورت میں آنحضرتؐ کے عبد ہونے سے بھی انکار ہو ناہے۔ سیئے کہ وجہ کسر نفسی عبدیت بتائی ہے۔ پس عبدیت کسر نفسی ہوئی نتیجہ یہ کہ آنحضرت عبد نہیں۔ ششم اسی عبارت کے آخری دو قول اس قول کا رد کرتے ہیں۔ ہفتم یہ کہ ان عبارتوں کا مطلب ہی آپ نہ سمجھے کسر نفسی سے ان لوگوں کی مراد ان کی رائے میں انکار کی غرض یا مصلحت یا غایت یا فلسفہ ہے نہ کہ واقعیت ہشتم اگر یہ بات کسر نفسی منجانب رسول ہے تو جن آیات میں یا اسی میں منجانب اللہ حکم ہے وہ کس کی جانب سے کسر نفسی ہے اگر منجانب رسولؐ تو غلط اسلئے کہ آیات قرآنی منجانب اللہ ہیں اور اگر منجانب اللہ تو بھی غلط اسلئے کہ اللہ کو کسر نفسی کی ضرورت نہیں۔ نہم اگر منجانب رسول کسر نفسی ہے تو وہ احادیث مثلاً انا سید ولد آدم ولا فخر۔ میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور اس پر فخر نہیں۔ انا اول شافع واول مشفع میں پہلا شفاعت کرنیوالا اور پہلا شفاعت قبول کیا گیا ہوں انا خیرھم بیتا وخیرھم نفسا میں بہترین گھرانے کا اور بہترین ذات کا ہوں اور اسی قسم کی حدیثوں میں کسر نفسی کیوں نہیں پس معلوم ہوا کہ یہ کسر نفسی نہیں بلکہ اظہار واقع ہے۔ دہم اگر کسر نفسی منجانب رسولؐ ہے تو جس بات کا کسر نفسی سے انکار کیا ہے وہ بات سچ اور واقعی ہے یا نہیں اگر سچ ہے تو ہمارا دعویٰ بشریت ثابت اور اگر سچ یا واقعی نہیں تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ کا اتہام لگایا اور رسولؐ کا جھوٹ بولنا محال شرعی ہے

یازدہم۔ اگر کسر نفسی منجانب اللہ ہے اور بات سچی ہے تو بشریت رسول ثابت اگر جھوٹی ہے تو آپ نے اللہ کا جھوٹ بولنا تسلیم کر لیا اور یہ محال اور خلاف اسلام ہے۔ اس تمام تقریر کا حاصل یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل دیگر انبیاء و رسل کے بشر تھے اور جملہ صفات و لوازم بشریت سے متصف مثلاً کھانا پینا سونا جاگنا چلنا پھرنا شادی و غم ابوت بنوت اخوت آپ میں موجود تھیں۔

معراج نبوی اور اس کی برکتیں

(از مدیر)

رجب کے مہینہ میں جاہلوں اور پیٹ کے بندوں نے لکھی روزہ، ہزاری روزہ، مریم روزہ، امام جعفر صادقؓ کا کونڈہ وغیرہ کے نام سے اپنے کھانے کمانے کے لئے جیسی جیسی بدعات و خرافات جاری کر رکھی ہیں ان کا تو اسلام اور دین سے دور کا بھی واسطہ نہیں، یار لوگوں نے محض اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے یہ لغو اور بے سروپا افسانے گھڑ لئے ہیں۔ اس مہینہ میں خاص خاص روزوں اور نمازوں کی فضیلت میں جھوٹی جھوٹی حدیثیں بھی بنا لی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصیت کے ساتھ اس مہینہ میں کسی خاص روزہ یا نماز، یا نذر و نیاز وغیرہ کا صحیح طور پر کوئی ثبوت نہیں۔

ہاں مشہور[1] قول کے مطابق ہمارے آقا و مولا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج البتہ اسی مہینہ میں ہوئی ہے، یعنی آپ کو اسی مہینہ کی ستائیسویں تاریخ کی رات میں **براق** پر سوار کرا کر، **حضرت جبرئیلؑ** کے ساتھ **مکہ معظمہ** سے **بیت المقدس**، اور پھر وہاں سے **آسمانوں** پر لیجایا گیا، جہاں آپ نے مظاہر قدرت کی وہ وہ نشانیاں دیکھیں جو اب تک کسی آنکھ نے نہ دیکھی تھی، یہی واقعہ **معراج** کے نام سے مشہور ہے۔ معراج "عروج" سے لیا گیا ہے جس کے معنی "اوپر چڑھنے" کے ہیں، چونکہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "عُرِجَ بِیْ" "مجھکو اوپر چڑھایا گیا" اس لئے اس کا نام "معراج" پڑ گیا۔

معراج اور ہجرت کا تعلق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے مشہور و ممتاز خاندان بنی ہاشم میں پیدا ہو کر، جب بے مثال امانت و صداقت، عفت و طہارت نیکی و صلاحیت کے ساتھ اپنی زندگی کے چالیس سال گذار لئے، تو بارگاہ الٰہی سے نبوت و رسالت کے خلعت سے آپ کو نوازا گیا۔ جبریلؑ نے **تمام عالم** کی ہدایت و رہنمائی کا بار آپ کے کندھوں پر ڈال دیا، اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ اس مہم کی ابتدا پہلے اپنے ہی وطن اپنے ہی قبیلے اور اپنے ہی خاندان سے کیجئے۔ آپ نے حکم ربانی کی تعمیل میں سب سے پہلے توحید کی تعلیم اور شرک کی مذمت شروع کی، پس پھر کیا تھا؟ سب کے سب بگڑ اٹھے۔ اور تو اور خود اپنے ہی گھرانے اور خاندان کے لوگ جان کے خواہاں ہو گئے، بری طرح سے مارنے پیٹنے اور ستانے لگے۔ جن نیک بختوں نے آپ کو اللہ کا پیغمبر مان کر آپ کا دین قبول کر لیا ان پر بھی ایسے ایسے ہولناک مظالم ڈھائے کہ آج ان کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، مسلسل تیرہ سال تک اللہ کے پیغمبر کے ساتھ ان ظالموں کا یہی برتاؤ رہا، اور بالآخر جب مکہ معظمہ کی سرزمین سے اس دین الٰہی کے پھلنے، پھولنے اور پروان چڑھنے کی توقع نہ رہی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے

---

[1] مشہور قول میں نے اس لئے کہا کہ معراج کے مہینہ اور تاریخ کی تعیین میں صحیح طور پر جس پر وثوق اور یقین کے ساتھ اطمینان کیا جاسکے کچھ ثابت نہیں، مہینے کے متعلق اصحاب سیر کے پانچ قول ہیں۔ کسی نے ربیع الاول بتایا ہے۔ کوئی ربیع الاخر کہتا ہے۔ بعض رجب۔ بعض رمضان بعض شوال بتاتے ہیں۔ علامہ زرقانی وغیرہ نے ماہ رجب ہی کو مشہور بتاتے ہوئے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ ہاں اتنا یقینی ہے کہ یہ وقت رات کا تھا اور مکہ معظمہ میں ہجرت سے پہلے حضورؐ کو یہ اعزاز حاصل ہوا۔ ۱۲ منہ

ایک دوسرا میدان منتخب فرمایا، اور آپ کو اجازت دیدی کہ آپ اپنا وطن (مکہ) چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف **ہجرت** کر جائیں۔ اسی ہجرت سے تقریباً سال ڈیڑھ سال پہلے آپ کو رب ذوالجلال نے شرف باریابی بخشا اور **معراج** نصیب ہوئی۔ جس میں اشارہ تھا اس بات کی طرف کہ اب اسلام کی سخت اور پر خطر زندگی کا باب ختم ہو کر اس کی ترقی اور عروج کا ایک نیا دور شروع ہونیوالا ہے۔ اب ظالموں اور بے رحموں کے گھیرے سے نکلکر جان نثاروں اور جانبازوں کے حلقے میں حق کا اعلان ہوگا اب تک (دس بارہ سال تک) جو کچھ پیغامات رب کی طرف سے آپ تک پہنچے تھے وہ عموماً جبریل امین کے واسطہ سے تھے، مگر اب آنیوالے دور کے لئے نئے نئے احکام کا نفاذ ہونیوالا تھا، اب کام کی نوعیت بدل رہی تھی، اسلئے خدا نے ایک خاص اعزاز کے ساتھ آپ کو اپنی بارگاہ تک بلایا۔ یعنی ساکنانِ ملاءِ اعلی کو حکم ہوا کہ آج مہمان سرائے غیب کو ایک نئے ساز و برگ کے ساتھ سجایا جائے کہ شاہد عالم مہمان بنکر آئے گا۔ **روح الامین** (جبریلؑ) کو فرمان پہنچا کہ وہ سواری جو بجلی سے زیادہ تیز اور آفتاب سے زیادہ روشن ہے، لیکر کعبہ میں حاضر ہوں۔ اور مہمان شاہی کو بصد احترام دربار الٰہی تک پہنچائیں۔ اولوالعزم انبیاء کرام کو پہلے آسمان سے لیکر ساتویں آسمان تک معزز مہمان کے استقبال کے لئے درجہ بدرجہ بٹھا دیا گیا، اور پھر اپنے حبیب کو بارگاہ قدس کے اس **مقام تک** بلایا کہ جہاں سے قَابَ قَوْسَيْنِ (دو کمانوں) سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اور اپنے آخری پیغمبر حضرت **محمد مصطفےٰ** صلی اللہ علیہ وسلم سے خود ہم کلام ہوا۔ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی (پ سورہ النجم) "پھر وحی کی اپنے بندے کی طرف جو وحی کی" یہ تو خدا اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس راز و نیاز کی مجلس میں عبد اور معبود، محب اور محبوب کے درمیان آپس میں کیا کیا باتیں ہوئیں لیکن حدیثوں میں تین باتوں کا ذکر آتا ہے جس کی تفصیل آگے آئیگی۔

واقعہ معراج کا ذکر قرآن میں قرآن مجید کے پندرہویں پارہ کی سب سے پہلی سورہ (بنی اسرائیل) کی ابتدا ہی اس واقعہ (معراج) کے ذکر سے کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ "پاکی ہے اس ذات کے لئے جس نے اپنے بندے (یعنی پیغمبر اسلام) کو راتوں رات مسجد حرام (مکہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک کہ جس کے اطراف کو ہم نے بڑی ہی برکت دی ہے، سیر کرائی، اور اس لئے سیر کرائی کہ اپنی نشانیاں اُسے دکھادیں۔ بلاشبہ وہی ذات ہے جو سننے والی، دیکھنے والی ہے"

اس آیت میں تو آپ کے اس سفر کے متعلق مکہ معظمہ سے بیت المقدس (فلسطین) ہی تک جانے کا تذکرہ ہے لیکن ستائیسویں پارہ کی سورہ "النجم" میں آپ کی آسمانی سیاحت کے حالات و واردات کو بھی مختصر لیکن نہایت جامع اور مہتم بالشان انداز میں بیان فرمایا گیا ہے۔ پوری سورہ کی تشریح اور نقل میں مضمون بہت لمبا ہو جائیگا۔ اسلئے اسی اشارہ پر اکتفا کرتے ہوئے ہم ناظرین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس مقام کو نکالکر خود ہی کسی معتبر تفسیر کے ذریعہ مطالعہ کر لیں۔

واقعۂ معراج کا ذکر حدیثوں میں امت کا اجماع ہے کہ حدیث کی کتابوں میں سب سے زیادہ صحیح، معتبر، اور مقبول کتاب **بخاری** شریف، اور اس کے بعد مسلم شریف ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تو "بَابُ الْمِعْرَاجِ" کے علاوہ اور بھی کئی بابوں میں، مختلف عنوانوں کے ماتحت اس واقعہ کو ذکر کیا ہے۔ لیکن امام مسلم رحمۃ اللہ نے صرف بَابُ الْاِسْرَاءِ ہی میں اس کو بالتفصیل بیان کیا ہے۔ حدیث کی ان دونوں چوٹی کی کتابوں کو سامنے رکھکر ہم اس واقعہ کو کسی قدر اختصار کے ساتھ

آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں

"رات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں آرام فرما رہے تھے، خواب اور بیداری کی درمیانی حالت تھی کہ یکایک گھر کی چھت کھلی، حضرت جبریلؑ چند فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے اور آپ کو اٹھا کر حطیمؑ (خانہ کعبہ) میں لے آئے، پھر وہاں سے چاہِ زمزم کے پاس لے گئے، سینۂ مبارک چاک کر کے دل نکال لیا۔ اور اسے زمزم کے پانی سے دھویا۔ اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا لایا گیا، جبرئیلؑ نے اس طشت سے ایمان وحکمت کے خزانہ کو لے کر آپ کے سینہ میں رکھدیا، اور پھر اس کو برابر کردیا۔ اس کے بعد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا براق نامی ایک جانور آپ کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ جو اس قدر تیز رفتار تھا کہ اس کا ایک ایک قدم وہاں پڑتا تھا جہاں تک نگاہ پہنچ سکتی تھی۔ آپ اس پر سوار ہو کر آن کی آن میں بیت المقدس (فلسطین) پہنچ گئے۔ اور براق کو اس قلابہ میں باندھکر جس میں انبیا اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے مسجدِ اقصیٰ میں داخل ہوئے۔ اور وہاں انبیا علیہم السلام کے امام بن کر دو رکعت نماز پڑھائی۔ مسجد سے باہر آئے تو جبریلؑ نے ایک پیالے میں شراب اور دوسرے میں دودھ پیش کیا۔ آپ نے دودھ کا پیالہ اٹھالیا۔ حضرت جبریلؑ نے کہا آپ نے فطرت کو پسند فرمایا، اگر آپ نے شراب کا پیالہ اٹھایا ہوتا تو آپ کی امت گمراہ ہوجاتی۔ وہاں سے جبریلؑ آپ کو اپنے ساتھ لیکر آسمان کی طرف چڑھے پہلے آسمان پر پہنچکر جبریلؑ نے دروازہ کھولنے کے لئے دربان کو آواز دی، اس نے پوچھا کون ہے جبریلؑ نے کہا میں (جبریلؑ) ہوں، اس نے پوچھا تمہارے ساتھ اور کون ہے۔ انھوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ اس نے کہا کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ کہا، ہاں! یہ سنکر اس نے دروازہ کھول دیا اور مرحبا کہا، اور کہا کہ یہ خبر سنکر آسمان والے خوش ہوں گے۔ اندر پہنچکر آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، آپ نے بھی مرحبا اے فرزند صالح اور نبی صالح کہکر آپ کا استقبال کیا، آپ نے دیکھا کہ آدمؑ کے دائیں بائیں کچھ لوگ ہیں۔ جب حضرت آدمؑ دائیں طرف دیکھتے ہیں تو ہنس پڑتے ہیں اور بائیں طرف دیکھتے ہیں تو رونے لگتے ہیں۔ جبریلؑ سے اس کی حقیقت دریافت کی تو انھوں نے بتایا کہ آدمؑ کی داہنی طرف جنتیوں کی روحیں ہیں جب وہ اُدھر دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں، اور بائیں طرف دوزخیوں کی روحیں ہیں جب وہ اُدھر دیکھتے ہیں تو رنجیدہ ہوجاتے ہیں جب دوسرے آسمان پر پہنچے تو حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام ملے، تیسرے پر حضرت یوسفؑ، چوتھے پر حضرت ادریسؑ پانچویں پر حضرت ہارونؑ اور چھٹے پر حضرت موسیٰؑ، اور ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات ہوئی، سب نے آپ کو خوش آمدید اور مرحبا کہا۔ حضرت موسیٰؑ کے پاس سے جب آپ آگے بڑھے تو وہ رو پڑے۔ پوچھا گیا کہ اے موسیٰ رونے کا کیا سبب ہے؟ عرض کیا خدایا! (میں نے اپنی امت کو مدتوں نصیحت کی لیکن ان بدنصیبوں نے مجھ کو ہمیشہ جھٹلایا) اور یہ نوجوان میرے بعد نبی ہوا مگر اس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ بہشت میں داخل ہوں گے۔ ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام

[illegible]

عہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کو جس بنیاد پر تعمیر کیا تھا، جب اس کی دیواریں سیلاب کی وجہ سے گر گئیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر ہونے سے پہلے قریش نے اسکی دوبارہ تعمیر کا ارادہ کیا تو سرمایہ کی کمی کی وجہ سے اصل بنیاد میں کچھ حصہ کم کردیا۔ اور اب بھی اسی طرح ہے۔ اسی حصہ کو جو کعبہ کی اصل چہار دیواری سے باہر رہ گیا ہے، حجر اور حطیم کہتے ہیں۔

بیت المعمور[عـه] سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ یہیں آپ نے ایک درخت دیکھا جس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ اس کے پتّے ہاتھی کے کان کی طرح اور اس کا پھل ھجر (ایک مقام کا نام ہے) کے مٹکوں جیسے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اس پر شانِ ربانی (امراللہ) کا کچھ ایسا ظہور ہوا، اور اس میں ایسی خوبصورتی پیدا ہو گئی کہ الفاظ میں اس کی تشریح نہیں ہو سکتی۔ اسی آسمان پر آپ نے حضرت جبریلؑ کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔ پھر آپ کو جنت میں لیجایا گیا جس کی کنکریاں چمکدار موتی ہیں اور اس کی زمین کی مٹی مشک خالص کی ہے پھر بارگاہ قدس میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔ اور شہنشاہِ دو عالم کی طرف سے تین عطیے مرحمت ہوئے۔ آپ ان عطیوں کو لیکر واپس ہوئے اور حضرت موسیٰؑ کے پاس پہنچے تو انھوں نے پوچھا، اس مجلس راز و نیاز میں کیا خاص احکام عطا ہوئے۔ فرمایا، امت پر پچاس وقت کی نماز فرض ہوئی ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا میں نے بنی اسرائیل کا خوب تجربہ کیا ہے آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ رب سے تخفیف کی درخواست کیجئے۔ آپ پھر واپس ہوئے، اور دربار الٰہی میں پہنچکر عرض کیا کہ خدایا! میری امت بہت کمزور ہے، اس کے قویٰ اس بار کے متحمل نہ ہو سکیں گے ندا آئی! اچھا دس وقت کی نمازیں معاف ہوئیں، پھر حضرت موسیٰؑ کے پاس آئے تو انھوں نے پھر ٹوکا کہ اب بھی زیادہ ہیں آخرکئی دفعہ کی آمد و رفت کے بعد جب پانچ وقت کی نمازیں رہ گئیں تو حضرت موسیٰ نے پھر کہا کہ محمدؐ! یہ بھی زیادہ ہیں، مگر آپ نے فرمایا کہ اب تو مجھے رب سے کچھ کہتے ہوئے شرم آتی ہے، اب تو میں اسی کو لیکر جاتا ہوں اور امت سے عمل کرانے کی کوشش کروں گا۔ پردۂ غیب سے ندا آئی! اے محمدؐ! میرے حکم میں تبدیلی نہیں، تمہاری امت پر تخفیف کر دی گئی، نمازیں تعداد میں پانچ ہی ہوں گی لیکن ثواب پچاس کا ملیگا۔"

رات کے تھوڑے ہی حصے میں آپ نے اپنے جسم و روح کے ساتھ بیداری کی حالت میں ان تمام مقامات کا معائنہ و مشاہدہ فرمایا۔ اور اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں، اور پھر اسی کاشانۂ آب و خاک میں واپس آ گئے۔

مخالفین کا انکار

صبح کو جب آپ نے مکہ والوں کے سامنے اپنی اس آسمانی سیاحت کا ذکر کیا، تو کافروں کو بڑا اچنبھا ہوا کہ وہ شام اور بیت المقدس جہاں ہم مہینوں میں پہنچتے ہیں، یہ صرف وہیں نہیں بلکہ ساتوں آسمانوں پر ایک ہی رات میں پھر کر کیسے چلے آئے۔ بعض ان میں ایسے بھی تھے جنھوں نے تجارت کے سلسلے میں بارہا بیت المقدس کا سفر کیا تھا اور وہاں کی مسجد کا کونا کونا چھان مارا تھا۔ اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شام اور بیت المقدس کبھی نہیں گئے ہیں۔ اسلئے انھوں نے امتحاناً آپ سے کہا کہ اچھا اگر تم بیت المقدس بھی گئے تھے تو اس کی ہیئت اور نقشہ بتاؤ حضورؐ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کا نقشہ اچھی طرح محفوظ نہیں تھا، اس لئے ایک اضطراب سا محسوس ہوا، کہ یکایک نگاہ کے سامنے پوری عمارت پیش کر دی گئی۔ اب کافر مجھ سے پوچھتے جاتے تھے اور میں دیکھ دیکھ کر ان کی ایک ایک بات کا جواب دیتا جاتا تھا۔ یہ اچنبھا اور تعجب اس زمانے کے لوگوں کو ہوا تھا جن کا خشکی کا سفر اونٹوں پر، اور سمندر کا سفر کشتیوں پر طے ہوتا تھا، مگر آج سائنس کی ترقی کے زمانے میں اس قسم کے تعجب اور انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ آنکھوں کا مشاہدہ ہے کہ ہزاروں

[عـه] یہ مقام ساتویں آسمان پر خانہ کعبہ کے بالکل سامنے واقع ہے۔ اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اور فرشتوں کی کثرت کی وجہ سے یہ حالت ہے کہ جو واپس جاتے ہیں پھر ان کو دوبارہ اس میں داخل ہونے کا موقع نہیں ملتا۔ منہ

اور لاکھوں میل کا سفر ہوائی جہازوں کے ذریعہ گھنٹوں اور دنوں میں طے ہوتا ہے۔

آج جرمنی، جاپان، امریکہ و انگلینڈ، فرانس غرض دنیا کے کسی کونے میں کوئی شخص بیٹھکر بولے، ریڈیو کے ذریعہ آپ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے بعینہ وہی آواز اُسی لمحہ میں سن سکتے ہیں۔ پس سائنس کی ان حیرت انگیز ایجادات و تجربات کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود بھی اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی کا انکار کرے تو میرے خیال میں یہ محض اس کا تعصب اور جہل ہے۔ اسی لئے میں نے اس بحث کی طرف توجہ نہیں کی۔

معراج کی برکتیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے کو اس عظیم الشان مہمانی کا شرف بخشا، تو آپ کی تواضع کن تحفوں سے کی گئی۔ اور امت کو کیا کیا برکتیں حاصل ہوئیں؟ اس کا ذکر صحیح مسلم کی ایک روایت میں یوں آتا ہے فَاُعْطِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا (اس رات میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے تین عطیے مرحمت ہوئے۔

(۱) نماز پنجگانہ کی فرضیت ——— مسلمانو! ذرا ایک لمحہ کے لئے اس حقیقت پر غور کرو، کہ اس واقعہ سے نماز کی کتنی عظمت اور اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی یادگار ہے۔ نماز وہ فریضہ ہے جو امت پر کسی فرشتہ کے ذریعہ سے نہیں، بلکہ اللہ العالمین نے خود اپنے پیغمبر سے ہم کلام ہو کر امت پر عائد کیا۔ نماز وہ عطیۂ الٰہی ہے جو ہمارے پیغمبر کو مہمان بنا کر ان کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کی گئی۔ نماز وہ عبادت ہے جسے پانچ بار ادا کرنیوالے کو پچاس بار کا ثواب ملیگا۔ نماز پنجگانہ ہی وہ عبادت ہے جس کے متعلق آپ نے اپنی امت کی سعادتمندی پر اعتماد کیا۔ اور حضرت موسیٰ کے اصرار کے باوجود، مزید تخفیف کے لئے رب کے پاس جانے سے شرمائے۔ نماز مسلمانوں کی ابتدا اور ارتقا کی تاریخ کا ایک اہم باب، اور ان کی مکی و مدنی زندگی کے درمیان ایک عجیب رابطۂ اتحاد ہے۔ نماز خدا کی راہ میں جسمانی مشقتوں، اور دنیاوی صعوبتوں کے برداشت کرنے والے کو روح کی پاکیزگی، قلب کی طہارت، اور اللہ کا تقرب حاصل ہونے کا سبق دیتی ہے۔ کاش مسلمان اس کو سمجھ لیتے اور اس کی پابندی کو اپنی زندگی کا لازمہ بنا لیتے۔

(۲) امت محمدیہ کی مغفرت کی بشارت ——— یعنی اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے آپ کو یہ خوشخبری سنائی کہ آپ پر ایمان لانے والے کے لئے دائمی عذاب نہیں، بشرطیکہ وہ شرک کا مرتکب نہ ہوا ہو۔ کیونکہ مشرک کی ہرگز بخشش نہ ہوگی۔ نام نہاد مسلمانو! صرف بتوں کے سامنے سجدہ کرنا، ان کی پوجا چڑھانا۔ ان کو اپنی مصیبت میں مددگار سمجھنا ہی شرک نہیں ہے بلکہ جس طرح ایک ہندو اپنے بتوں کے سامنے یہ سب کام کر کے مشرک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان کہلانے والا اللہ کے سوا کسی غیر کے سامنے یہ سب کام کرے، تو وہ بھی مشرک ہے۔ چاہے اس کی ڈاڑھی کتنی ہی لمبی ہو، وہ نمازیں کتنی ہی پڑھتا ہو۔ تسبیح کتنی ہی لمبی لمبی ہلاتا ہو۔

یاد رکھو! اللہ کے سوا کسی قبر، کسی استہان، کسی زندہ یا مردہ پیر اور ولی کو اپنا مشکل کشا سمجھنا ان سے اولاد مانگنا، روزی روزگار کا معاملہ ان کے ہاتھ میں سمجھنا، ان کے نام نذر و نیاز چڑھانا یہ سب شرک میں داخل ہے۔ ان کاموں کا کرنے والا جب تک سچی توبہ کر کے اللہ ہی کو ان تمام امور کا مالک و متصرف سمجھکر پکا موحد نہ بن لے۔ اسوقت تک اس کو عذاب سے بچنے کی توقع رکھنا دلیری اور بے غیرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت محمدیہ کی مغفرت کی بشارت موحدوں کیلئے ہے

مشرکوں کے لئے نہیں، اللہ ہمیں شرک سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

(۳۲) سورہ بقرہ کا آخری رکوع ——— اس رکوع میں باری تعالیٰ نے دینِ حق (اسلام) کے اعتقاد و عمل کا خلاصہ بیان کر دیا ہے۔ اور ایمان کی تکمیل کے اصول، اور عفو و مغفرت طلبی کے سبق سکھائے ہیں چنانچہ ارشاد ہے

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ۝ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْ لَنَا ۟ وَارْحَمْنَا ۟ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ (پ۳ع ۳۹) ترجمہ۔ اللہ کا رسول اس (کلام) پر ایمان رکھتا ہے جو اس کے پروردگار کی طرف سے اس پر نازل ہوا ہے۔ اور جو لوگ (دعوت حق پہ) ایمان لائے ہیں، وہ بھی اس پہ ایمان رکھتے ہیں۔ یہ سب اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ (ان کے ایمان کا دستور العمل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں) ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی کو دوسرے سے جدا نہیں کرتے (کہ اُسے مانیں، دوسروں کو نہ مانیں، یا سب کو مانیں مگر کسی ایک سے انکار کریں۔ ہم خدا کے تمام رسولوں کی یکساں طور پر تصدیق کرنے والے ہیں) اور (یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انھیں داعی حق نے پکارا تو) انھوں نے کہا خدایا! ہم نے تیرا حکم سنا اور تیرے سامنے اطاعت کا سر جھکا دیا۔ تیری مغفرت ہمیں نصیب ہو۔ اے پروردگار! ہم سب کو تیری ہی طرف (بالآخر) لوٹنا (اور تیرے حضور میں حاضر ہونا) ہے۔ اللہ کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ جس نے اچھے کام کئے وہ اپنے ہی لئے کئے، اور برے کام کئے تو اس کا نقصان بھی وہی اٹھائیگا۔ (پس ایمان والوں کی صدائے حال یہ ہوتی ہے کہ) خدایا! اگر ہم سے (سعی و عمل) میں بھول چوک ہو جائے تو اس کی بازپرس ہم سے نہ کیجیو اور ہمیں بخش دیجیو۔ خدایا! ہم پر ویسی بندشوں اور گرفتاریوں کا بوجھ نہ ڈالیو۔ جیسا ان لوگوں پر ڈالا تھا جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اے پروردگار! ایسا بوجھ ہم سے نہ اٹھوائیو جس کے اٹھانے کی ہم (ناتوانوں) میں سکت نہ ہو۔ خدایا! ہم سے درگزر کر، خدایا! ہم پر رحم کر، خدایا! تو ہی ہمارا مالک و آقا ہے۔ پس اُن (ظالموں) کے مقابلے میں جن کا گروہ کفر کا گروہ ہے، ہماری مدد فرما!"

خلاصۂ کلام | اب ایک بار پھر ان تینوں انعاماتِ الٰہیہ اور برکات ربانیہ پر غائر نظر ڈال جاؤ، تو تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ رب العالمین نے کتنی خوبی کے ساتھ ان تین باتوں میں امت محمدیہ کی زندگی کا نظام عمل، اور قانون حیات پیش کر دیا ہے۔ اور کس بالغ انداز میں دنیا کو یہ بتا دیا ہے کہ پرستارانِ توحید اور اطاعت گزارانِ محمدؐ کا دستور العمل کیا ہے۔

گویا ہمیں تعلیم دی جا رہی ہے کہ ہم صحیح اعتقاد کے ساتھ (جن کا ذکر اجمالی طور پر اس رکوع کے شروع میں ہے) ہر قسم کی معصیت خصوصاً شرک سے بچتے رہیں، اور دن و رات میں پانچ وقت لازمی طور پر دربار الٰہی میں حاضر ہو کر، اپنے رب کے سامنے جھکیں، اپنی خطاؤں اور لغزشوں کی معافی چاہیں اپنے ظاہر اور باطن کو پاک رکھیں، اور اگر موقع آجائے تو اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ کہتے ہوئے راہ حق میں اپنی جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہ کریں۔

ماہِ شعبان المعظم

(از جناب حکیم مولوی محمد بشیر صاحب مبارکپوری رحمانی)

یہ مضمون شاید آپ کو قبل از وقت معلوم ہو، کیونکہ ابھی "شبرات" کو تقریباً ایک مہینہ باقی ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ آئندہ پرچہ شبرات کے بعد شائع ہوگا اسلئے مجبوراً اس مضمون کو اسی نمبر میں جگہ دینی پڑی۔ آپ اسے غور سے پڑھیں اور اس میں بتائی ہوئی شرعی اور دینی نصیحتوں پر عمل کرکے دونوں جہان کی بھلائیاں حاصل کریں۔ جو کچھ اس میں لکھا ہے شریعت کا یہی فیصلہ ہے، اس کے خلاف کرکے اس بابرکت مہینے میں گنہگار نہ بنئے۔ (مدیر)

اس مہینے کی خیر و برکت اور عظمت سے شاید ہی کوئی بدبخت مسلمان منکر ہو جس کی رفعت شان کا اندازہ اس حدیث سے کیا جا سکتا ہے عن اسامۃ بن زید قال قلت یا رسول اللہ لم ارك تصوم من شهر من الشهور ما تصوم فی شعبان قال ذلك شهر یغفل الناس عنه بین رجب و رمضان وهو شهر ترفع فیه الاعمال الی رب العالمین فاحب ان یرفع عملی وانا صائم (رواہ ابوداؤد والنسائی وصححه ابن خزیمہ کذا فی تحفۃ الاحوذی ملے ج ۲)۔ حضرت اسامہ بن زید فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول میں نے آپ کو کسی مہینے میں (سوائے رمضان کے) اتنے روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا جس قدر آپ شعبان میں رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ لوگ اس رجب اور رمضان کے درمیان والے مہینے (شعبان) کی فضیلت سے غافل ہیں حالانکہ اس مہینے میں لوگوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ میری چاہت یہ ہے کہ میرے اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے میرے روزہ داری کی حالت میں پیش ہوں"

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ اس مہینہ کی بزرگی منانے کا اسلامی طریقہ صرف یہی ہے کہ کثرت سے روزے رکھے جائیں اور بغیر تعیین اوقات یا اعداد کے کثرت سے نمازیں پڑھی جائیں۔ صدقات و خیرات کئے جائیں۔ غریبوں اور مسکینوں وغیرہ کو کھانے کھلائے جائیں کپڑے پہنائے جائیں خواہ مردوں کی روحوں کو ثواب پہنچانے کی غرض سے کئے جائیں یا خود ثواب حاصل کرنے کیلئے، غرض اچھے کام جن کا اسلامی شریعت میں ثبوت ہے جن سے اللہ تعالیٰ راضی اور خوش ہوتا ہے۔ اس پورے مہینے میں بغیر کسی خاص دن یا رات کی تعیین کئے ہوئے پوری مستعدی سے بجالائے جائیں، ان کی بجا آوری میں غفلت اور سستی نہ کرنی چاہئے اور تمام برے کاموں سے اور ان سے بھی جن کا شریعت اسلامیہ میں کوئی ثبوت نہیں خود بچا جائے اور لوگوں کو بچایا جائے۔

اس مبارک مہینے کی ایک رات "شب برات" بھی ہے جس کی فضیلت میں مختلف مضامین کی متعدد حدیثیں آئی ہیں گو انفرادی حیثیت سے سب کی سب ضعیف ہیں تاہم متعدد طرق سے آنیکی وجہ سے مجموعی طور پر اس رات کی فضیلت اس مہینے کی باقی راتوں پر ایک حد تک ثابت ہوتی ہے لیکن باایں ہمہ کوئی خاص عبادت یا کوئی خاص عمل رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے اس رات میں یا اس کے دن میں صحیح طور پر ثابت نہیں۔ پس اس متبرک مہینے کی اس مبارک رات میں عبادات الٰہیہ شرعیہ سے جونسی چاہیں کریں اور ان بدعات سے جو شریعت سے ناواقف جاہل صوفیوں یا شیاطین کی رائج کردہ ہیں قطعاً اجتناب اور پرہیز کریں۔

جاہل صوفیوں کی رائج کردہ بدعات میں سے شعبان کی پندرہویں رات میں حکم شرعی سمجھکر سو رکعت نماز پڑھنی ہے یا بارہ رکعت پڑھنی جس کی ہر ایک رکعت میں تیس تیس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھی جائے یا خصوصیت کے ساتھ اس کے دن میں کسی مخصوص ثواب کی غرض سے روزہ رکھنا یا مردوں کی روحوں کے آنے کا اعتقاد رکھنا اور اس کی وجہ سے چراغاں کرنا، گھروں کی صفائی کرنا، حلوا وغیرہ پکانا، لوبان وغیرہ خوشبودار چیزیں سلگانا۔ وغیر ذلک

شیاطین کی رائج کردہ بدعت یہ ہے اس مبارک مہینے کی متبرک رات میں بجائے عبادت کے اپنی یا ماں باپ کی پسینہ کی کمائی میں اپنے ہاتھوں سے آگ لگانا اور جانوں، مالوں اور گھروں کو پھوکنا اس سے میری مراد آتشبازی ہے جو اولاً اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور اس سے جنگ کرنی ہے کیونکہ آتشبازی اسراف اور فضول خرچی میں داخل ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم وَلَا تُسْرِفُوْا سے ہمیشہ کیلئے قطعاً حرام کردیا۔ پس جو شخص کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی مخالفت کرکے آتشبازی چھوڑے گا وہ اس خدائی وعید کا مستحق ہوگا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (پ۱۸ ع۱۵) پس چاہیے کہ ڈرتے رہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں اس بات سے کہ پہنچے ان لوگوں کو کوئی مصیبت یا دردناک عذاب۔ ثانیاً۔ اس سے اخروی نہ سہی کوئی دنیوی فائدہ بھی تو نہیں جو ان نافہموں اور بے عقلوں کے لئے سبب عذر بن سکتا۔ ثالثاً بجائے فائدہ کے البتہ نقصان ہوتا ہے جو کبھی بصورت مصیبت کے اور کبھی دنیاوی عذاب کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ بسا اوقات خود چھوڑنے والا اس سے زخمی ہوجاتا ہے کپڑے جل جاتے ہیں کبھی اس کا سارا بدن جھلس جاتا ہے جس کی وجہ سے بعض فوتیاں بھی ہوجاتی ہیں۔ بعض مرتبہ دوسرے لوگوں پر بھی اس کا حملہ ہوتا ہے وہاں بھی عموماً یہی واقعات ہوتے ہیں اور زیادہ تر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے گھروں میں آگ لگ جاتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا گھر جلکر راکھ ہوجاتا ہے۔

بھائیو! سوچو تو سہی تم وہ کھیل کھیلتے ہو جو تمہاری مالی بربادی کے ساتھ تمہاری جان کو بھی نہیں چھوڑتا۔ کیا عقل کا یہی تقاضا ہے؟ مسلمانو! تمہاری بے بسی کا تو یہ عالم ہے کہ مشکل سے سو میں سے دس برسر روزگار یا ملازم ہوں گے جن میں بھی پانچ ہی ایسے ہوں گے جن کو وقت پر آرام سے روٹی ملتی ہوگی۔ تمہاری غربت و افلاس کا یہ حال ہے کہ کثرت سے وہ لوگ ہیں جو مٹھی بھر چنے پر دن گذارتے ہیں اور بہت زیادہ ایسے ملیں گے جو کئی کئی فاقوں سے دن گذارتے ہیں لیکن اپنی شرافت سے کسی پر ظاہر نہیں کرتے۔ او غافل مسلمانو! ہوشیار ہوجاؤ عقل سے کام لو۔ تمہاری غفلت حد سے آگے بڑھ چکی ہے تمہاری غفلت تقریباً تمہیں مٹا چکی ہے کچھ تھوڑی کسر اور ہے۔ اگر اب بھی تم نے ہوش نہ سنبھالا اور آئندہ بیجا اور فضول خرچیوں سے نہ باز رہے تو خدا ہی جانتا ہے کہ آخرت کی سیہ روئی کے علاوہ دنیاوی ذلتوں سے کہاں تک دوچار ہونا ہوگا۔

بعض لوگ یہ عذر کرتے ہیں کہ بچے چونکہ بہت پریشان کئے ہوئے تھا اسلئے مجبوراً لانا پڑا۔ لیکن یہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے

کیونکہ بچے بے سمجھ ہوتے ہیں بعض دوسری جائز چیزوں سے بہلائے جاسکتے ہیں۔ ہٹ وہی بچے کرتے ہیں جو اس کے عادی بنا دیئے جاتے ہیں۔ نیز بچوں کے جاہل اور جائز مطالبات کو رد کر دیا جاتا ہے بچوں کی ہٹ کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا وہاں اس ایک مطالبے کے رد کرنے میں کونسی دقت ہوگی۔ مجھے یہ عذر طفلانہ معلوم ہوتا ہے جب کہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہندوں کے بچے اس کے پاس تک نہیں پھٹکتے۔

میری التماس | آپ لوگ مع اپنے بال بچوں کے ان لغویات سے اس طرح دور بھاگئے جس طرح شیر اور سانپ سے دور بھاگتے ہیں اور اس رقم کو اپنے فاقہ کش بھائیوں پر خرچ کیجئے تاکہ ہم خرما و ہم ثواب ہو۔ دعا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اچھے کاموں کے کرنے کی اور برے کاموں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے آمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

جمعیۃ الخطابۃ کا سالانہ جلسہ

دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں طلبہ کو تقریر و خطابۃ، مناظروں و مباحثوں کی مشق کے لئے ایک انجمن "جمعیۃ الخطابۃ" کے نام سے قائم ہے، جس کے ماتحت ہر جمعرات کو نماز ظہر کے بعد سے اساتذہ کی زیر نگرانی تقریریں وغیرہ ہوتی ہیں۔ سال ختم ہونے پر اس کا ایک سالانہ اجلاس بڑی شان و شوکت سے منعقد ہوتا ہے۔ چنانچہ امسال بھی ۱۶ رجمادی الاخری ۱۳۵۸ھ مطابق ۳ راگست ۱۹۳۹ء بروز جمعرات زیر صدارت حضرت مولانا محمد صاحب جوناگڈھی ایڈیٹر اخبار محمدی دہلی ۷ بجے صبح سے ۱۱ بجے تک اور پھر ۲ بجے سے ۴ بجے تک اپنی پوری شان و عظمت کے ساتھ انعقاد پذیر ہوا۔ پروگرام نہایت دیدہ زیب اور بہترین گلکاریوں کا نمونہ تھا جلسہ گاہ آرائش و زیبائش کا مجسمہ تھی۔ جناب صدر کا شاندار استقبال ہوا۔

پھر تلاوت قرآن مجید اور جناب صدر کے افتتاحی خطبہ کے بعد تقریریں شروع ہوئیں۔ نچی جماعتوں سے لیکر اعلیٰ جماعتوں تک کے لڑکوں نے عجیب خوش اسلوبی اور قابلیت کے ساتھ اپنی اپنی قوت بیانی کے جوہر دکھائے کہ سننے والے داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ تقریباً ۸ بجے عالیجناب مہتمم صاحب بھی تشریف لائے، آپ کی آمد پر "نعرہ تکبیر" اور "حضرت میانصاحب زندہ باد" کے مسرت انگیز نعروں سے فضاء بسیط گونج اٹھی، استقبالیہ نظم پڑھی گئی، جس میں تمام خوشیوں کے ساتھ ساتھ جب مرحوم مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا، تو آنکھیں اشکبار ہوگئیں، دل بیٹھنے لگے اور مجلس کا رنگ ہی بالکل دگرگوں ہوگیا۔ پروگرام میں خود موجودہ مہتمم صاحب کا بھی وقت رکھا گیا تھا، لیکن آپ کو اپنے والد صاحب مرحوم و مغفور کی یاد نے اسقدر نڈھال کر دیا کہ پھر کچھ کہنے کی سکت نہ باقی رہی، آپ نے صدر صاحب ہی کو حکم دیدیا کہ میری طرف سے یہ یہ باتیں کہدی جائیں۔

مہتمم صاحب کی تقریر | سب سے پہلے آپ نے فرمایا کہ میرے سامنے میری تعریف نہ کی جائے، میں اس کو پسند نہیں کرتا نیز فرمایا میں اپنے والد مرحوم کی ڈالی ہوئی داغ بیل کو اپنی بساط کے مطابق اللہ کی توفیق و اعانت سے جس طرح کر رہا ہوں، درحقیقت اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام کا نتیجہ ہے، وہ مجھے دیتا ہے اور میں اس کو اس کی راہ میں خرچ کر رہا ہوں

میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں خرچ کرنے کی مجھے مزید توفیق بخشے اور اپنے دین کی خدمتیں مجھ سے خلوص کے ساتھ لے اور انھیں قبول فرمائے۔ طلبہ کو ہدایت کرتے ہوئے فرمایا: آپ اپنے کام میں مصروف رہیں، کوئی وقت بیکار ضائع نہ کریں، تعلیم کے وقت جو گھنٹے خالی ہوں ان میں بھی تکرار و مطالعہ وغیرہ میں مصروف رہیں۔ ہاں خارج اوقات میں اپنی صحت کے لئے تفریح وکھیل کود کا مضائقہ نہیں۔

میں آج کے جلسہ کی کارگذاری دیکھکر بہت خوش ہوں، آپ کی اور آپ کے اساتذہ کی محنت وکوشش کو کامیاب سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ روز افزوں ترقیاں عطا فرمائے۔ یہ سب والد مرحوم کے خلوص کی برکتیں ہیں، آیئے ہم سب ملکر اُن کے لئے دعا کریں۔"

سب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا اور گہری عقیدت کے ساتھ مرحوم کے لئے دعا کی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اسکے بعد آپ چلے گئے۔ اجلاس برابر جاری رہا۔ تقریروں کے دوران میں مدرسہ کے شعراء نے اپنی اپنی دلچسپ طبعزاد نظموں سے محفل کو خوب گرمائے رکھا۔ اخیر میں جناب صدر نے پھر تقریر کی۔ جلسہ کی کارروائی پر بے حد مسرت وشادمانی کا اظہار کیا، مناسب حال کچھ نصیحتیں فرمائیں اور مہتمم صاحب کی طرف سے ایک شاندار دعوت کے علاوہ مقررین اور شعراء کو نقد انعامات دیئے ان سب کی تعداد شاید تیس کے قریب تھی، لیکن ان میں کوئی بھی ایسا نہ ثابت ہوا جو قابل انعام نہ ہو، کم وبیش سب نے انعام پایا۔ چنانچہ سب انعاموں کی مجموعی تعداد ۵۷ روپے ہوئی۔

خوش قسمتی سے مولانا محمد شریف صاحب کی (جو مکہ معظمہ کے اخبار "صوت الحق" کے بانی تھے۔ اور کچھ عرصہ سے ہندوستان میں مقیم ہیں۔ آپ نے ہندوستان کی تاریخ عربی میں لکھی ہے نہایت ذی علم اور فاضل شخص ہیں) دور دوزسے مولانا محمد صاحب کے یہاں مقیم تھے۔ اس اجلاس میں آپ نے بھی شرکت کی، آپ اردو بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لئے آپ نے اردو عربی دونوں قسم کی تقریریں سنیں، آپ نے خود بھی ایک مختصر سی تقریر کی اور اخیر میں کتاب المعاینہ پر مندرجہ ذیل الفاظ لکھکر اپنے جذبات کا اظہار فرمایا:۔

لقد زرت المدرسة الرحمانية يوم الخميس ١٦ رجمادى الآخرة سنه ١٣٥٨ھ وكان يوم احتفال للخطابة فلا تسل عما خامر قلبي من فرح وسرور حينما كنت اسمع محاضرات تلامذها القيمة المليئة روحاً اسلامية تبشر بمستقبل زاهر لهذا المعهد الاسلامي السلفي المشيد لبث الروح الاسلامية وتبليغ رسالتها الى الناس كما هي واضحة نقية مما ادخله الاغيار فيها حتى التبس على الجهلاء الامر، وكانت هذه المدرسة بمثابة الداعي الى احياء الكتاب والسنة واعلاء منارهما- واني اتمنى ان يكون ابناؤها في المستقبل دعاة اصلاح ديني ودنيوي كما اني استمطر شآبيب الرحمة على ارواح الذين اسسوها وساعدوها وامدوها وادعوا الله ان يوفق القائمين بأمرها واساتذتها الأفاضل الى ما يحبه الله ويرضاه۔

الضعيف، عبد الله محمد شريف المكي

مدير ومؤسس جريدة صوت الحق سابقاً - ومولف كتاب: الهند بين الماضي والحاضر

ترجمہ۔ میں ۱۶ر جمادی الآخر ۱۳۵۸ھ بروز جمعرات کو مدرسہ رحمانیہ میں آیا (اتفاقاً) یہ دن جمعیۃ الخطابتہ کے خصوصی اجلاس کا تھا۔ طلبہ کی روح اسلامی میں ڈوبی ہوئی تقریریں سنیں ان نشاط انگیز تقریروں نے فرحت وانبساط کی جو لہریں میرے قلب کی گہرائیوں میں پیدا کی ہیں۔ میں ان کی لطف اندوزیوں کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ اس اسلامی اور سلفی درسگاہ کا مستقبل نہایت شاندار اور روشن نظر آرہا ہے۔ یہی وہ درسگاہ ہے جو اسلام کے اس پاک اور روشن چہرے کو اس کے اصلی رنگ میں پیش کرنا چاہتی ہے جس کو دشمنوں کی ریشہ دوانیوں، اور اپنوں کی جہالت نے بدنما کر رکھا ہے۔ پس درحقیقت یہ مدرسہ کتاب وسنتہ (قرآن وحدیث) کے احیار کا داعی، اور ان کی عظمت و رفعت شان کا متمنی ہے۔

مجھے امید ہے کہ یہاں کے طلبہ آگے چلکر ملک وملت کے بہترین خادم ثابت ہونگے اسلئے میں اس کے بانیان اور معاونین کی پاک روحوں پر باران رحمت کے نزول کی دعا کئے بغیر نہیں رہ سکتا ساتھ ہی اس کے موجودہ مہتمم اور اس کے افاضل اساتذہ کے لئے بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)۔

رحمانیہ کے نوجوان طلبار کے نام

(آزاد الوی اعظمی مولوی عالم)

یہ نظم جمعیۃ الخطابتہ کے خصوصی جلاس منعقدہ ۱۶ر جمادی الثانی ۵۸ھ میں پڑھی گئی اور مقبول ہوئی

اوروں کا پیام سن چکے میرا پیام اور ہے ملت کے دردمند کا طرز کلام اور ہے
بتکدۂ جمال کا سودائے خام اور ہے دین کی شراب تند کا نشۂ جام اور ہے
میرے جوان دوستو عشق صنم کو چھوڑ دو لیکر خلیل کی تبر آزر کے بت کو توڑ دو

غم نہیں کچھ اگر نہ تم بن سکو قیس عامری ہرج ہی اس میں کیا، نہ ہو لیلیٰ جو بہر دلبری
للہ اب نکالدو دل سے خیال آذری تم سے نہ ہو نہیں سہی زندہ جو فن سامری
آؤ کہ طور اب بھی ہے تم سے کلیم کے لئے رحمت نے چُن لیا تمہیں لطف عمیم کیلئے

بزم طرب کو دیکھ کے ہوتا ہے کیوں سرور آج تھوڑے سے عیش پر یہ تم کرتے ہو کیوں غرور آج
شادی وانبساط کا اتنا ہے کیوں وفور آج خود کو سمجھتے کیوں ہو تم رنج والم سے دور آج
چلنا ہے حق کی راہ میں تیغوں کی دھار پر تمہیں چڑھنا ہے دین کیلئے تختۂ دار پر تمہیں

ملت پہ جان دینے سے تم کو اگر سرور ہو ملت کے درد پر کہیں تم کو اگر غرور ہو
ملت کے ماسوا اگر ہر چیز سے نفور ہو دیں کی شراب تند کے نشے سے تم جو چور ہو
آتش تمہارے واسطے پھر تو ہے اک گلستاں شعلۂ جانگداز پھر اسدم ہے غیرت جناں

میرے جوان دوستو میرا پیام سن چکے قصۂ پُرالم میرا یعنی تمام سن چکے
آزاد کی زبان سے دعوت عام سن چکے مجھ جیسے دل جلے کا تم یعنی کلام سن چکے
اتنا تو اور سن لو اب یہ ہے پیام آخری جرأت سے کر رہا ہوں میں عرض سلام آخری

صور بیداری

نعیم احمد اعظمی متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی

برادران اسلام! جب تک کہ مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی تعمیل کرتے رہے اور ارشادات عالیہ کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے رہے تب تک تو ہمارا بھی ستارۂ اقبال برجِ آسمانی پہ درخشاں رہا تخت طاؤس ہمارے قدم چومتا رہا۔ تاج کنعانی و ایرانی ہمارے زیب سر رہا۔ غرضیکہ تمام بحر و بر دشت وجبل ہمارے رہے اور ہم خدا کے رہے تھے۔ کون سی جگہ تھی یاں سایہ نہ تھا ہمارا سے دونوں جہاں میں یارو آباد تھے تو ہم تھے + تعمیر دو جہاں کی بنیاد تھے تو ہم تھے۔ لیکن جب ہم نے احکام شریعت کو پس پشت ڈالدیا اور قرآنی تعلیم کو ترک کردیا اور رسولِ خدا کی نافرمانیوں میں مشغول ہوگئے تو پھر اسی چاہ ضلالت میں جا گرے کہ جس کے اندر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نور ہدایت بنکر نکالا تھا بدیں وجہ وہ مسلمان کہ جن کے سامنے ملائک بھی سربسجود تھے آج انھیں حیوانات بھی نظرِ استحقار سے دیکھتے ہیں وہ مسلمان جو غیروں کیلئے نور ہدایت تھے آج وہ خود گمراہ بن بیٹھے ہیں۔ وہ مسلمان جن کے آگے شاہ ہفت اقلیم بھی ہاتھ پھیلاتا تھا جو دولت وثروت کو پائے استحقار سے ٹھکراتے تھے۔ آج وہ خود بندۂ زر بنے ہوئے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ دو پیسے پر بُت تو کیا بلکہ ایمان فروخت کرنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں وہ دربدر بھیک مانگتے پھرتے ہیں کوڑی کوڑی کے محتاج ہیں یہ تو ہماری دنیاوی رسوائیاں تھیں۔ اب ذرا عذاب خدا کا نظارہ کیجئے۔ کس طرح پر عام عذاب ہم پر صورت بدل بدل کر نازل ہو رہے ہیں۔ کبھی طاعون وہیضہ کی صورت میں۔ کبھی قحط سالی کی صورت میں اور کبھی زلزلے کے روپ ورنگ میں نازل ہوکر بہار و کوئٹہ جیسے عظیم الشان شہر کو آن کی آن میں تباہ وبرباد کردیا

مسلمانوں، دنیا نے کروٹ بدلی۔ دورِ ماضی کے خوش گوار اور تسخیر کن مناظر، مرغوب و پسندیدہ فضائیں۔ فرحت بخش وجانفزا سانحے، دنیائے موجودہ کے شبہائے تاریک میں غائب ہوگئے، خصوصًا دنیائے اسلام کے درخشندہ اور منور ستارے۔ مغربی بادلوں کے کثیف اور گندے ٹکڑوں میں کچھ اس طرح گم ہوگئے کہ بادِ صرصر کے سریع وتند جھونکے اپنی پوری کوشش سے مقابلہ کرنے کے بعد بھی ان کو نمایاں نہ کرسکے۔ آہ! وہ فصل بہار، ایام مسرت، موسم گل، فضائے دلفریب کے سہانے اور نشاط آگیں مناظر کافور ہوگئے۔ لیکن ہم اپنی میٹھی نیند کی مدہوشی سے بیدار نہ ہوئے۔ موجوداتِ عالم نے اپنے پہلو بدل لئے مگر ہمارے نفوس کو جنبش تک نہ ہوئی، اے فرزندانِ توحید! اے اُمّ عالم کے زندہ دل اور ہونہار بیٹو۔ منچلے اور پرجوش نوجوانو، اپنے مادۂ تحسس کو حرکت دو۔ اور اس میں وہ جولانیت، وہ روح وہ طاقت، اور ان اثراتِ متوارثہ غیر متناہیہ کے بیش بہا جوہر پیدا کردو کہ وطن کی وہ امیدیں جو تمہاری ذات سے وابستہ ہیں پوری ہوجائیں اور دنیا تمہارے وزن میں ہلکی پڑجائے۔ وہ زمانہ کہ اقوام عالم کے عقلی گھوڑے میدان سیاسیات میں ہوا سے باتیں کرتے ہوں اور تم اپنی غفلت کی چادر میں لپٹے ہوئے کنارے پڑے رہو، افسوس اے فرزندان توحید افسوس، ذرا نظر اونچی کرکے ان قوموں کو دیکھو جو تمہاری پاسبانی کو اپنا فخر اور غلامی اسفل کو اعزاز اعلیٰ سمجھتی تھیں آج وہ برسراقتدار ہیں اور تمہیں نہایت ذلیل نگاہوں سے دیکھکر تمہارا مضحکہ اڑا رہی ہیں یہ انحطاط وتنزل محض اسلئے ہے کہ ہم مغربی تہذیب وتمدن کے دلدادہ ہوکر اپنے اسلاف کے نقش قدم سے

دور او ران کے محترم اور بزرگ افعال سے بے خبر ہوگئے ہیں، اے چمنستان دین کی نوخیز اور نامی کلیو! اے سبک اور نازک لچکتی ہوئی متحرک شاخو! ہوائے مخالف کے تباہ کن زد میں پڑکر اپنے آپ کو برباد کرکے خود اپنی زندگی کے زوال کا باعث نہ بنجاؤ اے مختلف الالوان پھولو! اپنی ہستیاں سواران آب کی طرح تباہ اور افراس مطر کی طرح ضائع نہ کرو۔ تمہاری خاموشیاں تمہیں صفحۂ ہستی سے مٹادینگی، دنیا و مافیہا سے غافل رہنے کا وقت نہیں ہے، استیقاظ کی کروٹیں بدلکر دنیا کو دکھلا دو کہ تم کون ہو کس کے فرزند ہو، کس رسول کی امت میں ہو، اے غیور اور پرسطوت قوم کے حریت پسند افراد! سنبھلو دیکھو ساری دنیا انقلاب کے نئے رنگ میں رنگی ہوئی نظر آرہی ہے لیکن ہم اس سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اکناف عالم کا بچہ بچہ تمہیں حقیر نگاہوں سے دیکھ رہا ہے، سرزمین وطن تمہیں نفرت وحقارت سے گھور گھور کر دیکھ رہی ہے۔ ہم وہ تھے کہ اپنی ٹھوکروں سے قیصر وکسریٰ جیسی عظیم الشان سلطنت کے تختے الٹ دیئے، آذر کے بت خانے زیروزبر کردیئے، ہمارے رعب ودبدبہ کی دھاک اقطار عالم کے ذرہ ذرہ پر بیٹھی ہوئی تھی آج وہی ہم ہیں کہ خس وخاشاک کے برابر بھی ہماری وقعت نہیں رہ گئی۔ اور ہم مردہ ترین وبدترین قوموں میں شمار کیے جاتے ہیں خداوند قدوس نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان الارض یرثھا عبادی الصّالحون (زمین کے مالک میرے نیک بندے ہونگے) مگر فرمان خداوندی سے کنارہ کش ہوکر یاس وحرماں کے تباہ کن اثرات سے متاثر اور ماکان وما یکون سے بے خبر ہوکر قعر ذلت وخواری کے عمیق گوشہ میں نشیمن بناکر جابیٹھے ؎ کیا ہے مردہ تجھکو تیرے افعال رذالت نے + شرافت کا پھر اپنے خون میں دوران پیدا کر + نظر عبرت سے کر قوموں کے اسباب تنزل میں + ترقی کے لیے برعکس کچھ سامان پیدا کر +

گلشن امید کی نوخیز کلیوں نے تغیر وتبدل کے ملبوسات میں آراستہ ہوکر غیروں کی شمولیت میں اپنی نئی دنیا آباد کررکھی ہے دنیاوی جاہ واقتدار پر علی الاعلان ایمان فروخت کررہے ہیں قرآن کی بتلائی ہوئی غیرت واستغنا کی اس محکم اطلاعات سے بیخبر ہیں أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا کیا تم لوگ ان لوگوں کے پاس عزت حاصل کرنا چاہتے ہو (جان لو تمام عزتیں اللہ کے پاس ہیں، اب میں اپنی توجہ ہندوستان کی ان مایۂ ناز نیک اور باعصمت ماں اور بہنوں کی طرف مبذول کرتا ہوں جن کے کنار شفقت مدارس، اور آغوش محبت مبدۂ علوم اور مرکز فنون ہوتے ہیں۔ اے دنیائے اسلام کی محترم خواتین خصوصًا ہندوستان کی نیک دل بہنو سنو! اپنے اندر وہ روح وہ جذبات صادقہ پیدا کرو جس سے مخدرات عربیہ کی ارواح کو سکون اور خوشی حاصل ہو۔ ناز آفریں سبک اور شیشہ صفت عربی خواتین اسلام جیسے بہادر اور شیر دل فرزند پیدا کرتی تھیں ویسے ہی تم بھی نڈر اور شیر دل وشجاع بچے پیدا کرو تاکہ وہ بھی خالدؓ جیسے جری، ابوعبیدہؓ جیسے بہادر، حمزہؓ وعلیؓ جیسے طاقتور، اور عثمانؓ وعمرؓ جیسے مدبر اور ہونہار فرزند ہوں، دیکھو تمہاری عربی متوفیہ بہنوں کی روحیں تمہاری اس پست ہمتی اور بے حسی سے بیقرار ہوتی ہوں گی، کتب سیرۃ وتاریخ کے محیر العقول واقعات کا مطالعہ کرو اور درس عبرت حاصل کرو، افسوس تمہارے اندر وہ ذوق کتب بینی وشوق مطالعہ نہیں اگر کاش اسلامی تاریخوں پر نظریں ڈالی ہوتیں تو تمہاری یہ بے حسی اور کاہلی برقی قوت کی طرح حرکت وشجاعت سے تبدیل ہوجاتی۔ اب بھی بیدار ہو اور دنیائے منقلب الاحوال کے بیش قیمت اوقات اور نادر مواقع سے مستفید ہوکر منصۂ شہود پر رونق افروز اور اقطار عالم پر محیط ہوجاؤ۔

فقط

روح اخبار

— پٹنہ ۱۸ر جولائی، عام خواندگی کی تحریک کو مستقل اور مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے کیلئے حکومت بہار نے دولاکھ روپیہ منظور ہے. تازہ ترین اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ عام خواندگی کی تحریک کے نتیجہ میں ۶ لاکھ ان پڑھوں کو پڑھا لکھا بنادیا گیا۔ (تیج)

— حکومت یوپی نے یہ قانون منظور کرلیا ہے کہ کسانوں کی آراضی تیس سال یا اس سے زیادہ عرصہ تک رہن رہی ہو تو رہن قم ادا سمجھی جائے گی۔ اور اس آراضی کا قبضہ بلا کسی ادائگی کے کسان کو دلوادیا جائے گا۔ (تیج)۔

— ایک بنگالی انجنیر نے ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا ہے جس سے ریل گاڑیوں کے حادثے بند ہوجائیں گے۔ اس سلسلے میں وں نے جو آلہ تیار کیا ہے اس کے حقوق وہ پیٹنٹ کرارہے ہیں اور حکام نے اس ضمن میں ان کی درخواست منظور کرلی ہ کا بیان ہے کہ اس آلہ کے ذریعہ ریلوے لائن کے ساتھ بجلی کے تار اس طرح لگادیے جائیں گے کہ اگر کسی شخص نے دو یشنوں کے درمیان کسی مقام پر ریل کی پٹڑی اکھاڑدی ہوگی، یا کسی مقام پر ریل کی پٹڑی طغیانی کی وجہ سے بہ گئی ہوگی تو ریل ی شیشن پر سے چل نہ سکیگی، جس مقام پر ریلوے لائن خراب ہوگی اس سے بہت دور ریل گاڑی خود بخود کھڑی ہوجائے گی س ایجاد کی بدولت اس حالت میں بھی گاڑی اسٹیشن سے روانہ نہ ہوسکے گی جبکہ لائن کلیر غلط دیا جائے گا۔ غرضیکہ کسی صورت بھی ریلوے لائن اگر خراب ہوگی تو ٹرین چل ہی نہ سکے گی، اور اگر ٹرین چل رہی ہوگی تو خطرناک مقام سے کافی فاصلے پر بخود کھڑی ہوجائے گی۔ (انقلاب)

— ۱۹۲۹ء میں شاہ دکن نے جامعہ ملیہ دہلی کو اپنی عمارت بنانے کیلئے پچاس ہزار روپیہ عطا فرمایا تھا، لیکن ابھی وہ عمارت ن نامکمل تھی اسلئے حضور نظام نے اسکی تکمیل کیلئے اس سال پھر مزید ایک لاکھ کا عطیہ عنایت فرمایا ہے۔ (ہمدرد جامعہ)۔

— حکومت مصر نے حکومت حجاز سے استدعا کی تھی کہ اُسے حجاز میں سڑکیں تعمیر کرنے کی اجازت دیجائے تاکہ مسلمانان م کو سفر کرنے میں تکلیف نہ ہو۔ حکومت حجاز نے ایک معاہدہ کے ذریعہ اس کی اجازت دیدی، حکومت مصر نے ، چند ماہرین تعمیرات کو حجاز بھیجکر وہاں کے حالات کا مشاہدہ کرایا ان انجنیروں نے اپنی رپورٹ پیش کردی مصری وزارت تعمیر نے پر بڑی اچھی طرح غور کیا اور ٹنڈر طلب کئے، چنانچہ اس کی تعمیر کا کام شروع کردیا گیا ہے (زمزم)

— بمبئی کانگرسی حکومت نے یکم اگست سے شراب بیچنے اور پینے کی قانوناً ممانعت کردی ہے خلاف ورزی کرنے والوں کو سزادی جائیگی۔

آپ گھبرائیں نہیں

طلبہ سالانہ امتحان کی تیاری میں مصروف ہیں امید ہے کہ انشاء اللہ شعبان کی ابتدائی تاریخوں میں امتحان ہوگا۔ سالانہ ن کی کارروائی بھی آئندہ نمبر کے محدث میں شائع ہوگی اسلئے شاید اکتوبر کا پرچہ اپنے معمول کے خلاف دوچار روز کے بعد ہو۔ اول تو ہم وقت ہی پر شائع کرنیکی کوشش کرینگے لیکن بالفرض اگر کچھ دیر ہو تو آپ گھبرائیں نہیں۔ انشاء اللہ دو ہی چار روز کے بعد پرچہ کے پاس پہنچ جائیگا۔ اطلاعاً یہ اعلان شائع کیا جارہا ہے تاکہ خریداروں کو تشویش نہ ہو۔ (منیجر)

الثر/٣٦

یادگار فدائے علم و دین جناب شیخ عطاء الرحمٰن صاحب مرحوم و مغفور

رسالہ

کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

محدّث دہلی

ملکیّت

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم دار الحدیث رحمانیہ دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

محدث دہلی

نگران اصول
مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

جلد ۷ | ماہ اکتوبر ۱۹۳۹ء مطابق شعبان المعظم ۱۳۵۸ھ ہجری | نمبر ۶

فہرست مضامین

پتہ

مینیجر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی

یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو شائع ہوتا ہے اور
چار آنے محصول ڈاک کے بھیجنے پر سال بھر تک مفت بھیجا جائے گا۔ (مینیجر)

بحث عبدیت آپؐ بھی مثل دیگر انبیاء کے اللہ کے بندے تھے چنانچہ جابجا اللہ پاک نے لفظ عبد (بندے) کے ساتھ خطاب فرمایا ہے وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا (سورہ بقرہ) اگر تم اس سے شکوک ہو جو ہم نے اپنے بندہ پر اتارا ہے۔ سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ الایہ (بنی اسرائیل) پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو راتوں رات لے گیا۔ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا (انفال) اور جو کچھ ہم نے اپنے بندہ پر اتارا ہے۔ اسی طرح دوسرے نبیوں کی نسبت ارشاد ہے وَاذْکُرْ عَبْدَنَآ اَیُّوْبَ (ص) ہمارے بندے ایوبؑ کو یاد کرو۔ وَاذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ہمارے بندے داؤدؑ کو یاد کر۔ لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰہِ وَلَا الْمَلٰٓئِکَۃُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ یَّسْتَنْکِفْ عَنْ عِبَادَتِہٖ وَیَسْتَکْبِرْ فَسَیَحْشُرُھُمْ اِلَیْہِ جَمِیْعًا (نساء) مسیح اللہ کا بندہ ہونے سے عار نہ کرے گا اور نہ فرشتے مقرب اور جو کوئی کنیا دے اللہ کی عبدیت سے اور تکبر کرے وہ ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔ (فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی (النجم) پس وحی بھیجی اپنے بندے کی طرف جو کچھ وحی بھیجی۔ غرضکہ تمام انبیاء و رسل کو خواہ انسان ہوں یا فرشتہ لفظ عبد بندے کے ساتھ پکارا ہے اسی طرح دیگر لوگوں کو عباد اللہ اللہ کے بندے "عبادی" میرے بندے کہکر پکارا ہے بعض جاہل عبادی سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بندے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم رسولؐ کے بندے ہیں اسی بنا پر یہ لوگ عبد النبی عبد الرسول عبد المصطفٰے نام رکھتے ہیں۔ جواب پہلا یہ ہے کہ اللہ پاک نے جگہ جگہ عباد اللہ، عباد الرحمٰن فرمایا ہے پس جہاں کہیں بھی عبادی آیا ہے اس سے اللہ کے بندے مراد ہیں نہ کہ رسولؐ کے، ورنہ مدعی ثبوت پیش کرے۔ دوسرا یہ ہے کہ قُلْ کے بعد ہر قول اصلاً اللہ پاک کا مقولہ ہوتا ہے اور بعض قول تبعاً مقولہ انبیاء پس عبادی سے مراد ہمیشہ اللہ کے بندے ہوں گے۔ تیسرا اگر عبادی کے معنی رسولؐ کے بندے لئے جائیں تو دوسری آیتوں کے خلاف پڑتے ہیں اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (مریم) جو کوئی بھی زمین و آسمان میں ہے سب اللہ کے سامنے بندے ہو کر آئیں گے اس آیت میں سب کو اللہ کا بندہ بتایا گیا اور آپ رسولؐ کا بندہ بتاتے ہیں اب آپ کا قول سچا مانا جائے یا اللہ کا مشکوٰۃ میں ہے انی اکل کما یاکل العبد میں کھاتا ہوں جیسے بندہ کھاتا ہے۔ مسلم میں ہے یا عبادی کلکم جائع الا من اطعمتہ فاستطعمونی اطعمکم یا عبادی کلکم عار الا من کسوتہ فاستکسونی اکسکم اے میرے بندو تم سب ننگے ہو لیکن جسے میں پہناؤں پس مجھی سے لباس مانگو میں تمہیں پہناؤں گا۔ یہ حدیث قدسی ہے اس کے اندر اور بھی اسی قسم کے ٹکڑے ہیں مثلاً یا عبادی کلکم ضال الا من ھدیتہ فاستھدونی اھدکم یا عبادی کلکم تخطئون باللیل والنھار وانا اغفر الذنوب جمیعاً فاستغفرونی اغفر لکم یا عبادی انکم لن تبلغوا ضری فتضرونی ولن تبلغوا نفعی فتنفعونی۔ اے میرے بندو تم سب کے سب گمراہ ہو مگر میں جسے ہدایت کروں پس مجھ سے ہدایت مانگو میں ہدایت کرونگا۔ اے میرے بندو تم دن رات گناہ کرتے ہو اور میں تمام گناہ بخشوں گا مجھ سے مغفرت چاہو میں بخشوں گا اے میرے بندو تم سب نہ مجھے نفع پہنچا سکتے ہو نہ نقصان اور اسی قسم کے الفاظ اس حدیث قدسی میں ہیں اور حدیث قدسی وہ ہے جس میں فرمان ربانی کو آنحضرتؐ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب اللہ کے بندے ہیں کوئی رسولؐ کا بندہ نہیں۔ چوتھا اللہ پاک فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔ ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب پر

وحی آتی تھی کہ میں ہی اللہ ہوں میری ہی عبادت کرو آپ کے اصول کے موافق یہ معنی ہوئے کہ میں (محمد) اللہ ہوں میری (محمد) ہی کی عبادت کرو حالانکہ آیت کے وہ معنی ہیں جو ہم نے لکھے اور یہ کل مقولہ اللہ کا رہا۔ اس کے سوا آپ کے بتائے ہوئے معنی نہ کسی مفسر نے نہ کسی مترجم نے لکھے۔ اور آپ کو بھی تسلیم ہیں۔

پانچواں۔ قرآن شریف میں ہے يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ۔ (عنکبوت) اے میرے بندو میری زمین وسیع ہے پس میری ہی عبادت کرو آپ کے اصول کے موافق عبادی ارضی ایای ان سب کی یا رسول اللہ کی طرف منسوب ہوگی اور آیت کے یہ معنی ہونگے۔ مجھ محمد کی زمین وسیع ہے پس مجھ محمد کی عبادت کرو ابھی تک تو ہمیں خیال تھا کہ اللہ کی عبادت کی جاتی ہے مگر اب معلوم ہوا کہ یہ لوگ رسول کی عبادت کرتے ہیں این گل دیگر شگفت ✤ اور کیوں نہ ہو عالم الغیب مانا حاضر و ناظر کہا معبود کہا پھر عبادت کیوں نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کے تمام اختیارات سلب کرکے رسول کو دیدیئے عیسائیوں نے باپ بیٹا روح القدس کو خدا کہا۔ آریوں نے روح مادہ ایشور کو پوجا۔ انھوں نے اللہ رسول ولی کو سجدہ کیا لیکن یہ سب اول اول اب تو صرف رسول اور ولی کی پرستش ہے اور کیوں نہ ہو ہر بندہ اپنے معبود کی عبادت کرتا ہے لیکن یہ بتایئے کہ آپ کے پہلے کس کی عبادت کرتے تھے غالباً رسول ہی کے نام کی نماز پڑھتے ہونگے ورنہ ان کی تمام عبادتیں ان کے منہ پر ماری جائینگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (نساء) اللہ مشرک کو کبھی نہ بخشیگا اور مشرک کے سوا جسے چاہیگا بخشدیگا پس اے لوگوان عقائد شرکیہ سے توبہ کرو۔ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (سورہ توبہ) اللہ توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے۔

چھٹا۔ قرآن میں ہے إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ۔ اگر تو ان پر عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ (شوریٰ) وہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ سب اللہ ہی کے بندے ہیں مگر ع میں نہ سمجھوں تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے۔ اور ہے بھی یہی، سوتا جاگے جاگتا کیا جاگے۔

ساتواں۔ إِيَّاكَ نَعْبُدُ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اس میں عبادت کو ذات باری سے خاص کر دیا گیا اور عبادت کے معنی طاعت مع ذلت ہیں تفسیر معالم التنزیل میں ہے والعبادة الطاعة مع التذلل اور عبد کے معنی ذلیل ہیں معالم التنزیل میں ہے ویسمی العبد عبدًا الذلتہ وانقیادہ بندہ کو بندہ اس کی ذلت و فرمانبرداری کی وجہ سے کہتے ہیں اب یہاں لفظ نَعْبُدُ کو خواہ عبادت سے لیں خواہ عبودیت سے جیسا کہ تفسیر روح البیان میں ہے قولہ نعبد یحتمل ان یکون من العبادة ومن العبودیة دونوں صورتوں میں ماننا پڑے گا کہ جس کی عبادت کی جائے وہ معبود ہے پس اس کا مقابل عبد ہے اور ہر شخص خواہ عابد ہو یا نہ ہو اللہ کے مقابلہ میں ذلیل ہے پس وہ عبد ہے اور اللہ معبود آپ تو ان باتوں کو کیوں ماننے لگے۔ اسلئے کہ ع سب سے جدا روش مرے بلغ سخن کی ہے ✤ خیر آپ رسول کی عبادت کریں یا ولی کی اگر آپ ناراض نہ ہوں تو اس اس آیت کے معنی بتا دیجیے۔ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ (انبیاء) تم اور تم جن کی عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا سب دوزخ کا ایندھن ہیں جس میں جھونکے جاؤ گے اس آیت کے مطابق آپ کا اور آپ کے معبودان باطل کا کیا حشر ہونا چاہیے [۴۹] ہاں اسی کے ساتھ آپ کو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ عبد و معبود کے سوا ایک تیسری چیز بھی ہے مگر آپ پوجنے والوں کا ٹھکانا بجز جہنم کے اور کہاں ہوگا۔

[۴۹] انبیاء و صلحاء کا ذکر ... جواب دیکھئے ... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب ہے اِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ (سورہ مائدہ) اے خدا اگر میں نے ان سے اپنی عبادت کیلئے کہا ہو تو تو جانتا ہے ...

جو عبد بھی ہے اور معبود بھی اسلئے کہ رسول اللہ کے بندے ہیں اور آپ رسولؐ کے پس رسول عبد بھی ہوئے اور معبود بھی۔
آٹھواں ۔ سورۂ آل عمران میں ہے مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلُ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ کسی آدمی کی یہ مجال نہیں کہ اللہ اسکو کتاب اور حکمت اور نبوت دے پھر وہ اللہ کے بندوں کو اپنا بندہ کہے پس ثابت ہوا کہ کوئی ولی رسول نبی کسی کو اپنا بندہ نہیں کہہ سکتے نہ کبھی کسی نے کہا لیکن آنکھوں کے اندھے نام نین سکھ جو چاہیں کہیں سچ ہے "آنکھوں کے آگے ناک، سوجھے کیا خاک"۔
نواں ۔ مسلم میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقولن احدکم عبدی وامتی کلکم عبید اللہ وکل نساءکم اماء اللہ ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شخص اپنے غلاموں کو اور لونڈی کو "میرا بندہ" اور "میری بندی" نہ کہے کیونکہ سب مرد اللہ کے بندے اور سب عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں۔
دسواں ۔ مسند احمد بن حنبلؒ میں ہے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لما ولدت حواء طاف بها ابلیس وکان لا یعیش لها ولد فقال سمیہ عبد الحارث فانہ یعیش فسمتہ فعاش فکان ذلک من وحی الشیطان وامرہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حوا کی اولاد نہ جیتی تھی جب ایکبار بچہ ہوا تو شیطان نے کہا کہ اس کا نام عبد الحارث رکھو یہ بچہ زندہ رہیگا پس اس کا نام عبد الحارث رکھا وہ بچہ زندہ رہا لیکن بخدا شیطان کی طرف سے یہ خیال پیدا کیا گیا تھا۔ اس حدیث کو ترمذی نے حسن کہا ہے اور ابو یعلی ابن جریر ابی حاتم رویانی طبرانی ابو الشیخ حاکم نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے اور ابن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ...... سوا کسی اور کی جانب نسبت عبدیت کرنا تعلیم شیطانی ہے برخلاف اس کے خدا و رسولِ خدا کے نزدیک محبوب ترین اسماء عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں۔ مسلم مسند احمد بن حنبل ابو داؤد میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احب اسمائکم الی اللہ عبد اللہ وعبد الرحمن ۔ لیکن جن لوگوں پر شیطان مسلط ہے وہ تو اس کے خلاف کریں گے پیر بخش وغیرہ نام ضرور رکھیں گے ملا علی قاری حنفی منح الازھر میں لکھتے ہیں، اما التسمیۃ بعبد النبی فظاھرہ کفر الا ان یراد بہ معنی المملوک عبد النبی نام رکھنا ظاہراً کفر ہے مگر یہ کہ اس سے (بجائے عبدیت) ملک مراد لی جائے لیکن حقیقت امر یہ ہے کہ ملک بھی خدا کی ہے اسلئے ملک مراد لینے کی شکل میں اگر حرمت نہ ہو تو کذب تو ضرور ہے اور جھوٹے پر لعنت آئی ہے۔ ابن حجر تحفہ میں لکھتے ہیں ویحرم ملک المملوک لان ذلک لیس لغیر اللہ وکذا عبد النبی والکعبۃ او الدار او علی او الحسین لایھام التشریک بندے کو بندے کی ملک کہنا حرام ہے اسلئے کہ مالک تو اللہ ہی ہے ایسا ہی عبد النبی عبد الکعبۃ عبد الدار عبد علی عبد الحسین اسلئے کہ انمیں ایہام شرک ہے علامہ زین الدین فتح المعین میں لکھتے ہیں ویحرم التسمیۃ بملک المملوک وقاضی القضاۃ وکذا عبد النبی ایسا نام رکھنا جسمیں بندے پر بندے کی ملک ثابت ہو یا قاضی القضاۃ اور عبد النبی حرام ہے نصاب الاحتساب میں ہے ویحتسب علی من فعل التسمیۃ باسم لم یذکرہ اللہ تعالیٰ فی کتابہ ولا نبیہ فی سنتہ ولا سبقہ المسلمون ۔ جو شخص ایسے نام رکھے جنکو اللہ پاک نے نہیں فرمایا یا جو حدیث رسولؐ میں نہیں یا جو پہلے مسلمانوں نے نہیں رکھے (یعنی صحابہؓ نے) اس سے خدا کے یہاں بازپرس ہوگی۔

ہمیں بشر کہنے کا حق نہیں | بعض جاہل یہ بات کہا کرتے ہیں کہ اگر اللہ نے عبد یا بشر کہا تو کہا ہمیں کیا حق ہے جو ہم کہیں "باپ اگر بیٹے کا نام لے تو لے بیٹے حرامزادے کو نام لینے کا کیا حق ہے"

جواب اول - یہ کہ اللہ کو اللہ رسول کو رسول بھی اللہ ہی نے کہا ہے پھر تمہیں کیا حق ہے جو اللہ کو اللہ اور رسول کو رسول کہتے ہو۔ **دوم** - یہ کہ اگر بشر یا عبد ذلت ہے تو تمام انبیاء عباد اللہ آپ کے نزدیک ذلیل ہوں گے۔ **سوم** یہ کہ بشر کو بشر کہنا اور عبد کو عبد کہنا اگر ان کی توہین ہے تو اللہ کو اللہ اور معبود کہنا فرشتوں کو فرشتہ جن کو جن حور کو حور غلمان کو غلمان انسان کو انسان کہنا ان کی توہین ہے۔ **چہارم** قیام دنیا سے اسوقت تک یہی طریقہ ہے کہ بیٹا باپ کو باپ اور باپ بیٹے کو بیٹا کہتا چلا آیا ہے آپ طریقہ بدلوا دیجئے مریدین خاص کو ہدایت فرما دیجئے کہ آئندہ سے بیٹے کو باپ اور باپ کو بیٹا کہا جائے۔

پنجم ہمیشہ سے ہر شخص اپنے نام کے ساتھ بن فلاں ولد فلاں فلاں کا بیٹا کہتا اور لکھتا چلا آیا ہے غالباً آپ لوگ تو کبھی باپ کا نام نہ لیتے ہوں گے اور بوقت تحریر ولدیت کا خانہ خالی چھوڑ دیتے ہوں گے آئندہ سے نام ضرور لکھئے ورنہ لوگوں کو بدگمانی ہوگی نام نامعلوم یا مشتبہ ہو تو ماں ہی کا نام لکھ دیا کیجئے۔ **ششم** تمام کتب احادیث اور قرآن میں موجود ہے کہ سارے انبیاء اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو بشر رسول عبد کہتے آئے ہیں اس قسم کی حدیثیں کچھ اوپر گذر چکی ہیں قرآن میں ہے - يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ (مریم) اے باپ شیطان کو نہ پوج۔ احادیث میں ہے انا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب میں محمد بیٹا عبداللہ بیٹے عبد المطلب کا ہوں۔ انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب میں سچا نبی عبد المطلب کا بیٹا (پوتا) ہوں۔ محمد بن عبد اللہ عبدہ ورسولہ محمد بیٹا عبد اللہ کا اللہ کا بندہ اور رسول ہوں ان سے معلوم ہوا کہ باپ اور دادا کا نام لینا بھی سنت نبوی ہے۔

ہفتم کتب احادیث و سیر میں بہت سی حدیثیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ اور ازواج مطہرات نے آنحضرت کا نام لیا ہے عبداللہ اور رسول بھی کہا ہے بخاری میں ایک حدیث ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں من زعم ان محمدا رای ربہ جس نے گمان کیا کہ محمد نے اللہ کو دیکھا و من زعم ان محمدا کتم شیئا اور جس نے گمان کیا محمد نے کچھ چھپایا۔ ولو کان محمد کاتما شیئا اور اگر محمد کچھ چھپاتے۔ بخاری و مسلم میں ہے حضرت مسروق حضرت عائشہ سے سوال کرتے ہیں ھل رای محمد ربہ کیا محمد نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی خلافت میں جو سب سے پہلا خطبہ دیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات جو کوئی محمد کو پوجتا تھا وہ سن لے کہ محمد یقیناً مر گئے۔

ہشتم - خود را فضیحت و دیگراں را نصیحت یعنی آپ خود ہر نماز میں اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ پڑھتے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں، نہیں نہیں میں بھول گیا آپ تو رسول کے بندے ہیں آپ تو کچھ اور پڑھتے ہونگے۔ اور یقیناً تکبیر والوں میں سے "اشھد ان محمدا رسول اللہ" نکال دیا ہوگا کیا آپ نماز میں۔ اللھم صل علی محمد و علی ال محمد اللھم بارک علی محمد و علی ال محمد نہیں پڑھتے غالباً عنقریب کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں بھی ترمیم کردی جائے گی سچ ہے ؎

چشم بینا کو تو عینک سے کچھ اچھا سوجھے + دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا سوجھے

حاصل کلام یہ کہ ہر مخلوق نبی، رسول فرشتہ، انسان جن حور غلماں سب اللہ کے بندے ہیں اور عبادت صرف اللہ ہی کیلئے مخصوص ہے

بحث اخوت | مشکوٰۃ میں بروایت احمد ہے اعبدوا ربکم واکرموا اخاکم عبادت کرو اللہ کی اور اکرام بھائی کا۔ یہاں بھائی سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تقویۃ الایمان میں مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کے ذیل میں فائدہ لکھا ہے یعنی انسان آپس میں سب بھائی ہیں جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے اور مالک سب کا اللہ ہے بندگی اس کو چاہئے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیا و انبیا امام امامزادے پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے ہمکو ان کی فرمانبرداری کا حکم کیا ہے ہم ان کے چھوٹے ہیں سو ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہئے نہ خدا کی سی"۔ اس پر جاہل یہ اعتراض کرتے ہیں کہ رسول اللہ کو بڑا بھائی کہدیا اور ان کی تعظیم بڑے بھائی کے برابر کر دی اس کے چند جواب ہیں۔ اول یہ کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی نہیں لیا آپ اپنی طرف سے اضافہ کرنیوالے کون ہیں۔

ثانی۔ جب حدیث میں لفظ اَخ "بھائی" آیا ہے تو آپکو اعتراض کا کیا حق ہے۔ آپ قاضی یا مفتی۔ ثالث یہ کہ رشتے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک نسبی یا حقیقی یہ تو وہ ہیں جو باپ بیٹے بہن بھائی ماں باپ وغیرہ میں ہوتے ہیں جیسے حضرت فاطمہؓ آنحضرتؐ کی صاحبزادی یا حضرت ابراہیم آپؐ کے صاحبزادے، حضرت حمزہؓ و عباسؓ آپکے چچا۔ یہ تمام رشتے تو انہی لوگوں کے لئے مخصوص ہیں کوئی دوسرا اپنی جانب منسوب کرلے تو غلطی ہے دوم وہ رشتے جو مجازی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں دنیاوی اور دینی۔ دنیاوی وہ کہ آپس میں مواخات بھائی چارہ کر لیا جائے جیسے منہ بولے بھائی یا خواجہ تاش ایک استاد کے دو شاگرد دینی وہ کہ بسبب اسلام مواخات کی گئی ہو یا ہوگئی ہو یہ رشتے ایسے ہیں جنکو ہر شخص استعمال کرتا ہے اور کر سکتا ہے اور یہ تمام رشتے کابراً عن کابر استعمال ہوتے رہے ہیں سورہ یوسف میں ہے کَمَا اَتَمَّهَا عَلٰی اَبَوَیْکَ مِنْ قَبْلُ اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْحٰقَ جیسا کہ اتمام کیا . . . . پیشتر تیرے باپوں ابراہیمؑ و اسحٰقؑ پر مِلَّةَ اٰبَائِیْ اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ملت میرے باپوں ابراہیمؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ کی۔ حالانکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے باپ کا نام یعقوبؑ تھا اور تمام انسان اولاد آدمؑ ہونے کی حیثیت سے باہمدگر رشتہ دار اور بھائی ہیں شعب الایمان بیہقی اور مسند احمد بن حنبل میں ہے کلکم بنو آدم طف الصاع بالصاع لم تملوه لیس لاحد علی احد فضل الا بدین وتقوی تم سارے کے سارے آدمؑ کے بیٹے ہو سوائے بسوا رکسی کو کسی پر زیادتی نہیں مگر دین و تقوی کی۔ حضرت آدمؑ کو ابو البشر ابو الانسان کہا گیا ہے

اخوت دینی | بخاری و مسلم میں ہے الانبیاء اخوة من علات وامهاتهم شتی ودینهم واحد انبیا علاتی بھائی ہیں مائیں ان کی چند ہیں اور دین انکا ایک ہے مسلم میں ہے المومنون کرجل واحد سب مسلمان مثل ایک آدمی کے ہیں قرآن میں ہے فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ تمہارے دینی بھائی اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ سب مسلمان بھائی ہیں رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ (حشر) اے رب ہمیں اور ہمارے ان مومن بھائیوں کو جو ہم سے پہلے تھے بخشدے۔

اور جس طرح مسلمانوں کو باہم بھائی کہا ہے اسی طرح کفار و منافقین کو بلحاظ دین آپس میں بھائی کہا گیا ہے سورۃ حشر میں ہے
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ کیا تو منافقوں کو نہیں دیکھتا جو
اپنے ان بھائیوں سے کہتے ہیں جو اہل کتاب میں سے کافر ہیں فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (آل عمران)
تمہارے دلوں میں محبت ڈالدی پس تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہوگئے تفسیر بیضاوی میں ہے انما المؤمنون اخوۃ
من حیث انھم منتسبون الی اصل واحد وھو الایمان سب مسلمان بھائی ہیں اس حیثیت سے کہ سب کے سب ایک
جڑ کی طرف منسوب ہیں اور وہ جڑ ایمان ہے۔ یہ بات بھی جان لینا چاہئے کہ اہل لغت کے نزدیک اخوۃ وہ بھائی ہیں جو بسبب
نسب کے ہوں اور اخوان وہ بھائی ہیں جو بسبب دوستی کے ہوں پس اللہ پاک نے اخوۃ تاکیداً فرمایا ہے مسلم کی دو حدیثوں میں
آیا المسلم اخو المسلم مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ مسلم میں ہے اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی المقبرۃ
فقال السلام علیکم دار قوم مومنین وانا انشاء اللہ بکم لاحقون وددت انا قد رأینا اخواننا قالوا اولسنا
اخوانك یارسول اللہ قال انتم اصحابی واخواننا الذین لم یاتوا بعد۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان تشریف
لے گئے تو آپ نے فرمایا تم پر سلام ہوا ے دیار مومنین والو اور خدا نے چاہا تو ہم تم سے ملیں گے میری آرزو ہے کاش ہم سب اپنے
ان بھائیوں کو دیکھتے جو بعد میں آئیں گے صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں آپ نے فرمایا تم میرے مصاحب
ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اسی مضمون کی چند حدیثیں جمع الجوامع میں جلال الدین سیوطی لائے ہیں اور شیخ
محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ کے پانچویں باب میں لکھا ہے فنحن الاخوان وھم الاصحاب پس ہم بھائی ہیں اور
وہ مصاحب۔ فتح الباری میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لزید بن حارثۃ انت اخونا ومولانا۔
اے زید! تم ہمارے بھائی اور مولا ہو۔ مسند ابن ابی شیبہ میں ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا لیتنی
لقیت اخوانی قالوا یارسول اللہ اولسنا اخوانك قال بلی ولکن قوم یجیئون من بعدکم یومنون بی ایمانکم و
یصدقون بی تصدیقکم وینصرونی نصرکم فیالیتنی قد لقیت اخوانی فرمایا رسول اللہ صلعم نے کاش میں اپنے بھائیوں
سے ملتا انھوں نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں فرمایا ہاں لیکن تمہارے بعد ایک قوم آئیگی جو مجھ پر تمہارا ہی سا ایمان
لائیگی اور تمہاری ہی سی تصدیق کرے گی اور تمہاری ہی مانند میری مدد کریگی کاشکہ میں ان بھائیوں سے ملتا۔ بخاری میں ہے
عن عروۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب عائشۃ الی ابی بکر فقال لہ ابوبکر انما انا اخوك فقال انت
اخی فی دین اللہ وکتابہ وھی لی حلال۔ نبی علیہ السلام نے عائشہ کے نکاح کا ابوبکرؓ کو پیام دیا ابوبکرؓ نے کہا میں تو آپ
کا بھائی ہوں رسول اللہؐ نے فرمایا تم میرے دینی بھائی ہو اور وہ میرے لئے حلال ہے۔ فتح الباری اور قسطلانی میں ہے وھی
لی حلال نکاحھا لان الاخوۃ المانعۃ من ذلك اخوۃ النسب والرضاع لا اخوۃ الدین عائشہؓ سے نکاح میرے
لئے حلال ہے اسلئے کہ اخوت مانعہ نکاح اخوت نسب و رضاعت ہے نہ کہ اخوت دینی ان احادیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں
ایک تو آنحضرت کا مسلمانوں کو بھائی کہنا دوسرے مسلمانوں کا آنحضرت کو بھائی کہنا اور آنحضرتؐ کا اقرار فرمانا پس اگر
کسی مسلمان نے اسی بنا پر آنحضرتؐ کو بھائی کہدیا یا اب کہدے تو گردن زدنی کیوں ہے۔ حدیث عروہ جو اوپر گذری مرسل ہے

اور چونکہ مرسل حنفیہ کے نزدیک حجت ہے اس لئے ان کے مقابلہ میں اس کا پیش کرنا اصول مناظرہ کے خلاف نہیں۔ نیز ہمارا دعویٰ آیات واحادیث سے ثابت ہے پس یہ حدیث ان کی اور موید ہوگی اور حدیث مرسل عند الحنفیہ حجت ہونے کی بہت سی عبارتیں رسالہ آیات محکمات میں نقل کردی گئی ہیں اب یہ بات کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے فقرے میں عموم ہے اس کے اندر ہر دنیادار گنہگار شامل ہوسکتا ہے اسی طرح ہر نبی اور رسول ہیں ہم ذلیل وخوار کیونکر بھائی بن سکتے ہیں۔ **جواب اول** یہ کہ آنحضرتؐ بانی شریعت آپ سے زائد تعظیم وتکریم اور تہذیب واحکام کو جانتے تھے اس زمانے کے قوی وضعیف الایمان مسلمانوں کو بھی جانتے تھے پھر جب خود انھوں نے بھائی فرمایا اور دوسروں کے بھائی کہنے پر اعتراض نہ کرتے ہوئے بھائی ہونے کا اقرار فرمایا تو اب آپ کا اعتراض شارع علیہ السلام پر اعتراض ہے نہیں تو ہر مسلمان کو بھائی کہنے کا حق شرعاً حاصل۔

اخوت کا ثبوت قرآن سے | ثانی آیات قرآنی فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ میں بھی عموم ہے ان میں بھی انبیا ورسل اور ہر مسلمان گنہگار داخل ہے۔ ثالث ہم تو مسلمان ہیں قرآن میں کافروں کا بھائی انبیا ورسل کو کہا گیا ہے بخاری ومسلم میں ہے وکونوا عباد اللہ اخوانا ہوجاؤ اللہ کے بندو بھائی بھائی یہاں تو اسلام کی بھی قید نہیں قرآن میں ہے فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا (آل عمران) پس تمہارے دلوں میں الفت ڈالدی اسلئے تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہوگئے فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ (توبہ) اگر وہ توبہ کرلیں نماز پڑھیں زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں سورہ اعراف میں ہے وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا۔ قوم عاد کی طرف انکے بھائی ہود کو وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا مدین میں ان کے بھائی شعیبؑ کو۔ اور یہی تینوں آیتیں بحرفہٖ سورہ ہود میں بھی آئی ہیں۔ دیکھئے ان نبیوں کو اللہ نے کافروں کا بھائی کہا ہے سورہ شعرا میں ہے اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ جب ان سے ان کے بھائی نوحؑ نے کہا اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ جب ان سے ان کے بھائی صالحؑ نے کہا۔ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ جب ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا۔ سورہ مومنون میں ہے فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ پس ہم نے انہیں رسول بھیجا انہی میں سے۔ آنحضرتؐ کیلئے ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ تمہارے پاس تمہارے ہی نفوس میں سے رسول آیا۔ اسی طرح جابجا رَسُوْلًا مِّنْكُمْ تم میں سے رسول اور رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ان میں سے رسول آیا ہے پس جبکہ انبیاء کو کفار کا بھائی کہا گیا تو مسلمانوں کا بھائی کہنا کیوں نادرست۔

رابع۔ مسند احمد بن حنبل میں ایک حدیث ہے جب بدر کے قیدی آئے اور آپ نے انکی نسبت مشورہ فرمایا تو صحابہؓ سے فرمایا وانما ھم اخوانکم بالامس وہ کل والے تمہارے بھائی ہیں پس حدیث میں بھی مسلمانوں کو کافروں کا بھائی کہا گیا۔ **خامس** شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے فنحن الاخوان وھم الاصحاب ہم بھائی ہیں اور وہ مصاحب پس اول شیخ محی الدین ابن عربی پر تبرا کیجئے پھر مولوی اسمٰعیلؒ صاحب کی جانب متوجہ ہوجئے۔ ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند۔ **سادس** جو لوگ داخل اسلام ہوتے تھے ان میں سے کسی کا بھائی کسی کا لڑکا کسی کا باپ کافر ہوتا تھا خود آنحضرتؐ کے اعمام اور دیگر عزیز قریب کافر رہتے تھے مگر بوجہ کفر وہ قرابت یا رشتہ داری سے خارج

نہ ہوتے تھے بلکہ انہی رشتوں سے پکارے جاتے تھے جیسا کہ عبارات احادیث سے ثابت ہے یا اس وقت کوئی شخص مسلمان ہو جائے تو کیا اس کے والدین اور بہن بھائی اس رشتہ سے خارج ہو جائیں گے۔ **سابع** اگر آپ کا بھائی یا لڑکا نواب بادشاہ یا عابد و زاہد ولی اللہ امام مجتہد اور تمہارے مذہب کے موافق نبی ہو جائے جیسا کہ جواہر غیبی میں لکھا ہے "نبوت و رسالت منقسم بر دو قسم است قسمی تعلق بہ تشریع دارد کہ آں او امر و نواہی ست از جناب حق تعالیٰ بر خلق بواسطہ انبیا و آں انقطاع پذیرفت و قسمی دیگر خبر دادن از حقائق جناب الٰہی و اسرار غیب و اظہار اسرار عالم ملک و ملکوت و کشف اسرار ربوبیت ست و آں منقطع نمی گردد و آنرا انبار گویند" نبوت و رسالت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ جس کا تعلق شرع سے ہو یعنی اوامر و نواہی خداوندی جو حق کی جانب سے مخلوق کو ہیں وہ ختم ہو گئی اور دوسری قسم حقائق الٰہی و اسرار غیب اور دیگر حالات ربوبیت یہ قسم ختم نہیں ہوئی "آئینہ حقائق نما میں بھی دو قسمیں کی ہیں ایک تشریعی دوسری تعریفی پھر لکھا ہے" "و نبوت تشریعی مختتم بحضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم گشت فاما تعریفی کہ لازمہ ولایت مطلق است باقی است تا دور خاتمہ ولایت محمد مہدی۔ نبوت تشریعی تو حضرت رسالت پناہ پر ختم ہو گئی اور نبوت تعریفی جو کہ ولایت مطلق کا لازمہ ہے ولایت محمدیہ کے خاتمہ تک باقی رہیگی" تو کیا یہ شخص آپ کے بھائی یا لڑکا ہونیسے خارج ہو جائیگا۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ بطور فخر بار بار اظہار کریں گے اور دن رات یہی ہونا ہے کہ جس کو ترقی مراتب حاصل ہوتی ہے دنیا دار فخریہ اس کے سالے بنتے ہیں اور غریب کے بہنوئی بھی نہیں بنتے۔ پس اگر کسی مسلمان نے فخریہ یا فرط محبت سے یا مثال کے طور پر بھائی کہدیا تو کیا برا کیا۔ آپ ہی لوگ دن رات مصطفیٰ کمال پاشا صدر جمہوریہ ٹرکی اور امیر امان اللہ خاں سابق بادشاہ کابل اور اسی قسم کے لوگوں کو ہمارے مسلمان بھائی ہمارے مسلمان بھائی کہہ کہکر یاد کرتے ہیں اور آپ کا یہ کہنا درست بھی ہے لیکن بلحاظ امارت و مراتب چہ نسبت خاک را با عالم پاک + پس بالکل اسی طرح مولوی صاحب نے آنحضرت کو بھائی کہا ہے۔

ثامن۔ آپ کے مذاہب کے مطابق جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں لکھا ہوا ہے ہر مسلمان خواہ وہ گنہگار جواری شرابی زانی چور ہو تارک الصلوٰۃ ہو خواہ عابد و زاہد صوفی ولی یا نبی یا رسولؐ ہو بحیثیت ایمان سب برابر ہیں نہ کسی کو ذرہ برابر کسی پر فوقیت نہ کسی کو ذرہ برابر کسی سے کمی مولوی صاحب نے آپ کے اسی مسئلہ کو پیش نظر رکھکر اور اسی مساوات کا خیال کر کے بھائی لکھا ہے تاکہ آپ لوگوں پر تعریض ہو یہ جاہل کہا کرتے ہیں کہ اللہ یا رسولؐ نے بھائی کہا تو کہا تمہیں کیا حق ہے جواب وہی ہے کہ اللہ کو اللہ رسولؐ کو رسولؐ بھی انھوں نے ہی کہا ہے اور لوگوں نے بھی آنحضرتؐ کو بھائی کہا ہے اور آنحضرت نے بھائی ہونا تسلیم کیا ہے جیسا کہ ان احادیث سے ثابت ہوا جو اوپر گذر چکیں۔ پھر تمکو کیا حق ہے کہ اس سے منع کرو۔ یہی جاہل ایک یہ بات بھی کہا کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ کی تعظیم کو بڑے بھائی کے برابر کر دیا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ والدین کے متعلق فرماتا ہے فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (بنی اسرائیل) ان دونوں سے اف بھی نہ کرو، نرم لہجہ سے بات کرو اور فرمانبردار رہو ابن ماجہ میں ہے ان رجلا قال یا رسول اللہ ما حق الوالدین علی ولدھما قال ھما جنتك ونارك۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا بیٹے پر والدین کے کیا حقوق ہیں فرمایا وہ تیری جنت ہیں اور تیری دوزخ ہیں مطلب یہ ہے کہ ان کی فرمانبرداری و خوشنودی میں جنت ہے نافرمانی

ماہِ مبارک کی آمد آمد
اور
سردارِ دو عالم کا خطبۂ استقبالیہ

(از مدیر)

اللہ، اس کی کتاب، اس کے رسول، روز قیامت، حساب وکتاب، جزا وسزا، عذاب وثواب، جنت ودوزخ وغیرہ پر ایمان واعتقاد رکھنے والوں کو اللہ، اس کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم، اور اس کے فرشتوں کی طرف سے اس بشارت اور خوشخبری کی منادی ہو رہی ہے یَا اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّکُمْ شَھْرٌ عَظِیْمٌ شَھْرٌ مُّبَارَکٌ اے نیکیوں سے غفلت برتنے والو! اور برائیوں سے الفت رکھنے والو! اے رحمت باری کے طلبگارو! اور عذاب خدا سے ڈرنے والو! سن لو کہ اب عنقریب وہ دن آرہے ہیں جن میں رحمت الٰہی کی بدلیاں جھوم جھوم کر برستی ہیں۔ جن میں مغفرت ربانی کے دریا اُمنڈ اُمنڈ کر آتے، اور تمہارے گناہوں کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لیجاتے ہیں۔ جن میں رب کریم اپنی نعمتوں کے خزانے کھول دیتا ہے۔ جن میں سرکش شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے، جن میں جہنم کے دروازے بند اور رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ یہ بابرکت باعظمت دن وہی ہیں جن کو ماہ رمضان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہی وہ مبارک مہینہ ہے جس کے استقبال کے لئے جنت ایک سال پہلے سجائی اور سنواری جاتی ہے۔ طرح طرح کے بیل بوٹوں، رنگا رنگ کے پھول اور گلدستوں، قسمہا قسم کے عطر اور خوشبوؤں اور نہ جانے کن کن نعمتوں اور برکتوں سے اُسے آراستہ و پیراستہ کیا جاتا ہے یہی وہ باعظمت مہینہ ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَحْصُوْا ھِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ لوگو! رمضان کے دنوں کی حفاظت کیلئے شعبان* کے مہینہ کو شمار کرتے رہو، تاکہ رمضان کے ایام میں کمی زیادتی نہ ہو جائے۔ یہی وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں ہر روز اللہ کی طرف سے ایک منادی کرنیوالا پکار پکار کر کہتا ہے یَا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ اے نیکی وبھلائی کے ذریعہ اجر وثواب طلب کرنیوالے خوش قسمت انسان! آگے بڑھ! کہ دریائے رحمت جوش میں ہے، اپنے دامن مراد کی جھولیاں جہاں تک بھر سکتا ہے بھر لے، کیا معلوم پھر آئندہ یہ موقع ہاتھ آئے، یا نہ آئے۔ جتنی نمازیں پڑھ سکتا ہے، پڑھ لے، قرآن مجید کی جتنی زیادہ تلاوت کر سکتا ہے کر لے، خیرات وصدقات کے ذریعہ یتیموں اور بیواؤں، ننگوں اور بھوکوں، بے کسوں اور بے بسوں کی جو جو خدمتیں تیرے بس میں ہوں، ان میں کمی نہ کر کہ تیرے مال میں ان کا بھی حق ہے۔ وَیَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ اور اے شر وفساد، برائی وبدکاری، بدعملی وبدکرداری، گنہ گاری ونافرمانی سے دلچسپی رکھنے والے بدقسمت انسان! تو بھی اپنی برائیوں سے باز آ، کہ یہ انعامات آلٰہیہ سمیٹنے کا زمانہ ہے، اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو کر، رب کے دربار میں آ، اور ان کی بخشش چاہ کہ یہ مولا کی طرف سے مغفرت وبخشش ہی کا مہینہ ہے۔ کسی غریب کا دل دکھایا ہو، کسی کے مال پر ناحق قبضہ کر لیا ہو، کسی کی آبرو پر حملہ کیا ہو، کسی پر بیجا ظلم کیا ہو، کسی کا حق ناحق دبا لیا ہو تو جاؤ ایک ایک سے معافی چاہو، اور پھر

* عام طور پر جس مہینے کو "شبرات" کا مہینہ کہا جاتا ہے، اسی کو عربی میں شعبان کا مہینہ کہتے ہیں۔ آج کل شعبان ہی کا مہینہ چل رہا ہے۔

خلوص اور سچائی نیک نیتی اور ایمانداری کے ساتھ اس مہینے کے روزے پورے رکھ لو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کے مستحق بن جاؤ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ (بخاری ومسلم) جس نے رمضان کے روزے ایمان کے ساتھ اجر وثواب کی نیت سے (محض دکھانے اور شرما شرمی سے نہیں) رکھے تو اس کے سارے اگلے گناہ بخش دیئے جائینگے۔

خطبۂ نبویہ | مسلمانو! یقین جانو کہ اس آنے والے مہینے سے بہتر کوئی دن نہیں دونوں جہان کی بھلائیاں جمع کرنے کا نہیں ملسکتا اس مہینے کی عظمت واہمیت کا اندازہ اس سے کرو کہ ابھی یہ مہینہ شروع بھی نہیں ہوا تھا، بلکہ شعبان کی آخری تاریخیں تھیں اور ماہ رمضان کی آمد آمد کا غلغلہ بلند ہو رہا تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع عام میں اس کے فضائل پر ایک مبسوط تقریر فرمائی، اور جامع الفاظ میں اس کی فضیلتوں اور خوبیوں کو امت کے سامنے واضح فرمایا۔ اس خطبے کا ایک ایک لفظ اس مہینے کی عظمت وفضیلت میں ڈوبا ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ یَا اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّکُمْ شَھْرٌ عَظِیْمٌ شَھْرٌ مُّبَارَکٌ شَھْرٌ فِیْہِ لَیْلَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ جَعَلَ اللّٰہُ صِیَامَہٗ فَرِیْضَۃً وَّقِیَامَ لَیْلِہٖ تَطَوُّعًا مَنْ تَقَرَّبَ فِیْہِ بِخَصْلَۃٍ مِّنَ الْخَیْرِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَۃً فِیْمَا سِوَاہُ وَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَۃً فِیْہِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی سَبْعِیْنَ فَرِیْضَۃً فِیْمَا سِوَاہُ وَھُوَ شَھْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُہُ الْجَنَّۃُ وَشَھْرُ الْمُوَاسَاۃِ وَشَھْرٌ یُّزَادُ فِیْہِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ مَنْ فَطَّرَ فِیْہِ صَائِمًا کَانَ لَہٗ مَغْفِرَۃً لِّذُنُوْبِہٖ وَعِتْقَ رَقَبَتِہٖ مِنَ النَّارِ وَکَانَ لَہٗ مِثْلُ اَجْرِہٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْتَقِصَ مِنْ اَجْرِہٖ شَیْءٌ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَیْسَ کُلُّنَا نَجِدُ مَا نُفَطِّرُ بِہِ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعْطِی اللّٰہُ ھٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰی مَذْقَۃِ لَبَنٍ اَوْ تَمْرَۃٍ اَوْ شَرْبَۃٍ مِّنْ مَّاءٍ وَمَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاہُ اللّٰہُ مِنْ حَوْضِیْ شَرْبَۃً لَا یَظْمَاُ حَتّٰی یَدْخُلَ الْجَنَّۃَ وَھُوَ شَھْرٌ اَوَّلُہٗ رَحْمَۃٌ وَّاَوْسَطُہٗ مَغْفِرَۃٌ وَّاٰخِرُہٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَّمْلُوْکِہٖ فِیْہِ غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ وَاَعْتَقَہٗ مِنَ النَّارِ (مشکوٰۃ ج ۱)

مطلب خیز ترجمہ: لوگو! یہ خوشخبری سن لو، اور رحمت الٰہی کے خزانوں سے مالا مال ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ کہ تم کو ایک نہایت عظمتوں اور بڑی برکتوں والے مہینے نے اپنے سایے میں لے لیا ہے۔ لوگو! یہ رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی رات بنائی ہے کہ اس ایک رات کی عبادت اللہ کے نزدیک ایک ہزار مہینے کی عبادت سے بھی بڑھ چڑھکر ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں دن کو روزہ رکھنا فرض اور رات میں نمازیں (تراویح) پڑھنا سنت ہے۔ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ نفلی عبادتوں پر بھی وہ ثواب عنایت فرماتا ہے، جو دوسرے مہینوں میں فرض ادا کرنے پر ملتا ہے۔ اور اس مہینے میں کسی ایک فرض کا ادا کرنا، دوسرے مہینوں کے ستر فرضوں کے ادا کرنے کے برابر ہے۔ یہ مہینہ اپنے نفس کی ناجائز خواہشوں کو روکنے، اور رب کی عبادتیں کرنے کا ہے، جو شخص ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جنت کا مستحق ہے۔ یہ مہینہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور غمخواری نرمی اور مروت، محبت اور رواداری سے پیش آنے کا ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں باری تعالیٰ اپنے مومن بندے کی روزی بڑھا دیتا ہے۔ اس مبارک مہینے میں جو شخص کسی روزے دار کو۔ پیٹ بھر روٹی نہ کھلائے، بلکہ صرف روزہ افطار ہی کرا دے تو رب رحیم وکریم اس کے معاوضے میں اس کے سارے گناہ بخشکر اس کو جہنم سے آزاد کر دے گا۔ اور روزہ رکھنے والے کے ثواب میں کسی قسم کی کمی کئے بغیر اس افطار کرانے والے کو بھی وہی ثواب دے گا، جو روزہ رکھنے والے کو ملیگا۔ صحابہؓ کرام نے

عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! روزہ افطار کرانے کی تو آپ نے بہت بڑی فضیلت بیان فرمائی، لیکن ہم میں تو بہت سے ایسے بیچارے غریب ہیں کہ جن کے پاس اتنا ہے ہی نہیں کہ وہ کسی کا روزہ افطار کرا سکیں، تو پھر ہم غریب تو اس نعمت سے محروم ہی رہے یہ انعام تو مالداروں ہی کو نصیب ہوگا۔ اس کے جواب میں حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں نہیں! تم یہ نہ سمجھو کہ یہ ثواب بڑی بڑی لذیذ چیزوں، اور عمدہ عمدہ کھانوں ہی پر ملے گا، نہیں، بلکہ یہ ثواب تو اللہ تعالیٰ اس غریب کو بھی دیگا، جس کے پاس اتنا تھوڑا سا دودھ ہے کہ جو خود اس کے لئے بھی کافی نہیں ہے، لیکن وہ اسی میں پانی ملا کر اس کو بڑھا لیتا ہے، اور اسی پانی ملے ہوئے دودھ سے کسی کا روزہ افطار کرا دیتا ہے۔ یہ ثواب تو اس نادار کو بھی ملیگا جو صرف ایک کھجور ہی کھلا سکتا ہے۔ ہاں ہاں یہی نہیں! بلکہ خدائے کریم کا کرم تو اتنا عام، اور اس کا فضل اتنا وسیع ہے کہ وہ اس محتاج و بےکس کو بھی اس انعام سے محروم نہیں کریگا جو صرف ایک گھونٹ پانی ہی کسی روزے دار کو پلا دے۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ یہ ثواب اور فضیلتیں تو اس شخص کیلئے ہیں جو صرف افطار ہی کرا دے۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی روزے دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے، تو پھر قیامت کے دن میدان محشر میں جب تمام عالم پریشان اور سراسیمہ ہوگا۔ گرمی اور تپش کی شدت سے بیتاب اور بےچین ہوکر، پانی کیلئے تڑپ رہا ہوگا، اس وقت اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض کوثر سے جس کا پانی شہد سے زیادہ شیریں اور لذیذ، دودھ سے زیادہ سفید اور خوشنما ہے، پلائیگا اس کے پی لینے کے بعد اس کی پیاس اور گرمی کی تمام کلفتیں دور ہو جائیں گی، پھر اُسے پیاس لگے ہی گی نہیں، یہانتک کہ جنت میں داخل ہو جائیگا ـــــ لوگو! یہ وہ مہینہ ہے کہ جس کے شروع میں اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اور اس کے درمیان میں گناہوں کی بخشش ہوتی ہے، اور پھر اخیر میں لوگوں کو دوزخ کے عذاب سے نجات دی جاتی ہے۔ پس تم بھی اللہ کے دربار میں توبہ کرو، روؤ، گڑگڑاؤ، شاید اللہ تمہیں بھی اپنے ان بندوں میں شمار کر لے جن پر اس کی رحمتیں نازل ہونگی جن کے گناہوں کو وہ بخشیگا، جنھیں وہ جہنم کے عذاب سے نجات دے گا ـــــ اے وہ لوگ! جن کی ماتحتی میں غلام اور خدام ہوں ان کو چاہیئے کہ اس مہینے میں اپنے غلاموں اور ماتحتوں سے کام کم لیں، ان کو بھی ذرا آرام کرنے کا موقع دیں اللہ ان کی اس مہربانی کے بدلے میں ان کی مغفرت فرمائیگا۔ اور ان کو عذاب نار سے رہائی بخشیگا۔"

مسائل مسلمانو! یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبہ استقبالیہ میں یا اس کے علاوہ اور جن جن حدیثوں میں ماہ رمضان کی فضیلتوں اور برکتوں کا ذکر آیا ہے، یہ تمام برکتیں اور رحمتیں صرف ان سعادتمندوں اور اللہ کے نیک بندوں ہی کو حاصل ہونگی جو بغیر کسی شرعی عذر کے اس مہینے میں روزہ نہیں چھوڑتے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق اپنے روزوں کو صحیح صحیح طور پر ادا کرتے رہتے ہیں۔ پس مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر طور پر آپ کے سامنے روزے کے کچھ مسائل بھی بیان کر دیئے جائیں تا کہ آپ ان کا لحاظ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس فرض کو ادا کریں۔

اب ہم ان باتوں کو ترتیب وار آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں، جن پر ہر عاقل بالغ مرد و عورت کو (جو کسی شرعی عذر کے ساتھ معذور نہ ہو) عمل کرنا چاہیئے۔

۲۹ یا ۳۰ شعبان کا روزہ اگر شعبان کی انتیس (۱۹) تاریخ کو رمضان مبارک کا چاند نظر آجائے، تو اسی کی صبح سے روزہ شروع کر دیا جائے۔ اور اگر بدلی یا گرد و غبار کی وجہ سے آسمان صاف نہ ہو اور چاند نظر نہ آئے تو پھر ابھی روزہ شروع نہ کیا جائے

شعبان کے تیس دن پورے کرکے روزہ شروع کرے۔ بعض لوگ شعبان کی انتیس یا تیس تاریخ سے ہی روزہ رکھنا شروع کردیتے ہیں، اور اپنے خیال میں اس کو احتیاط سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شاید کہیں چاند ہوگیا ہو تو ہمارا ایک روزہ کم ہوجائے گا۔ حالانکہ یہ ان کی صریح جہالت اور نادانی ہے۔ حدیث شریف میں ایسے روزوں کی صاف صاف ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَقَدَّمُوْا شَھْرَ رَمَضَانَ بِصِیَامٍ قَبْلَہٗ بِیَوْمٍ اَوْ یَوْمَیْنِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ رَجُلٌ کَانَ یَصُوْمُ صَوْمًا فَلْیَصُمْہُ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کے مہینے سے ایک دو روز پہلے روزے نہ رکھو۔ ہاں اگر کوئی شخص ہر مہینے کے اخیر میں کچھ روزے رکھنے کا عادی ہے تو وہ اپنی عادت کے مطابق اس مہینے میں بھی رکھ لے ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ۲۹ یا ۳۰ شعبان کو روزہ نہ رکھا جائے۔ (مگر جو عادی ہو)۔

تراویح جب یقین ہوجائے کہ اب کل سے روزہ شروع ہوگا تو اسی رات سے عشا کی نماز کے بعد سے تراویح شروع کردیجائے۔ تراویح کی نماز کی ترکیب اور تعداد وہی ہے جو تہجد کی نماز کی ہے کیونکہ یہ دونوں نمازیں ایک ہی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں مَا کَانَ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِہٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشْرَۃَ رَکْعَۃً (بخاری مسلم) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہے رمضان ہو یا غیر رمضان ہمیشہ (مغرب وعشا کے علاوہ) رات کی نماز (مع وتر کے) گیارہ ہی رکعت پڑھا کرتے تھے۔ (ہاں اخیر عمر میں کچھ کم کردی تھیں، اور کبھی کبھی تیرہ بھی پڑھیں) اس کے علاوہ ایک صاف اور صریح حدیث خاص تراویح کے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ ثَمَانَ رَکْعَاتٍ فَاَوْتَرَ الحدیث (رواہ الطبرانی فی الصغیر ومحمد بن نصر المروزی فی قیام اللیل وابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحیھما) یعنی حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو رمضان کے مہینے میں آٹھ رکعتیں پڑھائیں پھر اس کے بعد (تین رکعت) وتر پڑھا۔ ان دونوں روایتوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ تراویح کی نماز آٹھ اور مع وتر گیارہ رکعت ہی سنت ہے، اس کے خلاف جو لوگ بیس رکعتیں پڑھتے اور اسی کو سنت بتلاتے ہیں وہ غلط ہے خود حنفیوں کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو تراویح کی نماز آٹھ ہی رکعت (بغیر وتر) کے ثابت ہے، بیس رکعت کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے۔ چنانچہ حنفیہ کے بہت بڑے عالم مولانا انور شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ ولا مناص من تسلیم ان تراویحہ علیہ السلام کانت ثمانیۃ رکعات (العرف الشذی ص۳۲۹) یعنی اس کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ رسول علیہ السلام کی تراویح کی نماز آٹھ ہی رکعت تھی۔ اس سے آگے چلکر ص۳۲۹ پر ہے۔ واما النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصح عنہ ثمان رکعات واما عشرون رکعۃ فھو عنہ علیہ السلام بسند ضعیف وعلی ضعفہ اتفاق۔ (العرف الشذی) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو صحیح طور پر صرف آٹھ ہی رکعت ثابت ہے، بیس رکعت والی روایت بالاتفاق ضعیف ہے۔" پس دوستو! انصاف کرو، کیا یہ ظلم نہیں کہ جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہو۔ اس کو چھوڑ کر اُس پر عمل کیا جائے جس کو خود بھی ضعیف مانتے ہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت پڑھنے کا حکم دیا ہے اسی لئے ہم بیس پڑھتے ہیں۔ لیکن

واضح رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح طور پر اس کا ثبوت نہیں، خود حنفیوں کی معتبر کتاب آثار السنن میں ہے رجالہ ثقات لکن یحیی بن سعید الانصاری لم یدرک عمرؓ یعنی اس کے راوی توثقہ ہیں لیکن یحیٰی بن سعید الانصاری جو حضرت عمرؓ سے اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں انھوں نے حضرت عمرؓ کا زمانہ ہی نہیں پایا۔ پس لامحالہ کسی دوسرے سے سنکر بیان کررہے ہیں۔ اس کا پتہ نہیں کہ وہ کون ہے۔ ایسی روایت قابل عمل کیسے ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عمرؓ کے متعلق بعض وائیں اور بھی پیش کیجاتی ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی ثابت نہیں ہے۔ بلکہ اس کے خلاف موطا امام مالکؒ وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر یہ ثابت ہے کہ آپ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو تراویح کی نماز گیارہ رکعت (مع وتر) پڑھایا کریں۔

اور اگر بالفرض یہ صحیح بھی مان لیا جائے کہ حضرت عمرؓ نے بیس رکعت پڑھنے کا حکم دیا، یا ان کے زمانے میں پڑھی گئی تو میں کہتا ہوں کہ جب خود حنفیوں کے بڑے بڑے علما یہ تسلیم کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تو صحیح طور پر آٹھ ہی رکعت (بغیر وتر) ثابت ہے تو پھر حضرت عمرؓ یا کسی دوسرے صحابی کا قول و فعل رسول اللہؐ کے مقابلے میں کیسے حجت ہوسکتا ہے۔ اور پھر ستم یہ کہ آٹھ رکعت کو خلاف سنت کہیں، اور بیس رکعت ہی کو سنت مانیں۔ ع بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است۔ دوستو! یہ تقلید کی کرشمہ سازیاں ہیں ؎

خرد کا نام جنوں، جنوں کا خرد رکھ دیا جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اب آپ پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ سنت کے مطابق تو تراویح کی نماز صرف آٹھ ہی رکعت ہے اور تین رکعت وتر ملاکر کل گیارہ رکعت۔ لیکن اگر کوئی شخص نفل کے طور پر زیادہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے اس کے لئے کوئی بیس ہی کی تخصیص نہیں ہے، ۲۰، ۲۲، ۲۴، ۲۸، ۳۴، ۳۶، ۳۹، ۴۱ جتنی رکعتیں چاہے پڑھے۔ ان سب کا ثبوت صحابہؓ کے عمل سے ملتا ہے علامہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری میں ان سب آثار کو بالتفصیل ذکر کیا ہے۔

بعض جگہ یہ رواج ہے کہ جب تراویح کی نماز میں ایک مرتبہ پورا قرآن حافظ سنا کر ختم کرلیتا ہے تو پھر تراویح بند کردیتے ہیں چاہے ابھی رمضان ختم ہونے میں کئی دن باقی ہوں لیکن یہ رواج بالکل غلط ہے۔ جب تک رمضان ختم نہ ہو تراویح برابر پڑھنی چاہیئے۔ اگر قرآن ختم ہوجائے تو پھر دوبارہ شروع کردینا چاہیئے۔ قرآن ختم ہوجانے سے تراویح نہیں ختم ہوگی بلکہ رمضان ختم ہونے سے تراویح ختم ہوگی اسلئے جب تک عید کا چاند نہ دیکھا جائے، یا تیس روزے پورے نہ ہوجائیں تراویح برابر جاری رہنی چاہئے۔

سحری جب تراویح پڑھکر سوجائے تو پھر اخیر رات میں، صبح صادق ہونے سے پہلے اٹھ بیٹھے، اور جو کچھ گھر میں میسر ہو اس وقت کھا پی لے۔ اسی کو سحری کہتے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِی السَّحُوْرِ بَرَکَۃً (ترمذی) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو حکم دیکر فرمایا لوگو! سحری کھایا کرو، اس میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ مسلمانوں اور اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے روزے میں یہ فرق ہے کہ مسلمان سحری کھاتے ہیں اور وہ نہیں کھاتے اسلئے ہمیں سحری کے وقت کچھ نہ کچھ ضرور کھالینا چاہئے۔ لیکن اتنا نہیں کہ صبح کو منہ سے بدبودار ڈکاریں آئیں اور بدہضمی کی شکایت ہوجائے۔ اگر کسی دن آنکھ نہ کھلی، یا کسی اور وجہ سے سحری نہ کھائی تو اس سے روزے

میں کچھ خرابی نہیں ہوگی۔

روزے کی حالت صبح کو سویرے اٹھکر فجر کی نماز ادا کرنا چاہیئے، اس کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرنی چاہیئے، پھر اپنے کاروبار میں مشغول ہو کر اپنا کام کرے، جب نماز کا وقت آجائے تو وقت پر برابر نماز پڑھ لیا کرے۔ غیبت، چغلی، جھوٹ دغا بازی، مکر و فریب، جھگڑا لڑائی، گالی گلوج وغیرہ سے قطعاً پرہیز کرے۔ اس دن کو تاش، چوسر، شطرنج، سنیما، بائیسکوپ وغیرہ بیہودہ چیزوں میں نہیں گنوانا چاہیئے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نیک کاموں میں صرف کرنا چاہیئے۔ یہ دن گناہوں سے باز رہنے اور نیکیاں کمانے کے ہیں، ان کو غفلت اور معصیت میں گذارنا بڑی بدنصیبی کی بات ہے۔

افطاری شام کو جب افطاری کا وقت آئے تو وقت کا اچھی طرح خیال رکھنا چاہیئے، پورب کی طرف سے جب آسمان میں سیاہی نمودار ہو جائے اور پچھم میں آفتاب غروب ہو جانے کا یقین ہو جائے تو روزہ فوراً افطار کر دینا چاہیئے۔ وقت ہو جانے پر دیر نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ وقت دعا کے قبول ہونے کا بھی ہے۔ روزہ اگر کھجور سے افطار کرے تو بہتر ہے ورنہ چند گھونٹ پانی پی لے افطار کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْشَاءَ اللہُ پیاس بجھ گئی رگیں تر ہو گئیں اور اجر ثواب بھی انشاء اللہ ثابت ہوگیا۔ یا یہ دعا پڑھ لے۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔ اے اللہ میں نے تیری ہی رضامندی کے لئے روزہ رکھا تھا اور تیری ہی دی ہوئی روزی پر افطار کیا۔

ایک ضروری گذارش ابھی رمضان مبارک کا مہینہ شروع ہونے میں تقریباً دس روز باقی ہیں اسلئے میری گذارش ہے کہ آپ اس مضمون کو محفوظ رکھیں اور رمضان شریف شروع ہو جانے کے بعد پھر ایک مرتبہ اس کو پڑھیں تاکہ اس کی فضیلتوں اور برکتوں کا بیان پھر تازہ ہو جائے، اور آپ کے دل اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور رحمتوں کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جائیں۔

شب قدر، اعتکاف، اور صدقہ فطر کے متعلق انشاء اللہ آئندہ پرچہ میں شائع ہوگا۔

اعلان داخلہ

سالانہ امتحان کے بعد سے تقریباً ڈھائی مہینہ کے لئے مدرسہ میں تعطیل ہو چکی ہے۔ اب رمضان المبارک کے بعد (انشاء اللہ) ۱۰/ شوال سے دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا نیا داخلہ شروع ہوگا۔ اور بشرط گنجائش زیادہ سے زیادہ اس مہینے کے اخیر تک جاری رہیگا علوم عقلیہ و آلیہ کے ساتھ ساتھ دینیات کی صحیح اور ٹھوس تعلیم کا شوق رکھنے والے ذی استعداد، محنتی اور ذہین طلبہ وقت مقررہ تک مدرسہ میں پہنچ جائیں۔ امتحان داخلہ کے بعد اگر کامیاب ہوئے تو حسب استعداد مناسب جماعتوں میں داخلہ ہو جائیگا۔ بالکل ابتدائی جماعتوں میں داخلہ کے امیدواروں کی عمر کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے۔

ادنیٰ جماعت میں داخل ہونے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ فارسی، حساب، اور اردو تحریر میں اچھی لیاقت رکھتا ہو۔

مدرسہ کا نصاب اور قواعد و ضوابط کی کتاب دو پیسے کا ٹکٹ بھیجکر پتہ ذیل سے طلب کیجئے۔

منیجر رسالہ محدث دہلی

سیدنا نوح علیہ السلام کی حیات طیبہ

اور

ہمارے لئے درس عبرت و موعظت

(از مولوی عبدالجلیل صاحب رحمانی)

مشاہدات اور واقعات عالم پر نظر رکھنے والے، اقوام ماضیہ اور قرون سابقہ کی تاریخ جاننے والے، عصر حاضر کی موجودہ ژولیدگیوں اور سیاسی الجھنوں، پیدا شدہ حالات و کوائف اور گردوپیش کے روزانہ کے انقلابات کا غائر نظر سے مطالعہ کرنے والے واقف ہیں کہ تمام امراض مہلکہ کا مبدأ اور تمام خرابیوں کے جراثیم کیا ہیں؟ دینی و دنیاوی بے شعوری تہذیب و مدنیت نہضت و ارتقاء کا فقدان، مفلوک الحالی اور غلامانہ زندگی پر قناعت کے اسباب، جابر و مستبد حکومت کے جور و جفا کو عدل و انصاف اسلام اور بانی اسلام کے دشمنوں، ملت بیضا اور دین حنیف کی تخریب کیلئے کروڑوں اور اربوں روپیہ سالانہ پانی کی طرح بہانے والوں، مسیح ناصری کی گمراہ بھیڑوں کو "ظل اللہ" اور "خلیفۃ المسلمین" ماننے اور اس پر ایمان لانے کے دواعی و اسباب کیا ہیں؟ اس کا جواب "غلامی اور محکومی" کے دو لفظوں میں دیا جا سکتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ محکوم قوم کے دماغ، اس کی تہذیب اس کی معاشرت اور جمیع شعبہ حیات پر حکومت اور اقتدار کا ایسا مہلک اثر پڑتا ہے کہ غلام انسان خداوندان سلطنت کے آستانہ نیاز پر جبہ سائی اور بارگاہ حکومت میں حاضری، اور اس صنم کدۂ عدالت کے اصنام جور کی سجدہ ریزی ہی کو دنیا اور آخرت کی کامیابی کا سرچشمہ اور آقا کے دیئے ہوئے لقمہائے تر ہی کو اپنی تملقانہ زندگی کا بیش قیمت تحفہ سمجھتا ہے۔ غیر کے ظل عاطفت اور دوسروں کی سنگینوں کی حفاظت میں زندگی گذارنے، مسلم کہلانے کے باوجود ذمیوں جیسی بیکسانہ زندگی بسر کرنے ہی کو بادشاہت خیال کرتا ہے عزت نفس، خودداری اور اعتماد، عزم و ثبات، شرافت بشری، اولوالعزمی اور بہادری کا قیمتی جوہر، قلب و ضمیر، دماغ اور روح سے بالکل کافور ہو جاتا ہے۔ ہندوستان سے دولت اسلامیہ کے زوال کا زمانہ ایک صدی سے زائد نہیں ہوا مگر سلاطین اسلام کی گود میں پلنے والوں، عالمگیر غازی و بابر اور محمود غزنوی کے موجودہ مسلمان وارثوں اور پدرم سلطان بود کے نعرہ لگانیوالے لوگوں کو دیکھو شکست خوردہ فوجیوں اور سوکنوں کی طرح ہر ایک دوسرے پر لعن و طعن سب و شتم کی بوچھاڑ کرنے اور اس کی تذلیل و تحقیر کرنے پر تلا ہوا ہے، ابتک نصب العین ہی کی تعیین نہیں کہ کیا کریں؟ انتہائی مکاری کے ساتھ عوام الناس کو دھوکا دینے کیلئے اگر کوئی شاہراہ نصب العین مقرر کرکے اعلان بھی کر دیا گیا تو اس مقصد عزیز تک پہنچنے کے راستے نہایت خاردار اور دشوار گذار نظر آرہے ہیں جن پر قدم رکھنا اپنے دامن عیش و عشرت کو راستے کی دشوار گذار گھاٹیوں اور پرخطر وادیوں میں الجھا کر تار تار کر دینے کے مترادف نظر آتا ہے آخر پھر کیا کریں ؎

دوگونہ رنج و عذاب ست جان مجنوں را بلائے صحبت لیلیٰ و فرقت لیلیٰ

یہ سب کچھ محکومانہ ذہنیت ہی کے ثمرات ہیں جن کا تلخ تجربہ ہمیں ہو رہا ہے جوں جوں زمانہ گذرتا جا رہا ہے ہمارے دماغ سے سلطنت اور خلافت ارضی کی آبائی وراثت کا تصور بھی محو ہو رہا ہے ادھر معاند قوتیں ہمیں لبھانے اور چمکارنے پھسلانے اور بہکانے میں انتہائی عیاری سے کام لے رہی ہیں۔ ہمیشہ سے ہمارے دماغوں کو غلامیت کے سانچہ میں ڈھالنے کیلئے متعدد حربوں سے کام لیا گیا، عیسائی دینی مشنریاں آئیں، لٹریچر اور ٹریکٹ تقسیم کئے گئے، مناظرے ہوئے، پادرفنڈ جیسے فاضل عیسائی تبلیغ و مناظرہ کے لئے ہندوستان آئے اور سب سے خطرناک حربہ کالجوں کی صورت میں بھی استعمال کیا گیا اور ہمارے نوجوان مسلمان اس رو میں بہ گئے اکبر نے خوب کہا ہے

یوں قتل سے اولاد کے بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

موقر جریدہ محدث کی کسی سابقہ اشاعت میں لکھا جا چکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی زندگی ہمارے جمیع شعبہ حیات، دینی دنیوی سیاسی و معاشی ہر پہلو کے لئے بہترین اسوۂ عمل ہے انکے قرآنی قصص اپنے اندر ہزاروں بصائر و حکم پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اعاظم پرستی، اصنام پرستی، شخصیت پرستی، اوہام پرستی کی قیدوں اور محکم زنجیروں کے کاٹ پھینکنے کی پاک تعلیم، دعوت حق، طریق ہدایت، آزادی قوم حریت ضمیر، نفسی اور لسانی جہاد، ہجرت و جلاوطنی کے نام واقعات، ابراہیم آزر، موسیٰ عمران، شعیبؑ مدین، آدمؑ ثانی نوحؑ نبی۔ یوسفؑ کنعان، اور محمد عربی علیہم صلوات اللہ اجمعین کی حیات طیبہ کے روشن کارنامے قرآن پاک میں بضمن تذکرۂ انبیاء مفصل طور پر موجود ہیں، مسلمانوں کی بعض مفلوج اور اپاہج سیاسی جماعتوں اور اسلامی تہذیب و تمدن، معاشرت اور کلچر کی حفاظت کے زبانی مدعیوں اور ہندوستانی سیاست کے عیاشوں کی عبرت و بصیرت کیلئے آج کی فہرست میں سب سے قدیم اعاظم پرستی کے غلاموں کی آزادی ضمیر کے لئے ایک برگزیدہ بارگاہ الٰہی کے انتخاب، اور صادق و مصدوق رفقاء کی جد و جہد اور اس کی دعوت و ارشاد کی زندگی کا نقشہ، راہ حریت کے مصائب و آلام، اور پھر انکا عزم و استقلال اور عاقبۃ الامر کا ظہور قرآنی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے،

فاعتبروا یا اولی الابصار۔ ع یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے۔

بعثتِ نوح علیہ السلام

جاننے والے جانتے ہیں سرزمین ارمینیا کے پہاڑوں سے دو نہریں دجلہ و فرات نکلی ہوئی ہیں اور دور تک جدا جدا بہکر عراق کے زیریں حصہ میں آپس میں ملجاتی ہیں۔ اسی دجلہ و فرات کے دوآبہ اور وسیع وادی میں آج سے تقریباً سات ہزار تین سو ستاسی سال (۷۳۸۷) قبل ایک قوم آباد تھی جسے قوم نوح کہا جاتا ہے، مشاہیر انبیاءؑ میں سے حضرت نوح علیہ السلام کا اس قوم کیلئے انتخاب عمل میں آتا ہے۔" طوفان کے بعد دوبارہ انسانی آبادی آپ ہی کے فرزندان حام، سام، یافث کی نسل سے قائم ہوئی اور آج گوشہ گوشہ میں انھیں کی ذریت پھیلی ہوئی ہے اسی لئے آپ کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ "ہم نے نوح علیہ السلام ہی کی اولاد کو باقی رہنے والا بنایا" وقت کے مرکزی اصنام ودّ، سواع یغوث، یعوق اور نسر کی پرستش کے خلاف آپ سرگرم جہاد اور برسر پیکار رہے۔ ساڑھے نو سو سال کی عزیز عمر اسی انذار و تبشیر اور پیغمبرانہ اتمام حجت میں صرف کر دیا۔ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا (پ ۲۰ س عنکبوت ع ۱) میں یہی بیان کیا گیا ہے "کہ ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اس کی قوم میں مبعوث کیا جس میں ساڑھے نو سو (۹۵۰) سال تک ٹھیرے رہے" زندگی کی اس طویل مدت میں بڑے بڑے انقلابات کا آنا اور بیشمار حوادث کا مقابلہ ہونا لابدی امر تھا اس لئے آسمانی کتاب نے متعدد سور اور بہت سی آیات میں آپ کا تذکرہ مختلف پیرایے میں کیا ہے۔ سورہ اعراف، یونس، توبہ، ہود، شعراء، ص، مومنون

قمر، قٓ، نوح، وغیرہ سورتوں میں اجمالاً وتفصیلاً آپ کا بیان ملیگا۔ فصاحت وبلاغت میں یوں تو قرآن پاک کی ہر ہر سورۃ اور ہر ہر آیۃ لفظی اور معنوی اعجاز سے مزین ہے اسی لئے تیرہ صدیاں گذر گئیں مگر ایک سورۃ کی بھی تحدی پر معارضہ نہ قائم کیا جا سکا۔ قطر المحیط اقرب الموارد اور المنجد جیسی لغات کے فاضل عیسائی مصنفین لسان عرب کے ماہرین کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ ایک چھوٹی سی بھی سورۃ کے مقابل میں کوئی عبارت لکھ سکیں حالانکہ اب بھی فأتو بسورۃ من مثلہ کی تحدی قرآن میں موجود ہے لیکن تذکرہ سیدنا نوحؑ کے سلسلہ میں زیادہ زوردار سورۂ یونسؑ کی تین آیتیں ہیں جن کو سب سے پہلے پیش کیا جاتا ہے بغور ملاحظہ فرمائیے۔

بصائر وحکم	وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ٥

(پ یونس ع ۷) اس کے بعد کی بھی دو آیتیں پڑھ جائیے اور المنذرین پر ختم کرکے واقعہ کی ابتدا اور انتہا پر غور کیجئے ہمارے لئے کتنا عبرت و بصیرت کا خزینہ اس میں موجود ہے۔ کلام کی ابتدا یوں ہوتی ہے۔" اے پیغمبر اسلام آپ شوریختان مکہ اور گم گشتہ راہ ہدایت عربوں سے کہدیجئے اور نبی برحق نوح (علیہ السلام) کا وہ واقعہ صاف صاف بیان کردیجئے جو کہ اس کی قوم کے ساتھ پیش آیا تھا جبکہ اس نے اپنی قوم کو الٹی میٹم دیتے ہوئے کہا تھا اے میری بدنصیب قوم اگر میری دعوت حق، میرا وعظ وتذکیر، میری تبلیغ وتبشیر اور میرا وجود تم پر شاق گذرتا ہو تو میرا معاملہ خدا کے سپرد ہے میں اسی پر توکل کرتا ہوں مگر یاد رکھو تم اپنی طرف سے کوئی انسانی حربہ میرے خلاف مت اٹھا رکھو (واللہ تمہیں قسم ہے) تم متحدہ محاذ تیار کرلو، شرکا ر کو بھی بلالو، آؤ مقابلہ میں آؤ، ڈٹ کر آؤ معاملہ پوشیدہ نہ رہے، علانیہ تلوار کی جھنکار میں آؤ نیزوں اور برچھیوں کے سایہ میں اور اس کی چمک کے ساتھ آؤ اب مجھے مہلت مت دو، میرا فیصلہ کردو، میں تم سے کچھ اجرت نہیں چاہتا میں تو صرف اس لئے مامور ہوں کہ تمہیں دعوت حق سناؤں اور خود مسلم کامل بنجاؤں (آنیوالا مورخ ہماری اور تمہاری تاریخ کا منتظر ہے وقایع نگار ہماری تمہاری کشمکش کا آخری نتیجہ قلمبند کرنے کیلئے بیٹھا ہے غفلت مت کرو)" پ یونس ع ۷۔

یہ کڑک اور گرج کسکی، کس قوم اور کس سرزمین پر تھی، ذرا تو غور کرو۔ یہ وہاں کا واقعہ ہے جہاں غالباً سب سے پہلے انسانیت گمراہ ہوئی، جہاں سب سے پہلے بشریت نے غیر کے سامنے ماتھا ٹیکا، اعاظم پرستی کا جہاں سب سے پہلے ظہور ہوا، جہاں افضل الخلائق انسان کی مقدس پیشانی مورتیوں کے سامنے جھکی، یعنی دوآبہ دجلہ وفرات۔ اور پھر دیکھو جھکی تو کس قوم کی جسکی پارٹی منظم تھی، جو قوت واقتدار رکھتی تھی، اعاظم پرستی کی شراب جس کی گھٹی میں بیٹھ چکی تھی، جس پر شیطان کی حکومت تھی، جو زور وزر اور اعوان والصار والی تھی، جو اپنے مفروضہ آلہہ اور معبودان باطلہ کے خلاف ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں کرسکتی تھی اور سب سے بڑھکر یہ کہ جس نے اپنے آبار واجداد کے آسمانی دین اور ربانی تعلیم کو بھلا دیا تھا۔ قدرت غیب کا کرشمہ بھی عجیب ہے اس مہم کیلئے بعثت ہوئی تو کس کی ایک بے یار ومددگار کی، جسکو اس کی نادان قوم نے کذاب کہا مجنوں تبلایا مفتری کے نام سے پکارا جس کے ساتھ تخریب اور استہزار سے پیش آیا گیا، رؤسار قوم نے جس کے پیچھے غنڈوں اور اوباشوں کو خاک اڑانے اور تالیاں بجانے کیلئے لگا دیا تھا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ٥ قوم نے اسے مجنوں اور دھکے لگایا گیا کہا (پ۲۷ قمر ع۱) یہ شراب توحید کا متوالا یہ کون نوجوان ہے جسے قوم شوریدہ سر کہتی ہے۔ بغور دیکھو تو معلوم ہوگا یہ لامک بن متوشالح کا وہ نوجوان بیٹا ہے جو آج سے تقریباً سات ہزار تین سو ستاسی سال قبل داعی حق بنکر اپنی قوم میں مبعوث ہوا تھا اگرچہ ظاہری بے سروسامانی تھی مگر فتحمندی کی روح رکھتا تھا۔

خاندان نبوت سے علاقہ تھا۔ اپنے جد اعلیٰ شیثؑ اور آدمؑ کی وراثت اسے ملی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ نتیجۃً بالکل کامیاب رہا۔ تاریخ نے اپنے زریں اوراق میں اس کی کامیابی کو جگہ دیا۔ آخری صحیفۂ سماوی نے آنے والی نسلوں کو اس کی قوم کی شکست یاد کرائی۔ اس بدبخت قوم کی عاقبتِ بد بار بار سنائی۔ حق سے ٹکر لینے والی طاغوتی قوت کے پاش پاش ہوجانے کا مکرر سہ کرر تذکرہ کیا۔ ایک کامیاب ڈاکٹر اور ماہر معالج مریض کی صحت کیلئے یا تو ادویہ سے فائدہ اٹھاتا ہے اور یا پھر فاسد اعضاء کو عمل جراحی کرکے الگ کر دیتا ہے۔ دوآبہ دجلہ و فرات کا یہ روحانی طبیب اگرچہ منکر کو معروف، بدی کو نیکی، کجروی کو راست روی سے بذریعہ علاج نہ بدل سکا مگر عمل جراحی میں بالکل کامیاب ہوگیا منکر کا خاتمہ، بدی کا استیصال اور کجروی کا نام مٹا دیا۔ مِمَّا خَطِيئَاتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا (پ ۲۹ نوح ۲۶) اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کر دیئے گئے پھر جہنم میں داخل کر دیئے گئے۔ اس روحانی طبیب کو اسوقت نوحؑ کہتے تھے۔

حالت مسلم آج مسلم ہندی کو اپنا روطن سے شکایت ہے کلچر اور تمدن محفوظ نہیں، ذبیحہ گاؤ وغیرہ مراسم شرع پر پابندی ہے مسلم بچوں کی اسلامی ذہنیت فنا کرنے کیلئے نہایت مہلک تعلیمی اسکیم تیار کی گئی ہے مسلم حقوق پر غاصبانہ قبضہ ہے بندے ماترم کا شرکیہ کلمہ اسکولوں میں پڑھا جاتا ہے، ودیا مندر جیسی مردود اسکیم جاری کیگئی ہے، سرسوتی دیوی کی پوجا کرائی جاتی ہے ناجائز ٹکس عائد کیا گیا ہے وغیر ذلک، یوپی، سی پی، بمبئی کی کانگرسی حکومت کے یہ وہ مظالم ہیں جنھیں لیڈران قوم پلیٹ فارموں سے اور اپنے طوفانی دوروں میں بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ بھرائی ہوئی آوازیں گاتے پھرتے ہیں لیکن سوائے رونے پیٹنے، چیخنے چلانے اور بڑے بڑے جلسوں میں بڑی بڑی پرجوش تقریروں، ہنگامہ خیز ریزولیوشنوں کے پاس کرنے کے آج تک ان مظالم کے خلاف کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ ابھی یہی انتظار ہے کہ سب منظم ہوجاؤ۔

عبرت لیکن ابھی ابھی تم نے سنا کہ تن تنہا لامک بن متوشالح کے بیٹے نوح (علیہ السلام) نے دوآبہ دجلہ و فرات میں بسنے والی پوری قوم کو فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ۝ (تم اور تمہارے تمام شرکاء متحد ہو کر آؤ، معاملہ مت چھپاؤ، کردو جو فیصلہ چاہتے ہو، مجھے مہلت کی ضرورت نہیں) کے زوردار الفاظ میں جنگ کی دعوت دیدی تھی مگر ہمارے لیڈر ہیں جو ابھی آٹھ کروڑ کی تنظیم کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ آہ کتنی عبرت انگیز ہے یہ داستان کہ ساگ کھانے والے، پاپڑ بیلنے والے، پکوڑے پر گذران کرنے والے، مونگ کی دال پینے والے۔ ایک بالشت کی چوٹیا اور ڈھیلی دھوتی والے تو اپنی مفروضہ شکایات کی بنا پر دولت آصفیہ حیدرآباد کے خلاف کمر کس کر دھوتی سنبھال کر سر بکف اور کفن بردوش میدان میں کود پڑیں لیکن ہمیں ہمارے لیڈر رونے پیٹنے کے سوا کچھ سکھاتے ہی نہیں حالانکہ پنجاب کا فلسفی شاعر تو ہمیں سکھا گیا ؎

گرما دو غلاموں کا لہو سوز یقیں سے کنجشک فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو

کیا ہماری گذارشات پر توجہ فرما کر سیدنا نوح علیہ السلام کے اسوۂ حیات پر عمل کیا جائیگا؟

کچھ پڑھے لکھے لوگ کہتے ہیں انگلستان کا تنور جوش مارنے والا ہے ظلم کے سوتے ابلنے والے ہیں آسمان پھٹنے والا اور ہندوستان کو غلامی کے سیلاب میں غرق کردینے والی موسلا دھار بارش ہونے والی ہے یعنی دستور جدید یا فیڈریشن اور نئے انڈیا ایکٹ کا نفاذ جلد از جلد ہوجائے گا مسلم غیر مسلم لیڈر ہر ایک اس طوفان کی پیشینگوئی کرتا ہے مگر مسلم لیڈران نے کشتی نوح ابتک تیار نہیں کی۔ یاد رہے اور اچھی طرح یاد رہے طوفان جدید آجانے کے بعد سَآوِي إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِمُنِي مِنَ الْمَاءِ

(پ۱۲ ہود ع ۴) پہاڑ پر چڑھ جائیں گے ہمیں بچالیگا) کی آواز ہرگز کارآمد نہ ہوگی خداوندان لندن مطمئن ہیں کہ اگر ہندو سے ساز باز ہوگیا تو یہ لفاظ ریزو ہیشنی فیڈریشن کے خلاف کچھ نہ کرسکیں گے جو صوبجاتی حکومت سے اپنے حقوق نہ لے سکیں وہ ہم سے کیا پائیں گے'

خاتمہ مقال اللہ کی شان دیکھو نوح علیہ السلام تنہا پوری قوم کو چیلنج دے رکھا تھا قوم کہتی تھی یَا نُوْحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا ۔ نوح (علیہ السلام) تونے تو پریشان کردیا۔ تیری جنگ سے ہم تنگ آگئے۔ (پ۱۲ س ۱۱ ع ۲) یہاں یہ حشرہ کہ لاکھوں کا جم غفیر۔ امت مسلمہ کے پاسبان سینہ کوبی نوحہ و بین نالہ وشیون میں لگے ہوئے ہیں قلت تعداد کی وجہ سے مت ڈرو۔ باطل پرست حق پرستوں سے ہمیشہ زیادہ رہے ہیں لیکن جب ایمان اور کفر کی ٹکر ہوئی تو کفر پاش پاش ہوگیا۔ الحق یعلو ولا یعلی۔

قدرت غیبی تمہاری مدد کریگی دیکھو جس وقت کفر سینہ تان کر نوحؑ کے مقابل میں آیا تھا حق کی صدا پر باطل کی غوغہ آرائی غالب آتی ہوئی نظر آرہی تھی تو نصرت غیبی نے کیسی مدد کی، نوح علیہ السلام نے قدرت کو پکارا۔ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (پ۲۷ قمر ع۱) میں مغلوب ہوجانے والا ہوں میری مدد کر۔ اکبر تبہ یوں پکار کر کہا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا (پ۲۹ نوح ع ۲) اللہ میاں زمین پر ایک کافر کو بھی نہ چھوڑ یو۔ دعا مقبول ہوئی فَفَتَحْنَا اَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلٰى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ موسلا دھار بارش کیلئے آسمان کے پھاٹک کھولدئے گئے۔ ہم نے زمین کے چشمے ابل دیئے اور پھر پانی کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ تاریخ بتلاتی ہے چالیس دن تک زمین کے سوتے ابلتے اور بارش ہوتی رہی اس کے بعد پانی کا بڑھنا بند ہوا۔ پورے ڈیڑھ سو دن میں پانی کم ہوا سیدنا نوح علیہ السلام کو پورے ایک سال گیارہ دن کشتی میں رہنا پڑا۔ بڑی سے بڑی پہاڑ کی چوٹیاں زیر آب ہوگئیں سَاٰوِیْۤ اِلٰى جَبَلٍ اور لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ الخ (بیٹے نے کہا پہاڑ پر چڑھ جاؤنگا نوح علیہ السلام نے کہا نہیں بچ سکتے۔ حوالہ مذکورہ) آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔

آج بھی ملائکہ سماوی ہماری مدد پر آسکتے ہیں، بدر و حنین یرموک اور قادسیہ میں ہماری مدد کرنیوالا آج بھی موجود ہے۔

لیکن ؎

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

(باقی)

رباعی

(باپ کا بڑا عطیہ بیٹے کیلئے اچھی تعلیم و تربیت ہے)

اولاد کی لازم ہے برابر تعلیم
انسان کا ہے خلق میں جوہر تعلیم
ہے باپ کا یہ سب سے عطیہ بڑھ کر
بیٹے کو جو دے جائے وہ بہتر تعلیم

(کامل جوناگڈھی)

تاریخ رحمانیہ

(از ایڈیٹر)

دارالحدیث رحمانیہ دہلی کی علمی و تعلیمی، دینی و تبلیغی سرگرمیوں کا مفصل تذکرہ سب سے پہلے شعبان ۱۳۵۲ھ مطابق دسمبر ۱۹۳۳ء میں "تاریخ رحمانیہ" کے عنوان سے شائع ہوا۔ یہ دارالحدیث رحمانیہ کی یوم تاسیس سے لیکر اس کے ابتدائی بارہ سالہ سوانح و حالات کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے۔ جسے "رحمانیہ" کے لائق فرزند جناب مولوی عبدالغفار صاحب حسن عمرپوری نے (جو آجکل "جامعہ رحمانیہ" بنارس میں مدرس ہیں) اپنی فراغت کے سال مرتب کر کے "محدث" میں شائع کیا تھا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ برابر جاری رہا، اور تعلیمی سال کے اختتام کے موقع پر سال بسال راقم الحروف کی طرف سے اس عنوان کے ماتحت ہمیشہ کچھ نہ کچھ لکھا جاتا رہا۔ تاآنکہ پچھلے سال حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے سلسلہ میں "دارالحدیث" کی گذشتہ اور موجودہ تاریخ کا ایک اہم باب نگاہوں کے سامنے آچکا۔ اور اللہ کا ہزار ہزار شکر و احسان ہے کہ عالیجناب حاجی شیخ عبدالوہاب صاحب مدظلہ العالی کی فیاضیوں کی بدولت آج بھی اس کا ہر ہر گوشہ "دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا است" کا صحیح مصداق ہے۔

لیکن اب ہم اس کی سالانہ رپورٹ شائع کرنے کے بجائے، ارادہ کر رہے ہیں کہ اس کی پنج سالہ روداد آپ کے سامنے پیش کیا کریں۔ تاکہ کسی حد تک ایک مجموعی شکل میں اس کا ریکارڈ آپ کے پاس محفوظ رہے۔ ہاں انفرادی طور پر جو کوائف حسب موقع "محدث" میں شائع ہوتے رہتے ہیں ان کا سلسلہ اب بھی بدستور باقی رہیگا۔ چنانچہ تعلیمی سال کے آغاز (ماہ شوال) سے لیکر اب تک کے حالات آپ محدث کے صفحات پر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب ذیل کے دونوں واقعات بھی اسی سلسلے میں سُن لیجئے۔

ختم کتب یوں تو قرآن مجید کا ترجمہ۔ کتب تفاسیر و احادیث خصوصاً بخاری شریف کے ختم ہونے پر خوشی و مسرت کے اظہار کا سلسلہ مدرسہ میں مدت سے جاری ہے، لیکن دو سال سے تو اس کی شان میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا ہے۔ بڑے اہتمام و انتظام کے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں مہیا کی جاتی ہیں، تمام اساتذہ و طلبہ کی موجودگی میں دعاء خیر و برکت کے ساتھ کتاب ختم ہوتی ہے، اور پھر تمام لوگوں میں شیرینی تقسیم ہوتی ہے اور اساتذہ کی تو خاص اہتمام کے ساتھ دعوت کی جاتی ہے۔

اس سال بھی یہی ہوا۔ ہر ہر جماعت والوں نے سرگرمی سے اس میں حصہ لیا، اور پھر مہتمم صاحب نے بھی ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اخیر میں مورخہ ۵ رجب ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۱ اگست ۱۹۳۹ء بروز دوشنبہ بوقت ۸ بجے صبح ترمذی شریف اور بخاری شریف ختم ہوئی۔ جناب مہتمم صاحب خود بھی شریک تھے۔ اور دعاء کے بعد تمام حاضرین کی تواضع قلاقند سے کی گئی، جو مہتمم صاحب نے خاص اسی موقع کے لئے بہت کافی مقدار میں تیار کرایا تھا۔

سالانہ امتحان و جلسۂ تقسیم اسناد و انعامات

اپنی سابقہ روایات کے شایانِ شان امسال بھی ۲ر شعبان ۱۳۵۸ھ مطابق ۷ر ستمبر ۱۹۳۹ء بروز اتوار تحریری امتحان شروع ہوا اور پانچ روز کے بعد ۶ر شعبان کو ختم ہوا حضرت ممتحن صاحب مدظلہٗ مع اپنے معاونین کے تشریف فرما تھے - ساتھ ہی پرچے دیکھتے بھی جاتے تھے، - ۸ر شعبان کو عام اجلاس کا اعلان کر دیا گیا۔ شہر کے ممتاز علماء کرام اور معززین مدعو تھے اور اشتہارات کے ذریعہ عام پبلک کو بھی اطلاع دیدی گئی تھی، اسلئے ایک کثیر مجمع جمع ہو گیا۔ مجوزہ پروگرام کے مطابق زیر صدارت حضرۃ الفاضل، مفتی وقت، علامۂ دوراں مولانا حافظ عبداللہ صاحب امرتسری دامت برکاتہم ممتحن مدرسہ یہ شاندار اجلاس شروع ہوا - مدرسہ کے لڑکوں نے مختلف علمی و مذہبی مضامین پر عربی و اردو زبان میں نہایت ولولہ انگیز اور روح پرور تقریریں کیں۔ طلبہ نے اپنی طبعزاد عربی و اردو نظمیں بھی حاضرین کو وجد آفرین انداز میں سنائیں۔ تقریباً ½ ۸ بجے یہ اجلاس شروع ہوا - ۱۱ بجے تک مسلسل جاری رہا۔ اخیر میں ممتحن صاحب نے نتیجہ امتحان نہایت حوصلہ افزا انداز میں پیش کیا - جسکا اثر یہ ہوا کہ مہتمم مدرسہ عالیجناب شیخ عبدالوہاب صاحب مدظلہ نے بھی اپنے والد محترم نوراللہ مرقدہٗ کی جانشینی کا حق بڑی فیاضی اور دریا دلی سے ادا کیا - اپنے چچا زاد بھائی میاں محمد صاحب کے ہاتھوں میں روپیوں سے بھری ہوئی تھیلی دیدی - اور نقد انعامات کی بارش اس حاتمانہ انداز میں شروع کی کہ دیکھنے والے دنگ ہو گئے - سال بھر تک برابر نماز باجماعت کی پابندی کا انعام، ترجمۂ قرآن مجید میں اول آنے کا انعام، حدیث کے پرچوں میں اول آنے کا انعام، اپنی جماعت میں اول آنے کا انعام، خوشخط لکھنے کا انعام، تقریروں کا انعام - نظموں کا انعام - الغرض انعاموں کی اس طویل فہرست کو اتنی کشادہ دلی کے ساتھ پورا کرنا حضرت میانصاحب مرحوم کے ان لائق فرزندوں ہی کا کام ہے ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ✢ ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

جلسہ کے اختتام کے بعد ایک نہایت شاندار دعوت ہوئی جس میں تقریباً دو سو آدمی شریک ہوئے، اور نہایت خیر و خوبی کے ساتھ اللہ کے فضل و کرم سے یہ اجلاس انجام پذیر ہوا - اللہ تعالیٰ حضرت مہتمم صاحب پر اپنے فضل و کرم کا سایہ رکھے اور ان کو اپنے دین کی زیادہ سے زیادہ خدمتیں کرنے کی توفیق بخشے آمین

حضرت ممتحن صاحب نے اس امتحان کے متعلق جو کچھ لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

بدستور سابق مدرسہ رحمانیہ کا امتحان ہوا - ۹۱ لڑکوں میں صرف تین فیل ہوئے باقی سب پاس۔ آٹھویں جماعت میں چھ لڑکے تھے جو سب پاس ہوئے . . . .

سندھ کے ایک طالب علم کو دورۂ حدیث کی بھی سند ملی ہے۔ گویا اس سال سات عالم مدرسہ سے فارغ التحصیل ہو کر جا رہے ہیں جن میں سے ۴ یوپی، ایک صوبہ بنگال، ایک پنجاب، ایک سندھ کے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو باعمل رکھے اور ان سے اپنے دین کی خدمتیں لے۔

انعامات کے سلسلہ میں راقم الحروف کو بھی رسالہ محدث اور کتب خانہ کی نگرانی کے صلہ میں سو روپے مرحمت ہوئے ہیں - اس سال کے کل انعامات کی مجموعی تعداد دو سو پچاسی روپے ہے -

DELHI.

چشمۂ علم و حکمت

ہم (تمام طلباءِ رحمانیہ) اپنے عینی مشاہدات وذاتی تجربات کی بنا پر اس حقیقت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے، کہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی ہی وہ درسگاہ ہے جسے صحیح معنوں میں علم وحکمت کا سرچشمہ، اور امن وراحت کا گہوارہ کہا جاسکتا ہے۔ اس میں ہماری جسمانی وروحانی دونوں قسم کی اصلاح وتربیت کے بہترین اسباب مہیا ہیں جسکی تفصیل "محدث" پڑھنے والوں سے مخفی نہیں۔

کھانے پینے، رہنے سہنے، پہننے اوڑھنے کی جو جو سہولتیں یہاں حاصل ہیں وہ تو الگ رہیں۔ ہماری علمی ترقیوں کے لئے جو مواقع بہم پہنچائے گئے ہیں، وہ بھی کچھ کم نہیں۔ لائق اور فاضل اساتذہ، تقریر وخطابہ کی مشق مضمون نگاری کے لئے رسالہ "محدث" ایک عظیم الشان کتب خانہ (جس میں ہر علم وفن کی بہترین کتابیں موجود ہیں) ایک لائبریری (جس میں ہر قسم کے ملکی و ملی اخبارات ورسائل آتے ہیں ٭

یہ وہ چیزیں ہیں جن کے ہوتے ہوئے ایک شوقین طالب علم کبھی تشنہ کام نہیں رہ سکتا۔ پس ہم تشنگانِ علوم دینیہ سے سفارش کرتے ہیں کہ اگر وہ فارغ البالی اور سکون قلب کے ساتھ اپنی علمی پیاس بجھانی چاہتے ہیں تو انھیں اس چشمۂ شیریں (رحمانیہ) کے علاوہ کسی اور طرف رخ نہ کرنا چاہیئے، کہ فطرت کا تقاضا ہے ؎

ہر کجا چشمۂ بود شیریں مردم ومرغ ومور گرد آیند

حافظ محمد عبدالخالق خلیق جیپوری۔ عبدالشکور بسکوہری ۔ محمد ادریس آزاد مولوی عالم۔ ظہیرالدین اعظمی۔ محمد امین مبارکپوری رحمانی ۔ امام الدین امام مظفر نگری کورمالوی۔ شہاب الدین بستوی۔ محب اللہ بستوی۔ ابوالبرکات بستوی۔ مقبول احمد اعظمی۔ رضاء اللہ ثنائی امرتسری۔ محمد حسن احسن گونڈوی۔ محمد حمید الحق کمیلوی۔ عبدالصبور صابر بستوی۔ محمد ثناء اللہ شمیم گیاوی۔ محمد عبدالشکور اختر گیاوی۔ محمد داؤد حفیظ امرتسری۔ عبدالرحیم مظفر پوجیانی۔ محمد اسماعیل سرحالی۔ حافظ عبدالرحیم مدبر عبدالغنی۔ عبدالرحیم جالندھری۔ حبیب اللہ ارشد پنجابی۔ عبداللہ صادق لاہوری۔ عبیداللہ سردول گڈھی۔ عبدالقادر خوردار لیسوی۔ محمد اکرم شاہ پنجابی۔ محمد یعقوب لکھنوی محمد یوسف بہرائچی۔ محمد اقبال امین گونڈوی۔ محمد عبداللہ مضطر اعظمی۔ محمد ابوالنذیر بنگالی۔ محمد عتیق ٹونکی۔ محمد شمس الدین شمس گیاوی۔ ریاض الرحمن ریاض۔ محمد ٹونکی۔ شیخ رستم احمد جاتلی میمن سنگی۔ عبدالحق بنگالی۔ محمد مسلم مالدھی۔ محمد فضل الرحمن مولوی فاضل نصیر آبادی۔ عبدالعزیز عظیم آبادی۔ محمد طہٰ پٹنوی۔ محمد شریف لائلپوری۔ محمد جمیل لاہوری۔ عبدالرحمن بمبئی۔ محمد اکبر لکھنوی محمد رمضان نسیم بہاری۔ محمد عباس اڑیسوی۔ ابوالکلام کلیم بہاری۔ مقدس علی۔ عبدالرحمن۔ سید عتیق الرحمن اڑیسوی ۔ نیزان الرحمن آسامی۔ محمد عبدالسلام اسلم گیاوی۔ عبدالوہاب سندھی ضلع سکھر سندھ۔ محمد اسمعیل ٹونکی۔ عبداللطیف کھرانوی۔ محمد سیف الرحمن مدنی۔ وغیرہم

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب پرنٹر و پبلشر نے جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر رسالہ محدث دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع کیا

یادگار فدائے علم و دین جناب شیخ عطاء الرحمٰن صاحب مرحوم و مغفور

رسالہ

کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

محدث دہلی

ملکیت

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم دارالحدیث رحمانیہ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

محدث
دہلی

نگران اصول
مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

جلد ۷	ماہ نومبر سنہ ۱۹۳۹ء مطابق رمضان المبارک سنہ ۱۳۵۸ ہجری	نمبر ۷

فہرست مضامین

پتہ

منیجر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی

یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ اور
چار آنے محصول ڈاک کے لئے بھیجنے پر . . . سال بھر تک مفت بھیجا جائیگا (منیجر)

ہیں جنہیں ابوداؤد میں ہے۔ عن ابی اسید الساعدی قال بینما نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ جاءہ رجل من بنی سلمۃ فقال یارسول اللہ ھل بقی من برابوی شیئ ابرھما بعد موتھما قال نعم الصلوۃ علیھما والاستغفار لھما وانفاذ عھدھما من بعدھما وصلۃ الرحم التی لاتوصل الا بھما واکرام صدیقھما۔ ابواسید ساعدی نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ ایک آدمی بنی سلمہ سے آیا اور پوچھا کہ اے رسول اللہ کیا والدین کے مرنے کے بعد کوئی بات باقی رہی ہے جو ان کے ساتھ نیکی ہو آپ نے فرمایا ہاں ان کے لئے دعا و استغفار ان کے بعد ان کے عہد کو پورا کرنا ان کے رشتہ داروں سے صلہ رحم انکے دوستوں سے اکرام، ایک حدیث میں ہے الجنۃ تحت اقدام امھاتکم تمہاری ماؤں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے ایسی حدیثیں بھی موجود ہیں جن میں لوگوں کو صرف خدمت والدین کی وجہ سے جہاد جیسے فرض سے روکدیا غرضکہ والدین کی وہ تعظیم و تکریم بتائی گئی جو خدا کے بعد کسی کی نہیں۔

بڑے بھائی کا حق باپ کا سا ہے | اس کے بعد آپ اس حدیث کو ملاحظہ فرمایئے جو ابوداؤد میں ہے حق کبیر الاخوۃ علی صغیرھم کحق الوالد علی الولد بڑے بھائی کا چھوٹے بھائی پر ایسا ہی حق ہے جیسا کہ باپ کا بیٹے پر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بڑے بھائی کی وہی توقیر ہے جو باپ کی ہے اب نتیجہ یہ نکلا کہ آنحضرت کی بھی تعظیم انتہائی تعظیم چاہیئے نہ ایسی کہ خدا کے برابر کردیا جائے آپ لوگ ناحق مولانا کی جانب سوء ظن کرتے ہیں انکا مقصد تو جاہلوں کو سمجھانا تھا کہ جس طرح تم باپ یا بڑے بھائی کی توقیر و تعظیم کرتے ہو اسی طرح آنحضرتؐ کے ساتھ ہر وقت ادب تہذیب لحاظ برتو۔ محبت و الفت رکھو مولانا کا وہ مطلب نہ تھا جو آپ نے عمداً ظاہر کیا ہے انکا تو وہی مطلب تھا جو اُن کی اس عبارت سے ظاہر ہے " ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنا چاہیئے نہ کہ خدا کی سی " اور یہی دکھتی رگ ہے اس لئے کہ انسان کہدیا اور انسانوں کی سی تعظیم کی ہدایت کی آپ کے نزدیک تو جو کوئی رسول اللہ کو خدا سے بڑھادے ورنہ بدرجہ مجبوری خدا کہدے صرف وہ ایک شخص مسلمان ہے اور پکا مسلمان۔ خدارا انصاف سے بتلایئے کہ جو جاہل خدا و رسول کو نہیں جانتے ادب تمیز تہذیب کو نہیں پہچانتے تو ان لوگوں کے سمجھانے کیلئے بھائی سے زیادہ بہتر اور مناسب کونسی مثال ہوسکتی ہے ؎

مسلمانو! ذرا انصاف سے کہیو خدا لگتی ✤ تمہیں اس بت کی ہے تقصیر یا میری خطا لگتی

یہ جاہل جب لاجواب ہوتے ہیں تو کہدیتے ہیں آنحضرتؐ کا بھائی کہنا آپ کی کسر نفسی تھی جواب یہ ہے کہ خود کہنا کسر نفسی تھی تو اور مسلمانوں کے بھائی کہنے میں توہین کیوں نہ ہوئی اس کا کیوں اقرار فرمایا اگر وہ بھی کسر نفسی تھی تو جواب وہی ہے کہ آیا بات سچ تھی تو بھائی کہنا اور کہلوانا درست اور جھوٹ تھی تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا ہونا تسلیم کرلیا نعوذ باللہ اے بندگان خدا وہاں تو جو بات تھی وہ سچی اور واقعی تھی نہ کبھی خلاف واقع کسر نفسی تھی نہ تعلی یہ جاہل ایک اور بات کہا کرتے ہیں وہ یہ کہ حدیث میں تو بھائی آیا ہے مولانا نے بڑا بھائی کیوں لکھا جواب یہ ہے کہ مولانا نے ترجمہ حدیث میں بھائی ہی لکھا ہے اور فائدہ میں بڑا بھائی لکھا ہے جس کی خاص وجہ یہ ہے کہ اگر چھوٹا لکھتے تو نقص ہوتا اور صرف بھائی پر تو آپنے شور مچادیا اسوجہ سے بھائی بھی نہیں لکھا بلکہ حفظ مراتب کی وجہ سے بڑا لکھا لیکن ؎

ہنر بچشم عدواں بزرگتر عیب است ✤ گل است سعدی و در چشم دشمناں خاراست

بڑے بھائی کی مثال پر بھی غریب کے منہ آ گئے حالانکہ انھوں نے خود لکھدیا ہے "اللہ نے ان کو بڑائی دی ہے وہ بڑے بھائی ہوئے" اور بڑائی تو ظاہر ہے کہ اللہ کے رسولؐ تھے۔ دوم یہ کہ ابوداود و ترمذی میں ہے کہ حضرت عمرؓ کہتے ہیں اجازت دی مجھکو عمرے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا اشرکنا یا اخیّ فی دعائك ولا تنسنا۔ ہم کو بھی شریک کرنا اے چھوٹے بھائی اپنی دعائیں اور نہ بھولنا ہمکو۔ اس حدیث میں لفظ اُخَیّ تصغیر ہے جس کے معنی چھوٹے بھائی ہوئے پس جبکہ خود آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو چھوٹا بھائی کہا تو آپ بڑے بھائی ہوئے۔ بعض جاہل جب لاجواب ہوتے ہیں تو یہ فقرہ چست کر دیتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھائی ہوئے تو ازواج مطہرات کو بھاوج بھی کہدیجئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون زمانہ جہالت سے بھر گیا علما اٹھ گئے کوئی ان بدبختوں سے پوچھے کہ تم خود ازواج مطہرات کو امہات المومنین تسلیم کرتے ہو تو کیا تمہارا دادا پردادا ہو یا پوت ہو بھی کہہ سکتا ہے نعوذ باللہ من الجہل والضلالۃ۔ اے اللہ ان بدزبانوں کے منہ میں لگام لگا اور ان گمراہوں کو ہدایت فرما۔ کوئی ان جہلا سے پوچھے کہ تم ازواج مطہرات کو امہات المومنین تسلیم کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا باپ کب کہتے ہو جو ہم ازواج مطہرات کو بھاوج کہیں۔

عجز اور چمار ایک یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ اس عبارت میں تمام انبیاء کو بندے عاجز کہا ہے اسی طرح ایک جگہ لکھا ہے "اللہ کی بہت بڑی شان ہے کہ سب انبیاء اولیاء اس کے روبرو ایک ذرہ ناچیز سے بھی کمتر ہیں اور ایک جگہ لکھا ہے۔ اور یہ یقین جان لینا چاہئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ کہیں مولوی صاحب نے کسی نبی یا رسولؐ کا نام نہیں لیا آپ کیوں اضافہ کر رہے ہیں۔ دوم آپ کو آپ کے مذہب کے مطابق اس قول کی تاویل کرنا چاہئے ورنہ آپ ان بعض الظن اثم (بعض گمان گناہ ہے) کے مرتکب اور گنہگار ہوتے ہیں سوم مولوی صاحب کا یہ فقرہ بڑی سی بڑی مخلوق اس کا کیا مطلب ہے اگر بڑائی بلحاظ جسم و جثہ ہے تو بے جانوں میں پہاڑ دریا زمین و آسمان ہیں اور جانداروں میں ہاتھی اونٹ اگر انسان مراد لئے جائیں تو وہ جاہل جو کالی بھوانی شیخ سدو کو پوجنے والے ہیں احکام شرع سے بے خبر ہیں ان کے نزدیک سب سے بڑے راجہ مہاراجہ نواب بادشاہ ہیں اور یہی مراد ہیں یہاں بڑی سے بڑی مخلوق سے اور بعض جاہل میاں کا بکرا، بی بی کی صحنک کرنیوالے ان کے نزدیک شیخ سدو زین خان کالے پیر لال گرو بھوانی، نونا چماری میر صاحب بھوت چڑیل سب سے بڑے ہیں ان لوگوں کے سمجھانے کو لکھا گیا ہے کہ تم جو اپنے پیر گرو کو سب سے بڑا جانتے ہو یہ لوگ شرعاً اللہ پاک کے مقابلہ میں ہیچ ہیں پھر وہ لوگ جو پیر و پیمبر کی شان میں مبالغہ کرکے خدا سے زائد یا برابر کر دیتے ہیں زمینوں آسمانوں میں انکو متصرف جانتے ہیں اس مثال میں داخل ہو سکتے ہیں اب رہے وہ لوگ جو شرع سے واقف ہیں اللہ ہی کو قادر مطلق معبود برحق انبیاء کو بندہ بشر احکام خداوندی میں غیر دخیل و متصرف جانتے ہیں وہ لوگ نہ اس کے مخاطب نہ انکے سمجھانے کو یہ لکھا گیا۔ چہارم جو مطلب کہ آپ سمجھ رہے ہیں وہ عبارت مولوی صاحب سے نہیں پیدا ہوتا اسلئے کہ عبارت میں لفظ روبرو اور شان کے آگے ہیں ان دونوں کا صرف یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ خدا کے مقابلہ میں ان کی کوئی وقعت نہیں ہاں اگر یہ لفظ ہوتے "خدا کے نزدیک" تو آپ کا مطلب درست ہوتا۔

مقام عبدیت پنجم یہ کہ عبد و معبود کے اندر جو نسبت ہے اس کے تین درجے ہیں پہلا مقام عبدیت۔ اور وہ بمقابلہ معبود برحق

اپنی عبدیت کا اعتراف ہے تو ہمیشہ مقام عبدیت میں کہنا پڑیگا کہ ہم تیرے ذلیل بندے ہیں ہم ہیچ ہیں ہم ذرہ سی برابری کرنے کے لائق نہیں تو اگر چاہے تو ابھی ہمیں اور سارے زمین و آسمان کو نیست و نابود کردے تیری قدرت میں ہے کہ ایک ذرہ کو آسمان بنادے تو اگر چاہے تو بڑے سے بڑے عزت دار کو انتہائی ذلیل کردے تیری قدرت میں ہے کہ ذلیل سے ذلیل کو سب سے بڑا عزت دار کردے تو اگر سارے جہان کو جنت دیدے تو تیری رحمت ہے تو اگر ساری دنیا کو دوزخ میں جھونکدے تو تو ظالم نہیں۔ تو نے بالکل سچ فرمایا ہے وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى اگر اللہ لوگوں سے ان کے ظلموں پر مواخذہ کرنے لگے تو زمین پر کوئی چلنے والا باقی نہ رہے لیکن اللہ ڈھیل دیتا ہے وقت مقررہ تک۔

مقام رسالت دوسرا مقام رسالت ہے۔ جب مقام رسالت کی گفتگو ہوگی تو کہنا پڑیگا کہ اللہ بزرگ و برتر کے بعد سارے ذی روح وغیر ذی روح سے بڑھکر سب سے اعلیٰ سب سے افضل سب سے بہتر سب سے برتر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ اولاد آدمؑ کے سردار ہیں آپ اول شافع اول مُشَفَّع ہیں آپ کے پاس لواء حمد ہوگا آپ کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی آپ شفاعت کریں گے آپ رحمۃ للعالمین ہیں۔ آپ ہی کی نسبت بالکل بجا و درست کہا گیا ہے ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ آپ کا نام سنکر آپ پر درود پڑھنا فرض ہے اسی نسبت کا نام نسبت امت برسالت ہے اب اسی رسالت میں ایک دوسری نسبت ہے اور وہ وہی نسبت عبدیت یا معبودیت ہے جو اوپر گزری تو جب اس مقام یعنی نسبت عبدیت کی گفتگو ہوگی تو وہی کہنا پڑیگا جو نسبت عبدیت میں کہا گیا۔

مقام صمدیت و احدیت تیسری نسبت معبودیت ہے یہ وہ ہے جو اللہ پاک کو اپنے بندوں کے ساتھ ہے اور یہی مقام توحید ہے جب اس مقام توحید کی گفتگو ہوگی تو کہنا پڑیگا کہ تو احد و صمد ہے تیرا کوئی مثل و نظیر نہیں تیرا کوئی شریک نہیں کوئی تیرے برابر نہیں تیرا کوئی مدد و معاون نہیں تو کسی کا محتاج نہیں تو ازلی ابدی سرمدی ہے تو عالم غیب ہے خالق ہے قادر ہے سارے جہان زمین و آسمان تو نے بنائے جب چاہے فنا کردے تو جب چاہے بڑی سے بڑی مخلوق کو چاہے ذرا سا ذلیل کردے تو نے بالکل درست فرمایا ہے وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا۔ (بنی اسرائیل) اگر ہم چاہیں تو جو ہم تجھپر وحی بھیجتے ہیں اسکو بند کردیں پھر تو کسی کو ہمارے پاس وکیل بھی نہ لاسکے تو جس وقت چاہے بڑی سے بڑی مخلوق کو نیست و نابود کردے۔ تو نے ہی فرمایا ہے اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ (ابراہیم) اگر چاہے تو سب کو مٹادے اور نئی مخلوق پیدا کردے تو جب بھی چاہے اس کے مثل اس سے بہتر اور دوسرا پیدا کردے تیرا ہی ارشاد ہے اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ (سورہ یٰس) کیا جس نے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسا اور پیدا کردے بیشک وہ قادر ہے اور وہی پیدا کرنیوالا جاننے والا ہے تو قوی ہے تیرے سب ضعیف بندے ہیں تیرے سامنے سب لاچار مجبور بے بس ہیں تجھکو کچھ پرواہ نہیں تو نے جسے چاہا رسول بنادیا تو جب چاہتا نبی کو نبوت سے معزول کردیتا تو جب چاہتا ذلیل کردیتا تو اب اور قیامت میں جسکو چاہے ذلیل کردے تو جسکو چاہے بخشدے تو جس کو چاہے

دوزخ میں جھونکدے۔ مسند احمد وابن ماجہ وابوداؤد میں ہے لو ان اللہ عز وجل عذب اھل سماوا تہ وا ھل ارضہ عذبھم وھو غیر ظالم لھم اگر اللہ تمام زمین وآسمان والوں کو عذاب دے تو ظالم نہیں۔ غرضکہ یہ تمام مقام توحید کی گفتگو ہے۔

فنافی الشیخ وفنافی الرسول | آپ کو نہیں معلوم فنافی الشیخ فنافی الرسول فنافی اللہ صوفیہ میں جو تین درجے ہیں ان کا یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص فنافی الشیخ میں پہنچتا ہے تو اس وقت یہ خیال کرنا پڑتا ہے کہ میں مرگیا اور خاک ہوگیا زمین و آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے ان کے اجزا بھی فنا ہوگئے غرضکہ تمام محسوسات وموجودات فنا ہوکر اب نہ کوئی خالق رہا نہ مخلوق صرف ایک ذات شیخ باقی ہے پھر اس خیال کو ترقی دیکر درجات عین الیقین تک پہنچا یا جاتا ہے غرضکہ سب کو فنا کرکے صرف ذات شیخ کو باقی رکھا جاتا ہے تو کیا کبھی آپ نے یہ خیال کیا ہے کہ اس سب کے اندر ذات پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی فنا کردیا کیا کبھی آپنے ان صوفیوں پر بھی اعتراض کئے ہیں اگر کئے ہیں تو کب اور انکا کیا ثبوت ہے اور اگر نہیں اور واقعی نہیں تو کیوں؟ پھر اسی طرح فنافی الرسول میں ذات شیخ اور ذات باری تعالی کو فنا کیا جاتا ہے کیا کبھی ان لوگوں پر آپ اعتراض کرتے ہیں کیا کبھی آپ نے ذات باری کو فنا ماننے والوں پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے اگر لگایا ہے تو کب اور اس کا کیا ثبوت ہے اور اگر نہیں تو کیوں؟ کیا محض اسوجہ سے کہ آپ بھی اسی خیال اور اسی عقیدہ کے ہیں کیا صرف اسی وجہ سے کہ آپ بھی ایسا ہی کرتے ہیں کیا محض اس وجہ سے کہ وہ آپ کے ہم مذہب ہیں اور مولوی اسمٰعیل صاحب پر محض اسوجہ سے اعتراض ہے کہ وہ احکام قرآن وحدیث کو لوگوں تک پہنچاتے اور کفریات بکنے والوں کے ڈھول کا پول کھولتے ہیں افسوس کہ مولوی صاحب کی جو گفتگو تھی وہ مقام توحید کی تھی مگر آپ اسے نہیں سمجھے سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست ؂

شیخ شہاب الدین سہروردی اور شاہ نظام الدین اولیا نے تمام انبیار کو مینگنی کے برابر کردیا | اسی طرح وہ حدیث ہے جسکو شیخ شہاب الدین سہروردیؒ عوارف المعارف میں لائے ہیں لا یکمل ایمان المرء حتی یکون الناس عندہ کالاباعر کسی آدمی کا ایمان پورا نہیں ہوتا جب تک تمام آدمی اس کے نزدیک مینگنیوں کی مثل نہ ہوں حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فوائد الفواد میں لکھا ہے اعتماد برحق باید کرد و نظر بر ہیچ کس نباید داشت۔ حق پر بھروسہ کرنا چاہیئے اور کسی پر نظر نہ کرنا چاہیئے پھر لکھا ہے ایمان کسی تمام نشود تا ہمہ خلق نزدیک او ہمچناں نماید کہ پشک شتر کسی آدمی کا ایمان اسوقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک تمام مخلوق اس کے نزدیک اونٹ کی مینگنیوں کی طرح نہ ہوجائے کیا ان سب کے اندر تمام انبیار اور آنحضرتؐ داخل نہیں کیا کبھی ان پر آپ اعتراض کرتے ہیں۔ اسی طرح شیخ سعدی شیرازی لکھتے ہیں ؂

چو مرد رہرو اندر راہ حق ثابت قدم گردد ؂ وجود غیر حق در چشم توحیدش عدم گردد

راہ حق کا چلنے والا جب ثابت قدم ہوتا ہے تو اس کی نظر میں غیر حق کا وجود عدم ہوجاتا ہے کیا اس عدم میں وجود انبیاء کا انکار نہیں ہوا۔ شاید آپ انبیار کو غیر حق نہ کہتے ہو ہاں آپ تو عین حق کہتے ہیں ورنہ انکار بشریت کے کیا معنی پھر لکھتے ہیں۔

شیخ سعدیؒ نے انبیا کو بت کہا | ؂ دل اندر دلبری پابیدلے دوست بست ؂ کہ عاجز تر است از صنم ہرچہ ہست ؎ اے یار دل کو خدا کے ساتھ باندھ اسلئے کہ جو کچھ ہے وہ بت سے بھی زیادہ عاجز ہے۔ لیجئے شیخ سعدیؒ تو ان کے بھی چچا نکلے۔ انھوں نے

توسب کو بت بلکہ اس سے بھی بدتر کہدیا اور یہ ظاہر ہے کہ بت چاندی سونا پلاٹینم جواہرات خواہ کسی کا بھی ہو انسان سے بدتر ہے بتوں کے لئے صاف حکم ہے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ (انبیاء) تم اور جسے تم پوجتے ہو اللہ کے سوا دوزخ کا ایندھن ہیں جس میں جھونکے جاؤ گے۔

مجدد الف ثانی رسول اللہ کی پرواہ نہیں کرتے حضرت مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں۔ پنجہ با پنجہ خدا دارم + من چہ پرواے مصطفا دارم + خدا کے ہاتھ میں ہاتھ رکھتا ہوں مجھے مصطفیٰ کی کیا پرواہ ہے۔ اجی حضرت آداب عرض ہے۔ یہ تو شیخ سعدیؒ کے بھی گرو نکلے انھوں نے آنحضرتؐ کا نام لیکر صاف طور پر بے پروائی کا اظہار کر دیا کیا آپ کے نزدیک جو شخص رسولؐ و رسالت سے بے پرواہ ہو وہ داخل اسلام ہے لسے جناب اولاً شیخ نظام الدینؒ اولیا سعدیؒ شیرازی، مجدد الف ثانیؒ پر اعتراض کیجئے اس کے بعد مولوی اسمٰعیل صاحب کا نمبر ہے اب ذرا یہ بھی سن لیجئے کہ آپ کے ہمخیال ایک شاہ صاحب بداونی اللہ پاک کی شان میں اپنے مذاق طبع کا یوں اظہار فرماتے ہیں ؎ ہیں کیا مانگوں ہوتے تمہارے خدا سے + تمہیں دینے والے ہو دلوانے والے۔ دینے اور دلوانے والے کو ایک کر دیا اب کیا خدائی میں کچھ شک باقی ہے ؎ گو مجازی خدا خدا ہی سہی + ہیں حقیقی خدا معین الدین + کیا کبھی کسی بداونی بریلوی نے انھیں کافر کہا ہے ؎ اپنا اللہ میاں نے ہند میں نام + رکھ لیا خواجہ معین الدین + تم نے کبھی ان کے خلاف شور مچایا انھیں برا کہا۔ تم کیوں کہو گے اسکو کہ اپنی ہی بات ہے + اصل یہ ہے کہ ان باتوں سے دنیا کے کتنے اپنی چرمی دوزخ آتے اور دوزخ میں ٹھکانا بناتے ہیں۔ مولوی اسمٰعیلؒ صاحب نے یہ سارے ڈھونگ کھول دیئے پیٹ کی روٹیاں گئیں جاہل ہشیار ہو گئے اس سے بڑا اور کیا جرم ہو سکتا ہے پھر انکی مخالفت کیوں نہ ہو۔

صوفیوں کے نزدیک وجود حیض ہے اب ذرا پیران طریقت کی جانب متوجہ ہو جئے صوفیہ کا قول ہے الوجود بین العدمین کالطہر المتخلل بین الدمین والطہر المتخلل بین الدمین دم فکذلک الوجود بین العدمین عدم = دو عدموں کے درمیان وجود ایسا ہے جیسا کہ دو حیضوں کے درمیان طہر متخلل اور طہر متخلل دو حیضوں کے درمیان حیض ہے پس ایسا ہی دو عدموں کے درمیان وجود عدم ہے ذرا آنکھیں کھولکر دیکھئے کہ ہر موجود کو حیض کہدیا پھر ہر موجود کو معدوم کہدیا۔ کیا اس عموم کے اندر انبیاء و رسل اور ذات باری تعالیٰ نہیں۔ سیوطیؒ نقایہ میں تصوف کی تعریف لکھتے ہیں تجرید القلب للہ تعالیٰ واحتقار ما سواہ اللہ کے لئے دلکو خاص کر لینا اور اس کے سوا سب سے بے پرواہ ہو جانا کیا اس عموم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں امام رازی تفسیر کبیر میں انداد کی ذیل میں صوفیوں کا قول نقل کرتے ہیں قول الصوفیۃ والعارفین وھو ان کل شئ شغل قلبک بہ سوی اللہ فقد جعلتہ فی قلبک ندا للہ صوفیہ اور عارفین کہتے ہیں اللہ کے سوا جس چیز سے تیرا دل مشغول ہو وہی اللہ کا ند (شریک) ہے کیا اس عموم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں۔

تعریض پیشہ اور مساوات ششم یہ کہ بھنگی چمار نائی نوربافت یہ تمام تام صرف پیشوں کے ہیں ان میں کوئی ذات نہیں ہندوؤں میں بیشک یہ لوگ شودر سمجھے جاتے ہیں اسلام میں کوئی تفریق نہیں اسلام نے کوئی ذات پات نہیں بنائی۔ حدیث میں آیا ہے کلکم بنو آدم طف الصاع بالصاع تملؤہ لیس لاحد علی احد فضل اولاد آدم ہو تم سب کے

سب کسی کو کسی پر فضیلت نہیں آپس میں سب برابر ہو۔ اس میں کوئی کافر و مسلم کی بھی تفریق نہیں زمانہ آنحضرتؐ میں تمام قومیں موجود تھیں جو لوگ مسلمان ہوتے تھے ساتھ نماز پڑھتے تھے ساتھ کھاتے تھے کبھی کسی کو ذلیل نہیں سمجھا گیا بلکہ برابر ایک دوسرے کا جھوٹا کھاتے پیتے تھے۔ ہندوستان کے بڑے شہروں آگرہ۔ دہلی بمبئی وغیرہ میں ہزارہا مسلمان موجود ہیں جو بھنگی کا پیشہ کرتے ہیں عرب میں مسلمان ہی ان پیشوں کو کرتے تھے کیا کسی نے عرب و عراق میں غیر مسلم بھنگی وغیرہ دیکھتے ہیں حدیث میں آیا ہے احل ما اکل العبد کسب ید الصانع اذا نصح اکل حلال ہاتھ کی کمائی ہے جبکہ ایمانداری سے ہو حدیث میں ہے ما کسب الرجل کسبا اطیب من عمل یدہ ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کمائی نہیں حدیث میں ہے احل ما اکل الرجل من کسبہ وکل بیع مبرور کسب حلال ہاتھ کی کمائی اور ہر جائز تجارت ہے۔

انبیاءؑ کے پیشے | یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء و صحابہ کوئی نہ کوئی پیشہ کرتے تھے قرآن میں حضرت داوٗد کے متعلق ہے وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ (سورۂ سبا) اس کے لئے لوہے کو نرم کر دیا پوری زرہیں بناؤ اندازہ کا خیال رکھو یہ لوہاری کا کام ہوا حضرت نوحؑ کی بابت ہے وَاصْنَعِ الْفُلْكَ کشتی بناؤ یہ بڑھئی کا کام ہوا لیکن مفسرین نے حضرت نوحؑ کا پیشہ کپڑا بننا لکھا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے بارہ میں ہے وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتیاں جھاڑتا ہوں دوسری جگہ ہے يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ (قصص) اے باپ مزدوری پر رکھ لو مزدور مضبوط امانت دار اچھا ہوتا ہے فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ (قصص) ان میں سے ایک شرماتی ہوئی آئی اور کہا کہ میرا باپ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے پانی پلانے کی اجرت دے قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَىٰ أَن تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ (قصص) کہا میں اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح تم سے کرتا ہوں بشرطیکہ تم آٹھ سال میری مزدوری کرو۔ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِندِكَ اور اگر تم چاہو تو دس سال قَالَ ذَٰلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ کہا میرا تمہارا عہد ہو چکا ان دونوں میں جونسی بھی پوری کر دوں چنانچہ اسی مزدوری کے عوض حضرت موسیٰؑ کا نکاح حضرت صفورا سے ہوا اور حضرت موسیٰؑ حضرت صفورا کو لیکر چلے تو نبوت ملی۔ بکریاں تو اکثر انبیاء نے اور آنحضرتؐ نے بھی چرائی ہیں حضرت خاتم النبینؐ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے مال سے مزدوری یا شرکت نافع پر تجارت فرمائی ہے۔ یہ دونوں پیشے تمام کتب سیر میں موجود ہیں حضرت ادریسؑ کپڑے سیتے اور کتابت کرتے تھے حضرت ابراہیمؑ و حضرت ذکریاؑ کپڑا بیچا کرتے تھے حضرت ذکریاؑ کی نسبت مسلم میں ایک حدیث ہے فرمایا نبی علیہ السلام نے کان ذکریا نجارا ذکریا بڑھئی تھے حضرت داوٗد کے متعلق بخاری میں ہے لایاکل الا بعمل یدیہ اپنے ہاتھوں سے کام کر کے کھاتے تھے۔

صحابہؓ و ائمہ کے پیشے | علامہ کمال الدین دمیری محدث صاحب حیواۃ الحیوان نے ایک فہرست بحوالہ بصائر القدماء لکھی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عثمانؓ طلحہؓ عبدالرحمٰنؓ بن عوف کپڑا بیچا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ لوگوں کا مال بکواتے اور تجارت کرتے تھے۔ سعدؓ بن ابی وقاصؓ نیزوں کی بھالیں بناتے تھے ولید بن مغیرہ اور ابوالعاص لوہے کا کام کرتے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط (قبل اسلام) کلال تھے۔ ابوسفیان بن حرب روغن سیاہ کی تجارت کرتے تھے۔ عبداللہ بن جدعان لونڈیاں بیچتے تھے

نضر بن حارث عود اور چھڑیاں بیچتے تھے حکم بن ابوالعاص حارث بن عمر ضحاک بن قیس فہری ابن سیرین بکروں کو خصی کیا کرتے تھے۔ عاص بن وائل جانوروں کا علاج کرتے تھے۔ عمرو بن العاص، زبیر بن عوام ابو حنیفہ جانور ذبح کرکے گوشت بیچا کرتے تھے۔ عثمان بن طلحہ کپڑے سیا کرتے تھے۔ قیس بن مخرمہ مالک بن دینار کاغذ بناتے تھے مہلب بن ابی صفرہ باغبانی کرتے تھے۔ قتیبہ ابن مسلم جنھوں نے بلاد عجم کو ماوراء النہر تک فتح کیا تھا حمالی کرتے تھے۔ سفیان بن عیینہ معلم تھے امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کی نسبت فتاوی برہنہ میں لکھا ہے حرفت وی خزازی بود وے را کارخانہ بود بزرگ دراں خزازی می کرد۔ انکا ایک بڑا کارخانہ ریشمین کپڑا بننے کا تھا اس میں کپڑا بُنا کرتے تھے۔ جیسا آجکل بنارس اعظم گڈھ بھاگلپور میں بُنا جاتا ہے۔ شیخ ابن طاہر مجمع البحار میں لکھتے ہیں وکان خزازا یبیع الخز ریشمی کپڑے بیچا کرتے تھے۔ تاریخ منوال میں لکھا ہے حضرت ابوایوب انصاری امام ابوبکر محمد بن بشار (امام بخاریؒ و مسلمؒ کے استاد) ناصح بن عبداللہ کوفی صوفی فرقد سنجی تابعی حضرت انسؓ کے شاگرد اسمٰعیل مفتی کپڑا بنا کرتے تھے۔ امام غزالیؒ نے سکندر ذوالقرنین کو نورباف کی اولاد لکھا ہے۔ خواجہ بہاء الدین اور ان کے والد شیخ مومن کپڑا بنا کرتے تھے جیسا کہ خود شیخ مومن نے لکھا ہے سفینۃ الاولیاء میں ہے امام احمد بن محمد بن احمد بن عمر بن میمون سلمی کپڑا بنتے تھے حمید بن الربیع اللخمی محمد بن حسان کوفی یزید بن سنان قرشی بصری۔ عبس بن میمون۔ زیاد بن غراط تیمی۔ فضل بن عنبسہ محدث ریشمی کپڑا بنتے تھے۔ ابوبکر نساج عبدالحکیم سیالکوٹی عبدالقدوس گنگوہی نورباف تھے۔ تفسیر ابن کثیر و ابن جریر میں لکھا ہی حضرت خضر نے جن یتیم بچوں کی دیوار بنائی تھی وہ نورباف تھے۔ کتب سیر میں حضرت آدمؑ حضرت شیثؑ حضرت ادریسؑ کو حائک نورباف لکھا ہے کیا آپ ان تمام انبیاءؑ و صحابہؓ کو ذلیل جانتے ہیں؟ نہیں تو مولوی اسمٰعیل صاحبؒ پر کیوں اعتراض ہے۔ احکام اسلام میں تو آقا و غلام مساوی ہیں کیا عزیز مصر کے ہاتھ بک کر یوسف علیہ السلام ذلیل ہو گئے۔ حضرت خاتم الرسلؐ نے اپنی پھوپی زاد بہن کا نکاح اپنے آزاد شدہ غلام حضرت زید کے ساتھ کیا تھا آپ کی نظروں میں حضرت زید یا یہ فعل رسولؐ برا تھا۔ اسد الغابہ میں بروایت یزید بن عمر معافری ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معافر کا بنا ہوا کپڑا آیا تو ابوسفیان نے اس کپڑے اور بننے والے کو برا کہا آنحضرتؐ نے فرمایا انھیں برا نہ کہو وہ میرے ہیں اور میں انکا ہوں ایک حدیث میں آیا ہے۔ یا اباالدرداء طف الصاع بالصاع لیس لابن البیضاء علی ابن السوداء فضل او کلکم بنو ادم وادم من تراب کسی کو کسی پر فضیلت نہیں سب برابر ہیں اور سب آدمؑ کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہیں یہاں تو کفر و اسلام کی بھی تفریق نہیں فرمائی۔ سعدیؒ نے سچ کہا ہے ؎

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند ❊ کہ در آفرینش زیک جوہر اند

اب رہا صرف جوتہ بنانا تو آج راجپوتانہ مالوہ اور اودھ میں ہزارہا مسلمان جوتہ ہی بناتے ہیں اور اب تو نئی تعلیم نئی روشنی نئی تہذیب میں ہر جگہ فیکٹریاں ہیں ان میں لاکھوں مسلمان جوتہ بناتے ہیں بڑے بڑے مدعیان شرافت بڑے بڑے حسیب و نسیب شیخ سید مغل پٹھان محض جوتہ ہی بنانے کی غرض سے یورپ جاتے ہیں اور جوتہ بناتے ہیں اب رہا یہ امر کہ ٹوٹا ہوا جوتہ سینا تو پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ جوتہ بطور خود کوئی ناپاک نہیں ورنہ آپ کا پاؤں بھی ناپاک رہیگا جوتہ پہنکر نماز درست ہے ہاں اگر جوتہ میں نجاست لگی ہو تو موافق حکم حدیث جوتہ کو زمین سے رگڑ ڈالئے پاک ہوگیا ورنہ امیر کابل جرنل کرنل لاٹ پادری کمشنر گورنر وغیرہ

کو جوتہ پہنکر مساجد میں آپ کیوں جانے دیتے ہیں۔

پیشہ یا کام عیب نہیں پھر یہ سنئے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا تمام کام خود کرتے تھے مثلاً کپڑوں میں پیوند لگانا۔ دودھ دوہنا۔ بازار سے سودا لانا، ڈول ٹانکنا، جانوروں کو باندھنا چارہ ڈالنا۔ اونٹوں کو تیل ملنا بکریوں کو داغنا، مکان کی مرمت، اپنے غلام کے ساتھ آٹا گوندھنا تعمیر خانہ کعبہ و مسجد نبوی میں دوش مبارک پر پتھر اٹھانا زمین کھودنا دوسروں کے گھر جا کر ان کے جانور دوہنا، اپنے کافر مہمانوں کی مہمانداری خود کرنا جنگل سے لکڑیاں لانا اپنے ٹوٹے ہوئے جوتہ کو خود سینا یہ ایسی باتیں ہیں جن سے کتب سیر و احادیث بھری ہوئی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگل سے لکڑیاں لائے زرقانی میں بحوالہ محب طبری ایک حدیث ہے انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان فی سفر وامر اصحابہ باصلاح شاۃ فقال رجل یارسول اللہ علی ذبحھا وقال اٰخر علی سلخھا وقال اٰخر علی طبخھا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی جمع الحطب فقالوا یارسول اللہ نکفیک العمل فقال قد علمت انکم تکفونی ولکن اکرہ ان اتمیز علیکم فان اللہ یکرہ من عبدہ ان یراہ متمیزا بین اصحابہ آپ ایک سفر میں تھے بکری ذبح کرنیکی صلاح ہوئی ایک نے کہا میں ذبح کرونگا ایک نے کہا میں کھال اتاروں گا ایک نے کہا میں پکاؤں گا آپ نے فرمایا میں لکڑیاں جمع کرونگا لوگوں نے کہا اس کی کیا ضرورت ہے آپ کا کام بھی ہم کریں گے آپ نے فرمایا کہ بیشک تم کرلوگے لیکن میں فوقیت کو پسند نہیں کرسکتا جو بندہ اپنے اصحاب میں تفوق برتتا ہے اللہ اسے ناپسند کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جوتہ درست کیا۔ زرقانی میں بحوالہ جزء تمثال النعل شریف ایک حدیث ہے قال کنت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الطواف فانقطعت شسعتہ فقلت یارسول اللہ ناولنی اصلحہ فقال ھذہ اثرۃ ولا احب الاثرۃ۔ میں طواف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا آپ کے جوتہ کا تسمہ ٹوٹ گیا میں نے کہا مجھے دیدیجئے درست کردوں آپ نے فرمایا یہ تفوق ہے اور میں تفوق کو پسند نہیں کرتا ترمذی میں ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخصف نعلہ ویخیط ثوبہ ویعمل فی بیتہ کما یعمل احدکم فی بیتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جوتہ گانٹھتے تھے اور کپڑے کو سی لیتے تھے اور اپنے گھر میں ایسے ہی سب کام کرتے تھے جیسے تم لوگ اپنے گھر میں کرتے ہو۔ مسند احمد بن حنبل میں بروایت حضرت عائشہؓ ایک حدیث ہے اس کا ٹکڑا ہے و یخصف نعلہ اپنے جوتوں میں پیوند لگاتے تھے آپ نے دیکھا کہ آنحضرت اپنے اور دوسروں کے تمام کام کرتے تھے اسی طرح کوئی شخص کسی کا جوتہ سی دے تو کیا عیب ہے؟ آپ خود روزانہ استنجا کرتے ہیں اپنا پاخانہ دہوتے ہیں آپ کی عورتیں روزانہ اپنے بچوں کے کپڑے صاف کرتی ہیں جب کوئی عزیز مریض ہوتا ہے تو ان کا پاخانہ پیشاب آپ ہی اٹھاتی ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ چمار غیر مسلم ہیں تو اسلام میں بھنگی چمار ویش ٹھاکر برہمن بلحاظ بشریت برابر ہیں یہ تو ہندوستانیت ہے کہ چمار کو ذلیل جانیں اور برہمن کو شریف۔ آج آپ کو کوئی ٹھاکر صاحب کنور صاحب راجہ مہاراجہ کہے تو برا نہ مانیں بلکہ نام کے ساتھ فخریہ لکھیں۔ زمانہ آنحضرتؐ میں کافر ہی مسلمان ہوتے تھے وہ ذلیل نہ سمجھے گئے کیا آج کوئی مسلمان ہوجائے تو وہ ذلیل سمجھا جائے گا۔ کانپور کا چمار جس کے یہاں بہت سے انگریز اور مسلمان نوکر ہیں اسکو لوگ سلام کرتے ہیں وہ ذلیل نہیں سمجھا جاتا کسی کو ملانے میں انگلستان کے وزیر اعظم لائڈ جارج تھے ان کے چچا

ماہ رمضان وشوال

(از مدیر)

عرش سے فرش تک جس ماہ مبارک کی آمد آمد کی دھوم تھی اللہ کا شکر ہے کہ وہ آیا اور اپنی پوری عظمتوں اور برکتوں کے ساتھ آیا۔ رحمت الٰہی کا پیغام بنکر آیا، مغفرت ربانی کا فرمان لیکر پہنچا۔ خوش قسمت ہیں وہ جو دن میں روزے رکھکر اور رات کو نمازیں (تراویح یا تہجد) پڑھکر اپنے رب کو راضی کر رہے ہیں، اور بدنصیب ہیں وہ جوان دنوں کو غفلت سے گذار رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بُعْدًا لِمَنْ اَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهٗ اِذَا لَمْ يُغْفَرْ لَهٗ فَمَتٰى (ترغیب وترہیب) یعنی رحمت الٰہی سے بہت دور ہے وہ بدنصیب جسے رمضان جیسا بابرکت مہینہ ملے اور وہ اپنی بخشش نہ کرا سکے اگر وہ اس مہینے میں بھی نہ بخشا گیا، تو پھر اس سے بڑھکر اور کونسا دن اُسے نصیب ہوگا؟

لوگو! اس مبارک مہینے کی قدر کرو۔ اکثر حصہ اس کا گذر چکا اب تھوڑے سے دن اور باقی رہ گئے ہیں انھیں غنیمت سمجھو، اور جو کچھ نیکی و بھلائی کے کام کر سکتے ہو کرلو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان آخری دنوں میں اور زیادہ مستعد ہو کر عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ رات کو جب تہجد کے لئے اٹھتے تھے تو اپنی بی بیوں کو بھی جگایا کرتے تھے۔

شب قدر اس مہینے کی وہ رات جس میں عبادت کرنا، ایک ہزار مہینے کی عبادت سے بھی بڑھکر ہے، جس کا نام شب قدر ہے وہ انھیں دنوں میں ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ اَخْبَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ فَقَالَ هِيَ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ لَيْلَةَ اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ اَوْ ثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ اَوْ خَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ اَوْ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ اَوْ تِسْعٍ وَّعِشْرِيْنَ اَوْ اٰخِرِ لَيْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ مَنْ قَامَهَا اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ (ترغیب وترہیب) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو شب قدر کے متعلق خبر دی، اور فرمایا کہ وہ رات رمضان کے آخری دس دنوں میں (کسی طاق رات میں ہوگی) یعنی یا تو اکیسویں تاریخ کی رات ہوگی یا ۲۳ ویں، یا ۲۵ ویں، یا ۲۷ ویں، یا ۲۹ ویں کی یا رمضان کی بالکل آخری رات۔ جو شخص اس رات میں اجر و ثواب کی نیت سے نمازیں پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے سب گناہ بخشدیگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شب قدر خاص ستائیسویں ہی تاریخ کو نہیں ہوتی بلکہ ان تاریخوں میں سے بلا تعیین کسی ایک تاریخ میں ہوگی۔ یہ جو مشہور ہے کہ ستائیسویں تاریخ کو ضرور شب قدر ہوتی ہے، یا یہ "بڑی شب قدر" ہے اور دوسری تاریخوں میں "چھوٹی" تو یہ بات بالکل غلط ہے۔ شب قدر تو صرف ایک رات ہے، اس میں "چھوٹی" "بڑی" کا عقیدہ محض جہالت ہے۔ اور ستائیسویں تاریخ کو خاص سمجھنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اگر اس رات کی برکتوں سے فائدہ اٹھانا ہو تو چاہئے کہ اکیسویں تاریخ سے لیکر اخیر مہینہ تک ہر طاق رات میں (یعنی ایک دن کا ناغہ دیکر) برابر عبادت کی جائے۔ یہ رات اللہ تعالیٰ کے

نزدیک بڑی ہی افضل اور مرتبہ والی ہے۔ قرآن مجید میں تیسویں پارے کی "سورۃ القدر" اسی رات کی فضیلت کے بیان میں اتری ہے۔ جو لوگ ماہ شعبان کی "شب براۃ" کی عبادت کا شوق رکھتے ہیں یا فقیروں، مسکینوں میں کھانا تقسیم کرکے اپنے مردوں کی روحوں کو ثواب پہنچانا چاہتے ہیں، ان کو چاہئے کہ وہ سب کچھ اس شب قدر میں کریں، اس رات میں روح امین حضرت جبریل علیہ السلام فرشتوں کی ایک جماعت میں زمین پر اترتے ہیں، اور ہر اس شخص (مرد ہو یا عورت) کے پاس آکر سلام کرتے ہیں۔ اور مصافحہ کرتے ہیں، جو اللہ کی یاد میں مصروف ہو، چاہے نمازیں پڑھ رہا ہو، یا کھڑا ہو، یا بیٹھا ہو، لوگ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہوتے ہیں، ان کی دعاؤں پر یہ فرشتے آمین کہتے ہیں (ترغیب وترہیب) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسولؐ! اگر مجھے یہ رات ملجائے تو میں کیا دعا پڑھوں، توحضورؐ نے ان کو یہ دعا سکھائی اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ ۔ الٰہی! (میں گنہگار ہوں) تو بڑا معاف کرنے والا، اور معافی کو پسند کرنے والا ہے اسلئے (میری التجا ہے کہ) مجھے (بھی) معاف کردے۔" حدیث شریف میں ہے مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهٗ (ابن ماجہ) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شخص اس رات کی عبادت سے محروم رہا، یہ سمجھ لو کہ گویا وہ ہر قسم کی نیکیوں اور بھلائیوں سے محروم رہا۔"

پس مسلم بھائیو! اس رات کو حاصل کرنے کی کوشش کرو، اور چار پانچ روز رات کو محنت کرکے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرلو اور اپنی ہر قسم کی حاجت اور مصیبت کو اس مالک کے سامنے پیش کرکے دونوں جہان کی بھلائیاں حاصل کرلو۔ نہ معلوم کس وقت موت کا پیغام آجائے، اور ہمیں یہ سارا ساز وسامان چھوڑ کر الوداع کہنا پڑے۔ قبر کی تنہائی اور وحشت میں ہماری یہی عبادتیں کام آئیں گی۔ خدا کے یہاں سفارش کریں گی، اور ہماری نجات کا باعث بنیں گی۔ ماں باپ بیٹا بیٹی، بھائی بندمیاں بیوی، رشتہ کنبہ یہ سب دنیا کے جھمیلے ہیں، آخرت میں اپنے عمل کے سوا کوئی چیز سہارا نہ دیگی اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ

اعتکاف

مسجد میں عبادت اور ثواب کی نیت سے بیٹھ جانا ہی اعتکاف ہے۔ رمضان شریف کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کرنا سنت موکدہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس کو ترک نہیں کیا جو شخص اس سنت پر عمل کرنا چاہے اس کو چاہیئے کہ مسجد کے کسی کونے میں کپڑے وغیرہ سے گھیر کر ایک حجرہ کی شکل میں بنلے، اور پھر رمضان شریف کی بیسویں ہی تاریخ کو عصر کی نماز کے بعد آفتاب ڈوبنے سے پہلے پہلے اعتکاف کی نیت سے مسجد میں داخل ہوجائے۔ اور رات اس حجرے سے (جو اعتکاف کیلئے بنایا ہے) باہر ہی مسجد میں گذارے۔ جب فجر کی نماز سے فارغ ہوجائے تو پھر اپنے حجرے میں داخل ہوجائے۔ اور تسبیح وتہلیل تلاوت قرآن مجید وغیرہ میں مشغول رہے۔

اعتکاف کرنے والا پیشاب، پاخانے، اور اگر احتلام ہوجائے تو غسل کرنے کیلئے مسجد سے باہر جاسکتا ہے اور اگر اعتکاف کسی ایسی مسجد میں کیا ہے جہاں جمعہ نہیں ہوتا تو جمعہ پڑھنے کے لئے جامع مسجد میں چلا جائے لیکن نماز جمعہ پڑھکر پھر اپنی جگہ پر واپس آجائے۔ مسجد سے باہر نہ کسی جنازے میں شریک ہو، اور نہ کسی مریض کے گھر اس کی عیادت کے لئے جائے۔ ہاں اگر پیشاب یا خانے کے لئے جاتے ہوئے راستے میں کوئی بیمار آدمی ملجائے تو اس سے اس کی خیریت پوچھ سکتا ہے۔

صدقہ فطر

اگر رمضان مبارک کی ۲۹ تاریخ کو چاند نظر نہ آئے تو تیس روزے پورے کرنے چاہئیں۔ اس کے بعد شوال کا مہینہ شروع ہوگا۔ شوال کی پہلی تاریخ مسلمانوں کی عید کا دن ہے۔ یہ دن مسلمانوں میں بڑی خوشی اور مسرت کا ہے۔ ان کا بچہ بچہ خوشی میں سرشار ہوتا ہے۔ لیکن کچھ ہمارے ہی بھائی ایسے بھی ہوتے ہیں، جو عید کا چاند دیکھتے ہی اداس پڑ جاتے ہیں۔ ان کا چہرہ رنج وغم سے ملول اور پژمردہ نظر آنے لگتا ہے۔ یہ وہ غریب اور مسکین لوگ ہوتے ہیں جن کے پاس نہ کھانے کے لئے غلہ ہوتا ہے، اور نہ پہننے کے لئے کپڑے، یہ کیسی بے انصافی اور بے مروتی کی بات ہوگی کہ ہم اور ہمارے بچے تو عید کی خوشیاں منائیں لیکن ہمارے ہی عزیز واقربا ریا محلے اور پڑوس کے دوسرے بھائیوں کے بچے اس دن بھی فقر وفاقہ ہی میں رہیں۔ اسی لئے ہمارے رحم دل پیغمبر نے اللہ ان پر درود وسلام بھیجے، ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم میں سے جس کو طاقت ہو، ہر چھوٹے بڑے، مرد وعورت، لڑکا لڑکی، بوڑھے جوان کی طرف سے آج کے دن غریبوں اور محتاجوں پر صدقہ کرے۔ اسی کو صدقہ فطر کہتے ہیں۔ اس صدقے کی وجہ سے جہاں ہمارے غریب بھائیوں کو عید منانے کا موقع ملجائے گا، وہاں اللہ تعالیٰ ہماری ان خطاؤں کو بھی معاف فرمائے گا جو روزے کی حالت میں ہم سے ہو گئی ہیں۔

یہ صدقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، اور آپ کے بعد صحابہؓ وتابعینؒ کے عہد میں بھی ناپ کر دیا جاتا تھا۔ اور جس برتن سے ناپتے تھے اس کو "صاع" کہتے تھے۔ صاع سے ایک چھوٹا پیمانہ اور ہوتا ہے اس کو مُد کہتے ہیں چار مُد کا ایک صاع ہوتا ہے۔ بس صاع سے ایک صاع، اور مُد سے چار مُد ہر شخص کی طرف سے وہ غلہ دیا جائے، جو اپنے گاؤں یا شہر کی عام غذا ہو۔ مثلاً جَو، گیہوں، چاول۔ کھجور۔

گیہوں بھی پورا ہی دینا چاہیئے لیکن اگر کوئی کم استطاعت شخص دو مُد یعنی آدھا صاع بھی دیدے تو جائز ہے۔ مختلف غلوں کا وزن مختلف ہوتا ہے اسلئے وزن کی تعیین ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔ مُد یا صاع سے ناپکر ہی دینا اولیٰ واحوط ہے یہ صدقہ نماز عید سے پہلے ہی تقسیم کردیا جائے۔ اگر نماز کے بعد ادا کیا جائے گا تو یہ صدقہ فطر نہیں ہوگا بلکہ عام صدقات کی طرح ایک صدقہ ہوگا۔

نماز عید کیلئے نکلنا

صبح سویرے غسل سے فارغ ہوکر اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق اچھے کپڑے پہنے، اگر میسّر آئے تو خوشبو بھی لگالے، اور پانچ یا سات عدد کھجوریں یا کچھ اور کھاکر بلند آواز سے یہ کلمات پکارتے ہوئے عیدگاہ کی طرف جائے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ عیدگاہ پہنچکر تکبیر بند کردے۔ اور اگر وضو نہ ہو تو وضو کرلے، اور پھر تمام مسلمانوں کے ساتھ ملکر جماعت سے دو رکعت نماز ادا کرے۔ عیدگاہ میں کوئی نفل وغیرہ نہ پڑھے

نماز عید کا طریقہ

عید کی نماز بغیر اذان اور اقامت کے اس طرح ادا کی جائے کہ جب آفتاب دو نیزے کی مقدار میں بلند ہو جائے تو صفیں سیدھی کرکے امام آگے بڑھ جائے اور بلند آواز سے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہکر دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھائے اور پھر سینے پر باندھ لے۔ امام کے ساتھ مقتدی بھی آہستہ تکبیر کہکر اسی طرح نیت باندہ لیں۔ نیت باندھنے کے بعد سات مرتبہ پھر تکبیر (اللہ اکبر) امام زور سے اور مقتدی آہستہ سے کہیں۔ تکبیروں کے بعد دعا ثنا۔ اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ یا

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ آہستہ سے پوری پڑھکر امام بلند آواز سے اور مقتدی آہستہ سے سورہ فاتحہ پڑھیں۔ جب امام سورہ فاتحہ ختم کرے تو امام اور مقتدی سب ملکر بلند آواز سے آمین کہیں۔ اس کے بعد مقتدی چپ چاپ کھڑے رہیں۔ اور امام سورہ اعلیٰ یا سورہ ق پڑھے۔ جب قرأت ختم ہو جائے تو تکبیر پکارتے ہوئے رکوع میں جائے۔ رکوع اور سجدہ کی کوئی خاص دعا یا ترکیب نہیں ہے۔ جیسے اور نمازوں میں ہے ویسے ہی اس میں بھی ہے۔ جب سجدے سے فارغ ہو کر ایک رکعت پوری کرلے تو تکبیر پکارتے ہوئے دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے۔ کھڑے ہو کر قرأت شروع کرنے سے پہلے ہی پانچ مرتبہ امام پکار کر اور مقتدی آہستہ سے تکبیر کہیں۔ تکبیروں سے فارغ ہو کر بغیر دعا ثنا پڑھے ہوئے پہلی رکعت کی طرح سورۂ فاتحہ پڑھی جائے۔ پھر امام سورہ غاشیہ یا سورہ قمر پڑھے۔ قرأت سے فارغ ہو کر معمول کے مطابق رکوع سجدہ۔ قعدہ تشہد وغیرہ کے ساتھ نماز پوری کرکے سلام پھیرے۔ اگر نماز میں اتنے آدمی ہوں کہ سب لوگ امام کی تکبیر نہیں سن سکیں گے تو مقتدیوں میں سے ہر صف میں ایک دو آدمی ایسے مقرر کردیے جائیں جو امام کی آواز سنکر بلند آواز سے تکبیریں کہیں۔ اور رکوع سجدہ میں جاتے اور اٹھتے ہوئے بھی امام کی تکبیر لوگوں تک پہنچائیں۔

نماز کے بعد نماز سے فارغ ہو کر مقتدی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں اور امام کھڑا ہو کر لوگوں کو خطبہ سنائے۔ خطبہ میں عید کے احکام و فضائل وغیرہ بیان کئے جائیں۔ اور وقت و زمانے کے لحاظ سے جو ضروری باتیں ہوں مسلمانوں کو سمجھائی جائیں۔ پھر دعا کے بعد سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو جائیں جس راستہ سے عیدگاہ آئے تھے۔ اب واپس جاتے ہوئے اس کو چھوڑ کر دوسرے راستہ سے جائیں۔ یہ دن کھانے پینے اور خوشی کا ہے۔ لیکن ناجائز کھیل تماشے میں مشغول ہو کر رمضان مبارک کی تمام نیکیوں کو برباد نہیں کرنا چاہئے۔

چھ عیدی روزے جس کو توفیق اور ہمت ہو وہ عید کے دوسرے دن سے یا دو چار روز بعد سے پے درپے یا ناغہ دیکر اسی مہینے میں چھ روزے اور رکھ لے تو اس کو اللہ تعالیٰ ایک سال کے روزوں کا ثواب عنایت فرمائے گا۔ انہی روزوں کو "چھ عیدی" روزے کہا جاتا ہے۔

نکتۂ توحید

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے　　ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہئے
وہ رمز شوق کہ پوشیدہ لاالٰہ میں ہے　　طریق شیخ فقیہانہ ہو تو کیا کہئے
سرور جو حق و باطل کی کارزار میں ہے　　تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہئے
جہاں میں بندۂ حُر کے مشاہدات ہیں کیا　　تری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کہئے
مقام فقر ہے کتنا بلند شاہی سے　　روش کسی کی گدایانہ ہو تو کیا کہئے

(ضرب کلیم)

دور حاضر میں مسلمانوں کی پستی کے اسباب

(از مولوی عبیدالرحمٰن صاحب طالب اعظمی رحمانی)

اس میں شک نہیں کہ آج جبکہ بڑے بڑے مصلحان قوم و رہنمایان ملک و ملت قوم مسلم کی پستی کے اسباب کی تلاش و جستجو میں مصروف ہیں۔ پیش نظر عنوان پر مجھ جیسے ہیچمدان کے لئے قلم اٹھانا غالباً خالی از تعجب نہ ہوگا لیکن اس کے ساتھ ہی اس حقیقت سے بھی کسی طرح انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس پُرآشوب زمانے میں جبکہ مسلمانوں کی مذہبی، اخلاقی، تمدنی، معاشرتی، اور اقتصادی حالت حد درجہ تباہ و برباد ہو چکی ہے۔ ضرورت ہے کہ قوم مسلم کا ہر فرد اپنی زبوں حالی و بدحالی کو پیش نظر رکھکر اپنے گریبان میں سر ڈال کر سوچے اور غور کرے کہ آخر ہم وہی تو ہیں جن کے جاہ و جلال، شوکت و اقبال سطوت و حشمت کا خورشید سپہر ترقی کی انتہائی بلندیوں تک پہنچا ہوا تھا جسکا دنیا اور دنیا والوں پر رعب چھایا ہوا تھا۔ جن کی قوت و طاقت کے سامنے بڑے بڑے جبابرہ سلاطین کے ایوانوں میں زلزلہ آجاتا تھا فتح و کامرانی جن کے قدم چوما کرتی تھی۔ محکومی و غلامی جن کے خواب و خیال میں بھی نہیں آتی تھی لیکن آج ہمارا وہ جاہ و جلال اور ہماری وہ سطوت و عظمت کہاں گئی اور ہمیں یہ ذلت و نکبت کے اور تباہی و بربادی کے منحوس و منحوس ایام کیوں دیکھنے پڑ رہے ہیں۔ ہماری زبوں حالی و بدحالی کے دواعی و محرکات کیا ہیں، ہم کیوں اور کس وجہ سے دن بدن قعر مذلت میں گرے جا رہے ہیں ہماری وہ کونسی خطا ہے جس کی پاداش میں ہمیں محکومی و غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے۔

درحقیقت جب تک قوم مسلم کا ہر فرد اپنے تئیں اس پر ٹھنڈے دل سے نہ سوچیگا اور زوال کے صحیح اسباب پر مطلع ہوکر ان کے دفعیہ کی پوری سعی نہ کریگا اپنے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل نہیں کر سکتا۔

اس سے پہلے کہ ناظرین کی قوم مسلم کے زوال کے اسباب کی طرف رہنمائی کی جائے مناسب ہے کہ ان لوگوں کے مختلف نظریوں کو جو اس دور ترقی میں اسباب کے بارے میں پیش کرتے رہتے ہیں واضح کر دیا جائے تاکہ صحیح اسباب کی تمیز آسان ہو جائے اور یہ کہ صحیح اسباب کو کس طرح تلاش کیا جا سکتا ہے۔

غالباً یہ امر کسی پر مخفی اور پوشیدہ نہ ہوگا کہ آج بہت سے ایسے لوگ ہیں جو مسلمانوں کی پستی کے مختلف اسباب اور دواعی و محرکات کی طرف قوم کو متوجہ کرتے ہیں کسی کا نظریہ اس بارے میں کچھ ہے تو دوسرے کا کچھ اور۔ مثلاً ایک عالم در مذہبی شخص سے جب دریافت کیا جاتا ہے تو وہ نہایت یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ چونکہ مسلمانوں نے احکام شریعت سے لاپرواہی اختیار کرلی انھوں نے نماز و روزہ جیسے ضروری احکام سے پہلوتہی اختیار کرلی اسلئے دن بدن ان پر زوال آتا جاتا ہے اور اگر کسی تاجر اور تجارت پیشہ شخص سے پوچھا جاتا ہے تو وہ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ بتلاتا ہے کہ چونکہ قوم مسلم نے تجارت جیسی عمدہ چیز کو چھوڑ دیا ان کے ہاتھ میں تجارت نہیں رہی اسلئے آج دوسری قوموں کے سامنے

ذلیل وپست اور کمزور ہیں اگر آج ان کے قبضے میں تمام بڑی بڑی تجارتیں ہوتیں تو وہ اس طرح ملک میں ذلیل وخوار نظر نہ آتے۔ اگر کسی زراعت پیشہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تو وہ نہایت اطمینان اور وثوق کے ساتھ جواب دیتا ہے کہ مسلمانوں کے زوال کا حقیقی سبب صرف اور صرف یہ ہے کہ وہ زراعت کو ترک کر چکے ہیں۔ مسلمانوں کی ترقی کا راز صرف زراعت میں مضمر ہے اسی طرح اہل صنعت وحرفت پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ مسلمانوں نے جب سے صنعت وحرفت کو چھوڑ دیا ہے اسوقت سے برابر تنزل کی طرف چلے جا رہے ہیں جب تک یہ اپنے اندر صنعت وحرفت کو از سر نو زندہ نہیں کرینگے ان کی کھوئی ہوئی ترقی عود نہیں کر سکتی۔ غرض جتنے منہ اتنی بات لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ان میں سے کوئی چیز بھی مسلمانوں کی پستی کا حقیقی سبب نہیں ہے بلکہ قوم مسلم کی تباہی وبربادی مملوکی وغلامی کے حقیقی دواعی ومحرکات وہ ہیں جن کو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے دنیا کے سب سے بڑے مصلح امت اسلامیہ کے حقیقی نبض شناس رہبر اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا ہے سب سے پہلے آنحضور دور حاضرہ کے مسلمانوں کی تباہی ذلت ونکبت اور غلامی ومحکومی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں پھر اس کے اسباب وعلل پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔

عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوشك الامم ان تداعی علیکم کما تداعی الآکلۃ الی قصعتھا فقال قائل ومن قلۃ نحن یومئذ قال بل انتم یومئذ کثیر ولکنکم غثاء کغثاء السیل ولینزعن اللہ من صدور عدوکم المھابۃ منکم ولیقذفن فی قلوبکم الوھن قال قائل یا رسول اللہ وما الوھن قال حب الدنیا وکراھیۃ الموت (رواہ ابو داؤد) یعنی حضرت ثوبان فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب کفار اور گمراہ قومیں باہم اور آپس میں منظم اور متفق ہو کر تم پر یورش کریں گی اور تم پر حملہ کرنے کیلئے آپس میں ایک دوسرے کو اس طرح جمع کرینگی جس طرح کھانا کھانے والوں کی جماعت ایک دوسرے کو دستر خوان پر جمع کرتی ہے۔ حاضرین میں سے ایک صحابی نے پوچھا اے اللہ کے رسول کیا اس وجہ سے وہ ہم پر حملہ کرینگے کہ ہم اس زمانے میں اقلیت میں ہونگے آنحضورؐ نے فرمایا نہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ تم اس زمانے میں ہوگے تو بہت بڑی تعداد میں لیکن تمہاری مثال ایسی ہوگی جیسے سیلاب کے کوڑے کرکٹ ہوا کرتے ہیں یعنی تم اس زمانے میں نہایت ذلیل وخوار ہوگے اور اللہ تعالیٰ دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب ودبدبہ نکال کر تمہارے قلوب میں "وھن" ڈالدیگا۔ ایک صحابی نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول وھن کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ دنیا کی محبت اور موت کی ناگواری اور اس سے خوف وڈر"۔

امت اسلامیہ کے سب سے بڑے مصلح فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم نے اول مسلمانوں کی پستی ان کی ذلت ونکبت ور محکومی وغلامی پر روشنی ڈالی اور آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے دور حاضرہ کے مسلمانوں کی ذلت وخواری اور انکی زوری کا ایک خاکہ کھینچکر رکھدیا اور بتادیا کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا جس میں غیر مسلم اور کافر وگمراہ قومیں ہر طرف سے ح ہو کر اور آپس میں منظم ومتفق ہو کر مسلمانوں پر حملہ کرینگی اور انھیں دنیا سے مٹانے پر پوری طرح تل جائیں گی پس مسلمانو کیا نضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ بتلایا ہوا زمانہ تمہارا موجودہ زمانہ نہیں ہے کیا آج تمہاری مخالف قومیں آپس میں ملکر منظم ہو کر تمہارے سے سرزمین ہند کو پاک کرنے کے ارادے میں نہیں ہیں۔ کیا آج ہمارا دوطن اور مہا سبھائی جماعت کی جانب سے تمہارے

کانوں میں برابر یہ آواز نہیں آرہی ہے کہ ہندوستان ہندوؤں کا ملک ہے اس میں مسلمانوں کو رہنے کا کوئی حق نہیں۔ انھیں یہاں سے نکال دینا چاہیے ذرا سوچو اور غور کرو کیا تم پر ہر جگہ مخالف قوموں کی جانب سے حملے نہیں ہو رہے ہیں کیا آج تم پر ظلم وستم کے پہاڑ نہیں توڑے جا رہے ہیں آج تم ایک بہت بڑی تعداد میں ہونیکے باوجود ذلیل وخوار ہو۔

آج تمہاری مثال سیلاب کے کوڑے کرکٹ جیسی ہے غیر قوموں کی نظر میں تمہاری کوئی وقعت اور عزت نہیں تمہاری آواز کوئی آواز نہیں سمجھی جاتی اگر تم کسی چیز کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہو تو تمہاری شنوائی نہیں ہوتی، بلکہ اُسے در خور اعتنا ہی نہیں سمجھا جاتا برخلاف تمہاری دوسری ہمسایہ قوموں کے کہ وہ جس چیز کو چاہتی ہیں حکومت سے منواتیں اور ان کی کوئی آواز رائیگاں نہیں جاتی۔ پس اے مسلمانو کیا تم نے کبھی اس پر غور کیا کہ اس ذلت وخواری کا سبب کیا ہے ہم کیوں دور موجودہ میں ذلیل وپست ہوتے جارہے ہیں اگر اب تک خواب غفلت میں تھا تو ذرا بیدار ہو اور دیکھ کہ تیرے سب سے بڑے مہربان اور تیرے آقا و مولا کیا فرماتے ہیں اور تیری ذلت ونکبت کی کیا وجہ بتلا رہے ہیں اگر تو چاہتا ہے کہ تیری کھوئی ہوئی عزت وترقی عود کر آئے۔ دنیا اور دنیا والوں پر تیرا رعب چھا جائے تو فرمان رسولؐ پر بصیرت کی نگاہ ڈال اور اپنے سے ان اسباب کو نکال دے جنکی پاداش میں آج تیرا یہ برا حال ہو رہا ہے۔

اسباب زوال امت اسلامیہ کے روحانی طبیب اور مہربان مسیحا نے جہاں قوم مسلم کی پستی اور ذلت وخواری جیسے مہلک امراض کی تشخیص فرمائی وہاں ساتھ ہی ساتھ یہ بھی واضح کر دیا کہ اسباب امراض کیا ہیں مسلمانوں میں یہ امراض کن چیزوں سے پیدا ہونگے آپ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب وخوف نکالدے گا تمہارے مخالفین پر کوئی رعب ودبدبہ نہ ہوگا اور تمہارے دلوں پر سستی وغفلت کے پردے ڈالدیے جائیں گے جس کی وجہ سے تم ذلت وخواری کی حالت میں ظلم وستم کے تختۂ مشق بنے رہوگے۔

جب آپ سے اس کے اسباب دریافت کیے گئے تو آپ نے فرمایا "دنیا کی محبت والفت اور موت کا ڈر" یہ وہ اسباب ہونگے جن کی بنا پر قوم مسلم سست اور بزدل ہو کر ذلیل وخوار ہوگی۔

درحقیقت دور موجودہ میں مسلمانوں کی تباہی اور بربادی اور مظلومیت کے اسباب وہی ہیں جنھیں صادق ومصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آج سے بہت پہلے بیان فرمادیا غور سے دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوجائے گا کہ آج قوم مسلم کے قلوب میں حب الدنیا یعنی دنیا سے رغبت اور اس سے لگاوٹ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اس کی نگاہ غلط انداز میں اگر کوئی محبوب ترین چیز ہوسکتی ہے تو دنیا ہے اور اس کے علاوہ سب کچھ ہیچ ولاشئ محض آخرت اور بعد کی آنے والی زندگی اس کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتی اس کے نزدیک حقیقی زندگی یہی دنیا کی زندگی ہے وہ دنیا کے آرام کو حقیقی آرام سمجھے ہوئے ہے وہ نہیں چاہتا کہ دنیا سے کبھی جدائی ہو بس کیا ایسی صورت میں وہ اپنی حالت درست کرنے کیلئے اور اپنے سے محکومی اور غلامی کے بندھن کو کاٹنے اور ظالم قوموں سے نجات حاصل کرنے کیلئے سر بکف میدان میں آسکتی ہے ہرگز نہیں آسکتی کیونکہ اسے دنیا کی محبت نے اسقدر وارفتہ بنادیا ہے کہ اس میں جوش جہاد باقی نہیں رہا وہ سمجھتی ہے کہ اگر ایسا کیا گیا تو دنیا کا سارا عیش وآرام یکسر خاک میں ملجائیگا۔

غرض آج دنیا کی محبت نے مسلمانوں کو بالکل نکما اور اپاہج بنادیا ہے ان کے جوش جہاد کو ان کے قلوب سے نکالکر اُنھیں

بزدل اور کمزور کردیا ہے جس سے وہ دوسری قوموں کے سامنے باوجود ایک بڑی تعداد میں ہونے کے ذلیل و پست ہیں اور محکومی و غلامی کی ناخوشگوار زندگی گذار رہے ہیں۔ اگر آج دنیا کی محبت کے سبب ان کے قلوب پر غفلت و سستی اور بزدلی کا پردہ نہ پڑا ہوتا تو یہ دوسری قوموں اور غیر ملکی حکومت کے پنجۂ استبداد میں جکڑے ہوئے محکومی و غلامی اور ذلت و نکبت کی زندگی نہ بسر کرتے بلکہ بہت پہلے ہی اس غلامی کے جوئے کو اپنے کندھے سے اتار پھینک دیتے۔

پس اے مسلم خوابیدہ اٹھ اور ہوش میں آ اور ایک نظر اپنے اسلاف کی زندگی پر بھی ڈال جنھوں نے اقلیت میں ہونیکے باوجود بہت ہی جلد اور ایک قلیل عرصہ میں اپنی حکومت و سلطنت کا پرچم دنیا کے گوشے گوشے میں لہرا دیا۔ کیوں؟ اسلئے کہ انھیں دنیا سے محبت نہیں تھی ان کے قلوب پر دنیا کی الفت نے بزدلی اور غفلت کا پردہ نہیں ڈال رکھا تھا، ان کی نظر میں آخرت تھی وہ اپنی متاع کامیابی اور زندگی کی ساری خوشی آخرت کو سمجھے ہوئے تھے۔ اسی لئے وہ میدان جہاد میں آنے سے بالکل دریغ نہیں کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بہت جلد اپنے کو آزاد اور خلیفۃ اللہ فی الارض دیکھنے لگے۔

جس طرح دنیا کی محبت والفت انسان کو اپاہج پست و کمزور کردیتی ہے اسی طرح موت کا ڈر اور اس سے گریز کرنا بھی کہیں زیادہ انسان کو پست ہمت و بزدل بنا کر دوسروں کے سامنے ذلیل و رسوا کرکے چھوڑتا ہے۔ اگر باور اور یقین نہ آتا ہو تو دنیا کی قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ پر نظر ڈالو۔ یہ امر روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہوجائے گا کہ جس قوم نے موت کو حیات پر ترجیح دیا اور موت کے تلخ جام کو خوشی کے ساتھ منہ سے لگایا، اس قوم نے کبھی دنیا میں پست و ذلیل اور محکوم و غلام بنکر زندگی نہیں بسر کی جب تک دنیا میں زندہ رہی ہمیشہ سربلند ہوکر رہی اور جس قوم میں موت سے خوف و ہراس کا احساس پیدا ہوا۔ اور مظلومی و محکومی کی ذلت آمیز حیات کو موت سے بہتر خیال کیا وہ قوم بہت جلد بزدل اور اپاہج ہوکر صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حیات مبارکہ کا بغور مطالعہ کرو تو تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ ان کی ترقی و عروج کا سبب یہی تھا کہ ان میں موت کا ڈر نہیں تھا وہ اپنی ترقی اور عزت اور آزادی کی راہ میں موت کے تلخ جام کو نہایت مسرت اور خوشی کے ساتھ اپنے ہونٹوں سے لگا لیتے تھے۔ ان میں جذبۂ جہاد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا یہی وجہ تھی کہ بڑی سے بڑی قوموں نے انھیں دنیا سے مٹانا چاہا لیکن نہ مٹا سکیں۔ کیا غزوۂ بدر کا نقشہ تمہاری نظروں کے سامنے نہیں ہے؟ جس میں تین سو تیرہ نہتے مگر بہادر اور جانباز مسلمانوں نے اپنے جذبۂ جہاد اور موت سے نہ ڈرنے کے سبب ایک بھاری اور ٹڈی دل فوج پر غلبہ حاصل کرلیا۔

صحابہ کرام میں اگر جذبۂ جہاد اور موت سے نہ ڈرنے کا منظر دیکھنا ہو تو ذیل کے واقعات پر بصیرت کی نگاہ ڈالو۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو جسوقت کفار قتل کرنے کے لئے میدان میں لائے تو انھوں نے موت کے تلخ جام کو نہایت مسرت اور فرحت محسوس کرتے ہوئے پی کر یہ کہتے ہوئے جان دی ؎

وقد خیرونی الکفر والموت دونہ — وقد ذرفت عینای من غیر مجزع

یعنی کفار نے یہ کہدیا ہے کہ کفر اختیار کرنے سے مجھے آزادی مل سکتی ہے مگر اس سے موت میرے لئے بہت سہل ہے میری آنکھوں سے آنسو لگاتار جاری ہیں مگر مجھے کچھ ناشکیبائی نہیں جسوقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کی تیاری کرنے لگے

توحضرت عبداللہ ذوالبجادین نے آپ کی خدمت میں آکر عرض کیا یا رسول اللہ دعا فرمایئے کہ میں راہ خدا میں شہید ہو جاؤں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ کسی درخت کا چھلکا اتار لاؤ جب عبداللہ چھلکا لے آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چھلکا ان کے بازو پر باندھ دیا اور پھر زبان مبارک سے فرمایا الٰہی میں کفار پر انکا خون حرام کرتا ہوں لیکن حضرت عبداللہؓ نے راہ خدا میں جان دینے اور شہادت کے جذبہ سے سرشار ہو کر فرمایا یا رسول اللہ میں تو شہادت کا طالب ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب غزوہ کی نیت سے تم نکلو اور پھر تپ آجائے اور مر جاؤ تب بھی شہید ہی ہوگے۔ چنانچہ تبوک پہنچکر یہی ہوا کہ تپ چڑھا اور عبداللہ عالم بقا کو سدھار گئے۔

خلافت فاروقی کے زمانے میں جسوقت میدان قادسیہ میں مسلمانوں کا ایرانی فوج سے مقابلہ ہو رہا تھا اور نہایت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی عین اسی وقت حضرت ابوالمحجن مشہور شجاع اور بہادر کسی جرم کی پاداش میں مسلمانوں کے ہاتھ میں مقید ہیں پاؤں میں بھاری بیڑیاں پڑی ہیں اور تنہائی کی قید میں پڑے ہوئے برابر میدان جنگ کا نظارہ کر رہے ہیں اپنے مسلم بھائیوں کا جام شہادت پینا اور کفار کا برابر حملے کرنا بھی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور ساتھ ہی اپنی بے بسی اور بے کسی پر آٹھ آٹھ آنسو رو رہے ہیں آخر کب تک؟ صبر کا پیمانہ چھلک پڑتا ہے دہاڑیں مار مار کر بلک بلک کر رونے لگتے ہیں، اور بہادرانہ اور مجاہدانہ جذبے سے متاثر ہو کر بے اختیار پکار اٹھتے ہیں ؎

کفی حزنا ان تطرد الخیل بالقنا واترک مشدودا علی وثاقیا

یعنی اس سے زیادہ رنج وغم کیا ہوگا کہ لشکر اسلام راہ خدا میں جانبازیاں کرے اور میں بے کس ولاچار قید وبند میں پڑا رہوں اور میرے پاؤں بوجھل بیڑیوں سے ہل جل نہیں سکتے۔ سنگین دروازوں کے آہنی قفل مجھے میدان جہاد سے روکے ہوئے ہیں۔ امیر لشکر حضرت سعد کی صاحبزادی ان کی گریہ وزاری کو سنکر ان کے پاس آتی ہیں اور پوچھتی ہیں اے مجاہد ملت اور اے اسلام کے جانباز سپاہی تمہیں کیا تکلیف ہے کہ اس قدر گریہ وزاری کر رہے ہو۔ فرماتے ہیں بہن میں کسی تکلیف کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں بلکہ غم اس بات کا ہے کہ مسلمان راہ خدا میں موت اور شہادت کے جام پر جام پی رہے ہیں اور میں خون دل پی رہا ہوں وہ میدان جہاد میں سرفروشی دکھلا رہے ہیں اور میں قید وبند میں بے بس پڑا ہوں۔ بڑی نوازش ہوگی اگر آپ مجھے تھوڑی دیر کے لئے پاؤں کی بیڑیاں کھولکر آزاد کر دیں میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر زندہ بچا تو واپس آکر پھر مقید ہو جاؤنگا صاحبزادی ان کی بیڑیاں کھولدیتی ہیں پھر کیا تھا یہ مسلم بہادر شوق شہادت میں مجاہدانہ اسپرٹ لئے ہوئے قید سے باہر آتے ہیں اور حضرت سعد کے گھوڑے پر جو اس وقت خالی تھا سوار ہو کر ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے شیر کی طرح لشکر کفار پر پل پڑتے ہیں اور اس طرح حملہ آور ہوتے ہیں کہ تھوڑی دیر میں جنگ کا نقشہ پلٹ جاتا ہے اور لشکر کفار میں بھاگڑ شروع ہو جاتی ہے۔ دیکھا آپ نے یہی تھی وہ موت سے بے ڈری اور شوق شہادت جس نے دشمنوں کے چھکے چھڑا دیئے اور مسلمانوں کو فتح وکامرانی سے ہمکنار کرایا۔

دور کیوں جاتے ہو تیرہویں صدی ہجری اور انیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی دور کے مسلمانوں پر نظر کرو کہ ان کے اندر راہ خدا میں جان دینے اور جذبۂ جہاد کسقدر تھا جس سے انھوں نے پنجاب کی سکھ حکومت سے جس کے علاقہ میں

مان مذہبی آزادی اور شہری حقوق سے محروم تھے مسلمانان پنجاب کو کس طرح نجات دلائی۔ اگر تم ان کے جذبہ جہاد اور ان کی جانبازی کا اندازہ کرنا چاہتے ہو تو ڈاکٹر ہنٹر کی اس روایت کو بغور دیکھو۔

> صوبہ متحدہ کے ایک انگریز کارخانہ دار نیل کا بیان ہے کہ جس طرح اس کے ہندو ملازم اپنے بزرگوں (پرکھوں) کی شرادھ کے لئے چھٹی مانگتے تھے اسی طرح مسلمان ملازم یہ کہکر چند ماہ کی رخصت لے لیتے تھے کہ انھیں فریضۂ جہاد کے ادا کرنے کے لئے مجاہدین کے ساتھ شریک ہونا ہے۔ (انڈین مسلمانز)

مسلمانو! آج اگر تم میں یہ دنیا کی الفت اور موت سے خوف کا بزدلانہ جذبہ نہ ہوتا تو تم بھی بہت پہلے اپنے آپ کو آزاد اور باعزت دیکھتے دنیا کی تمام قومیں تم سے خوف کھاتیں اور کسی کی مجال نہ ہوتی کہ تم پر حملے کے کیا معنی آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ لیکن وائے برحال مسلم کہ آج اس کو دنیا داری اور دنیا کے مال ومتاع کی محبت اور موت کے خوف نے اسقدر اپاہج اور نکما بنا دیا ہے کہ اس میں سوائے بلند بانگ دعووں اور دھواں دھار تقریروں کے عملی کام کا چسکا رہا ہی نہیں جس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ ہر جگہ مسلمان تباہ و برباد ہو رہے ہیں اور دوسری قومیں ان پر بری طرح ظلم وستم کر رہی ہیں۔

پس اے مسلمانو اگر تم چاہتے ہو کہ پھر دنیا میں سربلند اور با اقبال ہو کر رہو اور عالم میں ہر طرف تمہاری ہی دھوم ہو اور تمہاری کھوئی ہوئی ترقی وعزت عود کر آئے تو قرون اولیٰ کے مسلمانوں جیسا جذبۂ جہاد اور موت سے بے ڈری اپنے اندر پیدا کرو اور دنیا کی الفت ومحبت اور موت سے بھاگنے کے بزدلانہ اور ذلت آمیز جذبے کو دل سے نکالکر احساسِ عمل کو جگہ دو۔

منکرین حدیث کی قرآن دانی

رسالہ "شان حدیث" کا ایک صفحہ[ع]

(از جناب مولانا عبد الصمد صاحب مبارکپوری)

"منکرین حدیث" اور بلفظ دیگر "اہل قرآن" جو عالم وعامل بالقرآن ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں اور (بزعم خود) قرآن کے سوا حدیث وسنت کو بے کار وبے اصل سمجھتے ہیں انھوں نے اسلام اور مسلمانوں میں اختلاف اور فتنہ کا ایک نیا دروازہ کھولکر اسلام کے مٹانے اور مسلمانوں کی دنیا وعاقبت تباہ کرنے پر کمر باندھی ہے۔ ان کی اور خرابیوں کا ذکر اس وقت نہیں کیا جاتا صرف ان کی "قرآن دانی" اور "مہارت فی القرآن" کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ لوگ ان کے شر و فتنہ سے بچیں۔ پس ملاحظہ ہو

[ع] مولانا موصوف نے منکرین حدیث کے رد میں ایک کتاب اسی نام سے لکھی ہے ابھی وہ چھپی نہیں ہے۔ اسی کتاب کا یہ ایک ٹکڑا ہے جو مولانا نے ہمارے پاس اشاعت کیلئے بھیجا ہے ہم شکریہ کے ساتھ اسے شائع کر رہے ہیں۔ (محدث)

عبارت غیر صحیحہ نوشتہ منکر حدیث	عبارت صحیحہ در قرآن مجید
واذ اخذ اللہ میثاق الذین للناس ولا یکتمونہ (ہیں منکر حدیث کیوں ہوا ص۳)	وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَہٗ (آل عمران)
ولا تحسبن الذین یفرحوا بما اتو" (بحوالہ مذکور)	لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا (آل عمران)
ترجی من تشاء سھن (کتاب مذکور ص۳)	تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ (سورہ احزاب)
افلا یتدبرون القرآن۔ ام علی قلوبھم اقفالھا (کتاب مذکور ص۵)	اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (سورہ محمد)
رب الشرح لی صدری ویسرلی امری (کتاب مذکور ص۶)	رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ (طٰہٰ)
یا ایھا المدثر قم اللیل الا قلیلا (کتاب مذکور ص۲)	یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا (مزمل)
وَلَا یُقِیْمُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَزْنًا (کتاب مذکور ص۲۹ سطر ۲۷ و ۲۹)	فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا ۝ (سورۃ الکہف)
اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلاً ومن الناس (ریحان القرآن ص۱)	اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (سورہ حج۔ رکوع اخیر)
کتابًا احکمت ایاتہ ثم فصلت من الدن حکیم خبیر (ریحان القرآن ص۱)	کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ (سورہ ہود)
وانزل اللہ علیک الکتاب ولحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم (کتاب مذکور ص۳)	وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (سورہ نساء)
یوصی کم اللہ فی اولادکم (حوالہ مذکور ص۱)	یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْٓ اَوْلَادِكُمْ (نساء)
ربی شرح لی صدری (ایضاً ص۶۵)	رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ (طٰہٰ)
القی الشیطن فی امنیہ (ایضاً ص۶۶)	اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِهٖ (سورہ حج)
ومناۃ الثالثتہ الاخرٰ (ایضاً ص۶۶)	وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی (النجم)
ثم عفونا عنکم لعلکم تشکرون۔ (ایضاً ص۶۷)	ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (سورہ بقرہ)
اولئک کل الانعام بل ھم اضل اولئک ھم الغفلون وللہ الاسماء الحسنی فدعوہ بھا (ریحان ص۹۲)	اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا (سورۃ الاعراف)

ان الظن لا یغنی عن الحق شیئا (مطالعہ حدیث ص۱۰)	اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (سورہ یونس رکوع ۴ و سورہ النجم)
وابصارھم غشاوۃ (مطالعہ حدیث ص۱۵)	وَعَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ (بقرہ)
لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق و المغرب ولکن البر من اٰمن باللہ وعمل صالحا (مطالعہ حدیث ص۳۵)	لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ الآیۃ (بقرہ)۔

اللہ اکبر! یہ منکرین حدیث کس قدر بیباک ہیں کہ آیات قرآنی میں اس قدر تصرف کرتے اور انکل پچو ہیر پھیر کرکے کچھ کا کچھ لکھ دیتے ہیں۔ اس اخیر آیت میں پوری آیت بھر میں وعمل صالحًا کا لفظ آیا ہی نہیں ہے لیکن لکھ مارا۔

واضح ہو کہ الفاظ و عبارت میں گھٹانے بڑھانے تغیر و تبدل کرنے اور اعراب و حرکات کے بدلنے اور پھیر پھار کرنے سے کلام میں تین چار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

(۱) کلام کے معنی بدل جاتے ہیں جس سے مقصود اور کا اور ہو جاتا ہے۔

(۲) کلام کا معنی ناقص و ناتمام ہو جاتا ہے۔

(۳) کلام مہمل اور بے معنی ہو جاتا ہے۔

(۴) کلام میں معنی کی زیادتی ہو جاتی ہے جو اصل کلام میں نہیں تھی۔

جو نمونہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے اس میں یہ سب خرابیاں موجود ہیں۔ ان منکرین حدیث کی اس قسم کی تحریریں بلکہ تحریفیں دیکھکر دل کانپ جاتا ہے۔ اور سخت تعجب ہوتا ہے کہ اسقدر تصرف کرنے اور آیات کو غلط و محرف لکھنے کی ان کو کیسے جرأت ہوتی ہے۔ اگر قصدًا لکھتے تو کفر اور جرم عظیم ہے۔ اور اگر سہوًا و نسیانًا ہے تو کسی ماہر قرآن عالم سے قرآن سیکھنا چاہیئے اس کے بعد تصنیف و تالیف کے میدان میں قدم رکھنا چاہیئے۔ ناظرین ان کے شر و فتنہ سے آگاہ ہو کر اجتناب کریں فقط۔ وما علینا الا البلاغ۔

پنجابی مسلمان

مذہب میں بہت تازہ پسند اسکی طبیعت
کرلے کہیں منزل تو گذرتا ہے بہت جلد

تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد

تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد

(ضرب کلیم)

توحید باریتعالیٰ

(از جناب حافظ اخلاق احمد صاحب اکبر آبادی)

دوستو! تمام ارکان واعمال کی مقبولیت کا انحصار توحید پر ہے اور یہی وہ چیز ہے کہ جس نے ہم کو امتیازی شان بخشی لیکن ہم نے اس کی قدر نہ کی بلکہ غیر اسلامی روایات میں پڑ کر اپنی امتیازی شان کھوئی اور ذلیل ہوئے کیونکہ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ (پ۲۴ س زمر ع۴) کا مطلب یہ ہے کہ بندہ غیر اللہ کی طرف مائل نہ ہو اور اسے اپنا حاجت روا نہ سمجھے مگر صد حیف کہ آج اسے نظر انداز کر دیا گیا ؎

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے — لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اس واسطے کہ زبان سے صرف کلمہ پڑھنے کا نام مسلمانی نہیں بلکہ مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہر عمل میں شانِ توحید نظر آئے جو ذات احدیت میں غیر کی شرکت روا نہ رکھے۔ جس کے ہاتھ اسی کی طرف اٹھیں۔ جس کی نظریں اسی کے رحم وکرم پر رہیں جس کے دل میں صرف اسی کا خوف ہو جو اسی کو حاجت روا و مشکل کشا سمجھے۔ جس کا ہر عمل اسی کی رضا جوئی کیلئے ہو۔ یوں تو قرآن مجید میں توحید کی خوبی اور عظمت اور شرک کی برائی و مذمت پر آپ کو بہت سی مثالیں ملیں گی لیکن ذیل کی آیت اپنے مخصوص انداز میں قابل غور ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَوْلِیَآءَ کَمَثَلِ الْعَنْکَبُوْتِ ج اِتَّخَذَتْ بَیْتًا ط وَاِنَّ اَوْھَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ ۘ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝ (پ۲۰ س عنکبوت ع۴) یعنی مثال ان لوگوں کی جنھوں نے تجویز کیا مددگار اللہ کے سوا مانند مکڑی کے ہے جس نے بنایا گھر اور تحقیق زیادہ کمزور گھروں کا البتہ گھر مکڑی کا ہے کاش کہ وہ جان لیتے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّاِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ (مشکوۃ) یعنی مت شریک کر تو اللہ کے ساتھ کسی کو اگرچہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے اور جلا دیا جائے۔

پس ہماری مثال اس دہقانی کی سی ہے جو اندھیری رات میں شیر کو بیل سمجھ کر اس پر ہاتھ پھیرنے لگا کیونکہ اگر روشنی ہوتی تو اس کی دہشت سے اس کا پتہ پھٹ جاتا۔ اسی طرح ہم نے اللہ تعالیٰ سے محبت نہ کی اور اس کے نام کی عزت کو نہ سمجھا ورنہ معلوم ہو جاتا کہ شان احدیت کیا ہے ؎

زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنا یا ہے بتِ پندار کو اپنا خدا تو نے

سنہ ۱۹۴۰ء کی مردم شماری اور اُردو

حامیان اردو کو مولانا عبدالحق کا ضروری انتباہ

مولانا عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اردو نے "ہماری زبان" کی تازہ اشاعت میں حسب ذیل اہم نوٹ قلمبند فرمایا ہے۔

سنہ ۱۹۴۰ء کی مردم شماری کے انتظام ابھی سے ہو رہے ہیں۔ مردم شماری کی رپورٹ بہت کارآمد ہوتی ہے، اقتصادی، لسانی، معاشرتی امور پر بحث کرتے وقت اسی رپورٹ سے اعداد و شمار پیش کئے جاتے ہیں۔ خاص کر زبان کے اعداد و شمار کا اس کے سوا کوئی ذریعہ ہی نہیں۔ ان اعداد کی صحت پر ہماری بحثوں اور نتیجوں کی صحت مبنی ہے۔ لیکن پچھلی مردم شماریوں کے تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ شمار کنندے بے پروائی یا جانب داری سے اس معاملہ میں صحت کا خیال نہیں کرتے۔ اور اپنی زبان کی تعداد زیادہ دکھانے کی خاطر غلط اندراج کر دیتے ہیں۔ اس میں زیادہ تر گھاٹے میں وہ قومیں رہتی ہیں جو اقلیت میں ہیں کیونکہ شمار کنندوں کی زیادہ تر تعداد اس قوم کی ہوتی ہے جو اکثریت میں ہے۔ گزشتہ مردم شماری کا ذکر ہے کہ ہمارے ایک انجنیر دوست جو بہت قابل شخص ہیں مردم شماری کی شب کو سفر میں تھے جب ریل بڑودہ پہنچی تو شمار کنندے نے مسافروں کا اندراج کرنا شروع کیا۔ انجنیر صاحب کے پاس بھی آیا اور نام وغیرہ پوچھکر خانہ پری کرنے لگا۔ جب زبان کا خانہ آیا تو پوچھا کہ آپ کی مادری زبان کیا ہے انھوں نے کہا اردو لیکن اس دیدہ دلیری کو دیکھئے کہ اس نے بجائے اردو کے ہندی لکھدی۔ اتفاق سے انجنیر صاحب گجراتی حروف جانتے تھے انھوں نے اعتراض کیا کہ یہ تم نے کیا کیا میں نے اردو کہا تھا اور تم نے ہندی لکھدی۔ کہنے لگا یہ تو معمولی سی بات ہے آپ اس پہ کیوں حجت کرتے ہیں انھوں نے کہا یہ معمولی بات نہیں ہے جو میں نے کہی ہے تمہیں وہی لکھنا پڑیگا اس نے نہ مانا اور جب انھوں نے بہت اصرار کیا اور ذرا سختی برتی تو کہنے لگا ہمیں ایسی ہی ہدایت ہوئی ہے اس پہ انجنیر صاحب نے کہا اگر یہ بات ہے تو آگے میں تمہیں اپنی نسبت کچھ نہیں بتاؤنگا تمہارا جو جی چاہے لکھ لو۔ اس نے ذرا تیز ہو کر کہا کہ یہ جرم ہے اور اگر آپ نہیں بتائینگے تو میں پولیس کو اطلاع دونگا انھوں نے کہا کہ جرم کا ارتکاب تم نے کیا ہے کہ اندراج میں غلط بیانی کی جب اس نے دیکھا کہ یہ آدمی بے ڈھب ہے تو اس نے مجبوراً ہندی کاٹ کر اردو لکھدی۔ جب ایک ذی حیثیت اور قابل شخص کے ساتھ یہ برتاؤ ہوا تو آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ دوسروں اور خاصکر ان پڑھ لوگوں کے حق میں کیسی کچھ نا انصافی نہ ہوتی ہوگی وہ نہ لڑ سکتے ہیں اور نہ پڑھ سکتے ہیں۔

چونکہ اس زمانے میں زبان کا مسئلہ بہت اہم ہو گیا ہے اور ہندی اردو کے جھگڑے کی وجہ سے دلوں میں صفائی نہیں رہی اسلئے ہر ایک سے انصاف کی توقع نہیں کی جا سکتی لہذا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ابھی سے آگاہ کر دوں کہ مردم شماری کے وقت اس کی خاص احتیاط کی جائے اور اس امر کی نگرانی رکھی جائے کہ لکھنے والے نے زبان کے خانے میں وہی لکھا ہے جو آپ نے بتایا تھا کچھ اور تو نہیں لکھدیا۔ یہ بھی یاد رہے کہ مردم شماری کے گوشواروں میں زبان کے دو خانے ہوتے ہیں ایک مادری زبان کا اور دوسرا دوسری زبان کا اگر آپ کی مادری زبان اردو ہے تو اس خانہ میں اردو لکھوائی جائے اور اگر آپ کی مادری زبان کچھ اور ہے لیکن آپ اردو بھی جانتے ہیں تو دوسرے خانہ میں اردو لکھوائیے اور دیکھ لیجئے کہ اردو لکھی ہے یا نہیں۔

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب پرنٹر و پبلشر نے جید پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع کیا۔

یادگار فدائے علم و دین جناب شیخ عطاء الرحمن صاحب مرحوم و مغفور

رسالہ

کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ
دہلی
DELHI

محدث دہلی

ملکیت

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم دار الحدیث رحمانیہ دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

محدث
دہلی

نگران اصول
مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

نمبر ۸	ماہ دسمبر ۱۹۳۹ء مطابق شوال المکرم ۱۳۵۸ ہجری	جلد ۷

فہرست مضامین

پتہ

منیجر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی

یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ اور چار آنے محصول ڈاک کے لئے بھیج دینے پر سال بھر مفت بھیجا جاتا ہے (منیجر)

جوتہ بناتے تھے انھوں نے ہی لانڈ جارج کی تعلیم وتربیت کی تو غالباً لانڈ جارج کے والد بھی اسی کام کو کرتے ہوں گے۔ لیکن لانڈ جارج ذلیل نہ سمجھے گئے بڑے بڑے حسیب ونسیب شریف ان کے سلام کی تمناؤں میں انگلستان گئے اور ان کی ملاقاتوں کو فخر ومباہات کے ساتھ بیان کیا اگر وہ ہندوستان آتے تو آپ فخریہ قدمبوسی کرتے ہندوستان سے باہر کوئی پیشہ ذات نہیں سمجھا جاتا اسی حقیقت نفس الامری کو ملحوظ رکھکر مولوی اسمٰعیل صاحب نے محض ان ہندوستانیوں کے سمجھانے کو جو پیشہ کو ذات اور پیشہ ور کو ذلیل جانتے ہیں جن میں ابھی شرک وبت پرستی موجود ہے جواب بھی اپنے کفار آبا واجداد کی طرح ذات پات شودر کمین وغیرہ خیال دماغ میں رکھتے ہیں۔ جواب بھی نومسلم کو ذلیل سمجھتے ہیں لکھا ہے کہ جس طرح تم ایک بادشاہ کے آگے چمار کو ذلیل جانتے ہو۔ اس اللہ جل جلالہ کے مقابل جو ساری دنیا کا بادشاہ ہے جو شاہنشاہ ہے للہ العزۃ جمیعا جس کے لئے تمام عزتیں ہیں ولہ الکبریاء فی السموات والارض اسی کے لئے ساری زمین وآسمان کی بڑائیاں ہیں تمام بڑی سے بڑی مخلوق امیر کبیر راجہ مہاراجہ نواب بادشاہ امیر وزیر لفٹنٹ گورنر وائسرائے شیخ سدو کالی بھوانی زین خاں لال گرو پیر فقیر وغیرہ وغیرہ جن کو تم بڑا باعزت قدرت وقوت والا جانتے ہو اس ایک بادشاہ حقیقی کے مقابل جنھیں تم ذلیل جانتے ہو مثلاً بھنگی چمار چوہڑا نٹ کنجر وغیرہ سے زائد ذلیل یعنی ہیچ لاچار، مجبور، کمزور، بے طاقت، بے بس ہیں اسلئے کہ تم جو کسی چمار کو بادشاہ کے مقابل یا خود بادشاہ ذلیل جانتا ہے تو ساتھ ہی اسکے وہ اس چمار کو اپنی ہی مانند ذی روح انسان اولاد آدم ہاتھ پاؤں آنکھ ناک والا اپنی ہی طرح بندہ اور مخلوق اپنے ہی مثل آدمی جانتا ہے اور در حقیقت ہر بھنگی چمار آدم کی اولاد ہونیکی وجہ سے پیمبر زادہ ہے۔ لیکن خالق مطلق کسی کو بھی اپنے مثل نظیر مساوی نہیں جانتا نہ کوئی انسان حور فرشتہ جن اس کے مقابل باعزت ہے پس جس درجہ آپ نے ایک بادشاہ کے مقابلہ میں چمار کو ذلیل جانا تھا اس سے زائد ایک بندہ اپنے معبود کے سامنے ذلیل عاجز ضعیف مجبور لاچار ہے۔

بحث عزت وذلت | **ھفتم** مولوی اسمٰعیل صاحب نے جو ذلیل لکھا ہے اس کے یہ معنی نہیں جو آپ سمجھے ہیں اولاً یہ سمجھ لیجئے کہ ایک لفظ اپنے معنی لغوی اور حقیقی میں استعمال ہوتا ہے کبھی لفظ معنی عرفی یا مجازی یا اصطلاحی میں کبھی وہی لفظ غیر زبان میں دوسرے معنی میں مستعمل ہوتا ہے مثلاً لفظ مکر اس کے معنی تدبیر کے ہیں وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ۔ ان لوگوں نے تدبیریں کیں اور اللہ نے تدبیر کی اللہ بہتر تدبیر کرنیوالا ہے لیکن یہی لفظ مکر اردو میں اپنے اصلی معنی کے خلاف دغا اور دہوکے کے معنی میں مستعمل ہے۔ اسی طرح لفظ ذلیل ہے ذلیل کے معنی ضعیف اور قلیل ہیں مفردات امام راغب میں ہے الذل ما کان عن قہر ویقال الذل القل والذلۃ القلۃ ذل وہ ہے جو قہر کے ساتھ ہو اور ذل کے معنی قل کمی اور ذلت کے معنی قلت کے ہیں۔ امام رازی تفسیر میں لکھتے ہیں معنی الذل الضعف عن المقاومۃ ونقیضہ العزۃ وھو القوۃ ذل کے معنی مقابلہ سے عاجزی ہے اور اس کی نقیض عزت ہے عزت کے معنی قوت ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی اور تم کمزور تھے۔ تفسیر ابو سعود میں ہے۔ اذلۃ جمع ذلیل وان جمع جمع القلۃ للایذان باتصافہم حینئذ بوصفی القلۃ والذلۃ اذا کانوا ثلاثمائۃ وبضعۃ عشر وکان ضعف حالہم فی الغایۃ اذلہ ذلیل کی جمع ہے اور یہ جمع جمع قلت ہے وہ

اسلئے تاکہ معلوم ہوجائے کہ قلت کی دونوں صفتوں یعنی کمی تعداد اور کمزوری سے موصوف تھے اسلئے کہ وہ لوگ تین سو دس اور کچھ تھے اور ان کی حالت نہایت خراب تھی تفسیر بیضاوی میں ہے وانما قال اذلة ولم یقل ذلائل لید ل علی قلتهم وذلتهم بضعف الحال وقلة المراکب والسلاح یعنی اذلہ کہا ذلائل نہیں کہا تاکہ معلوم ہوجائے کہ ان کی تعداد کم تھی اور وہ باعتبار ہتیاروں اور سواریوں کے کمزور تھے۔ امام راغب مفردات میں لکھتے ہیں القهر هو الغلبة والتذلیل معًا ویستعمل فی کل واحد منهما قہر کے معنی غلبہ یا تذلیل ہیں اور دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے پس ذلیل کے معنی کمزور ضعیف، قلیل، عاجز کے ہیں نہ وہ جو کہ آپ سمجھے ہیں اور چونکہ درحقیقت انسان ضعیف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وخلق الانسان ضعیفا انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے پس لفظ ذلیل انسان کے لئے نہایت ہی موزوں اور مناسب لفظ ہے اسی کے مقابل اللہ غالب قہار جبار قوی عزیز ہے ان العزة لله جمیعا تمام عزتیں اللہ ہی کے لئے ہیں هو القاهر فوق عباده وہی اپنے بندوں پر غالب ہے۔ تفسیر جلالین میں ہے ان العزة لله جمیعا ان القوة لله جمیعا سب قوتیں اللہ ہی کے لئے ہیں دیکھو عزة کی تفسیر لفظ قوة سے کی۔ اسی طرح آیۃ ان کل من فی السموات والارض الا اتی الرحمٰن عبدا کی تفسیر میں عبد کے معنی ذلیل و عاجز لکھے ہیں تفسیر معالم التنزیل میں ہے والعبادة الطاعة مع التذلل عبادت کے معنی طاعت مع ذلت ہیں اور لکھا ہے وسمی العبد عبداً الذلته وانقیادہ بندہ کو بندہ اس کی ذلت و فرمانبرداری کیوجہ سے کہا گیا۔ تفسیر مدارک میں ہے العبادة اقصی غایة الخضوع والتذلل عبادت انتہائی خضوع و ذلت ہے تفسیر نقشبندی میں ہے والعبادة الطاعة مع التذلل والخضوع طاعت مع ذلت و عجز کا نام عبادت ہے۔ تفسیر فتح العزیز میں ہے حقیقت عبادت نہایت تذلل است برائے نہایت تعظیم غیر خود چوں باختیار صادر شود۔ اپنے اختیار سے اپنے غیر کی انتہائی تعظیم اپنی انتہائی ذلت کے ساتھ کرنا عبادت ہے۔ اب آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ عزت کے معنی قوت غلبہ اور ذلت کے معنی قلت عجز پس جس جگہ تقابل ہوگا وہاں اللہ کے لئے عزیز و قوی اور بندے کیلئے ذلیل عاجز، ضعیف مستعمل ہوگا۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ لفظ عبد و ذلیل باہم مرادف ہیں اب قدرتاً ثابت ہوگیا کہ جو کوئی عبد ہے وہ ذلیل ہے اور چونکہ ہر انسان عبد ہے پس ہر انسان ذلیل ہے اس پر بتایئے کہ مولوی اسمٰعیل صاحبؒ نے کیا برائی کی، ساتھ ہی یہ بھی خیال رہے کہ اس زمانے کی اردو زمانہ حال کے بالکل خلاف تھی وہ اردو کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اس زمانہ میں تمام غیر زبانوں کے لفظ اپنے اصلی معنی میں مستعمل ہوتے تھے اب اگر آپ اس لفظ کو کسی اور معنی میں استعمال کرنے لگیں تو ان پر کیا اعتراض اب اس فقرے کے یہ معنی ہوئے کہ ایک بادشاہ کے مقابل میں ایک چمار کی عزت جسقدر آپ نے مانی تھی اسی نسبت سے کہیں زائد ایک اس آدمی کی عزت قوت جس کو آپ بڑا جانتے ہیں خدائی عزت، قوت کے مقابلہ میں بہت ہی کم، مثل نہ ہونے کے ہے۔ مثلاً ایک بادشاہ اور چمار کے اندر ایک اور دس کی نسبت ہے اسی طرح خدا اور چمار کے درمیان کروڑ اور صفر کی۔ پس نتیجہ نکل آیا کہ چمار کو ایک اور دس کی نسبت ہے اور بادشاہ کو صفر کی پس بادشاہ چمار سے زائد ذلیل ہوا۔

ہشتم جس طرح احکام الٰہی میں عموم ہوتا ہے تو کسی فرد کی تخصیص نہیں ہوتی اس میں سب داخل ہیں ہیں مثلاً ان کل من فی السموات والارض الا اتی الرحمٰن عبدا۔ جو کوئی بھی زمین و آسمان میں ہے اللہ کے سامنے ذلیل ہو کر آئیگا۔ اس میں

انبیار، اولیار، اتقیار، صلحا، اصفیا، شہدا، صدیقین اقطاب ابدال غوث فاسق، فاجر کافر سب داخل ہیں۔ تفسیر جلالین میں اسی آیت کے تحت میں ہے ومنھم عزیر و عیسیٰ انھیں میں سے عزیر و عیسیٰ ہیں۔ دیکھئے تفسیر جلالین والے نے ذلیلوں میں عزیر و عیسیٰ کا نام لکھا۔

عبد بمعنی ذلیل تفسیر مدارک میں عبد کے معنی ذلیل لکھے ہیں مسلم میں ایک حدیث ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قلوب بنی ادم کلھا بین اصبعین من اصابع الرحمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام بنی آدم کے دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں اس کے ذیل میں ملا علی قاری حنفی ہروی مرقاۃ شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں وبہ اکد بقولہ کلھا یشمل الانبیاء والاولیا والفجرۃ والکفرۃ من الاشقیاء لفظ کلھا تاکید کیلئے فرمایا تاکہ تمام انبیار، اولیار، فاجر، کافر، اشقیار سب کو شامل ہوجائے یہاں ملا علی قاری نے نبی، ولی، فاجر، کافر، شقی سب برابر کردیئے ایک اور حدیث مسند احمد بن حنبل ابوداؤد و ابن ماجہ میں ہے۔ لوان اللہ عزوجل عذب اھل سماواتہ و اھل ارضہ عذبھم وھو غیر ظالم لھم۔ اگر اللہ عزوجل تمام آسمانوں اور زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ظالم نہیں کیا اس عموم میں نبی رسول داخل نہیں تفسیر نیشاپوری میں ہے یختص لمن یشاء تعمیم لفضلہ وان کان من الابالسۃ والفراعنۃ و یعذب من یشاء بحکم الالھیۃ والقدرۃ وان کان من الملائکۃ المقربین والمصدقین" جسے چاہے بخشدے یہ عموم فضل ہے خواہ وہ ابالستہ و فراعنہ سے ہوں اور عذاب دے جسے چاہے اپنی قدرت و آلہیت سے اگرچہ وہ ملائکہ مقربین و مصدقین سے ہوں" یہاں تو فرعون اور فرشتے سب ایک گھاٹ اتار دیئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تعز من تشاء وتذل من تشاء جسے چاہے عزت دیدے جسے چاہے ذلیل کردے یہاں عموم میں سب دھان ستائیس سیر ہوگئے تفسیر جلالین وبیضاوی میں زیر آیت ما المسیح بن مریم الارسول قد خلت من قبلہ الرسل وامہ صدیقۃ کے تحت میں لکھا ہے کسائر النساء اللاتی یلازمن الصدق او یصدقن الانبیاء کانا یاکلان الطعام ویفتقران الیہ افتقار الحیوانات مثل تمام عورتوں کے جو سچی ہیں یا تصدیق انبیار کرتی ہیں اور دونوں کھانا کھاتے اور کھانے کے ضرور تمند تھے مثل تمام حیوانات (جانداروں) کے کیا اس عموم حیوانات میں ہاتھی گھوڑا گدھا بیل سور کتا شامل نہیں۔ لیجئے ان حضرات نے بھی ایک ہی لاٹھی سے سب کو ہانکا۔ ابن ماجہ ترمذی مسند احمد بن حنبل میں ایک حدیث بروایت ابوذر مرفوعاً ہے ان اللہ تبارک وتعالیٰ یقول یا عبادی کلکم مذنب الامن عافیت فاسئلونی المغفرۃ فاغفر لکم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو تم سب کے سب گنہگار ہو مگر جسے میں بخشدوں پس مجھ سے مغفرت چاہو میں تم کو بخشدونگا اسی حدیث میں ہے وَ کلکم ضال الامن ھدیت تم سب گمراہ ہو مگر جسے میں ہدایت کروں وکلکم فقیر الامن اغنیت اور تم سب فقیر ہو مگر جسے میں غنی کردوں ولوان حیکم ومیتکم واولکم واخرکم ورطبکم ویابسکم اجتمعوا علی قلب اتقی عبد من عبادی لم یزد فی ملکی جناح بعوضۃ ولو اجتمعوا فکانوا علی قلب اشقی عبد من عبادی لم ینقص من ملکی جناح بعوضۃ اگر تمہارے سب زندہ اور مردے اور پہلے اور پچھلے اور ہرے اور سوکھے سب جمع ہوکر میرے ایک متقی بندے کا سا دل کرلیں تو میرے ملک میں ایک مچھر کے پر کے برابر زیادتی نہیں کرسکتے اور اگر سب میرے ایک شقی بندے کا دل

کرلیں تو میرے ملک سے ایک مچھر کے پر کے برابر کمی نہیں کرسکتے اور مسلم میں یہ لفظ ہیں یاعبادی لوان اولکم و اٰخرکم وانسکم وجنکم کانوا علیٰ اتقی قلب رجل منکم مازاد ذلک فی ملکی شیئًا یاعبادی لوان اولکم و اٰخرکم وانسکم وجنکم کانوا علیٰ افجر قلب رجل واحد مانقص ذلک من ملکی شیئًا۔ اے بندو اگر تمہارے پہلے اور پچھلے اور آدمی اور جن تم میں سے ایک متقی بندے کی طرح ہوجائیں تو میرے ملک میں کچھ اضافہ نہیں کرسکتے اور اگر تمہارے پہلے اور پچھلے اور آدمی اور جن تم میں سے ایک کے مانند ہوجائیں تو میرے ملک میں کچھ کمی نہیں کرسکتے اور ایک یہ ٹکڑا ہے یاعبادی کلکم تخطئون باللیل والنہار۔ اے میرے بندو تم سب کے سب دن رات گناہ کرتے ہو آپ نے دیکھا کہ اس عموم میں سارے فاسق فاجر اور ولی نبی رسول شامل ہیں۔

امام شعرانی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبد ذلیل کہا

امام شعرانی خلاصہ فتوحات میں لکھتے ہیں ونعتقد انہ صلی اللہ علیہ وسلم فی نفسہ مع ربہ عبد ذلیل۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فی نفسہ (درحقیقت) اپنے رب کے سامنے بندے ذلیل ہیں پھر لکھتے ہیں ھذا اما علیہ اقطاب اھل الورع واللہ غنی عن العلمین یہ وہ عقیدہ ہے جو خدا سے ڈرنیوالے قطبوں کا عقیدہ ہے اور اللہ تو دونوں جہان سے بے پرواہ ہے پس معلوم ہوا کہ ان باتوں سے توہین وتذلیل نہیں ہوتی یہ باتیں قابل اعتراض نہیں ایسے ہی جاہلوں کے رد میں علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں لکھتے ہیں اعلم ان بیان احکام الشریعۃ مما یجب علی العلماء ولیس فی ذلک تنقیص الولی کما یظنہ بعض من لا خلاق لہ بل ھذا مما یرضی بہ الولی لوکان حیا وسئل عند ذلک اجاب بالحق واغضبہ نسبۃ التاثیر لہ وقائل قولہ فی حق عیسی علیہ السلام ان ھو الا عبد انعمنا علیہ علماء پر احکام شرع کا بیان کرنا واجب ہے اس میں ولی کی کسر شان نہیں جیسا کہ بعض بدسلیقہ لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ تو وہ بات ہے کہ اگر ولی زندہ ہوتا اور اس سے پوچھا جاتا تو وہ بھی ٹھیک بات بتاتا اور اپنی نسبت اثر پر ناراض ہوتا اور کہتا جو حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کہا گیا ان ھو الا عبد انعمنا علیہ وہ شل اور بندوں کے ایک بندہ ہے ہم نے اس پر انعام کیا ہاں اب بھی آپ نہ سمجھیں یا نہ مانیں اور انبیاء کی توہین یا گستاخی جانیں تو بمقتضائے رحمۃ اللہ علی النباش الاول پہلے کفن چور پر خدا کی رحمت صاحب تفسیر جلالین وبیضاوی، ملا علی قاری امام شعرانی آپ ہی کے پیشوا بزرگ ائمہ دین اس لعن طعن کے مستحق واحق ہیں۔ پھر کہیں مولوی اسمٰعیل صاحبؒ کی گنتی آئے گی۔ فردوسی شاہنامہ میں کہتا ہے ؎ زتعظیم تو پیش تو ہست ونیست ✤ اگر باشد وگرنباشد یکے ست ✤ مصلح الدین سعدی شیرازی فرماتے ہیں ؎

اگر بمحشر خطاب قہر کند — انبیا را چہ جائے معذرت ست
پردہ از روئے لطف گر بردار — کاشقیا را امید مغفرت ست

نہم۔ اگر مولوی اسمٰعیل صاحب کا قول واقعی خلاف شریعت ہے تو اس کے ذمہ دار وہ ہیں نہ کہ ہر شخص جس طرح اوپر لکھے ہوئے اقوال کے ذمہ دار ان کے قائل، ورنہ جو شخص بنک کا سود نوٹ کا سود درست بتائے اس کے ذمہ دار آپ ہیں ہمارا مذہب صرف اتباع قرآن وحدیث ہے ہم کسی کے مقلد نہیں یہ تو آپ ہی ہیں جو دوسروں کے اقوال مانتے ہیں اگر

اُس زمانہ کے لوگوں کو علم غیب ہوتا تو کوئی اسمٰعیل صاحبؒ کو ہدایت کر دیتا کہ آپ اس قسم کے الفاظ سے احتراز فرمائیں ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جاہل علماء پر اعتراض کرینگے اور آپ بھی نشانہ ملامت ہونگے وتلك الایام نداولہا بین الناس ۔

نبوت کسبی شے ہے عقیدۂ صوفیہ | **دھم** اگر مولوی اسمٰعیل صاحبؒ کا لکھنا خلاف شرع یا بد تہذیبی ہے تو وہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح آپ کے یہاں ہر شخص نبوت کسب کر سکتا ہے کیا اس میں نبی کی توہین نہیں یا جیسا کہ اشباہ و نظائر میں ہے کسی آیت کا خون یا پیشاب سے لکھنا درست ہے کیا اس میں قرآن اور اللہ کی توہین نہیں۔ ردالمحتار مطبوعہ دہلی جلد اول ص۱۴۰ پر بحوالہ ہدایہ لکھا ہے " قرآن مجید کا پیشانی وناک پر شفا کے لئے خون یا پیشاب سے لکھنا جائز ہے۔ فتاوی قاضی خاں چھاپہ نولکشور جلد ۴ ص۳۶۴ وسراجیہ برحاشیہ جلد ۳ ص۳۱ وعالمگیری چھاپہ دہلی جلد پنجم ص۱۳۴ والذی رعف فلا یرقاء دمہ فاراد ان یکتب بدمہ علی جبہتہ شیئًا من القرآن قال ابوبکر الاسکاف یجوز قیل لوکتب بالبول قال لوکان فیہ شفاء لاباس بہ قیل لوکتب علی جلد میتۃ قال ان کان فیہ شفاء جاز۔ یا جس طرح ہدایہ میں ہر فاسق فاجر شرابی چور زانی اور نبی ولی رسولؐ کو ایمان میں برابر لکھا ہے کیا اس میں انبیاء کی توہین نہیں کیا اس میں چمار اور نبی کو برابر نہیں کر دیا فقہ اکبر ص۱۰۵ وایمان اھل السماء والارض لایزید ولا ینقص ۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں وایمان اھل السماء ای من الملائکۃ واھل الجنۃ والارض ای من الانبیاء والاولیاء وسائر المومنین من الابرار والفجار لایزید ولا ینقص ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں قال الامام الاعظم فی کتابہ الوصیۃ ثم الایمان لایزید ولا ینقص یہی عبارت شرح عقائد نسفی میں ص۵ پر تحریر ہے ۔ یا جیسا درمختار میں مسلمان فاسق کو فرشتوں سے افضل بتایا گیا ہے ۔ ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈالو پھر دوسرے کے منہ آؤ ۔ اگر آپ کو یہ مسائل معلوم نہیں تو حقیقۃ الفقہ کو دیکھ لیجئے اس میں ایسے تین سو مسئلوں کی فہرست مع نام کتاب عبارت صفحہ لگا دی گئی ہے پس جب آپ ان مسائل کا جواب دیدینگے تو مولوی اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے بھی جواب دیدیا جائیگا ۔ فتلك عشرۃ کاملۃ ۔ سب سے آخر میں یہ بات لکھی جاتی ہے کہ اگر مولانا اس قسم کے الفاظ سے احتراز کرتے تو بہت اچھا تھا اسلئے کہ عوام کو اعتراض کا موقع نہ ملتا ۔ عوام کو بدتہذیبی اور گستاخی کا یقین کامل ہے اگرچہ حدیث انما الاعمال بالنیات مواخذہ سے بری کرتی ہے خواہ ایسا فعل عمدی و ارادی ہی کیوں نہ ہو ۔

بیل اور گدھے کی بحث | مولانا پر ایک یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مولانا نے نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال آنے سے گدھے اور بیل کے خیال آنے کو اچھا لکھا ہے ۔ **جواب** یہ کتاب صراط مستقیم کی نسبت اعتراض ہے صراط مستقیم فن تصوف میں ہے اور اس کے اندر وہ باتیں قلمبند کی گئی ہیں جو مولوی سید احمد صاحبؒ نے تصوف کے متعلق بیان کی ہیں اس کی اصل عبارت یہ ہے ۔ وصرف ہمت بسوئے شیخ و امثال آں از معظمین گو جناب رسالتمآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق درصورت گاؤ خر خود است ۔ پیشتر یہ بات سن لیجئے کہ مخلات نماز کے بیان میں لکھا ہے کہ شیطان رجیم آہستہ آہستہ بخیال گاؤ خرمی رساند تا کہ ایں صورت متحقق گردد + ع برزباں تسبیح و در دل گاؤ خر ۔ لفظ گاؤ خر کبھی گدھے اور بیل کے معنی میں مستعمل نہیں بلکہ ایں و آں چنیں چناں ہما شما ، ما و شما کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے ۔ صوفیوں کی اصطلاح

میں گاؤخر سے مراد ماسوی اللہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ مولانا روم لکھتے ہیں ؎

برزباں تسبیح ودر دل گاؤخر + ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

اگر گاؤخر کے معنی بیل اور گدھے کے ہوں تو مولانا کا مطلب خبط ہوا جاتا ہے اس لئے کہ کوئی شخص ہمیشہ گدھے اور بیل کے خیال میں نہیں رہتا کبھی کوئی فکر ہے، کسی بات کا دہیان ہے کبھی کچھ خیال ہے پس معلوم ہوا کہ گاؤخر سے مراد امور دنیاوی ہیں ورنہ مولانا روم کے شعر کے موافق صرف گدھے اور بیل کا خیال مخل نماز ہوگا اور کوئی دوسرا خیال مخل نماز نہ ہوگا اسوجہ سے معلوم ہوا کہ گاؤخر سے مراد دنیاوی امور ہیں اور آپ کے کہنے کے مطابق گدھے اور بیل کے معنے لئے جائیں تو ایک واو اور چاہیئے لفظ گاؤخر حالانکہ ایسا نہیں اب خواہ کوئی معنی لئے جائیں۔ ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس لفظ سے مولانا کی کیا مراد ہے۔ مولانا خود اس لفظ کی شرح فرماتے ہیں "گاؤخر تمثیل است ہرچہ سوائے حضورِ حق است گاؤ باشد یا خر فیل باشد یا اشتر" گاؤخر ماسوی اللہ کی تمثیل ہے خواہ اونٹ ہو یا ہاتھی گدھا ہو یا بیل۔ اس عبارت سے معلوم ہوگیا کہ مولانا کی مراد ماسوی اللہ سے ہے۔ اب بھی اگر کوئی گدھا بیل سمجھے تو سمجھے اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ۔ اب اصل عبارت کی جانب متوجہ ہوجیئے فرماتے ہیں "آرے بمقتضائے ظلمات بعضہا فوق بعض از وسوسۂ زنا خیال مجامعت زوجہ خود بہتر است وصرف ہمت بسوئے شیخ وامثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ از استغراق درصورت گاؤخر است" ہاں بعض اندھیروں سے زائد اندھیرے ہوتے ہیں اس بنا پر زنا کے خیال سے اپنی بیوی کے ساتھ جماع کا خیال اچھا ہے اور بزرگوں اور شیخ وغیرہ کی جانب خیال پھیرنے سے خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں امور دنیاوی کا خیال بہتر ہے اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگرچہ فی نفسہ عبادتِ حق میں کسی قسم کا خیال آنا برا ہے لیکن نسبتاً بدتر خیال سے بدخیال اچھا ہے اس کے بعد اس برائی کی وجہ یوں بیان کرتے ہیں کہ خیال آں با تعظیم واجلال بسویدائے دل انسان می چسپد بخلاف خیال گاؤخر کہ نہ آنقدر چسپیدگی می بود نہ تعظیم بلکہ مہان ومحقر می بود وایں تعظیم واجلال غیر کہ در نماز ملحوظ ومقصود میشود بشرک می کشد بالجملہ بیان تفاوت مراتب وساوس است انسان را باید کہ آگاہ شدہ ہیچ عائق از قصد حضوری حق تعالیٰ پس پا نگردد۔ اس لئے کہ ان لوگوں کا خیال دل میں تعظیم وجلال کے ساتھ آئے گا بخلاف گاؤخر کے اسلئے ان میں نہ دلچسپی ہوگی نہ تعظیم بلکہ کمتر اور حقیر ہوں گے اور غیر کی تعظیم واجلال نماز میں شرک تک پہنچاتا ہے غرضکہ وسوسوں کے تفاوت مراتب کا بیان کرنا مقصود ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ کسی نوع حضوری حق سے نہ ہٹے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ واعبد ربك حتی یاتیك الیقین عبادت کر اپنے رب کی یہانتک کہ تجھکو یقین آجائے یہ فرمان الٰہی ہے اور بخاری میں ایک حدیث ہے ان تعبد اللہ کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك۔ اللہ کی ایسی عبادت کر جیسے کہ تو اسکو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ بات نہ ہو تو گویا کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے یعنی عبادت الٰہی میں کسی نوع کسی بڑے چھوٹے اچھے برے کا خیال نہ آئے اسکی حتی الامکان کوشش کی جائے۔ اور صوفیوں کے یہاں تصوف کے معنی بقول شعرانی تجرید القلب للہ تعالیٰ واحتقار ماسواہ صرف اللہ کے لئے دل کو خالص کرلینا اور غیر اللہ سے دل کو پھیر لینا ہیں اور بقول صوفیہ کے جیسا کہ امام رازیؒ نے لکھا ہے کل شی شغل قلبك

سوی اللہ فقد جعلتہ فی قلبك ندا للہ۔ جس چیز نے اللہ کے سوا تیرے دل کو مشغول کیا وہی چیز تیرے دل کے لئے اللہ کا شریک ہوگئی اسوجہ سے خواہ امور دنیاوی کا خیال آئے یا آپ کے قول کے موافق گدھے بیل کا وہ شرک ہوگیا اور شرک کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَاءُ (پ ۶) اللہ مشرک کو کبھی نہ بخشیگا اور مشرک کے سوا جسے چاہیگا بخش دیگا۔ پس صوفیہ کے عقیدہ کے موافق خیال رسالت مآب جو بوجہ تعظیم میان عبادت الہی منجر بہ شرک ہے اس سے امور دنیاوی کا خیال یا آپ کے قول کے مطابق گدھے اور بیل کا خیال آجانا بہتر ہے اس لئے کہ یہ صرف مخل نماز اور وہ منجر بہ شرک ہونیکی وجہ سے منجر بہ جہنم۔ اور اصل حقیقت تو یہ ہے کہ مشرک جاہل صوفی فنا فی الشیخ و فنا فی الرسول کی ریاضت کرتے ہیں وہ نماز میں بھی تصور شیخ اور تصور رسول عمداً کرتے ہیں اور نماز عبادت الہی ہے اس میں دوسرے کا تصور دوسرے کی تعظیم شرک ہے اور غرض عبادت اس تصور سے فوت ہوتی ہے اسلئے یہ الفاظ تہدیدی استعمال کئے گئے تاکہ لوگ نماز میں تصور شیخ و تصور رسول سے اجتناب کریں اور غرض عبادت فوت نہ ہو اور وہ لوگ داخل شرک نہ ہوں بعض صوفیوں نے اس نازک مقام سے بچنے کے لئے نماز سے الگ مجلس مراقبہ قائم کرلی ہے جس کے اندر وہی دھیان گیان (تصور) ہوتا ہے۔ بعض لوگ مقابر میں مراقب ہوکر صاحب قبر کا تصور کرتے ہیں ان باتوں کو ہر شخص جانتا ہے۔ اب رہا خود بخود خیال آجانا تو ہر شخص جو عربی سے واقف ہے اسکو نماز اور تلاوت میں ہر اس بات کا خیال آتا ہے جسکا ذکر ہوتا ہے۔ مثلاً آیات حرمت زنا پر زنا کا خنزیر پر خنزیر کا۔ لیکن یہ خیال دیرپا نہیں ہوتا آئندہ آیت کے ساتھ یہ خیال دوسرے خیال سے مبدل ہوجاتا ہے۔ حضرات انبیا کا بھی خیال آتا ہے اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی خیال آتا ہے نہ اس کی ممانعت نہ اس سے کچھ ہرج نہ اس کو مولانا نے منع کیا نہ مخل نماز بتایا وہ تو فعل عمد کو منع کرتے ہیں چنانچہ الفاظ "صرف ہمت" جس کے معنی عمداً خیال کو پھیرنا ہیں اس پر دال ہیں اور وجہ ممانعت وہی اندیشۂ شرک بوجہ تصور ہے جیسا کہ گذرا۔ یہ خیال صوفیہ کے مطابق جواب تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جب خیال رسولؐ نماز میں آیا تو اس خیال کی تعظیم و تکریم کی جائے یا نہیں اگر تعظیم رسول نہیں کی جائے تو یہ توہین رسولؐ ہے اور رسولؐ کی توہین کرنیوالا خارج از اسلام، گردن زدنی، اور اگر تعظیم رسولؐ کی جائے تو نماز میں جو کہ خالص و مخلص اللہ کی عبادت ہے جس میں کسی کا شائبہ بھی نہیں اس میں غیر اللہ کی تعظیم کرکے غیر اللہ کی عبادت کی اور یہ اللہ کی توہین ہوگئی اور جو کوئی اللہ کی توہین کرے وہ بھی خارج از اسلام پس اس نازک مقام سے لوگوں کو بچانے کے لئے مولانا نے لکھا کہ خیال رسالتمآبؐ سے گاؤخر کا خیال آجانا نسبتاً بہتر ہے اب رہی یہ بات کہ گاؤخر ہی کیوں کہا کوئی اور لفظ کیوں نہیں استعمال کیا تو صرف اسوجہ سے کہ مولانا روم کے مصرعہ بر زبان تسبیح و در دل گاؤخر سے مطابقت تامہ ہوجائے دوسرے یہ بات کہ جس طرح دوسرے صوفیوں نے ماسوی اللہ کو بشک شتر، اونٹ کی مینگنی "صنم" "بت" خون حیض" کہا جنکی عبارتیں اوپر گزریں۔ اسی طرح انھوں نے گاؤخر کہدیا پس مولانا پر کوئی اعتراض نہیں۔

کمال نبوت صراط مستقیم کی اس عبارت پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے جو مولوی سید احمد صاحبؒ کی نسبت ہے "حضرت ایشان از بدو فطرت بر کمالات طریق نبوت اجمالاً مجبول بودہ اند۔ کہا جاتا ہے کہ اس عبارت سے نبی علیہ السلام

مشابہت دنیا اور ادعائے نبوت مقصود ہے جواب یہ ہے کہ میرے سامنے اسوقت صراط مستقیم کے دو نسخے مطبوعہ موجود ہیں ان میں یہ عبارت نہیں ان میں سے ایک نسخہ مطبع ضیائی میرٹھ کا ۱۲۸۵ھ کا ہے اور دوسرا دوسرے مطبع کا ان دونوں کے اندر یہ عبارت ہے "لیکن از بسکہ نفس عالی حضرت ایشاں بر کمال مشابہت جناب رسالتمآب علیہ افضل الصلوات والتسلیمات در بدو فطرت مخلوق شدہ"۔ بہر حال کوئی عبارت درست مانی جائے ہم پر جواب فرض ہے سنئے کہ رسول پاک سے مشابہت دو حال سے خالی نہیں یا تو خَلق یعنی ظاہری صورت و شکل میں یا خُلق یعنی اخلاق و عادات میں؛ اخلاق بذاتہ ایک عمدہ چیز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ارشاد ہے انک لعلیٰ خلق عظیم (تم بڑے خلق والے ہو) اور اور حضرت خود فرماتے ہیں مؤطا میں ہے بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (میں نبی بنا کر اسلئے بھیجا گیا ہوں کہ اچھے اخلاق کو پورا کردوں) پھر مومنین کی نسبت ارشاد ہے ان اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقاً کامل الایمان وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں پس ہر شخص کو اخلاق حسنہ اختیار کرنا چاہیئے، پس جس شخص میں اخلاق حسنہ ہوں گے تو اس کی نسبت یہی کہا جائے گا کہ اس میں اخلاق نبوی ہیں ایک حدیث میں آیا ہے تخلقوا باخلاق اللہ اللہ کے سے اخلاق اختیار کرو اب جس شخص میں اللہ کے سے اخلاق ہونگے تو یہی کہا جائیگا کہ اس میں اللہ کے سے اخلاق ہیں اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ شخص مدعی الوہیت یا رسالت ہے اور عموماً ایسا ہی کہتے ہیں۔ مولانا حالی کہتے ہیں ؎ نمونہ ہیں خلق رسولِ امین کے ہو اس کے یہ معنی نہیں کہ مدعی رسالت ہیں اب جبکہ حسنوا اخلاقکم (اپنے اخلاق اچھے بناؤ) ارشاد نبوی بھی اور لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں اچھا نمونہ ہے) موجود ہے تو ہر شخص کو اسوۂ نبوی حاصل کرنا چاہیئے۔ تاکہ حدیث ان احبکم الی واقربکم منی مجالس یوم القیامۃ احاسنکم اخلاقا (میرے نزدیک محبوب تر اور قیامت کے دن مجھ سے نزدیک وہ شخص ہوگا جس کے اخلاق بہترین ہونگے) میں داخل ہوسکے اب رہی رسول سے مشابہت تو خود آنحضرتؐ نے بہت سے لوگوں کو انبیا سے اور اپنے آپ سے خَلق و خُلق میں مشابہت دی ہے بخاری میں بروایت حذیفہ بن یمان ہے۔ قال ان اشبہ الناس برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابن ام عبد۔ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت اشبہ ابن ام عبد (عبد اللہ بن مسعود) ہیں بروایت انس ہے انہ قال لم یکن احد اشبہ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم من الحسن بن علیؓ وقال فی الحسینؓ ایضا انہ کان اشبھھم برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا حسنؓ رسولؐ اللہ سے جتنے اشبہ تھے اتنا کوئی نہیں ایسے حسینؓ کی نسبت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت اشبہ تھے ابو داؤد میں ہے۔ قال علی ونظر الی ابنہ الحسن قال ان ابنی ھذا سید کما سماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسیخرج من صلبہ رجل یسمی باسم نبیکم یشبہ فی الخلق ولا یشبہ فی الخلق کہا علیؓ نے اپنے بیٹے حسنؓ کو دیکھکر یہ میرا بیٹا سید ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا سید نام رکھا ہے اور عنقریب اس کی پشت سے ایک آدمی پیدا ہوگا جس کا نام تمہارے نبی کا نام ہوگا اور مشابہ ہوگا اخلاق میں تمہارے نبیؐ سے اور صورت میں مشابہ نہ ہوگا۔ مسلم میں عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے فیبعث اللہ عیسی بن مریم کانہ عروۃ بن مسعود اللہ عیسیٰ بن مریم کو بھیجے گا وہ ایسے ہوں گے جیسے عروہ بن مسعود۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے واذا عیسیٰ قایم یصلی

اقرب الناس بہ شبھا عروۃ بن مسعود۔ جب عیسیٰؑ نماز پڑھ رہے تھے تو (میں نے دیکھا کہ) تمام لوگوں میں ان سے زیادہ مشابہ عروہ بن مسعودؓ ہیں بروایت جابرؓ ہے ورایت عیسی ابن مریم فاذا اقرب من رایت بہ شبھا عروۃ بن مسعود۔ میں نے عیسیٰ ابن مریمؑ کو دیکھا تو ان سے عروہ بن مسعودؓ کو بہت مشابہ پایا۔ بروایت احمد حضرت علیؓ کی نسبت ہے قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیک مثل من عیسیٰ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ میں عیسیٰؑ کی مثل ہے۔ ترمذی کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے ولا دنی من ابی ذر شبہ عیسی بن مریم او کما قال ابوذر عیسیٰ بن مریمؑ سے بہت اشبہ ہے (زہد میں) تاریخ ابن عساکر میں بروایت جابر بن عبداللہ ہے ما من نبی الا ولہ نظیر من امتی وابوبکر نظیر ابراھیم وعمر نظیر موسی وعثمان نظیر ھارون وعلی ابن ابی طالب نظیری کوئی ایسا نبی نہیں جس کی نظیر میری امت میں نہ ہو ابوبکرؓ ابراہیمؑ کی عمرؓ موسیٰؑ کی عثمانؓ ہارونؑ کی، علی ابن ابی طالبؓ میری نظیر ہیں اور اسی میں بروایت انس ہے من احب ان ینظر الی ابراھیم فی خلتہ فلینظر الی ابی بکر فی سماحتہ ومن احب ان ینظر الی نوح فی شدتہ فلینظر الی عمر فی شجاعتہ ومن احب ان ینظر الی ادریس فی رفعتہ فلینظر الی علی بن ابی طالب فی طہارتہ جو کوئی خلت ابراہیمؑ دیکھنا چاہے وہ سماحت ابوبکرؓ اور شدت نوحؑ میں شجاعت عمرؓ، اور رفعت ادریسؑ　طہارت علی بن ابی طالبؓ میں دیکھے۔ حافظ ابونعیم اصفہانی فضائل صحابہ میں ایک حدیث لائے ہیں۔ مثل ابی بکر وعمر مثل نوح وابراھیم فی الانبیاء۔ ابوبکرؓ وعمرؓ کی مثل نبیوں میں نوحؑ وابراہیمؑ کی سی مثل ہے۔ مسند احمد بن حنبل وترمذی میں ہے وان مثلک یا ابابکر کمثل ابراھیم۔ اے ابوبکرؓ تیری مثال ابراہیم علیہ السلام کی سی ہے اور اسی میں ہے وان مثلک یا ابوبکر کمثل عیسیٰ۔ وان مثلک یا عمر کمثل موسی وان مثلک یا عمر کمثل نوح۔ اے ابوبکرؓ تیری مثل عیسیٰؑ کی سی ہے اے عمرؓ تیری مثل موسیٰؑ کی سی ہے اے عمرؓ تیری مثل نوحؑ کی سی ہے ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مشابہت کوئی امر غیر مستحسن نہیں۔ اب رہا کمالات طریق نبوت تو سنئے کہ صوفیہ میں جو ریاضت کیجاتی ہے یعنی مراقبہ اس کے کئی درجے ہیں مثلاً طریق راہ ہدایت۔ طریق راہ ولایت۔ طریق راہ صدیقیت۔ طریق راہ نبوت۔ اور چونکہ یہ کتاب تصوف کی ہے اس کے اندر تمام طریقے مجاہدات وریاضت کے لکھے ہیں۔ چنانچہ کئی کئی فصلیں راہ ہدایت، راہ ولایت، راہ صدیقیت، راہ نبوت پر لکھی ہیں پس یہاں بھی کمالات طریق نبوت سے وہی راہ نبوت مراد ہے جس کا ثبوت لفظ طریق خود اس عبارت میں موجود ہے ہاں اگر لفظ طریق نہ ہوتا اور عبارت میں صرف کمالات نبوت ہوتا تو آپ کا مطلب نکل سکتا تھا پھر بصورت تسلیم بھی کوئی اعتراض نہیں اسلئے کہ تمام صوفی ان الفاظ کو اسی طرح استعمال کرتے رہے ہیں تفسیر مظہری میں ہے قال کمل من الرجال الانبیاء ولم یکمل من النساء الا اسیۃ امرأۃ فرعون ومریم بنت عمران قلت لعل المراد بالکمال البلوغ الی کمالات النبوۃ وما فوقھا وروایۃ الصحیحین کانھا اخبار عن الامم الماضیۃ حیث کثر الانبیاء فیھم ولم یبلغ درجۃ کمالات النبوۃ من النساء الا اسیۃ ومریم۔ مردوں میں انبیاء کامل ہوئے اور عورتوں میں صرف آسیہ زوجہ فرعون اور مریمؑ بیٹی عمران کی میں کہتا ہوں کمال سے مراد یہاں کمالات نبوت کا پہنچنا ہے اور جو صحیحین میں گزشتہ امتوں کی خبریں ہیں اسی حیثیت سے انبیاء بہت ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں درجہ کمالات نبوت کو آسیہؑ اور مریم بنت عمران ہی پہنچیں۔ شیخ ابوالبرکات بخاری ہدایت السالکین میں لکھتے ہیں واذا اتصف السالک بکمالات النبوۃ فقد کمل جب سالک

کمالات نبوت سے متصف ہوگیا تو وہ کامل ہوگیا شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:۔ وکمالات نبوت کہ کل تابعان رالطریق تبعیت ووراثت انبیا رعلیہم السلام حاصل میگردد ونیز دریں موطن است طریقت وحقیقت کہ محصلان ولایت اند گویا شرائط از برائے تحصیل حقیقت وشریعت وتحصیل کمالات نبوت ولایت راہمچو طہارت باید دانست۔ اور کمالات نبوت کہ تابعین کو انبیار کی وراثت واتباع سے حاصل ہوتے ہیں اور جو لوگ کہ ولایت کے حاصل کرنیوالے ہیں ان کے لئے طریقت وحقیقت شرط ہے اور حقیقت وشریعت اور کمالات نبوت کے حصول کے لئے ولایت مثل طہارت کے ہے۔ مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں:۔ حصول کمالات نبوت مرتابعان رالطریق تبعیت ووراثت بعد از بعثت خاتم النبین منافی خاتمیت او نیست۔ تابعین کو جو تبعیت و وراثت انبیار سے کمالات نبوت حاصل ہوتے ہیں یہ آنحضرتؐ کی خاتمیت کے منافی نہیں۔ پھر مجددؒ صاحب لکھتے ہیں۔ راہ ہائے کہ بہ کمال نبوت موصل اند دو است۔ کمال نبوت تک پہنچنے کیلئے دو طریقے ہیں۔ شیخ محمد معصوم مکاتیب میں لکھتے ہیں۔ واز حصول کمالات نبوت مر بعضے افراد است رالطریق تبعیت ووراثت لازم نمی آید کہ آن نبی باشد یا مساوات با نبی پیدا کند چہ حصول کمالات نبوت دیگر است وحصول منصب نبوت دیگر۔ حصول کمالات نبوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ نبی ہو یا مساوات نبی ہو اس لئے کہ کمالات نبوت اور ہیں اور نبوت اور۔ امام غزالیؒ کیمیائے سعادت میں لکھتے ہیں۔ این ہمہ تعلیم ریاضت ومجاہدہ است تا دل صافی شود از عداوت خلق واز شہرت دنیا واز مشغلہ محسوسات وراہ صوفیان این است واین راہ نبوت است اما حاصل کردن این علم بطریق تعلیم راہ علمار است واین نیز بزرگ است لیکن محقر است بہ اضافہ با راہ نبوت۔ یہ تمام ریاضت ومجاہدے اس لئے ہیں کہ دل شہرت دنیا اور عداوت خلق سے پاک وصاف ہوجائے اور یہ طریقہ صوفیوں کا ہے اور یہی راہ نبوت ہے اور علم کا حاصل کرنا علمار کا طریقہ ہے یہ بھی بڑا کام ہے لیکن بہ نسبت راہ نبوت کے کمتر۔ ان تمام عبارتوں سے معلوم ہوا کہ مولانا پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا یہ صرف معترضین کی جہالت ہے اب رہا دعوی نبوت تو یہ آپ ہی کے یہاں ہے۔ اب بھی ہر شخص نبی ہوسکتا ہے جیسا کہ بیشتر جواہر غیبی وآئینہ حقایق نما کی عبارتوں سے ثابت ہوچکا۔ افسوس تو یہ ہے کہ آپ لوگ دن رات کہتے ہیں فلاں شخص کامل ہے فلاں بزرگ کامل ہے۔ فلاں فقیر کامل واکمل ہے۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ اسکا کیا مطلب ہے اسکا صرف یہی مطلب ہے کہ فلاں شخص طریق نبوت میں کامل ہے فلاں فقیر کمالات طریق نبوت میں کامل ہے اب اگر یہ بات درحقیقت قابل اعتراض ہے تو صرف مولائے ممدوح ہی کو ہدف نہ بنایئے بلکہ ان کے پہلے تمام صوفیوں کو نیز نہ بطور خود کسی کو کامل کہئے نہ کسی دوسرے کو کامل کہنے دیجئے۔ ورنہ آنچہ بہ خود نہ پسندی بر دیگراں مپسند۔ الغرض حاصل اس تمام تقریر کا یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل دیگر تمام انبیار کے بشر تھے اور اللہ کے بندے۔ اور ہم سب بھی اللہ ہی کے بندے ہیں کوئی کسی نبی یا رسولؐ کا بندہ نہیں۔ اب رہا مسئلہ علم غیب اس بارہ میں میں نے جداگانہ ایک رسالہ آیات محکمات فی علم الغیب وعلم بعض المغیبات لکھا ہے۔ اس میں اس مسئلہ کی تمام بحثیں اور فریقین کے تمام دلائل ہیں۔

فالحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ

تمام شد

فہرست مضامین آیات القرآن

متمردین عاد اور رہبر عاد

سیدنا ہود علیہ السلام

(از مولوی عبد الجلیل صاحب رحمانی)

اس عالم انقلاب آباد اور چرخ نیلوفری کے نیچے بڑی بڑی قومیں پیدا ہوئیں، اپنی شہنشاہیت کا پرچم لہرایا، ربع مسکوں کا چپہ چپہ ان کی جولانگاہ بنا، دنیا کی کمزور طاقتیں ان کی قوت وطاقت، سطوت وصولت کے آگے جھک پڑیں مگر پھر ہوا کیا؟ ان کے طغیان و سرکشی اور جور وجفا کی وجہ سے قدرت غیب کی سخت گرفت نازل ہوئی۔ مظلوم بندگان الٰہی، یتیموں اور بیواؤں کی درد بھری آہوں، داعی حق اور مصلح قوم کی دعا رسحر گاہی سے متاثر ہو کر فیصلہ کن انقلاب کی صورت میں ان کی ہلاکت نمودار ہوئی ؎

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

اس سلسلہ کی چند کڑیاں گذر چکی ہیں آج بھی ناظرین کے سامنے امم ماضیہ کے انقلابات کی ایک مختصر تاریخ عبرت وبصیرت کے لئے پیش کی جاتی ہے یہ انقلاب قدیم دنیا کا ایک اہم انقلاب ہے جو اپنے اندر ہزاروں درہزار "عبرت وموعظت" کا خزانہ پوشیدہ رکھتا ہے چونکہ قرآن پاک، اور اس آخری صحیفۂ سماوی کے قصص، اور سابقہ اقوام کی سرگذشتیں جو قرآن میں ہیں۔ سب کی سب مستحکم تاریخی حقایق پر مبنی ہیں، قرآن حمید کے بیان کردہ واقعات نجومیوں کے قصے، کہانیاں اور اختراعی داستانیں نہیں اسلئے ہم اس قوم کی سرگذشت ذرا بسط کے ساتھ تاریخ کی روشنی میں پیش کر رہے ہیں تاکہ حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آجائے۔

قوم عاد آج ہم جس قصہ پارینہ کو دہرا رہے ہیں یہ اس قوم کا زہرہ گداز قصہ ہے جس کا ظہور اور جس کی ترقی وعروج کا پرچم آج سے تقریباً چار ہزار ایکسو انتالیس سال قبل سرزمین عرب کے نہایت سرسبز اور زرخیز علاقہ پر لہرا رہا تھا۔ یہ وہی قوم ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کے بعد زمین کی خلافت عطا کی تھی یہ وہی قوم ہے جس کے پاس حکومت وسلطنت ارضی کی امانت رکھی گئی تھی، یہ وہی صاحب جبروت قوم ہے جس نے بابل، مصر، اسیریا، فنیشیا، قرطاجنہ، یونان وکریٹ میں بزور شمشیر حکومت حاصل کی تھی۔ مشہور مورخ مسیو سیدیو اپنی تاریخ عرب میں لکھتا ہے۔ "عاد مسیحؑ سے دو ہزار برس پہلے مصر و بابل پر قابض تھے"۔

علامہ ابن قتیبہ المتوفی سنہ ۲۷۶ھ نے بھی اس قوم کے بعض قبائل کی حکومت مصر و بابل پر تسلیم کی ہے۔ فلسفہ تاریخ کا موجد علامہ ابن خلدون المغربی لکھتا ہے ان قوم عاد والعمالقۃ ملکوا العراق یعنی عاد اور قوم عمالقہ نے عراق پر بھی حکومت کی تھی۔ توراۃ سے بھی اس کی شہادت ملتی ہے۔ مورخ یعقوبی نے نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ "جب اہل مصر نے عورتوں کو بادشاہ بنایا تو شام کے عمالقہ خاندان کے بعض بادشاہوں نے مصر کو طمع وحرص کی نظر سے دیکھا اور مصر کو پامال کر دیا یہانتک کہ مصری ان کی بادشاہت پر راضی ہو گئے الخ"، معجم یاقوت میں بھی مصر پر عمالقہ کی حکومت کا ذکر ہے۔ یہ چند اقتباسات اس لئے درج کر دیئے گئے ہیں تاکہ اس قوم کی حاکمانہ عظمت پر قدرے روشنی پڑ جائے ورنہ پوری تاریخ تو انتہائی تفصیل کی مقتضی ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ خلیج فارس کے ساحلی علاقے یمن۔ اور حضرموت سے لیکر اطراف عراق تک جو قوم آباد تھی جس کا ذکر اوپر

رچکاہے اور جسے عاد کہاجاتا ہے۔ آؤ ہم اس قوم کی اجمالی تاریخ قرآن پاک کے صفحات میں بھی دیکھیں۔ مورخین عاد کو ارم بن سام
ے خاندان سے لکھتے ہیں قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے (پ۳ سورہ فجر) ابھی ابھی تم نے مورخین کی زبانی قوم عاد کی قوت واقتدار اور
لبہ کا حال سنا قرآن بھی اس قوم کے غرور اور فخر، استکبار اور افساد وتخریب کا ذکر کرتا ہے (پ۲۴ س۲ ع۲۶ - و پ۳ سورہ فجر) تاریخ
ن کے فن تعمیر پر جہاں روشنی ڈالتی ہے قرآن بھی اس کی تصدیق کرتا ہے (پ۱۹ س۲۶ ع۷) قرآن نے عاد کو قوم نوحؑ کا جانشین بتلاکر
ن کی عظیم الشان سلطنت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے (پ۸ س۷ ع۹) اور مورخین بھی یہی کہتے ہیں۔ الغرض قرآن کریم نے متعدد سورتوں
ں اس قوم کی تاریخ پر روشنی ڈالی ہے۔ سورہ اعراف۔ حٰم السجدہ۔ احقاف۔ ہود۔ الشعراء۔ الحاقہ وغیرہ سورتوں میں پوری
ری تفصیل ملیگی۔

صول ارسال | وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ؕ ہم عذاب نہیں نازل کرتے ہیں جب تک کہ رسول برحق نہ بھیج
یں۔ خدا کا ایک ازلی قانون ہے کہ وہ ہمیشہ اتمام حجت کے لئے قوم میں علماء صلحاء مجددین امت اور مصلحان قوم پیدا کرتا ہے تاکہ
ٹکی ہوئی قوم اور گم کردہ منزل قافلۂ انسانیت کو انسانیت کے جادۂ مستقیم پر لگادیں اور تاکہ بشر کی تخلیق کا منشاء اعلیٰ اور جن وبشر
تکوین میں جو حکمت الٰہیہ مضمر ہے اس کا ظہور تعبد وانقیاد، امتثال امر اور زہد وورع عبادت وریاضت، خالق کی تسبیح وتحمید
قدیس وتنزیہ، امن وامان عدل وانصاف کی صورت میں نمایاں ہو، ہماری مادی نظریں دیکھتی ہیں کہ جب دنیا میں آفتاب
حرارت موسم گرما کی سخت تپش اور باد سموم کے جھلسا دینے والے جھونکوں سے سرسبز اور ہرے بھرے ننھے ننھے پودے اور خوشنما
غات، خوشکن مرغزار زرد پڑجاتے، اور جلکر خاک سیاہ ہوجاتے ہیں البتہ زمین کی گود میں کچھ مواد مدفون ہوتے ہیں تو ایسی
یوس کن حالت میں ضرورت ہوتی ہے کہ ابر کرم کے چند قطرات اور فیض عمیم کے کچھ چھینٹے نازل ہوں تاکہ زمین میں دبے
وے مواد ابھریں اور لہلہا اٹھیں۔ بعینہ یہی حال باغ انسانیت کا بھی ہے جب انسانیت کی مقدس کھیتی اور بشریت کا لہلہاتا
باغ، شیطان رجیم کی تخریبی کاوش، اور فسق وفجور، جور وجفا کے باد سموم سے جلکر سیاہ ہوجاتی اور ہدایت کا چشمۂ شیریں خشک
وجاتا ہے تو آب رحمت کا نزول کڑک وگرج، ابر وباد کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے اور ہونا ضروری ہے تاکہ ہوا کے تند جھونکوں سے
سانیت کے ناکارہ درخت اکھڑ جائیں اور آنیوالی نسلوں کے لئے انسانیت کی زمین ہموار ہوجائے اور تاکہ پانی کے قطرات
ے انسانیت کے صالح مواد ابھریں اور لہلہائیں۔ خدا کی رحمت کا نزول ہمیشہ تعمیری اور تخریبی دونوں پہلوؤں پر مشتمل
ہوتا ہے ایک حقانیت وصداقت کی تعمیر دوسرے کذب وبطلان کی تخریب، ذرا وسیع نظر سے دیکھکر اس قاعدہ اور
ل کو جانچو تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ جمیع انبیا علیہم السلام اسی اصل کے ماتحت ہمیشہ رحمت اور عذاب بنکر نازل ہوئے
ے، عداسؓ نینوائی۔ صہیبؓ رومی۔ سلمانؓ فارسی، بلال حبشیؓ کیلئے پیغمبر عربی فداہ ابی وامی علیہ الوف التحیات والتسلیمات
سم رحمت بنکر تشریف لائے تھے مگر شور بختان مکہ ولید بن مغیرہ، عتبہ بن الولید، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، عقبہ بن ابی
بط اور ابو جہل بن ہشام کیلئے عذاب ثابت ہوئے۔ اس دقیق نکتہ کے سمجھنے میں کہیں یہ غلطی نہ آپ کر بیٹھیں کہ پیکر رحمت
ر رسل، سرور عالم مکی مدنی صلی اللہ علیہ وسلم، باغ انسانیت کے ہرے بھرے پودوں کو جلانے کیلئے تشریف لائے تھے۔ نعوذ
نہ من ذلک، نہیں نہیں بات یہ نہیں ہے آپ تو آبیاری ہی کیلئے تشریف لائے تھے مگر خواص نباتات کا علم رکھنے والے

کھیتے ہیں بہت سے سبزے اور کمزور پودے اپنے ذاتی نقص اور عدم صلاحیت کی وجہ سے گل جاتے ہیں، نبوت و رسالت کے سیل عظیم کا بھی یہی حال تھا کفر و شرک کے ناقص پودے گل گئے اور توحید کے پودے لہکے اور بڑھے، پھولے پھلے اور ایسے باردار ثابت ہوئے کہ ان کے شیریں میووں سے کروڑہا انسان لذت اندوز ہوگئے؛ آپ کے پیکر رحمت، اور مجسمہ فیض ہونے میں کوئی نقص نہ تھا ہاں خرابی اگر تھی تو صرف آپ کے مخاطبوں ہی میں تھی ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست　　در باغ لالہ روید و در شور بوم و خس

اور پھر سب سے بڑھکر یہ کہ ہدایت اللہ کی دین ہے جسے دیدے ؎

حسنؓ ز بصرہ بلالؓ از حبش صہیبؓ از روم　　ز خاک مکہ ابو جہل اینچہ بوالعجی ست

یہ توضمناً ایک مقدمہ تھا جسے قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کردیا گیا اب آپ پھر ہماری اس بات پر توجہ کریں کہ جب انسانیت کی کھیتی جل جاتی اور چشمہ ہدایت خشک ہوجاتا ہے تو آب رحمت کا نزول ہوتا ہے یہ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ جس قوم کا ہم ذکر کررہے ہیں اور جس زمانہ کی تاریخ آپ کے سامنے دھرائی جارہی ہے یہ وہ بدبخت قوم اور وہ منحوس دور ہے کہ شجر انسانیت اس زمانہ میں بالکل جل چکا تھا، انسانیت کی گردن ندامت کی وجہ سے جھکی ہوئی تھی، انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے تمام اسباب و محرکات پیدا ہوچکے تھے، قوموں کی ہلاکت و بربادی کے جتنے بھی دواعی و علل ہوسکتے ہیں سب کے سب ظہور میں آچکے تھے اور سب سے بڑھکر یہ کہ حق و باطل میں فیصلہ کن دن آگیا تھا، چنانچہ قدرت غیب نے سیدنا ونبینا حضرت ہود علیہ السلام کو اسی فیصلہ کیلئے مبعوث کیا۔

رہبر عاد مورخین نے عاد کو عوص بن ارم بن سام کا حقیقی بیٹا لکھا ہے اس قوم کے رہبر اعظم اور رسول برحق سیدنا ہود علیہ السلام بھی اسی سامی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں آپ کا نسب نامہ یوں بیان کیا گیا ہے۔ ہود بن عبداللہ بن رباح بن الخلود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح الخ۔ حضرت ہود علیہ السلام سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پیشتر گذرے ہیں، حسب بیان بعض مفسرین ہود علیہ السلام شالح بن ارفکشاد بن سام بن نوح علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ اس قول کے بناپر شالح (حضرت ہود علیہ السلام کے والد) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتویں دادا ہوتے ہیں آپ اور ہود علیہ السلام کے درمیان چھ واسطے پڑتے ہیں اور ساتویں پشت (یعنی شالح) میں دونوں مل جاتے ہیں (دیکھو ابراہیم علیہ السلام کا نسب نامہ)

سیدنا ہود علیہ السلام نے قوم کو ان لفظوں میں دعوت دی اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ۚ (پ ۱۹ س ۲۶ ع ۷) یعنی اے قوم میں خدا کا فرستادہ امانتدار پیغمبر ہوں تم خدا سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو، دوسری جگہ فرمایا اَمَدَّکُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ ۙ وَجَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۚ اے قوم تجھے خدائے برتر نے مال و اولاد کی نعمت، باغات اور نہروں کے بیش قیمت انعام سے مالامال کر رکھا ہے؛ اور یہ بھی فرمایا اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ؕ اے قوم مجھے ڈر ہے تیرے کفران نعمت، استکبار اور معصیت کی وجہ سے کہیں کسی بڑے اور خطرناک دن کی مصیبت نہ نازل کردی جائے؛ (حوالہ مذکور)

اپنی بدبخت قوم کو توحید کی طرف ان پیارے لفظوں سے بلایا یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اے میری قوم کے لوگو اللہ کی عبادت کرو تمہیں کیا ہوگیا ہے اس کے سوا تو کوئی دوسرا معبود ہے ہی نہیں پھر کیوں اس سے نہیں ڈرتے

(پ ۸ س ۹۶) کبھی ذرا سختی سے پیش آنے کی ضرورت ہوئی تو انتہائی بے باکی کے ساتھ فرمایا اَرَاکُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ (پ ۱۲ س ۴۶)
اے جبابرۂ عاد اور اے میری قوم کے متمردین میں تمہاری جہالت اپنی نظروں سے دیکھ رہا ہوں (اب برداشت کی تاب نہیں)
اللہ اللہ حقگوئی اور دعوت و عزیمت کا کتنا بڑا درس ہے۔ شالح کا بیٹا ہودؑ (علیہ السلام) جس کے پاس اعوان و انصار کی منظم جمعیت نہیں، جسکی حفاظت کا کوئی ظاہری اور مادی سامان نہیں، جس کے پاس زر و جواہر کا انبار نہیں، یہ اس کے الفاظ ہیں۔ چونکہ اُسے اپنی حقانیت اور صداقت پر پورا یقین تھا، مشعل ایمان سے اس کا قلب منور تھا، اس کشمکش کے آخری نتیجہ اور عاقبت امر کی بھلائی پر اسے پورا بھروسا تھا اس اذعانی قوت ہی کی وجہ سے اس نے یہ الفاظ بلا خوف و خطر اپنی زبان سے ادا کر دیے ذرا اس قوم کو بھی دیکھو جسے یہ ملامت کی جا رہی ہے یہ وہی پرسطوت قوم ہے جو کہتی تھی مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً۔ حٰمٓ السجدہ۔ "ہم سے بڑھکر طاقتور کونسی جماعت ہے" یہ وہی قوم تو ہے جس سے شاہان وقت لرزتے تھے، بابل و مصر فینیشیا، قرطاجنہ، یونان و کریٹ جن کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ آج اسی قوم کو ایک بے یار و مددگار انسان ڈانٹ کر جاہل کہہ رہا ہے اور یہ بھی کہتا ہے اگر ہماری نہیں سنی تو پھر خیر بھی نہیں"

حالت زار کتنی حسرت سرا ہے یہ داستان، قوم مسلم جو صرف اور صرف اسلئے پیدا ہوئی تھی کہ صداقت کا علم بلند کرے۔ حق کی آواز اس کی زبان سے نکلکر کفر و شرک کی بستی میں طغیان و سرکشی کے لشکر میں تہلکہ مچا دے مگر آہ آج مسلمان قوم ہے، لیڈران قوم، اور اخبار فروش ہیں کہ ان کی زبانِ صداقت پر مہر لگی ہوئی ہے (الا ماشاء اللہ) طوائف بندیوں، جماعتی رقابتوں، اور ذاتی عنادوں کی وجہ سے بے جا حمایت پر تلے ہوئے ہیں، اپنی جماعت کا ہر باطل ردیہ حق، اور دوسری جماعت کا ہر قول صادق بھی باطل ٹھیرایا جاتا ہے۔ اکثر و بیشتر جماعتوں کا یہی حال ہے چاہے "قضیہ مدح صحابہؓ ہو" چاہے "تحریک مسجد شہید گنج" خواہ "آرمی بل" ہو خواہ "خلع بل" (و قس علی ھذا) جو تحریک بھی کسی جماعت نے اٹھائی دوسری جماعت کے نزدیک وہ تحریک باطل ہوتی ہے۔ کاش مسلمان منظم ہوتے اور دنیا والوں کی نظروں میں کچھ عزت حاصل کرتے، یا کم از کم اپنی اپنی روش ہی پر قائم رہتے مگر غیروں کی پگڑی اچھالنے، سب و شتم کی بوچھاڑ کرنے، کیچڑ اچھالنے، اور دوسروں کے اثر و رسوخ کو مٹانے کیلئے عامیانہ روش ترک کر دیتے، صرف دلائل و براہین پر اکتفا کر کے حق و باطل کا فیصلہ مستقبل پر چھوڑ دیتے، ہمیشہ دیکھا گیا ہے حق و باطل کی کشاکش میں زمانہ سے بڑھکر ثالث اور کوئی نہیں، جب سیاست کا غبار آلود مطلع صاف ہوگا تو خود دیکھنے والے دیکھ لیں گے کون گدھی پر سوار ہے، اور کون گھوڑے پر؟ جب پروپیگنڈا کی و باٹیگی تو خود ہی حق، و باطل، نور اور ظلمت کی طرح سامنے آکر ہی رہیں گے، مگر بدبخت قوم کس کی سنتی ہے، بوالہوس لیڈر کس کی بات مانتے ہیں، ابن الوقت سیاست کے عیاش ہم میں سے کب فنا ہو سکتے ہیں جو جذبہ اور اشتعال کے ماتحت عوام کے نازک جذبات سے کھیلتے رہتے ہیں۔

پوزیشن ہود علیہ السلام نے اپنی بے لوث خدمت، اور بے غرض، بے طمع دعوت اور استغنائے نفس کا اظہار بایں طور فرمایا یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (ہود) اے قوم میں تم سے اپنی اس تبلیغ کا کوئی بدلہ نہیں چاہتا میرا اجر اس پر ہے جس نے مجھکو پیدا کیا ہے۔ کیا تم میری یہ بے غرضی اور استغنار نہیں دیکھتے (مجھے تو صرف تمہارا درد ہے) ✚

آؤ ذرا ہم غور کریں! کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنی پوزیشن بار بار محولہ بالا لفظوں کے ساتھ صاف کرتے نظر آرہے ہیں، کیوں پکار پکار کر کہتے ہیں ہم اپنی تبلیغ کی اجرت نہیں لیتے۔ سیدنا نوح نے یہی کہا، صالح علیہ السلام نے بھی یہی کہا، شعیبؑ مدین نے یہی کہا، موسیٰ عمران نے بھی یہی پکارا، فخر رسل خاتم الانبیاءؐ نے بھی یہی فرمایا۔ آخر اس میں راز کیا ہے؟ اور ہمارے لئے کیا اس میں عبرت و بصیرت ہے؟ اصل راز یہ ہے کہ جب تک داعی حق اور مبلغ دنیاوی حرص و آز سے پاک ہوتا ہے تو اس کی آواز میں تاثیر، اس کی سحر آفریں تقریر میں اثر انگیزی اور اس کے نعرۂ حق میں انقلاب کی روح ہوتی ہے زود یا بدیر زمانہ کا فیصلہ اس داعی ہی کے حق میں ہوتا ہے۔ غور تو کرو سرزمین عرب کی پوری حکومت جب بارگاہ قدس کے آخرین اور نبوت و رسالت کے افضل ترین مبلغ کے قدموں پر ڈالی گئی تو فخر الانبیاءؐ نے اسے پیروں سے ٹھکرا دیا آخر کار آپ کی بے لوث خدمت کا نتیجہ کیا رہا؟ کس کی فتحمندی کا جھنڈا عرب پر لہرایا؟ کس کا اسم گرامی شرقاً غرباً جو باشما لااضداد کے اسم پاک کے ساتھ ساتھ دہرایا جانے لگا؟ ساحر کہے گئے، کاہن بھی پکارے گئے، قوم نے مجنوں بھی کہا، مفتری کے لقب سے بھی یاد کیا، مگر طماع اور حریص بندۂ زر اور عبد الدنانیر والدراہم کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ہندوستان کی موجودہ ناگفتہ بہ حالت کو دیکھو، قیادت اور لیڈری کے بھوکے، شہرت و ناموری کے طالب، بارگاہ حکومت کے کاسہ لیسان ازلی، قوت و اقتدار کے پالتو کتے، سیاست کی منڈیوں میں دمڑیوں اور ٹکوں پر بکنے والے، مساجد فروش اور شاہد وزارت کے عشاق، یہ بندگان جاہ جو بین الاقوامی سیاست کی ذرا سی نزاکت دیکھکر قوت و اقتدار کے قدموں پر خود بخود گرے پڑتے ہوں، کہتے ہیں ہم بھی اسلام کے مبلغ، قوم کے قائد و رہبر ملت بیضاء کے پاسبان ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خطاب مدارس عربیہ کے فاضلو! اور اے پاسبانان ملت بیضاء اور اے وارثان انبیاء تمہارے ہی دم خم سے شریعت کی یہ گرما گرمی، قال اللہ قال الرسول کی یہ سامعہ نواز صدائیں، پیغمبر عربی کی پاک تعلیمات کی سچی تصویر تمہارے ہی مقدس چہرے میں نظر آتی ہے۔ خدارا اٹھو۔ زمانہ کی ہوا تمہارے خلاف چل رہی ہے سیل مغرب اور تہذیب یورپ کا اپنی بے لوث تبلیغ سے مقابلہ کرو۔ اسلام کا صحیح نمونہ بنکر قوم کے سامنے آؤ تمہاری بات سنی جائیگی لا اسئلکم علیہ اجرا (میں تم سے اے قوم اجر نہیں چاہتا خدا اجر دیگا) کی آواز بلند کرکے اپنی پوزیشن پہلے صاف کرو، قرآن کا درس یہی، انبیاء کی تعلیم یہی سلف امت کا طریقہ یہی، گداگری ترک کرو، جفاکشی سیکھو اور پڑھو سے

نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے   بہ پیش ہمت ما ہرچہ آمد بود مہمانے

زمانے کا رخ بدل دو۔ "زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز" پر مت عمل کرو، بلکہ تمہارا عمل "زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز" پر ہونا چاہیئے۔

انجام عاد جب قوم عاد کی سرکشی و نافرمانی حد سے بڑھ گئی تو آخر قدرت غیب کی گرفت نے سب کو آدبوچا، متواتر سات رات آٹھ دن تک سخت تند و تیز آندھیوں کے جھونکوں نے ان کے پرخچے اڑا دیئے۔ اور اس عظیم الشان قوم کو آن کی آن میں فنا کرکے رکھدیا۔

اِنَّ فِی ذَالِکَ لَعِبْرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی ؏

فلسفہ حج

کاتب رضائی اعظمی

از مولوی عبید الرحمٰن صاحب

اور
عید الاضحیٰ کے فضائل و احکام

یوں تو دنیا میں سینکڑوں ادیان و ملل پائے جاتے ہیں جن کے متبعین اور پیرو اس بات کے مدعی ہیں کہ دنیا کے تمام ادیان و ملل سے ہمارا دین بہتر ہے اور انسان کی دینی و دنیوی فلاح و نجاح کا کفیل ہے لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو ان کا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے حقیقت کچھ بھی نہیں جہانتک حقائق و واقعات کا تعلق ہے دنیا میں اسلام ہی صرف ایک ایسا مذہب ہے جسے ٹکسالی اور مکمل مذہب کہا جا سکتا ہے باقی جتنے ادیان و ملل ہیں وہ یکسر غیر ٹکسالی اور نا مکمل ہیں اگر باور نہ ہو تو اسلام اور اس کے قوانین و احکام پر ایک نظر ڈالو یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ اسلام اپنے جامع اور عالمگیر قوانین و احکام کی رو سے ایک صاف و سچا مذہب ہے اور اس کی تعلیمات اتنی عمدہ اور بہتر ہیں کہ ہر صاحب عقل سلیم اور روشن دماغ اس کے قبول کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اسلام کے قوانین و احکام جہاں صاف و سادہ اور سہل العمل ہیں وہاں ان میں بڑے بڑے اسرار و حکم اور دنیاوی مصالح و منافع بھی موجود ہیں یہ اور بات ہے کہ ہماری کمزور عقل اور چشم ظاہر بیں ان اسرار و غوامض تک نہ پہنچ سکے۔ لیکن اس دور مادیات میں وہ لوگ جو ہر چیز کو عقل کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ ان احکام و قوانین کے اسرار و حکم اور ان کے حقائق سے عدم واقفیت کی وجہ سے انھیں فضول اور عبث سمجھتے ہیں اور تضییع اوقات خیال کر کے ان کا مذاق اڑانے لگتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسلام اور اس کے فرائض و واجبات سے متنفر و بیزار ہو کر الحاد و زندقہ کی دلدل میں ہمیشہ کے لئے پھنس جاتے ہیں۔ پس ضرورت ہے اس بات کی کہ ان کے سامنے شعائر اسلامی کے اسرار و حکم اور ان کے فلسفے بیان کئے جائیں - اور ان کے فوائد و محاسن سے انھیں آگاہ کیا جائے اس لئے اس ضرورت کے پیش نظر آئندہ سطور میں ہم اسلام کے ایک بڑے رکن حج کے اسرار و حکم اور عید الاضحیٰ کے فضائل و مسائل مختصر طور پر بیان کرنا چاہتے ہیں۔

حج کا فلسفہ اور اس کی حکمت

دنیا میں ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ ہر بڑی اور اہم چیز کی یادگار قائم کی جاتی ہے اور اس کو انتہائی اہتمام کے ساتھ منایا جاتا ہے مثلاً قومیں اور امتیں تخت نشینی اور تاجپوشی کو بہت اہم اور بڑی چیز سمجھکر اس کی یاد تازہ رکھنے کے لئے اس کی یادگار قائم کرتی ہیں اسی طرح ملک کی فتح اور کسی قوم کی تسخیر کو بڑا واقعہ سمجھکر اس کی یاد میں خوشیاں منائی جاتی ہیں خود ہندوستان میں جسقدر بڑی بڑی ہستیاں گذری ہیں ان کی یاد تازہ کرنے کیلئے ان کی برسی منائی جاتی ہے ۔غرضیکہ تمام متمدن اور مہذب قوموں نے بڑے بڑے اہم واقعات کی یاد زندہ رکھنے کے لئے ان کی یادگاریں قائم کیں جن کو نہایت شان و شوکت کے ساتھ انجام دیا کرتی ہیں اب ذرا اس پر بھی غور کیجئے کہ اسلام نے اپنے متبعین اور پیروؤں کو کونسی یادگار قائم کرنیکا حکم دیا ہے اور اس کی کیا صورت بتائی ہے +

(۱) قرآن مجید نے یوں تو ہمارے سامنے بہت سارے نبیوں کی زندگی کے واقعات وحالات پیش کئے ہیں لیکن سیدنا حضرت
ہیم علیہ السلام کے واقعات زندگی کو ایک خاص شرف وامتیاز عطا کیا ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم کیا جارہا ہے کہ
پ کہدیجئے مجھکو میرے رب نے سیدھی راہ دکھائی ہے جو ٹھیک اور درست دین ہے یعنی ابراہیم کا دین جو سب کو چھوڑ کر خدا کے ہو رہے
ے۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے اہل وعیال کو وادی غیر ذی زرع یعنی بے آب وگیاہ میدان میں آباد کیا، تو
لئے ذوالجلال نے ان سے ان کے پیارے اور چہیتے فرزند کی قربانی چاہی باپ نے بیٹے کے سامنے اس قربانی کا تذکرہ کیا،
بنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری (صٰفّٰت) اے میرے پیارے بیٹے مجھے میرے رب کی جانب
ے حکم ہوا ہے کہ میں تجھے اپنے رب کی رضا میں ذبح کردوں بتلاؤ بیٹے تمہاری کیا رائے ہے۔ فرمانبردار بیٹے نے بلا تردد فوراً
دگی ظاہر کی اور عرض کیا یا ابت افعل ما تومر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین مہربان باپ رب کے ارشاد کی تعمیل
ے انشاء اللہ آپ مجھے صابر وشاکر پائیں گے۔ چنانچہ دونوں اطاعت گذار باپ بیٹوں نے ملکر خدا کی راہ میں یہ قربانی پیش کی۔ یا
راہیم قد صدقت الرؤیا انا کذلک نجزی المحسنین۔ اے میرے خلیل تم میرے حکم کی تعمیل کر چکے ہیں تم دونوں سے راضی
ر خوش ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے ان دو مخلص بندوں کی مخلصانہ اطاعتیں اس درجہ پسند آئیں کہ اس موقعہ کے تمام واقعات اور
م افعال واعمال کو ہمیشہ ہمیش کے لئے قائم کر دیا۔ اور اس کی یاد تا قیامت زندہ رکھنے کے لئے حج فرض کر دیا وللہ
لی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا۔ واتموا الحج والعمرۃ للہ۔ یعنی ان لوگوں کے اوپر جو آنے
نے کی طاقت رکھتے ہیں بیت اللہ کا حج فرض کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ جب حج کا موسم آتا ہے تو اکناف واطراف عالم سے چلکر
وں پیروان ملت ابراہیمی اس وادی غیر ذی زرع میں پہنچ جاتے ہیں اور وہ سب کچھ کرتے ہیں جو آج سے کئی ہزار برس پہلے
لئے ذوالجلال کے دو مخلص اور اطاعت گذار بندوں نے کیا تھا۔ خلاصہ یہ کہ حج اسوۂ ابراہیمی کی تذکار و یادگار ہے جو آج تک
م رہی اور ہمیشہ زندہ وقائم رہیگی۔

---

(۲) اسلام دنیا میں آیا تو اخوت اور مودت اور محبت کا پیغام بن کر آیا تاکہ وہ لوگ جو صدیوں سے بچھڑے ہوئے ہیں ان
ں آپس میں رشتہ اخوت پیدا کر دے اور جو بے گانے ہیں انھیں یگانہ اور آشنا بنا دے خود اسلام کے احکام وقوانین کا منشا اور
صد بھی یہی ہے کہ دنیا کے مختلف افراد اور مختلف امم کو ایک ملت بنا کر کلمہ واحد دین واحد اور مرکز واحد پر جمع کر دیا جائے
انچگانہ نمازوں میں جماعت یعنی مسجد میں آس پاس کے لوگوں کا جمع ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے تاکہ ایک شہر کے اہل محلہ
ر قرب وجوار میں بسنے والے لوگوں میں باہمی اخوت ومحبت اور اتحاد قائم رکھا جائے۔ اسی طرح سارے شہر میں محبت اور
لقات بڑھانے کے لئے ہفتہ میں ایک دن تمام کا جامع مسجد میں اکٹھا ہونا اور ملکر نماز جمعہ ادا کرنا واجب کیا گیا ہے۔
اہل شہر اور اہل دیہات اور قرب وجوار کے رہنے والوں میں تعلقات اور تعارف محبت اور یگانگت قائم کرنے اور مستحکم
نے کیلئے سال میں دو دفعہ عیدین کی نماز کو مسنون قرار دیا گیا۔ چنانچہ ہر دو موقعوں پر اہل دیہات شہر کی جانب آتے ہیں اور اہل شہر
ر سے باہر نکلکر ان سے ملاقات کرتے ہیں اور مل جل کر خدا کی عبادت ادا کرتے ہیں۔

ضرورت تھی کہ تمام عالم اسلامی دین کے رابطہ اور رشتہ کو استوار اور مستحکم کیا جائے۔ مختلف قوموں مختلف نسلوں مختلف بولیوں اور مختلف رنگوں اور مختلف ممالک کے اشخاص و افراد کو دین واحد اور مرکز واحد کی وحدت اور رشتۂ اخوت میں شامل و منسلک کیا جائے۔ اس لئے اس ضرورت کے پیش نظر حج عمر بھر میں ایک دفعہ ان تمام اشخاص پر جو وہاں جانے کی استطاعت رکھتے ہیں فرض کیا گیا وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا یعنی ان تمام لوگوں پر جو زاد راہ کی استطاعت رکھتے ہیں بیت اللہ کا حج فرض کیا گیا ہے۔ چنانچہ ایام حج میں مختلف ممالک مثلاً ترکی، جاوا، سماٹرا، فارس، افغانستان، ہندوستان، مصر، سوڈان، طرابلس وغیرہ کے لاکھوں اور کروڑوں نفوس اپنے اپنے اوطان سے کٹکر مقصد واحد کی تلاش و جستجو میں ایک دین، اور ایک مرکز پر جمع ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان میں آپس میں باہمی اخوت و تعارف والفت کا نہ ٹوٹنے والا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔

(۳) جس طرح حکومتوں اور سلطنتوں کا دستور ہے کہ وہ اپنی شان و شوکت اور طاقت و رعب کا اظہار کرنے کیلئے فوجی مظاہرہ کرتی ہیں اور اپنی فوجوں کو جمع کر کے دنیا پر اپنی طاقت و قوت کا سکہ بٹھانا چاہتی ہیں اسی طرح اسلام نے بھی حج فرض کر کے ہر سال ایک جگہ لوگوں کے اجتماع کو ضروری قرار دیا۔ تاکہ اس اجتماعی صورت سے اسلام کی شان و شوکت اور طاقت و قوت کا پوری طرح اظہار ہو اور مخالف قوموں کے دلوں میں اسلام کی عظمت راسخ اور پیوست ہو جائے۔

(۴) حج میں جہاں اور بہت سے مقاصد ملحوظ ہیں وہاں ایک مقصد مساوات کی تعلیم دینا بھی ہے۔ چنانچہ حج میں تمام لوگوں کے لئے وہ سادہ اور بغیر سلا کپڑا جو نسل انسانی کے پدر اعظم حضرت آدم علیہ السلام کا تھا تجویز کیا گیا تاکہ ایک ہی رسول ایک ہی قرآن ایک ہی کعبہ پر ایمان رکھنے والے ایک ہی صورت و ہیئت ایک ہی لباس ایک ہی سطح پر نظر آئیں اور ظاہر بین آنکھیں ان اتحاد معنوی رکھنے والوں میں کوئی اختلاف ظاہری محسوس نہ کر سکیں۔

حج کے فضائل | سطور بالا میں تھوڑے سے حج کے فوائد و منافع اور اسرار و مقاصد پیش کئے گئے ہیں جو ایک منصف مزاج اور غیر متعصب اور عقلمند شخص کے لئے بہت حد تک کافی ثابت ہونگے۔ اب ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ حج کے فضائل ذکر کرتے ہیں جو صحیح روایات سے ثابت ہیں۔ (۱) من حج البیت فلم یرفث ولم یفسق خرج من ذنوبہ کیوم ولدتہ امہ (صحیحین) یعنی جو شخص تمام بیہودہ اور لغو باتوں جماع و منکرات سے الگ رہتے ہوئے محض اللہ تعالیٰ کے لئے حج کرے تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک و صاف ہو جاتا ہے جس طرح اس دن گناہوں سے پاک تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا (۲) حجۃ مبرورۃ خیر من الدنیا وما فیہا وحجۃ مبرورۃ لیس لہا جزاء الا الجنۃ (صحیحین) یعنی حج مبرور تمام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور اس کا اجر صرف جنت ہے (۳) سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای العمل افضل قال ایمان باللہ ورسولہ قیل ثم ماذا قال الجہاد فی سبیل اللہ قیل ثم ماذا قال حج مبرور (صحیحین) یعنی آنحضرت سے کسی صحابی نے پوچھا کہ بہترین عمل کونسا ہے آپ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ آپ سے پوچھا گیا

پھر کونسا آپ نے فرمایا اللہ کے راستے میں دشمنوں سے لڑنا۔ آپ سے دریافت کیا گیا پھر کونسا آپ نے جواب دیا حج مبرور۔ (۴) الحاج والعمار وفد اللہ ان دعوہ اجابھم وان استغفروہ غفرلھم (ابن ماجہ) یعنی حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے وفد اور زائرین ہیں اگر اس سے دعا کرینگے تو اُن کی دعا قبول کرے گا اور اگر اس سے بخشش چاہیں گے تو وہ ان کی مغفرت کرے گا۔ (۵) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجوا فان الحج یغسل الذنوب کما یغسل الماء الدرن (طبرانی اوسط) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو حج کرو اسلئے کہ حج گناہوں کو اسی طرح دھو کر صاف کر دیتا ہے جس طرح پانی میل کچیل کو کپڑوں سے دھو کر صاف کر دیتا ہے۔

ترک حج کے متعلق وعیدیں

مذکورہ بالا فضائل سے جہاں فریضۂ حج کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے وہاں یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ باوجود استطاعت کے اسکا ترک کسی طرح بھی روا نہیں۔ ذیل میں ہم ان روایتوں کو ذکر کرتے ہیں جن میں ترک حج کے متعلق وعیدیں آئی ہیں (۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ملک زادا وراحلۃ تبلغہ الی بیت اللہ ولم یحج فلا علیہ ان یموت یھودیا ولا نصرانیا الخ (ترمذی) یعنی آنحضرتؐ فرماتے ہیں جس شخص نے باوجود زاد و راحلہ کی استطاعت اور طاقت کے حج نہ کیا تو اس کی موت اور یہودی و نصرانی کی موت میں کوئی تفاوت نہیں (۲) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یمنعہ من الحج حاجۃ ظاھرۃ او سلطان جائر او مرض حابس فمات ولم یحج فلیمت ان شاء یھودیا وان شاء نصرانیا (دارمی) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص بغیر کسی عذر مثل بیماری یا حاجت و ظالم بادشاہ کے خوف وغیرہ کے بغیر حج کئے ہوئے مر گیا تو اس کی موت نصرانی و یہودی کی موت ہے۔

ان دو احادیث سے یہ بخوبی عیاں ہو گیا کہ حج جیسے اہم فریضہ کا بغیر کسی عذر کے ترک کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں اور اگر کسی نے ترک کر دیا تو پھر اس کی موت نصرانی اور یہودی کی موت ہے۔ جس طرح ان دونوں کی موت غیر اسلام پہ ہوتی ہے اسی طرح اس کی بھی غیر اسلام پہ ہوگی۔ پس مسلمانوں کو چاہئے کہ جن میں حج کی استطاعت اور قوت موجود ہے وہ اس امن و امان اور نیک دل و نیک سیرت بادشاہ کے زمانہ میں حج جیسی اہم دولت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں حج کیلئے جائیں۔ اللھم وفقنا لحج بیتک المحرم وانت خیر الموفقین۔ (باقی)

رباعی

(جو عورت مرد کا لباس پہنے یا جو مرد عورت کا لباس پہنے وہ دونوں ملعون ہیں (حدیث)

ہو پوشش مرداں میں زن بے غیرت　　یا مرد جو پہنے ہو لباس عورت
یوں قابل نفرین خدا ہیں دونوں　　ان دونوں پہ کرتے ہیں پیمبرؐ لعنت

(کامل جوناگڑھی)

کتب خانہ ... اسلامیہ دہلی DELHI

روحِ اخبار

—— حکومت مصر کے محکمہ مساجد نے مسجدوں کے اماموں اور خطیبوں کے پاس کچھ ہدایتیں بھیجی ہیں کہ ان کو موجودہ حالات میں کس قسم کے خطبے اور وعظ سنانا چاہئیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں محکمہ مذکور نے خطبوں اور مذہبی اسباق کے کچھ نمونے تیار کر دیئے ہیں جو اماموں اور خطیبوں کو دیئے جائیں گے تاکہ وہ انھیں کے مطابق خطبے اور وعظ سنایا کریں۔ نمونے کے خطبوں اور سبقوں میں زیادہ تر جہاد اور قربانی وغیرہ پر زور دیا گیا ہے۔ (مدینہ)

—— معلوم ہوا ہے کہ امسال فریضہ حج کی ادائیگی کیلئے جاوا کے مسلمان پہلے سے زیادہ مستعد ہیں ان کے کئی مخصوص جہاز جدہ کیلئے روانہ ہوگئے ہیں۔ امید ہے کہ جاوا، سماٹرا، جزائر ملایا وغیرہ سے امسال مسلمان کثیر تعداد میں حج کرینگے۔ (مدینہ)

—— پنجاب کے ایک بھنگی نے حکومت کو پانچ روپیہ ماہوار جنگ کے کام کیلئے امداد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اس نے گورنر کو ایک چٹھی لکھی ہے جس کے ساتھ اس نے اپنے وعدہ کی پہلی قسط یعنی پانچ روپیہ بھی روانہ کر دیئے ہیں (وطن)

—— پونا کے ایک پروفیسر نے ایک ایسا لیمپ ایجاد کیا ہے جس میں دیسی تیل جلایا جاسکتا ہے۔ اس وقت ہندوستان مٹی کے تیل اور پٹرول پر تین سے دس کروڑ تک سالانہ خرچ کرتا ہے۔ اور اس کی بجائے اگر سرسوں اور توریے کے تیل کا استعمال ہونے لگے تو اس خرچ میں دس سے پندرہ فیصدی روپیہ کی بچت ہوجائے گی۔ بمبئی گورنمنٹ نے پروفیسر مذکور کو تین ہزار روپیہ کی گرانٹ دی ہے تاکہ وہ اس بارے میں مزید تجربات کریں۔ (وطن)

—— ۱۹۳۸ء میں ۲۵۷ کتابوں کی رجسٹری ہوئی ان میں سے ۱۹۸ کتابیں ہندی کی اور ۶۹ اردو کی اور ۴۶ انگریزی میں تھیں (وطن)

—— نظام دکن نے حکومت برطانیہ کو جنگ کے اخراجات کیلئے ڈیڑھ لاکھ روپیہ ماہوار پیش کرنے کی درخواست کی ہے۔ اسکے علاوہ وزارت فضائیہ کو بھی ایک لاکھ پونڈ عطا فرمایا ہے۔ ملک معظم نے وائسرائے ہند کی معرفت اس عطیہ پر شاہ دکن کا شکریہ ادا کیا ہے

—— راجہ جہانگیر آباد نے جنگ کے سلسلہ میں ۱۰ ہزار روپیہ کی پیشکش کی ہے (وطن)

دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا بیسواں سال

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ توفیق الٰہی عالی حوصلہ مہتمم کی فیاضیوں کی بدولت دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا بیسواں سال شروع ہوچکا ہے۔ بدستور امتحان داخلہ کے بعد نئے طلبہ داخل ہو رہے ہیں۔ اور اپنی سابقہ روایات کے شایان شان مدرسہ کا تمام نظام نہایت حسن و خوبی کے ساتھ جاری ہوچکا ہے۔ اللہ تعالیٰ جناب مہتمم صاحب مدظلہ العالی کو مزید توفیق بخشے اور ان پر اپنے فضل و انعام کا سایہ دائم قائم رکھے۔ آمین۔ مفصل کیفیت انشاءاللہ آئندہ درج ہوگی

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب پرنٹر و پبلشر نے جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر رسالہ محدث دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع کیا۔

جنوری ۴۸

یادگار فدائے علم و دین جناب شیخ عطاء الرحمن صاحب مرحوم و مغفور

رسالہ

کتب خانہ جامعہ ملیہ دہلی

محدث دہلی

ملکیت

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم دار الحدیث رحمانیہ دہلی

فہرست مضامین

مقاصد

(۱) کتاب وسنت کی اشاعت۔

(۲) مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح۔

(۳) دار الحدیث رحمانیہ کے کوائف کی ترجمانی۔

ضوابط

(۱) یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) یہ رسالہ ان لوگوں کو سال بھر مفت بھیجا جائیگا جو ۲ بذریعہ منی آڈر ٹکٹ کے لئے دفتر میں بھیجدینگے وی پی نہیں بھیجا جائیگا۔

(۳) اس رسالہ میں دینی، علمی، اصلاحی، اخلاقی، تاریخی، تمدنی مضامین بشرط پسند شائع ہوتے ہیں

(۴) ناپسندیدہ مضامین محصول ڈاک آنے پر واپس کئے جائینگے اور شائع شدہ مضامین واپس نہیں ہونگے۔

(۵) جوابی امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔

پتہ

منیجر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

نگران اصول
مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

محدث دہلی

نذیر احمد املوی
رحمانی

جلد ۷ | ماہ جنوری ۱۹۴۰ء مطابق ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ ہجری | نمبر ۹

فدایانِ توحید و سنت کی واحد علمی و ملی درسگاہ

دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے بیسویں سال کا شاندار آغاز

گذشتہ ماہ شعبان میں سالانہ امتحان سے فراغت کے بعد جب مدرسہ میں دو مہینہ کی تعطیل ہوگئی، اور طلبہ و اساتذہ اپنے اپنے وطن کو روانہ ہوئے تو راقم الحروف نے بھی اپنے اہل وعیال کا رُخ کیا۔ اور اللہ کا صد ہزار شکر و احسان ہے کہ امن و راحت کے ساتھ یہ دن اپنے اعزہ و احباب میں خوشی خوشی گذر گئے۔ لیکن جوں ہی ہلالِ عید نظر آیا، قدرتی طور پر جذبات میں کچھ کشمکش سی پیدا ہوگئی، ایک طرف اگر عید کی آمد آمد سے خوشی کے آثار نمایاں تھے، تو دوسری طرف چند ہی روز کے بعد بال بچوں سے جدائی کا تصور بھی غم انگیز تھا۔ آخر ۹ شوال ۱۳۵۸ھ بروز منگل کو رخت سفر باندھنا ہی پڑا، اور وطن و اہلِ وطن کو فی آمانِ اللہ کہکر دہلی کو روانہ ہوگیا۔

لیکن میں سچ عرض کررہا ہوں کہ میں وطن سے جسقدر دور اور دہلی سے قریب ہوتا جارہا تھا، غیر ارادی طور پر میری وحشت، قلبی راحت اور سکون سے بدلتی جارہی تھی۔ مجھے کچھ ایسا محسوس ہورہا تھا کہ میں پردیس نہیں بلکہ دیس میں، غیروں میں نہیں، بلکہ اپنوں میں۔ اجنبیوں میں نہیں بلکہ دوستوں میں جارہا ہوں۔ اپنے روحانی و علمی مولد و مسکن (دارالحدیث رحمانیہ دہلی) سے جتنا قُرب ہوتا جاتا میری طبیعت کا یہ انقلاب بھی برابر بڑھتا ہی رہا تاآنکہ مدرسہ کی چہار دیواری میں پہنچکر تو دل کی کیفیت ہی کچھ دوسری ہوگئی۔ اس میں رہنے والے انسانوں ہی نے

نہیں، بلکہ گلشنِ رحمانیہ کے پتے پتے اور غنچے غنچے نے مرحباً اھلاً وَّسھلاً کی صدائیں بلند کیں۔

آتے ہی سب سے پہلے میں نے داخلہ کے نئے امیدوار طلبہ کی فہرست کا جائزہ لیا، تو یہ دیکھکر میری مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ اس سال ملک کے ہر گوشہ سے، تشنگانِ علوم دینیہ کی ایک بڑی تعداد سرچشمۂ علوم دینیہ (دارالحدیث رحمانیہ دہلی) کے فیوض وبرکات سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع حاصل کرنے کیلئے قسمت آزمائی کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ علی الصباح میں نے امتحانِ داخلہ شروع کردیا۔ اور اپنے معیار کے مطابق جو لڑکے کسی جماعت کے لائق معلوم ہوئے ان کو مناسب جماعتوں میں داخل کرلیا گیا۔ کئی روز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس درمیان میں بہت سے ایسے لڑکے بھی آئے جو اپنی استعداد اور لیاقت کی کمزوری کی وجہ سے امتحان داخلہ میں ناکام رہے اور واپس کردیے گئے۔ مگر تاہم عالی حوصلہ مہتمم صاحب مدظلہ العالی کی فراخ حوصلگی قابل داد ہے کہ اس نازک دور میں جبکہ اشیاء کی غیر معمولی گرانی کے باعث ملک میں ایک عام سراسیمگی اور بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ آپ نے بڑی رہا دلی اور فیاضی کے ساتھ لائق طلبہ کے داخلہ کی اجازت دی۔ ان کی اسی بلند ہمتی، غربا پروری، اور علم دوستی کا نتیجہ ہے کہ بحمداللہ اس سال طلبہ کی تعداد پچھلے سالوں سے زیادہ ہے۔ پنجاب۔ بنگال۔ یوپی۔ دکن۔ بہار۔ اڑلیسہ۔ جزیرہ جبشان۔ مدراس۔ آسام۔ برما، ان تمام ممالک کے لڑکے اس سال مدرسہ میں داخل ہیں اور مدرسہ کی طرف سے اپنی علمی ضروریات کی تمام چیزیں مہیا پاکر نہایت فارغ البالی کے ساتھ تحصیل علم میں مصروف ہیں۔ مدرسہ ہی کی طرف سے تمام لڑکوں کو دونوں وقت کھانا۔ پڑھنے کیلئے کتابیں، لالٹینیں، چارپائیاں، لحاف، کمبل، الغرض جسمانی راحت کے بھی ہر قسم کے اسباب مہیا کرکے ان کو بالکل مطمئن کردیا گیا ہے۔ تاکہ سکون قلب کے ساتھ ان کو اپنی علمی ترقی کا موقع مل سکے۔

جب داخلہ کافی ہوچکا، اور پرانے طلبہ بھی کچھ آگئے تو ۱۴ شوال ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۶ نومبر ۱۹۳۹ء کو اتوار کے دن صبح ۷ بجے سے اس سال کی تعلیم کا آغاز ہوگیا۔ اور اسی دن سے باقاعدہ پڑھائی شروع ہوگئی۔ تمام اساتذہ اپنی متعلقہ کتب نہایت قابلیت، محنت، اور تحقیق کے ساتھ پڑھا رہے ہیں۔ جن حضرات کو مدرسہ کا مقررہ نصاب دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ ہمارے یہاں ترجمہ قرآن مجید و دیگر ہر قسم کی دینی وفنی کتابوں کے ساتھ ساتھ ہر جماعت میں ایک گھنٹہ تحریر کی مشق کا بھی لازمی طور پر رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اس پر باقاعدہ عمل ہورہا ہے۔ ادنیٰ جماعت سے لیکر دوسری جماعت تک اردو زبان میں املا و انشا کی مشق کرائی جاتی ہے اور تیسری جماعت میں ترجمتین اور اردو میں خاص عنوان کے ماتحت مضمون نگاری کرنی پڑتی ہے۔ پھر چوتھی جماعت سے لیکر آٹھویں تک ترجمتین

(یعنی کبھی اردو عبارت کی عربی بنانا اور کبھی عربی عبارت کا اردو میں ترجمہ کرنا) اور اپنی اپنی جماعتوں سے متعلق عنوانات پر صرف عربی زبان میں مضامین لکھنے پڑتے ہیں۔ یہ چیز مدرسہ کے قواعد اور طلبہ کے فرائض میں داخل کردی گئی ہے کہ "جماعت پنجم سے لیکر ہشتم تک کے طلبہ کو (کم از کم) اوقات مدرسہ میں عام گفتگو عربی میں کرنا لازمی ہوگا" (قواعد مدرسہ ص۱۸ دفعہ ۶)

غالباً کارکنان مدرسہ رحمانیہ دہلی ہی کو یہ فخر حاصل ہے کہ ضرورت زمانہ کے لحاظ سے سب سے پہلے ان کو اس کا احساس پیدا ہوا کہ طلبا، عربیہ کو تبلیغی میدان میں کام کرنے کیلئے تقریر اور گویائی پر بھی قدرت حاصل کرنی چاہیے۔ چنانچہ انھوں نے اس اہم مقصد کی تکمیل کے لئے، درس کے اوقات میں سے اس کیلئے بھی وقت نکالا۔ اور باقاعدہ اصحاب ذوق اساتذہ کی زیر نگرانی ایک انجمن قائم کردی۔ جو ہر جمعرات کو ایک وقت طلبہ سے یہی کام لیتے ہیں اس انجمن کے صدر اساتذہ ہوتے ہیں لیکن دوسرے عہدے دار مثلاً ناظم و منصرم وغیرہ خود طلبہ میں سے ہوتے ہیں۔ جن کو وہ خود ووٹ کے ذریعہ منتخب کرتے ہیں باقاعدہ الیکشن (انتخابی مقابلہ) ہوتا ہے۔ اس میں جس کے ووٹ زیادہ آتے ہیں وہی منتخب ہوتا ہے چنانچہ اس سال بھی یہ الیکشن ۲۵ رشوال ۵۸ھ مطابق ۷ر دسمبر ۱۹۳۹ء کو بڑی خوبی کے ساتھ انجام پذیر ہوا۔ اور انھیں نئے عہدہ داروں کے ماتحت اس بیسویں سال کا سب سے پہلا اجلاس ۲ر ذیقعدہ ۵۸ھ مطابق ۱۴ر دسمبر ۳۹ء جمعرات کو بڑی شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوا۔

طلبہ کو گرد و پیش کے حالات، زمانہ کی رفتار، ملکی اور غیر ملکی سوانح و حوادث سے باخبر رکھنے کیلئے مدرسہ نے مختلف اخبارات و رسالے کے مستقل خرچ کا بارگراں بھی اپنے ذمہ لیا ہے۔ اس کیلئے "دار المطالعہ" ہے جسمیں طلبہ اپنے خارجی اوقات میں ہر قسم کے ملکی اور مذہبی اخبارات و رسالوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس کا انتظام بھی لڑکوں ہی کے ہاتھ میں ہے چنانچہ اسکے منتظمین کا انتخاب بھی ۲۵ رشوال کو عمل میں آیا اور حسب دستور اس کام کو بھی باقاعدہ طور پر جاری کردیا گیا۔

ناظرین! خدارا انصاف سے بتایئے کہ جو درسگاہ آج اس بے دینی اور الحاد ہی نہیں بلکہ ہر قسم کی مالی پریشانی و بدحالی کے زمانے میں بھی پورے انیس سال تک دینی تعلیم کی ٹھوس خدمتیں انجام دینے کے بعد، اپنے رب کی توفیق اور اس کے مخصوص فضل و انعام کی بدولت، اپنے باحوصلہ اور باعزم مہتمم عالیجناب حاجی شیخ عبد الوہاب صاحب بارک اللہ فیہ کے ہاتھوں اپنی سابقہ روایات و شان کو برقرار رکھتے ہوئے آج بیسویں سال میں قدم رکھ رہی ہے۔ کیا آپ کا ایمان آپ کو اس کیلئے مجبور نہیں کرتا کہ اس بے مثل دینی درسگاہ کے بانیوں کی مغفرت، اور موجودہ کارپردازوں کے لئے ہر قسم کی فلاح و بہبود، ترقی و عروج کی خدائے ارحم الراحمین کے دربار میں خلوص و الحاح کے ساتھ دعائیں کریں؟

(مدیر)

عیدالاضحی کے فضائل و احکام

(از مولوی عبیدالرحمن صاحب طالب اعظمی فاضل رحمانیہ)

فضائل عشرہ ذی الحجہ یوں تو عیدالاضحیٰ کا پورا مہینہ عظمت و برکت اور حرمت والا ہے مگر اس مہینے کے پہلے دس روز تو اپنے اندر بہت بڑی فضیلت اور بزرگی رکھتے ہیں (۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من ایام العمل الصالح فیھن احب الی اللہ من ھذہ الایام العشر فقالوا یا رسول اللہ ولا الجھاد فی سبیل اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا الجھاد فی سبیل اللہ الخ (ترمذی) آنحضرت فرماتے ہیں ماہ ذی الحجہ کے اول دس دنوں میں نیک اعمال اللہ کے نزدیک جتنے زیادہ محبوب اور مرغوب ہیں اتنے اور دنوں میں نہیں لوگوں نے پوچھا جہاد بھی نہیں آپ نے فرمایا جہاد بھی نہیں (۲) ترمذی میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو عبادات اللہ تعالیٰ کے نزدیک عشرہ ذی الحجہ میں محبوب اور پیاری ہیں وہ اور دنوں میں نہیں ان دنوں میں روزے رکھنا ثواب میں سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور ان دنوں کی راتوں کا قیام ثواب میں شب قدر کے قیام کے برابر ہے۔ عرفہ یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو روزہ رکھنا افضل ہے قال صیام یوم عرفۃ انی احتسب علی اللہ ان یکفر السنۃ التی بعدہ والسنۃ التی قبلہ (ترمذی) یعنی آنحضرت نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ ضرور عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے سال گذشتہ اور سال آئندہ دونوں کے گناہ معاف کر دیگا۔

میدان عرفات میں حاجیوں کیلئے عرفہ کے دن روزہ رکھنا منع ہے۔ نیز عیدالفطر و عیدالاضحیٰ ایام تشریق (۱۱-۱۲-۱۳) ان پانچ دنوں میں روزہ رکھنا منع ہے۔ جس شخص کا ارادہ قربانی کرنیکا ہو اس کیلئے ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد سے ناخن ترشوانا، زیر ناف کے بال لینا، لبوں کو ترشوانا، سر کے بال منڈوانا ترشوانا بغل و ناک کے بال لینا ناجائز و ممنوع ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل العشر واراد بعضکم ان یضحی فلا یمس من شعرہ وبشرہ شیئا وفی روایۃ فلا یاخذن شعرا ولا یقلمن ظفرا وفی روایۃ من رای ھلال ذی الحجۃ واراد ان یضحی فلا یاخذن من شعرہ ولا من اظفارہ (مسلم) یعنی جس شخص کا ارادہ قربانی کرنیکا ہو اسے چاہئے کہ عشرہ ذی الحجہ کے آتے ہی بدن کے بال اور ناخن وغیرہ نہ ترشوائے۔

عشرہ ذی الحجہ اور ایام تشریق میں تکبیریں ماہ ذی الحجہ کے اول دس دنوں اور ایام تشریق (۱۱-۱۲-۱۳) میں نماز فرض و نوافل کے بعد کے علاوہ بھی اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے تکبیریں کہنی چاہئیں۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما من ایام اعظم عند اللہ ولا احب الی اللہ العمل فیھن من ایام العشر فاکثروا فیھن من التسبیح والتحمید والتھلیل والتکبیر

(طبرانی کبیر) یعنی عشرہ ذی الحجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت فضیلت اور بزرگی رکھتا ہے۔ اسلئے اس میں تسبیح وتکبیر بکثرت کہنی چاہیئے تکبیر یہ ہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ بعض لوگوں کے نزدیک تکبیریں صرف نویں تاریخ عرفہ کے دن نماز فجر سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک پکار کر کہنی چاہئیں لیکن یہ عبداللہ بن مسعودؓ کی موقوف روایت سے ثابت ہے اسلئے افضل وہی ہے جو مرفوع روایت میں آچکا ہے کہ ذی الحجہ کی پہلی ہی تاریخ سے تکبیریں کہنی چاہئیں۔

فضائل قربانی قربانی کی مشروعیت میں جہاں سنت ابراہیمی کی یادگار زندہ رکھنے کا راز مضمر ہے وہاں اس میں بہت سے اخروی فوائد ومنافع بھی موجود ہیں، یہاں ہم مختصراً ان اخروی فوائد ومنافع کو ذکر کرتے ہیں۔ (۱) ما عمل آدمی من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اھراق الدم وانہ لتاتی یوم القیمۃ بقرونھا واشعارھا واظلافھا وان الدم لیقع من اللہ بمکان قبل ان یقع من الارض فطیبوا بھا نفسا (ترغیب ترھیب) آنحضورؐ فرماتے ہیں انسان کا کوئی عمل عید الاضحیٰ کے دن اتنا محبوب نہیں ہے جتنا کہ خون بہانا یعنی قربانی کرنا ہے اور قربانی کا جانور اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں سمیت اللہ کے دربار میں قیامت کے دن حاضر ہوگا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے خدا تعالیٰ اسے قبول فرما لیتا ہے پس تم خوش ہو جاؤ۔ (۲) قال اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ماھذہ الاضاحی یا رسول اللہ قال سنۃ ابیکم ابراھیم قالوا فمالنا فیھا یارسول اللہ قال بکل شعرۃ حسنۃ قالوا فالصوف قال بکل شعرۃ من الصوف حسنۃ (ترغیب ترھیب) یعنی صحابہؓ نے آنحضرتؐ سے پوچھا قربانی کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارے باپ حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے صحابہؓ نے عرض کیا اسمیں ہمیں کیا ثواب ملتا ہے آپ نے فرمایا ہر بال اور ہر اُون کے بدلے میں ایک ایک نیکی۔ (۳) ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال یا فاطمۃ قومی فاشھدی اضحیتک فان لک باول قطرۃ تقطر من دمھا مغفرۃ لکل ذنب اما انہ یجاء بدمھا ولحمھا فیوضع فی میزانک سبعین ضعفا فقال ابوسعید یارسول اللہ ھذا لآل محمد خاصۃ فانھم خصوا بہ من الخیر اولآل محمد وللمسلمین عامۃ قال لآل محمد خاصۃ وللمسلمین عامۃ (ترغیب ترھیب) یعنی آنحضرتؐ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا اے فاطمہؓ اٹھو اور اپنی قربانی کے پاس حاضر رہو اسلئے کہ جو قطرہ قربانی کے خون کا زمین پر گرے گا ہر قطرہ کے بدلے تمہارے ہر ایک گناہ بخشدیئے جائیں گے یہ قربانی قیامت کے دن اپنے خون وگوشت سمیت لائی جائیگی اور اس کا وزن ستر گنا بڑھا کر ترازو میں رکھا جائیگا۔ ابوسعید نے پوچھا یا رسول اللہ یہ صرف آل محمدؐ کے لئے ہے یا عام مسلمانوں کیلئے۔ آپ نے فرمایا آل محمدؐ کیلئے خصوصاً اور مسلمانوں کیلئے عموماً۔ (۴) من ضحی طیبۃ نفسہ محتسبا لاضحیتہ کانت لہ حجابا من النار (طبرانی کبیر) یعنی جس شخص نے بغرض طلب ثواب اور برضا ورغبت قربانی کی اسکے لئے وہ قربانی جہنم کا آڑ اور بچاؤ کرنیوالی بنجائیگی۔

قربانی کے مسائل واحکام

قربانی کرنا سنت موکدہ ہے اور عند البعض واجب وضروری ہے جو شخص باوجود وسعت اور طاقت رکھنے کے قربانی کرنے سے دریغ کریگا وہ عند اللہ مجرم اور گنہگار ہوگا۔ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من وجد سعتان یضحی فلم یضح فلا یحضر مصلانا (حاکم) یعنی جس کو قربانی کی وسعت ہو مگر وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ میں (جہاں مسلمانوں کا اجتماع ہوگا) نہ آئے۔

عید الاضحیٰ کی نماز سے فراغت پانے کے بعد قربانی کرنی چاہیئے نماز سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ قال فی یوم الاضحیٰ من کان ذبح احسبہ قال، قبل الصلوۃ فلیعد ذبیحتہ (بزار) حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص نماز سے پہلے قربانی ذبح کردے اس کو دوبارہ قربانی کرنی چاہیئے۔ ہر شخص اپنی قربانی کا گوشت کھا سکتا ہے قال اذا ضحی احدکم فلیاکل من اضحیتہ (احمد) دسویں سے بارہویں تیرہویں تک قربانی کرسکتا ہے قربانی کے گوشت کو ذخیرہ کے طور پر جتنے دن چاہے رکھ سکتا ہے۔ قربانی کے جانور کی کھال مسکینوں کا حق ہے لہذا اسکو صدقہ کردینا چاہیئے۔

قربانی کا جانور کیسا ہونا چاہئے

قربانی کا جانور موٹا اور بہتر ہونا چاہیئے دو دانت سے کم نہ ہونا چاہیئے ہاں اگر بھیڑ ہو تو اَدنت (چھ سات مہینے کی) بھی جائز ہے۔ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا تذبحوا الا مسنۃ الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعۃ من الضان (مسلم) یعنی قربانی کا جانور مُسنہ یعنی دانت والا ہونا چاہیئے اگر میسر نہ ملے تو بھیڑ کا بچہ چھ سات مہینے کا ذبح کرلو (بھیڑ کے علاوہ کوئی دوسرا جانور بغیر دنتا ہوا جائز نہیں ہے) قربانی کا جانور عیب دار مثلاً اندھا لنگڑا بہت دُبلا اور سینگ ٹوٹا وغیرہ نہ ہونا چاہیئے کیونکہ اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔ عن البراء بن عازب ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سئل ماذا یتقی من الضحایا فاشار بیدہ فقال اربعا العرجاء البین ظلعھا والعوراء البین عورھا والمریضۃ البین مرضھا والعجفاء التی لا تنقی (ابوداؤد احمد ترمذی) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کون سے جانور کی قربانی منع ہے؟ تو آپ نے چار قسم کے جانور کی قربانی سے منع فرمایا ایک اندھا جانور جسکا اندھا پن ظاہر ہو اور جو بیمار ہو اور اس کی بیماری بالکل کھلی ہوئی ہو اور جو جانور لنگڑا ہو اور اس کا لنگڑا پن معلوم ہوتا ہو اور لاغر ونحیف اور کمزور جانور جسمیں مغز نہ ہو۔ قربانی کا جانور خریدتے وقت اسکی آنکھ اور کان اچھی طرح دیکھ لینا چاہیئے کیونکہ اس جانور کی قربانی بھی ممنوع ہے جس کا کان آگے یا پیچھے سے کٹا ہوا ہو یا پھٹا ہوا ہو یا اس کے کان میں گول سوراخ ہو عن علی قال امرنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان نستشرف العین والاذن ولا نضحی بمقابلۃ ولا مدابرۃ ولا شرقاء ولا خرقاء (ابوداؤد) یعنی آنحضرت نے حکم فرمایا ہے کہ قربانی کے جانور کی آنکھ وکان کو خوب غور سے دیکھ لیا کریں اگر اس کا کان آگے یا پیچھے سے کٹا ہو یا پھٹا ہوا ور سوراخ دار ہو تو اسکی قربانی نہ کریں۔

قربانی کے جانوروں میں کتنے شریک ہوسکتے ہیں۔ گائے کی قربانی میں سات اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہوسکتے ہیں۔ عن ابن عباس قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فحضر الاضحی فاشترکنا فی البقرۃ سبعۃ وفی البعیر عشرۃ (ترمذی) یعنی ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جب عیدالاضحیٰ کا دن آیا تو گائے کی قربانی میں سات اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہوئے۔ ایک بکری کی قربانی گھر بھر کی طرف سے ہوسکتی ہے۔ عن عطاء بن یسار قال سئلت ابا ایوب الانصاری کیف کانت الضحایا فیکم علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کان رجل فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم یضحی بالشاۃ عنہ و عن اھل بیتہ فیاکلون ویطعمون الخ (ترمذی وابن ماجہ) یعنی حضرت عطا فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوایوبؓ انصاری سے پوچھا کہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں لوگوں کی قربانی کس طرح ہوتی تھی انھوں نے فرمایا کہ آپ کے زمانے میں لوگ ایک بکری اپنے اور گھر کے سارے لوگوں کی طرف سے کرتے تھے اور خود کھاتے تھے اور اوروں کو کھلاتے۔

عیدگاہ جانا اور آنا عیدالاضحیٰ کے دن صبح سویرے نہا دھو کر اور اچھے کپڑے جو اس وقت میسر ہوں پہنکر اور خوشبو لگا کر کچھ کھائے بغیر عیدگاہ یعنی کھلے میدان میں بلند آواز سے تکبیر پکارتے ہوئے جائیں اور وہاں پہنچکر بھی برابر تکبیریں پکارتے رہیں۔ پھر نماز سے فارغ ہوکر تکبیریں پکارتے ہوئے راستہ بدلکر اپنے اپنے گھر واپس آئیں اور قربانیاں کریں۔

قربانی کرنے کا طریقہ قربانی کرنے کا مسنون اور مشروع طریقہ یہ ہے کہ اول چھری تیز کرلی جائے اور قربانی کے جانور کو بائیں پہلو پر قبلہ رخ لٹا کر یہ دعا پڑھے۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰی مِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ . . . ع . . نام ذکر کرنے کے بعد بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہکر جانور کے گلے پر چھری پھیر دے۔ مُردوں کی طرف سے قربانی کرنا جائز اور صحیح روایات سے ثابت ہے۔ عن حنش قال رایت علیا یضحی بکبشین فقلت ماھذا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ (ابوداؤد) یعنی حنش کہتے ہیں میں نے حضرت علیؓ کو دو مینڈھوں کی قربانی کرتے ہوئے دیکھا میرے پوچھنے پر انھوں نے فرمایا کہ آنحضرتؐ نے مجھے وصیت فرمائی ہے کہ میں ان کی طرف سے قربانی کرتا رہوں اسلئے میں ان کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ خود آنحضرتؐ نے اپنی امت زندہ اور مردہ کل کی طرف سے قربانی کی ہے۔ مُردے کی طرف سے جو قربانی کی جائے۔ اس کا گوشت خود بھی کھاسکتا ہے۔

ع یہاں ان سب کا نام لے جن کی طرف سے قربانی کرنے کا ارادہ ہو۔ ۱۲

مقابلۂ کفر و ایمان

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی زندگی کا ایک زریں باب

(مولوی محمد ادریس صاحب آزاد اعظمی مولوی عالم فاضل رحمانیہ)

تبر بدوش کوئی نوجوان آتا ہے
بتوں کے واسطے پیغامِ مرگ لاتا ہے
بڑھا کے ہاتھ بتوں پر تبر چلاتا ہے
صنم کدہ کو براہیمؑ دیکھو ڈھاتا ہے
وہی خلیلؑ جو تھا زیر سایۂ آذر
بتوں کو توڑ رہی ہے اسی کی آج تبر

ملی تھی خلعتِ پیغمبری ابھی اس کو
جہاں کی دی تھی ابھی حق نے سروری اس کو
پھر کیا بھائی ذرا بھی نہ آذری اس کو
پسند آگئی فطرت کی دلبری اس کو
صنم کدہ کے بتوں کو وہ توڑ کے نکلا
تلاشِ حق میں پدر کو بھی چھوڑ کے نکلا

فریب و مکر کا اک پیکرِ نحیف و نزار
جو خود کو کرتا تھا رب کے مقابلہ میں شمار
تھا تاج و تخت پہ طاقت کا جس کی مدار
وہ دیکھ سکتا تھا کب حق کی گرمیٔ بازار
اٹھا خلیلؑ کو تا ڈالدے وہ گلخن میں
خزاں نہ آئے کبھی تا کہ اس کے گلشن میں

وہ آگ جس سے فرشتوں کے دل دہل جائیں
شرار بھی جو پڑیں اس میں تو پگھل جائیں
وہ آگ برق کے پارے بھی جس میں جل جائیں
وہ آگ جس سے زمیں، آسمان ہل جائیں
خلیلؑ کود پڑا اس میں مسکراتا ہوا
جہانِ کفر کو پیغامِ حق سناتا ہوا

خلیلؑ آگ میں ہر سمت آنے جانے لگا،
گیا جو اس میں تو اب اور مسکرانے لگا
وہ اہل کفر کا ہنس ہنس کے دل جلانے لگا
یقیں کا سکہ جہاں پر وہ اب بٹھانے لگا
نہ سوز تھا نہ تپش تھی نہ آگ میں گرمی
مزاجِ نار میں آزاد آگئی نرمی۔

اسوۂ حسنہ

(جناب شمیم صاحب گیاوی۔ متعلم رحمانیہ دہلی)

ارشاد باری تعالیٰ ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۱ (پ ۲۱ س احزاب ۳۸) ترجمہ بیشک رسولؐ کی ذات گرامی ان کے لئے بہترین نمونہ ہے جو اللہ عزوجل کے دیدار کے خواہشمند اور اخروی نعمتوں کے متمنی ہیں اور جو اللہ کے ذکر سے اپنے قلوب کی آبپاشی کرتے رہتے ہیں۔

یہ امر قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں "فی رسول اللہ" (رسول اللہ میں) یعنی ظرف کا لفظ کیوں استعمال کیا اس میں کیا نکتہ ہے۔ میرے خیال میں اس کے استعمال کرنے میں یہ باریکی ہے کہ جیسے ظرف اپنے مظروف کے تمام اجزا پر حاوی ہوتا ہے اور مظروف کا کوئی جز ظرف سے خارج نہیں ہوتا مثلاً جو پانی گھڑے کے اندر ہوتا ہے اس کا کوئی قطرہ گھڑے سے باہر نظر نہیں آتا بعینہ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک تمام اخلاق حمیدہ پر حاوی ہے۔ خواہ وہ اخلاق من قبیل عبادات ہوں یا من قبیل معاملات خواہ از قسم نظریات ہوں یا از قسم عملیات الغرض ان کا تعلق جس قبیل سے بھی ہو آپ میں بدرجہ اتم پائے جاتے تھے۔ اور یہ امتیاز خاص آپ ہی کی ذات مبارک کو حاصل ہے دوسرے انبیائے کرام کو نہیں ممکن ہے کوئی صاحب یہ سوال کریں کہ یہ صفت آپ ہی کی ذات کے ساتھ کیوں خاص کی گئی جواب میں میرا اتنا ہی کہدینا کافی ہوگا کہ دین و دنیا کی تمام نعمتیں اللہ جل شانہ کے اختیار میں ہیں وہ جسکو چاہے دے اس میں کسی کو چون وچرا کرنے کی گنجایش نہیں ذالك فضل الله يوتيه من يشاء

لیکن چونکہ اس وحدہ لاشریک کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا لہذا ہمیں یہ حق ضرور حاصل ہے کہ ہم سمجھیں اور غور کریں کہ اس خصوصیت کی کیا وجہ ہے۔ اور اس میں کیا راز مضمر ہے۔ میرے خیال میں چونکہ آپ کو خاتم النبین بنا کر مبعوث کیا تھا اسلئے ضرورت اس بات کی تھی کہ آپ کو جمیع کمالات کا جامع بنائے اور آپ کی ذات ستودہ صفات تمام اخلاق حمیدہ پر حاوی ہو اور آپ اپنی امت کیلئے زندگی کے ہر شعبہ کا عملی نمونہ پیش کریں تاکہ قیامت تک آپ کی آنیوالی امت عملی میدان میں دشواریوں سے دوچار نہ ہو آیئے میں آپ کو دکھاؤں کہ زندگی کے ہر شعبے کا عملی نمونہ آپ ہی کی ذات مبارک میں پایا جاسکتا ہے۔ دوسرے کسی نبی یا پیشوا میں نہیں پایا جاسکتا جب میں دیگر انبیائے کرام و پیشوایان مذہب کے حالات زندگی کا مطالعہ کرتا ہوں

تو یہ بات روشن ہوجاتی ہے کہ کوئی شخص ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کے علاوہ کسی نبی یا کسی پیشوا کے اعمال زندگی کو اپنا لائحہ عمل بنا کر دین ودنیا میں کامیابی حاصل نہیں کرسکتا یہ کیوں؟

اسلئے کہ بہت سی چیزیں جو مقتضیات فطرت سے ہیں ان میں نہیں پائی جاتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات کسی یہودی کے لئے فن تجارت کا اسوہ پیش کرکے ترقی کی راہ نہیں بتاسکتی اسی طرح کوئی عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے زن وشوہر کے تعلقات ان کے باہمی حقوق یا اہل وعیال کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے طریقے سیکھنا چاہے تو سیکھ نہیں سکتا اور نہ کوئی عملی نمونہ اسے مل سکتا ہے کیونکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی زندگی اس فطری ضرورت سے بالکل خالی ہے۔ اسی طرح ان کی زندگی کسی عیسائی کو اصول جنگ یا اصول مدافعت کی تعلیم نہیں دے سکتی علیٰ ہذالقیاس راجہ رامچندر جی کی زندگی بھی کسی ہندو کے لئے تعدد ازدواج کا نمونہ پیش نہیں کرسکتی اور نہ اسے فطرت کے بہت سے عطیوں سے ہمکنار کرسکتی ہے۔ اسی طرح مہاتما گوتم بدھ کی حیات ان کے کسی متاہل پیرو کار کیلئے اسوہ نہیں بن سکتی جو اپنی حسینی بیوی اور معصوم شیر خوار بچے پر آخری نگاہ ڈالکر جنگل کو سدھارے۔

لہذا معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی یہودی کیلئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی عیسائی کے لئے راجہ رامچندر جی کسی ہندو کیلئے مہاتما گوتم بدھ اپنے کسی پیروکار کے لئے تمام عملیات ونظریات میں شمع ہدایت نہیں بن سکتے بخلاف اس کے ہر مسلمان خواہ وہ کسی طبقے کا ہو اپنے ہادی برحق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو اپنے لئے شمع ہدایت بنا سکتا ہے یعنی ایک مسلم تاجر آپ کی اس دور حیات کو کہ جس میں آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مال سے کمال دیانتداری کے ساتھ تجارت کی اور اسکو فروغ دیا اپنا لائحہ عمل بنا کر ترقی کی اعلیٰ منزل پر فائز ہوسکتا ہے اسی طرح اگر متاہل اہل وعیال کے حقوق اور ان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے طریقے سیکھنا چاہے تو آپ اسے بتا دیں گے کہ جیسے آپؐ نے حضرت خدیجہؓ حفصہؓ ام حبیبہؓ زینبؓ اور عائشہؓ وغیرہن کے ساتھ زندگی بسر کی ہے ویسے ہی تم بھی اپنی بیویوں کے ساتھ زندگی بسر کرو اسی طرح ایک بادشاہ کے لئے بھی آپ کی زندگی میں ہزاروں طریق عمل ملیں گے لہذا جب آپ پیغمبر آخرالزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ روحی کی ذات ستودہ صفات پر غور کرینگے تو آپ پر یہ بات روشن ہوجائیگی اور آپ کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ واقعی دنیا کے ہر طبقہ کے لئے آپ کی ذات اسوۂ حسنہ ہوسکتی ہے اور آپ ہی تمام دنیا کے انسانوں کیلئے شمع ہدایت ہوسکتے ہیں۔ اب میں آپ کو ایسی چیزوں کی طرف متوجہ کرونگا جس کی مثال غالباً آپ کہیں نہیں پاسکتے۔ غور کیجئے کہ دنیا کے بعض طبقے کے لوگ ایسے بھی ہیں جنسے آپ بزعم خود بہت کچھ اپنے کو افضل سمجھتے ہیں مثلاً مزدور اور چرواہے وغیرہ۔

لیکن رسولؐ عربی فداہ ابی وامی مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت مزدوروں کے ساتھ پتھر اٹھا اٹھا کر، غزوۂ خندق کے موقعہ پر پھاوڑے سے مٹی کاٹ کاٹ کر غریب مزدوروں کیلئے اسوہ بنے۔ اور بکریوں کی گلہ بانی کرکے چرواہوں کیلئے عملی نمونہ چھوڑ گئے حتیٰ کہ غیر مسلم مہمان کی غلاظت صاف کرکے حقیر بھنگیوں کیلئے بھی ایک بے نظیر مثال قائم کر گئے ظاہر ہے کہ یہ سب کام آپ نے اسی لئے کیا کہ معمولی سے معمولی انسان بھی آپ کی حیات طیبہ میں اپنا نمونہ پا سکے اور دنیا پر واضح ہو جائے کہ مذہب اسلام کسی خاص طبقہ کے لئے مخصوص نہیں بلکہ عام ہے اور ہر طبقہ کے لوگ اس سے مشرف ہو سکتے ہیں۔ جو عزت اور مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک شہنشاہ اپنے سریر سلطنت پر بیٹھکر حاصل کر سکتا ہے وہی عزت و مرتبہ ایک بھنگی اپنے پیشے میں رہ کر حاصل کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے قانون کی ایمان کے ساتھ پابندی کرے۔

غور کیجئے اور سوچئے کہ کیا آپ کو کسی دوسرے پیشوا کی ذات میں اعلیٰ طبقہ سے لیکر ادنیٰ طبقہ کے انسان کیلئے عملی نمونہ مل سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ صفت اگر کسی ذات میں پائی جاتی ہے تو وہ ہمارے پیغمبر احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کی ذات مبارک ہے چنانچہ اسی جامعیت کی طرف باری تعالیٰ نے اشارہ کیا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

اخلاقیات (بقیہ صفحہ ۲۳)

مہذب سوسائٹی میں ڈکار لینا، کھکھانا، زبان نکالنا، ناک میں انگلی ڈالنا، انگڑائی لینا، پاؤں پھیلا کر بیٹھنا یا ہلاتے رہنا، انگلی بجانا، دانت سے ناخن کاٹنا، کپڑا چبانا، کانا پھوسی کرنا، کان میں انگلی یا قلم ڈالنا وغیرہ بُرا سمجھا جاتا ہے۔

• اگر محفل میں جمائی، کھانسی یا چھینک آئے تو منہ پر ہاتھ یا رومال رکھ لینا چاہیئے، ناک بہتی ہو تو رومال سے صاف کر لینا چاہیئے۔ ہچکی آئے تو مجلس سے اُٹھ جانا چاہیئے اور پانی پی کر یا کسی اور طریقہ سے اس کو روکنا چاہیئے۔

سڑک پر کسی کے گلے میں بازو ڈال کر چلنا اچھا نہیں ہے۔

دوسرے کی چیز کہیں پہنچانی ہو تو جس حالت میں ملے اسی حالت میں پہنچا دو۔

گاڑیبان اور دوکاندار سے لین دین کے لئے نوک جھونک مت کرو۔

اگر لین دین میں غریب کے پاس ایک پیسہ زیادہ چلا جائے تو جانے دو

جب تک ضرورت نہ ہو یا بہت گہری جان پہچان نہ ہو، بغیر پوچھے کسی کے معاملہ میں اپنی رائے مت دو۔ نیز جہاں بہت سے لوگ بیٹھے ہوں وہاں اپنا رونا مت روؤ۔ اور اپنے ہی روزگار کا چرچا مت کرو۔

فقط

اسلامی شان

(از مولوی حافظ عبدالخالق صاحب جیپوری متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی)

آج جبکہ ہم سطح ارضی پر نظر ڈالتے ہیں تو مسلمان کو ذلیل وخوار پاتے ہیں ان کی اقتصادی ومعاشرتی حالت ان کی صنعتی وحرفتی حالت ہر اعتبار سے پست ہے۔ غلامی اور محکومی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں بہت کم ایسے ممالک ہیں جہاں پوری طرح مسلمان آزادانہ طور پر زندگی بسر کر رہے ہوں حالانکہ ان کو خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ (زمین میں اللہ کے نائب) کہا گیا۔ ابھی ان کا وجود بھی نہ تھا کہ باری تعالیٰ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانی زبور میں یہ فیصلہ فرما چکا تھا کہ پرستاران توحید ہی ہیں جو دنیا کی سطوت وحکومت کے مالک ہوں گے۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ○ (پ۱۷ س ج ۷) یعنی ہم نے زبور میں . . . . یہ بتا دیا تھا کہ مسلمان ہی ہوں گے جن کی وراثت میں زمین کی حکومت ہوگی دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (آل عمران) یعنی اگر ایمان پر مضبوط رہے تو تم ہی سربلند ہوگے۔ پس ذلت کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں وہ ایمانی شان نہیں جو ایک مومن اور مسلمان میں ہونی چاہئے ورنہ خدا تعالیٰ اپنے وعدوں میں جھوٹا نہیں۔ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ○ (سورۂ رعد) الآیہ ترجمہ اللہ رب العزۃ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

مجھے اپنی تحریر میں یہ بتانا ہے کہ وہ کونسی ایسی ایمانی شان ہے جسکو ہر مسلمان اپنے میں پیدا کر کے دنیا اور آخرت کی تمام ترقیوں کو حاصل کر سکتا ہے۔ سنئے! انسان کو اپنی پوری دنیاوی زندگی میں دو تعلق پیدا کرنے پڑتے ہیں اور یہی دو تعلق اس کی زندگی کے لب لباب ہیں یعنی پہلا تعلق اپنے مولیٰ خلاق عالم سے دوسرا تعلق اس کے بندوں سے زیادہ تفصیل کی طرف نہ جائیے صرف قرآن پاک پر نظر ڈالئے اس نے نہایت جامع الفاظ میں ہماری پوری طرح رہنمائی کی ہے اور بتلایا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے خالق اور اس کے بندوں سے کیسا برتاؤ رکھنا چاہئے فرماتا ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ | ایمان والے خدا تعالیٰ سے اشد ترین محبت رکھتے ہیں ان کے دل خدا کی محبت سے معمور ہوتے ہیں اس آیت میں رب العزۃ نے اس حقیقت سے آگاہ کیا ہے کہ مومنوں کو اپنے دلوں میں خدا کی محبت تمام محبوب اشیاء سے زیادہ رکھنی چاہئے۔ دوسری آیت میں فرماتا ہے۔ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ

الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ الآیہ (آل عمران) ترجمہ ہم نے لوگوں کے دلوں میں مرغوب چیزوں کی محبت مثلاً عورتوں بچوں سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان دار گھوڑے اور چوپائے مویشی اور کھیتیوں کی محبت کو مزین کر دیا ہے۔

ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے کیونکہ آیت اولیٰ میں ارشاد ہے کہ مومنین خدا کی محبت اپنے دلوں میں رکھیں۔ دوسری آیت میں فرمایا کہ ہم نے سونے چاندی گھوڑے وغیرہ اشیار کی محبت کو لوگوں کے لئے مزین کر دیا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دل ایک ہو اور اس میں خدا کی محبت بھی ہو اور دوسری اشیار کی بھی۔ لیکن یہ یاد رکھئے خدا کے کلام میں تعارض نہیں یہ ہمارے افہام کا قصور ہے کہ ہم تعارض سمجھ لیتے ہیں پس ان دونوں آیتوں میں بھی مطلقاً تعارض و تباین نہیں ان دونوں آیات کے ملانے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رب العزۃ اس سے منع نہیں کرتا کہ انسان کے دل میں اس کی بیوی کی محبت یا اس کی اولاد کی محبت یا اس کے مال کی محبت ہو بلکہ یہ اس کا عین حکم ہے کہ ان اشیار کی محبت بھی ضروری ہے لیکن مقصود بالذات خدا کی محبت ہو اور اس کے علاوہ اگر کسی کی محبت اس کے دل میں ہو تو وہ خدا کی محبت کے تابع ہو کر ہو مزید وضاحت کے لئے حضرت بلقیس کے واقعہ پر جسکو قرآن پاک نے ذکر کیا ہے نظر ڈالئے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام ہدہد پرندہ کو اپنا پیغام دیکر ملکۂ بلقیس جو کہ ایک زبردست ملک کی مالک تھی روانہ کرتے ہیں اس میں یہ تحریر تھا کہ اِنَّہٗ مِنْ سُلَیْمَانَ وَاِنَّہٗ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ۝ الآیہ (سورہ نمل) ترجمہ یہ خط سلیمان کی طرف سے لکھا جا رہا ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اے ملکۂ بلقیس تو مسلمان ہو کر میرے پاس آ جا ورنہ تیری خیر نہیں ہے۔ جنابہ بلقیس اپنے ارکان سلطنت کو جمع کرتی ہیں اور ان سے مشورہ لیتی ہیں یہ لوگ سب بول اٹھتے ہیں کہ آپ کو کس بات کا خوف ہے ہمارے پاس ہر قسم کی قوت و طاقت موجود ہے آپ کے حکم کی دیر ہے جو فرمان ہو گا ہم بجا لانے کیلئے تیار ہیں اس موقع پر حضرت بلقیس نے ایک پُر از حقائق اصول ان کے سامنے بیان کیا تھا جسکو قرآن پاک اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے۔

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ الآیہ (پ ۱۹ سورہ نمل) ترجمہ بلقیس نے کہا شاہان بلد جب فاتحانہ کسی مقام پر قبضہ کرتے ہیں تو اسکو تباہ کر ڈالتے ہیں نیز وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ تازہ واقعات پر نظر ڈال جائیے، آپ ضرور واقف ہوں گے کہ جب برٹش امپیریلزم ہندوستان میں آیا تو اس نے کیا کیا۔ اٹلی نے اہل حبش کے ساتھ کیا سلوک کیا، جاپانیوں نے چینیوں پر کیا کیا مظالم کئے یہ تمام امور تفصیل طلب ہیں بہرحال ان تمام تمثیلات سے حضرت بلقیس کے مقولہ کی پوری طرح پر وضاحت ہو جاتی ہے پس جب دنیا کے ادنیٰ بادشاہوں کا یہ حال ہے جنکی

حقیقت خلاق عالم کے سامنے کچھ بھی نہیں تو شہنشاہ عالم جو تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے اسکو یہ کب گوارا ہوگا جب کہ اس کا قبضہ شہر دل پر ہو کہ ایک قلعہ جو اولاد کی محبت کا انسان کے دل میں ہے وہ باقی رہے۔ دوسرا محل جو ماں باپ اور بیوی کی محبت کا تعمیر ہے اسکو چھوڑ دیا جائے تیسرا قلعہ جو مال کی محبت کا موجود ہے اس سے تعرض نہ کیا جائے بلکہ اس کی خواہش یہ ہوگی کہ سوائے اس قلعہ کے جو انسان کے دل میں اس کی محبت کا تعمیر ہے اسکے علاوہ تمام محبت کے قلعوں کو مسمار کر دیا جائے اور سب کا قلع وقمع کر دیا جائے اور مومن کے دل پر صرف اس وحدہ لاشریک کا قبضہ ہو اور کسی کی رسائی وہاں تک نہ ہو اگر کسی کی محبت دل تک پہنچے بھی تو رب العالمین کی محبت کے تابع ہو کر جناب سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی جان سے بھی محبت تھی اپنے بچے چہیتے ولاڈلے دولارے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی انتہائی محبت تھی لیکن جب باری تعالیٰ کی محبت کا مقام آتا ہے تو اپنی جان کو بھی دھکتی ہوئی آگ میں جھونک دیتے ہیں اور اپنے اکلوتے بچے حضرت اسمٰعیل کے گلے پر چھری پھیر دینے میں بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہ معنی ہیں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کے۔ یہی محبت صحابہ کرام کے دلوں میں تھی اور اسی محبت کا سودا اپنے سروں میں لئے ہوئے آگ کے انگاروں پر اپنے آپ کو پیش کر دیتے تھے اس کے مقابلے میں اپنے کو سولی پر چڑھا دینا اپنے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرا دینا محبوب و پسند تھا۔

کفار قریش پرستاران توحید رضی اللہ عنہم کو آگ کے انگارے بچھا کر اس پر لٹا دیتے تھے ریگستان عرب کی تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر اوپر سے گرم پتھر رکھ دیتے تھے متواتر تعذیب سے ان کی پشت پر چربی نظر آتی تھی اور اس کے علاوہ بھی کوئی ایسا عذاب نہ تھا جو کفار کے ہاتھوں ان کو نہ پہنچا ہو مگر آہ محبت خدا کی سرشاریاں عین ایسے موقع پر جب کہ ان مختلف تکالیف میں مبتلا ہوتے تھے زبان پر احد احد ہوتا تھا حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو کفار نے سولی پر چڑھا کر ان کے سینے کو نیزہ سے چھیدا اور کافروں کی یہ خواہش ہوئی کہ اب بھی اپنے حقیقی معبود کی محبت اپنے دل سے نکالدے تو اس کی جان بخشدیں لیکن یہ محبت خدا کا متوالا ان مندرجہ ذیل رجزیہ اشعار کو پڑھکر اپنے ٹکڑے ٹکڑے کرا کر اپنے محب صادق خلاق عالم سے جا ملاقات کرتے ہیں ؎

وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا　　عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِیْ

ترجمہ۔ جبکہ میں اپنے مولیٰ کی محبت دل میں لئے ہوئے حالت اسلام میں قربان ہو رہا ہوں تو مجھے پرواہ نہیں کہ جس پہلو پر بھی گر کر مارا جاؤں۔" ابو براء عامر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ ہمارے ملک نجد میں مبلغین کی ضرورت ہے میں توقع کرتا ہوں کہ اگر آپ نے اس طرف توجہ کی تو اسلام کی اشاعت بہت کافی طور پر ہوگی۔ حضورؐ اس لالچ میں آکر منذر بن عمرو انصاری کو مع ستر صحابہ تبلیغ اسلام کے لئے روانہ کر دیتے ہیں ان میں اکثر قاری قرآن اور فضلاء و علماء تھے جب یہ لوگ بیر معونہ میں پہنچتے ہیں تو حرام بن ملحان کو

نامۂ نبوی لیکر طفیل حاکم کے پاس بھیجتے ہیں یہ بدنصیب اس سفیر کو قتل کرا دیتا ہے۔ جبار بن سلمیٰ ان کے جگر میں نیزہ مارتا ہے جو چھاتی سے پار ہوتا ہوا پشت کی جانب نکلگیا اسوقت ان کی زبان سے بے ساختہ یہ نکلا فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ قسم خدا کی میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا یہ چند مثالیں بطور نمونہ آپ کے سامنے پیش ہیں تاریخ اسلام کے مطالعہ سے آپ کو اس قسم کی سینکڑوں مثالیں مل سکتی ہیں۔

اللہ اکبر! ان شمع رسالت کے مقدس پروانوں کو کسقدر خدا سے محبت تھی ان کے دل کسقدر اسکی محبت سے پُر تھے کہ اتنی زبردست تکالیف کو بھی نہایت خوشی سے قبول کرتے تھے مگر یہ گوارا نہ تھا کہ اپنے خالق کی محبت کو اپنے دل سے نکالدیں حقیقت میں انھیں کی ہستیاں والذین آمنوا اشد حبا للہ کی مصداق تھیں۔ خدا سے دعا ہے کہ رب العزۃ ہمارے سینوں میں بھی سچی محبت پیدا کرے اور اسوۂ صحابہ پر عمل کرنیکی توفیق عطا فرمائے آمین شق اول کی حسب ضرورت تشریح ہوچکی اب دوسری شق کی تفصیل ملاحظہ ہو یعنی مومنین کو خدا کے بندوں سے کیسا برتاؤ رکھنا چاہیئے خدا کے بندے دو قسم کے ہیں ایک کفار دوسرے مومنین۔ کلام ربانی نے اس کی بھی نہایت جامع اور مؤثر الفاظ میں مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے اور بتایا ہے کہ مومن آپس میں کیا سلوک رکھیں اور کفار سے کیسا برتاؤ کریں چنانچہ فرماتا ہے اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (فتح پ ۲۶) ترجمہ مسلمان کفار پر نہایت سخت ہیں اور آپس میں نہایت رحمدل ہیں۔

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ اشداء علی الکفار کا معنیٰ یہ نہیں کہ اسٹیجوں پر کھڑے ہوکر ان کو گالیاں دی جائیں ان کے ساتھ درشتی و سخت کلامی سے پیش آیا جائے بلکہ یہ تو اسلامی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے اشداء علی الکفار کے معنیٰ یہ ہیں کہ کفار کی تہذیب ان کا تمدن ان کی معاشرت ان کے کلچر کو قبول نہ کیا جائے ہمارے اندر اتنی اسلامی شدت اور صلابت ہو کہ کفار کی تہذیب ان کا تمدن ہمارے سامنے آئے تو سختی کی وجہ سے ہم سے ٹکرا کر پاش پاش ہوجائے اسلئے کہ اسلام کسی کی تہذیب کا اور ان کے تمدن کا محتاج نہیں بلکہ اسلام کے پاس ایسی نکھری ہوئی تہذیب ہے کہ اس کے بعد اس کو کسی تہذیب کی ضرورت نہیں یاد رکھئے جن قوموں نے اپنے کلچر کی اپنی تہذیب کی حفاظت نہ کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نکبت و افلاس کے عمیق غار میں پڑے ہوئے ہیں ۔ مسلمانوں نے اپنی تہذیب کو بالائے طاق رکھدیا اور مغربی تہذیب کے دلدادہ ہوگئے ہر شخص نکٹائی اور کوٹ پتلون اور انگریزی بال سر پر رکھکر ڈاڑھیوں کو صاف کرکے اپنا کل اسلامی شعار مٹا کر فخر کرتا ہوا نظر آتا ہے اور اسی کو معیار ترقی سمجھنے لگے۔ آہ یہ وہی مسلمان ہیں جنھوں نے دنیا کے تمام ممالک کو اپنی تہذیب کا دلدادہ اور متوالا بنایا تھا آج وہ زمانہ ہے کہ مسلمان اپنی تہذیب کو مٹا کر دوسروں کی تہذیب کو قبول کر رہے ہیں ؎

لِمِثْلِ ھٰذَا یَذُوْبُ الْقَلْبُ مِنْ کَمَدٍ　　اِنْ کَانَ فِی الْقَلْبِ اِیْمَانٌ وَّاِسْلَامٌ

ترجمہ جس کے دل میں ایمان و اسلام ہو وہ ایسی باتوں کو دیکھکر گھلا جا رہا ہے۔

افسوس صد افسوس۔ ان مغرب زدہ مسلمانوں پر جو اسلامی تہذیب کا مضحکہ اُڑاتے ہیں۔ اسلامی تہذیب کے دلدادوں کو بنظر حقارت دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ملّانے لمبی ڈاڑھیوں والے، بوریئے چٹائی والے اپنی اس ہیئت میں کچھ نہیں کر سکتے کیا ڈاڑھی میں اسلام ہے کیا ٹخنے سے اونچا پائجامہ پہننے میں اسلام پوشیدہ ہے یہ سب کچھ کہا گیا اور کہا جا رہا ہے لیکن اب ان کو معلوم ہو رہا ہے اور آیئندہ نہایت وضاحت سے معلوم ہو جائے گا کہ واقعی یہ ڈاڑھی اور ٹخنے سے اونچا پائجامہ بھی اپنے اندر حقائق رکھتے ہیں۔ یہی چٹائی اور بوریئے والے تھے جنھوں نے اسی حالت میں رہ کر دنیا کے تختوں کو اُلٹ دیا قیصر و کسریٰ کے خزانے ان کے قدموں پہ آ کر گرے۔ بڑی بڑی سلطنتوں والے ان کے سامنے کانپتے اور لرزتے تھے، یہی بوریئے اور چٹائی والے تھے جنھوں نے افریقہ اور اندلس و قسطنطنیہ کی حکومتوں کو پرزے پرزے کر دیا اور تمام ممالک میں اپنی دھاگ بٹھا دی۔ یاد رکھئے! جب تک اسلامی تہذیب اور اسلامی کلچر کی حفاظت نہ کی اور اسلامی تہذیب کا وقار اپنے دلوں میں پیدا نہ کیا کسی صورت سے دنیا میں ترقی نہیں کر سکتے جب تک اس بوریئے اور چٹائی پر آ کر سجدہ ریزی نہ کی اور اپنے اندر تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (پ ۲۶ س فتح) یہ شان پیدا نہ کی دنیا میں زندہ رہنا مشکل ہے۔ میں پھر درخواست کروں گا کہ مسلمان سب سے پہلے اپنے کلچر کی حفاظت کریں بے شمار مشنیں اور سوسائٹیاں قائم کر لیجئے مگر جب تک اسلامی شان ان میں پیدا نہ ہو تمام سعی و کوشش بیکار رہے۔

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ اسلامی صلابت اور دینی سختی کے ساتھ ساتھ ان میں اسلامی ہمدردی و رحمدلی بھی موجود ہے۔ اس پر ہمارا جیسا عمل ہے اظہر من الشمس ہے آج ہماری کوئی متفقہ تنظیم نہیں مختلف پارٹیاں قائم ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے وہ اسے کافر و ملعون گردانتا ہے اور وہ اُسے۔ مسلمانو! اسلام کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ آپس میں اتفاق و اتحاد پیدا ہو۔ اسلام سے پیشتر ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے لڑتا تھا ایک خاندان دوسرے خاندان کے خون کا پیاسا تھا لیکن اسلام کے بعد خاندانوں اور قبیلوں کے جھگڑے مٹ گئے۔ سب لڑائیاں ختم ہو گئیں مختلف قبیلوں کے لوگ مختلف خاندانوں کے لوگ مختلف مذہب کے پیرو سب ایک رشتہ میں پروئے گئے یہ وہ اسلامی ہمدردی تھی کہ جب ان کو میدانِ جنگ میں دشمن کے مقابلے میں صف بستہ دیکھا تو خلاق عالم نے ان الفاظ میں تعریف کی۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (پ ۲۸ سورہ صف) اللہ تعالیٰ اپنے ان محبوب بندوں سے یقیناً محبت رکھتا ہے جو اللہ کی راہ میں جس وقت صف بستہ ہوتے ہیں۔

تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک دیوار سیسہ پگھلائی ہوئی ہے۔ اس سے مقصد اللہ کا یہ تھا کہ ان میں کوئی رخنہ واختلاف وانتشات نہیں بلکہ وہ سب ایک ہیں اور متفق ہوکر دشمن کے سامنے اس طرح کھڑے ہیں جیسے فولادی دیوار ہوتی ہے۔

جبوقت خدا کی طرف سے ہجرت کا حکم ہوتا ہے تو مہاجرین مکہ اپنے وطن کو چھوڑ کر مدینہ آتے ہیں انصار مدینہ ان کو ہاتھوں ہاتھ لے لیتے ہیں مدینہ میں یہ لوگ سب بیکس وبے سروسامانی کی حالت میں آئے تھے لیکن مدینے والوں نے اپنا کل مال آدھا کرلیا اور نصف اپنے لئے رکھا اور نصف اپنے مہاجر بھائی کے لئے۔ حتیٰ کہ اپنے مسلمان مہاجر بھائیوں کو وراثت میں بھی شامل کرنے لگے تھے لیکن پھر قرآن نے اس سے منع کردیا چنانچہ رب العزۃ انصار مدینہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (۲۸ پ حشر) ترجمہ انصار مدینہ اپنی حاجتوں کو پامال کرکے اپنے مہاجر بھائیوں کو ترجیح دیتے ہیں، اللہ اللہ اسلامی برادری کا یہ عالم تھا ایک میدان جنگ میں چند مسلمانوں کی لاشیں تڑپ رہی تھیں۔ پانی پلانے والا مجاہد پانی کا مشکیزہ لئے اِدھر اُدھر دوڑ رہا تھا کہ اچانک ایک طرف سے آواز آئی "پیاس" یہ مجاہد فوراً اس غازی کے پاس پہنچتا ہے اسی اثنا میں دوسری طرف سے آواز آئی تو یہ غازی فرمانے لگے میرے بھائی کی پیاس کو پہلے بجھاؤ، پھر میری خبر لینا یہ مجاہد عجلت کے ساتھ اس دوسرے غازی کے پاس پہنچتا ہے، اس وقت تیسری طرف سے آواز آتی ہے یہ غازی بھی پہلے والے کی طرح جواب دیتے ہیں اور اپنا منہ بند کرلیتے ہیں۔ جب وہ تیسرے کے پاس پہنچتا ہے تو یہ خدا کے پیارے اپنے خدا کے پاس پہنچ چکے تھے یہ مجاہد مشکیزہ لیکر دوسرے زخمی کے پاس واپس لوٹا پھر تیسرے کے پاس تو یہ بھی دنیا سے رخصت ہوکر ملاءِ اعلیٰ میں سدھار چکے تھے۔

راوی کا بیان ہے کہ یہ تینوں زخمی مسلمان پیاسے شہید ہوگئے اور ایک دوسرے کی ہمدردی میں کسی نے بھی پانی نہیں پیا۔ اور یہ کوئی واقعہ نہیں بلکہ رات ودن ایسے واقعات صحابہ کرام میں رونما ہوچکے تھے کہ ایک کی خوشی پر سب خوش ہوجاتے تھے اور ایک کی تکلیف پر سب کو تکلیف ہوتی تھی ایک پر اگر مصیبت آتی تھی تو تمام مسلمان اس میں شریک ہوتے تھے اسلئے کہ حضورؐ کا ارشاد تھا۔ المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضاً ایک مسلمان کا تعلق دوسرے مسلمان سے ایسا ہے جیسے دیوار کی اینٹیں ہوتی ہیں کہ ایک اینٹ دوسری سے ملی ہوئی ہوتی ہے اسی تعلیم کا اثر تھا کہ وہ مسلمان جن پر طرح طرح کے مظالم کئے جاتے تھے نہایت کمزوری اور بے بسی کی حالت میں تھے جن کی تعداد نہایت قلیل تھی لیکن آخر وہ دنیا کے سرتاج ہوگئے۔ ان کا ایک ایک آدمی سو سو کے مقابلے کیلئے کافی ہوتا تھا۔ ساری دنیا ان سے

تھراتی اور کانپتی تھی جدھر رخ کرتے تھے۔ بڑی بڑی فوجیں میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ جاتی تھیں تمام دنیا میں ان کی سلطنت تھی۔ کسی کو ان کے مقابلے کی تاب نہ ہوتی تھی آج بھی اگر مسلمان اپنے میں وہ ایمانی شان پیدا کرلیں جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے والے مسلمانوں میں تھی تو ان کو بھی وہی کامیابی ہوسکتی ہے جو صحابہؓ کو حاصل تھی خدا سے دعا ہے کہ رب العزۃ ہمیں توفیق دے کہ ہم قرآنی تعلیمات اور فرامین نبویؐ نیز اسوۂ صحابہ پر عمل کرکے دنیا میں ترقی حاصل کریں۔ آمین

وَاٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین ؕ

خیر مقدم

یہ نظم جمعیۃ الخطابہ مدرسہ رحمانیہ دہلی کے سال ہستم کے افتتاحی اجلاس منعقدہ ۲ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ کے موقع پر پڑھی گئی جو بے حد پسند کی گئی +

(از جناب محمد شریف صاحب اشرف متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی)

گلشنِ رحمانیہ میں آئی ہے تازہ بہار
پتے پتے سے عیاں ہے قدرتِ پروردگار

پھول تو تھی صحنِ گلشن میں خزاں چھائی ہوئی
ذرہ ذرہ گلستاں کا ہوگیا پھر لالہ زار

قمریاں مستور جو تھیں برسرِ عام آگئیں
چہچہاتی پھر رہی ہیں ڈالیوں پر صد ہزار

ہمدمو! پھر اس چمن میں آئی ہے پہلی سی شان
جھومتی ہے وجد میں ہر سو نسیمِ مُشکبار

یعنی ہے بزمِ خطابت خوب گرمائی ہوئی
انجمن کا ہر مقرر ہے یہاں پر شعلہ بار

ہر مقرر کی یہ حالت بزم میں ہے ہم نفس
نشۂ توحید میں ہے جھومتا مستانہ وار

حشر تک قائم رہے یہ انجمن باعزّ و شاں
ہر بشر کے منہ سے نکلی یہ دعا بے اختیار

موتیوں سے بھرلے دامن اشرفِ شیریں بیاں
لُٹ رہے ہیں یاں پہ گوہر اور جواہر بے شمار

تقویٰ کی برکتیں

(مولوی محمد اکبر خاں گورداسپوری متعلم دارالحدیث رحمانیہ دہلی)

برادران اسلام! میں آپ کے سامنے اس صفت کاملہ کے فضائل قرآن وحدیث سے ثابت کرتا ہوں کہ جس کو اپنا سچا شعار بنا لینے ہی سے ہم دنیا اور آخرت میں فلاح وبہبود حاصل کر سکتے ہیں اور وہ صفت کاملہ تقوٰی ہے کہ جو صفت خاص رب العزۃ کے پیارے اور متبع رسول اور جنتی لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ تقویٰ کے معنیٰ ہی یہ ہیں کہ جن برے اعمال سے پروردگار عالم اور اس کے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے۔ ان سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرنا اور جن اعمالِ صالحہ پر پیرو ہونے کے لئے حکم دیا ہے۔ اُن کو خلوصِ دل سے آمنّا وصدّقنا کے مبارک لفظوں سے تسلیم کر کے عمل کرنے کیلئے اپنا سچا شعار بنا لینا۔

پس اگر ہم خدا کے پیارے بننا چاہتے ہیں۔ اور آخرت کی فلاح وبہبودی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو صرف اسی پیارے وصف کے ذریعے سے سب کچھ ہو سکتا ہے جیسا کہ قرآن عظیم اور احادیث نبوی میں کئی مقام پر جنتی ہونے کیلئے تقوی کی بھی قید لگائی ہے۔ فرمایا رب العزت نے کہ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ٥ (پ ۹ اعراف ع ۱۵) یعنی بیشک تمام زمین رب العزت کی ہے جسکو وارث بنانا چاہے بنائے۔ لیکن آخرت کے مزے اور بہاریں خاص متقیوں کے لئے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍ۔ (پ ۲۵ س دخان) کہ متقی لوگ رب العزت کے پاس امن وامان کی جگہ میں ہوں گے۔ حدیث نبوی کو سنئے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ یعنی نفی کے بعد اِلَّا کے ساتھ استثنا کر دیا کہ جنت میں نہیں داخل ہوں گے مگر تقوٰی وپرہیزگاری کا مبارک وصف رکھنے والے۔ بڑے بڑے دوست قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔ لیکن متقی لوگوں کی دوستی قیامت کے ہولناک دن میں بھی ایک دوسرے کے کام آئیگی۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ٥ (پ ۲۵ س زخرف) یعنی قیامت کے دن بعض دوست بعض کے دشمن ہوں گے مگر متقی ایسے نہ ہوں گے بلکہ ان میں دوستی کا ویسے ہی احساس ہوگا متقیوں کو فرشتے سلام کریں گے اور خوش ہوں گے۔ بلکہ رب العزت نے بھی فرمایا ہے کہ۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ٥ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ٥ (پ ۱۱ س یونس)

ارب العزت بھی اپنے متقی اور پرہیز گار بندوں کو دنیا میں بھی دوست رکھتا ہے۔ اور دنیا کی ہر مصیبت
بکلیف سے اُن کو بچاتا ہے۔ اور قیامت کے دن کسی قسم کا خوف اُن پر طاری نہ ہوگا۔ حالانکہ سخت
ہبت کا دن ہوگا۔ میرے محترم بزرگو! کہانتک آیات پیش کروں اس پاک وصف رکھنے والوں کے
ے میں بہت سی آیات اور احادیث ہیں۔ لیکن میں اختصار ہی کو مدِ نظر رکھتا ہوں۔ ایک جگہ اور ارشاد
ی ہے إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝ (سورہ نحل) کہ اللہ متقیوں کا ہر وقت
دگار رہتا ہے۔

میرے بزرگو! اس سے بڑھکر اچھی چیز اور کونسی ہوگی کہ جس کا دوست اور مددگار وحدہٗ
شریک ہو۔ اس شخص سے بڑھکر بدقسمت کون شخص ہوگا جو کہ رب العزت کو اپنا مددگار بنانے کیلئے
غیرہ وکبیرہ گناہوں سے اجتناب نہ کرے۔ حدیث قدسی میں بیان ہے کہ اگر رب العزت کے بندے
قی اور پرہیز گار بن جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اس طرح رزق دیگا کہ جس طرح بھوکے جانور صبح کے
قت اپنے گھونسلوں سے نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر آتے ہیں لیکن آہ افسوس ہے ہماری حالت پر
ہ ہم اِن آیات اور حدیثوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے زندگی کو ذلت اور بے حیائی و بے غیرتی سے گذارتے
چلے جارہے ہیں۔ اگر ہم اس حدیثِ قدسی کو مدِ نظر رکھکر تقویٰ کو اختیار کرلیں تو واللہ رب العزت سچا اور
وعدے کا پکا ہے ضرور ضرور ہمیں دنیا میں بڑے بڑے مراتب بخشتا اور بے حساب روزی عنایت فرماتا۔ میں اپنی
بستیوں والے بزرگوں کو بھی ایک خاص آیت کے ماتحت خوشخبری دیتا ہوں فرمایا رب العزت نے وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ
الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (سورہ اعراف) یعنی اگر بستیوں والے لوگ
تقویٰ اختیار کرلیتے اور برے کاموں سے اجتناب کرتے تو ہم ان پر ضرور بالضرور زمین اور آسمان سے برکتوں اور رحمتوں
کے دروازے کھول دیتے۔ میری بستیوں والے بزرگو! خدارا اس آیت کو اپنا سچا شعار بناتے ہوئے رب العزت کی بیش بہا
رحمتوں سے جھولیاں بھرلو۔ مسلمانو! غور کرو کہ کسقدر متقیوں کیلئے قیمتی انعام ہیں۔ اور رب العزت کے ہاں کسقدر درجات
ملیں گے اور اگر ہم اِن آیات اور احادیث کو بھلاتے ہی گئے اور بے غیرتی و بیحیائی کو اپنا شعار بنائے رکھا تو یاد رکھو
دنیا میں ہمارے اوپر قسم قسم کے عذاب نازل ہونگے اور یہاں سے جب ذلت کی زندگی سے فارغ ہوکر دوسرے جہان
میں جائیں گے تو یہی کہنا پڑیگا کہ يٰلَيْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا یعنی اے کاش ہم نے اللہ اور اس کے رسول
کی بات مان لی ہوتی۔ میری دلی دعا ہے کہ رب مجھکو اور میرے بزرگوں کو متقی بنادے تاکہ دنیا سے کچھ اعمالِ
صالحہ لیکر جائیں اور جنت فردوس کی بہاروں کے حاصل کرنے میں محرومی کا منہ دیکھنا نہ پڑے۔

آمین ثم آمین۔

اخلاقیات

کسی کو کوئی چیز دینی ہو تو بائیں ہاتھ سے مت دو اور لینی ہو تو بائیں ہاتھ سے نہ لو۔

جب تک اپنی محرم نہ ہو، مرد عورت سے چار آنکھ کرکے بات چیت نہیں کرتے، پرائی عورت سے بات کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو نیچے۔ . . . کی طرف دیکھنا چاہیئے نہ کہ عورت کی طرف غیر عورت کی طرف ٹکٹکی لگاکر دیکھنا یا ان کو گھورنا یا ان کے جسم کو چھونا بڑی بدتہذیبی ہے۔

عورتوں یا بچوں پر کہیں حملہ ہو یا وہ کسی طرح کی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں تو تمہارا فرض ہے کہ انکی حفاظت کرو

کسی کے گھر میں جدہر عورتیں رہتی ہوں (زنانہ) میں نہ جانا چاہیئے۔ اپنے گھر میں بھی عورتوں کو کسی طرح اطلاع دے کر جانا چاہیئے۔

جس جگہ پر عورتیں نہاتی ہوں یا جس راستہ پر صرف عورتیں ہی جاتی ہوں تم کو اس طرف رُخ نہ کرنا چاہیئے

جس کمرے میں کوئی عورت اکیلی ہو، یا کپڑا پہنتی ہو، سو رہی ہو، اس کمرے کے اندر نہیں جانا چاہیئے۔

بچوں کو زیور نہیں پہنانا چاہیئے۔

چھوٹے بچوں کو پیسہ نہیں دینا چاہیئے۔ ان کو پیسہ مانگنے کی عادت نہیں ڈالنی چاہیئے۔

اگر تم کسی شخص سے بات چیت کر رہے ہو اور اس وقت کوئی چھوٹا بچہ کچھ کہنا چاہتا ہے تو پہلے اس کی بات سُن لو۔

گاڑی، ناؤ اور کسی سواری میں بچوں کو پہلے چڑھنے دو۔ تب آپ بیٹھو۔

بچوں، عورتوں اور نوکروں کو کبھی مت مارو۔ ان کی کمزوری سب کے سامنے مت بتلاؤ۔

بچوں کو پہلے کھانا دو۔ سب سے چھوٹے بچے سے پہلے شروع کرو۔

کسی دوست یا رشتہ دار کے گھر جاؤ تو بچوں کو اپنے پیار کا ثبوت دو۔

کسی خاص موقعہ پر کسی کو مدعو کرو تو ان کے بچوں کو بلانا مت بھول جاؤ اور جو نوکر ساتھ آئے اس کو ضرور کچھ کھلا دو۔

نوکر کو بھی کھانے اور آرام کرنے کیلئے ضرور وقت دو۔

نوکر، حجام، دھوبی وغیرہ سے فضول باتیں مت کرو، ان سے دوسرے گھروں کی باتیں مت پوچھو اور اگر وہ ایسی باتیں کریں تو مت سنو۔

(باقی صفحہ ۱۳ پر ملاحظہ ہو)

روحِ اخبار

کتب خانہ دہلی DELHI

—— سلطان ابن سعود نے ایک معاہدہ کے ذریعہ حکومت مصر کو جدہ سے مکہ معظمہ تک اور مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک سڑکیں بنانے کی اجازت دیدی ہے حکومت مصر عنقریب اس کام کو شروع کرنیوالی ہے۔ (خادم الحرمین)

—— جلالۃ الملک ابن سعود کی حکومت نے نجد کے مختلف حصوں میں اب زراعت کا کام بڑے اعلیٰ پیمانہ پر شروع کر دیا ہے، اس کیلئے عراق سے ماہرین زراعت کو بلا کر ملک کا معائنہ کرایا گیا ہے اور ساٹھ بڑی بڑی لاریوں پہ ہر قسم کے سامان، بجلی کی مشینیں، زراعت کے آلات، پھلوں اور پھولوں کے بیج منگائے گئے ہیں۔ ضلع حزج میں دس ہزار پودے لگ چکے ہیں، اب دوسرے رقبوں میں بھی کوشش کی جارہی ہے۔ امریکہ سے بھی دس لاریوں پر لدکر سامان آیا ہے۔ (خادم الحرمین)

—— ۱۹۳۸ء میں امریکہ کی خواتین نے غازہ وغیرہ چہرہ کی زیبائش اور سنگار کے سامان میں ۵ کروڑ پونڈ یعنی تقریباً ۶۸ کروڑ روپیہ صرف کیا۔ (صدق)

—— برطانیہ میں زنانہ سامان آرائش پر جو نیا ٹیکس تجویز ہوا ہے اس سے اب سرکاری آمدنی ۶۰ لاکھ پونڈ یعنی تقریباً آٹھ سوا آٹھ کروڑ روپیہ سالانہ ہوا کریگی۔ (صدق)

—— یو۔ پی کانگریسی حکومت نے اپنے استعفے سے پہلے کاشتکاروں کی بھلائی کیلئے ایک قانون پاس کیا تھا جس کا نام "قانون مزارعین" تھا لیکن اس کا نفاذ گورنر کی منظوری پر موقوف تھا اب گورنر نے بھی اس کی منظوری دیدی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ زمیندار اس قانون کے خلاف استغاثہ دائر کرینگے (تیج)

—— دہلی میں ریلوے کے تیسرے درجہ کے مسافروں کی ایک انجمن بنائی گئی ہے۔ اس کا مقصد ریلوے کے مسافروں کے حقوق کا تحفظ کرنا اور انھیں محکمہ ریلوے سے ایسی سہولتیں دلانا ہے جن سے وہ زیادہ سہولت آرام اور شان سے سفر کر سکیں۔ یہ انجمن انتظام کر رہی ہے کہ ریلوے اسٹیشن پر والنٹیر بھیجے جائیں جو مسافروں کی امداد کرینگے اور انھیں ہر طرح کی واقفیت مہیا کریں گے۔ (تیج)

—— ۸ دسمبر معلوم ہوا ہے کہ حکومت یوپی نے شکر کی قیمت میں ۴ ۱/۲ من اضافہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے، کیونکہ لڑائی کی وجہ سے شکر تیار کرنے کی لاگت بڑھ گئی ہے۔ (تیج)

(منیجر)

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب پرنٹر و پبلشر نے جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع کیا۔

یادگار فدائے علم و دین جناب شیخ عطاء الرحمن صاحب مرحوم و مغفور

DELHI

رسالہ

محدث دہلی

ملکیت

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم دارالحدیث رحمانیہ دہلی

فہرست مضامین

مقاصد

(۱) کتاب و سنت کی اشاعت۔

(۲) مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح

(۳) دار الحدیث رحمانیہ کے کوائف کی ترجمانی

ضوابط

(۱) یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) یہ رسالہ ان لوگوں کو سال بھر مفت بھیجا جائیگا جو ہر بذریعہ منی آڈر ٹکٹ کے لئے دفتر میں بھیجدینگے وی پی نہیں بھیجا جائیگا۔

(۳) اس رسالہ میں دینی، علمی، اصلاحی، اخلاقی، تمدنی، تاریخی، مضامین بشرط پسند شائع ہوتے ہیں۔

(۴) ناپسندیدہ مضامین محصولڈاک آنے پر واپس کئے جائینگے اور شائع شدہ مضامین واپس نہیں ہونگے۔

(۵) جوابی امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔

پتہ

منیجر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

محدث دہلی

نگران اصول
مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

نمبر ۱۰	ماہ فروری ۱۹۴۰ء مطابق ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ ہجری	جلد ۷

ماہ ذی الحجہ اور محرم کی یادگار

(از مدیر)

مسلمانوں کے قومی و ملی تہواروں میں دو عیدیں مشہور ہیں، اور درحقیقت یہی دو تہوار ہیں جنھیں شرعی اور دینی تہوار کہا جا سکتا ہے۔ ایک رمضان المبارک کے فریضہ کی ادائیگی کے بعد اپنے مالک کے دربار میں اظہار شکریہ کے لئے مشروع ہے۔ اور دوسرا اس کے دو مہینے بعد، ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور ان کے فرزند صالح نبی صادق حضرت اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی بے نظیر قربانیوں کے تذکار کا غلغلہ بلند کرنے کیلئے۔ اس آخری عید اور اس کی فداکارانہ کارگذاریوں سے ہم ابھی تھوڑے ہی دن ہو رہے ہیں فارغ ہوئے ہیں۔ ابھی زمین پر ان بے شمار جانوروں کے خون کی سرخیاں باقی ہیں، جو اس مہینے میں اللہ کے نام پر دنیا کے کونے کونے اور ملک کے گوشے گوشے میں بہائے گئے ہیں۔ لیکن واحسرتا! کہ ان جانوروں کے ذبح کرنے والے انسانوں کے قلوب میں، اس قربانی کے حقیقی مقصد، اور اسکی روح کی ایک ہلکی سی جھلک بھی شاید باقی نہیں رہی۔ ورنہ یہ کیا ہے؟ کہ جانوروں کی صفیں کی صفیں کاٹ ڈالنے کے باوجود ہمارے دلوں میں ہمت وجرأت، شجاعت و بہادری، حضرت اسمٰعیلؑ کی طرح رضائے الٰہی کے لئے اپنی جانوں کو قربان کر دینے کا جذبہ اور اس راہ میں آنے والی تمام مصیبتوں کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کا ولولہ پیدا ہونے کے بجائے، ماہ محرم کے تصور ہی سے دلوں میں کسک، چہروں پر پژمردگی، آنکھوں میں قطرات اشک نظر آ رہے ہیں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ماتم میں زیادہ سے زیادہ آواز کے ساتھ چلا کر مرثیہ خوانی کیلئے ابھی سے مشق کی جا رہی ہے۔ آنسوؤں کا خزانہ جمع کیا جا رہا ہے تاکہ محرم کے پہلے

عشرہ میں کام آئے۔ لکڑی کی کھپچیاں، کپڑے کی دھجیاں، اور رنگین کاغذوں کی پرچیاں جمع کی جا رہی ہیں تاکہ ان کو جوڑ جاڑ کر امام حسینؓ کے تابوت اور تعزیے کے نام سے گلی گلی گھمایا جائے۔ مرثیہ پڑھنے والے، سینہ کوٹنے والے، منہ بسور بسور کر رونے والے ساتھ ہوں گے۔ مسلمانو! اللہ ذرا دل پہ ہاتھ رکھ کر بتاؤ کہ کیا کسی بہادر قوم کیلئے کسی جانباز اور بہادر کی یادگار منانے کا یہی طریقہ ہے؟ اگر شانِ بہادری یہی ہے، تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ بزدلی اور نامردی کس جانور کا نام ہے؟

مجھے شیعوں سے بحث نہیں کہ وہ کیا کرتے ہیں، اسلئے کہ ہماری (سنیوں کی) اور ان کی راہ بالکل جداگانہ ہے۔ ہاں افسوس تو ان سُنیوں پر ہے جو قرآن کو موجودہ شکل میں ہی خدا کا محفوظ و غیر مبدّل کلام سمجھتے ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو دین کا قانون مانتے ہیں، جو صحابہ کرام کو صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ اسلام کا ستون جانتے ہیں۔ جو امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی رضی اللہ عنہم کو اسی ترتیب کے ساتھ، اللہ کے رسولؐ کا سچا جانشین ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ مجھے تو آج اپنے ان سُنی بھائیوں سے کچھ باتیں کرنی ہیں جو کہنے کو تو شیعوں سے الگ ہیں، بہت سے اعتقادی امور میں ان سے بیزار ہیں لیکن محرم کے دنوں میں عملاً پورے شیعہ بنجاتے ہیں جو شیعوں ہی کی طرح امام حسینؓ کا ماتم کرتے ہیں، تعزیے نکالتے ہیں۔ نوحہ کرتے ہیں۔ سینے کوٹتے ہیں۔ ماتمی لباس پہنتے ہیں۔

سُنی بھائیو! مانا کہ امام حسینؓ کی شہادت کا واقعہ تاریخ اسلام میں ایک اہم واقعہ ہے، لیکن کیا تمہارے نزدیک حضرت امام حسینؓ خدا کے پیغمبروں اور ان کے رسولوں سے بھی افضل تھے، کیا ان کا قتل نبیوں کے قتل سے بھی زیادہ اہم ہے کیا خدا کے رسولوں کی شہادت ان کی شہادت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ کیا پیغمبرانِ خدا کے مظلومانہ قتل سے تمہارے دلوں پر کوئی صدمہ نہیں پہنچا۔ دیکھو سورۂ آل عمران کے بارہویں رکوع میں اللہ تبارک و تعالیٰ صاف فرماتا ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۔ (یعنی پہلی امتوں میں سے بعض پر خدا کا غضب) اسلئے نازل ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان انبیاء میں سے بعض وہ تھے جن کو آرے سے اس طرح رگڑ رگڑ کر چیرا گیا جس طرح لکڑی چیری جاتی ہے۔

مسلمانو! اگر پہلو میں دل، اور دل میں ذرہ برابر بھی ایمانی حرارت تو کجا؟ انسانی ہمدردی کا شائبہ بھی رکھتے ہو تو غور کرو کہ اس ظلم و ستم کی بھی کوئی حد ہے؟ تلوار سے دو ٹکڑے کر دیا جائے، پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جائے۔ نیزے کی انی چبھو کر خاتمہ کر دیا جائے۔ ہاں ہاں! گھوڑے کی ٹاپوں سے روند دیا جائے۔ یہ سب کچھ آسان ہے۔ لیکن عزم و استقلال کا پہاڑ جرأت و مردانگی کا ہمالیہ بھی اس تصور سے کانپ اٹھیگا کہ ایک زندہ انسان خدا کا مقدس پیغمبر، توحید الٰہی کا حامل، آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جائے۔

لیکن کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ان مظلوموں کی یادگار منانے کیلئے کوئی مجلس پڑھوائی؟ کوئی تعزیہ نکالا؟ کبھی نوحہ وماتم کی محفل سجا کر مرثیہ خوانی کی؟ دوستو! اگر تمہارے نزدیک حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت خبیبؓ، حضرت انس بن نضرؓ اور اس قسم کے ہزاروں شہدا اسلام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہستیاں کوئی قابل یادگار ہستیاں نہ تھیں، تو ان پیغمبروں ہی کی شہادت و مظلومیت کی یاد کبھی تازہ کی ہوتی؟ یا یہ بھی حضرت امام حسینؓ کے سامنے نعوذ باللہ کوئی حقیقت نہیں رکھتے؟ لیکن تم تو شیعوں کے پروپگنڈے سے اس قدر متاثر ہو کہ تم کو تو شاید حضرت امام حسینؓ کے علاوہ کسی دوسرے بزرگ کی شہادت کا واقعہ بھی نہ معلوم ہوگا۔

سُنّی بھائیو! کان کھول کر سنو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی عورتوں اور نوحہ کرنے والے مردوں کے متعلق فرمایا ہے لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ (بخاری و مسلم) جو شخص (مرد یا عورت) کسی کے غم او رماتم میں اپنے منہ پر تھپڑ مارے، کپڑے پھاڑے، اور غیر اسلامی طریقوں سے واویلا کرے چیخے چلائے وہ ہمارے اسلامی طریقہ سے باہر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں أَنَا بَرِيْءٌ مِّمَّنْ حَلَقَ وَصَلَقَ وَخَرَقَ (مسلم) میں اس نافرمان سے بیزار ہوں، جو اظہار غم کے لئے بال منڈوائے، چلا چلا کر نوحہ کرے۔ اور کسی مصیبت میں کپڑے پھاڑے۔ نیز فرماتے ہیں اَلنَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ وَدِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ (مسلم) یعنی نوحہ کرنے والی عورت (مرد بھی اس میں داخل ہیں، عورت کا ذکر اس لئے کیا کہ اس زمانہ میں عموماً عورتیں ہی ایسا کرتی تھیں) اگر اپنی موت سے پہلے توبہ نہ کریگی، تو قیامت کے دن اس حال میں کھڑی کی جائیگی کہ اس کے تمام بدن میں خارش پیدا کر دیجائیگی۔ اور اس پر ایک ایسی تیز چیز لگا دی جائیگی کہ وہ اس کی سوزش اور جلن سے بے چین رہیگی۔ اور اس کا تمام بدن پُھنک رہا ہوگا۔ ایک دوسری حدیث میں اس سے بھی سخت الفاظ ہیں عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ اَلطَّعْنُ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ (مسلم) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو باتیں لوگوں کے اندر ہیں جو **کفر** ہیں۔ کسیؔ کے نسب پر طعن کرنا اور کسیؔ مرنے والے پر نوحہ کرنا" جو لوگ ان مجلسوں میں شریک ہو کر سنتے ہیں۔ تعزیوں کے جلوس کے ساتھ تماشا بینی کرتے ہیں وہ بھی سن لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں پر **لعنت** کی ہے۔ عن ابی سعید الخدری قال لَعَنَ رَسُوْلُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلنَّائِحَةَ وَالْمُسْتَمِعَةَ (ابوداؤد) حضرت ابوسعید خدریؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور اس نوحہ کو دلچسپی سے سننے والی دونوں پر لعنت کی ہے" (اس حدیث میں بھی عورت کا ذکر اسی لئے ہے کہ عموماً عورتیں ہی ایسا کرتی تھیں ورنہ یہ حکم مرد و عورت دونوں ہی کیلئے ہے) ✣

اب اگر اس کفر سے بچنا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا ڈر ہے تو تعزیوں کا بنانا۔ اس کے

ساتھ چلنا، نوحہ و ماتم کرنا، ایسی مجلسوں میں شریک ہونا ان تمام باتوں سے توبہ کرکے محرم کی نویں اور دسویں تاریخ کو روزہ رکھو، اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہو۔ کہ ایک ایماندار سنی کیلئے اس کے سوا اور کوئی کام کرنا جائز نہیں۔ حدیث میں ہے کہ رمضان مبارک کے بعد روزوں کیلئے سب سے افضل مہینہ محرم کا ہے۔ (ترمذی) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ محرم کی (نویں) دسویں تاریخ کے روزہ رکھنے سے اللہ تعالیٰ گذشتہ سال کے گناہ معاف فرماتا ہے (ترمذی) ہاں یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ اس روزے کا تعلق حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے کچھ بھی نہیں۔ اسلئے کہ حضرت حسینؓ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال فرما جانے کے تقریباً پچاس سال بعد شہید ہوئے ہیں بلکہ اس روزے کی وجہ خود حدیثوں میں مذکور ہے کہ فرعون جو مصر کا بڑا جابر و ظالم بادشاہ گذرا ہے جو اپنے آپ کو خدا سمجھتا تھا۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو غلام بنا لیا تھا۔ اور ان کو نہایت ذلت کے ساتھ رکھتا تھا۔ ان کے لڑکوں کو قتل کرا دیتا تھا، اور لڑکیوں کو لونڈیاں بنا کر رکھنے کیلئے زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس کی غلامی سے نکالنے کی بڑی کوشش کی آخر ایک رات کو ان کو بھگا کر لے گئے، صبح کو دریا پر پہنچے تو دریا کا پانی اللہ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کیلئے پھٹکر دو ٹکڑے ہو گیا اور بیچ میں خشک راستہ نکل آیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم صحیح سلامت پار ہو گئی۔ پیچھے سے فرعون بھی مع اپنی فوج کے ان کو پکڑنے کیلئے پہنچ گیا۔ جب دریا کے بیچ میں پہنچا تو اس کا پانی جوش مار کر دونوں طرف سے مل گیا اور فرعون جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا مع اپنی فوج کے دریا میں غرق ہو گیا۔ یہ تاریخ جس میں موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات ملی، اور فرعون مع اپنے لشکر کے غرق ہوا، یہی محرم کی دسویں تاریخ تھی۔

اسی کے شکریہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ روزہ رکھا اور اپنی امت کو رکھنے کی ترغیب دی

رباعی

کسی ظالم کو ظلم سے اور کسی گناہگار قوم کو گناہوں سے روکنے والے نہ روکیں تو سب کے سب عذاب میں مبتلا ہونگے (حدیث)

ظالم جو کریں ظلم و ستم شام و پگاہ ... ہوتے ہوں کسی قوم میں یا خوب گناہ
اُن کو نہ اگر روکنے والے روکیں ... ہو جائینگے سب سخت عذابوں سے تباہ

(کامل جوناگڈھی)

تخریب و تحریف دین کے اسباب

(از مولوی عبدالعزیز صاحب بسکوہری متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی)

امم سابقہ عاد و ثمود، قوم فرعون، بنو اسرائیل۔ بہت زمانہ پیشتر گذر چکی ہیں۔ مختلف ازمنہ اور متعدد اوقات میں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعدد پیغامبر و رسول سیدھی راہ دکھانے اور سچی بات بتلانے اور معبود حقیقی کے پہچنوانے کے لئے آئے اور ایک زمانہ مدید تک ان میں رہے لیکن جب ان کی آواز کو صدا بصحرا کر دیا گیا۔ اور بجائے راہ ہدایت پانے اور اچھی باتوں کے قبول کرنے کے ضد، ہٹ دھرمی۔ اور تقلید آباء زیادہ بڑھ گئی اور دین میں بیجا قیاس آرائیاں طرح طرح کی تاویلات ہونے لگیں۔ دین مسخ ہوگیا۔ تو وہی دین جو ان کیلئے پیام رحمت بنکر آیا تھا۔ موجب عذاب بن گیا۔ طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کئے گئے۔ اب انھیں پر دنیا لعنت بھیجتی ہے۔ ان کے اسباب کیا تھے وہی ضد، تقلید آباء۔ دین کی تخریب اور بدعت کا رواج کلام اللہ میں تاویلات امتثال اوامر و نواہی میں تہاون و سستی۔ احکام شرعیہ کے اجراء میں غفلت۔

اسلام چونکہ آخری مذہب تھا اور اس کا پیغام ساری دنیا کیلئے تھا۔ اکمال دین و اتمام نعمت ہوکر آنا تھا اور چونکہ اسکی امت تا قیامت باقی رہنے والی تھی اسلئے اسکو ضروری تھا کہ وہ اپنی امت کو ان چیزوں سے ڈرائے اور باز رکھے جن کے باعث بہت سی سابقہ امتیں تباہ و برباد ہوچکی تھیں چنانچہ تم دیکھوگے کہ قرآن جو اس بقاء دین کی اصل جڑ ہے شروع سے لیکر آخر تک اگلی امتوں کے عبرت خیز واقعات جستہ جستہ کثرت سے بیان کرتا ہے۔ کہیں قوم نوح کا بیان ہے کہیں عاد و ثمود کا بیان ہے کہیں بنو اسرائیل یہود و نصاریٰ کا قصہ ہے اور سب کا ماحصل و خلاصہ یہی ہے کہ انھوں نے کس طرح سے دین میں تحریف کی۔ کتب سماویہ میں کیونکر تاویلات کا دروازہ کھولا۔ حق کو ناحق حلال کو حرام اور حرام کو حلال کس طرح کیا اور پھر اس کا کیا نتیجہ ہوا۔ اور عموماً تمثیل اور قصول کے بعد امت محمدی کو مخاطب کیا اور ان افعال سے ڈراتے ہوئے اس سے باز رہنے پر زور دیا۔ چونکہ اس فتنے کے دروازے بیشمار ہیں ان کا استقصار تو ضروری نہیں تاہم اتنا ضروری تھا کہ شارع اپنی امت کو اجمالاً اسباب تحریف سے ڈراکر متنبہ کردے۔ اور چند مخصوص اصول مسائل کو بیان کردے۔

دینی اور شرعی احکام میں تہاون و سستی برتنا

اس کی حقیقت یہ ہے کہ مذہب میں ایسے ناخلف پیدا ہونے لگے جو احکام شرع کے اجراء میں غفلت برتنے لگے نماز و روزہ وغیرہ میں سستی کرنے لگے اور شہوات کی پیروی میں غرق ہوکر دین کی اشاعت کا اہتمام چھوڑ دیا۔ دینی تعلیم و تعلم کا سلسلہ چھوڑ کر فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے کنارہ کش ہوگئے۔ حتیٰ کہ عام انسانی رجحان شریعت کے خلاف ہوگیا۔ بنی اسرائیل کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے انھیں چیزوں سے ڈرایا تھا اور امور دینیہ میں اس قسم کے تہاون و غفلت سے باز رہنے پر زور دیا تھا۔ انھیں کو حکم ہوا تھا وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ

بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَآتُوا الزَّكَوٰةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ۝ (بقرہ ع ۵)
یعنی تم حق کو ناحق کے ساتھ مت ملتبس کرنا۔ حلال کو حرام حرام کو حلال کر کے مت دکھلانا۔ اور نماز کو نہایت حسن وخوبی سے ادا کرنا اس میں سستی مت کرنا۔ شہوات کی پیروی میں آکر انسان اپنا ضمیر تک بیچ ڈالتا ہے۔ کلام اللہ میں جب شہوات نفسانیہ کا غلبہ ہوتا ہے تو اس میں طرح طرح کی تاویلیں کر کے اُمرا کو خوش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حلال کو حرام۔ حرام کو حلال کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ان چیزوں سے بہت ڈرایا اور اس کے عواقب ونتائج سے آگاہ کیا۔ اور کہا وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ ۝ (بقرہ ع ۵) کہ تم اپنے نفس کی پیروی میں اور نفس کو موٹا کرنے کے لئے کلام اللہ میں تاویلات کر کے اپنے ضمیر کے موافق محض چند پیسے کے عوض اللہ کے کلام کو مت بیچنا۔ اگر تم نے ایسا کیا اور اپنی حرص وہوس کے مطابق کلام اللہ کے ساتھ برتاؤ کیا تو تباہ وبرباد کر دیئے جاؤ گے۔ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا (بقرہ ع ۲۹) دیکھنا خبردار کلام اللہ کو مذاق مت بنانا۔ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ (بقرہ ع ۲۱) وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں کو چھپاتے ہیں اور اپنے نفس کی رضا کی خاطر چند پیسے کے عوض میں کلام اللہ کو بیچ ڈالتے ہیں وہ حقیقت میں جہنم کی آگ خرید کر اپنا پیٹ بھرتے ہیں لیکن جب انھوں نے اتنی تنبیہ کے باوجود امر ونواہی کے امتثال میں سستی کی تہاون اور غفلت سے پیش آئے حق کو ناحق حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کی طرف قدم بڑھانے لگے۔ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ (بقرہ ع ۶) پس ظالموں نے جو کچھ ان سے کہا گیا تھا اس کو بدل دیا۔ اور حق کو ناحق ناحق کو حق کر دیا۔ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ (اعراف ع ۲۱) تو ہم نے ان پر طرح طرح کا عذاب بھیجدیا۔ پس معلوم ہوا کہ احکام شرع میں تہاون سے پیش آنا۔ امر بالمعروف والنہی عن المنکر کو چھوڑ دینا اور کلام اللہ کو شہوات کی پیروی میں آکر طرح طرح کی تاویلیں کر کے بیچ ڈالنا بھی تخریب دین کا باعث ہے اور اسی سے دین درہم برہم ہو جاتا ہے۔

اس طرح دین میں تہاون وغفلت پیدا ہونے کی متعدد صورتیں ہوتی ہیں ایک تو یہ ہے کہ صاحب شرع کی ہدایات کو محفوظ نہ رکھنا اور نیز سنن کو دفعات شرع سے خارج سمجھنا اور یہ کہنا کہ معرفت احکام کیلئے صرف کتب سماویہ کافی ہے اور پیغمبر اور رسول کی باتوں کا احکام اور دفعات شرعیہ میں دخل نہیں۔ اس سے بھی دین محرف ہو جاتا ہے بلکہ طرح طرح کی خرابیاں دین میں پیدا ہو کر دین کو خراب کر ڈالتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اہتمام سے اس چیز کو فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جو سنن کا احکامات شرع میں کوئی اعتبار نہیں سمجھتا وہ بہت جلد گمراہ ہو جائیگا چنانچہ اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے بار بار حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ لن تضلوا ما تمسکتم فیھما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ کہ تم جبتک کتاب اللہ اور میری سنت پر قائم رہو گے گمراہ نہیں ہو سکتے ہاں اگر میری سنن کا اعتبار جاتا رہا تو بہت جلد گمراہ ہو جاؤ گے فرمایا من رغب عن سنتی فلیس منی۔ افسوس۔ آج کتنی جماعتیں ہیں جو سنن رسولؐ کا کوئی اعتبار نہیں کرتیں۔ انھیں لوگوں کے متعلق حضورؐ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ دیکھو! عنقریب وہ وقت آنیوالا ہے جب طعام وشراب سے ایک بدمست انسان اپنے تخت پر بیٹھ کر کہے گا کہ تم اس قرآن کو مضبوط پکڑ لو اور اس میں جس چیز کو حرام پاؤ اسی کو حرام سمجھو اور جس شئے کو حلال پاؤ اسی کو حلال سمجھو۔ حالانکہ خدا کے رسول کی حرام کی ہوئی چیز بھی (جو قرآن میں مذکور نہ ہو) ویسے ہی حرام ہے جیسے اللہ کی (وہ) حرام کی ہوئی (چیز جو قرآن میں مذکور ہو) (مشکوٰۃ)

دوسری جگہ اسی کو دوسرے عنوان سے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے سینوں سے علم نہیں اٹھائے گا بلکہ علما کو اٹھالیگا اور ان کے اٹھ جانے سے علم اٹھ جائیگا۔ یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا اسوقت لوگ جاہلوں کو امام بناکر ان کی طرف رجوع کرنے لگیں گے۔ ان سے مسئلہ پوچھا جائیگا اور وہ بغیر کسی علم وبصیرت کے فتویٰ دینگے۔ خود گمراہ ہونگے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرینگے۔ (مشکوٰۃ)

دوسری چیز وہ اغراض فاسدہ ہیں جو لوگوں کو من گھڑت تاویلات پر آمادہ کرتے ہیں۔ خاصکر جب دین میں دولتمند اور امرا کا عنصر غالب آئے تو اس زمانے کے علما محض ان کی رضا کی خاطر کتاب اللہ میں بدنظمیاں پیدا کرتے ہیں اور بیجا تاویلات کرکے ان کے پسندیدہ مسائل مرتب کرنے لگتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین دولت کا دوسرا نام بنکر رہ جاتا ہے اور علما اسکو ایک مجبور جانور کی طرح جس طرف امرا کا اشارہ ہو اسی طرف نکیل پکڑ کر گھما دیتے ہیں۔ یہودیوں نے جب دین کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا اور اس کو اپنے اغراض فاسدہ کا ہدف بنا لیا دین مسخ ہوگیا۔ قرآن نے انکی توہین کی اور کہا کہ ان کی مثال ایسی تھی کہ جیسے ایک گدھے پر ہزارہا کتابیں لاد دی جائیں اور اسکو معلوم نہ ہوسکے کہ یہ کیا چیز ہے ان سے کیا فوائد ہیں۔ ان کی مثال بہت بری ہے؟ اور فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتَابِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ اِلَّا النَّارَ (بقرہ) وہ لوگ جو اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کو چھپاتے ہیں اور اس کے عوض تھوڑا سا معاوضہ حاصل کرتے ہیں وہ حقیقت میں جہنم کی آگ خرید کر اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔

تیسری چیز بھی تحریف دین کا بہت بڑا سبب ہے۔ وہ یہ کہ غیر مسلموں کی وجہ سے دین میں منکرات وفواحش کا غلبہ ہوجائے اور ائمہ شرع اس پر خاموشی اختیار کرلیں۔ قرآن تبصرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ۔ ا تم سے پہلے گذرنے والی قوموں میں ایسے ارباب خیر کیوں نہ ہوئے جو لوگوں کو ارض الٰہی میں فساد برپا کرنے سے روکتے (ہاں ایسے لوگ تو تھے) مگر بہت کم تھے جنھیں ہم نے عذاب سے بچالیا۔ رہے ظالم اور نافرمان لوگ تو وہ انھیں دنیوی لذتوں میں سرشار رہے جو انھیں دی گئی تھیں اور یہ لوگ کچھ تھے ہی بدکردار۔ (ہود) حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل کے متعلق فرماتے ہیں کہ۔ انکے علما نے انھیں برائیوں سے روکا لیکن جب وہ نہ رکے تو بجائے اسکے کہ وہ ان سے قطع تعلق کرتے انکی مجلسوں میں اٹھتے بیٹھتے رہے اور کھاتے پیتے رہے آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایک دوسرے سے مار دیا۔

افسوس آج ہماری قوم کی کیا حالت ہے کسقدر ناجائز رسوم اور بدعات میں پھنسی ہوئی ہے ان کا طرز معاشرت

طرزِ عبادت۔ طرزِ اخلاق سب ہی خلاف شریعت ہو رہے ہیں اور ہمارے علما کسقدر غفلت برت رہے ہیں۔ غفلت ہی نہیں بلکہ بعض تو زر کی لالچ میں حق کی آواز تک زبان پر نہیں لاتے۔ کتنے ایسے ہیں جو ان کے ان افعال پر مدد دے رہے ہیں اور اپنے حلوے مانڈے کے عوض دین بیچ رہے ہیں۔ بیشک ان کی مثال و ای ہے جو علما بنی اسرائیل کی تھی۔ وہ اللہ کے عذاب سے ڈر جائیں۔

احکام شرعیہ میں تعمق یعنی مسائل صحیحہ کی مخالفت میں بیجا تاویلات کرنا اور بال کی کھال نکالنا اس کی بھی متعدد صورتیں ہوتی ہیں مثلاً ایک تو یہ ہے کہ شارع نے کسی چیز کا حکم دیا یا کسی ایک چیز سے روکا اب کوئی شخص اپنے ذہن کے مطابق اس حکم کا ایک معنی متعین کرے اور بعد میں اسی حکم کو اس معنی کے لحاظ سے کسی ایسی چیز پر اطلاق کر دے جسکو سمجھتا ہے کہ یہ چیز اسی پہلی چیز کے مشابہ ہے اسی طرح کوئی شخص کسی حکم کے صحیح موقع اور محل کی تمیز نہ کر سکے اور تعارض وغیرہ کے عقدۂ لاینحل میں گرفتار ہو کر اسکی تضعیف وغیرہ کرنے کی کوشش کرے اور یہ کہنے لگے کہ اس حکم میں ؎ زیادہ تر یہ خرابی اسوقت لازم آتی ہے جبکہ اس کے ضعف سے استدلال کرنے والا کسی امام کا مقلد ہو اور امام کا فتویٰ اس روایت کے خلاف ہو۔ مثال کے طور پر یہی روایت اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث۔ کو لے لیجئے۔ صاحب شریعت نے حکم دیا کہ جب پانی دو قُلّہ (یا اس سے زیادہ) ہو تو وہ نجاست کے ملجانے سے نجس نہیں ہوتا جب تک کہ نجاست کی وجہ سے اس کی بُو، یا مزہ، یا رنگ میں تبدیلی نہ آجائے۔ اب علما حنفیہ نے اس حدیث کو اپنے مذہب کے خلاف پاکر طرح طرح کی تاویلیں توجیہیں کیں، یہاں تک کہہ دیا کہ قُلّہ کا معنی ہی متعین نہیں، اس میں بہت سے احتمالات ہیں لہذا یہ حدیث قابل عمل نہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن صحابہؓ کے سامنے یہ حدیث بیان کی تھی کسی نے بھی ان احتمالات کو نہ پیدا کیا اور نہ اس کو ناقابل عمل جانا۔ پس جب کبھی اس قسم کی خرابیاں دین میں پیدا ہونے لگیں تو بھی تحریف دین کا باعث ہو جاتی ہیں۔

احکام شرعیہ کے امتثال میں بیجا تشدد اور سختی برتنا یعنی امتی کا اپنے اوپر ان شاق اور مشکل عبادتوں کا اختیار کر لینا جس کا شریعت نے حکم نہ دیا ہو۔ پس جب اس قسم کی خود مزعومہ اور خود مخترعہ عبادتیں جزو دین سمجھی جانے لگتی ہیں تو دین برباد ہو جاتا ہے اور طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور پھر جب ان مشکل اور شاق عبادتوں کا اختیار کرنے والا کسی جماعت یا کسی گروہ کا امام یا پیر ہو جائے تو اس کے جہلا مقلد و پیرو یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اس قسم کی عبادتیں جزو دین ہیں اور جب تک ایسی عبادتیں نہ ہوں اسلام کامل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی صحیح عبادت ہو سکتی ہے۔ اس طرح ان کے نزدیک مذہب ایک ہیبت ناک پہاڑ یا ہیبتناک دیو بنجاتا ہے جس سے ڈر کر اور پریشان ہو کر بہت سے لوگ بسبب شاق عبادتوں کے نہ ادا کر سکنے کے مذہب کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھئے انھوں نے کس قدر شاق اور مشکل عبادتوں کو اپنے اوپر خود لازم کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا اور پھر اسکا کیا نتیجہ ہوا۔

بانیٔ اسلام سمجھتے تھے کہ ہر طبقہ میں چند ایسے اشخاص ہوتے ہیں جو خود بخود اپنے اوپر مشکل عبادتیں اختیار کر لیتے ہیں

؎ ایک ایسی چیز کا ذکر ہے جو بسبب اشتراک معنی اور کثرت مدلول کے متعین نہیں۔ اسلئے اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ اور

اور یہ چیز مسلمانوں میں بھی ہونے والی ہے چنانچہ جب حضرت عثمان بن مظعون جیسے صحابہ کی خبر حضور کو پہنچی کہ وہ سخت عبادت وریاضت مسلسل دن رات روزہ. تجرد اختیار کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں تو آپ نے فوراً اس سے منع کیا اور فرمایا اصل عبادت اور افضل ترین ریاضت یہ ہے کہ وقت پر کچھ خدا کی عبادت بھی ہو اور بال بچوں کی خدمت بھی ہو۔ اسی کو اللہ پسند کرتا ہے۔

آخر لا رھبانیۃ فی الاسلام اسلام میں رہبانیۃ (دنیا سے اور اس کی لذتوں سے بالکل بے تعلق ہو کر جنگل کی راہ اختیار کرنا) جائز نہیں۔ اس فرمان کا کیا مقصد تھا۔ یہی ناکہ جس طرح یہودیوں اور عیسائیوں نے دین میں اس قسم کی رہبانیت اور تشدد پیدا کر کے ایک ناقابل قبول وناقابل تمسک مذہب بناڈالا۔ جس سے وہ دین ایک غیر تنا ہی جنگ و جدال اور لامحدود تفرقہ بندیوں کا مرکز بن گیا۔ ایسا تم مت کرنا کیونکہ دین اور مذہب کی حقیقت تو یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی بیمثل تعلیمات اور ہر قسم کی فطری ضروریات سے اپنے دامن کو پُر رکھے اور انسان عبادات واحکامات الٰہیہ میں اسقدر وسعت اور آسانی رکھے جس سے ہر شخص خود بخود اس کی طرف کھنچ آئے اور کوئی چیز اس سے تنفر کا باعث نہ ہو۔ لیکن جب حاملین شرع ومتحملین دین اسکو بدل دیں اور مذہب کو رہبانیت اور تشدد کے زہریلے اثرات سے ملوث کر دیں تو کیا وہ دین وہی دین رہ جائیگا اور وہی اثر رکھیگا۔ نہیں۔ بلکہ اس کی اصلی روحانیت مرفوع ہو جاتی ہے اور وہ انسانی کلچر اور انسانی تمدن کے کچلنے کا ایک مہلک آلہ کار بنا دیا جاتا ہے۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کا یہی معنیٰ ہے کہ علمائے یہود ونصاریٰ نے دین میں طرح طرح کی رہبانیت اور تشدد پیدا کر کے اصلی مذہب کو بگاڑ دیا، اور اب انھیں کا خود مزعومہ وخود مخترعہ قول وعمل دین ہو گیا۔

دین میں عقل اور رائے کو دخل دیکر من گھڑت احکام مرتب کرنا یعنی جاہلانہ قیاس آرائی

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص جب یہ دیکھتا ہے کہ شارع ہرایک مقصد اور ہر ایک حکم کی تکمیل کیلئے کوئی نہ کوئی حد اور موزوں قالب معین کرتا ہے اور چونکہ وہ نگاہ نبوت کی حقیقت شناسی سے قدرتاً دور اور اس کے اسرار کے علم سے محروم رہتا ہے اسلئے چند مصلحت کو لیکر اپنے خیال۔.. اور زعم کے اعتبار سے اپنی سمجھ کے مطابق دفعات شریعت اور مسائل مرتب کرنے لگتا ہے اور چونکہ وہ اسرار نبوت کی حقیقت شناسی سے قدرتاً محروم ہے اسلئے بسا اوقات عقلی گھوڑا دوڑانے میں حد سے متجاوز ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اسکے مخترعہ دفعات شرعیہ بالکل حد شرع سے غلو کر جاتے ہیں اور دین میں فتنہ و فساد کے سبب بنجاتے ہیں۔ یہودیوں کو دیکھئے انھوں نے جب دیکھا کہ شریعت نے زنا روکنے کیلئے رجم کی حد کو مقرر کیا ہے اب وہ اس کے بھید اور حقیقت نبوت سے روشناس نہ ہو سکے تو اپنے خیال کے مطابق سمجھا کہ یہ رجم کی دفعہ اسلئے ہے تاکہ زمین میں فساد نہ ہو سکے اور امن قائم رہے لیکن جب دیکھا کہ رجم سے وہ فتنہ دور نہیں ہوتا بلکہ اور جنگ وجدل کا سبب بنجاتا ہے جو کہ بدترین فساد ہے۔ اب انھوں نے اس مصلحت کو لیکر اپنے خیال کے مطابق

اپنی دفعات شرع میں تبدیل کر دینا چاہا اور اسے بدلکر یہ دفعہ بنایا کہ جو اس جرم میں گرفتار ہو اس کا منہ کالا کر کے ۔۔۔۔ کوڑا لگا یا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا بالآخر قیاس پیدا کر کے دین کو محرف کر ڈالا۔

ابن سیرین کا قول ہے کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا اور سورج و چاند کی پرستش محض قیاس نے کرائی چنانچہ جب ابلیس اللہ تبارک و تعالیٰ کی مصلحت کو نہ سمجھ سکا اور قیاس کر کے فوراً حکم ربانی کا انکار کیا اور کہا کہ بھلا یہ ممکن ہے کہ وہ ذات جو آگ سے مخلوق ہو اور جس کی اصلیت رفعت ہو وہ اس ذات کے تابع اور مطیع ہو جائے جو خاک سے مخلوق ہو اور جس کی اصلیت سفلیت ہو۔ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ۔ اس کا کیا نتیجہ ہوا اس نافرمانی اور نص کے مقابلے میں قیاس کر کے تاویل کرنے کا کیا اثر ہوا۔ وہ ناظرین خود فیصلہ کریں۔ امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر تم نے قیاس سے کام لیا تو بہت جلد نافرمان بنکر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر کے رہو گے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں قصر اسلام کو ڈھا دیں گی ایک عالم کی لغزش اور دوسرا منافق کا قرآن سے استدلال اور تیسرا گمراہ ائمہ کے احکام۔ مگر یہ قیاس وہ قیاس ہے جو قرآن اور حدیث سے مستنبط نہ ہو، اور نص کے مقابلہ میں ہو۔

دینی اور شرعی مسائل پر عمل کو بے دلیل اجماع کے تابع کر دینا

اس کی صورت یہ ہے کہ ائمہ دین و حاملین شرع متین کا ایک گروہ جنکی اصابت رائے پر عام لوگوں کا اعتقاد ہو۔ وہ کسی چیز پر اتفاق کر لیں۔ اور لوگ محض انکے اتفاق ہی کو حجت شرعی تسلیم کر لیں اور نیز اس اجماع کی سند کتاب و سنت میں نہ ہو تو اس صورت میں یہ اتباعِ اجماع تحریف دین کا باعث ہو جاتا ہے۔ دیکھو قرآن نے اسی قسم کی اتباع کو برا کہا ہے اور مشرکین کی یہی جاہلانہ ضد اور ہٹ کہ بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا کو متعدد جگہ اہتمام سے بیان کیا ہے کیونکہ عرب زمانے سے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد کسی نئی شریعت موسوی یا عیسوی کے تابع نہ ہوئے اور آخر تک ان کا اسی پر عمل رہا۔ چنانچہ جب ان کے سامنے اسلام آیا تو انھوں نے فوراً اپنے آباء کی روش کی تقلید کی اور اسی اجماع جاہلانہ کی اتباع کی۔ یہودیوں کو دیکھو جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے تو انھوں نے بزعم خود ان کی نبوت کو اپنے مخترعہ معیار نبوت پر نہ پایا۔ اسلئے انکار کر دیا۔ اور اس انکار پر ان کا اجماع ہو گیا اور ان کا یہ انکار ہمیشہ کیلئے ایک برہان قاطع بن گیا۔ چنانچہ جب اسلام آیا تب بھی انھوں نے اپنے سلف کی اسی روش کو اختیار کیا اور حضورؐ کی نبوت کو جھٹلایا۔ امت محمدیہ نے جس اتباع اجماع کو جائز رکھا ہے وہ وہ ہے، جس کی اصلیت اور سند کتاب اور سنت میں ہو۔

تقلید یعنی کسی امام کی باتوں کو بلا دلیلِ شرعی تسلیم کرنا۔

اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی عالم دین کسی مسئلہ پر اجتہاد کرے اور اس کے متبعین محض حسن ظن کے اعتبار سے بلا دلیل و حجت یہ مان لیویں اور تسلیم کر لیویں کہ یہ

بالکل صحیح ہے اور پھر اس کے خلاف اگر کوئی صحیح حدیث بھی آجائے تو اس کو اس اجتہاد سے روکر دیویں تو بیشک اس قسم کی تقلید ناجائز اور مخرب دین ہے ہاں وہ تقلید جس کو جائز کہا گیا ہے وہ چند قید کے ساتھ ہے اول یہ کہ مقلد کو یہ اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ اس کا امام نبی کی طرح معصوم نہیں اس سے خطا اور غلطی سرزد ہوسکتی ہے۔ دوم المجتهد قد يخطي وقد يصيب یعنی امام اجتہاد میں خطا بھی کرسکتا ہے اور صواب کو بھی پہنچ سکتا ہے۔ سوم مقلد کیلئے شرط ہے کہ وہ مسئلہ مجتہدہ کے ساتھ ہی ساتھ احادیث صحیحہ کی تتبع اور تلاش میں لگا رہے اور جہاں کہیں کوئی صحیح حدیث ملجائے تو فوراً مسئلہ مجتہدہ کی تقلید سے باز آجائے اور حدیث کو مان لیوے۔ چہارم یہ کہ وہ خود نہ مسئلہ جانتا ہو اور نہ جا سکتا ہو یعنی جاہل ہو۔ پس اگر مقلد نے ان باتوں کا خیال اور لحاظ نہ رکھا تو وہ یقیناً حق راستے سے ہٹ جائیگا اور من رغب عن سنتي فليس مني کے ماتحت طریق رسول اور اہل حق سے دور ہو جائیگا۔

شانِ علم

(از طالب اعظمی رحمانی)

علم سے بنتی ہے دنیا علم سے بنتا ہے دیں　　عزتِ کونین حاصل جہل سے ہوتی نہیں
علم سے ہوتا ہے انساں قابلِ صد احترام　　علم سے محبوب چشمِ خلق میں انساں مدام
کچھ زمانے میں نہیں جاہل کی قدر و منزلت　　بلکہ اس کی ذات ہے عالم میں ننگ قومیت
علم وہ دولت ہے جسکو کچھ نہیں لٹنے کا ڈر　　ہے حقیقت میں تونگر صاحب علم و ہنر
علم اک گوہر ہے عمدہ بے مثال و بے نظیر　　یہ جسے ملجائے وہ رہتا نہیں ہرگز فقیر
علم وہ قوت ہے روحانی کہ جس سے ہر بشر　　چاہے جب زیر اثر لے آئے فوراً بحر و بر
علم میں مضمر ہے انساں کی ترقی کا سوال　　علم انساں کیلئے ہے باعثِ جاہ و جلال
ہو نہیں سکتا خدا کی ذات سے وہ آشنا　　علم سے جو شخص بھی دنیا میں بیگانہ رہا
جلوۂ علم و ہنر ہے پر توِ حسنِ یقین　　پیش آدم ہر فرشتے نے جھکائی ہے جبیں
الغرض ہیں خوبیاں علم و ہنر کی بے شمار　　اسمیں مضمر نفع کا ہے بحر نا پیدا کنار

طالب عاجز سے کیا ہو علم کی خوبی بیاں
حاملِ وحی الٰہی خود ہے اسکا مدح خواں

رسول اللہ کی ذکرِ الٰہی سے دلچسپی

(از مولوی سید اکرم شاہ صاحب متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی)

ناظرین میں اسوقت آپ کی توجہ ایسی ہستی اور ذات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جس نے اپنی تمام عمر اپنے معبود حقیقی اور مالک حق کی رضا جوئی اور اس کی عبادت میں گذاری ہے خواہ تنگی ہو خواہ خوشحالی خواہ صحت کی حالت ہو خواہ مرض کی خواہ سفر میں ہو خواہ حضر میں خواہ گھر میں ہو خواہ باہر غرضیکہ کسی حالت میں ہو اُس نے اپنے خالق اور رازق کی رضا طلب کرنے کیلئے کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔

نبوت اور ملوکیت جس طرح مادی زندگی اور مادی آرزوں کا منتہائے کمال حکومت اور تخت و تاج ہے اسی طرح روحانی و انسانی زندگی کی معراج اور بلند ترین چوٹی نبوت ہے دنیا میں کسی کی زیادہ سے زیادہ ترقی یہی تو ہے کہ کوئی انسان مراحل ارتقا طے کرکے بادشاہ بن جائے اور بس لیکن روحانیت میں اگرا ور مدارج بھی ہیں مثلاً عالم ہونا عابد اور زاہد ہونا متقی ہونا وغیرہ لیکن اس کا سب سے بلند اور ارفع درجہ نبوت ہے، بادی النظر میں ہمیں بادشاہ بڑے باعزت اور باعظمت اور با اقتدار اور بڑے مستغنی معلوم ہوتے ہیں کہ تمام رعایا کی موت وحیات کا فیصلہ ان کی ایک جنبش لب پر منحصر ہے بادشاہ اس ترقی اور مرتبے پر بڑا ناز اور فخر کیا کرتے ہیں کسی طاقت کو خاطر میں نہیں لاتے۔ یہانتک کہ باری تعالیٰ کی شان پر بھی گستاخانہ الفاظ بول دیا کرتے ہیں اور بعض سرے سے انکار ہی کردیتے ہیں کہ خدا کیا ہے کچھ نہیں اور اپنے گمان اور اقتدار میں نہ صرف یہ کہ وہ سلطنتوں اور شہروں اور قوموں اور بستیوں کو اجاڑتے رہتے ہیں اور ان سے لڑتے بھڑتے اور مقابلہ کرتے رہتے ہیں بلکہ وہ نبوت سے بھی بارہا ٹکراتے ہیں۔ انبیاء کو قیدوں میں ڈلوایا ہے سولی پر چڑھایا ہے بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈلوایا ہے غرضیکہ اپنی قوت کے مطابق جو کچھ بھی کرسکتے تھے کیا لیکن نبوت سے تصادم اور مقابلے میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہوئے۔ سر نبوت کبھی بھی ان کے سامنے نہیں جھکا ہاں ان گدڑی پوشوں کے سامنے حاکم اور حکومتیں سر خم کرتی رہیں۔

غار حرا کی عبادت انھیں ذوق حاصل ہو رہا ہے لذت ملتی ہے اور راحت و سکون نصیب ہوتا ہے تو صرف بندگی میں کہ بندوں کیلئے بندگی ہی زیبا ہے سب کچھ مل گیا کوئی ضرورت اور کوئی ارمان باقی نہ رہا بس اب ایک آقا ہے اور ایک بندہ بندہ رضائے ربانی اور اسکی خوشنودی میں محو و ساعی رہتا ہے اور اس کی عطا و بخشش میں اس کا سر برابر اور ہر وقت جھکا رہتا ہے اور سر جھکتے ہی چونکہ ایک خاص کیفیت طاری ہوتی جاتی ہے اور ایسے مزے اور لذت میں لطف اندوز ہوتے ہیں کہ جس کے مقابلے میں لذیذ تر شے اور کوئی نہیں ہوتی اسی لئے انبیاء اور اولیاء عبادت کے بہت حریص ہوتے ہیں اور ہر وقت یہی دل چاہتا ہے کہ اپنے محبوب کے آستانہ پر سر رکھے رہیں اور اسی کے ذکر میں مشغول رہیں کسی نے کہا ہے ؎

ذکرك للمشتاق خیر شراب　　وکل شراب دونہ کسراب

ایک مشہور معروف چیز ہے کہ عاشق کیلئے سنگ درجاناں سے عزیز تر اور بھی کوئی شے ہوسکتی ہے؟ اس کملی والے آقا کی طرف ذرا دیکھئے ابتداء عشق ہی میں محبت اِس قدر بڑھی اور جوش مارا اٹھی کہ محفلوں، ور مجلسوں اور زن وفرزند اور عوام الناس اور خویش و اقربا کی محبت سے بے نیاز اور مستغنی ہوکر گھر کے گوشے ڈھونڈتے پھرتے ہیں تلاش محبوب حقیقی تھی اور اس کی محبت اور سوزش تھی اور اسی سبب سے بیقرار رہتے تھے گھ بھی سکون نہ ملاتو پہاڑ پر تشریف لے گئے پھر غار حرا کی تنہائیوں میں پناہ گزیں ہوئے، یہاں ہی تاج رسالت سے سرفراز کردیئے گئے اصلاح وعمل کی ذمہ داریاں سپرد ہوگئیں تھا تو سب کچھ مگر راحت قلب اور بھی ظلم ہوتے تھے قہر ٹوٹتے تھے ہر قسم کے مصائب وآلام کا سامنا کرنا پڑتا تھا مگر اُف کیسی؟ شکوہ کیسا؟ کیونکہ (عاشقوں کے مذہب میں جو مصائب اور تکالیف ہوں انپر تو اُف جائز ہی نہیں اگر کرے تو عشق میں فرق آتا ہے) آقا کی رضا اور خوشنودی میں بھی ایک کیف ہوتا ہے وہ دیکھ رہا تھا خوش تھے اور سب کچھ گوارا تھا۔

طاعت وعبادت میں انہماک ظالموں کیلئے بددعا کیونکر کرتے آخر اپنے آقا کے اپنے ہی جیسے بندہ تو تھے وہ مخلوق نوازی سے خوش ہوتا ہے اِسلئے مخلوق نوازی میں بڑھ چڑھکر کوشاں رہتے تھے وہ سب بندوں پر مہربان ہے اس لئے سب سے عدل اور مساوات برتتے تھے اور جب اس سے فراغت اور فرصت ملتی تھی سر آستانۂ محبوب پر رکھ دیتے تھے مکہ میں دن مصائب اور تبلیغ میں گذرتا تھا اور راتیں یاد الٰہی میں سجدے کی حالت میں گذرتی تھیں عبادت الٰہی میں وہ شغف اور وہ انہماک تھا کہ آپ کے جانی دشمن بھی کہہ اٹھتے تھے کہ محمدؐ کو اللہ کا عشق ہوگیا ہے۔ رات کو عبادت میں اتنی دیر کھڑے رہتے تھے کہ پاؤں مبارک سوج جاتے تھے اور ورم ہوجاتا تھا یعنی عبادت کرنے کی حالت میں اسقدر مناجات باری میں مشغول ہوتے تھے کہ اپنی تکلیف تک بھی محسوس نہ ہوتی تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عرض کرتی ہیں یا رسولؐ اللہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے ہیں تو پھر آپ خواہ مخواہ اپنے آپ کو کیوں اتنی تکلیف میں رکھتے ہیں اور کیوں اتنی تکلیف اٹھاتے ہیں سبحان اللہ وہ اللہ کے پیارے۔ جواب ارشاد فرماتے ہیں اے عائشہؓ کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں (بخاری) یہاں تک بس نہیں ذرا غور کیجئے کہ عبادت الٰہی میں کسقدر شغف تھا کہ مرض الموت کی حالت میں دو آدمیوں کے کندھے پکڑ کر مسجد میں آتے ہیں چودہ روز کی علالت میں گیارہ روز تک مسجد میں آتے رہتے ہیں۔ میدان جنگ میں سفر میں حضر میں غرضیکہ ہر حالت میں نماز پڑھتے ہیں آدھی رات ہوئی عبادت کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے اور عبادت میں مصروف ہوگئے کوئی لمحہ کوئی دقیقہ کوئی شائبہ یاد الٰہی سے خالی نہ گذرتا تھا مصیبت میں راحت میں دن میں رات میں فتح وکامیابی وکامرانی کے موقع پر کسی آن میں خدا کو نہ بھولتے تھے۔

تبلیغی پروگرام

(مولوی محمد امین صاحب شوق مبارکپوری فاضل رحمانیہ)

حسب معمول اپنے کاروبار میں دیر تک مشغول ومنہمک رہنے کی وجہ سے جبکہ دماغ افسردہ اور مضمحل ہو چکا ہو اور ہاتھ پاؤں بالکل تھک گئے ہوں تو اس وقت فرصت اور اطمینان کے چند گھنٹے دنیا کی سب سے بڑی نعمت معلوم ہوتے ہیں اپنی معمولی زندگی میں ہمیں روزمرہ ایسی ہی محنت کے کام اور ایسی ہی فرصت سے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ اور یہ نعمت عظمیٰ کوئی دن ایسا نہیں گذرتا کہ ہمیں حاصل نہ ہوتی ہو۔ مدرسوں، کالجوں، دفتروں، دکانوں، کارخانوں اور کھیتوں پر دن بھر کام کرنے کے بعد شام کے وقت گھر کی آرام دہ فضا میں سانس لینا کچھ ایسا بھلا معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی سب تکان دور اور کافور ہو جاتی ہے۔ چار کی ایک دو پیالی، شربت کا ایک گلاس یا پان کی گلوری۔ چند لمحوں میں ساری افسردگی اور اضمحلال دور کر دیتی ہے۔ اور ہمیں اپنے جسم میں ایک نئی روح اور ایک نئی طاقت محسوس ہونے لگتی ہے اور ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہم اپنے فرصت کے گھنٹوں میں اچھی طرح لطف اٹھائیں۔ فرصت اور چھٹی کے گھنٹوں میں اس طرح بھی لطف اٹھایا جاسکتا ہے کہ ہم چند احباب کے ہمراہ شہر یا قصبہ یا گاؤں سے باہر جا کر سیر و تفریح میں مصروف ہو جائیں۔ اور اس طرح بھی کہ چارپائی پر بستر بچھوا کر آرام سے لیٹ جائیں اور آنکھیں بند کرلیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہمیں اس بات کا پورا پورا حق حاصل ہے کہ فرصت اور چھٹی کے گھنٹوں کو جس طرح چاہیں گذار دیں کیونکہ فرصت کا مطلب ہی یہ ہے کہ ہمیں اس وقت کمال درجہ کی آزادی و سکون حاصل ہو لیکن ہر صاحب عقل وفہم کے نزدیک فرصت کے اوقات کو بیکاری میں گذار دینا اور فضول کاموں میں ضائع کر دینا کوئی صحیح مصرف نہیں ہے بیکاری ہی میں ہم چھٹی اور فرصت کے گھنٹوں کو گنوا سکتے ہیں۔ لیکن فرصت کے گھنٹے آرام کے گھنٹے جداگانہ چیز ہیں اور انھیں بیکاری میں ضائع کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہمارا مذاق طبیعت صحیح اور درست نہیں ہے سستی اور کاہلی ہم پر طاری اور غالب ہے۔

جو کام ہمیں کسب معاش کیلئے کرنا پڑتا ہے۔ یا جو اوقات تحصیل علم پر خرچ ہوتے ہیں وہ تو ہمارے فرائض منصبی میں داخل ہیں۔ اور ہماری فرصت ہی کے گھنٹے ایسے ہو سکتے ہیں جن میں کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی مرضی اور اپنی خوشی سے جو کام بھی چاہیں کر سکتے ہیں اور اس وقت ضرور ہی وہ کام کرنا چاہیے جس کا ذوق ہم میں فطرتاً موجود ہے۔ ایک شاعر کیلئے یہی وقت ہے کہ وہ اس آب وگل کی دنیا سے باہر نکل کر تخیل کی فضا میں پرواز کرتا پھرتا ہے۔ اور ایک مصور کیلئے یہی چند لمحے ہیں کہ جن میں وہ اپنے قلم کی ہلکی ہلکی جنبشوں سے ایک بے روح و بے جان مگر بولتے ہوئے عالم کی تنقیش کرتا ہے۔

لیکن میرے خیال میں اگر خوش قسمتی اور خوش بختی کی وجہ سے فرض منصبی کی ادائگی کے بعد کچھ خالی وقت ملتا ہے جسے آپ اپنا اور فرصت کا وقت کہتے ہیں تو آپ کو چاہیئے کہ ایسے عزیز ترین وقت کو سیر و تفریح اور لہو ولعب میں نہ گنوائیں اور نہ یہ آپ کو لائق ہے بلکہ ایسی حالت میں آپ کا فرض ہے کہ اپنے حلقہ اثر کے لوگوں کو اور خصوصاً قرب وجوار کے مواضعات میں پہنچکر جنھیں وعظ و پند سننے کا بہت ہی کم اتفاق ہوتا ہے انھیں وعظ و نصیحت سنائیں۔ لیکن سب سے پہلے اپنی پوزیشن کو صاف، ستھری کرکے اور حقیقی معنوں میں پابند شرع ہوکر لوگوں کے سامنے پیش ہونا چاہیئے تاکہ عوام کو حرف گیری اور انگشت نمائی کا موقع نہ ملے۔ اور اس آیت کریمہ کا مصداق نہ ہونا پڑے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ o كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (پ ۲۸ ع ۹) ترجمہ۔ مسلمانو! ایسی بات کیوں کہہ بیٹھا کرتے ہو جو تم کرکے نہیں دکھاتے (یہ بات) اللہ کو سخت ناپسند ہے کہ کہو (سب کچھ) اور کرو کچھ نہیں۔" ایک جگہ اور ارشاد ہے اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ o اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (پ ۱ ع ۵) ترجمہ کیا تم دوسرے لوگوں سے نیکی کرنے کو کہتے ہو اور اپنی خبر نہیں لیتے۔ حالانکہ تم کتاب (الہی) پڑھتے رہتے ہو کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے۔" حضرت ابراہیم خلیل اللہ سب سے پہلے اپنے باپ ہی کو راہ راست پر لانے کے درپے ہوئے۔ اسی طرح فخر رسل احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا۔ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (شعراء پ ۱۹) اپنے عزیز ترین اعزہ کو ڈراؤ۔ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (پ ۱۶ طٰہ) اے نبی اپنے گھر والوں کو نماز کی تعلیم دو اور خود بھی اسکے پابند رہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ ہدایات واحکامات پہنچانے میں پاس مراتب، لحاظ عظمت، کسی بزرگ کی بزرگی یا کسی عزیز کی دلجوئی ملحوظ رکھنا ضروری نہیں تبلیغ کے معاملہ میں کسی کے احسان کا کچھ اثر نہیں ہوسکتا۔ اولاد پر والدین سے بڑھکر کس کا احسان ہوگا لیکن حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تبلیغ کے معاملہ میں آبوت کچھ مانع نہ ہوسکی بلکہ سب سے پہلے انھیں کو شرک کی پلیدگی سے باز رہنے کی ہدایت کی۔

ناظرین کرام! دعوت حق ایک ایسی چیز ہے کہ جب شیریں کلامی اور موثر انداز میں پیش کی جائیگی تو سخت سے سخت منکر کے سر بھی نیچے ہوکر رہیں گے۔ اور اسی کی قرآن حکیم میں تعلیم بھی دی گئی ہے۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (پ ۱۴ ع ۲۲) ترجمہ: اے پیغمبر لوگوں کو عقل کی باتوں اور اچھی اچھی نصیحتوں سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ اور ان کے ساتھ بحث (بھی) کرو (تو) ایسے طور پر کہ وہ (لوگوں کے نزدیک) بہت ہی پسندیدہ ہو۔ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (پ ۴ ع ۸) ترجمہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر (خدانخواستہ) تم مزاج کے اکھڑ (اور) سنگ دل ہوتے تو یہ لوگ (کبھی کے) تمہارے پاس سے تتر بتر ہوگئے ہوتے۔ تبلیغ حق کرنے میں کسی مخالف طاقت سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے۔ اور نہ گرما گرم تحریک کو کبھی ٹھنڈا کرنا چاہیئے اگر کچھ رکاوٹ بھی پیدا ہو تو اس طرح کہ ع رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور۔

یہ بالکل صحیح اور درست ہے کہ حق کی طرف بلانے والے کو مخالفین کی جانب سے طعنے دیئے جائیں گے۔ اسکی بے حرمتی اور تذلیل کی جائیگی۔ نا سمجھ لوگ اسے نا ملایم الفاظ سے یاد کرینگے۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ طرح طرح کی تکلیف اور مصیبت پہنچانے کی کوشش کرینگے۔ مگر ان سب کی بالکل پروانہ کرنی چاہیئے بلکہ دماغ میں کام کی دھن اور دل میں جوش و حوصلہ ہونا چاہیئے نیز تبلیغ کو کسب منصب اور حصول جاہ کا ہرگز ہرگز ذریعہ نہ بنانا چاہیئے۔ اور نہ اسکے پردے میں اچھے اور بلند درجے حاصل کرنیکی امید کرنی چاہیئے۔ اگر مال و دولت اکٹھا کرنے کا ارادہ اور تمنا ہوگی تو یہ ارادہ تبلیغی سلسلہ میں زہر قاتل کا اثر پیدا کریگا۔ بلکہ سوچیئے کہ اس کام کا معاوضہ دینے والا فقط اللہ ہے۔ جو کچھ طلب کرنا ہو اسی سے طلب کرے۔ ہر نبی اپنی اپنی قوم سے یہی کہتے رہے۔ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (پ ۱۹ ع ۶۔۱۰) ترجمہ میرا کہا مانو میں (اس سمجھانے) پر تم سے کچھ اجرت تو مانگتا نہیں۔ میری اجرت تو فقط پروردگار عالم پر ہے۔"

ناظرین کرام! اگر آپ تبلیغ احکام پر زیادہ وقت نہیں خرچ کر سکتے تو کم از کم اپنی فرصت اور چھٹی ہی کے اوقات میں سہی لیکن حوصلے اور جوش کے ساتھ اللہ اور اس کے دین کا کام سمجھ کر ان مذکور الصدر اصول و قواعد کے ماتحت اپنے حلقہ اثر بیوی، بچے، دوست، احباب، خویش و اقارب اور پھر رفتہ رفتہ قرب و جوار کے مواضعات و قصبات میں پھر کر خدا کے پیغام کو سنائیں اور بھلی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے باز رہنے کی تاکید کریں۔ اس تبلیغ کا یہ فائدہ ہوگا کہ دین محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے حلقہ و احاطہ کی توسیع روز افزوں ہوتی رہے گی۔ لوگوں کے کان تک اسلام ... دعوت کی تبلیغ بآسانی اور موقع و لحاظ کے اعتبار سے مناسب طور پر ہوتی رہے گی۔ حق و باطل، سنت و بدعت، منکر و معروف میں صاف امتیاز قائم رہے گا۔ اور آپ اپنے فرض (تبلیغ) سے سبکدوش ہو جائیں گے۔ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ۔ اور ساتھ ہی یہ چیز بھی کسی پر مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے کہ ایک مبلغ اسلام کو دعوت اسلام اور نصیحت و وعظ و افتا کیلئے علم قرآن، حدیث، تفسیر، اصول، معانی، بیان، نحو، صرف، لغت، اور کسی قدر فلسفہ، منطق، فقہ، فرائض، آداب مناظرہ و سیر و تاریخ کا جاننا از بس ضروری اور لابدی ہے۔ تاکہ احکام الٰہیہ کو قرآن و حدیث سے نکال کر لوگوں کو بتائے۔ بھلی باتوں کو بھلائی پر اور بری باتوں کی برائی پر سند شرعی پیش کر سکے اور براہین عقلیہ و نقلیہ سے مضبوط و مستحکم کرے۔ منکرین کے شبہات اور توہمات کو بزور منطق و کلام رد کرنے پر قادر ہو اور بوقت ضرورت احکام شرعیہ کے مصالح و منافع کو ثابت کر سکے۔ انہی ضرورتوں کو سامنے رکھکر حکم ہوتا ہے۔ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۔ (توبہ پ ۱۱) ترجمہ مسلمانوں کو یہ لائق اور زیبا نہیں کہ سب کے سب بیرونی ضرورتوں (تجارت حج وغیرہ) کے انجام دہی کیلئے باہر نکل جائیں۔ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہر قوم و پیشہ و شہر و محلہ اور گاؤں سے کچھ لوگ نکلیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (اور اب مدرسوں اور اسکولوں میں داخل ہو کر) علم دین سیکھیں اور جب کامیاب ہو کر واپس ہوں تو اپنی اپنی قوم کو ڈرائیں عجب نہیں کہ اس تدبیر سے لوگ معصیت و برائی سے بچنے لگیں۔

باقی صفحہ ۲۳ پر ملاحظہ ہو

بدعات اور مسلمان

(از جناب آمین صاحب گونڈوی متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی)

آہ مسلم دہر میں تو اس قدر رسوا ہوا
پست قوموں سے بھی بدتر ہو گیا رتبہ ترا

تیری ہیبت سے لرزتے تھے کبھی اعدائے دیں
آج تیرا دبدبہ ان کے دلوں میں کچھ نہیں

وہ جو تیرے رعب سے گردن اٹھا سکتے نہ تھے
ذلت و نفرت سے کرتے ہیں وہی چرچے ترے

چھوڑ دی تو نے حصولِ عظمت و سطوت کی راہ
تجھ پہ آکر چھا گیا بدعت کا سیل بے پناہ

بدعتیں ایجاد کر رکھی ہیں تو نے بے شمار
اور بری رسموں پہ تو رہتا ہے ہر لحظہ نثار

غربت و افلاس کی موجب ہیں یہ رسمیں تری
قوم مسلم مفلس و قلاش انہی سے ہو گئی

وہ خواتیں جن پہ حوریں رشک کرتی تھیں کبھی
وہ نکلتی ہیں محرم میں بصد جلوہ گری

جو مقدس بیویاں تھیں پیکر شرم و حیا
ہاں انہی کے دم سے رسوا پردۂ شرعی ہوا

تعزیہ داری میں تو کرتا ہے دولت کو فنا
رشتۂ ایماں بھی تیرے ہاتھ سے جاتا رہا

چاہتا ہے بدعتوں پر تو ثوابِ شرع دیں
گھاس پتھر سے اُگے ممکن نہیں ممکن نہیں

تعزیہ داری ہے یا یہ شرک کا پیغام ہے
کلمۂ توحید بھی اس فعل سے بدنام ہے

تجھکو گر مطلوب ہیں دونوں جہاں کی عظمتیں
دور ہو جائیں ترے سر سے یہ ساری ذلتیں

تھام لے چنگل سے دامن سنت و قرآن کا
ہے فلاحِ دو جہاں کا بس یہی اک سلسلہ

دل سے آمین کے نکلتی ہے دعا لیل و نہار
دین پر قائم مسلمانوں کو رکھ پروردگار!

علمِ دین کی فضیلت

(از محمد ابوالکلام صاحب جیت گڈھی متعلم مدرسہ رحمانیہ)

برادرانِ اسلام! علم ایک ایسی اچھی صفت ہے جس سے بڑے سے بڑا آدمی بھی نیک اور متقی ہوجاتا ہے علم ایسی دولت ہے جو کبھی گھٹنے والی نہیں بلکہ ہمیشہ بڑھتی ہی جاتی ہے۔ جس شخص کے اندر علم کی صفت پائی جاتی ہے اس سے دنیا کے لوگوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوتے ہیں اور لوگ اس کی بہت تعظیم وتکریم کرتے ہیں جس شخص کے اندر علم نہیں وہ نہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو پہچان سکتا ہے نہ قرآن وحدیث کو سمجھ سکتا ہے گویا قرآنؐ حدیث کے سمجھنے اور خدا واسکے رسولؐ کے پہچاننے کا دارومدار علم ہی پر ہے ؎

علم ہی سے قدر ہے انسان کی ؏ ہے وہی انسان جو جاہل نہیں

غریب ومفلس اہل علم اس دولتمند ومالدار سے ہزاروں درجہ بڑھا ہوا ہے جو علم سے بے بہرہ ہے۔ قرآن مجید کے اندر علم کی فضیلت کے بارے میں ارشاد ربانی ہے اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر پ ۲۲) یعنی اللہ تعالیٰ سے عالم ہی لوگ ڈرتے ہیں۔ - - - - - - - - - - - - اگر آج دنیا میں علم نہ ہوتا تو یقیناً تمام کے تمام لوگ گمراہ ہوتے اور سب اپنی اپنی مرضی کے مطابق کام کرتے چلے جاتے۔ مگر خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسی نعمت بخشی ہے جس سے ہم اللہ تعالیٰ اُس کے رسولؐ اور قرآنؐ واحادیث کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں کیا آپ کو یاد نہیں کہ عرب میں زمانہ جاہلیت میں بے شمار شرک وکفر کی رسومات تھیں وہ اپنی لڑکیوں کو زندہ زمین میں دفن کردیا کرتے تھے انھیں اپنی اولاد پر ذرا بھی رحم نہ آتا تھا - - - - - - - - - - - - - - - - - - چنانچہ حالی مرحوم نے اسکا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے ؎

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر ؏ تو خوف شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی تھی جو شوہر کے تیور ؏ کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جاکر
یکایک ہوئی غیرت حق کو حرکت ؏ بڑھا جانب بوقبیس ابر رحمت

یہ اس وقت کی حالت تھی جب دنیا علمی ہنگامہ آرائیوں سے خالی تھی اور یہ اس جگہ کا طریق کار تھا جہاں علم نام کو نہ تھا۔ لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ہی اس جگہ علم وہدایت کے وہ سرچشمے پھوٹے جو قیامت تک کیلئے تشنگان علم وہدایت کی سیرابی کا باعث ہوئے۔ علم اتنی بڑی دولت ہے کہ اس کے سامنے قارون کی تمام دولت پاسنگ کے برابر بھی نہیں ؎

علم کی دولت ہے ایسی لازوال جس کے آگے گنج قاروں کیا ہے مال

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دیکر نیز اس کی خوبیاں بیان کرکے علم کی قدر لوگوں کے دلوں میں بٹھا دی علم سے آدمی بڑے مرتبہ والا گنا جاتا ہے اور علم ہی سے ہر اچھے برے کی تمیز ہو سکتی ہے اگر کوئی شخص علم حاصل کرنے کیلئے کہیں جاتا ہے تو چیونٹیاں اور دریا میں مچھلیاں اس کی سلامتی کی دعا کرتی رہتی ہیں اور فرشتے اس کی امداد کرتے ہیں اور اُس کیلئے اپنے پر بچھاتے ہیں علم کی بہت سی فضیلتیں ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (پ ۳۰ اقرأ) اے نبی اس رب کو یاد کرو جو بہت بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم کو پھیلایا اور جس نے انسان کو وہ علم عطا کیا جسکو وہ نہ جانتا تھا۔ اس سے علم کی حقیقت صاف ظاہر ہوگئی کہ ہم علم کے ذریعہ سے ہر چیز کو معلوم کر سکتے ہیں اور خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان سکتے ہیں اور جب ہم خدا اور اسکے رسول کو پہچان لینگے تو اب اس کے احکام کو بھی رد نہیں کرینگے اور جب ہم اس کے احکام کو رد نہ کریں گے تو انشاء اللہ ہمیں ضرور دنیا و آخرت میں کامیابی ہوگی اور ہم جنت میں داخل ہونگے اور دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا الآیہ (پ ۱۹ نمل) اور تحقیق کہ ہم نے داؤد و سلیمان علیہما السلام کو علم دیا چنانچہ انہوں نے کہا تمام تعریفیں اس خدا کو جس نے ہمیں اپنے ایمان والے بندوں میں سے بہت سے بندوں پر فضیلت اور بزرگی دی . . .

. . . . اس آیت میں دلیل ہے کہ علم ایک بڑی چیز ہے اور اس کا مرتبہ بہت بلند ہے معلوم ہوا کہ علم کی نعمت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے اور جس شخص کو علم دیا گیا اس کو بہت سے بندوں پر فضیلت اور بزرگی دی گئی اور اسکو شرف اجل عنایت ہوا نیز معلوم ہوا کہ علم والوں کو اس نعمت عظیمہ پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا فرض ہے ہاں عالم کیلئے یہ اعتقاد ضروری ہے کہ اگر مجھکو بہتوں پر فضیلت دی گئی تو بہتوں کو مجھ پر بھی فضیلت دی گئی ہے تاکہ تکبر اور نخوت اس کے پاس پھٹکنے نہ پائے اور دوسری جگہ ارشاد ہے إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَنْ تَبُورَ (پ ۲۲ س فاطر) ترجمہ تحقیق وہ لوگ کہ پڑھتے ہیں اللہ کی کتاب اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور خرچ کرتے ہیں اس چیز سے کہ ہم نے ان کو دیا پوشیدہ اور ظاہر امید رکھتے ہیں سوداگری کی ہرگز نہ ہلاک ہوگی۔

اوپر جو ذکر کیا گیا وہ علم کی فضیلت کے بارے میں تھا مگر یاد رکھو صرف علم ہی حاصل کر لینے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اس پر عمل کرنا چاہیے جو لوگ علم و معرفت رکھتے ہیں وہی اللہ تعالیٰ کا ڈر رکھتے ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ علماء وہ ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ عکرمہؓ کی روایت میں ابن عباسؓ کا قول ہے کہ عالم بالرحمٰن اللہ کے بندوں سے وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانے اور اللہ کے حکم کا لحاظ رکھے۔ حسن بصریؒ کا قول ہے کہ عالم وہ ہے جو بن دیکھے اللہ سے ڈرے اور جس کام کی اللہ نے ترغیب دی ہے اس کی طرف

رغبت کرے اور جس بات سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہے اس سے بے رغبت ہو پھر مذکورہ بالا آیت پڑھی۔ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ علم یہ نہیں کہ حدیثیں خوب یاد ہوں بلکہ یہ کہ اللہ کا ڈر بہت ہو۔ اور امام مالکؒ سے روایت ہے کہ علم کثرت روایت سے مراد نہیں وہ تو ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ بندوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ اور حدیث ابو درداء میں مروی ہے من سلك طريقا يطلب فيه علما سلك الله به طريقا من طرق الجنة وان الملائكة لتضع اجنحتها رضا لطالب العلم وان العالم ليستغفر له من في السموٰت ومن في الارض والحيتان في جوف الماء۔ یعنی جو کوئی علم طلب کرنے کیلئے راستہ قطع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو جنت کا راستہ قطع کراتا ہے فرشتے اپنے پَر خوشی سے طالب علم کے واسطے بچھا دیتے ہیں اور عالم کیلئے آسمان وزمین کی مخلوق یہانتک کہ پانی میں مچھلیاں استغفار کرتی ہیں اور علم کی فضیلت کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (پ ۲۸ مجادلہ) یعنی اللہ تعالیٰ مومنوں اور عالموں کا درجہ بلند کرتا ہے اور اسے ان چیزوں کی خبر ہے جو تم کرتے ہو۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) اس حالت میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں لوگوں سے کچھ بیان کر رہے تھے ایک اعرابی آپ کے پاس آیا اور اس نے پوچھا کہ قیامت کب ہوگی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہ دیا اور اپنی بات بیان کرتے رہے۔ اس پر کچھ لوگوں نے کہا کہ آپ نے اس کا کہنا تو سن لیا مگر چونکہ اس کی بات آپ کو بری معلوم ہوئی اس سبب سے جواب نہ دیا۔ اور کچھ لوگوں نے کہا (یہ بات نہیں) بلکہ آپ نے سُنا ہی نہیں یہانتک کہ جب آپ اپنی بات ختم کر چکے تو فرمایا قیامت کے متعلق پوچھنے والا کہاں ہے۔ سائل نے کہا یا رسول اللہ میں یہاں ہوں۔ آپ نے فرمایا جس وقت امانت ضائع کردی جائے تو تو قیامت کا انتظار کرنا۔ اُسنے پوچھا کہ امانت کا ضائع کرنا کس طرح ہوگا آپ نے فرمایا جب کام[1] نااہل کے سپرد کیا جائے تو تم قیامت کا انتظار کرنا۔

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا خوب کہا ہے ؎

لَيْسَ الْيَتِيْمُ الَّذِيْ قَدْ مَاتَ وَالِدُهٗ ۔۔۔ بَلِ الْيَتِيْمُ يَتِيْمُ الْعِلْمِ وَالْحَسَبِ

یتیم وہ نہیں ہے جس کا باپ مرگیا ہے۔ بلکہ درحقیقت یتیم وہ ہے جو علم اور اچھے اخلاق سے خالی ہو۔

رَضِيْنَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِيْنَا ۔۔۔ لَنَا عِلْمٌ وَلِلْجُهَّالِ مَالٌ

ہم اللہ کی اس تقسیم پر راضی ہیں کہ اس نے ہم کو علم دیا ۔۔۔ اور جاہلوں کو مال

فَاِنَّ الْمَالَ يَفْنٰى عَنْ قَرِيْبٍ ۔۔۔ وَاِنَّ الْعِلْمَ لَيْسَ لَهٗ زَوَالٌ

اس لئے کہ مال تو عنقریب فنا ہو جائیگا ۔۔۔ اور علم کے لئے تو زوال ہی نہیں

بس میں اب اخیر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اور ہمارے تمام بھائیوں کو علم دین کی دولت سے مالامال کرے اور ہمیں توفیق عمل عطا فرمائے آمین

[1] کام سے مراد اسلام (اضافہ) ۱۲ منہ

شادی کے وقت جاپانی ماں اپنی بیٹی کو یہ بارہ نصیحتیں کیا کرتی ہے

(۱) تم عقد کی ساعت سے میری دختر نہیں رہیں، اپنی سسرال والوں کو مثل میرے سمجھنا، کسی حال میں ان کی حیثیت کو فروگذاشت نہ کرنا۔

(۲) تم نکاح ہوجانے سے کسی کی محکوم بن گئیں اور کوئی تمہارا حاکم قرار پاگیا ہے تم کو اس کی اطاعت سے سرمو تجاوز نہ کرنا چاہیے

(۳) اپنی خوشدامن کو اپنے سے خوش وخرم رکھنا کسی بات میں وہ تمہاری شاکی نہ ہوں۔

(۴) حسد وعداوت نہ کرنا، اس سے تمہارے علاقہ زوجیت میں فرق آئے گا۔

(۵) اگر تمہارا شوہر جا بیجا کسی طرح سے غصہ کرے تو زبان درازی سے اس کو جواب نہ دو نرمی اور چاپلوسی سے اس کے غصہ کو کم کرو جب اس کا غصہ فرو ہوجائے سہولیت سے اسے سمجھا دو۔

(۶) اپنے پڑوسی کی برائی نہ کرو جھوٹ اور فریب کی عادی نہ ہو۔

(۷) علی الصبح بیدار ہو اور رات کو دیر سے سویا کرو، شباب کا زمانہ جب تک نہ گذر جائے بڑی بڑی نمائشوں میں شریک نہ ہو۔

(۸) گھر کا انتظام سلیقہ سے کرو اور کفایت شعاری اپنا معمول بناؤ۔

(۹) کسی جوتشی پنڈت سے اپنے کام میں مشورہ مت کرو۔

(۱۰) سنجیدگی اور متانت اختیار کرو تاکہ ہر دلعزیز ہوجاؤ۔

(۱۱) سادہ اور کم قیمت لباس پہنو۔ بیش قیمت اور نمائشی لباس مت استعمال کرو اس میں اسراف ہوتا ہے اور فوائد مفقود ہوتے ہیں۔

(۱۲) اپنے والدین کی حیثیت امارت ریاست پر متکبر مت ہو نہ افتخار کے ساتھ اس کا ذکر کرو اپنے شوہر کی چاہے حالت غربت کی ہو یا امارت کی، اس پر قانع رہو اسی میں فلاح ہے۔

بقیہ صفحہ ۱۸ ایسا ہی ایک دوسری جگہ پر ارشاد ہے وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران) ترجمہ اور چاہیے کہ تم لوگوں میں سے ایک ایسا گروہ ہو جو لوگوں کو اسلام کی طرف بلائے اور اچھی باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے منع کرے اور ایسے ہی لوگ دین ودنیا کی فلاح ونجاح پانیوالے ہیں۔

ناظرین محدث! ان دونوں آیتوں سے آپ پر بخوبی واضح ہوگیا ہوگا کہ مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ بھی ہمہ وقت رہنا چاہیے کہ فرائض منصبی کے بعد جو کچھ خالی وقت اور ٹائم ملے ان میں تبلیغ احکام کرتے رہیں۔ فقط

روح اخبار

۲۶ دسمبر ۱۹۳۹ء کی رات کو ترکی میں ایک خوفناک زلزلہ آیا۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ترکی کے تقریباً ۳۰ ہزار (۳۰۰۰۰) سے زیادہ آدمی زلزلہ کی وجہ سے مر گئے بارہ شہر اور اسّی گاؤں مٹی کا ڈھیر بن گئے۔ زلزلہ کی وجہ سے ترکی کے دریاؤں میں سیلاب بھی آگیا بتایا گیا ہے کہ اس زلزلہ کا اثر زمین کے اندر سولہ میل نیچے تک تھا۔ ۸ جنوری ۱۹۴۰ء تک زلزلے کے جھٹکے محسوس کئے گئے۔ دنیا کے ہر حصے سے ترکوں کے ساتھ اس مصیبت میں اظہار ہمدردی کے پیغامات بھیجے گئے۔ اور مالی امداد کی گئی۔ ہندوستان سے بھی کافی مدد پہنچائی گئی۔ چنانچہ ۸ جنوری کو ترکی ریڈیو اسٹیشن سے ایک تقریر براڈکاسٹ کی گئی جس میں زلزلہ کی تباہ کاریوں کی تفصیل سنائی گئی اور امداد کرنے والوں کا شکریہ ادا کیا گیا۔ جس میں ہندوستان کا نام خاص طور سے لیا گیا۔ ترکی کیساتھ ہمیں اس حادثہ میں دلی ہمدردی ہے اللہ تعالیٰ انکی مدد فرمائے۔ (محدث)

دہلی ۹ جنوری - نئی دہلی کے باخبر سرکاری حلقوں میں یہ کہا جارہا ہے کہ لارڈ لنلتھگو موجودہ وائسرائے کے بعد جن کی میعاد اپریل ۱۹۴۱ء میں ختم ہوجائیگی سر سیموئیل ہور ہندوستان کے آئندہ وائسرائے بنائے جائیں گے۔ اس سلسلہ میں سرکاری اعلان آئندہ موسم خزاں میں کیا جائیگا۔ (تیج)

لکھنو ۹ جنوری - یوپی میں تمام بالغ ووٹروں کو ٹاؤن ایریا کی رائے دہی میں حصہ لینے کا موقع دینے کیلئے حکومت یوپی نے چند قواعد انتخاب کو ترمیم کرنا ضروری خیال کیا ہے۔ لہذا انتخابات اب فروری میں نہیں بلکہ مارچ کے مہینے میں ہونگے ان ترمیموں کی رو سے ٹیکس کے بقایا کی میعاد بڑھا دی گئی ہے تاکہ ووٹر زیادہ قائم رہ سکیں (تیج)

امریکہ میں ہر شخص کی روزانہ آمدنی کی اوسط نو روپیہ گیارہ آنے ہے۔

برطانیہ " " " " چار روپیہ ایک آنہ
فرانس " " " " تین روپے دو آنے
اٹلی " " " " ایک روپیہ نو آنے
جاپان " " " " تین روپے دو آنے
ہندوستان " " " " ڈیڑھ آنہ (افسوس)

(خورشید عالم جنتری ۱۹۴۰ء)

۹ جنوری ایک سرکاری اعلان مظہر ہے کہ عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ وکٹوریہ کے روپے قانوناً جائز نہیں۔ اور سرکاری خزانوں میں قبول نہیں کئے جاتے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ وکٹوریہ کا روپیہ قانونی طور پر جائز ہے (انقلاب)

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب پرنٹر و پبلشر نے جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع کیا۔

یادگار فدائے علم و دین جناب شیخ عطاء الرحمن صاحب مرحوم و مغفور

رسالہ

MUSLIM UN
کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ
دہلی

محدث

دہلی

ملکیت

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم دارالحدیث رحمانیہ دہلی

فہرست مضامین

مقاصد

(۱) کتاب و سنت کی اشاعت۔

(۲) مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح۔

(۳) دارالحدیث رحمانیہ کے کوائف کی ترجمانی۔

ضوابط

(۱) یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) یہ رسالہ ان لوگوں کو سال بھر مفت بھیجا جائے گا جو ہر بذریعہ منی آڈر ٹکٹ کے لئے دفتر میں بھیجدیں گے وی پی نہیں بھیجا جائیگا۔

(۳) اس رسالہ میں دینی، علمی، اصلاحی، اخلاقی، تمدنی، تاریخی، مضامین بشرط پسند شائع ہونگے

(۴) ناپسندیدہ مضامین محصولڈاک آنے پر واپس کئے جائیں گے اور شائع شدہ مضامین واپس نہیں ہوں گے۔

(۵) جوابی امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔

پتہ

منیجر رسالہ محدث دارالحدیث رحمانیہ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

محدث
دہلی

نگران اصول
مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

جلد ۷ | ماہ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء مطابق ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۵۹ھ | نمبر ۱۱

ایک سچا خواب اور اسکی تعبیر

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے اَوَّلُ مَا بُدِئَ بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْیِ الرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ فِی النَّوْمِ (بخاری شریف صہ ج ۱) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا سلسلہ سب سے پہلے سچے خوابوں کی صورت میں شروع ہوا" اسی لئے کہا جاتا ہے کہ پیغمبروں کا خواب بھی درحقیقت اللہ کی طرف سے وحی ہے۔ پس آج میں آپ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ایک وحی کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو آپ پر بصورت خواب نازل ہوئی تھی یعنی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے خواب کے ذریعہ چند نافرمانوں، گنہگاروں بدکرداروں اور بدعملوں کے انجام کو دکھایا کہ کس طرح ان پر عذاب ہو رہا ہے۔ ذرا اس واقعہ کو غور سے پڑھیے اور عبرت حاصل کیجئے۔ یہ حدیث بخاری شریف میں بہت تفصیل کے ساتھ مروی ہے، میں آپ کے سامنے اسکا مطلب خیز ترجمہ پیش کر رہا ہوں:۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ اکثر صبح کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہو کر، فرمایا کرتے کہ آج کی رات تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اگر کسی شخص نے کوئی خواب دیکھا ہوتا تو آپ کے سامنے بیان کر دیتا، پھر آپ اس کی تعبیر بتا دیتے۔ ایک روز اسی دستور کے مطابق آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ کسی شخص نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ جی نہیں۔ آپ نے فرمایا لیکن میں نے تو آج ایک (عجیب) خواب دیکھا ہے۔

میں نے دیکھا کہ دو شخص میرے پاس آئے اور مجھکو جگاکر کہنے لگے کہ چلو۔ میں ان کے ساتھ چل پڑا۔ کچھ دور جاکر دیکھا کہ ایک[1] آدمی چت لیٹا ہوا ہے اور ایک دوسرا آدمی اُس کے سرہانے ایک بھاری سا پتھر لئے ہوئے کھڑا ہے۔ اور جھک جھک کر پتھر سے اس کا سر پھوڑ رہا ہے۔ جب پتھر پھینک کر اس کے سر پر مارتا ہے اور وہ پتھر اُس (لیٹے ہوئے آدمی) کے سر سے ٹکرا کر اس کو پھوڑتا ہوا دوسری طرف چلا جاتا ہے، تو پھر وہ مارنیوالا اس پتھر کو اٹھانے کیلئے چلا جاتا ہے۔ لیکن اس کے واپس آنے سے پہلے ہی اس کا ٹوٹا ہوا سر پھر ٹھیک ہو جاتا ہے۔ وہ مارنیوالا پھر پہلے کی طرح اس کا سر کچلنا اور پھوڑنا شروع کر دیتا ہے۔ (برابر یوں ہی ہو رہا تھا) میں نے یہ منظر دیکھکر تعجب کیا اور اپنے دونوں ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا آگے چلو (ابھی نہ پوچھو) خیر ہم تینوں آگے چلے، کچھ دور کے بعد دیکھتا ہوں کہ ایک[2] آدمی بیٹھا ہوا ہے۔ اور ایک دوسرا آدمی ہاتھ میں لوہے کا ایک بڑا سا آنکڑا (یعنی ایسا لوہا جس کا سرا نوکدار اور ٹیڑھا تھا) لئے ہوئے اس کے پاس ہی کھڑا ہے۔ اور اس بیٹھے ہوئے آدمی کے منہ میں اس لوہے کو ڈالکر اس کا گلپھڑا اور ناک، اور آنکھیں چیرتے ہوئے (گردن کے قریب) گدی تک چیر ڈالتا ہے۔ جب ایک طرف چیر لیتا ہے تو پھر دوسری طرف سے بھی اسی طرح اس کے گلپھڑے، ناک، اور آنکھیں چیرتا ہے۔ جب اس طرف چیر لینے لگتا ہے تو دوسری طرف کا بالکل درست ہو کر اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے۔ پھر جب وہ چیر لیتا ہے تو یہ درست ہو جاتا ہے (اسی طرح سے برابر ہو رہا تھا) میں نے پھر اپنے ساتھیوں سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا آگے چلو (ابھی کچھ نہ پوچھو) ہم اور آگے چلے، تو ایک ایسے گڑھے کے پاس پہنچے جو تنور کی طرح اوپر سے تنگ اور نیچے سے چوڑا تھا۔ اس کے اندر آگ جل رہی تھی۔ اندر سے لوگوں[3] کے چیخنے چلانے، اور رونے پیٹنے کی آواز آئی ہم نے جھانک کر جو دیکھا تو اس میں بہت سے ننگے (برہنہ) مرد اور بہت سی برہنہ (ننگی) عورتیں نظر آئیں۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ جب اس گڑھے کی آگ بھڑکتی اور اس کے شعلے اوپر کو اٹھتے تو وہ مرد اور عورتیں بھی اس کی لپٹ کے ساتھ اوپر کو آجاتے اور زور زور سے چیخنے لگتے اور قریب ہو جاتا کہ وہ لوگ گڑھے سے باہر ہو جائیں لیکن وہ آگ پھر دھیمی پڑ جاتی اور اس کے ساتھ ہی وہ لوگ بھی نیچے چلے جاتے۔ (اسی طرح سے برابر ہو رہا تھا) میں نے ان کے متعلق بھی اپنے دونوں ساتھیوں سے پوچھا[4] تو یہی جواب دیا کہ آگے چلو۔ جب ہم آگے چلے تو سامنے ایک ندی نظر آئی، اس کا پانی خون کی طرح بالکل سرخ تھا۔ اس میں ایک آدمی تیر رہا تھا۔ اور اس کے کنارے پر ایک دوسرا آدمی بہت سے پتھر لیے ہوئے کھڑا تھا۔ جب وہ تیرنے والا آدمی تیرتے تیرتے کنارے پر آجاتا اور اس ندی سے نکلنا چاہتا، تو وہ دوسرا آدمی جو کنارے پر کھڑا تھا اس زور سے کھینچکر ایک پتھر اس کے منہ پر مارتا کہ پھر وہ ندی میں وہیں پہنچ جاتا جہاں سے تیر کر آیا تھا۔ اسی طرح سے جب وہ تیرنے والا باہر نکلنے کی کوشش کرتا۔ وہ کنارے والا اس کو پتھر مار مار کر اندر ہی کی طرف لوٹا دیتا۔ میں نے پھر اپنے ساتھیوں سے پوچھا یہ کون ہیں، تو انھوں نے پھر وہی جواب دیا کہ آگے چلو۔ جب ہم اور آگے چلے تو ایک[5] نہایت بدشکل، اور خوفناک صورت کا انسان نظر آیا۔ جو آگ جلا رہا تھا اور پھر اس کے چاروں طرف دوڑتا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ تو انھوں نے پھر کہا کہ آگے چلو! جب ہم اور آگے چلے، تو چلتے چلتے ایک[6] نہایت سرسبز و شاداب، ہرے بھرے باغیچے میں پہنچے جس میں ہر قسم کے خوبصورت پھول کھلے ہوئے تھے۔ اور اس باغ کے بیچ میں ایک بہت بڑا درخت تھا۔ اس درخت کی جڑ میں ایک[7] بزرگ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے

اردگرد بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے۔ بچوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ میں نے کبھی اتنے بچے نہیں دیکھے تھے۔ میں نے اپنے دونوں ساتھیوں سے ان کے متعلق بھی پوچھا کہ یہ کون ہیں، تو انھوں نے پھر وہی جواب دیا کہ ابھی اور آگے چلو۔ جب ہم اور آگے چلے تو چلتے چلتے ایک بہت بڑے باغ میں پہنچے، جو نہایت خوشنما اور خوبصورت تھا۔ میں نے آجتک اتنا بڑا اور اتنا عمدہ باغ کبھی نہیں دیکھا۔ اس باغ کے ایک درخت کی طرف اشارہ کرکے میرے ساتھ کے دونوں آدمیوں نے مجھ سے کہا کہ اس پر چڑھ جاؤ پھر ہم تینوں اس پر چڑھ گئے اور چلتے چلتے ایک شہر میں پہنچے (وہ شہر بھی ایک عجیب شہر تھا، بس اسی سے سمجھ لو کہ) اس کے مکانات سونے اور چاندی کی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے۔ جب ہم اس شہر کے دروازے پر پہنچے تو وہ بند تھا۔ ہم نے کھلوایا تو دروازہ کھول دیا گیا۔ جب ہم اندر داخل ہوئے تو اس میں ہم کو ایسے آدمی ملے جن کا آدھا دھڑ تو نہایت خوبصورت تھا، لیکن آدھا دھڑ بہت ہی بدوضع اور بدشکل تھا۔ اور وہیں سامنے ایک چوڑی سی نہر (ندی) بہہ رہی تھی جس کا پانی دودھ کی طرح سفید اور خوش منظر تھا۔ میرے دونوں ساتھیوں نے ان آدمیوں سے کہا کہ جاؤ تم لوگ اس نہر (ندی) میں غوطہ لگاؤ۔ وہ سب لوگ اس میں کود گئے اور نہا کر ہمارے پاس واپس آئے تو اب ان کی وہ بدصورتی بالکل چلی گئی تھی، اور ان کا تمام جسم نہایت خوبصورت اور خوش وضع ہوگیا تھا۔ پھر یہ دونوں مجھکو ایک مکان میں لے گئے جو بہت خوبصورت تھا، میں نے اس سے بہتر مکان کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس میں بوڑھے۔ جوان، عورتیں بچے (سبھی طرح کے لوگ) تھے۔ پھر وہاں سے نکالکر یہ دونوں مجھکو ایک درخت پر چڑھالے گئے، اور چلتے چلتے ایک ایسے مکان میں لے گئے جو پہلے مکان سے بھی زیادہ بہترین اور آراستہ و پیراستہ تھا۔ اس میں بوڑھے اور جوان (دو طرح کے لوگ) تھے۔ یہ تمام مناظر دیکھنے کے بعد میں نے ان سے پھر کہا کہ یہ تمام عجائبات جو آپ نے مجھے دکھائے ہیں۔ آخر کچھ ان کی حقیقت تو بیان کیجئے۔ ان دونوں نے کہا کہ ہاں اب ہم ان کی حقیقت آپ پر کھول دیتے ہیں۔

سنئے! سب سے پہلا وہ شخص جس کے پاس سے آپ گذرے تھے، اور اس کا سر پتھر سے کچلا اور پھوڑا جا رہا تھا، یہ وہ بدنصیب شخص ہے جس نے قرآن مجید سیکھکر اس کو چھوڑ دیا تھا۔ فرض نمازوں کے ادا کرنے میں غفلت کرتا تھا۔ رات کو بے فکر سوتا تھا اور دن میں بھی اپنے دنیاوی ہی کام کاج میں مشغول رہتا تھا یعنی دن اور رات میں کسی وقت بھی قرآن مجید پر عمل کرنے کا خیال نہیں پیدا ہوتا تھا۔ پس اب اس غفلت کا نتیجہ یہ ہے کہ قیامت تک اس کو یہی سزا ملتی رہیگی۔ اس کے بعد وہ جو دوسرا شخص تھا جس کے گلپھڑے ناک، اور آنکھیں گدی تک چیری جا رہی تھیں، یہ وہ جھوٹا شخص ہے جو جھوٹی خبریں تلاش کر، لوگوں میں بیان کرتا، اور پھر وہ پھیلتے پھیلتے تمام جگہ مشہور ہو جاتی تھیں۔ اب یہی سزا اس کو قیامت تک ملتی رہیگی۔ اس کے بعد گڑھے میں جو برہنہ مرد اور عورتیں آگ میں جلتی ہوئی نظر آئی تھیں، یہ زناکار مرد اور عورتیں ہیں۔ اور وہ جو نہر (ندی) میں تیرتا ہوا دکھائی دیا تھا، اور پتھر سے مارا جا رہا تھا وہ سود خوار ہیں۔ اور وہ جو بدشکل آدمی آگ جلاتا ہوا، اور پھر اس کے اردگرد دوڑتا ہوا معلوم ہوا تھا، وہ جہنم کے داروغہ تھے، جن کا نام مالک ہے۔ اور درخت کے پاس جو بزرگ بیٹھے ہوئے تھے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، اور ان کے قریب جو چھوٹے چھوٹے بچے تھے وہ لوگوں کے وہ بچے تھے جو فطرت (یعنی توحید) پر مرے ہیں۔ اس کے بعد جو باغات اور سونے چاندی کے مکانات نظر

آئے تھے وہ جنت کے باغ اور جنت کے مکانات ہیں۔ اور ان مکانوں میں کچھ ایسے لوگ جو نظر آئے تھے جن کا آدھا دھڑ خوبصورت اور آدھا بدصورت تھا تو یہ وہ لوگ ہیں جو اچھے اعمال کے ساتھ ساتھ غلطی سے کچھ گناہوں کے مرتکب بھی ہو گئے تھے، آخر میں اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا ہے۔ اس کے بعد آپ جس خوبصورت مکان میں داخل ہوئے تھے وہ عام ایمانداروں کے رہنے کا گھر ہے۔ اور اس کے بعد پھر جس عالیشان عمارت میں داخل ہوئے تھے وہ شہیدوں کے رہنے کیلئے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں سے جس نے مجھکو یہ تفصیل بتائی تھی، اس نے اس کے بعد مجھ سے کہا کہ میں جبریلؑ ہوں، اور یہ میکائیلؑ ہیں، اچھا اب ذرا اپنا سر اوپر کو اٹھائیے۔ میں نے سر اٹھایا تو مجھکو ایک بڑا زبردست محل نظر آیا جو سفید بدلی کی طرح میرے اوپر دَمک رہا تھا، انھوں نے کہا کہ یہ آپ کا محل ہے۔ میں نے کہا کہ اچھا؟ تو مجھے چھوڑو کہ میں اپنے محل میں بھی جاؤں۔ ان دونوں فرشتوں نے کہا کہ ابھی نہیں۔ ابھی آپ کی عمر کا کچھ حصہ باقی ہے، جب یہ بھی پورا ہو جائیگا، تو (انتقال کے بعد) آپ اپنے محل میں داخل ہو سکیں گے۔" (بخاری شریف ج۱ ص۱۸۵ و ج۲ ص۱۰۴۳)

ناظرین! ایکبار پھر اس واقعہ کو پڑھکر ذرا غور کیجئے، کہ قرآن مجید کو چھوڑنے اور نمازوں سے غفلت کرنے، جھوٹی باتیں بنانے، زنا کرنے، سود لینے پر آدمی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتنے سخت اور رسوا کرنے والے عذابوں میں مبتلا کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی نافرمانیوں سے بچائے اور انجام بخیر کرے۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

(اڈیٹر)

ایک فرحت بخش خوشخبری

اپریل سنہ ۴۰ء کا محدث اس جلد کا آخری پرچہ ہوگا۔ پھر مئی سنہ ۴۰ء سے اسکی آٹھویں جلد شروع ہوگی۔ یعنی مئی سے محدث کا نیا سال شروع ہوگا۔ ہم ابھی سے اپنے ناظرین کو یہ خوشخبری سنا دینا چاہتے ہیں کہ آئندہ جلد سے ہم محدث میں مستقل طور پر ایک اہم مفید، اور قابل قدر عنوان کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔

دارالحدیث رحمانیہ دہلی اپنی ٹھوس علمی خدمات کی بنا پر ملک میں جو رسوخ اور اعتماد پیدا کر چکا ہے، اس کا تقاضا ہے کہ لوگ دین کے مہمات مسائل میں اسکی طرف رجوع کریں، اور اس کے فتووں کو مشعل راہ بنائیں۔ چنانچہ ملک کے ہر گوشے سے مدرسے میں استفتے آتے ہیں، اور حضرت مفتی صاحب ان کے جوابات لکھکر سائلین کے پاس بھیجدیتے ہیں۔ لیکن شائقین کا ایک عرصے سے اصرار ہے کہ ان فتووں کو محدث میں شائع کیا جائے۔ لہذا ہم نے بھی ان کی افادی حیثیت کا لحاظ کرتے ہوئے آئندہ (آٹھویں) جلد سے ان کی اشاعت کا ارادہ کر لیا ہے اب جو صاحب مدرسہ میں فتوے بھیجیں وہ مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھیں۔

(۱) سوال صاف اور خوشخط تحریر ہوں۔ (۲) ہر فتوے کا محدث میں شائع ہونا ضروری نہیں ہے اسلئے ہر سائل محصولڈاک کیلئے ٹکٹ ضرور بھیجے تاکہ اصل فتوی اسکے پاس بھیجدیا جائے۔ (۳) جواب میں اگر دیر ہو تو جلدی نہ کی جائے۔

عابد و معبود

(مولوی عبد العزیز صاحب بسکوہری متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی)

عابد اور معبود کا رشتہ ایک فطری تعلق ہے۔ دنیا میں جب انسان آباد ہوئے اور انھوں نے دیکھا کہ ایک بڑی غائب قوت کہیں ایسی موجود ہے جو انسانی تخلیق نیز جمیع موجودات کے وجود کا سبب و علت ہے اور اس میں اتنی قوت اور قدرت ہے جس سے اتنا اہم ارضی و سماوی نظام برابر قرار اور قائم ہے اور سب پر حکومت کر رہا ہے تو............

عبودیت کا مفہوم اور عبادت کا نظریہ اس کی ہیبت اور عظمت و سطوت سے مرعوب ہو کر فطرتاً دل میں خوف پیدا ہوا اور تمام جسمانی و قلبی رجحان طبعاً ہر اس طریق خضوع اور عبادت کی طرف منتقل ہوا جس سے اس خالق کو راضی اور خوش کر کے ہر اس نعمت اور انعام کے مستحق ہو جائیں جو اس کے پاس موجود ہے اور ہر اس سزا و عذاب سے نجات پا جائیں جس سے وہ ناراض ہونے پر شریر بندوں کو اس میں مبتلا کریگا۔ ہر شخص نے اپنی عقل کے موافق عبادت اور خضوع و انقیاد کا ایک طریقہ پیدا کیا۔ کسی نے تو یہ خیال کیا کہ اس باہمت اور قوت والے بادشاہ کو راضی کرنے کی یہی صورت ہے کہ ہمہ تن اسی کی عبادت میں مصروف ہو جائیں اور چونکہ یہ تخشع اور تعبد لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے میں حاصل نہیں ہو سکتا اسلئے تجرد اور تنہائی کی صورت پیدا کرنی چاہیئے۔ اور بعضوں نے یہ سوچکر کہ جب تک جسم پر طرح طرح کی مصیبتیں اور اذیتیں ڈالی جائیں اسوقت تک صحیح معنوں میں اس دیوتا اور بادشاہ کی اطاعت نہیں ہو سکتی اور نہ ہم اس کے انعام و اکرام کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ اسلئے ہر قسم کی تکلیفیں اور سختیں اٹھا کر اس کو خوش کرنا چاہیئے۔

چنانچہ یہ نظریہ اتنا ترقی کر گیا کہ خدا کا تصور ایک ہیبتناک بادشاہ اور دیوتا کا تصور ہو گیا کہ لوگ سنیاسیت فقیریت اور رہبانیت جیسے تباہ کن مغالطہ میں گرفتار ہو گئے۔ اور چونکہ یہ بسبب اپنی علمیت، معرفت، تقوی کے رہبر قوم سمجھے جاتے تھے۔ عوام اس بات کو نہ سمجھ سکے کہ اپنے رشتہ عبودیت کو خود اپنے معبود سے جوڑ سکیں اسلئے سمجھنے لگے کہ بلا توسط ان کے اعظم تک پہنچنا ممکن نہیں چنانچہ وسیلہ ڈھونڈھنے لگے۔ ان تارک الدنیا فقیروں، سنیاسیوں، سادھوؤں کے علاوہ اور کون قابل وسیلہ ہو سکتا تھا۔ خیال ہوا کہ یہ لوگ معبود حقیقی تک پہنچنے میں رہبری کر سکیں گے بالآخر ارباباً من دون اللہ کا درجہ ان کو مل گیا۔

ضرورت رسل اور چونکہ وہ اس عقل کی رہنمائی میں حقیقت سے بہت دور ہو گئے تھے۔ عبودیت اور انسانی تخلیق کا سبب نہ سمجھ سکے ضروری تھا کہ تخلیق عالم کا سبب بتلانے۔ عبودیت و انقیاد کا صحیح مفہوم سمجھانے کیلئے خود معبود حقیقی کی طرف سے کوئی قاصد آئے۔ چنانچہ اس معبود نے ہر جماعت میں بہت سے رسول اور قاصد بھیجے تاکہ وہ انکی

بدولت اس معبود حقیقی تک پہنچنے میں صحیح طور پر کامیاب ہوسکیں۔

اگرچہ سب رسولوں کا مطمح نظر صرف لوگوں کے دلوں میں خالق کی خشیت، تعبد و انقیاد ہی کا مفہوم ڈالنا تھا۔ مگر جبکہ اسکے باوجود لوگ عبودیت اور تعبد کا صحیح مفہوم نہ سمجھ سکے اور خشیت کا اصلی محل متمیز نہ کر سکے اور اپنی جاہلانہ عقل سے اس کی معرفت میں کام لینے لگے۔ تو اسلام کی ضرورت ہوئی اور اسلام نے آکر صحیح عبادت کا مفہوم سمجھا کر عابد کے رشتہ عبودیت کو معبود کے ساتھ مستحکم کر دیا۔

اسلام میں خشیت کا مفہوم اور عبادت کا طریقہ

چونکہ خدا کی عبادت کا صحیح جذبہ اسوقت پیدا ہوسکتا ہے جبکہ بندوں کے دلمیں خشیت پیدا کی جائے۔ اور جب تک اس کی خشیت نہ ہو حقیقت میں کامل عبادت نہیں ہوسکتی۔ قرآن نے اسی وجہ سے خشیت پیدا کرنے کی طرف خاص توجہ کی ہے چنانچہ ارشاد ہے اَلَمْ یَأْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ الخ (سورۂ حدید رکوع ۲) کیا مومنوں کے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خوف خدا سے لرز جائیں۔"

عبادت کا مقصد شرک سے بچنا اور معبود کے قہر و جبروت اور طاقت کو تسلیم کرنا ہے اور اس کا نتیجہ دنیا میں فتنہ و فساد پیدا کرنے سے اجتناب ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (آل عمران رکوع ۱۱) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور تم پر موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان (اللہ کے مطیع) ہو۔" یعنی مسلمانوں کی ساری زندگی کا دارومدار تقوی اور خشیت ہو۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ جب تمام زندگی اس خشیت سے پُر ہوگی تو کبھی فتنہ و فساد پیدا نہیں ہوسکتا اور ہر وقت گردن معبود کے سامنے انقیاد و تابعداری سے جھکی رہیگی حتی کہ جب دنیا سے رخصت ہوگا تو اسی اسلام۔ انقیاد۔ تعبد پر ہوگا وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (تم پر موت نہ آئے مگر اسلام کی حالت میں) کا یہی معنی ہے۔ اور واضح طور سے فرمایا۔ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً (سورہ اعراف ع ۷) یعنے دلمیں خوف و خشیت پیدا کر کے پھر اللہ کی عبادت کرو۔" وَمَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبِ نِ ادْخُلُوْھَا بِسَلٰمٍ ذٰلِکَ یَوْمُ الْخُلُوْدِ (سورہ ق رکوع ۳) ترجمہ اور جس نے دلمیں اللہ کی خشیت پیدا کی اور اس کے قہر و جبروت سے ڈرا اور پھر عبادت میں خلوص دل سے حاضر ہوا۔ حالانکہ اس کو دیکھا نہیں اللہ اس کو خوش ہو کر فرمائیگا کہ تو سلامتی سے نہ فنا ہونیوالی نعمتوں میں ہمیشہ کیلئے داخل ہوجا۔" پس جس نے عبادت کے وقت دلمیں خشیت پیدا کی تو حقیقت میں اس نے اصلی انقیاد و تعبد کا اظہار کیا اور جس شخص کی عبادت اس طور سے ہوگی پھر عبادت کا جو مقصد ہے یعنی گناہوں سے بچنا وہ حاصل ہوجائے گا۔ **نماز** اسی کو کہتے ہیں کہ شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق، مخصوص قانون اور ضابطے کے ماتحت خلوص دل کے ساتھ خالق کے دربار میں حاضر ہو کر اس کی الوہیت، ربوبیت، قہر و جبروت کا اقرار کرنا اور گناہوں سے توبہ کر کے ہدایت اور صحیح راستہ کی توفیق طلب کرنا۔ اور جب اس مقصد کو لیکر خشیت کے ساتھ خالق کی عبادت کی جائیگی تو وہ عابد ہر قسم کی برائیوں سے بچ جائیگا۔ اسی چیز کو قرآن نے کتنے خوش اسلوبی سے بیان کیا۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (عنکبوت پ ۲۱) بیشک نماز تمام بے حیائیوں اور برائیوں سے روکتی ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو سب سے پہلے اس کے دربار میں نہایت عاجزی اور انقیاد سے کھڑے ہو اور دل میں خشوع وخضوع پیدا کرکے پھر نماز شروع کرو اور یہ تصور کرو کہ تم اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر سرگوشی کر رہے ہو اور اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھ سکتے لیکن یہ سمجھو کہ تم کو وہ دیکھ رہا ہے اور تمہارے سامنے ہے۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق ع ۲) ہم (اللہ) انسان کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اللہ تو اپنے بندے کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے اُدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (مومن پ ۲۴) میرے قریب آؤ اور مجھ سے طلب کرو میں دینے کیلئے تیار ہوں۔ بیشک جس دل میں معبود کی خشیت ہو اس دل کو کوئی طاقت پھر اس کے خوف سے بے نیاز نہیں کر سکتی۔ شیطان بندوں پر مسلط کر دیا گیا ہے اور اس کا کام بندوں کو خالق سے دور کرنا ہے۔ لیکن جسکا دل خشیت معبود سے پُر ہو چکا ہو اس دل میں شیطان کا وسوسہ ہرگز دخل نہیں دیسکتا بلکہ بندہ ہر اس خیال اور وہم کو جسکو اپنے حق میں برا سمجھتا ہے بدترین عذاب تصور کرتا ہے اور اس سے دور رہنے ہی کو باعث نجات سمجھتا ہے۔ تاریخ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف زمانے میں کیسے کیسے اللہ کے بندے ہوئے جنھوں نے دل میں خدا کی خشیت پیدا کی اور پھر شیطانی وسوسوں سے بچکر اور دور رہ کر دنیا کے لئے باعث رشد وہدایت بنے۔ صحابہ کرامؓ کو دیکھئے کہ ہر وقت خشیت اللہ کا یہ عالم رہتا تھا کہ قدم قدم پر کانپتے تھے کہ کہیں کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف نہ ہو جائے۔ حضرت عمرؓ خطبہ دیتے ہیں ایک بڑھیا ٹوکتی ہے اور کہتی ہے کہ اے عمر تو خدا سے نہیں ڈرتا۔ خشیت اور ڈر کا لفظ سنکر چونک پڑے اور خدا کے خوف کا تصور کرکے رونے لگے۔ یہی حال تمام صحابہؓ کا تھا اس کے علاوہ تابعین، تبع تابعین اور بڑے بڑے ائمہ مجتہدین کا نمونہ ہمارے سامنے ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی خشیت خدا کا یہ حال ہے کہ خوف خدا کی وجہ سے زبان پر خلق قرآن کا لفظ تک نہیں لاتے ہیں خشیت خدا اور خوف خدا کا تصور ان کو دنیا ومافیہا سے بے نیاز کر دیتا ہے اگرچہ ہزارہا کوڑے ان کی پیٹھ پر پڑتے ہیں بدن سے خون کا فوارہ جاری ہوتا ہے مگر یہ سختی ان کے دل سے اللہ کی خشیت کو زائل نہ کر سکی۔ اس کے برخلاف ہمارے افعال واعمال میں استقلال نہیں۔ معمولی معمولی خیال اور مادی طاقتوں سے مرعوب ہو کر زمام استقلال وتثبت کو ہاتھوں سے چھوڑ کر بہک جاتے ہیں وجہ یہی ہے کہ دل میں خدا کا خوف نہیں خشیت سے دل آشنا نہیں ؎ قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں۔

اسلام میں رہبانیت نہیں

پس معلوم ہوا کہ عابد و معبود میں رشتۂ محبت وعبودیت پیدا کرنے والی چیز خشیت اور خوف ہے۔ لیکن جب بھی خشیت اور خوف حد اعتدال سے تجاوز کر جائے اور افراط وتفریط سے کام لیا جانے لگے تو یہی انسانی خیالات کو پلٹا کر خدا کی قربت سے دور کر دیتا ہے اور پھر عبادت وریاضت کے صحیح مفہوم کی معرفت متعذر ومشکل ہو جاتی ہے اور بالآخر وہ عبادت شریعت کے حدود سے متجاوز ہو کر باعث خفگی وناراضی خالق بنجاتی ہے۔ ہندؤں کی **سنیاسیت وجوگیت**۔ یہود ونصاریٰ کی **رہبانیت**، ایسی چیزیں ہوئیں جس سے وہ راہ مستقیم سے ہٹ کر حقیقت سے بہت ہی دور جا پڑے۔

اسلام نے مسلمانوں کی عبادت وریاضت کا جو تصور خشیت وخوف کے التزام کا جو طریقہ بتلایا ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہدیا لا رهبانية في الاسلام اسلام میں رہبانیت جائز نہیں ہے یعنی عبادت اور خشیت کا جو تصور یہودیوں اور عیسائیوں وغیرہ نے

قائم کیا اسلام اس تصور کو غیر معقول اور خلاف فطرت بتلاتا ہے۔ بلکہ اصل عبادت اور خشیت یہ ہے کہ خدا کی دی ہوئی تمام قوتوں اور نعمتوں سے قانون الہی کے ماتحت فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے خالق کی عبادت کی جائے۔ اسلئے کہ انسانی تخلیق کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اس کو دنیا میں ایک مقہور اور مجبور شخص کی طرح زندگی گذارنی چاہئے۔ یا دنیاوی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا بہر صورت اخروی نعمتوں سے محرومی اور خدا کی ناراضی کا باعث ہے اور نہ دنیاوی زر و دولت ہر حال میں اخروی طوق و سلاسل کا پیش خیمہ ہیں۔ بلکہ دنیا کی تمام نعمتیں قانون الٰہی کے ماتحت انسانوں ہی کے استعمال اور فائدے کیلئے پیدا کی گئی ہیں۔ قرآن مجید میں صاف ارشاد ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ط (پ۸ اعراف ع۴) یعنی کہدو کہ کس نے اللہ کی ان زینتوں اور حلال و پاک چیزوں کو حرام کیا جن کو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا" بلکہ قرآن مجید میں تو ایمان اور تقوی اختیار کرنے والوں کو ہر قسم کی دنیاوی نعمتوں سے مالا مال کر دینے کی بشارت دی گئی ہے چنانچہ ارشاد ہے وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ الآیہ (سورۂ اعراف رکوع ۱۲) یعنی اگر ان بستیوں والے اللہ پر ایمان لے آتے اور تقوی اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے۔ ؎

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں ڈھونڈھنے والوں کو ہم دنیا بھی نئی دیتے ہیں

رباعی

(شراب بہر صورت حرام ہے اسکا سرکہ بھی نہ بنایا جائے پھینکدیجائے) (حدیث)

بوطلحہؓ نے پوچھا یہ نبیؐ سے کہ جناب آئی ہو یتیموں کے جو ورثے میں شراب
ہو حکم تو میں اُسکا بنا لوں سرکہ؟ فرمایا نبیؐ نے کہ نہیں۔ پھینک شتاب

رباعی

(ایک شراب دس شخصوں کو ملعون بناتی ہے وہ بلا ہے) (حدیث)

کرتی نہیں میکش ہی کی بدحالی دس دس کو ہے ملعون بنانے والی
ظاہر میں تو ہے لال پری کی صورت باطن میں یہ منحوس بلا ہے کالی

(کامل جوناگڈھی)

فتوحات صحابہؓ کے علل و اسباب پر ایک سرسری نظر

(از مولوی حافظ عبدالخالق صاحب خالدی جیپوری متعلم دارالحدیث رحمانیہ دہلی)

مذہب اسلام کے دنیا میں آنے سے پیشتر حضرت داؤد علیہ السلام کی زبانی خلائق عالم یہ وعدہ فرما چکا تھا کہ زمین کی وراثت محض پرستاران توحید کے لئے ہے جسکا تذکرہ قرآن پاک میں یوں کرتا ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (پ۱۷ س حج ع۷) یعنی ہم نے زبور میں یہ لکھدیا تھا کہ زمین کی وراثت میرے نیک بندوں کیلئے ہے ان ہی کو خلیفۃ اللہ فی الارض (زمین میں اللہ کے نائب) کہا گیا۔ یہی پرستاران توحید ہیں جن کو اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ (تم ہی بلند ہو) کے خطاب سے ملقب کیا گیا۔ لیکن آج جبکہ ہم زمین کے رہنے والوں پر نظر ڈالتے ہیں تو پرستاران توحید ہی ہیں جن کی گردن میں غلامی کا طوق ہے۔ یہی ہیں جن پر غیر قومیں نہایت ظلم و تشدد سے حکومتیں کر رہی ہیں۔ یہی ہیں جو دنیا میں نہایت ارذل طریقہ پر زندگی بسر کر رہے ہیں حتی کہ ان کے معابد و مساجد بھی محفوظ نہیں نہایت بیدردی سے ان کا استیصال کیا جا رہا ہے شعر

لمثل ھذا یذوب القلب من کمد ۔ ان کان فی القلب اسلام و ایمان

نعوذ باللہ خداوند تعالی اپنے وعدہ میں جھوٹا نہیں ہے بلکہ اس کا وعدہ صحابہ کرام پر حرف بحرف صادق آیا۔ تاریخ عالم شاہد ہے کہ دنیا کے اس کنارے سے لیکر اس کنارے تک پرچم اسلام لہرایا اور انھوں نے نہ صرف ابدان انسانی پر حکومت کی بلکہ ان کے دل و دماغ پر پوری طرح قبضہ کیا۔ ہم اگر آج بھی صحابہ کرامؓ کے اسوہ حسنہ کو اپنا لائحہ عمل بنالیں تو اپنی کھوئی عزت کو واپس لے سکتے ہیں اور آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں ہمارے قدموں پر نثار ہونے کو تیار ہیں۔ آج کی صحبت میں میں بتانا چاہتا ہوں کہ وہ کون سے اسباب و علل تھے جن کی وجہ سے صحابہ کرامؓ نے دنیا پر قبضہ کیا صحابہ کرامؓ کے حالات زندگی پر غور کیا جائے تو ان کی فتوحات کے چند اسباب قرار دیئے جا سکتے ہیں جن کو میں ذیل میں قلمبند کرنا چاہتا ہوں۔

اعلاء کلمۃ اللہ | اسلامی دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر صحابہ کرامؓ تک جسقدر فتوحات وقوع پذیر ہوئیں ان کا حقیقی مقصد اعلاء کلمۃ اللہ (اللہ کے دین کو بلند کرنا) تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ تبوک کے موقع پر جب یہ خبر لگتی ہے کہ شاہ روم عربوں پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو آپ صحابہ کرامؓ کو لیکر سرحد پر جب پہنچتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بادشاہ مقابلہ سے بھاگ گیا اسوقت مسلمانوں کی حالت بہت کمزور تھی بہت بڑی مشقتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ انتہائی فقر و عسرت کا زمانہ تھا باوجود ان تمام امور کے آپ وہاں سے واپس لوٹ آتے ہیں اگر آپ چاہتے تو سرحد کو خالی پاکر حکم دیدیتے کہ اس ملک کو فتح کرلو اور نہایت آسانی سے اس ملک کو فتح کیا جاسکتا تھا لیکن آپ کا مقصد اپنی مملکت میں وسعت دینا نہ تھا بلکہ محض

اعلاء کلمۃ اللہ مقصود تھا۔ اسی طرح صحابہ کرام نے بھی ہمیشہ اسی مقصد کو سامنے رکھا فتح خیبر کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح و نصرت کا علم عنایت فرمایا اور اس زبردست شرف سے مشرف فرمایا تو اسی کے ساتھ یہ کہکر لان یھدی اللہ بک رجلا خیرلک من حمر النعم (یعنی اے علی اگر تمہارے ذریعہ سے رب العزۃ ایک شخص کو بھی ہدایت نصیب فرمادے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے) عموماً تمام امت مسلمہ کے لئے اور خصوصاً صحابہ کرام کیلئے ایک ابدی قانون بھی مرتب فرمادیا جو صحابہ کرامؓ کی فتوحات کا اولین سبب ہے چنانچہ باوجود ہدایت کے ان متوالوں کا جب کبھی کسی قوم سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے اُس قوم کے دلوں کو اس کیفیت سے خالی پایا اگرچہ ان کا فوجی انتظام ان سے بہتر اور مستحکم ہوتا تھا۔ لیکن ان کے سامنے کوئی خاص مقصد نہ تھا بڑے بڑے مورخین صحابہ کرام کی فتوحات کا سبب اسی اعلاء کلمۃ اللہ کو قرار دیتے ہیں چنانچہ فرانسیسی مشہور مورخ لیبان اپنی کتاب میں صراحۃً لکھتا ہے کہ اگر ہم عرب کی ابتدائی فتوحات کے زمانے کی تاریخ پر غور کریں (حالانکہ ابتدائی فتوحات عادۃً مشکل اور اہم ہوتی ہیں) تو ہم کو معلوم ہوگا کہ ان کا مقابلہ اُن حریفوں سے ہوا جن کا نظام فوج اگرچہ نہایت مستحکم تھا تاہم ان کی اخلاقی طاقت ضعیف ہوگئی تھی عرب کی فوج نے اول اول شام کی طرف پیش قدمی کی جہاں ان کو بیزنطین فوج سے سابقہ پڑا جو ان افراد سے مرکب تھی جو کسی مقصد کے لئے اپنے اندر جان فروشی کا جذبہ نہیں رکھتی تھی لیکن عرب کی قوت ایمانیہ ان کی تعداد کو کئی گنا بڑھا دیتی تھی اسلئے ان کو ایسی کھوکھلی فوج کے شیرازے کے پراگندہ کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی ــــــ ثانیاً

محنت و مشقت | اصحاب رسول اللہ کی فتوحات کا ایک یہ بھی بہت اہم سبب تھا کہ انھوں نے فوجی زندگی گذارنے میں بڑی بڑی تکالیف سہیں۔ جن کی نظیر دنیا کی تواریخ پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل میدان تیہ میں نہایت آرام سے زندگی گذارہی تھی اللہ تعالیٰ ان کے لئے آسمان سے میٹھے اور نمکین کھانے اتارتا تھا جسکو من و سلویٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے پینے کیلئے زمین سے شیریں چشمے ابلتے تھے لیکن فوجی زندگی کی مشقت کی ذراسی جھلک دیکھکر بول اٹھے یٰمُوسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا (بقرہ) یعنی اے موسیٰ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کرسکتے خدا سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لئے لکڑیاں اور ترکاریاں اور مسور و پیاز و گیہوں وغیرہ زمین سے اُگائے۔

لیکن شمع رسالت کے پروانوں کو اگر ایک ایک کھجور بھی مل گئی تو اسی پر گذارہ کرلیا۔ اگر یہ بھی نہ ملی تو درختوں کے پتوں کو پانی میں بھگو کر کھالیا۔ کھجور کی گٹھلیوں کو چوس چوس کر اپنی طبیعت کو ڈھارس دیدی یہ تمام واقعات متعدد غزوات میں پیش آئے۔ غزوۂ ذات الرقاع میں اسقدر سامان رسد کم تھا کہ کئی کئی صحابہؓ کے درمیان صرف ایک سواری تھی لہذا مجبوراً پیدل چلنا پڑا۔ جس کی وجہ سے صحابہ کرام کے تلووں میں سوراخ ہوگئے۔ ناخن زمین پر گر گئے۔

یہانتک نوبت پہنچی کہ صحابہ کرام کو اپنے پیروں میں چیتھڑے پیٹنے پڑے اسی مناسبت سے اس غزوہ کا نام ذات الرقاع ہوگیا۔ کیونکہ رقاع کے معنے چیتھڑے کے ہیں۔

حُبّ نبوی | اصحابؓ کرام کی فتوحات کا ایک بڑا سبب حب نبوی بھی ہے۔ حب نبوی میں یہ لوگ اسقدر سرشار تھے کہ اپنے بدن کے ٹکڑے کرادیے لیکن حضورؐ کا ساتھ نہیں چھوڑا جنگ احد کے موقع پر حضرت طلحہؓ حضورؐ کو ڈھال کا کام دے رہے تھے جو تیر کفار کی طرف سے آتا اپنے ہاتھ پر روک لیتے اور حضورؐ کو تیر لگنے سے بچاتے تھے غزوۂ بدر میں جب حضور اقدس صحابہؓ کو لڑائی پر برانگیختہ کررہے تھے اور جوش دلا رہے تھے تو اس وقت حضرت مقدادؓ سے نہ رہا گیا اور ایک تقریر کی جس میں انھوں نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ (پ ۶ مائدہ) یعنی تو اور تیرا خدا دونوں جاکر لڑو ہم تو یہاں ہی آرام فرمائینگے "کہکر الگ ہونیوالے نہیں ہیں بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے۔ غرض یہ کہ ہر طرف لڑیں گے" حضورؐ نے جب یہ کلمات سنے تو مارے خوشی کے آپ کا چہرۂ مبارک چمک اٹھا۔ حضرت خبیبؓ کو سولی پر چڑھا کر کفار نے نیزے سے چونکا مارا اور کہا کہ اب تو تمہارا جی چاہتا ہوگا کہ تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔ حضرت خبیبؓ کو جوش آجاتا ہے اور للکار کر کہتے ہیں کہ خدا کی قسم تم لوگ میرے ٹکڑے ٹکڑے کردو لیکن مجھے اتنا بھی گوارا نہیں کہ میرے آقا کے ایک کانٹا بھی چبھے اور میں آرام سے رہوں۔

مسلم کتاب الجہاد میں ہے کہ غزوہ حنین کے موقع پر جب حضرت عباسؓ نے حضورؐ کے کہنے پر اصحاب سمرہ کو بلایا تو وہ لوگ اس جوش سے آپ پر ٹوٹ پڑے جیسے بچے والی گائیں اپنے بچوں پر ٹوٹتی ہیں۔ حب نبوی کی بہت سی نظیریں آپ کو اس قسم کی مل سکتی ہیں۔ ظاہر امر ہے کہ جو قوم اپنے رسولؐ کی اس قدر مطیع اور فرمانبردار اور اسقدر جاں نثار ہو وہ ہی تمام عالم میں اپنا قبضہ جما سکتی ہے نہ وہ قوم جو اپنے نبیؑ کو اس بے حیائی سے جواب دیدے جس طرح بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو صاف کہدیا تھا کہ تو اور تیرا خدا جاکر دونوں لڑو ہم تو یہاں آرام فرمائیں گے۔

بیباکانہ اقدام | صحابہ کرامؓ کی فتوحات کا ایک سبب ان کا بیباکانہ اقدام بھی ہے چنانچہ جب صحابہ کرامؓ نے مدائن میں داخل ہونا چاہا تو راستہ میں دریا حائل تھا لیکن یہ دریا صحابہ کرامؓ کے عزم کا مقابلہ کہاں کرسکتا تھا فوراً تمام اصحاب رسول اللہ نے اپنے گھوڑوں کو دریا میں ڈالدیا اور شہر میں فاتحانہ داخل ہوگئے۔ شہر والوں نے جب اس انوکھے منظر کو دیکھا تو (دیوان آمدند) کہتے ہوئے شہر سے باہر نکل گئے اور تمام شہر کو بآسانی خالی کردیا۔ سچ کہا علامہ اقبال نے ؎

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے + بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے۔

دیانت | یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ اگر کسی فوج میں صرف ایک آدمی بھی بددیانت ہو تو ساری فوج برباد کردے گا اور ہر اعتبار سے فوج کو نقصان پہنچائیگا اور اس فوج کی تمام مادی طاقتوں کو بے اثر کردیگا۔ لیکن صحابہ کرامؓ کے سامنے سونے چاندی کے ڈھیر لگ گئے تھے۔ قیصر و کسریٰ کے خزانے ان کے قدموں میں نثار . . . . تھے۔ تمام دنیا نے اپنے خزانے لٹنے

سلاست اگل دئے تھے مگر ان کی دیانت نے کسی چیز کو بھی ذرا سا صدمہ نہیں پہنچایا۔ ایران جب فتح ہوا اور وہاں کے ساز و سامان مسلمانوں کو حاصل ہوئے تو ان میں کسریٰ کی مرصع تلواریں اور زریں ازار بند بھی تھے صحابہ کرامؓ ہر چیز کو دربار عمرؓ میں لائے حضرت عمرؓ نے ان چیزوں کو دیکھکر فرمایا جس قوم نے ان چیزوں کو بھی ہاتھ نہیں لگایا وہ ایک متدین اور امانت دار قوم ہے۔

مذہبی پابندی | صحابہ کرامؓ کی فتوحات کا سبب ان کی مذہبی پابندی بھی ہے اور اسی پابندیٔ مذہب نے ان کی فتوحات کو بہت کچھ ترقی دی۔ صحابہ کرامؓ پر مادی طاقت کا کچھ اثر نہیں پڑتا تھا جو قومیں ان کے مقابلے میں آتی تھیں وہ ان کی مادی طاقت دیکھکر کہتے تھے کہ ابھی ان کا خاتمہ کر دینگے لیکن ان کی روحانی قوت ایسی تھی جس کی وجہ سے بڑے بڑے جنرل کانپتے تھے چنانچہ مقام قادسیہ میں جب نماز کا وقت آیا تو اذان دی گئی اذان سنتے ہی صحابہ کرامؓ اس تیزی سے نماز کی ادائیگی کے لئے دوڑے کہ ایرانیوں کو دھوکا ہو گیا کہ یہ لوگ حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں اور حملہ کرنا چاہتے ہیں لیکن جب ان کو یہ پتہ چلا کہ یہ لوگ ایک روحانی آواز پر اس طرح جمع ہو جاتے ہیں تو ان کے سردار رستم کو کہنا پڑا اور مجبور ہو کر یہ بول اٹھا کہ عمرؓ میرا کلیجہ کھا گیا۔ اسی جنگ کا واقعہ ہے کہ جب ایک ایرانی کو مسلمانوں نے گرفتار کیا اور اس نے اس منظر کو دیکھا تو مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا کہ یہ ناممکن ہے کہ تم لوگ کسی قوم کے سامنے شکست کھاؤ۔ علامہ اقبال مرحوم اس کی تصویر یوں کھینچتے ہیں ؎

آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی سب ایک ہوئے تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

اتحاد و اتفاق | صحابہ کرامؓ کی فتوحات کا ایک سب سے بڑا سبب ان کا اتفاق و اتحاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ الآیہ (انفال) وہی ہے جس نے تم کو اپنی امداد اور مومنوں کے ذریعہ قوت پہنچائی۔ اور ان کے دلوں میں محبت ڈالدی اگر تم زمین کے تمام خزانے خرچ کر دیتے جب بھی اُن کے دلوں کو جوڑ نہ سکتے تھے لیکن اللہ نے اُن کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ڈالدی۔ بے شک وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

یہی اتحاد و اتفاق تھا جس کی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی بڑی سے بڑی مادی طاقت کی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو خود واضح کرتا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (پ انفال) یعنی اے نبی تجھکو اللہ اور تیرے متبعین کافی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ تمام مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد ہر وقت رہے آپ کے بعد صحابہ کرامؓ نے بھی اس کا پورا خیال رکھا اور جہاں ذرا سا اختلاف صحابہ میں پیدا ہوا اس کے انسداد کی بہت جلد کوشش کی۔

مساواۃ | صحابہ کرامؓ کا آپس میں مساویانہ طرز عمل بھی ان کی فتوحات کا بڑا سبب ہے۔ جن قوموں نے مساواۃ کا خیال نہ کیا

اور انسانوں میں مختلف طبقے قائم کردیئے ان کو اس کا احساس خود بخود ہوگیا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جب گرفتار کر کے رستم کے دربار میں پیش کئے گئے تو وہ فوراً رستم کے تخت پر بلاتکلف جا کر بیٹھ گئے۔ درباریوں نے جب اس منظر کو دیکھا تو گوارا نہ کرسکے اور فوراً تخت سے نیچے اتار دیا حضرت مغیرہؓ نے کہا کہ اب تک تو ہم سنتے ہی تھے مگر اب مشاہدہ ہوگیا کہ تم میں بعض بعض کا خدا بنا ہوا ہے یا درکھو جس قوم کی یہ حالت ہو وہ کبھی برسر اقتدار نہیں رہ سکتی اور یہ اس قوم کی حماقت ہے تم بھی حماقت کے پتلے ہو یاد رکھو تمہاری سلطنت بھی کسی طرح قائم نہیں رہ سکتی برخلاف اسکے اسلامی فوج میں مساوات کا صد درجہ لحاظ کیا جاتا تھا۔ حضرت ابوعبیدہؓ کو ایران کے چند رئیسوں نے عمدہ اور لذیذ کھانے پیش کئے حضرت ابوعبیدہؓ نے دریافت کیا کہ کیا تم نے تمام فوج کو ایسے ہی کھانے کھلائے ہیں وہ کہنے لگے نہیں آپ نے فرمایا کہ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ جو لوگ میرے ساتھ اپنی جانیں لڑانے کیلئے آئے ہیں ان پر میں اپنے آپ کو ترجیح دوں۔ خبردار ابوعبیدہ وہی کھانا کھائیگا جو سب کی سب فوج کھائے گی۔ یہی صحابہؓ کا مساویانہ طرز عمل تھا جس نے دشمنوں کو یقین دلا دیا تھا کہ اس مساوات کے ہوتے ہوئے کسی طرح ایران کی حکومت قائم نہیں رہ سکتی۔ قبیصلار نے ایک عربی جاسوس کو بھیجا تاکہ وہ عربوں کی حالت کا پتہ لگائے چنانچہ وہ آیا اور اس نے واپس جا کر یہ جواب دیا کہ عرب ایسے لوگ ہیں جو رات کو رہبان ہیں اور دن کو شہسوار ہیں اگر ان کے بادشاہ کا لڑکا بھی چوری کرے تو وہ اسکا ہاتھ کاٹ ڈالتے ہیں اور اگر زنا کرے تو سنگسار کر دیتے ہیں۔ قبیصلار نے جب یہ سنا تو کہنے لگا کہ اگر یہ سچ ہے تو مجھے لازم ہے کہ پیوند خاک ہوجاؤں۔

ظاہری شان وشوکت صحابہؓ کرام کی ظاہری شان وشوکت بھی فتوحات کے حاصل کرنے میں ممد ومعاون ہوتی تھی۔ اور یہ جوش وخروش مخالفین کے دلوں کو مرعوب کردیتا تھا۔ حضرت حارث بن یزید کا بیان ہے کہ میں جب مدینہ پہنچا تو مسجد نبوی میں دیکھا کہ مسجد تمام اصحاب کرام سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے سیاہ جھنڈیاں لہرا رہی ہیں ایک طرف حضرت بلالؓ اپنی ایک نئی شان سے تلوار لگائے ہوئے سرورِ دو عالم کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں۔ میں نے دریافت کیا یہ کیا معاملہ ہے لوگوں نے کہا حضرت عمرو بن العاص کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہم پر روانہ فرما رہے ہیں۔ یہ جوش وخروش جس وقت صحابہ کرام فوجی خدمات انجام دیتے تو اور بھی زیادہ ہوجایا کرتا تھا۔ غزوہ احزاب کے موقع پر سامان رسد بہت کم تھا حتیٰ کہ تھوڑے سے جَو اور خراب سی چربی پر صحابہ کرامؓ نے اس موقع پر گذارہ کیا۔ خندق کھودنے میں بڑی دشواری پیش آرہی تھی زمین بڑی سخت تھی حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی معجزانہ طاقت کو صرف کرنا پڑا۔ کفار نے مدینہ کا محاصرہ کر رکھا تھا لیکن باوجود ان تمام امور کے صحابہ کرام نہایت بلند آواز سے یہ رجز پڑھ رہے تھے ۔ نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا ٭ عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا ۔ دوسری طرف حضرت عبداللہ بن رواحہؓ صحابہ کرامؓ کو اور جوش میں لا رہے تھے اور رجز ان کی زبان پر تھا۔ وَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا ٭ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا ٭ فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا ٭ وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا ٭

فقط

یتیموں کا مال

(مولوی میزان الرحمٰن صاحب متعلم مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی)

دنیا انقلاب وحوادث کا گہوارہ ہے۔ رات ودن نئے نئے انقلابات آتے رہتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک دنیا میں کتنے انقلابات آئے کوئی شمار نہیں کرسکتا ہے۔ کتنے بڑے بڑے واقعات گذر گئے۔ کیا اہل دنیا ان چیزوں کو آج ہی بھول گئے ہیں۔ کیا تاریخ کے اوراق الٹنے والوں پر گذرے ہوئے واقعات پوشیدہ اور مخفی ہیں۔ نہیں نہیں، ہرگز نہیں بلکہ بعض بعض ایسے واقعات بھی ہیں جو کہ جاہلوں کو بھی بخوبی معلوم ہیں کیا یہ سب واقعات یوں ہی ہوئے تھے کیا ان میں ہمیں سبق لینے کی کوئی چیز نہیں۔ ضرور ضرور۔ دنیا میں کوئی چیز ایسی ہے ہی نہیں جسکو خداوند قدوس نے بے فائدہ پیدا کیا ہو۔ اور کوئی نہ کوئی حکمت سے خالی ہو۔ دنیا میں نئے نئے انقلابات کا آنا اور عجیب وغریب حوادث کا ظہور ہونا لوگوں کے لئے عبرت کی چیز تھی۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اِنَّ فِیْ ذَالِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ (آل عمران) یعنی تحقیق ان چیزوں میں یعنی رات ودن کی تبدیلی میں اور نئے نئے انقلابات وحوادث میں عقلمندوں کے لئے عبرت ہے۔

اے بیباک انسان کیا تم یوں ہی غفلت کی نیند میں مست رہوگے۔ کیا بیداری کا زمانہ ابھی تک نہیں آیا۔ کیا اس خواب غفلت کی کوئی حد نہیں کیا اصحاب کہف کی طرح تم بھی پڑے رہوگے۔ کیا تم کو دنیا کا فریب معلوم نہیں کیا تم نے نہیں دیکھا اور نہ کسی سے سنا کہ کتنے شہر تباہ ہوئے کتنی بستیاں دھنسا دی گئیں۔ کتنی قومیں ہلاک کی گئیں۔ کتنے تخت شاہی پلٹ دیئے گئے۔ کتنی شہنشاہی پیرا کھڑ گئی۔ کتنی عورتیں بیوہ ہوگئیں کتنے پیارے لاڈلے اور کلیجہ کے ٹکڑوں پر سے والدین کا ٹھنڈا سایہ اٹھ گیا۔ کتنے وہ لڑکے جو ایک لمحہ کیلئے فرش سے مٹی پر نہیں بٹھلائے جاتے تھے آج وہ یتیم ہیں انھیں آج بیٹھنے کے لئے مٹی بھی نہیں ملتی۔

چھوڑو ان پرانی چیزوں کو اور کہانیوں کو آؤ میں تمہیں تمہارے گھروں کی خبریں بتلاؤں اے ہندوستان کے رہنے والو! دوسروں کے قصے اور خبریں کیا سنوگے آؤ اپنے گھر کی حالت دیکھو۔ اپنی آنکھیں کھولو سر اٹھاؤ اور سامنے سے پردہ ہٹاؤ ذرا گہری نظر سے دیکھو کہ یہ جو تمہارے سامنے دہلی کا مشہور شاہجہانی لال قلعہ اور اس کے اندر کی موتی مسجد اور دیوان خاص موجود ہیں کیا یہ چیزیں یوں ہی بنی تھیں کیا اس میں رہنے والا اور آباد کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ تھا اور واقعی تھا۔ تو وہ لوگ جو ان کے آباد کرنے والے تھے کہاں گئے کیا ہوئے ہائے افسوس صد افسوس آج وہی قلعہ اور مسجد ویران ہے کوئی اس کا آباد کرنے والا نہیں۔ کیا یہ اہل دنیا اور بالخصوص مسلمانوں کیلئے عبرت کی چیز نہیں ہے؟ کیا تم اسی طرح مطمئن رہوگے تم پر کوئی حادثہ آنے والا نہیں۔ کیا تمام چیزیں ایسی ہی دائمی اور ابدی رہینگی کیا تمہیں ارشاد خداوندی معلوم نہیں کہ کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا

وَّجْهَهٗ (پ۲۰ عنکبوت) یعنی سوائے حی القیوم کے تمام چیزیں فانی اور ہلاک ہونے والی ہیں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (پ۱۴ نحل) جتنی چیزیں تمہارے پاس ہیں تمام کی تمام ختم ہونے والی ہیں۔ ان باتوں کو ذہن نشین کرنے کے بعد اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھکر اور خدا کو حاضر و ناظر سمجھکر اس بات کو سوچو اور غور کرو کہ تم لوگ جس طرح آج دوسرے کے فرزند کے مربی ہو چکے ہو۔ یتیم بچے اور بچیاں آج تمہارے سایہ میں ہیں اور تم ان کے مالوں میں بیجا تصرف کر رہے ہو۔ اور یہ اس خیال سے کہ ان یتیموں کے بلوغت سے پہلے ہی ان کے تمام مال اور اسباب اپنے قبضے میں کر لو تاکہ انھیں خبر تک بھی نہ ہو کیا ایسا خیال رکھنے والوں کو نہیں معلوم کہ جس طرح آج میرے قبضے میں دوسرے کا مال ہے۔ ایک وہ دن بھی آنے والا ہے کہ میں دنیا کو چھوڑوں گا اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے اور کلیجے کے ٹکڑے دوسرے کے قبضہ میں ہوں گے اور ان کے مال و اسباب پر دوسرے کا تصرف ہوگا۔ کیا ان یتیم و ناچار بچوں کا جن کے سر سے والدین کا سایہ اٹھ گیا ہے۔ جن پر بے جان کی طرح عذاب دیا جا رہا ہے ان کا کوئی نگہبان نہیں یا ان کا کوئی محافظ نہیں۔

ے ظالمو! یتیموں پر ظلم کرنے والو! کیا تمہاری جان دوسرے کے قبضہ میں نہیں کیا وہ تمہاری خبر گیری نہیں کر رہا ہے کیا تم ہمیشہ ایسے ہی رہو گے تمہاری حالتوں میں تبدیلی نہیں ہوگی۔ نہیں نہیں سنو اور کان کھول کر سنو۔ حدیث رسول موجود ہے دیکھو مشکوٰۃ شریف باب الایمان فصل ثالث عن ابی الاحوص عوف بن مالک عن ابیہ قال قلت یا رسول اللہ ارایت ابن عم لی اتیتہ اسالہ فلا یعطینی ولا یصلنی ثم یحتاج الی فیاتینی فیسألنی۔ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ میں تنگ دست تھا تب میں اپنے چچازاد بھائی کے پاس آتا تھا کہ کچھ ملے لیکن وہ نہ مجھکو کچھ دیتا تھا اور نہ میرے ساتھ نیک سلوک کرتا تھا اب وہ محتاج ہوا اور میرے پاس آتا ہے اور سوال کرتا ہے

حضرات کیا آپ کو اس حدیث میں عبرت کی کوئی چیز نہیں ملی۔ کیا یہ حدیث آپ کو یہ سبق نہیں دیتی کہ لوگوں کی حالت ایک طرح نہیں رہتی۔ جو شخص کہ پہلے مالدار تھا اور اپنے مال و دولت پر گھمنڈ کرتا تھا۔ وہی آج مفلس اور کنگال ہے جسکے دروازے پر لوگ بھیک مانگنے کیلئے جایا کرتے تھے وہی آج دوسرے کے در پر حاضر۔ اسی لئے تو قرآن ببانگ دہل اعلان کرتا ہے کہ اَللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ (آل عمران ع۳) یعنی وہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے وہ جسکو چاہے تخت پر سے اتار دے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (بقرہ) وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تو وہ خدا جو کہ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ہے (ہود) وہ ذات جو علی کل شیء قدیر۔ کیا اس سے تم اے یتیموں کے مال میں غلط تصرف کرنے والو! ننھے ننھے بچوں پر ظلم ڈھانے والو نہیں ڈرتے۔ کیا وہ تمہارے فعلوں اور کرتوتوں کو نہیں دیکھ رہا ہے۔ ڈرو اس ذات سے جس نے ایوب علیہ السلام کی صحت اور تندرستی کو دور کر کے اٹھارہ سال تک مرض میں مبتلا کر رکھا تھا۔ ڈرو اس ہستی سے جو کہ تمام سے بے پروا ہے۔ خوف کھاؤ اس لایزال سے جس کے قبضۂ قدرت میں تمام چیزوں کا وجود اور عدم ہے۔ اور باز آؤ اپنے فعل شنیع سے کیا تم کو نہیں معلوم کہ ایک دن تم بھی دنیا کے کاروبار ختم کر کے اونچے اونچے کوٹھے چھوڑ کر اپنی پیاری چیزوں کی

محبت بھولی اور کلیجے کے ٹکڑے آنکھوں کی پتلی لخت جگر بچوں کو یتیم بنا کر نرم نرم فرش کو چھوڑ کر مٹی کے اندھیرے ڈیرے میں جا کر سو گئے اس دن تمہارے ان ننھے بچوں کی خبر گیری کون کرے گا۔ اگر تم چاہو کہ لوگ ان کے ساتھ نیک سلوک کریں اور اچھی طرح پیش آئیں تو تم بھی آج دوسروں کے بچوں پر رحم کرو اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرو اور ظلم و تعدی سے باز آؤ تو تمہارے بعد خدا بھی تمہارے پیچھے رہنے والوں پر اچھا اور نیک مربی قائم کر دیگا ؎

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر ٭ خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

مسلمانوں کی موجودہ حالت

(از جناب محمد اسد صاحب اسد کمراپان در بھنگوی)

جب جب تاریخ کے اوراق پر نظر ڈالتا ہوں اور مسلمانوں کی گذشتہ عظمت اور موجودہ نکبت کو دیکھتا ہوں تو دل پر ایک چوٹ سی لگتی ہے۔ خیال کرو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ ہم سر زمین ہند کے حاکم تھے محکوم نہیں۔ بادشاہ تھے رعیت نہیں لیکن اب بالکل معاملہ برعکس ہے۔ ہم غلام ہیں اور دوسرے حاکم حتیٰ کہ ہم ان کی غلامی کرنے پر مجبور کئے جا رہے ہیں جو کبھی ہمارے غلام رہ چکے ہیں۔ لہٰذا ہمیں غور کرنا چاہئے کہ غلامی کی یہ بیڑیاں ہمارے پاؤں میں کیوں پڑی ہوئی ہیں حالانکہ ہم مسلمان ہیں۔ اللہ وحدہ لاشریک کے نام لیوا ہیں اور اس کا یہ عہد ہے کہ ہم مومنوں ہی کو زمین کا خلیفہ و بادشاہ بنائیں گے چنانچہ قرآن ناطق ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (پ ۱۸ نور ع ۷) ترجمہ تم میں جو لوگ ایمان لاویں گے اور نیک عمل کریں گے ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائیگا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو بھی اس نے حکومت دی تھی۔ اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ان کیلئے قوت دیگا اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو مبدل بامن کر دیگا بشرطیکہ وہ میری عبادت کرتے رہیں گے اور میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں گے اور جو شخص اس کے بعد حکم سے روگردانی اور ناشکری کریگا وہ فاسقوں میں سے شمار کیا جائے گا۔

اور یہ بھی مسلم ہے کہ اللہ کا وعدہ کبھی جھوٹا نہیں ہوتا پھر کیا وجہ ہے کہ ہم لوگ ذلیل و خوار اور رسوا نظر آتے ہیں لہذا ہمیں قرآن کو کسوٹی بنا کر یہ دیکھنا چاہئے کہ آیا ہم اس کے قانون پر استوار ہیں کہ نہیں۔ اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ تم اپنے درمیان اخوت و ہمدردی۔ اتفاق و اتحاد اور مساوات کا پرچم لہراؤ۔ اور کینہ و کپٹ اور بغض و حسد دل سے دور کرو۔ لیکن جب ہم باہم

متحد بھی نہ ہونگے تو پھر ہم کس طرح ترقی کر سکتے ہیں۔ بلکہ مسلمانوں کی موجودہ شکل تو یہ ہے کہ وہ اپنے مسلم بھائیوں سے دشمنی اور غیروں سے میل جول رکھتے ہیں حالانکہ اس کے متعلق قرآن یوں ناطق ہے۔ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا الایۃ (پ س آل عمران ۱۲۶) ترجمہ۔ اے ایمان والو مت بناؤ اپنے سوا کسی کو دوست اور ولی وہ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔" اس آیت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہم کبھی بھی غیروں کا ساتھ نہ دیں اسلئے کہ وہ ہمارے ازلی دشمن ہیں۔ میں رب العزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم لوگ اپنے وعدہ میں مضبوط اور مستحکم ہوتے تو اللہ تبارک و تعالیٰ بھی اپنے وعدہ کو پورا کر دکھاتا اور ہم اسفل السافلین کی جگہ آج بام ثریا پر ہوتے۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہم نے اللہ سے کیا وعدہ کیا تھا قرآن ہمیں یاد دلاتا ہے اور کہتا ہے کہ جب اللہ نے تم سے پوچھا تھا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ تو تم نے اس کے جواب میں کہا تھا بلیٰ۔ یعنی پروردگار نے روز ازل میں ہم سے وعدہ لے لیا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سبھوں نے بیک زبان بلیٰ (ضرور ہے) کہا تھا جس کا مقصود یہ تھا کہ ہم تجھے اپنا رب جانتے ہیں۔ اور تو ہمیں جو کچھ بھی کرنے کو فرمائیگا ہم فوراً تعمیل کریں گے۔ مگر ہم نے اپنے عہد کو توڑ دیا۔

کیا لوگ اس بات کو نہیں جانتے ہیں کہ جب بیٹا اپنے باپ کی۔ وزیر اپنے بادشاہ کی غلام اپنے آقا کی۔ خادم اپنے مولا کی فرمانبرداری کرتا ہے تو وہ بھی اسکا خیال اور اس کی عزت کرتے ہیں اور یہ تو بشر فانی کا حال ہے۔ مگر وہ خدا جو شہنشاہ عالم ہے وہ کیوں نہ اپنے غلام اپنے بندے کی ترقی چاہیگا۔ چنانچہ سعدیؒ کا قول ہے ؎

چو خسرو بفرمان داور بود + خدایش نگہبان و یاور بود
مجالست چوں دوست دارد ترا + کہ در دست دشمن گذارد ترا
رہ اینست رو از طریقت متاب + بنہ گام و کامے کہ خواہی بیاب

تاریخ میں مذکور ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لانے سے قبل اپنے باپ کے اونٹ چرایا کرتے تھے اور شام کو اونٹ چرا کر گھر واپس ہوتے۔ اسلام کے بعد جب وہ مسلمانوں کے سردار مقرر ہوئے اور اتفاق سے اس میدان سے گذرے تو بے ساختہ زبان سے یہ نکلا کہ اے عمرؓ تو وہی ہے جو اس میدان میں اونٹنیاں چراتا تھا اور آج تو مسلمانوں کا سردار ہے حضرت ابوہریرہؓ کا یہ حال تھا کہ سڑک کے کنارے بھوک کی شدت سے لیٹے رہتے تھے اور جو اس راستے سے گذرتا اس کے سامنے آیت پڑھکر مطلب دریافت کرتے حتیٰ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ اس طرف سے گذرے تو انھوں نے آپ سے بھی دریافت کیا تو آپ انکا مقصد بخوبی سمجھ گئے اور ان کو اپنے ساتھ گھر لے گئے اور کھانا کھلایا۔ پھر ایک دن وہ آیا کہ یہی ابوہریرہ مدینہ منورہ کے حاکم مقرر ہوئے۔ تو جب انکا بھی کبھی اس سڑک سے گذر ہوتا تو کہتے کہ اے ابوہریرہ تو وہی ہے جو اس سڑک پر پڑا رہتا۔ مگر آج تیری کیا شان ہے۔

ایسی مثالیں آپ کو بہت ملینگی کہ لوگ محکوم سے حاکم اور بادشاہ بن گئے مگر ایک ہم ہیں کہ بادشاہ سے غلام اور حاکم سے رعیت بنے بیٹھے ہیں اور اس پر قانع ہیں یہ سب ہمارے ہی کرتوت کی بدولت ہوا جیسا کہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے ذَالِكَ بِاَنَّ اللهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ الآیہ (پ ۱۰ س انفال ع ۷) ترجمہ" یہ اسلئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنا انعام واکرام اسوقت تک نہیں ہٹاتا جب تک وہ خود اپنے حالات نہیں بدل لیتی"۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

کہ ہم نے بگاڑا نہیں کوئی اب تک + وہ بگڑا نہیں آپ دنیا میں جب تک

تو گویا جو کچھ بھی مصائب ہمارے اوپر ٹوٹ پڑے ہیں وہ محض ہمارے ہی اعمال کی بدولت۔ اگر آج بھی ہم اپنی حالت سدھار لیں تو یقیناً ترقی کے بام ثریا تک پہنچ سکتے ہیں۔ یعنی باہمی سارے اختلافات کو دور کرکے ایک جھنڈے کے نیچے آجائیں اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا (آل عمران) یعنی اللہ کی رسی سب کے سب ملکر مضبوطی سے پکڑ لو۔ ورنہ تفریق کا نتیجہ بہت ہی خراب ہوگا۔ ایک جگہ حدیث میں ہے يَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ یعنی اللہ کی مدد جماعت پر ہوتی ہے۔ اور جب اللہ کی مدد ہو تو یقیناً کامیابی ہوگی۔ اَللّٰهُمَّ اَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ (آمین)

نصیحت

(ماخوذ از کلیات اکبر)

بیٹے کو لوگ کہتے ہیں آنکھوں کا نور ہے — ہے زندگی کا لطف تو دل کا سرور ہے
گھر میں اسی کے دم سے ہے ہر سمت روشنی — نازاں ہے اس پہ باپ تو ماں کو غرور ہے
خوش قسمتی کی اس کو نشانی سمجھتے ہیں — کہتے ہیں یہ خدا کے کرم کا ظہور ہے
اکبر بھی اس خیال سے کرتا ہے اتفاق — اس کا بھی ہے یہ قول کہ ایسا ضرور ہے
البتہ شرط یہ ہے کہ بیٹا ہے ہونہار — مائل ہے نیکیوں پہ برائی سے دور ہے
برتاؤ اس کا صدق و محبت سے ہے بھرا — اس میں نہ ہے فریب نہ ہے مکر و زور ہے
افکار والدین میں ہے دل سے وہ شریک — ہمدرد ہے معین ہے اہل شعور ہے
راضی ہے اس پہ باپ کی جو کچھ ہو مصلحت — صابر ہے با ادب ہے عقیل و غیور ہے
رکھتا ہے خاندان کی عزت کا وہ خیال — نیکوں کا دوست صحبت بد سے نفور ہے
کسب کمال کی ہے شب و روز اس کو دھن — علم و ہنر کے شوق کا دل میں وفور ہے
لیکن جو ان صفات کا مطلق نہیں پتا — اور پھر بھی ہے خوشی تو خوشی کا قصور ہے

(بچوں کیلئے)

ماں

اے ماں تو ہی محبت کی ابتدا ہے، تو ہی محبت کی انتہا ہے۔ جب میں تجھے دیکھتا ہوں تو میرا دل باغ باغ ہوجاتا ہے۔ اور جی چاہتا ہے کہ تیری گود میں جا بیٹھوں کیونکہ یہ تیری گود سب چیزوں سے زیادہ آرام دینے والی ہے۔ جس میں کہ میں برسوں کھیلتا رہا ہوں۔ پیاری ماں! تیری گود میں محبت کا دریا بہہ رہا ہے۔ تیری آنکھوں سے جو محبت کی کرنیں نکلتی ہیں وہ میرے دل میں کھُب جاتی ہیں۔ اور میرے جسم میں ایک ہلکی سی پھُریری پیدا ہوتی ہے۔

ماں! تجھکو کیا بتاؤں کہ تیرے بغیر میری کیا حالت ہوتی ہے؟ تیری آواز میں محبت کا ایک راگ بھرا ہوا ہے اور جی چاہتا ہے کہ تجھکو اپنے دل میں سمالوں۔

اے بچپن کی زندگی کو سنوارنے والی ماں! اگرچہ میں اب بچہ نہیں رہا۔ مگر تجھکو دیکھکر پھر بچہ بننے کیلئے جی چاہتا ہے، تاکہ تو مجھکو پریوں کی کہانی سنائے۔ اور کبھی کبھی پھر میں بھولے پن سے کہوں "میں یہ کہانی نہیں سنتا، میں یہ چیز نہیں کھاؤں گا۔ میں یہ کپڑے نہیں پہنوں گا۔ میں آپ کا نہیں بلکہ ابا کا بیٹا ہوں"! اور کبھی یہ کہوں "مجھے کھلونے منگا دیجئے اماں"۔

اے مہربان ماں! تیری جیسی محبت دنیا میں کوئی نہیں رکھتا اور تیری قربانی دنیا میں بے مثال ہے۔ تیری محبت نڈر ہے۔ تو نے مجھ پر احسان کیا لیکن اس پر کبھی غرور نہیں کیا بلکہ اس کو تو نے اپنا فرض جانا۔

اے مادر! تو کتنی مہربان ہے کہ تو میرے مسکرانے پر ہنس پڑی اور میری ذرا سی تکلیف نے تجھ کو رُلا دیا۔ افسوس میں اُن راتوں کو کیونکر بھلا سکتا ہوں جب میں بیمار تھا اور نیند تیرے لئے حرام ہوگئی تھی۔ میں تیرے اس احسان کو قیامت تک نہیں بھول سکتا۔ اے وہ بدقسمت دوستو! جو دنیا کی اس پاک اور مقدس ہستی کو بدنام کرتے ہو، ذرا آنکھیں کھولو اور دیکھو، تم کسقدر ناانصافی سے کام لے رہے ہو؟ تم کچھ بھی نہیں ہو۔ یہ تمہاری ماؤں ہی کا فیض ہے کہ تم کمال اتاترک، عصمت انونو، مسٹر جناح، آزاد، گاندھی اور ہٹلر وغیرہ جیسی زبردست ہستیوں کا نام سن رہے ہو۔ اب ذرا غور کرو اور بتلاؤ کہ ان کی بڑائی اور ترقی کا سہرا کس کے سر ہے؟ ماتا کو پرنام اے ماں! اے مہربان ماں! تجھکو سلام۔

(ماخوذ)

ہماری عید قرباں

(ایک فرزند رحمانیہ کے قلم سے)

گذشتہ سال کی طرح امسال بھی رفقاء رحمانیہ کی تقریب عید الضحیٰ بحمد اللہ بڑی شاندار طریقے پر ادا ہوئی۔ ابھی ماہ ذی الحجہ کا چاند نظر بھی نہ آیا تھا کہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی نے قربانی کے جانوروں کی خریداری شروع کردی۔ تقریباً اکیس جانور خریدے، جن میں سے صرف چھ بکرے باقی سب دنبے تھے اور وہ بھی ایسے عمدہ کہ ۶۰—۶۵ سے کم کا تو شاید ہی کوئی رہا ہو۔ ورنہ اسّی نوّے بلکہ بعض تو سَو سَو روپے کے تھے۔ ادھر درزی کو حکم ہوا کہ مدرسہ کے تمام اساتذہ کے لئے اس سال بھی گرم شیروانیاں تیار کی جائیں۔ چنانچہ درزی نے سب کے ناپ لیکر بہترین گرم کپڑے کی شیروانیاں تیار کیں۔ اس کے علاوہ بعض ضرورتمند طالب علموں کے لئے بھی نئے کپڑے بنوائے گئے۔ خوشی کے ان آثار کو دیکھکر طلبۂ رحمانیہ کی امنگوں میں بھی حرکت پیدا ہوئی۔ چنانچہ انھوں نے (چاند دیکھنے کے بعد) روزے رکھنے اور تہجد کی نمازیں پڑھنی شروع کردیں، اسلئے کہ ایک ایماندار کی حقیقی خوشی یہی ہے کہ اس کے دل میں بجائے برے خیالات کے نیکیوں اور عبادتوں کا جذبہ پیدا ہو۔ جتنے ہی دن گذرتے گئے روزے داروں اور تہجد گذاروں کی تعداد بڑھتی گئی۔ عرفہ کے دن (نویں تاریخ کو) توسب نے روزہ رکھا، یہانتک کہ چھوٹے چھوٹے بچوں نے بھی اس میں حصہ لیا۔

~~~~~~~~~~~~

۸ ذی الحجہ مطابق ۱۸ جنوری سنہ ۴۰ء بروز جمعرات کو جمعیۃ الخطابۃ کا ایک شاندار خصوصی اجلاس منعقد ہوا، جس میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام کی بے نظیر قربانیوں اور ان کی زندگی کے دوسرے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی۔ مدرسہ کے شعراء نے بھی خوب خوب طبع آزمائی کی۔ اور گرمی محفل کا سامان بہم پہنچایا۔ حسب دستور اس خصوصی اجلاس کا پروگرام بھی اپنی معنوی خوبیوں کے ساتھ ظاہری آرائش وزیبائش سے بھی خوب مزیّن تھا۔ تقریباً ۹ بجے صبح سے لیکر ۱۲ بجے تک یہ بزم احباب بڑی دلچسپی کے ساتھ جاری رہی۔

~~~~~~~~~~~~

۹ ذی الحجہ سے ۱۳ تک (پانچ روز کی) مدرسہ میں تعطیل رہی۔ ۱۰ کو صبح سویرے ہی تمام اساتذہ وطلبہ نہادھو کر باقاعدہ بآواز بلند تکبیریں پکارتے ہوئے نماز عید الضحیٰ کے لئے اس میدان میں پہنچے، جہاں اہلحدیث عیدین کی نماز ادا کرتے ہیں۔ نماز سے فارغ ہوکر پھر مدرسہ ہی میں واپس آگئے۔ اسلئے کہ دو روز پہلے بارش ہوچکی تھی اور فضا برابر ابر آلود رہی، ہر وقت بارش ہونے کا خطرہ دامنگیر تھا۔ اسلئے احتیاطاً اس سال کھانے پینے کا انتظام مدرسہ ہی میں کیا گیا تھا۔ مدرسہ میں واپس پہنچے تو ناشتے

کے لئے مہتمم صاحب کی طرف سے بہترین مٹھائیوں کا بندوبست کر دیا گیا تھا۔ ابھی کھانا تیار ہونے میں دیر تھی اسلئے سب سے پہلے مٹھائیوں اور کچوریوں ہی سے سب کی تواضع کی گئی۔ پھر طلبہ ہال میں جمع ہو کر اپنی علمی تفریحوں میں مشغول رہے ۱۲ بجے کھانا تیار ہو گیا۔ سب نے ایک ہی دسترخوان پر بیٹھکر قورمے، باقرخانی، کھیر سے سیری حاصل کی۔ تقریباً ۴ بجے شام کو خود مہتمم صاحب مدظلہ العالی بھی مدرسہ میں تشریف لائے۔ اور تمام طلبہ و مدرسین سے ملاقات کی۔ جو طالب علم آپ کے سامنے آیا سب کو ایک ایک روپیہ عیدی عنایت فرمایا۔ آپ کی اس عزت افزائی سے تمام مدرسہ باغ باغ ہو رہا تھا، اور آپ کے لئے فلاح دارین اور دونوں جہان کی بھلائی و سرخروئی کی دل سے دعائیں کر رہا تھا۔ جانور کافی تھے اسلئے تین روز تک برابر قربانیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اور ہر روز ایک نئی چیز کھانے میں آئی۔ چنانچہ پہلے روز قورما باقرخانی، دوسرے دن بریانی متنجن، اور تیسرے دن دہلی کی مشہور اور مخصوص چیز "حلیم" پکوائی گئی تھی۔

ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ غریب پردیسیوں اور بےکس طالب علموں کے ساتھ اس قسم کا شاہانہ سلوک کرنیوالوں پر اپنے فضل و انعام کی بارشیں برسلئے۔ اور ہمیشہ اپنی توفیق ان کے شامل حال رکھے۔ الٰہ الحق آمین

سہ ماہی امتحان

گذشتہ سالوں کی طرح امسال بھی دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا سہ ماہی امتحان ہو گیا۔ مورخہ ۲۴ ذی الحجہ سنہ۱۳۵۸ھ مطابق ۳ فروری سنہ۱۹۴۰ء بروز ہفتہ سے امتحان کی تیاری کے لئے تعلیم ملتوی کر دی گئی۔ ایک ہفتہ کی تیاری کے بعد یکم محرم الحرام سنہ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۰ فروری بروز ہفتہ سے باقاعدہ تحریری امتحان شروع ہوا۔ سوالات کے پرچے اساتذہ ہی نے تیار کئے تھے ہر روز تقریباً تین پرچوں کے حساب سے ۳ محرم مطابق ۱۲ فروری کو امتحان ختم ہو گیا۔ ۴ محرم بروز منگل کو طلبہ کو آرام و راحت دینے کے لئے مدرسہ میں تعطیل رہی۔ ۵ محرم سے پھر باقاعدہ تعلیم شروع ہو گئی ہے۔ مجموعی حیثیت سے بحمد اللہ نتیجہ امید افزا ہے۔ جو لڑکے اپنی اپنی جماعتوں میں اول آئے ہیں ان کی حوصلہ افزائی کے لئے مہتمم صاحب نے دو دو روپے نقد انعام مرحمت فرمائے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

مندرجہ ذیل لڑکے اپنی اپنی جماعتوں میں اول آئے ہیں۔

آٹھویں جماعت میں	عبدالرحیم امرتسری	تیسری جماعت میں	احمد اللہ مرشدآبادی
ساتویں 〃	حافظ عبدالخالق جیپوری	دوسری 〃	محمد اکبر پنجابی
چھٹی 〃	عبدالعزیز بستوی	پہلی 〃	محمد اسمٰعیل مدراسی
پانچویں 〃	رستم احمد بنگالی	ادنیٰ 〃	عبدالرحیم پنجابی
چوتھی 〃	عبیداللہ پنجابی		

(منیجر)

... اسلامیہ ...

روح اخبار

—— اس سال حج کے موقعہ پر ہندوستانی حاجیوں کی تعداد سات ہزار کے لگ بھگ تھی، ۷ ذی الحجہ کو سلطان ابن سعود ایّدہ اللہ بنصرہ نے اپنے ہاتھ سے خانہ کعبہ کو غسل دیا اور ۱۰ ذی الحجہ کو اس پر نیا غلاف چڑھایا گیا۔ (خادم الحرمین)

—— ۲ فروری کو تقریباً ۸ بجے صبح دہلی میں زلزلہ کا زبردست جھٹکا محسوس ہوا، زلزلہ کے ساتھ گڑگڑاہٹ کی آواز بھی تھی۔ بفضلہ تعالیٰ کسی قسم کے نقصان کی اطلاع نہیں ملی۔

—— آل انڈیا مسلم لیگ کا ستائیسواں سالانہ اجلاس ۲۲ ر۲۳ ر۲۴ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں منعقد ہوگا۔ (انقلاب)

—— تری پورکلاسی پی میں پچھلے سال کانگرس کا جو سالانہ اجلاس منعقد ہوا تھا۔ اس کے دوران میں ریلوے کو کافی آمدنی ہوئی۔ چنانچہ اندازہ کیا جاتا ہے کہ ۱۷ لاکھ ۵۲ ہزار روپیہ تری پوری کانگرس کی وجہ سے ریلوے کے خزانہ میں گیا۔ (انقلاب)

—— نارتھ ویسٹرن ریلوے کے دفتر نے یہ اعداد شمار شائع کئے ہیں کہ ۸ رجون ۱۹۳۶ء سے ۳۱ دسمبر ۱۹۳۸ء تک (یعنی ڈھائی سال میں) تین لاکھ ۶۹ ہزار بلا ٹکٹ مسافر پکڑے گئے۔ یہ چلتی گاڑیوں چیکنگ ہونے کا نتیجہ تھا۔ اور راستوں پر ۱۵ ہزار ۷ سو ۴۳ مسافر پکڑے گئے۔ ان مسافروں سے جو زائد رقم کرایہ سے چارج کی گئی وہ پہلی مد میں ۶ لاکھ ۷۵ ہزار ۸ سو ۲۸ روپیہ اور دوسری مد میں ۲۲ ہزار ایک سو ۷۹ روپے وصول ہوئے جسکی مجموعی تعداد ۶ لاکھ ۸۰ ہزار ۵ سو ۲ روپے ہوتی ہے (نتیج)

—— اسکندریہ کی اطلاع ہے کہ امسال ۶۶۸۲ مصریوں نے زیارت بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ (زمزم)

—— ہندوستان کی آئندہ مردم شماری ۱۹۴۱ء میں ہوگی۔ گزشتہ مردم شماری ۱۹۳۱ء میں ہوئی تھی۔ اسوقت ہندوستان کی آبادی ۳۵ کروڑ ۲۰ لاکھ تھی۔ آئندہ مردم شماری کی تیاریاں زور شور سے جاری ہیں۔ ہندوستان کے ان سپاہیوں کی بھی جو ہندوستان سے باہر محاذ جنگ پر ہونگے۔ یا ہوائی جہازوں اور سمندر میں سفر کر رہے ہونگے گنتی کی جائیگی۔ مردوں کو اپنا نام عمر اور پیشہ لکھوانا پڑیگا۔ لیکن عورتوں کو اپنا نام اور عمر ہی لکھوانی پڑیگی۔ جیلوں، پاگل خانوں، ہسپتالوں، ریلوے اسٹیشنوں کارخانوں، حتیٰ کہ انڈمان میں رہنے والوں کی گنتی بھی کی جائیگی۔ پچھلی مردم شماری کے موقعہ پر ہندوں، عیسائیوں، مسلمانوں، جینیوں، سکھوں وغیرہ کے لئے علیحدہ علیحدہ رنگ کے کاغذات تھے، اگلی مرتبہ ایک ہی قسم کے کاغذات پر مردم شماری ہوگی۔ (زمزم)

—— معلوم ہوا ہے کہ دہلی کے دیہی علاقے میں ریڈیو سٹوں کی تعداد ۸۱ ہو گئی ہے۔ تجویز یہ ہے کہ اس علاقے میں کل ۱۲۰ سٹ لگائے جائیں۔ صوبہ جات متحدہ کے دیہات میں ریڈیو لگانے کی اسکیم پر بھی آل انڈیا ریڈیو عمل کر رہا ہے۔ اور اسوقت تک مختلف دیہات میں ۵۰ ریڈیو سٹ نصب کئے جا چکے ہیں۔ (نتیج)

مینیجر

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب پرنٹر پبلشر نے جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر رسالہ محدث دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع کیا۔

یادگار فدائے علم و دین جناب شیخ عطاء الرحمن صاحب مرحوم و مغفور

رسالہ

محدث دہلی

ملکیت

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم دارالحدیث رحمانیہ دہلی

فہرست مضامین

مقاصد

(۱) کتاب وسنت کی اشاعت ۔

(۲) مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح ۔

(۳) دار الحدیث رحمانیہ کے کوائف کی ترجمانی ۔

ضوابط

(۱) یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) یہ رسالہ ان لوگوں کو سال بھر مفت بھیجا جائے گا جو بذریعہ منی آڈر ٹکٹ کیلئے دفتر میں بھیجدینگے وی پی نہیں بھیجا جائیگا۔

(۳) اس رسالہ میں دینی، علمی، اصلاحی، اخلاقی، تمدنی، تاریخی مضامین بشرط پسند شائع ہونگے

(۴) ناپسندیدہ مضامین محصولڈاک آنے پر واپس کئے جائیں گے اور شائع شدہ مضامین واپس نہیں ہونگے۔

(۵) جوابی امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔ (۶) فتوی پوچھنے والے سوال کیساتھ جواب کیلئے ٹکٹ ضرور بھیجیں۔

پتہ

مینجر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۰ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۰

محدث دہلی

نگران اصول
مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

جلد ۷ | ماہ اپریل سنہ ۱۹۴۰ء مطابق ماہ صفر سنہ ۱۳۵۹ ہجری | نمبر ۱۲

ایک اور یادگار منائی جائیگی؟

(از ایڈیٹر)

ماہ ذی الحجہ میں اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام اور ان کے فرزند جلیل حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوۃ والسلام کی بے نظیر قربانیوں کی یادگار منائی گئی۔ وہ جس شان سے بھی منائی گئی، بہرحال وہ ایک شرعی اور مسنون چیز تھی، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے منایا، اور امت کو ترغیب وتاکید کے ساتھ اس کے منانے کا حکم دیا۔ آپ کے بعد آپ کے صحابہؓ نے اور صحابہؓ کے بعد تابعین نے، تابعین کے بعد تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، عامہ مسلمین نے، الغرض ہر زمانے اور ہر طبقے کے مسلمانوں نے اس سنت پر عمل کیا۔ لیکن اس کے بعد ہی جب محرم کا مہینہ شروع ہوا، تو ایک دوسری یادگار منائی گئی، جو پہلی یادگار کے بالکل برعکس تھی، ابن خلیلؑ کی یادگار میں اگر اپنی جرأت، مردانگی، بہادری، نڈری، اور جاں نثاری کے جذبات کو ابھارنے کی کوشش کی گئی تھی، تو ابن شیر خدا کی غیر مشروع اور بزدلانہ یادگار منا کر سب پر پانی پھیر دیا گیا۔ پہلی جتنی زیادہ شرعی، مؤکد اور افضل تھی، دوسری اتنی ہی زیادہ ممنوع، ناجائز اور گناہوں کا موجب تھی، یعنی ماہ ذی الحجہ میں قربانیوں کے ذریعہ جتنا ثواب کمایا تھا، ماہ محرم میں رسم تعزیہ داری کی بدولت اس سے بھی زیادہ گناہوں کا بوجھ اپنے سر پر لاد لیا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون ۰

ان نادان مسلمانوں کی بدقسمتی کا باب ابھی یہیں ختم نہیں ہوتا، بلکہ ابھی تو سال بھر میں نہ معلوم کتنی رسمیں ادا کرینگے کتنی یادگاریں منائیں گے۔ کتنی بے سروپا باتوں، من گھڑت قصوں کو دین اور ثواب کا کام سمجھکر اپنی گاڑھی کمائی کے پیسے برباد کریں گے —— آخر یہ "آخری بدھ" کی خوشی منانے کی رسم سوائے جہالت کا مظاہرہ کرنے کے اور کیا ہے ؟ نہ معلوم کہاں سے، اور کیونکر لوگوں میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ صفر کے مہینے میں آخری بدھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیماری سے صحتیاب ہوکر سیر و تفریح کے لئے نکلے تھے" سوائے اس کے کہ شیطان نے گمراہی میں ڈالنے کے لئے کسی موقع پر لوگوں میں یہ بات مشہور کردی ہو، اور کوئی سند اس کی نہیں ہے۔ نہ کسی حدیث میں ہے، نہ تاریخ میں، نہ سیرت میں، نہ کسی معتبر عالم کی کتاب میں، یہ تو محض کسی من چلے کی گپ ہے اور بس! بھلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی مقدس ہستی کو اس قسم کی فضول باتوں سے کیا نسبت ؟

اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی وہ یادگار بھی ہے، جو ابھی آنیوالے مہینے کی بارہویں تاریخ کو ہندوستان کے طول و عرض میں عید میلاد النبی" کے نام سے بڑی دھوم دھام سے منائی جائیگی۔ کافوری شمعیں روشن کی جائینگی، بجلی کے قمقمے جلائے جائیں گے، اور اگر یہ میسر نہ آئے تو کم از کم گیس کے ہنڈے یا بہت ساری موم بتیوں ہی سے یہ سماں پیدا کرنے کی کوشش کی جائیگی۔ اگر بتیوں سے ساری فضا بسادی جائے گی، عطر بیز خوشبوؤں سے پوری مجلس مہک رہی ہوگی، کسی ممتاز جگہ پر چند ڈاڑھی منڈے قوال، خوش آواز اور خوش الحان گویّے، "اچھی اچھی" نعتیں سنانے والے "استاد" حلقے میں بیٹھکر نعتیہ غزلیں گا رہے ہوں گے، کسی "بزرگ" کو حال آئیگا اور وہ زور سے "الا اللہ" کا نعرہ لگا کر اچھل پڑیں گے اور ساری مجلس کو اپنی طرف متوجہ کرلیں گے۔ اس "ہُو ہا" کے بعد کوئی "مولانا صاحب" یا "شاہ صاحب" منبر پر جلوہ افروز ہونگے۔ اور "مولود سعیدی" یا اسی قسم کی کوئی دوسری کتاب، جو جھوٹی حدیثوں، غلط روایتوں، اور بالکل بے ثبوت اور بے اصل قصوں سے بھری ہوئی ہے۔ پڑھ پڑھکر حاضرین کو سنائیں گے۔ جب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے "تولد" کا ذکر آئیگا، اور "مولانا صاحب" یا "شاہ صاحب" فرمائیں گے ؎

آمد آمد ہے رسولِ پاک کی + آمد آمد ہے شہِ لولاک کی

تو یہ حضرت خود، اور ان کے ساتھ سارا مجمع کھڑا ہوجائیگا۔ اور پھر درود و صلوات کا ایک شور برپا ہوجائیگا، جب یہ مجلس ختم ہوگی تو صاحبِ خانہ کی طرف سے کسی قسم کی شیرینی تقسیم ہوگی، اور حاضرین "تبرکات" کی ایک ایک پیالیاں لیکر اپنے اپنے گھروں کو واپس آجائیں گے۔ بس یہ ہے جشن میلاد، اور یہ ہے اس کی کل کائنات!

دوستو! ضد اور تعصب کو چھوڑ کر ذرا انصاف اور خدا ترسی کے ساتھ اس حقیقت پر غور کرو، کہ آخر یہ کس اولو العزم پیغمبر کی پیدائش کا دن منار ہے ہو، سنو! یہ وہ پیغمبر ہیں جن کی شان میں فرمایا گیا لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ (پ ۲۱ سورہ احزاب ع ۳) یعنی اللہ کے رسول ایک بہترین نمونہ ہیں، ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے پاس جانے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتے ہیں، اور اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ اور دوسری جگہ فرمایا وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (پ ۲۸ سورہ حشر ع ۱) یعنی جو کچھ رسول دیں اُسے لے لو (جو کچھ بتائیں اس پر عمل کرو) اور جس چیز سے منع کریں (جس کام کی اجازت نہ دیں) اس سے باز رہ جاؤ۔ اور (رسولؐ کی تعلیم کے خلاف راستہ اختیار کرنے میں) اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ (ایسے نافرمانوں کو) سخت عذاب کرنیوالا ہے۔" قرآن مجید کی یہ دونوں آیتیں اور اس کے علاوہ دوسری بہت سی آیتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری زندگی کے ہر کام کے لئے پیشوا اور نمونہ تھے۔ پس ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار اس طرح منانی چاہیئے جس سے ہمیں معلوم ہو کہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہماری زندگی کے کیا کیا اصول بتائے ہیں صرف نماز، روزے اور دیگر عبادات ہی میں نہیں، بلکہ سیاست اور معاشرت کے ہر شعبے میں ہمارے لئے آپ کا نمونۂ عمل موجود ہے، ہماری صورت و شکل، پہننا اوڑھنا، چلنا پھرنا، ہنسنا بولنا، کھانا پینا، جینا مرنا سب کچھ رسولؐ کی تعلیم کے مطابق ہونا چاہیئے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ماں باپ کا حق اولاد پر، اولاد کا حق ماں باپ پر، چھوٹے کا بڑے پر، بڑے کا چھوٹوں پر، بیوی کا شوہر پر، شوہر کا بیوی پر۔ ایک قوم کا دوسری قوم پر، زبردست کا کمزور پر، کمزور کا زبردست پر، غریب کا مالدار پر، مالدار کا غریب پر۔ ایک پڑوسی کا دوسرے پڑوسی پر، ایک قوم کا دوسری قوم پر۔ کافر کا مسلمان پر، مسلمان کا کافر پر۔ رعایا کا بادشاہ پر، بادشاہ کا رعایا پر کیا حق ہے؟ لین دین کا۔ نکاح طلاق کا۔ تجارت زراعت کا۔ عدالت شہادت کا۔ غرض دنیا کا کوئی کام نہیں ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمکو اس کا راستہ نہ بتا دیا ہو۔ لیکن آج جس طریقے سے ہم آپ کی پیدائش کا دن مناتے ہیں، کیا اس سے یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے؟ اگر نہیں، اور یقیناً نہیں، تو پھر اس فضول حرکت سے کیا حاصل؟

میلاد کا یہ طریقہ جو آج دنیا میں مروج ہے، جسے عام طور پر مسلمان ایک بڑی عبادت اور ثواب کا کام سمجھکر کر رہے ہیں۔ یہ تو کسی طرح بھی جائز نہیں ہے، شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس طرح میلاد منانے والے تو اپنی آخرت بگاڑ رہے ہیں۔ ذرا سوچو تو سہی! کہ اپنی پیدائش کے بعد سے تقریباً ۶۳ سال، اور نبی ہونے کے بعد ۲۳ سال تک جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں زندہ رہے، اور ہر سال ربیع الاول کا مہینہ آیا۔ اور ہر بار اس کی بارھویں تاریخ بھی آئی، لیکن کسی ایک سال بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی میلاد کا جشن نہیں منایا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے سچے جانشین اور خلفاء راشدین حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت تقریباً تیس سال تک رہی، اور ہر سال ربیع الاول کی بارہ تاریخ آئی، لیکن کسی ایک سال بھی "یہ جشن" نہیں منایا گیا خلفاء راشدین کے بعد بھی کسی صحابی، کسی امام، کسی محدث، کسی مستند فقیہ اور مجتہد نے یہ جشن نہیں منایا۔ کیا ان تمام خلفاء

تمام صحابہؓ، تمام ائمہؒ اور محدثین میں سے کسی کو بھی اللہ کے رسولؐ سے محبت نہیں تھی؟ اور تو اور خود حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی، ان کی تمام زندگی میں کسی ایک سال بھی اس قسم کا جشن میلاد ثابت نہیں ہے۔ کیا تم ان سے بھی بڑھکر محب رسول ہو؟ اگر نہیں تو پھر آخر یہ کیسی تقلید ہے؟ کہ جس کو امام صاحبؒ نے زندگی بھر میں کبھی ایک مرتبہ بھی نہ کیا ہو، اور نہ کرنے کا حکم دیا ہو، تم اس کو ہر سال، اور ہر سال ہی نہیں، بلکہ سال میں کئی کئی بار کرتے ہو۔

دوستو! سن لو کہ یہ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ سو سال کے بعد اربل کے ایک بادشاہ نے اپنی ناموری اور شہرت کے لئے ایجاد کیا تھا (تاریخ ابن خلکان ص ۴۳۶ ج ۱) اب خود سوچو کہ جو کام نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو، نہ آپ کے خلفاء راشدینؓ نے نہ صحابہؓ نے نہ اماموںؒ نے بلکہ ایک دو نہیں، سو دو سو نہیں، پورے چھ سو برس کے بعد پیدا ہوا ہو، بھلا وہ کام شرعی اور دینی کیسے ہو سکتا ہے؟ ایسے ہی کاموں کو جن کو لوگ اپنی ناواقفیت سے دینی کام سمجھ لیں، لیکن حقیقت میں ان کا کوئی ثبوت نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہو، نہ خلفاء راشدین اور صحابہ کے قول و فعل سے ہو۔ شریعت میں بدعت کہا جاتا ہے۔ بتائیے جب اس قسم کی مجلس میلاد نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور نہ آپ کے خلفاء راشدین وصحابہؓ سے، بلکہ آپ کے چھ سو برس کے بعد کی پیدا وار ہے، تو پھر اس کے بدعت ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے چنانچہ علامہ ابن الحاج اپنی کتاب مدخل میں لکھتے ہیں وَمِنْ جُمْلَةِ مَا اَحْدَثُوْهُ مِنَ الْبِدَعِ مَعَ اعْتِقَادِهِمْ اَنَّ ذَالِكَ مِنْ اَكْبَرِ الْعِبَادَاتِ وَاِظْهَارِ الشَّعَائِرِ مَا يَفْعَلُوْنَهٗ فِيْ شَهْرِ الرَّبِيْعِ الْاَوَّلِ مِنَ الْمَوْلِدِ وَقَدِ احْتَوٰى ذَالِكَ عَلٰى بِدَعٍ وَّمُحَرَّمَاتٍ انتھے یعنی ربیع الاول کے مہینے میں جو جشن میلاد منایا جاتا ہے، یہ بھی انھیں بدعات و محدثات میں داخل ہے جن کو لوگ عبادات اور شعائر دینی سے سمجھکر کرتے ہیں۔ اور میلاد کی یہ ایک بدعت اپنے ساتھ دوسری بہت سی بدعتوں اور حرام کاموں کو لپیٹ لیتی ہے۔ حضرت شیخ تاج الدین فاکہانی فرماتے ہیں۔ لَا اَعْلَمُ لِهٰذَا الْمَوْلِدِ اَصْلًا فِيْ كِتَابٍ وَّلَا سُنَّةٍ وَّلَا يُنْقَلُ عَمَلُهٗ عَنْ اَحَدٍ مِّنْ عُلَمَاءِ الْاُمَّةِ الَّذِيْنَ هُمُ الْقُدْوَةُ فِي الدِّيْنِ الْمُتَمَسِّكُوْنَ بِاٰثَارِ الْمُتَقَدِّمِيْنَ بَلْ هُوَ بِدْعَةٌ اَحْدَثَهَا الْبَطَّالُوْنَ وَشَهْوَةُ نَفْسٍ اِعْتَنٰى بِهَا الْاَكَّالُوْنَ انتھے یعنی اس میلاد مروجہ کی کوئی اصل نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں، اور نہ اُن علمائے امت سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے جو دینی امور میں ہمارے پیشوا ہیں جو ہر دینی کام میں اپنے متقدمین (صحابہ و تابعین) کے نقش قدم کے پیرو تھے، بلکہ یہ تو ایک ایسی بدعت ہے جس کو نفس پرستوں اور پیٹ کے بندوں نے اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لئے نکال لیا ہے۔"

بدعت کی برائی کا اندازہ صرف اسی ایک حدیث سے ہو سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن میدان محشر میں جب میں حوض کوثر پر اپنی امت کو سیراب کرنے کیلئے موجود ہونگا، تو کچھ لوگ میرے حوض پر آنے کی کوشش کرینگے، لیکن فرشتے ان کو روکدینگے۔ میں دریافت کرنے پر

معلوم ہوگا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے میرے بعد دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرلی تھیں۔ تو میں بھی ان کو دور سے پھٹکار دونگا، اور کہونگا کہ ہاں ہاں! ان کو دور ہی رکھو (بخاری مسلم) مسلمانو! غور کرو کہ ایک بدعت کو رواج دینے کا جو انجام ہوگا وہ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے۔ جس کام سے خود جناب رسالتمآبؐ ہی ناراض ہوں، اور جس سے خود حضورؐ ہی کی نظر رحمت سے محرومی کا ڈر ہو، بھلا وہ کام کیونکر ثواب اور دین کا ہوسکتا ہے۔ بس اس بدعت سے باز آؤ، اور جس طرح تم آجکل مولود کی رسم مناتے ہو، اسے قطعاً چھوڑ دو، اللہ سے توبہ کرو، اور آئندہ سے راہ مستقیم پر چلنے کا عہد کرو۔ اگر کوئی ملّا، مولوی تمہیں بہکانے کی کوشش کرے تو صاف صاف کہدو کہ قرآن، حدیث، یا کم سے کم حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے حالات اور سوانحعمری میں ہم کو دکھا دو کہ انھوں نے کبھی بھی اس طرح سے میلاد کیا ہو، اگر انھوں نے نہیں کیا تو ہم بھی نہیں کرینگے۔

ہاں اگر صحیح طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار منانا چاہتے ہو تو اس کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ سال بھر ں ایک دن یا دو چار دن قوالوں کو بلوا کر نعت سن لو، یا مولود سعدیؒ پڑھوا کر اس کے جھوٹے قصوں پر اعتقاد جما لو۔ لہ اپنی ہر ہر بات کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ تلاش کرو، اپنی شکل وصورت، رفتار وگفتار، لین دین، کھانے ینے، اٹھنے بیٹھنے، ملنے جلنے، غرض زندگی کے ہر لمحے میں مجسّم یادگار بن جاؤ۔ دیکھنے والے تمہیں دیکھکر ہی کہدیں کہ بیشک اس نبیؐ کے پیرو ہیں، جس نے دنیا کو امن وراحت کا پیغام دیا، جو اخلاق وشرافت کا مجسمہ تھا جس نے اپنی زندگی تھوڑی سی مدت میں سرزمین عرب کی کایا پلٹ دی۔ جس نے درندوں کو انسان، اور انسانوں کو اشرف ترین انسان بنا دیا ں نے عرب کے بادیہ نشینوں اور اونٹ کے چرواہوں کو، قیصر وکسریٰ کی باجبروت حکومتوں کا تخت نشین بنا دیا۔ جس نے سل ونسل، قوم ووطن کے امتیازات اور تفاخر جاہلیت کو مٹا کر، صرف ایمان اور تقویٰ کو معیار شرافت قرار دیا۔ جس نے نت میں خیانت کو بے ایمانی، اور عہد کرکے بدعہدی کو بے دینی کا درجہ دیا۔ جس نے صدیوں کی ذہنی غلامی اور دماغی لومی کو صرف حریت آشنا ہی نہیں، بلکہ حریت آموز بنا دیا۔ جس نے مدتوں کے بچھڑے ہوئے دلوں اور ایک دوسرے کے جانی دشمنوں کو، آپس میں بھائی بھائی اور ایک دوسرے کا جان نثار ومددگار بنا دیا۔ جس نے پتھروں سے مار مار کر لہان کر دینے والے کافروں کے حق میں بھی بددعا نہیں کی، جس نے تیرہ سال تک مکہ معظمہ جیسی مقدس زمین پر ہر طرح اذیتیں پہنچانے والوں، میدان اُحُد میں پیشانی مطہر کو زخمی اور دندان مبارک کو شہید کرنے والوں، وطن سے بے وطن کرنے پر بھی ایک لمحہ چین سے نہ بیٹھنے دینے والوں کو، اپنا پورا اقتدار واختیار حاصل ہو جانے کے باوجود لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (جاؤ آج تم سب کو معافی ہے) کا مژدہ سنایا۔ ؎

خطاکار سے درگذر کرنے والا　　بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کو زیر وزبر کرنے والا　　قبائل کو شیر وشکر کرنے والا

اُتر کر حِرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

جس نے اپنے پیرووں کو رنج و راحت، مرض و صحت، غمی و خوشی، امیری و غریبی، تنگدستی و فارغ البالی، زندگی و موت غرض ہر لمحے اور ہر سانس میں صرف خدائے واحد ہی کے سامنے جھکنے کی تعلیم دی ہے

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اُسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لَو اس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اُس کے آگے جھکاؤ

اسی پر ہمیشہ بھروسا کرو تم اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم اسی کے طلب میں مرو جب مرو تم

مُبرّا ہے شرکت سے اس کی خدائی
نہیں اُس کے آگے کسی کو بڑائی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

(**بقیہ صفحہ ۱۷**) ظالم ہو یا مظلوم ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ مظلوم کی مدد تو میں کرونگا مگر ظالم کی مدد کس طرح کر سکتا ہوں آپ نے فرمایا کہ ظالم کو اس کے ظلم سے روکنا درحقیقت ظالم کی مدد ہے کیونکہ ظلم کرنے سے ظالم کا نقصان ہے اور ظلم سے باز رہنے میں اس کا فائدہ ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۲) (۳) خیر خواہی - جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین باتوں پر بیعت کی ہے نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے اور تمام مسلمانوں کیلئے خیر خواہی کرنے پر (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۲) دوسری جگہ ہے جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضرورت پوری کر دیتا ہے اور نیز جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی تکلیف اور مصیبت دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن اس کی تکلیف دور فرمائیگا اسی طرح جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے (اتفاقی) عیوب کو چھپا لیتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسکے عیوب کو روز جزا چھپا لیگا (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۲) چوتھے - دو لڑنیوالوں میں صلح کرانا - فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا (الی ان قال) فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا (الی ان قال) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ (پ ۲۶ ع ۱۳) یعنی مومنوں کی دو جماعتوں یا دو شخصوں میں اگر جھگڑا لڑائی ہو تو دوسرے مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان دونوں میں عدل و انصاف کے ساتھ صلح کرا دیں کیونکہ وہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ لہذا مسلمانوں کو لڑتے جھگڑتے دیکھکر اسی حالت پر چھوڑ دینا شریعت کے نزدیک مذموم اور ناجائز ہے چہ جائیکہ مسلمانوں کو آپس میں لڑوانا؟ فقط

رہبر اعظم

سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے نظیر اخلاقی کارنامہ

(از مولوی عبید الرحمٰن صاحب طالب رحمانی)

قدرت کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ جب کبھی روئے زمین پر وحشت و بربریت جہالت و گمراہی طغیان وسرکشی ظلم واستبداد کا دور دورہ شروع ہوتا ہے حق کی جگہ باطل کا بول بالا ہوجاتا ہے مخلوق کا رشتہ خالق سے کٹ چکا ہوتا ہے اور دنیا ظہر الفساد فی البر والبحر کی پوری پوری مصداق ہوجاتی ہے تو عین اس وقت میں قدرت ایک ایسی ہستی کو مبعوث کرتی ہے جو دنیا اور دنیا والوں سے ضلالت وشقاوت، وحشت وبربریت، تمرد وسرکشی اور ظلم وجور کے سیاہ بادل کو چھانٹ کر دنیا کا مطلع بالکل صاف کردے اور حق وصداقت کی آواز گوشے گوشے میں پھیلاکر کذب وباطل کا بازار ہمیشہ کیلئے ٹھنڈا کردے اور مدتوں کے بھٹکے ہوئے گم گشتہ راہ انسان کو راہ مستقیم پر لگادے۔

آج سے تقریباً ساڑھے تیرہ سو برس پہلے نہ صرف ریگستان عرب میں بلکہ سارے افق عالم پر کفر وشرک جہالت وشقاوت کے سیاہ ... بادل چھائے ہوئے تھے ظلم واستبداد کا دور دورہ تھا لوگ خدائے وحدہ لاشریک کی پرستش اور پوجا چھوڑ کر کفر وضلالت وحشت وبربریت کی عمیق دلدل میں پھنسے ہوئے تھے۔ بتوں کی پوجا ہوتی، شجر وحجر کو اپنا حاجت روا سمجھا جاتا لوگوں کی رگ رگ میں اصنام پرستی سرایت کرچکی تھی، حق وصداقت کی جگہ کذب وباطل کا بول بالا تھا۔ الغرض پورا کرۂ ارضی ظہر الفساد فی البر والبحر کا مصداق بنا ہوا تھا۔ اصنام پرستی کا یہ عالم تھا کہ ستارہائے فلک سے لیکر خاک زمین کے ذرات تک کو اپنا معبود اور حاجت روا سمجھا جاتا تھا۔ ٹھیک اس وقت رحمت خداوندی جوش میں آئی اور وادئ فاران کی سربلند چوٹی پر نور ہدایت، صداقت وامانت کا روشن آفتاب اپنی پوری آب وتاب سے چمکا وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَّكِتَابٌ مُّبِينٌ (پ مائدہ ع ۳) (تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور واضح کتاب آئی) جس نے کفار عرب کے پرسکون بحر حیات میں ایک حشر انگیز تلاطم برپا کردیا اور اپنی انتھک اور پیہم کوششوں سے صدیوں کے بھٹکے ہوئے گمراہوں کو نکبت وفلاکت ضلالت وشقاوت کی ظلمتوں سے نکالکر رفعت وعروج اور ترقی کے اعلیٰ مقام پر پہنچایا۔ لیکن وہ ازلی بدبخت اور شقی جن کی آنکھیں اندھیاری اور ظلمت کی عادی ہوچکی تھیں اور جن کی رگ رگ میں غلامی سرایت کرچکی تھی جو انقلاب جیسے حیات بخش نغمہ سے گھبراتے تھے اچانک صدائے انقلاب سنکر چلا اٹھے جیسا کہ غلامی کے خوگر اور باطل پرستوں کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے۔

یہ بدنصیب باطل پرست یہ خیال کرنے لگے کہ ان کی اس چیخ وپکار سے انقلاب کی یہ آواز دب جائیگی اور ان کی پھونکوں سے ہدایت ونور کا یہ روشن چراغ گل ہوجائیگا قدرت ان کی اس روش اور بیجا سعی کو دیکھکر مسکرا رہی تھی ؎

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن + پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

لیکن جن لوگوں کے قلوب میں آزادی کی تڑپ اور سعادت وبرکت کی کچھ دبی ہوئی چنگاریاں باقی تھیں وہ اس صدائے انقلاب پر لبیک کہکر دوڑ پڑے یہی وہ پاک نفوس تھے جنھوں نے اس رہبر اعظم اور دنیا کے سب سے بڑے ریفارمر کی انقلابی تحریک کو دنیا کے چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ میں پہنچا دیا۔

مصلح اعظم سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شب وروز کفر وضلالت جہالت وشقاوت کے دریا میں ڈوبنے والوں کی کمر پکڑ کر موت کے تباہ کن بھنور سے نکالنا چاہتے ہیں لیکن ڈوبنے والے ہیں کہ الٹا آپ کا دست مبارک زخمی کررہے ہیں۔ آپ تو دن رات اسی فکر میں پریشان ومضطرب اور بے چین ہورہے ہیں کہ لوگوں کو نکبت و فلاکت اور تباہی وہلاکت کے عمیق ترین غار سے نکالکر رفعت وعروج اور ترقی کے سب سے بلند مقام لایا جائے لیکن افسوس صد افسوس گرنے والے ہیں کہ آپ پر سنگ باری کررہے ہیں آپ کو گالیاں دے رہے ہیں آپ کے راستے میں کانٹے بچھاتے ہیں نماز پڑھتے وقت ہنسی اڑاتے ہیں آپ کی گردن مبارک میں چادر لپیٹکر اس زور سے کھینچتے ہیں کہ گردن میں چادر کے نشان پڑجاتے ہیں آپ کو جادوگر اور مجنوں کہتے ہیں باہر نکلتے تو شریر اور اوباش لڑکے پیچھے پیچھے غول باندھکر چلتے ہیں نماز جماعت میں قرآن زور سے پڑھتے تو قرآن کے لانے والے اور قرآن کے اتارنے والے کو گالیاں دیتے ہیں۔

اسی پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ آپ پر غلاظت پھینکی جاتی چنانچہ ایک دفعہ آپ حرم میں نماز ادا فرمارہے تھے سرداران قریش بھی موجود تھے ابوجہل نے کہا کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ . . . . . اٹھا لاتا تاکہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدہ میں جاتے تو ان کی گردن پر ڈال دیتا۔ عقبہ نے کہا اس کام کو میں کرونگا چنانچہ اوجھ لاکر آپ کی گردن پر ڈال دی۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے مگر ان سب ایذا رسانیوں کے باوجود اس لطف وکرم کے فرشتے اور مجسمۂ اخلاق کا استقلال ملاحظہ ہو کہ آپ کی زبان مبارک سے اف تک نہیں نکلتا۔ آپ کی آنکھیں ان مصائب وآلام اور ایذا رسانیوں پر آنسوؤں کا ایک قطرہ بھی نہیں ٹپکاتیں اور نہ ہی آپ کے منہ سے اس رنج وغم کے خلاف ایک ہلکی سی آہ ہی نکلتی ہے آپ ہر قسم کا دکھ اٹھاتے ہیں مصیبتیں سہتے ہیں مگر مسکرا کر کہتے ہیں اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (اے اللہ تعالیٰ میری قوم جاہل ہے تو انھیں عقل اور ہدایت دے) کفار مکہ نے آپ پر مصائب وآلام کے پہاڑ توڑے اور سمجھا کہ اس طرح آپ کی انقلابی تحریک بند ہوجائیگی وہ آپ کے خلاف قتل کی منظم سازشیں کرتے مگر آپ اپنی عنایتوں اور کرم گستریوں سے باز نہیں آتے آپ کے خاندان اور ہمسایوں نے آپ کو گالیاں دیں مگر آپ کے منہ سے دعائیں نکلیں۔ آپ کو وطن سے بے وطن کیا گیا مگر آپ کی پیشانی پر شکن تک نہ آئی۔ آپ کو شعب ابوطالب میں بے آب ودانہ نظر بند کیا گیا مگر

آپ کے لبوں سے نفرت و انتقام کی صدا تک بلند نہ ہوئی۔

قریش مکہ نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ایک پولٹیکل کانفرنس منعقد کی گئی جس میں یہ ریزولیوشن پاس کیا گیا کہ آس پاس کے تمام قبائل کو آپ اور آپ کی جماعت کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کیا جائے یہاں تک کہ آپ اور آپ کے تمام نام لیواؤں کو صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے۔ چنانچہ بدر کی لڑائی اسی سازش کا پہلا نتیجہ اور پاس شدہ ریزولیوشن کے نفاذ کا پہلا موقعہ ہے۔

قریش مکہ نے مضافات کے مختلف قبائل میں بڑے بڑے آتش بیان شاعر بھیجے جنھوں نے رحمتؐ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زہر آلود آتش بیانی کی اور انھیں اس طرح آپ کے خلاف اکسایا کہ وہ پورے جنگی سازوسامان کے ساتھ میدان جنگ میں اتر آئے اور یہاں سے قریش مکہ کی معیت میں اور عتبہ بن ربیعہ رئیس قریش کی سپہ سالاری میں مدینہ کی جانب بڑھے اور مقام بدر کو اپنی پہلی قیام گاہ بنایا۔ آنحضرت کو بھی ان حالات کی اطلاع ہوئی کہ سارا عرب آپ کے خلاف منظم ہوکر آرہا ہے آپ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور واقعہ کا اظہار فرمایا تمام صحابہ انصار و مہاجرین نے اپنے جاں نثارانہ جذبات کا اظہار کیا۔ چنانچہ آپ بھی اپنے تقریباً تین سَو جاں نثاروں کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور بدر کے میدان میں فوج کو اترنے کا حکم دیا صبح ہوتے ہی آپ نے فوج کی صف بندی کی دونوں فوجیں باہم دست بگریباں ہوئیں اور ایک گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ مجاہدین اسلام کی شجاعت و بہادری رنگ لائی اور کفار کے بڑے بڑے جلیل القدر جرنیل اور سپہ سالار مقتول ہوکر واصل جہنم ہوئے۔ عین اسوقت جبکہ میدان کارزار گرم ہے رحمۃ للعالمین مجسمۂ اخلاق انتہائی خشوع خضوع کے ساتھ نماز گذار رہے تھے مجاہدین اسلام کا یہ عالم تھا کہ میدان جنگ میں پوری جوانمردی اور پامردی کے ساتھ بڑھ بڑھ کر بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھا رہے تھے۔ مگر مجاہد اعظم سپہ سالار کی پیشانی مبارک خدائے ذوالجلال کی دہلیز پر جھکی ہوئی تھی۔ خدائے ذوالجلال کو آپ کی یہ ادا پسند آئی۔ آسمان سے فرشتے مدد کو اترے تھوڑی دیر میں جنگ کا نقشہ بدل گیا اور رؤساء قریش جو شجاعت اور نامور قبائل کے سپہ سالار تھے ایک ایک کرکے مقتول ہوتے ہیں۔ کفار کے تقریباً ستر آدمی مقتول اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ آپ فتح و کامرانی کا پرچم لہراتے ہوئے اسیروں سمیت مدینہ میں داخل ہوتے ہیں۔

رحمۃ للعالمین کا اخلاقی کارنامہ یعنی قیدیوں کے ساتھ سلوک

ان قیدیوں میں وہ بھی تھے جنھوں نے نہ صرف آپ کو بلکہ آپ کے متبعین اور پیرؤوں کو سخت سے سخت ایذائیں دی تھیں وطن سے بے وطن کیا تھا اور آپ کے ساتھ وہ سب کچھ کیا تھا جو جانوروں کے ساتھ بھی کسی طرح روا نہیں۔ اب وقت تھا کہ آپ ایک ایک سے اپنی دیرینہ عداوت و دشمنی کا انتقام لیتے جس طرح چاہتے سخت سے سخت سزائیں دے سکتے تھے نہ کوئی بازپرس کرنے والا تھا نہ ہی کسی قسم کی رکاوٹ تھی لیکن قربان جائیے آپ کے اخلاق حسنہ اور لطف و کرم پر کہ آپ نہ صرف زرفدیہ لیکر بلکہ بہتوں کو بغیر فدیہ ہی کے رہا کردیتے ہیں۔ کتب سیر و مغازی کے مطالعہ کرنیوالوں پر غالباً یہ مخفی نہ ہوگا کہ حنین کی لڑائی میں مسلمانوں کو چھ ہزار قیدی

ہاتھ آئے تھے جن میں وہ لوگ بھی تھے جو ساری زندگی آپ کو مصائب و آلام کا ہدف بنائے رہے اور آپ کو ہر ممکن طریقہ سے مٹانے کی کوششیں کیں۔ چاہیے تو تھا کہ دستور قدیم اور جنگی قانون کے مطابق انھیں لونڈی غلام بنایا جاتا۔ لیکن رحمۃ للعالمین پیکر اخلاق مجسمۂ لطف و کرم کے رحم و کرم اور اخلاق حسنہ کو ملاحظہ کیجئے کہ جب ان قیدیوں کے بارے میں وہی چھ سردار جو طائف کے تبلیغی دورے میں آپ کے جسم مبارک کو زخمی کر چکے تھے نادم و منفعل آپ کے پاس ان کی رہائی کی درخواست لیکر آتے ہیں تو آپ تمام کو بغیر کسی معاوضہ و جرمانہ و سزا کے رہائی دیدیتے ہیں کیا کسی کو یہ وہم و گمان تھا کہ قیدیوں کی اتنی کثیر تعداد بغیر کسی معاوضہ کے دفعۃً آزاد کردی جائیگی آپ کا یہ وہ رحم و کرم اور خلق عظیم تھا جسکا دشمن بھی اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے۔

اگر آپ کے اخلاق حسنہ اور عفو و درگذر کا اس سے زیادہ اور واضح منظر دیکھنا ہو تو فتح مکہ کے واقعہ پر نظر ڈالو کہ مکہ کے فتح ہوجانے کے بعد آپ کو تمام کفار مکہ پر پوری طرح قابو حاصل ہوچکا تھا آپ چاہتے تو ہر ایک سے اپنا اور اپنے صحابہ کا بدلہ لے سکتے تھے اور جس طرح انھوں نے نہ صرف صحابہؓ کو بلکہ آپ کو بے وطن او بے آب و دانہ رکھا تھا آپ بھی انھیں گھر سے بے گھر کرتے اور پوری طرح اپنی دشمنی کا مزہ چکھاتے لیکن آپ کے لطف و کرم اور اخلاق حسنہ نے گوارا نہ کیا کہاں سے اپنی عداوت اور دشمنی کا انتقام لیا جائے اور زمین کو خون سے لالہ زار بنایا جائے حالانکہ انھیں مکہ والوں میں ابوسفیان بھی تھا جس نے نہ صرف ہجرت سے پہلے بلکہ ہجرت کے بعد بھی آپ اور تمام صحابہؓ کو جو ایذائیں دیں اور جس قدر اسلام کی دشمنی کا ثبوت دیا وہ کسی پر مخفی نہیں مگر آپ نے نہ صرف اسکو معاف ہی کردیا بلکہ اس کے گھر کو دارالامان قرار دیا اور فرمایا من دخل دار ابی سفیان فھو امن۔ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے وہ مامون و محفوظ ہے۔ ہاں انھیں دشمنان اسلام میں ابوسفیان کی بیوی ہندہ بھی تھی جس نے آپ کے محبوب چچا اور اسلام کے ہیرو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعش مبارک کے ساتھ غزوۂ احد میں کیا کچھ برا سلوک نہیں کیا۔ اس نے نہ صرف ان کے سینے کو چاک کیا بلکہ کلیجہ نکالکر دانتوں سے چبایا اور ان کے کان و ناک اور دیگر اعضاء کو کاٹ کر ہار بنایا اور گلے میں پہنا لیکن کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اپنے چچا کا انتقام لیا؟

اسی فتح مکہ میں جب آپ نے خطبہ دینے کیلئے تمام لوگوں کو جمع فرمایا تو ان میں وہ لوگ بھی تھے جو اسلام اور بانیٔ اسلام کی بیخ کنی میں سب کے پیش رو تھے وہ بھی تھے جن کی زبان و قلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے کے لئے وقف تھیں وہ بھی تھے جنھوں نے تیروں سے آپ کے دندان مبارک کو شہید کیا تھا وہ بھی تھے جنھوں نے آپ کی راہ میں کانٹے بچھائے تھے وہ تھے جو تبلیغ کے صلہ میں آپ کی ایڑیوں کو خون آلود کردیا کرتے تھے ہاں ہاں ان میں وہ بھی تھے جو غریب مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریگ پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے لیکن آپ نے ان دشمنان اسلام کی طرف دیکھا اور مجسمۂ رحم و کرم بنکر ارشاد فرمایا۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ یعنی آج کے

دن تم سے کسی قسم کا مواخذہ نہیں کیا جائیگا جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو۔

دور حاضر کے حکمرانوں کا دشمن قیدیوں کے ساتھ اخلاقی برتاؤ

آج بھی دنیا میں سینکڑوں حکمران اور حکومتیں ہیں ان کے دشمن بھی ہیں مگر کیا کبھی دیکھا اور سنا گیا ہے کہ کسی حکمران اور کشور کشا نے اپنے کسی دشمن کو اس طرح معاف کرنا تو الگ سزا میں نرمی یا کمی کی ہو۔ ہمارے سامنے دشمنوں اور قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کی ایسی خوفناک مثالیں موجود ہیں جن کو سنکر جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

آج سے بہت پہلے مصر پر نظر ڈالو جس کی تہذیب مشہور ہے مگر اسی مہذب مصر کا فرمانروا فرعون بنی اسرائیل کے سینکڑوں معصوم اور بے گناہ بچوں کو قتل کرا دیتا تھا فرعون نے بنی اسرائیل پر ظلم واستبداد کے وہ پہاڑ توڑے جنھیں سنکر روح کانپ اٹھتی ہے، قتل عام، آروں سے زندہ اجسام کو چروا دینا۔ کلہاڑیوں سے کٹوا دینا، زندہ آگ میں جلوا دینا یہی نہیں بلکہ حاملہ عورتوں کے پیٹ تک پھڑوا ڈالنا ادنیٰ سی بات تھی۔

آج یورپ کی تمام سلطنتیں اپنے تئیں تہذیب وتمدن کی مدعی ہیں لیکن ہمارے سامنے اسی مہذب یورپ کے حکمرانوں کے قیدیوں اور دشمنوں کے ساتھ اخلاقی برتاؤ کی ایسی خوفناک ودردانگیز مثالیں موجود ہیں جنھیں لکھتے ہوئے قلم کانپ اٹھتا ہے۔

ابھی کل کی بات ہے کہ اطالوی فوجوں نے حبشہ کو کس طرح تباہ وبرباد کر دیا جہاں تک حبشی فوجوں کے قتل کا تعلق ہے نظر انداز کے قابل تھا لیکن یہاں تو نہ صرف قیدیوں ہی کو ہلاک کیا جاتا ہے بلکہ زہریلی گیسوں جدید آلات جنگ اور بمبار طیاروں سے ملک کے تمام شہروں دیہاتوں باشندوں مویشیوں کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا جاتا ہے۔ جنرل فرانکو نے اسپین کو کس طرح تباہ وبرباد کیا اخبار بیں طبقہ پر مخفی نہیں۔ بڑی بڑی فلک بوس عمارتوں کو بمبار ہوائی جہازوں سے چند سکنڈ میں تودہ خاک کر دیا گیا اس وقت نہ کوئی تہذیب واخلاق کو پوچھتا ہے نہ رحم وکرم کے مقتضیات مد نظر ہوتے ہیں۔ لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل اور اخلاق حسنہ کو دیکھئے کہ آپ کے دشمن آپ کو طرح طرح کی ایذائیں دیتے ہیں آپ کو بے آب ودانہ رکھتے ہیں آپ کا عرصۂ حیات تنگ کر دیتے ہیں حتی کہ آپ کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں مگر آپ ہیں کہ باوجود ہر طرح قابو پلنے کے رحم وکرم بنکر فرما دیتے ہیں لا تثریب علیکم الیوم فانتم الطلقاء کیا آج دنیا کا کوئی حکمران اور فرمانروا رحم وکرم اور اخلاقی کارنامہ کی ایسی واضح اور زندہ مثال پیش کر سکتا ہے؟ ؎

أُولَٰئِكَ آبَائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ

إِذَا جَمَعَتْنَا يَا جَرِيرُ الْمَجَامِعُ

+++

حقوق اور آداب

(از جناب مولوی حکیم محمد بشیر صاحب مبارکپوری رحمانی)

تقریباً ہر سمجھدار جانتا ہے کہ انسان کی پیدائش عبث اور غیر مفید کام کیلئے نہیں ہے بلکہ اُسے زندگی کے اخیر لمحہ تک مفید مطلب اور کارآمد افعال قانون الٰہی کی ماتحتی میں کرنے ہیں جنھیں وہ انجام دیکر دنیا میں سرخرو اور آخرت کی جوابدہی سے بری اور اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ ان اعمال کی دو قسمیں ہیں۔ پہلے وہ اعمال ہیں جن کا تعلق محض اللہ جل شانہٗ وعم نوالہ کی ذات سے ہے دیگر مخلوقات سے کسی قسم کا بالکل لگاؤ نہیں جنھیں **حقوق اللہ** کہا جاتا ہے جیسے توحید، نماز، روزہ وغیرہ جملہ عبادات۔ دوسرے وہ اعمال ہیں جن کا تعلق بظاہر بندوں سے خود آپس میں ہے جنھیں **حقوق العباد** کہا جاتا ہے جیسے عدل و انصاف، جود و سخا، رحمت و مہربانی وغیرہ۔

انسان اپنے ابتدائے آفرینش میں جن سے روشناس ہوتا ہے وہ مہربان ماں، باپ ہوتے ہیں جنھیں بچہ کی راحت سے آرام اور تکلیف سے دکھ پہنچتا ہے جو اپنے اوپر بڑی سے بڑی مصیبت برداشت کر لیتے ہیں مگر بچوں پر اس کا معمولی اثر بھی گوارا نہیں کرتے۔ غرضکہ مادری اور پدری محبت بذات خود اتنی زبردست ہوتی ہے جو مزید دباؤ کی محتاج نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس کے بیان کی چنداں ضرورت نہ سمجھی کہ ماں باپ کا برتاؤ اپنے بچوں کے ساتھ کیسا ہونا چاہیئے۔ لیکن لڑکیاں چونکہ بظاہر ماں باپ کیلئے غیر مفید معلوم ہوتی ہیں اسلئے ممکن تھا کہ ان سے بے توجہی برتی جاتی لہذا ان کے متعلق خاص طور پر حدیث شریف میں ذکر کیا گیا عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ عَالَ جَارِیَتَیْنِ حَتّٰی تَبْلُغَا جَاءَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَنَا وَھُوَ ھٰکَذَا وَضَمَّ اَصَابِعَہٗ (مسلم، مشکوٰۃ ص ۴۲۱/۲۲) حضورؐ فرماتے ہیں کہ جس کسی نے اپنی دو لڑکیوں کی ان کے بلوغت تک پرورش کی ہیں اور وہ قیامت کے دن ایک جگہ اس طرح ہوں گے اور آپ نے اپنی انگلیاں آپس میں ملالیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسولخدا فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وَمَنْ عَالَ ثَلٰثَ بَنَاتٍ اَوْ مِثْلَھُنَّ مِنَ الْاَخَوَاتِ فَاَدَّبَھُنَّ وَرَحِمَھُنَّ حَتّٰی یُغْنِیَھُنَّ اللّٰہُ اَوْجَبَ اللّٰہُ لَہُ الْجَنَّۃَ فَقَالَ رَجُلٌ اَوِ اثْنَتَیْنِ قَالَ اَوِ اثْنَتَیْنِ حَتّٰی لَوْ قَالُوْا اَوْ وَاحِدَۃً لَقَالَ وَاحِدَۃً (مشکوٰۃ ص ۴۲۳/۲۲) یعنی جس شخص نے اپنی تین لڑکیوں یا تین بہنوں کی پرورش کی ان کو آداب شرعیہ اخلاق حسنہ سکھایا ان کے ساتھ مہربانی اور سلوک کرتا رہا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اس کی لڑکیوں یا بہنوں کو بے نیاز کر دیا۔ اللہ تعالیٰ شخص مذکور کو جنت میں ضرور داخل کرے گا ایک صحابی نے عرض کیا کہ حضورؐ اگر بجائے تین کے دو ہوں؟ حضورؐ نے فرمایا کہ دو ہوں جب بھی یہی حکم ہے راوی کہتے ہیں کہ اگر لوگ ایک کے متعلق پوچھتے تو آپ ایک کے متعلق بھی یہی حکم فرماتے۔

بچوں کو آداب و اخلاق کی تعلیم | چونکہ ضمناً ادب کا ذکر آ گیا ہے اس لئے بعض ضروری آداب و اخلاق کا ذکر کرنا مناسب

معلوم ہوتا ہے بچوں کو بچپنے ہی سے سلام اور سچ بولنے کا عادی بنانا چاہیئے۔ بدزبانی اور گالی گلوج پر مناسب تنبیہ کرنا چاہیئے۔ صفائی ستھرائی کا عادی اور میلے کچیلے رہنے سے متنفر بنانا چاہیئے۔ روتے ہوئے بچوں کو چپ کرنے کیلئے کبھی ڈرانا نہیں چاہیئے کیونکہ اس سے ہمیشہ کیلئے بزدل ہو جاتے ہیں۔ چھوٹا پن بری چیز ہے اس سے بچانا چاہیئے۔ جوں جوں بڑے ہوتے جائیں شریعت کے آسان مسائل سے آشنا کرتے رہنا چاہیئے۔ بڑوں کی فرمانبرداری اور لحاظ کا اور چھوٹوں اور کمزوروں پر رحم اور مہربانی کرنیکا عادی بنانا چاہیئے۔ سب سے بڑی چیز تعلیم ہے اس میں غفلت ہرگز نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ تعلیم ہی دینی اور دنیوی ترقیوں کا واحد ذریعہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ماں باپ ابتداء تخلیق سے لیکر جوانی تک اس کی ہر ایک ضرورت پوری کرتے ہیں اسکی معمولی تکلیف کا بھی پوری قوت سے مقابلہ کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے حقوق کو بڑی اہمیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں تقریباً چھ مواضع میں والدین کے حقوق کا ذکر کیا گیا ہے جن میں سے تین جگہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے ساتھ ہی ساتھ بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے (۱) وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ (پ ۱۵ ۳۶) (تم سب پر) تمہارے رب نے یہ فرض کیا ہے کہ بجز اپنے رب کے کسی غیر کی عبادت نہ کرو اور اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔ اگر تمہاری زندگی میں تمہاری ماں یا باپ یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُن کی کسی بات پر اُف نہ کہو اور نہ ڈانٹو بلکہ ہمیشہ ان کے تابعدار رہو اور مہربانی کرتے رہو اور دعا کرتے رہو کہ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا یعنی اے میرے رب تو میرے ماں باپ پر رحم اور مہربانی فرما جس طرح اُن دونوں نے میرے بچپنے میں میری پرورش کی۔

(۲) وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (پ ۵ ۳۶) اور عبادت کرو اللہ کی اور اسکے ساتھ اسکی ذات صفات، عبادات میں کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی اور اچھے برتاؤ کرو۔

(۳) قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (پ ۸ ۶۶) اے پیغمبر لوگوں سے کہدیجئے کہ تم پر تمہارے پروردگار نے شرک اور ماں باپ کی حق تلفی کو حرام کیا ہے پس تمہیں چاہیئے کہ اپنے رب کو اکیلا سمجھو اور ماں باپ کے ساتھ اچھے سلوک کرتے رہو۔

(۴) وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا (پ ۲۶ ۲۶) ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنیکی تاکید کی ہے (خصوصاً ماں کے ساتھ اسلئے کہ) اسکو اسکی ماں (زمانۂ حمل میں) بہت مشقت اور تکلیف سے پیٹ میں رکھتی ہے اور بڑے درد دکھ سے جنتی ہے۔

(۵) وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا (پ ۲۱

ہم نے انسان پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے حقوق کو پورے طور پر ادا کرتا رہے کیونکہ اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری اور سستی پر سستی برداشت کرتے ہوئے اسے عرصہ تک حمل میں رکھا۔ اور دو سال تک برابر اپنے جسم کا جوہر دودھ پلاتی رہی خبردار میرے حکم کی مخالفت نہ کرنا کیونکہ تمہیں میرے ہی پاس دنیا سے لوٹ کر آنا ہے۔ ہاں اگر تمہارے والدین تم سے شرک کرانا چاہیں تو اس بات میں انکی تابعداری ہرگز نہ کرنا ہاں دنیاوی معاملات میں پھر بھی ان کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آؤ۔

(۶) وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ (پ۲۰ ع۱۲) اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنیکی وصیت کی اور اگر وہ لوگ تم سے کوشش کریں کہ تم میرے ساتھ غیر کو شریک سمجھو تو تم ہرگز (اس بات میں) ان کی اطاعت نہ کرو۔ میرے پاس تمہیں لوٹ کر آنا ہے میں تمہیں ان اعمال سے خبردار کرونگا جنھیں تم دنیا میں کرتے تھے۔ مذکورہ بالا آیات شریفہ سے چند فوائد حاصل ہوتے ہیں جو ذیل میں درج ہیں۔

(۱) صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرنا (۲) کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات یا عبادات میں شریک کرنا یا سمجھنا شرک ہے۔ (۳) ماں باپ کی اطاعت کرنا خواہ اپنی مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو ضروری ہے لیکن جس صورت میں وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کسی حکم کی خلاف ورزی کو کہیں تو ان کا یہ حکم نہ ماننا چاہئے مگر پھر بھی دنیاوی معاملات میں ان کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرنا ضروری ہے (۴) ماں کے حقوق کا باپ کے حقوق سے زیادہ ہونا حدیث شریف میں ہے عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ مَنْ أَحَقُّ بِحُسْنِ الصُّحْبَةِ قَالَ أُمُّكَ ثُمَّ أُمُّكَ ثُمَّ أُمُّكَ ثُمَّ أَبَاكَ ثُمَّ أَدْنَاكَ أَدْنَاكَ (مسلم ص۳۱۲ ج۲) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اچھے سلوک کئے جانیکا کون زیادہ حقدار ہے آپ نے فرمایا تمہاری ماں پھر تمہاری ماں پھر تمہاری ماں پھر تمہارا باپ پھر قریبی رشتہ دار پھر قریبی رشتہ دار۔ سائل کے جواب میں تین مرتبہ صرف ماں کو اور چوتھی مرتبہ باپ کو ذکر کرنا ماں کی افضلیت پر کھلی ہوئی دلیل ہے۔

رشتہ داروں کے حقوق علاوہ والدین کے رشتہ دار بھی حسب مراتب احسان کے مستحق ہیں اور اس بارے میں تمام دوسرے لوگوں سے مقدم ہیں قرآن مجید نے بھی جہاں خرچ کے مصارف بتایا ہے وہاں اقربا کو دوسروں سے پہلے بیان کیا ہے۔ فرمایا وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ الآیہ (پ۲ ع۶) اور دیا مال کو باوجود اس (مال) کی محبت کے قرابت مندوں اور یتیموں اور مسکینوں وغیرہ کو۔

حدیث شریف ہے۔ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ كَبِيرِ الْإِخْوَةِ عَلَى صَغِيرِهِمْ حَقُّ الْوَالِدِ عَلَى وَلَدِهٖ (مشکوٰۃ ص۴۲۱ ج۲) آنحضورؐ نے فرمایا بڑے بھائی کا حق چھوٹے بھائیوں پر مثل باپ کے ہے اولاد پر۔ ایک حدیث میں ہے الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ (مشکوٰۃ ص۴۲۹ ج۲) خالہ بمنزلہ ماں کے ہے۔ ایک حدیث میں ہے فَإِنَّمَا عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ أَبِيهِ

یعنی چچا مثل باپ کے ہے۔" رشتہ داروں اور قرابت مندوں کے حقوق نہ لحاظ کرنیوالوں کے متعلق سخت وعید آئی ہے عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ (متفق علیہ) حضور صلعم فرماتے ہیں کہ رشتہ کا کاٹنے والا یعنی رشتہ داروں کے حقوق کا نہ لحاظ کرنیوالا جنت میں نہیں داخل ہوگا۔

میاں بیوی کے حقوق ازدواجی تعلقات اور ناتے بھی بہت اہم ہیں جن کی تفصیل کا موقع نہیں ہے تاہم مختصراً عرض ہے فرمایا اللہ عزوجل نے وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (پ۲ ع۱۲) یعنی جس طرح شوہروں کے حقوق بیویوں پر ہیں اسی طرح بیویوں کے حقوق بھی شوہروں پر ہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ شوہروں کے حقوق بیویوں کی نسبت بہت زیادہ ہیں۔ بیویوں کے حقوق کے متعلق ایک جگہ ارشاد ہے وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (پ۴ ع۱۴) یعنی اپنی بیویوں کے ساتھ عمدہ اور اچھی طرح پر زندگی بسر کرو۔ انھیں کھانے پینے پہننے اوڑھنے رہنے سہنے میل ملاپ وغیرہ سے اپنی وسعت کے مطابق خوش رکھو۔ حدیث شریف میں ہے خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ (مشکوٰۃ ص۲۸۱) تم میں بہتر اور اچھا وہ آدمی ہے جو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے۔ شوہروں کی فضیلت کی کلام پاک نے یوں توضیح فرمائی ہے اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (پ۵ ع۳) یعنی مرد حاکم ہیں عورتوں پر بدیں وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر بہت ساری فضیلتیں بخشی ہیں اور نیز مرد اپنے مالوں کو عورتوں پر خرچ کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے لَوْ كُنْتُ اٰمِرًا اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ النِّسَاءَ اَنْ يَّسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ حَقٍّ (مشکوٰۃ ص۲۸۲ ج۲) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کیلئے سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں اسلئے کہ شوہروں کے حقوق بیویوں پر کچھ ایسے ہی ہیں۔

پڑوسیوں کے حقوق پڑوسیوں کے حقوق بھی بہت اہم ہیں رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَا زَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَيُوَرِّثُهٗ (مشکوٰۃ ص۴۲۲ ج۲) جبریلؑ نے مجھے پڑوسیوں کی خیرخواہی کے متعلق یہانتک ہدایت کی کہ مجھے گمان ہوگیا کہ شاید پڑوسیوں کو بھی وارث بنا دیا جائیگا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَّا يَاْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ (مشکوٰۃ ص۴۲۲ ج۲) جنت میں وہ شخص نہیں داخل ہوگا جو اپنے پڑوسیوں کو اپنی مختلف شرارتوں سے پریشان کرتا رہتا ہے۔

مسلمانوں کے باہمی حقوق عام مسلمانوں کے باہمی حقوق بہت سارے ہیں جن میں اہم اور بڑے حقوق کا ذکر کرتا ہوں (۱) میل ملاپ اور ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی کرنا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ الآیہ (پ۲۶ ع۱۲) محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور انکے اصحابؓ کافروں کیلئے فولاد سے زیادہ سخت ہیں اور آپس میں نرمی اور مہربانی سے ملتے جلتے ہیں۔ (۲) ایک کا دوسرے کی مدد کرنا۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ اپنے بھائی مسلمان کی مدد کرو (باقی صفحہ ۸ پر ملاحظہ ہو)

اسلام کا برتاؤ غیرمسلموں کے ساتھ

(از مولوی عبدالصبور صاحب صابر بستوی متعلم جماعت رابعہ مدرسہ رحمانیہ دہلی)

دنیا کا ہمیشہ سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ حق و باطل کی معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں اور مضمون اَلْحَقُّ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی حق ہی غالب آتا رہا چنانچہ دین اسلام جب اپنے اصلی خدوخال کے ساتھ نمودار ہوا اور اس کی ضیا پاش کرنیں آفتاب عالمتاب کی طرح جملہ اطراف واکناف میں تنویر بخش ثابت ہونے لگیں اور اسلام بحرِ مواج کی طرح موجیں مارتا ہوا ہرگوشہ میں پہنچنے لگا تو حق اہل باطل کی نظروں میں خش خار چبھنے لگا اسلئے انھوں نے یہ ترکیب سوچی کہ کسی طرح لوگوں کو دین اسلام سے برگشتہ اور منحرف کیا جائے اور ابھی ابھی جبکہ اسلام اپنی ابتدائی منزلوں میں ہی تھا۔ یورپ کے ارباب حل وعقد کو اس سے ایک خطرہ محسوس ہوا۔ اور اس کا ایک علاج یہ سوچا کہ دنیا میں اسلام کے خلاف ایسا غلط پروپیگنڈا کیا جائے کہ عام طور پر لوگوں کے دلوں میں اس سے نفرت پیدا ہوجائے اور لوگ اسے عزت واحترام کی نظر سے نہ دیکھیں، اور اس کی تعلیمات پر غور کرنیکا ان کے دلوں میں شوق وجذبہ پیدا ہو چنانچہ اس کے مطابق نئی اسکیمیں تیار کی گئیں اسلام کے خلاف نئے نئے الزامات تراشے گئے اسکو بدنام کرنے کی پوری کوششیں کی گئیں اور لوگوں کے دلوں میں یہ غلط بات بٹھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ آج کل کے زمانہ میں بھی یوروپین دنیا میں جہاں کہیں اسلام کا نام آجاتا ہے فوراً قتل و خونریزی غارتگری وغداری کے ہولناک "مناظر ان کی نظروں کے سامنے آجاتے ہیں۔

پھر ان فرنگی مورخین کی اس معاندانہ روش کی تقلید بھارت کے متعصب ہندؤں نے بھی کی (جنکی آبپاشی سوامی دیانندجی کے ذریعہ ہوئی تھی) اور اپنے مناسب حال یہ مرقع تیار کرلیا کہ "مسلمان غاصب تھے ڈاکو تھے انھوں نے دیش کا کلچر بدل ڈالا۔ آٹھ کروڑ ہندؤں کو زبردستی مسلمان بناڈالا" لیکن ان سے کون کہے کہ آپ خود سربگریباں ہوکر اپنے کو دیکھ لیجئے پھر مسلمانوں کے اوپر نظر اٹھایئے مضمون کی طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم بالتفصیل بتادیتے کہ راجہ داہر جس سے فاتح ہند محمد بن قاسم کو لڑنا پڑا۔ خود اس عہد میں ان کا طرز عمل کیا تھا اور فاتح ہند محمدؐ بن قاسم کو کیوں لڑنا پڑا۔ نیز جسوقت وسط ایشیا سے آریہ فرقہ نے ہندوستان پر حملہ کرکے اسکو فتح کرلیا تو مفتوح اقوام کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا اور ان کے پولیٹکل حقوق کی کہاں تک نگہداشت کی گئی اور جنھوں نے ان کی غلامی کو قبول نہ کیا انھیں کن کن مصائب کا سامنا کرنا پڑا، کمزور طبقہ کے لوگوں کو شودر، ملیچھ وغیرہ کیوں بنایا گیا۔ غریب اقوام کیلئے کس قسم کا قانون بنایا گیا۔ پھر ہمارے ہندو دوستوں کو معلوم ہوتا کہ اپنا گھر شیشے کا بناکر دوسروں کے گھروں پر پتھر برسانا کہاں کی دانشمندی ہے۔

بہرحال آیئے۔ ذرا واقعات، مخالفین کے بیانات، اسلام کی تعلیمات، کی روشنی میں اس حقیقت کو جانچیں کہ آخر ان

الزامات کی کہاں تک اصلیت ہے کیا واقعی اسلام اپنی صداقت کی وجہ سے نہیں بلکہ تلوار کے زور سے لوگوں میں پھیلا؟ کیا درحقیقت اسلام کا برتاؤ غیر مسلموں کے ساتھ ظالمانہ تھا؟

کیا اسلام بزور شمشیر پھیلا تھوڑی سی مدت میں اسلام کی حیرت انگیز ترقی سے آپ کو تعجب ہے کہ وہ کیونکر پھیلا حق یہ ہے کہ اسلام اپنی سچائی کی وجہ سے پھیلا اور رفتہ رفتہ لوگوں کے قلوب کو مسخر کرتا گیا۔ رؤسا، قریش نیز اقوام عرب میں سے بیشتر حلقہ اسلام میں داخل ہوتے جنھیں صحابۂ کرام کے لقب سے ملقب کیا گیا جنکی وجہ سے اسلام کو غیر معمولی تقویت حاصل ہوئی۔ اسلام اور بانی اسلام نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی مخلصانہ و ہمدردانہ زندگی کا اثر خونخوار عرب پر پھیلا دیا سب کے دلوں میں جگہ بنالی اور اس طریقے سے راستبازوں کیلئے ایک درخشندہ مثال قائم فرمادی کیونکہ نیکی اور صداقت ظلم وجہالت کو مغلوب کرسکتی ہے۔

اسلام کی سچی تعلیم کو ملاحظہ فرماکر روسائے قریش صہیب رومیؓ عدیس نینوائیؓ بلال حبشیؓ عمر قرشیؓ ابوذر غفاریؓ ابوہریرہؓ دوسی حذیفہ یمانیؓ آتش پرست سلمان یہودیت تو از عبداللہ بن سلام مسند ہائے امامت کو چھوڑ کر کشتی اسلام پر سوار ہوگئے۔ آخر ان کیلئے کس قسم کی شمشیر کا استعمال کیا گیا تھا تھوڑی سی جمعیت مگر متحدہ قوت دم کے دم میں عراق ترکستان خراسان سیستان ہندوستان کو مسخر کرلیتی ہے دوسری جہت میں افریقہ الجزائر ٹیونس مراکش اسپین پر بادل کی طرح چھا جاتی ہے یہ اسی تعلیم کا کرشمہ تھا جسکو ہمارے نبی فداہ ابی وامی لیکر مبعوث ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام کا واقعہ کسکو نہیں معلوم کہ وہ محض اپنی مرضی سے مسلمان ہوئے تھے۔ وہی خالد بن ولید جو جنگ احد میں بت پرستوں کے رسالہ کی سپہ سالاری کرتا مسلمانوں کو تباہ کرنا اپنی زندگی کا فرض اولین سمجھتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد حاضر ہوتا ہے اور لات وعزیٰ کا قلع قمع کرتا ہے اور اسلامی فتوحات میں گرمجوش جرنیل کا درجہ پاتا ہے وہی عروہ بن مسعود جو حدیبیہ میں آنحضرتؐ کو مکہ میں داخل ہونیسے روکنے کیلئے قریش کا سفیر بنکر آیا تھا خود بخود مسلمان ہوکر اسلامی خدمات میں اپنی جان قربان کردیتا ہے الغرض اس قسم کے واقعات اگر جمع کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔ ان لوگوں پر تلوار کا کوئی دباؤ نہیں ڈالا گیا بلکہ ان پر صرف اسلام کی تعلیمات اور پیغمبر علیہ السلام کی زندگی نے اثر ڈالا تھا اسلام کی حیرت انگیز ترقی دیکھکر امریکہ کا مشہور عالم "ڈریپر" بے اختیار بول اٹھتا ہے کہ "کوئی مذہب اتنی جلدی اور اسقدر وسعت کے ساتھ نہ پھیلا جیسا کہ اسلام تھوڑے ہی عرصہ میں کوہ الثائی سے لیکر بحر الکاہل تک اور ایشیاء کے مرکز سے لیکر افریقہ کے جنوبی کنارہ تک جا پہونچا"

اسلام کی ہمہ گیر تعلیم نے لوگوں کے قلوب کو اسقدر گرویدہ کیا کہ اپنی جان فدا کردینا قبول کرلیتے ہیں لیکن اسلام سے برگشتگی کو اپنی موت سمجھتے ہیں حضرت بلالؓ کو دیکھو جلتی ہوئی ریت پر لٹادیئے جاتے ہیں ایک گرم پتھر ان کے سینے پر باندھ دیا جاتا ہے اور خدائے واحد سے انحراف پر مجبور کیا جاتا ہے لیکن مردانہ وار جملہ تکالیف برداشت کرتے ہیں اور زبان حقیقت ترجمان سے اَحَدٌ اَحَدٌ جاری ہے یہ اسلامی تعلیم کا کرشمہ تھا وہ جو حالت کفر میں سخت تھے وہ اسلام میں بھی

سخت ثابت ہوتے ہیں جاں ستاں جاں نثار ثابت ہوتے ہیں بڑے بڑے شہنشاہ اپنی جبیں نیاز کو خم کر دیتے ہیں۔ جو شخص سیرت خیر الانام سے واقفیت رکھتا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ اسلام نے نہ صرف اعلائے کلمۃ اللہ ہی کا فریضہ انجام دیا بلکہ وحشی اور ناتربیت یافتہ اقوام کو تہذیب و شائستگی سے آراستہ ان کی روحانی زندگی کو خوشگوار بنایا اُن میں زندگی کی تمام خوبیاں جمع کر دیں۔

اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے اس میں شک نہیں کہ اسلام بمقابلہ جملہ مذاہب امن و سلامتی کا مذہب ہے۔ اسلام اپنے ہر حکم میں امن و سلامتی صلح و شانتی کی روح رکھتا ہے اسلام دنیا کی فضا کو امن و سلامتی سے معمور کرنا چاہتا ہے دنیا میں خدائے عزوجل نے مسلمانوں کو اسی لئے بھیجا ہے کہ وہ دنیا میں امن عامہ پیدا کریں کمزور اور مظلوم اقوام کے سلاسل غلامی کو کاٹ کر ان کو پنجۂ استبداد سے رہائی دلادیں فتنہ و فساد قتل و خونریزی کا قلع قمع کر دیں اسلام ہی نے اپنے متبعین کو یہ تعلیم دی کہ ماتحت اقوام کے ساتھ رواداری سے کام لیں ان کے حقوق و مراسم کا ویسے ہی خیال رکھیں جیسا کہ اہل اسلام کا۔

اگر آنحضورؐ کی زندگی کا بامعان نظر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ قیام امن اور ملک کی بدامنی کو دور کرنے کے لئے ہر وقت سرگرم عمل رہا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے فرق مقدس پر تاج نبوت رکھنے سے پہلے مکہ کی عام آبادی میں بدامنی کے نقصانات واضح کر دیئے اور آخر جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو سب سے پہلے یہودیوں سے معاہدہ کر کے قیام امن کی خاطر ایک انجمن قائم کر کے تعمیر ملت کیلئے امن و سکون کی فضا پیدا کی۔

مذکورہ بالا دعوی کی مزید توثیق کیلئے ناظرین کو ڈاکٹر گستاولی بان مصنف تمدن عرب و تمدن ہند کے اس قول کیطرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ لکھتے ہیں کہ "جب ہم فتوحات عرب پر نگاہ ڈالتے ہیں اور ان کی کامیابی پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اشاعت مذہب میں تلوار سے کام نہ لیا گیا کیونکہ مسلمان ہمیشہ مفتوح اقوام کو اپنے مذاہب کی پابندی میں آزاد چھوڑ دیتے ہیں اگر اقوام عیسوی نے اپنے فاتحین کے دین کو قبول کر لیا اور بالآخر ان کی زبان کو اختیار کر لیا تو یہ محض اس وجہ سے تھا کہ انھوں نے اپنے جدید حاکموں کو ان قدیم حاکموں سے جنکی حکومت میں اسوقت تھے بہت زیادہ منصف پایا۔ ان کے مذہب کو اپنے مذہب سے اچھا پایا یہ امر تاریخ سے ثابت ہو چکا ہے کیونکہ مذہب بزور شمشیر نہیں پھیل سکتا۔ (تمدن عرب ص۱۲۷)

اب کوئی منصف مزاج ایک غیر مسلم کے اس بیان پر غور کرے اور فیصلہ کرے کہ اسلام کی ترقی کے اسباب کیا تھے؟ —

ذیل میں ہم تاریخی واقعات نیز مخالفین کے بیانات سے آپ پر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ قرآن کریم غیر مسلموں سے کس قسم کے سلوک کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اسلام کا اپنے عروج کے زمانے میں غیر مسلموں کے ساتھ کیسا برتاؤ رہا ہے۔ قرآن کریم مسلمانوں کو تعلیم دیتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ سختی سے مت پیش آؤ ان کے ساتھ حسن سلوک سے کام لو۔ اگر تم ان میں دعوت و تبلیغ کرنا چاہو تو وہ طریقہ اختیار کرو جس سے صرف افہام و تفہیم مقصود ہو۔ فرمایا اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ الخ (نحل پ۱۴ ع۲۲) یعنی لوگوں کو اپنے رب کے راستہ کی طرف دانائی اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ بلاؤ۔

قرآن عزیز نبی کریم کے متعلق فرماتا ہے کہ ترقی اسلام کا سب سے بڑا سبب آپکا اخلاق اور نرم دلی ہے وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ الخ (آل عمران پ ۴ع) یعنی اگر آپ سخت دلی سے پیش آتے اور غیر اقوام کے ساتھ اگر آپ کا جابرانہ سلوک ہوتا تو لوگ اپنی توجہ آپ کی طرف سے ہٹا لیتے ۔قرآن میں جہاں مسلمانوں کو جہاد کا حکم ملتا ہے ۔وہاں یہ بھی حکم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ہر وقت صلح کیلئے تیار رہنا چاہئے ۔کیونکہ جنگ صرف دو وجہوں سے جائز ہو سکتی ہے ۔اول مدافعت کیلئے دوم اصلاح کیلئے ۔یعنی دنیا میں امن و سلامتی برقرار رکھنے کیلئے اب اگر یہ مقصد بغیر جنگ کے حاصل ہو تو اسے فوراً قبول کر لینا چاہئے ۔جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ۔ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۔(نساء پ ۵ع) یعنی جب تمہارے دشمن جنگ سے باز بیٹھیں تو تم ان کے مقابلہ میں تلوار نہ اٹھاؤ اگر تمہیں معلوم ہو کہ وہ صلح کرنا چاہتے ہیں تو تم ان سے صلح کرو اگر وہ تم سے ہاتھ روک لیں لڑنا چھوڑ دیں اور تمہارے پاس پیغام صلح بھیجدیں تو پھر تمہیں دست درازی کا کوئی حق نہیں اللہ نے ایسی صورت میں تمہارے لئے ان کے اوپر کوئی راستہ نہیں نکالا ہے پھر فرمایا وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ (توبہ پ ۱۰ع) یعنی اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ چاہے تو اس کو پناہ میں لے لو ۔

اسلام کی سب سے اعلیٰ تعلیم یہ ہے کہ قرآن آنحضورؐ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے ۔ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۔یعنی اے نبی کریم کہدو کہ اے کافرو! ہم جو پوجتے ہیں اس سے تمہیں انکار ہے اور تم جسکی پرستش کرتے ہو اس سے ہمیں انکار ہے لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ٥ ہمارا دین ہمارے لئے تمہارا دین تمہارے لئے تم پر ہم کسی قسم کا جبر نہیں کرتے اب یہ دیکھئے کہ غیر مسلم اقوام جو اسلامی حکومت کے دائرہ میں تھیں ان کے ساتھ سلوک برتنے کیلئے شارع اسلام نے کس قسم کے قواعد مرتب فرمائے ۔فتح مکہ سے قبل کوئی غیر مسلم قوم بحیثیت رعایا کے نہ تھی فتح مکہ کے بعد بہت سی قومیں اسلامی دائرہ میں داخل ہوئیں اور جو مسلمان نہیں ہوئے ان کے لئے حسب ذیل قوانین مرتب فرمائے جن پر خلفائے راشدین کے عہد میں پوری طرح عمل ہوا ۔ (۱) کوئی دشمن کسی ذمی پر حملہ کرے گا تو اسکی مدافعت کی جاویگی (۲) جزیہ کی ادائیگی کے لئے انھیں محصل کے پاس نہ جانا ہوگا بلکہ محصل خود آکر وصول کرے گا ۔ (۳) ذمیوں کو ان کے مذہب سے برگشتہ نہ کیا جاویگا (۴) ان کی جان و مال کا تحفظ کیا جاویگا (۵) ان کے تجارتی قافلوں کا انتظام اسلامی حکومت کریگی (۶) انکی آراضیات پر کوئی غاصبانہ قبضہ نہ کیا جاویگا (۷) ان سے فوجی خدمت نہ لی جاویگی اور نہ جزیہ کے علاوہ کوئی اور رقم طلب کی جائیگی ۔

ان قوانین کا اندازہ ان اعلانات سے لگائیے جو غیر مسلموں کی حفاظت اپنے ہاتھ میں لیتے وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمائے تھے جیسا کہ آپ نے نجران کے عیسائیوں کو لکھکر دیا تھا ۔ولنجران وحاشیتھا جوار اللہ وذمۃ محمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی انفسھم واموالھم وملتھم وارضھم وغائبھم وشاھدھم لا یغیر ما کانوا

علیہ ولا یغیر من حقوقہم وامثلتہم ولا یفتن اسقف من اسقفتہ ولا راھبٌ عن رھبانیۃ ولا یحشرون ولا یعشرون ولا یطأ ارضھم جیش (کتاب الخراج لامام ابی یوسف) یعنی نجران اور اسکے باشندگان اور اطراف وجوانب کے لوگوں کو اللہ کی طرف سے پناہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کے مالوں انکے نفسوں ان کے مذہب ان کی زمین وغیرہ کی حفاظت کا ذمہ دیا جاتا ہے سبکے سب پہلی حالت پر باقی رکھے جاویں گے ان کے حقوق میں کوئی تغیر وتبدل نہ کیا جائیگا کوئی پادری اور کوئی راھب اپنے طریقہ ومذہب سے برگشتہ نہ کیا جائیگا نہ ان کو شہر بدر کیا جاویگا نہ عشر لیا جاویگا نہ کوئی لشکر انکو تباہ کریگا نہ کوئی لشکر انکی زمین کو روندیگا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اصول مرتبہ نبوی پر خلفائے اسلام نے کہاں تک عمل کیا سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب حیرہ پر مسلمانوں کا تسلط ہوا تو وہاں کے عیسائیوں کو آپ نے یہ عہدنامہ لکھکر دیا لا یھدم لھم بیعۃ ولا کنیسۃ ولا یمنعون من ضرب النوافیس ولا من اخراج الصلبان فی یوم عیدھم (کتاب الخراج لامام ابی یوسف ص۸۵) یعنی ان کے گرجے اور عبادتخانے ڈھائے نہیں جائیں گے۔ ان کو صلیب نکالنے اور سنکھ بجانے سے منع نہ کیا جائیگا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں ایک عورت نے مسلمانوں کی ہجو میں چند اشعار کہے جنکو ایک افسر نے سنکر اس کا ہاتھ کٹ ڈالا چنانچہ یہ خبر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پہنچی آپ نے اس افسر کو خط لکھا کہ "اگر وہ مسلمان تھی تو اسے کوئی معمولی سزا دینی چاہیے تاکہ اسے ایک گونہ تنبیہ ہوجاتی اور اگر وہ ذمی تھی تو اسے درگذر کرنا چاہیے کیونکہ ہم نے ذمیوں کے جان ومال کی حفاظت کی ذمہ داری لیلی ہے جب ہم ان کے شرک سے چشم پوشی کرتے ہیں تو یہ جرم تو بہت معمولی تھا" (تاریخ طبری واقعات سنہ ۱۱ھ)۔

اسکے بعد سیدنا حضرت عمرؓ کا زمانہ شروع ہوتا ہے اکثر قوانین نبوی کا نفاذ عملاً آپ ہی کے زمانہ میں ہوا تھا۔ آپکے عہد میں اسلامی تصویر عملاً مکمل ہوچکی تھی۔ آپ کی خلافت کے متعلق بہت غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں اسلئے ہم چند واقعات سے ان الزامات کا قلع قمع کردینا چاہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یروشلم جب فتح ہوا تو آپ نے وہاں کے ذمیوں کیلئے ایک عہدنامہ لکھوایا جس سے ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مفتوح ومغلوب ہونیکی حیثیت سے ان کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا گیا عہدنامہ یہ ہے:- "یروشلم کے ذمیوں غیر مسلم رعایا کو ان کی جان ومال کی حفاظت کی ضمانت دی جاتی ہے ان کی زمینوں ان کے مذہب میں کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائیگا ان کے کلیساؤں معبدوں کو نہ منہدم کیا جائیگا نہ کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائیگا۔ ان کے اوقاف کو بحال رکھا جائیگا۔ اہل یروشلم کو اپنے مذہب کی پابندی میں آزادی ہوگی۔ ان کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائیگا۔ (اسلام اور مذہبی رواداری مؤلفہ پرویزی۔ اے)

ہرقل نے اسی یروشلم میں قیامت برپا کررکھی تھی اور جسقدر مظالم وہاں کے یہودیوں پر توڑے جاتے تھے اس کے متعلق ایک یعقوبی فرقہ کا بطریق لکھتا ہے کہ "ہرقل نے اپنی مملکت میں اعلان کررکھا تھا کہ جو عیسائی اس کا ہم خیال نہ ہو

اس کی ناک کاٹ ڈالی جائے اس کا گھر لوٹ لیا جائے۔ یعقوبی فرقہ کے عیسائیوں کو اپنے سامنے نہیں آنے دیتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ خدائے عزوجل نے اسمٰعیلؑ کے گھرانے سے ایک ایسی ہستی کو مبعوث فرمایا جس نے ظالم رومیوں کے پنجۂ استبداد سے رہائی دلائی۔ ان علاقوں کو فتح کر لینے کے بعد مسلمانوں نے کسی عیسائی سے اسکے مذہب کے معاملہ میں تعرض نہ کیا" (اسلام اور مذہبی رواداری)۔ ذمیوں کے حقوق کے متعلق حضرت عمرؓ کو اتنا خیال تھا کہ ان کے متعلق آپ کے آخری الفاظ یہ تھے" میں ذمیوں کے حقوق اپنے جانشین کے سپرد کرتا ہوں ان کو خدا ورسولؐ نے پناہ دے رکھی ہے اسلئے میرے جانشین کو خیال رکھنا چاہیئے کہ جو معاہدے ان کے ساتھ ہوئے ہیں ان پر شدت سے پابندی ہو ان پر کسی قسم کا زائد بوجھ نہ ڈالا جائے" (طبقات ابن سعد جس کی تائید آرنلڈ نے بھی کی ہے)۔

اسکے بعد حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ شروع ہوتا ہے اس دور میں بھی غیر مسلموں کے ساتھ جو برتاؤ ہوا اس کا اندازہ اس ایک ہی شہادت سے ہو سکتا ہے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مرو کے ایک بطریق (پادری) نے ایران کے لارڈ بشپ کو ایک خط لکھا جس کے الفاظ یہ ہیں" اہل عرب جن کو خدائے واحد نے تمام دنیا کا بادشاہ بنایا ہے ہمارے مذہب پر کوئی حملہ نہیں کرتے ہماری عبادت گاہوں کیلئے عطیے دیتے ہیں ہماری مذہبی روایات کا پورا لحاظ رکھتے ہیں ان کی حکومت میں ہمیں ہر طرح کی آزادی ہے مذہبی کاموں میں اعانت کرتے ہیں (رسالہ ترجمان القرآن ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ)

اس کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت کا آغاز ہوتا ہے آپ کی خلافت کا مہتم بالشان واقعہ یہ ہے کہ ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تھا۔ آپ کے حکم سے مسلمان کو گرفتار کیا گیا اور مقتول کے خاندان کو سپرد کر دیا گیا جب قبیلے والوں نے دیت لیکر قاتل کو رہا کر دیا تو حضرت علیؓ نے قبیلہ والوں سے دریافت کیا کہ تم لوگوں نے قاتل کے قبیلے کے ڈر سے اسکو رہا کر دیا تو مقتول کے قبیلے والوں نے جواب دیا کہ نہیں ہم نے اپنی خوشی سے کیا ہے (زیلعی ص۴۲)

اس سے بڑھکر وہ واقعہ کسکو نہیں معلوم کہ جنگ صفین میں جاتے وقت آپ کی زرہ گم ہو جاتی ہے لیکن جنگ سے واپس آنے کے بعد وہی زرہ آپ ایک یہودی کے پاس دیکھتے ہیں اور اس سے مطالبہ کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ زرہ ہمارے پاس سالہا سال سے ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے لیکن آپ باوجود جملہ اختیارات کے عام آدمیوں کی طرح مقدمہ دائر کرتے ہیں۔ جب آپ مدعی ہونے کی حیثیت سے مسلمان قاضی (جج) کے سامنے حاضر ہوتے ہیں، تو وہ آپ سے شہادت طلب کرتا ہے۔ آپ گواہی میں اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو پیش کرتے ہیں۔ حاکم اس کا لحاظ نہیں کرتا کہ آپ خلیفۂ وقت ہیں۔ ایک جلیل القدر صحابی ہیں بلکہ اس اسلامی اصول کے ماتحت کہ بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں معتبر نہیں، اس معاملہ میں حضرت حسنؓ کی شہادت نامنظور کر دیتا ہے۔ یہ بے نظیر انصاف دیکھکر یہودی حیران ہو گیا۔ اور فوراً اسلام قبول کر لیا (ترجمان القرآن مذکور) بعد کے خلفاء بھی انھیں روایات کو ملحوظ خاطر رکھکر اپنا لائحہ عمل امن ورواداری، عدل وانصاف کے ساتھ مرتب کیا کرتے تھے۔

روح اخبار

—— ریلوے حکام نے مسافروں کی حفاظت کیلئے خاص انتظامات شروع کردیئے ہیں۔ تمام ریلوے لائنوں میں خطرے کی زنجیریں زنانہ تیسرے درجوں میں اور زیادہ لگادی گئی ہیں۔ اور زنانہ انٹر کے درجوں میں دروازوں اور کھڑکیوں دونوں میں حفاظتی کھٹکے اور زیادہ لگائے جارہے ہیں (صدق)

—— امریکہ میں ایک لاکھ بچے بن بیاہی ماؤں سے ہر سال پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور یہ شرح تدریجاً برابر بڑھ رہی ہے چنانچہ اگر کوئی بالکل خلاف توقع مانع نہ پیش آگیا تو دس برس کی مدت میں ناجائز ولادتوں کی تعداد کوئی ۱۵ لاکھ تو ہو جائیگی (صدق)

—— معلوم ہوا ہے کہ ملک معظم کی حکومت نے حکومت ہند کے سپلائی ڈپارٹمنٹ کو لکھا ہے کہ وہ دس لاکھ فوجی بوٹوں کی فراہمی کا انتظام کرے۔ جس کی لاگت اندازاً ایک کروڑ روپیہ ہوگی۔ معلوم ہوا ہے کہ فوجی لوگوں کو کمبل پہنچانے کے آرڈر ۹۰ لاکھ روپیہ تک پہنچ چکے ہیں۔ (تیج)۔

—— وزیر تعلیم ترکی نے حکم صادر کیا ہے کہ لڑکیوں کو بھی فوجی تربیت دینی چاہئے۔ تاکہ اگر ترکی کو اپنی حفاظت کیلئے لڑنا پڑے تو میدان جنگ میں مردوں کو بھیجنے اور باقی سرگرمیوں کا چارج لینے کا اہل عورتوں کو بنایا جائے۔ اب تمام زنانہ سکولوں میں ہفتے میں چار گھنٹے لڑکیوں کو فوجی تربیت دیجائیگی۔ (زمزم)

—— حکومت حجاز ایک مجوزہ اسکیم کے پیش نظر حجاز کے مرکزی شہروں میں سڑکوں کا ایک جال بچھانے کی سعی میں شب و روز منہمک ہے اور اس کے ساتھ خاص طور پر زراعت اور آبپاشی کے ذرائع کی بہم رسانی حکومت کی تمامتر توجہ کو اپنی جانب مبذول کئے ہوئے ہے۔ (خادم الحرمین)

—— حکومت پنجاب نے اعلان کیا ہے کہ صوبہ پنجاب میں کوئی شخص اسلحہ یا اس قسم کی دیگر اشیا جو بطور ہتھیار استعمال ہوسکیں فوجی نوعیت کی کسی ورزش یا اجتماع میں حصہ نہیں لے سکتا۔

—— نئی دہلی انڈین ریڈکراس سوسائٹی کا ایک اعلان مظہر ہے کہ ہندوستان سے ترکی کے زلزلہ زدگان کی امداد کیلئے ۷۰ ہزار ۶۲۴ روپے بھیجے

—— یکم مارچ ۱۹۴۰ء سے ریلوے مسافروں کے کرائے میں فی روپیہ ایک آنہ کے حساب سے اضافہ کردیا گیا ہے۔

—— ایک عورت الہ آباد سے ٹرین میں سوار ہوئی، تین اسٹیشن گذر جانے کے بعد دو نوجوان اسکے ڈبہ میں داخل ہوئے ان میں سے ایک نوجوان نے گاڑی میں داخل ہوتے ہی رومال (کلوروفارم) ہلانا شروع کردیا۔ جس میں سے بھینی بھینی خوشبو کے جھونکے عورت کی جانب آنے لگے۔ چند لمحے کے بعد عورت بیہوش ہوگئی اور جب اُسے ہوش آیا تو اس کے بکس میں سے دو ہزار روپیہ کا سامان چوری ہوچکا تھا اور دونوں نوجوان غائب تھے۔ (زین دنیا)

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب پرنٹر پبلشر نے جید برقی پریس، ہا ہما چھپوا کر دفتر رسالہ محدث دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع کیا۔

یادگار فدائے علم و دین جناب شیخ عطاء الرحمن صاحب مرحوم و مغفور

رسالہ

محدّث

دھلی

ملکیّت

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب، مہتمم دارالحدیث رحمانیہ دہلی

فہرست مضامین

مقاصد

(۱) کتاب وسنت کی اشاعت ۔
(۲) مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح ۔
(۳) دارالحدیث رحمانیہ کے کوائف کی ترجمانی ۔

ضوابط

(۱) یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو شائع ہوتا ہے ۔
(۲) یہ رسالہ ان لوگوں کو سال بھر مفت بھیجا جائے گا ۔ جو ہم بذریعہ منی آڈر ٹکٹ کیلئے دفتر میں بھیجدینگے وی پی نہیں بھیجا جائیگا ۔
(۳) اس رسالہ میں دینی، علمی، اصلاحی، اخلاقی، تمدنی، تاریخی مضامین بشرط پسند شائع ہونگے ۔
(۴) ناپسندیدہ مضامین محصولڈاک آنے پر واپس کئے جائیں گے اور شائع شدہ مضامین واپس نہیں ہونگے ۔
(۵) جوابی امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے ضروری ہیں ۔ (۶) فتوی پوچھنے ولے سوال کیساتھ جواب کیلئے ٹکٹ ضرور بھیجیں

پتہ

منیجر رسالہ محدث دارالحدیث رحمانیہ دھلی ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

محدث دہلی

نگران اصول
مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

جلد ۸ | ماہ مئی سنہ ۱۹۴۰ء مطابق ربیع الاول سنہ ۱۳۵۹ھ | نمبر ۱

محدث کا آٹھواں سال

انگریزی تاریخوں کے حساب سے مئی کے مہینے سے محدث کی نئی جلد شروع ہوتی ہے اسلئے یہ پرچہ محدث کی آٹھویں جلد کا پہلا نمبر ہے یعنی خدا کے فضل وکرم اور اس کے انعام واحسان کی بدولت مسلسل سات سال تک آپ کی خالص دینی وملی خدمتیں انجام دینے کے بعد اب نئے دم خم کے ساتھ محدث نے اپنی زندگی کے آٹھویں سال میں قدم رکھا ہے۔ اس سات سالہ دور حیات میں محدث نے اپنا مذہبی فریضہ سمجھکر کن کن موقعوں پر آپ کی کس کس طریقے سے رہنمائی کی، اسکا فیصلہ تو درحقیقت آپ ہی کا ایمان او روجدان کر سکتا ہے۔ لیکن اتنا کہے بغیر تو ہم نہیں رہ سکتے کہ بحمد اللہ اس کے قدردانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد ہماری پوری پوری حوصلہ افزائی کر رہی ہے دفتر میں ایسے خطوط موصول ہوتے رہتے ہیں، جن میں از راہ ذرہ نوازی کارپردازان محدث کی خدمتوں کی خوب خوب داد دیجاتی ہے ہمارا دل تشکر وامتنان کے جذبات سے پُر ہوجاتا ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے حلقۂ ارادت میں مردوں کے ساتھ ساتھ بہت سی باعصمت وباعفت خواتین بھی ہیں۔ ابھی ابھی مونگیر سے ایک بہن نے ایک مختصر سا مضمون بھیجا ہے اور ساتھ ہی محدث کے ساتھ اپنی دلی عقیدت ومحبت کا بھی اظہار کیا ہے۔

~~~~~~~~

آپ کے نزدیک یہ محض میری حسن ظنی اور والہانہ عقیدت ہی کا نتیجہ کیوں نہ ہو، لیکن میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس کے اس مرحوم بزرگ اور مخلص بانی کے خلوص کی کارفرمائیاں ہیں جس کی یادگار میں یہ قائم ہے جس کی رگ رگ میں دین اور علم دین کی تبلیغ وترقی کا جذبہ موجزن تھا جس کی زندگی کا آخری لمحہ بھی اسی تفکر وتخیل میں گذرا کہ دین الٰہی کو کس کس طرح سربلند کیا جائے۔ اور اللہ کے
~~~~~~~~

بندوں کو کتاب وسنت کی سرمدی حلاوت سے کیونکر لذت آشنا بنایا جائے۔ جو رات دن اسی کھوج میں رہتا تھا کہ اللہ کی دی ہوئی دولت کو اس کی راہ میں خرچ کرنے کی کہاں کہاں ضرورت درپیش ہے۔ اور دین الٰہی کی تبلیغ واشاعت کی کیا کیا صورتیں . . . ہوسکتی ہیں۔ محبت دینی اور دردمندیٔ ملت کا یہی بے پناہ جذبہ تو تھا جس نے جود وسخا کے اس بحر بیکراں کو دارالحدیث رحمانیہ جیسی عظیم الشان درسگاہ کے تقریباً ایک ہزار روپیہ ماہوار خرچ کا بارگراں تنہا اپنے کندھوں پر اٹھائے رکھنے کی ہمت دلائی۔ جس نے اپنی جیب خاص سے مستقل تنخواہوں پر مبلغین کی ایک جماعت ملک کے مختلف حصوں میں پھیلا دینے کا شوق دلایا۔ جس نے مختلف قسم کے تبلیغی اور اصلاحی رسالے اور کتابیں چھپوانے اور مفت تقسیم کرانے پر ادبھارا۔ اشاعتِ کتاب وسنت کی یہی وہ سچی تڑپ تو تھی جس نے مرحوم کو تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی جیسی بے نظیر اور عظیم الشان کتاب کی تالیف میں حضرت مؤلف علیہ الرحمۃ کا ہاتھ بٹانے کیلئے، اپنے مدرسہ کے ایک لائق اور فاضل استاذ کو اپنی اصل تنخواہ پر بھیجنے کے لئے مجبور کیا۔ چنانچہ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب شیخ الحدیث مدرسہ رحمانیہ ایک سال تک مؤلف علامؒ کی خدمت میں رہے۔ اور اس شرح اور اس کے ساتھ ایک نہایت مبسوط اور معرکۃ الآرا مقدمہ کی تالیف وتدوین میں خاتم المحدثین نوّر اللہ مرقدہٗ کے لئے بہت کچھ راحت وسہولت کا باعث بنے۔ مدت ہوئی کہ یہ شرح چار جلدوں میں شائع ہو کر ملک میں پھیل گئی۔ اور آج عرب وعجم کا گوشہ گوشہ اس سے فیض یاب ہو رہا ہے ہمیں خوشی ہے کہ حضرت مولفؒ کے بھتیجوں کی طرف سے اس کا مقدمہ بھی زیر طبع ہے، اور امید ہے کہ زیادہ سے زیادہ ایک ماہ میں چھپکر شائع ہوجائیگا۔ غالباً ہندوستان میں یہ پہلا مقدمہ ہے جو کسی حدیث کی کتاب کی شرح کے ساتھ مستقل طور پر شائع ہو رہا ہے اس کے مطالعہ سے نہ صرف یہ کہ جامع ترمذی کے غوامض علمیہ ہی آئینہ ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔ بلکہ علوم حدیث کے جملہ رموز ونکات کی معرفت کی نئی نئی راہیں کھلجاتی ہیں۔ یہ مقدمہ فن حدیث کے جن قیمتی مباحث پر مشتمل ہے، ان کی نظیر شاید کسی دوسری کتاب میں آپ کو نہ مل سکیگی۔ خصوصاً جامع ترمذی کے متعلق تو ایسی کتاب آج تک لکھی ہی نہیں گئی۔

ناممکن تھا کہ حدیث نبوی کی اتنی بڑی خدمت انجام پا رہی ہو، اور اللہ کا وہ نیک دل اور فیاض بندہ جس نے کتاب وسنت کی ترویج واشاعت کے لئے اپنی دولت کے دہانے کھولدیئے ہوں، اس سے کلیتہً محروم رہے۔ چنانچہ قدرت نے خود اس کے اسباب پیدا کئے، اور دارالحدیث رحمانیہ کے مرحوم مہتمم نے حسب توفیق آلہی اس میں حصہ لیا۔ اور آج ان کے باقیات صالحات میں دوسری بہت سی چیزوں کے ساتھ اس شرح اور اس کے بے نظیر مقدمے کو بھی کسی نہ کسی حد تک ضرور شمار کیا جلئے گا +

ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دوسری بے شمار دینی خدمتوں کے ساتھ ساتھ اس عظیم الشان خدمت کو بھی قبول فرمائے اور اس کو ان کی مغفرت اور رفع درجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین یا ارحم الراحمین

(مدیر)

صفحہ تفسیر

قرآنی معارف وحقایق

(از جناب مولوی عبد الغفار صاحب حسن عمر پوری فاضل مدرسہ رحمانیہ دہلی واستاذ جامعہ حمانیہ بنارس)

ذیل میں مصر کے مشہور عالم استاذ محمد عبدہ کی بلند پایہ تفسیر کے ایک حصہ کا ترجمہ درج ہے جس میں علامہ موصوف نے سورہ والضحیٰ . . . . . کے معانی ونکات نہایت بلیغانہ انداز میں بیان کئے ہیں۔ اگر موقعہ ملا تو آئندہ انشاءاللہ اس تفسیر کے دوسرے حصوں کا بھی ترجمہ پیش کیا جائے گا۔ (حسن)

(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم)

وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی، قسم ہے آفتاب کی روشنی کی اور رات کی جبکہ سکون پر ہو، ضحی کے معنی ہیں سورج کی روشنی جبکہ دن اپنی جوانی کی منزل طے کر رہا ہو، رات کے سکون سے مقصود یہ ہے کہ تمام مخلوق خواب استراحت میں محو ہو جاتی ہے ساری فضا پر سناٹا چھا جاتا ہے۔ اور ہر قسم کی چہل پہل ہنگامہ آرائیاں خموشی سے بدل جاتی ہیں مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی، تمہارے رب نے نہ تم کو چھوڑا اور نہ تم سے ناراض ہوا + وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی، بیشک تمہارے کام کی انتہا ابتدا سے بہتر ہے + وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی، حق تعالیٰ عنقریب تم کو اپنی نوازشوں اور بے پایاں عنایتوں سے مالا مال کرے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ یعنی وحی کا سلسلہ شروع ہو گا جس سے تم اور تمہاری قوم روشنی پائیگی۔ دین کو غلبہ اور عروج حاصل ہو گا، مسلمان دنیا کی قوموں کے امام اور رہنما بنینگے۔

تمام روایات کا اتفاق ہے کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ ابتدائے نبوت میں کچھ عرصہ وحی نازل ہوئی پھر سلسلہ بند ہو گیا جس کی بنا پر کہا گیا کہ محمدؐ کے خدا نے اسکو چھوڑ دیا ہے اور اس سے ناراض ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرما کر تسکین واطمینان دلایا۔ ارشاد باری ہوا کہ جس نے تم کو ابتدائی زندگی میں طرح طرح کی نعمتوں اور نوازشوں سے مالا مال کیا وہ اب کیسے بے یار ومددگار چھوڑے گا۔ اس کی رحمت وشفقت جس طرح پہلے تمہارے شامل حال تھی ویسے ہی آئندہ بھی رہیگی۔ اس لئے ان نعمتوں کے شکریہ میں ہمارے احکام بجا لاؤ انہی احکام کی تفصیل فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ سے شروع کی گئی ہے یہاں پر یہ نکتہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ابتدار بعثت میں کلامی الٰہی کا لطف اٹھایا تو ایسا چسکا لگا کہ وحی کی بندش آپ پر نہایت شاق گذری، اور آپ کا اشتیاق روز بروز بڑھتا گیا، ساتھ ہی ساتھ قلق اور بے تابی بھی تھی کہ یہ مبارک سلسلہ کیوں رک گیا۔

ظاہر بات ہے کہ آپ بشر تھے ایسے موقعہ پر بیقراری اور قلق کا ظہور فطرتی امر ہے۔ دوسرے انسانوں سے آپ کے امتیاز اور فوقیت کی وجہ صرف وحی ربانی ہے ورنہ آپ میں اور دوسرے لوگوں میں نفس بشریت کے اعتبار سے

کوئی فرق نہ تھا۔ اس حقیقت کو بار ہا قرآن مجید نے بیان کیا ہے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (کہف ع ۱۲) اے محمدؐ اعلان کردو کہ میں تو تم جیسا انسان ہی ہوں (ہاں اتنا شرف مجھے حاصل ہے) کہ میری طرف وحی کا نزول ہوتا ہے صحیح روایت میں ہے کہ آپ کو وحی کی بندش کا اسقدر صدمہ تھا کہ کئی بار آپ پہاڑ کی بلند چوٹیوں پر تشریف لے گئے تاکہ وہاں سے گرکر اپنی شمع حیات گل کردیں لیکن بروقت فرشتہ کی آمد نے آپ کو اس ارادہ سے باز رکھا اس واقعہ کی پوری تفصیل سورۂ علق میں آئے گی۔

مذکورہ بالا روایت سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ آنحضرتؐ کو کس قدر قلق اور ملال تھا۔ وحی کے نزول کیلئے کس طرح آپ بیتاب وبیقرار تھے اسی لئے حق تعالیٰ نے تسلی دی اور پریشان وغمگین دل کو سکون بخشا اور فرمایا کہ یہ تاخیر ناراضگی اور خفگی کی بناپر نہ تھی۔ اسی مفہوم کو پورے طور پر ذہن نشین کرانے کیلئے ابتدائے سورۃ میں آفتاب کی روشنی اور رات کے سکون کی قسم ذکر کی گئی۔ اور بتلایا گیا کہ قلب نبوت پر وحی کی پہلی چمک بمنزلہ آفتاب کی روشنی کے ہے کہ جس سے تمام مخلوق نشوونما پاتی ہے۔ وحی کی جلوہ افروزیوں کے بعد جو بندش ظہور میں آئی وہ بمنزلہ رات کے ہے جس کے سناٹے میں تمام مخلوق راحت وآرام حاصل کرتی ہے اور آئندہ سرگرم عمل ہونے کیلئے اپنے آپ کو مستعد اور چست بناتی ہے۔ یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں نزول وحی کے وقت نہایت سخت تکلیف محسوس کی اور آپ حضرت خدیجہؓ کے پاس اس حال میں آئے کہ آپ کے شانے کانپ رہے تھے۔ اور آپ بار بار زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ (مجھے کمبل اوڑھاؤ مجھے کمبل اوڑھاؤ) فرمارہے تھے۔

پھر کچھ عرصہ کیلئے وحی کی بندش اس لئے ہوئی کہ آپ آئندہ کیلئے پوری طرح مستعد وتیار ہوجائیں۔ اور وحی کے مسلسل نزول کیلئے قلب مبارک میں کامل ثبات وقرار پیدا ہوجائے اس صورت میں حق تعالیٰ کا آپ کی بعثت سے جو مقصد تھا وہ پوری طرح رونما ہوا۔ اسی لئے فرمایا وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى دوسری حالت پہلی حالت سے بہتر ہے۔ یعنی وحی کا دوبارہ سلسلہ پہلی بار سے خوش تر ہے۔ کیونکہ اس سے دین کمال کو پہنچیگا، اور خدا کی نعمت سب کو اپنے آغوش میں لے لیگی۔ وحی کی ان دونوں حالتوں میں وہی فرق ہے جو اجمال وتفصیل میں ہوتا ہے۔ شروع میں اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ (اپنے پروردگار کے نام سے پڑھو) سے باری تعالیٰ کی ربوبیت وخالقیت سے روشناس کیا گیا اور بعد میں عقائد واحکام کی تفصیل بیان ہوئی۔ اسی معنی کی تاکید کیلئے فرمایا وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى گویا آنحضرتؐ کو ابھی تکمیل واتمام کا انتظار تھا، اور اس کے حصول کیلئے نہایت مشتاق تھے۔ آپ کا دل بغیر تکمیل دین کے راضی نہ تھا لیکن وحی کی بندش سے اس تکملہ کے نزول میں دیر ہوگئی تو آپ کا دل فرط شوق سے بے چین ہوگیا۔

حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ جس کا تم کو بے تابی سے انتظار ہے وہ ضرور عطا ہوگا اور اتنا عطا ہوگا کہ تم راضی ہوجاؤ گے، اور مسلمانوں کے عظیم الشان مجمع میں پوری مسرت وانبساط کے ساتھ یہ ربانی اعلان سناؤ گے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ

اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۰ (مائدہ ع ۱) آج میں نے دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت پوری کر دی اور دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کر لیا۔ یہ وعدہ بیس سال سے کچھ زیادہ عرصہ میں پورا ہوا اسی لئے "سوف" استعمال کیا گیا۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۰ کیا خدا نے تم کو یتیم نہیں پایا پس پناہ دی، اس آیت کا انداز بیان کلام عرب کے محاورہ کے مطابق ہے یعنی تم یتیم بیکس تھے خدا نے تم کو اپنے آغوش رحمت میں جگہ دی۔ آپ نے یتیمی کے زمانے میں بھی دُرِ یتیم کی طرح پرورش پائی دنیا میں تشریف آوری سے پہلے ہی والد انتقال کر چکے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کے دادا عبد المطلب اور دائی حلیمہ کے سینے آپ کی محبت و الفت سے لبریز کر دیئے، ان دونوں نے پوری توجہ کے ساتھ آپ کی پرورش کی۔ آٹھویں سال میں قدم رکھا تھا کہ یہ شفیق مشفق دادا بھی چل بسے۔ عبد المطلب کی وصیت کے مطابق ابو طالب آپ کے چچا نے کفالت کا بار اٹھایا، بچپن میں پوری توجہ سے نگہداشت کی اور بلوغت کے بعد بھی انتہائی محبت و شفقت سے پیش آئے۔ نبوت کے اعلان کے بعد بھی حمایت و اعانت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ابو طالب کی وفات کے بعد قریش آنحضورؐ کی ایذا رسانی پر دلیر و بیباک ہو گئے۔ ایسے وقت میں ہجرت کا حکم ہوا اور آپ نے مدینہ طیبہ میں جا کر پناہ لی۔ ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اب اس آیت میں غور کرو اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۰

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۰ خدا نے تم کو حیران پایا پس راہ دکھلائی۔ آنحضرتؐ نے موحدانہ حالت میں نشو و نما پائی کبھی کسی بت کے سامنے سر نہ جھکایا اور نہ کسی حیا سوز مفسد اخلاق منظر کی طرف نگاہ اٹھائی۔ اسی بنا پر قوم میں امین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ شرک اور خواہش نفس دونوں قسم کے ضلال (گمراہی) سے آپ بہت دور رہے۔ ابتدا عمر سے حق تعالیٰ نے آپ کو دونوں گمراہیوں کی آلائشوں سے بچایا تاکہ آپ کا مرتبہ قوم میں بلند ہو اور آپ کے پسندیدہ اخلاق و عادات سے گمراہ لوگ اثر پذیر ہو کر اپنے دلوں کو ایمان کی روشنی سے منور کریں، لیکن ضلال کی صرف یہی دو صورتیں نہیں ہیں بلکہ چند قسمیں اور بھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ نجات کی راہ مشتبہ ہو جائے اور حیرت و تردد کی وجہ سے بہت سی راہوں میں سے ایک راہ کا انتخاب نہ ہو سکے۔ آنحضورؐ کو مشرکانہ رسوم کی بنا پر اپنی قوم کا دین ناپسند تھا یہودیت و نصرانیت یہ دونوں مذہب آپ کے سامنے تھے دونوں توحید کے دعویدار تھے اور ہر ایک میں نبی کی شریعت موجود تھی۔

غور کا مقام یہ تھا کہ ان دونوں دینوں میں سے کسی ایک دین کو اختیار کرنے میں فلاح و نجات مل سکتی ہے۔ ان دونوں مذہبوں کے صرف ظاہری دعاوی آپ کے سامنے تھے۔ امّی ہونے کی وجہ سے آپ عقائد و احکام کی تفصیل سے ناآشنا تھے اور جو خرابیاں مشرکین عرب میں تھیں ان سے یہ مذاہب بھی پاک نہ تھے۔ شرک اور فسادِ اخلاق کی آلائشوں سے ان کا دامن آلودہ تھا۔ ان حالات میں یہ دونوں مذہب بھی منزلِ مقصود تک پہنچانے کے قابل نہ تھے۔ ایک طرف یہ حیرت تھی دوسری طرف عرب کی سیاسی معاشرتی اخلاقی پستی دیکھ کر تردد رہتا تھا۔

عقائد کی خرابی، عقل کی کمزوری، وہم کا غلبہ، رسم و رواج کی بندشیں فواحش کا زور، ان تمام بیماریوں نے ان کے

شیرازہ کو پراگندہ اور ان کی جمعیت کو منتشر کیا ہوا تھا، خون ریزی، سفاکی اور ظلم وستم حق تلفی نے ان کو وحشت و بربریت کا مجسمہ بنا دیا تھا۔ اخلاق پست ہو گئے تھے، تہذیب وادب سے ناآشنا تھے۔ اس پراگندہ حالی سے اغیار نے فائدہ اٹھا کر ان پر غلبہ پایا۔ اور جس طرح چاہا ان کو پیسا۔

عرب کے ایک حصہ پر حبش وایران کا تسلط تھا اور دوسرے گوشہ پر رومیوں کی حکومت تھی۔ عرب کو ذلت سے نفرت تھی لیکن اس کے اسباب سے الفت، تباہی اور بربادی سے بھاگتے تھے مگر چلتے اسی راہ پر جو ان کو ہلاکت کے سمندر میں ڈبو دے۔ ان حالات میں ایک ایسے انسان کے دل میں کیا جذبات پرورش پا سکتے ہیں جو سراپا رحمت اور غمگسار وغمخوار ہو۔ عقائد واعمال کی اصلاح کیسے ہو؟ سوتی ہوئی قوم کس طرح بیدار ہو، شرک اور فساد اخلاق کی تاریک بدلیاں کس طرح چھٹیں۔ یہی وہ تردد ہے جس میں آپ ہر لحہ غرق رہتے، یہی وہ پریشانی تھی جس نے آپ کے آرام کو تلخ کر دیا تھا۔ یہی وہ حیرت ہے جو خدا کے برگزیدہ بندوں کے دلوں میں انسانی فلاح وسعادت کے احساسات کو جگاتی ہے۔ یہی وہ ظلمت ہے جو خدا کی راہ میں چلنے والوں کے سامنے حائل ہوتی ہے لیکن حق تعالیٰ اپنے نور جبیں کے ذریعہ اس ظلمت کے پردے کو چاک کر دیتا ہے اور ان کے دل عزم، ثبات اور یقین کی روشنی سے جگمگانے لگتے ہیں یہی وہ درجہ ہے جس سے انبیاء کرام کی مقدس جماعت ہی سرفراز ہو سکتی ہے۔ اسی حیرت کو اس مقدس سورۃ میں "ضلال" کہا گیا ہے۔ موحد اس روشنی کے پانے سے پہلے حیران ہوتا ہے کہ اپنے خالق کو کس طرح پہچانے اور اس کی صفات عالیہ کا تصور کیونکر کرے۔

آنحضورؐ آفتاب نبوت کے طلوع ہونے سے پہلے اسی حیرت سے نجات پانے کیلئے غار حرا میں خلوت گزیں ہوتے اور نور ہدایت طلب فرماتے تھے یہ سلسلہ برابر جاری رہا یہانتک کہ وحی کی روشنی نے خانۂ دل کے گوشوں کو چمکا دیا بجائے حیرت کے یقین اور بجائے پریشانی کے اطمینان نصیب ہوا۔ اب نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا کو تاریکی سے نکالنے اور پستی سے ابھارنے کیلئے آپ پر نجات وفلاح کی راہیں بے نقاب ہو گئیں۔

بتاؤ اس نعمت سے بڑھکر بھی کوئی نعمت ہو سکتی ہے، وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝ اسی مفہوم کو سورۂ شوریٰ میں یوں بیان فرمایا ہے۔ وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ أَلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ۝ (پ۲۵ س شوریٰ ع۵) اسی طرح ہم نے اپنے احکام کی وحی تم پر اتاری، تمہیں کیا خبر تھی کہ ایمان کیا ہے اور کتاب کسے کہتے ہیں لیکن ہم نے اس وحی کو نور بنایا اس کے ذریعہ جسکو چاہتے ہیں سیدھی راہ دکھلاتے ہیں، تم اسی راہ کو بتلاتے ہو جو خدا کی راہ ہے جس کے لئے زمین وآسمان کی کائنات ہے۔ خبردار! سب کاموں کا انجام خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔ "ضال" کی یہ صفت آپ کے لئے باعث تحقیر نہیں بلکہ موجب رفعت وعزت ہے آپ عالم نہ تھے رب نے آپ کو سکھلایا، آپ وحی سے ناآشنا تھے اس معلم اکبر نے

آپ کو روشناس فرمایا۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنىٰ ، تم کو مفلس محتاج پایا پس خوشحالی بخشی ، عائل کے معنی فقیر اور مفلس کے ہیں۔ آنحضورؐ کیلئے اس صفت کا بیان واقع کے مطابق ہے، آپ کے والد نے صرف ایک اونٹنی اور لونڈی میراث میں چھوڑی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو تجارت میں نفع بخشا اور حضرت خدیجہؓ کی دولت سے بھی کشادگی اور فراخی عطا فرمائی۔ بھلا بتلاؤ تو سہی جس نے تمہاری بیکسی اور یتیمی کی حالت میں دستگیری کی جس نے حیرانی و تردد کی وادیوں سے نکالکر رشد و ہدایت کی شاہراہ پر کھڑا کر دیا جس نے افلاس و تنگدستی کے بجائے خوشحالی اور فارغ البالی بخشی وہ کیسے آپ کو آئندہ بے یارو مددگار چھوڑ سکتا ہے جس نے تنگدستی کی کڑواہٹ چکھی ہو اس پر واجب ہے کہ خوشحالی پانے کے بعد تنگدستوں فاقہ زدوں کا غمگسار و دردمند بنے، ان کے دکھ درد کیلئے اپنے دل میں تڑپ اور جذبۂ ہمدردی محسوس کرے۔

آنحضورؐ یتیم تھے حق تعالیٰ نے یتیمی کی بیکسی آپ سے دور فرمائی اور آپ کو اپنی آغوش رحمت میں پناہ دی، کیا آپ پر واجب نہ تھا کہ اس احسان کے شکریہ میں ہر یتیم کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں اور اس کی مصیبتوں میں غمخوار و چارہ گر بنیں اسی لئے فرمایا فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ یعنی اے محمدؐ اسی لئے یتیم کو ذلت و حقارت سے نہ دیکھو بلکہ اس کو ادب و تہذیب سکھاؤ فضائل اخلاق سے آراستہ کرو تاکہ وہ جماعت کا رکن بن سکے جماعت اس سے فائدہ اٹھائے اور وہ جماعت کیلئے مفید ثابت ہو۔ اگر اس کی تربیت نہیں کی گئی اس کی نگہداشت سے غفلت برتی گئی تو اس کی بدعادتوں کے جراثیم پوری قوم کو برباد کر دینگے۔

افسوس! قوم کو احساس نہیں کہ یتیموں کی تربیت میں سستی اور بے پرواہی برتنے سے کسقدر خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اس کا احساس ہو جائے تو آج ہماری بہت سی شخصی اور اجتماعی بیماریاں دور ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح اگر ہر شخص یہ یقین کر لے کہ اس کو موت کا نشانہ بننا ہے نہ معلوم کب وہ موت کے آہنی پنجوں کی گرفت میں آجائے تو کبھی بھی اولاد کی تربیت و اصلاح میں تساہل نہ برتے بلکہ اپنی پوری کوشش اور دولت اولاد کو ادب و تہذیب سکھانے، ہنرمند بنانے کیلئے صرف کر ڈالے باپ کے مرنے پر یتیم بچے رشتہ داروں کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ اگر مال و دولت چھوڑ کر مرا ہے تو دوسرے ہضم کر جاتے ہیں اور اگر غربت ہے تو کوئی پوچھتا بھی نہیں ہے۔

آنحضرتؐ حیران تھے اللہ تعالیٰ نے حیرت و اضطراب کی دلدلوں سے نکالکر آپ کے دل کو انوار ہدایت سے جمکایا۔ اس احسان کا شکریہ یہی ہے کہ حیرانوں کو تسکین اور طالبین ہدایت کو منزل مقصود کا پتہ بتلایا جائے اسی لئے فرمایا وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ، سائل کو مت جھڑکو سائل سے مراد وہ ان پڑھ ہے جو پڑھنا چاہتا ہو اور وہ ناواقف ہے جو سیکھنا چاہتا ہو۔ طالب صدقہ فقیر مسکین مراد نہیں ہے، اسلئے کہ یہ جملہ وَوَجَدَكَ ضَالًّا کے مقابلہ میں لایا گیا ہے اگر سائل سے مراد فقیر مسکین ہوتا تو اس کو وَوَجَدَكَ عَائِلًا کے مقابلہ میں بیان کیا جاتا۔ نیز آنحضورؐ نے کبھی کسی سے

صدقہ خیرات طلب نہیں کی۔ آپ کی شان اس سے بہت بالاتر ہے۔ یہاں تو اس قسم کے سائل کو ڈانٹنے سے منع کیا جارہا ہے جیسے آپ خود پہلے تھے یعنی "طالب ہدایت" لا تنھر کے معنی یہ ہیں کہ کوئی مسئلہ پوچھنے آئے۔ کسی آیت کو سمجھنا چاہے تو جھڑکو نہیں بلکہ نرمی خندہ پیشانی سے اس کی علمی پیاس بجھاؤ خواہ وہ عقل کا کمزور ہو، نادان ہو بے سمجھ ہو، اس کے بار بار پوچھنے سے تیوری پر بل نہ آنے پائے کیونکہ تم خود حیران رہ چکے ہو لہٰذا تم کو دوسرے متحیرین سائلین سے لطف وعنایت سے پیش آنا چاہیے، سائل کی تفسیر میں لوگوں نے بہت سی بے بنیاد حدیثیں گھڑلی ہیں جن کا سرنہ پیر، آنحضرتؐ کی شان ان سے کہیں زیادہ بلند تر ہے۔

بخیل کنجوس کی عادت ہے کہ وہ اپنی دولت اور خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو لوگوں سے چھپا کر رکھتا ہے تاکہ کوئی اسکو کنجوسی پر الزام نہ دے سکے۔ لیکن سخی فیاض ایسا نہیں کرتا وہ خدا کی نعمت کو اس کی راہ میں بے پرواہی کیساتھ خرچ کرتا ہے اور بخل کی وجہ سے اپنا مال چھپاتا نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ کی حمد وثنا کے گیت گاگا کر ان نعمتوں کو بے نقاب کرتا ہے اسی لئے فرمایا وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ یعنی فقراء مساکین پر رب کی دی ہوئی نعمت خرچ کرکے اس کے فضل وکرم کا اظہار کرو۔

جسکو اللہ تعالیٰ نے تنگ حالی کے بجائے خوشحالی بخشی اسکو لازم ہے کہ تنگدستوں غمزدوں پر اپنی دولت نچھاور کردے۔ تحدیث نعمت سے مقصود اظہار فخر وعظمت نہیں، یہ چیز آپ کے مرتبہ سے بہت پست ہے اور آپ کا درجہ اس سے بہت بلند۔ اگر اظہار فخر مقصود ہوتا تو آپ اپنی دولت کو گن گن کر رکھتے اور لوگوں سے بیان کیا کرتے لیکن یہاں تو آپ نے اس ارشاد ربانی سے دوسرا ہی حکم سیکھا تھا کہ جو کچھ بھی ہوتا خدا کی راہ میں لٹا دیتے اور خود بھوکے سورہتے۔ کہا جاتا ہے کہ نعمت سے مراد نبوت ہے لیکن آیات کا سیاق وسباق بتلارہا ہے کہ یہ آیت وَوَجَدَكَ عَائِلًا کے مقابلہ میں ہے لہٰذا نعمت سے مراد خوشحالی ہے۔ واللہ اعلم

مخزن علم وادب ہے مدرسہ رحمانیہ

شمس گیاوی

مدرسوں میں ہے معزز مدرسہ رحمانیہ
واہ وا رکھتا ہے کتنا مرتبہ رحمانیہ

دوڑتے آتے ہیں اکثر تشنگان علم وفن
ہر طرف سے سن کے شان مدرسہ رحمانیہ

بھر ہی دیتا ہے ہر اک کا دامن شوق علوم
کس قدر ہے مخزن جود وسخا رحمانیہ

یہ کرامت یہ شہامت دیکھکر طلاب علم
دل ہی دل میں کہہ رہے ہیں مرحبا رحمانیہ

جو بھی آتے ہیں وہ کہتے ہیں یہی بے ساختہ
واقعی ہے خادم دین وھدیٰ رحمانیہ

الغرض کیا پوچھتے ہو اس کے فیض عام کو
مخزن علم وادب ہے مدرسہ رحمانیہ

کیوں نہ پھر دیگر مدارس پر فضیلت ہو اسے
جبکہ علم وفضل کا ہے رہنما رحمانیہ

شکر ہے میں بھی ہوں مدت سے یہاں مرہون فیض
ہو رہا ہوں فیضیاب مدرسہ رحمانیہ

شمس کی یہ ہے دعا آخر میں رب دوجہاں
دائم وقائم رہے یونہی سدا رحمانیہ

علمائے اہلحدیث کی بےنظیر دینی خدمات

جمع تدوین حدیث۔ وجہاد فی الدین

(از مولوی محمد امین صاحب شوقؔ مبارکپوری فاضل رحمانیہ)

ناظرین کرام! آج دنیا میں بے شمار فرقے، گروہ و مذاہب پائے جارہے ہیں اور ہر فرقہ و مذہب والا اپنے آپ کو راہِ راست اور حق پر سمجھکر بزعم باطل حقانیت کی راگ الاپ رہا ہے۔ اور دوسروں کو ہم مذہب بنانے اور توسیع حلقہ کے خیال میں شب و روز اپنا سر دُھن رہا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی اپنے پیشوا، ریفارمر، و قائد کے ایک قول کو بھی بسند صحیح ثابت نہیں کرسکتا۔ یہاں ایک نظر اٹھاکر یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف دیکھئے ان کی آسمانی کتاب تک محفوظ نہ رہی چہ جائیکہ کسی بات کا سلسلہ اسناد اپنے نبی یا کسی حواری تک پہنچا دیں۔ بعض باتوں کا سلسلہ اسناد یہود حضرت موسیٰ تک لیجانا چاہتے ہیں لیکن ناکامیابی ایسی کہ یا تو شمعون تک اس کا سلسلہ پہنچتا ہے یا اور بھی اس سے بیسیوں درجے نیچے رہجاتا ہے ابھی تنقید الگ ہے۔ اسی طرح عیسائی ایک مسئلہ یا ایک قول کی بھی سند حضرت عیسیٰ تک نہیں پہنچا سکتے۔ ایک مسئلہ تحریم طلاق کا سلسلہ اسناد حضرت عیسیٰ کی طرف لیجاتے ہیں لیکن سلسلہ سند ایسا مجہول اور عجیب ہے کہ سینکڑوں کذاب اور مجہول العین واسطے بیچ میں آتے ہیں کہ تنقید کی گنجائش کہاں۔ اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تُصَدِّقُوْهُمْ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ یعنی نہ ان کو سچا کہو اور نہ جھوٹا۔ غرض یہی ایک چیز ان کے مذہب کے بطلان کی بجائے خود بہت بڑی دلیل کہی جاسکتی ہے۔ بخلاف اہل اسلام کے کہ ان کے پاس ان کے ریفارمر، قائد اعظم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع اقوال و افعال حتیٰ کہ حرکات و سکنات سب کچھ صدیاں گذرجانے کے باوجود بھی ٹھیک اسی طرح محفوظ اور مامون ہیں جس طرح ہادی اعظم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حین حیات میں تھیں۔ جن کے مجموعہ کو محدثین کی اصطلاح میں "حدیث" کہتے ہیں اور محفوظ کیوں نہ رہیں؟ اصحاب رسول اللہ جن کو خدانے اسی کام کیلئے پیدا کیا تھا۔ جن کی قوت حافظہ کی نظیر آج دنیا میں ملنی محال ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و تقریرات کے دلدادہ ہوتے، رسول اللہ کو ایک لمحہ کیلئے بھی نہ چھوڑتے، حضر، سفر، سوتے جاگتے صحت، مرض ہر حالت میں آپ کے حرکات و سکنات اقوال و افعال پر نگاہ رکھتے اور بنظر عمل دیکھتے۔ جب خلوت کا وقت ہوتا اس وقت کی نگہبان ایک چھوڑ نو بیبیاں تھیں اور جناب رسول اللہ کا مکان حقیقت میں تعلیم نسواں کا ایک مدرسہ تھا اور امہات المومنین اس کی طالبات تھیں۔ جن کے معلم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ عورتیں اسلامی احکام کی شایق ویسی ہی تھیں جیسے آپ کے اصحاب، ان میں سب سے بڑھا ہوا نمبر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تھا جن کا شمار فقہائے مجتہدین میں کیا گیا ہے۔ غرض کوئی قول و فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یا وہ کام جو آپ کے سامنے کیا گیا اور آپ نے

اس سے انکار نہ فرمایا، یا وہ بات جو آپ کے سامنے کسی نے کہی اور آپ نے انکار نہ فرمایا ایسا نہ تھا کہ آپ کے اصحاب یا کسی صحابیہ یا آپ کی بی بیوں کے صفحات قلب پر پتھر کی لکیر کی طرح کندہ نہ ہو گیا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت راشدہ کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ خلفائے راشدین کے زمانہ میں احکام شرعیہ نافذ کرنے، حدود شرعیہ جاری کرنے، خصومات فیصلے کرنے، مسائل بتلانے کیلئے محض صحابہ میں ایک ایک صحابی سے پوچھا جاتا کہ کسی کو اس بارے میں کوئی قول و فعل یا تقریر دربار رسالت کی معلوم ہو تو بیان کرے۔ اگر کسی نے بیان کیا تو نہایت تشدد سے کام لیا جاتا ہے۔ اور بڑی سختی سے جرح کے سوالات کئے جاتے تاکہ وہم و شک کی گنجائش نہ رہے۔ حدیث کے ساتھ یہ انتظام اور احتیاط خلفائے راشدین کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔ اور برابر تدوین تک جاری رہے۔ تابعیوں میں رفض۔ خروج۔ ارجاء۔ قدر۔ اعتزال کے قصے چھڑ گئے لوگوں کے جھوٹ پکڑے گئے تو بنابر آیہ کریمہ اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (حجرات ع ۱) (اگر کوئی فاسق کوئی خبر لیکر آئے تو اس کی تحقیق کر لو) اور بھی تشدد شروع ہو گیا۔ اور جملہ لَوْلَا الْاِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ (اگر اسناد نہ ہوتی تو ہر شخص جو چاہتا کہدیتا) زبان زد عام و خاص ہو گیا۔ اسلئے سلسلہ اسناد ایک مستقل فن قرار دیا گیا جس کی بیسیوں شاخیں ہیں۔ المختصر جس طرح مسلمانوں کی آسمانی کتاب (قرآن) تحریف اور دیگر خرابیوں سے محفوظ رہی۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور احوال بلکہ آپ کے صحابہ و تابعین کے اقوال و احوال بھی ذرہ ذرہ محفوظ رہے۔ اور جوں جوں زمانہ گذرتا گیا محدثین استحفاظ کے قوانین میں بھی سختی بڑھاتے گئے اور تشدد زیادہ کیا گیا۔ آخر میں قوانین استحفاظ فن کی صورت میں مدون ہو کر "**اصول حدیث**" سے نامزد ہو گئے۔ اور آج یہی (مجموعہ) فرزندان اسلام کے پاس ایک ایسا انمول و بیش بہا خزانہ ہے کہ جسے بازار عالم میں کسی قیمت پر بھی نہیں خرید جا سکتا ؎

هٰذَا الْكِتَابُ لَوْ يُبَاعُ بِوَزْنِهٖ + ذَهَبًا لَكَانَ الْبَائِعُ مَبْغُوْنَا

اور یہ مایہ ناز اور بیش بہا خزانہ مسلمانوں کو محدثین کرام کی برکت سے نصیب ہوا ہے۔ اور یہ معدن اسلام اسی جماعت محدثین کرام کا رہین منت ہے۔ اس جماعت نے اپنی زندگی کا مقصد ہی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع کر کے لوگوں میں پھیلانا قرار دیا۔ اور اس فرقہ نے اپنا واحد پروگرام اور نصب العین ہی یہ رکھا کہ بجائے قَالَ فُلَانٌ قَالَ فُلَانٌ کے قَالَ اللّٰهُ وَقَالَ الرَّسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے سرمدی نغموں سے اجڑی ہوئی محفل کو پھر رونق دی جائے۔ یہی وجہ تھی کہ ان عاشقان احادیث نے ایک ایک حدیث کیلئے بحر و بر کی دلدوز جگر سوز تکلیفیں اٹھائیں۔

ناظرین کرام! تھوڑی دیر کیلئے جسمانی آنکھیں بند کر کے تصور کی آنکھیں کھول لیجئے اور چند صدیاں پیچھے ہٹ کر دنیا کی حالت پر نظر ڈالئے۔ یہ کیسی دنیا تھی؟ انسان انسان کے درمیان تعلق کے ذرائع کتنے محدود تھے۔ اس وقت نہ تار تھا نہ ٹیلیفون تھا۔ نہ ریڈیو، نہ ریل، نہ موٹر، نہ ہوائی جہاز تھے نہ مطابع اور اشاعت خانے تھے، نہ کتابیں کثرت سے لکھی جاتی تھیں اور نہ کثرت سے ان کی اشاعت ہوتی تھی۔ آج جو باتیں ہر کس و ناکس کو معلوم ہیں وہ اس زمانے میں برسوں محنت و تحقیق کے

بعد معلوم ہوتی تھیں۔ان حقائق کو سامنے رکھکر آپ غور کر سکتے ہیں کہ محدثین کو جمع و تدوین احادیث میں گوناگوں تکالیف سے کس طرح دوچار ہونا پڑا ہوگا۔یہاں تحصیل حدیث کے چند واقعات لکھدینے ضروری معلوم ہوتے ہیں تاکہ ہمارے معزز ناظرین خود اندازہ کرلیں کہ اس زمانہ میں شوق حدیث نے انھیں کس حد تک مدہوش بنا رکھا تھا۔

عبداللہ بن بریدہؓ کہتے ہیں کہ ایک صحابی مدینہ سے سفر کرکے مصر میں فضالہؓ بن عبید کے پاس (جو ایک دوسرے صحابی ہیں) پہنچے اور ملاقات ہوئی تو دیکھا کہ اپنی اونٹنی کو گھاس کھلا رہے ہیں فضالہ نے دیکھتے ہی سلام و مصافحہ کے بعد مرحبا (خوش آمدید کہا) یہ سنکر صحابی مذکور نے فضالہ سے کہا " لَمْ آتِكَ زَائِرًا " میں آپ کے پاس ملاقات کی غرض سے نہیں آیا ہوں بلکہ اس غرض سے آیا ہوں کہ آپ اور میں دونوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی تھی۔مجھے امید ہے کہ آپ کو یاد ہوگی۔آپ بھولے نہ ہوں گے فضالہ نے پوچھا کونسی حدیث؟ کہا فلاں حدیث! کہا ہاں ہاں مجھے یاد ہے۔جابرؓ بن عبداللہ (ایک جلیل القدر صحابی ہیں) کہتے ہیں کہ مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پہنچی جسکو میں نے بالمشافہ آپ سے نہیں سنا تھا۔اس کی تحقیق کیلئے میں نے ایک اونٹ خریدا اور اس پر پالان کس کر ایک ماہ کا سفر قطع کرکے ملک شام میں داخل ہوا عبداللہ بن انیسؓ (صحابی) کے دروازہ پر پہنچکر دربان سے کہا اندر جاکر خبر کردو کہ جابر دروازہ پر کھڑا ہے۔دربان نے خبر کی حکم ہوا کہ دریافت کرو کون جابر؟ کیا جابر بن عبداللہ؟ جابر نے کہا ہاں۔عبداللہ بن انیس یہ سنکر بہت جلدی میں کپڑے سنبھالتے ہوئے نکلے۔سلام و معانقہ کے بعد جابر نے پوچھا تمہاری روایت سے مجھے ایک حدیث دربارہ قصاص پہنچی ہے۔جسکو میں نے خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا ہے مجھے خوف ہے کہ مبادا میری یا تمہاری موت آجائے اور اس دولت سے محرومی رہ جائے۔یہ سنکر عبداللہ بن انیس نے وہ حدیث بیان کردی۔ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ "ہم لوگ بصرہ میں جن حدیثوں کو سنتے پھر مدینہ انھیں تحقیق کیلئے سفر کرتے کہ صحابی سے بلاواسطہ سنیں۔" ابراہیم ادھمؒ جو بہت بڑے بزرگ اور ملنے ہوئے صوفی ہیں فرماتے ہیں ان اللہ یرفع البلاء عن ھذہ الامۃ برحلۃ اصحاب الحدیث " یعنی اللہ تعالیٰ نے اس امت سے بلاؤں کو اصحاب حدیث کی طلب حدیث میں دور دور کے سفر کی مشقتیں برداشت کرنے کی وجہ سے اٹھا لیا ہے۔محدثین کی محنت اور [illegible]

گروہ ایک جویا تھا علم نبی کا + لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا + کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کئے جرح و تعدیل کے وضع قانوں + نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں
اسی دھن میں آساں کیا ہر سفر کو + اسی شوق میں طے کیا بحر و بر کو
سنا خازن علم و دیں جس بشر کو + لیا اس سے جاکر خبر اور اثر کو
پھر آپ اسکو پرکھا کسوٹی پہ رکھکر + دیا اور کو خود مزا اس کا چکھ کر
کیا فاش راوی میں جو عیب پایا + مناقب کو چھانا مثالب کو تایا

مشائخ ہیں جو قبح نکلا جتایا + ائمہ میں جو داغ دیکھا بتایا
طلسم ورع ہر مقدس کا توڑا + نہ ملا کو چھوڑا نہ صوفی کو چھوڑا
رجال اور اسانید کے جو ہیں دفتر + گواہ ان کی آزادگی کے ہیں یکسر

یہ تو متقدمین کا حال تھا۔ عہد متاخرین میں جبکہ فتنہ عظیم (تاتار) اور تفرق مذاہب وتشتت جماعت۔ وشیوع بدعات، و احاطۂ تقلید، وسدّباب اجتہاد کے مفاسد ومصائب اس زمانہ میں پوری طرح ظہور کر چکے تھے اور مسلمانوں کے علمی وعملی تنزل کا بیج اچھی طرح بارآور ہو چکا تھا۔ اس وقت بھی حدیث پر جان دینے والے اور مرمٹنے والے حضرات سے دنیا خالی نہیں ہوگئی تھی بلکہ بڑے بڑے حفاظ ونقاد علوم واعاظم نظر موجود تھے۔ ابوالفتح ابن سیدالناس الشبلی۔ شمس الدین مقدسی۔ ابوالعلاء انصاری السبکی۔ قاضی ابن الزملکانی۔ سید ابوالمحاسن دمشقی۔ ابوعبداللہ حریری ابوالعباس ابن عمر الواسطی۔ حافظ ابوالفداء عمادالدین۔ حافظ احمد بن قدامہ مقدسی۔ ابواسحاق السعیدی۔ امام برہان الدین الفزاری۔ حافظ صلاح الدین بعلبکی۔ شیخ صفی الدین بغدادی۔ حافظ ابن شامہ دمشقی۔ قاضی تقی الدین دقوقی۔ شیخ عمر بن الوردی السبکی۔ حافظ ابوعبداللہ الذہبی۔ اور ان کے علاوہ بے شمار ائمہ واعلام عہد جن کے حالات حافظ ذہبی اور ابن قدامہ عسقلانی کی مصنفات میں موجود ہیں۔ کون ہے جو ان بزرگوں کے فضل وکمال اور ورع وتقوی اور اتباع حق وسدادت سے انکار کر سکتا ہے؟ علی الخصوص حافظ مزی، برزالی ابن دقیق العید اور حافظ ذہبی تو اس پایہ کے بزرگ تھے کہ ان میں سے ہر شخص علوم سنہ کا خزانہ اور حفظ ونقد کا امیرالمومنین تھا۔ علمائے حدیث متاخرین میں کسی مصنف کا بھی ہم اخلاف امت وبیچارہ دور آخر پر اس درجہ احسان نہیں ہے جسقدر حافظ ذہبی کا۔ اور اگر کوئی اس وصف میں ان کا شریک ہے تو وہ صرف ان سے متاخر حافظ ابن حجر عسقلانی ہیں۔ وَلَيْسَ لَهُمَا ثَالِثٌ یہی دو حافظ وناقد علوم حدیث ہیں جنھوں نے نہ صرف سلف کے خزائن وذخائر خلف کیلئے محفوظ کر دیئے بلکہ تمام مشکلات ومعضلات کا رکو صاف کرکے اور ضبط واتقان وتہذیب وترتیب وتلخیص وتشریح ونقد رجال واسناد سے آراستہ وپیراستہ کرکے تمام آنیوالی امت کیلئے اتباع سنت کی راہ بالکل سہل وآسان کر دی۔ علوم اسلامیہ پر پہلا دور تدوین کا گذرا ہے اور دوسرا انضباط وتنقیح وتہذیب وتنظیم کا علم حدیث کے دور دوم میں ان دو بزرگوں کی خدمات سب پر فائق اور سب سے انفع واقع ہوئی ہیں۔ یہ ان کی خدمات حسنہ کا نتیجہ ہے کہ آج یہ علم مقدس اس قدر صاف اور پاک ہوگیا ہے کہ طالبین علم بالحدیث کیلئے کسی طرح عذرداری وبہانہ جوئی کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ امت کا کوئی فرد اب یہ نہیں کہہ سکتا کہ حدیث پر عمل کرنا بمقابلہ کتب جدل وخلاف وقال اقول وکذا عند زید وکذا عند فلاں کے زیادہ مشکل ہے۔ بلکہ جس طالب صادق کا جی چاہے آنکھیں بند کرکے اور اس صراط مستقیم پر بے غل وغش وبے خوف وخطر دوڑتا چلا جائے۔ ورضی اللہ عن الذہبی حیث یقول ؎

اَلْفِقْهُ قَالَ اللّٰهُ قَالَ رَسُوْلُهٗ + اِنْ صَحَّ، وَالْاِجْمَاعُ فَاجْهَدْ فِيْهِ

وَحَذَارِ مِنْ نَصْبِ الْخِلَافِ جَهَالَةً ✦ بَيْنَ النَّبِيِّ وَبَيْنَ رَأْيِ فَقِيْهٖ (از تذکرہ)

اس شاندار خدمت اسلام وحفاظت دین کے بعد اب ان کی جانی قربانی پر نظر ڈالئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انھوں نے حق و باطل کے مقابلہ میں اپنے خون کے آخری قطرہ تک کی بھی پرواہ نہ کی اور دار ورسن کو خنداں وفرحاں چوم کر حق کے اعلان میں اپنے صبر واستقلال کی صفحۂ دنیا پر مہر ثبت کردی۔ یہی وجہ تھی کہ فخر رسل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْصُوْرِیْنَ لَا یَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَةُ (قیامت تک میری امت کی ایک جماعت کو اللہ تعالیٰ کی مدد شامل رہیگی، ان کے دشمنوں کی مخالفتیں ان کو فنا نہ کرسکیں گی) کا مصداق امام الفقہاء والمحدثین حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسی پاک اور برگزیدہ ہستی کو اسی جماعت محدثین واہل حدیث کو قرار دینے پر مجبور کیا اور کہنا پڑا هُمْ اَصْحَابُ الْحَدِيْثِ (وہ اہل حدیث ہی ہیں) وَقَالَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ فِیْ هٰذِهِ الطَّائِفَةِ اِنْ لَمْ يَكُوْنُوْا هُمْ اَهْلَ الْحَدِيْثِ فَلَا اَدْرِیْ مَنْ هُمْ یعنی امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا اس حدیث میں طائفہ سے مراد اگر اہل حدیث نہیں ہیں تو پھر کون ہوسکتے ہیں؟ اور پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا اَهْلُ السُّنَّةِ وَلَا اِسْمَ لَهُمْ اِلَّا وَاحِدٌ وَهُوَ اَصْحَابُ الْحَدِيْثِ (غنیۃ الطالبین) یعنی اہل سنت کا ایک ہی نام ہے اور وہ نام اہلحدیث ہے۔ محدث ابن حبان نے حدیث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اولی الناس بی یوم القیمۃ اکثرھم علی صلوۃ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مجھ سے قریب تر وہ لوگ ہونگے جو مجھ پر کثرت سے درود پڑھتے ہیں) کے تحت میں لکھا ہے فی ھذا الخبر بیان صحیح علی ان اولی الناس برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القیمۃ یکون اصحاب الحدیث اذ لیس فی ھذہ الامۃ قوم اکثر صلوۃ علیہ منھم وقال غیرہ لانھم یصلون علیہ قولا وفعلا کذا فی المرقاۃ (ترجمہ) اس حدیث میں اولی الناس کی بابت صحیح قول یہ ہے کہ قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب اصحاب الحدیث ہوں گے اس لئے کہ امت میں ان سے زیادہ کوئی جماعت آپ پر درود وسلام بھیجنے والی نہیں ہے۔ اور بعض دوسرے علماء نے بھی کہا ہے کہ اس حدیث میں اصحاب الحدیث ہی مراد ہیں کیونکہ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قولاً وفعلاً درود وسلام بھیجتے رہتے ہیں۔ الغرض فرقہ اہلحدیث کا وجود مسعود (کثر اللہ سوادھم) مسلمانان عالم کیلئے باعث رحمت وبرکت ہے ہاں ہاں اسلام کی زندگی اور تازگی جماعت اہلحدیث کیساتھ وابستہ ہے۔ چھٹی صدی یا ساتویں صدی کا دور بھی بہت پرفتن اور درد انگیز گذرا ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو اندرون اسلام فرقہ بندیاں ہوچکی تھیں جن کا اصل اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ مشرکانہ رسم ورواج اور توہمات کے سیلاب میں سارے کے سارے مسلمان بہہ چکے تھے۔ دوسری طرف ہلاکو کی سرکردگی میں ان کے لشکر اہل اسلام کو فنا کے گھاٹ اتار رہے تھے۔ یہ وہ وقت تھا کہ قیامت تک کیلئے قیام سنت اور دین خالص کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ ایک طرف تو مسلمانوں کے مقدس خون سے زمین لالہ زار کی جارہی تھی اور دوسری طرف مسلمانوں کے مایہ ناز علم وفن کو دریائے دجلہ کی نذر

کیا جارہا تھا جس کی سیاہی سے کتنے روز تک پانی سیاہ ہوکر بہتا رہا۔ اس ظلم اور تعدی کے دور میں اللہ جل شانہ نے اہلحدیث کی ایک مایہ ناز اور قابل فخر شخصیت کو اپنا فرض منصبی ادا کرنے اور حفاظت اسلام کا کھلا ہوا ثبوت دکھانے کیلئے میدان میں آنیکی جرأت وتوفیق عطا فرمائی۔ پھر کیا تھا اس فدا کار اسلام نے اپنی جان سے للکار کر کہدیا کہ تجھے خدا نے جس مقصد کیلئے تخلیق کیا ہے ثابت قدمی اور عزیمت سے پورا کرکے دنیا کے سامنے اپنے اہلحدیث اور عاشق رسول اور محمدی ہونیکا ثبوت دکھادے چنانچہ حضرت شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ قربان گاہ اسلام میں آکھڑے ہوئے اس جسمانی جہاد کے ساتھ ساتھ بفضل ایزدی قلم کے گھوڑے بھی ارض قرطاس پر اس خوبی اور اس تیزی سے سرپٹ دوڑائے کہ مرتوں کے گمراہوں اور بھٹکے ہوؤں کو پھر سے جادۂ حق پر لاکھڑا کیا۔ حتیٰ کہ خود ان کے معاصرین کو یک زبان وقلم ہوکر اقرار کرنا پڑا ماراینا مثلہ وانہ ماراٰی مثل نفسہ ترجمہ نہ تو ہماری آنکھوں نے ان کا مثل دیکھا اور نہ خود ان کو اپنا سا کوئی نظر آیا ؎ اے مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم؟ خود حافظ ذہبی اپنے معجم شیوخ میں جب اس نادر الارض واعجوبہ دہر کے اوصاف ومدائح لکھتے لکھتے تھک گئے اور ختم نہ ہوئے تو بالآخر یہ کہکر خاموش ہوجانا پڑا وھو اکبر من ان ینبہ علی سیرتہ مثلی۔ وواللہ لوحلفت بین الرکن والمقام انی مارأیت بعینی مثلہ وانہ ماراٰی مثل نفسہ لما حنثت (ترجمہ) ان کا مقام اس سے کہیں زیادہ ارفع واعلیٰ ہے کہ اگر میں خانہ کعبہ میں عین رکن ومقام کے درمیان کھڑے ہوکر قسم کھاؤں کہ نہ تو میری آنکھوں نے ان کا مثل دیکھا اور نہ خود انھوں نے اپنا ہمسر پایا تو میری قسم سچی ہوگی اور میرے لئے کفارہ میں نہیں ہوگا وکفاک الذھبی شاھدا

آخرکار اس مجاہد اسلام کی شہادت انھیں خدمات کے سلسلہ میں قیدخانہ میں ہوئی انا للہ (تذکرۃ الحفاظ میں بالاختصار اور تاریخ اسلام میں بالتفصیل وخصوصیت کے ساتھ ان کے ابتلا ومحن اور شام ومصر کے دلگداز حالات لکھے گئے ہیں) جنھیں ہم بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں۔ ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

(بقیہ صفحہ ۱۹) ایک نکتہ یہاں پر یہ نکتہ بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ مذکورہ بالا آیتوں سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمانے کے کافروں کا یہ عقیدہ تھا کہ جو بشر ہو وہ رسول اور پیغمبر نہیں ہوسکتا۔ یعنی ایک ہی شخص بشر بھی ہو اور پیغمبر بھی۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ اسی کی تردید میں انبیاء نے کہا اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یعنی ہم تمہاری ہی طرح بشر ہیں (مگر ہم پر وحی آتی ہے یعنی ہم بشر بھی ہیں اور پیغمبر بھی) اس نکتہ کے سمجھ لینے کے بعد آج کل کے وہ مسلمان جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر نہیں مانتے اپنے عقیدہ پر غور کریں کہ کیا ان کے اس عقیدے کا مطلب بھی یہی نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر بھی ہوں اور بشر بھی۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ تو گویا جس طرح پہلے زمانے کے کافروں کے نزدیک بشریت اور پیغمبری دونوں کا ایک شخص میں جمع ہونا مستبعد یا محال تھا اسی طرح آجکل کے ان مسلمانوں کے نزدیک بھی یہ بعید ہے اسی لئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مانتے ہوئے بشر ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ دوستو! قرآن مجید کی آیتوں کو سامنے رکھکر انصاف کے ساتھ اپنے عقیدہ پر غور کرو، کہ کس طرح نادانستہ طور پر تم اس عقیدہ میں کافروں کے عقیدہ کے ساتھ مشابہت پیدا کررہے ہو پس اللہ سے توبہ کرو اور اس عقیدہ کی اصلاح کرو۔

انبیاء علیہم السلام کی بشریت کا ثبوت قرآن سے

(از مولوی عبدالمجید صاحب مبارکپوری متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی)

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (سورہ کہف پ۱۶) یعنی اے نبی آپ کہدیں کہ تم لوگوں کی طرح میں بھی ایک انسان ہوں وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ یہ آیت اس بات پر صاف دلالت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہونے میں دوسرے انسانوں کی طرح ایک انسان تھے۔ دوسری جگہ فرمایا قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (پ۱۵ بنی اسرائیل) یعنی اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہدیجیے کہ میرا خدا ان تمام عیبوں سے پاک ہے میں تو ایک انسان ہوں خدا کا پیغام پہنچانے والا۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (پ۱۵ سورہ بنی اسرائیل) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اے نبی آپ فرمادیجیے کہ اگر زمین پر فرشتے آباد ہوتے تو ہم فرشتے ہی کو آسمان سے پیغمبر بنا کر بھیجتے۔ اس آیت سے اصولی طور پر یہ بات معلوم ہوئی کہ چونکہ پیغمبر انسانوں کی ہدایت کیلئے آتے ہیں اسلئے وہ بھی انسان ہی ہونے چاہئیں اس کے برخلاف کافروں کا یہ خیال تھا کہ رسول تو کسی فرشتے کو ہونا چاہیئے کیونکہ ان کے نزدیک یہ بڑے تعجب کی بات تھی کہ انہی جیسا انسان نبی ورسول بنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کے سامنے اپنی نبوت کا دعوی پیش کیا تو انھوں نے آپ کی نبوت سے انکار کی جو وجہیں بیان کیں ان میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ بشر ہیں چنانچہ سورہ بنی اسرائیل میں مذکور ہے وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ؁ یعنی جب لوگوں کے پاس اللہ کی طرف سے ہدایت کا پیغام آیا تو اس پر ایمان لانے سے ان کو اس خیال نے روکدیا کہ کیا اللہ نے بشر کو پیغمبر بنایا ہے؟۔

وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے انسانوں کی طرح کھاتے پیتے دیکھکر اور اپنے کام کاج کیلئے بازاروں میں چلتے پھرتے دیکھکر بہت تعجب کرتے تھے کہ بھلا یہ کیسے پیغمبر ہوسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا مقولہ سورہ فرقان میں نقل فرمایا ہے قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ (سورہ فرقان پ۱۸) یعنی کافروں نے کہا کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھاتا ہے بازاروں میں چلتا ہے اس کے پاس کوئی ایسا فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا جو اس کے ساتھ رہ کر لوگوں کو ڈرایا کرتا یا اس کے پاس غیب سے کوئی خزانہ اترتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے وہ کھاتا۔ اور ظالموں نے کہا کہ تم لوگ ایک ایسے شخص کی پیروی کرتے ہو جس پر جادو کردیا گیا ہے" اس کے جواب میں کہا گیا تا دا تو یہ باتیں پیغمبری کے خلاف تھوڑا ہی ہیں کھانا پینا اپنے کام کاج کیلئے بازار میں آنا جانا ہر انسان کے لئے لازمی ہے

"پیغمبر" خدا نہیں ہوتا، بلکہ انسان اور خدا کا بندہ ہوتا ہے۔ اسلئے انسانی حیثیت سے جو ضروریات دوسرے انسانوں کے ساتھ ہیں وہ اس کے ساتھ بھی ہیں۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ جتنے انبیاء مبعوث کئے گئے تمام کے تمام کھانا کھاتے پانی پیتے بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۔ (سورہ فرقان پ) یعنی جتنے پیغمبر تجھ سے پہلے ہم نے بھیجے وہ سب کھانا کھاتے اور اپنے کام کیلئے بازاروں میں آتے جاتے تھے۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ (سورہ انبیاء پ) یعنی ہم نے تجھ سے پہلے جتنے پیغمبر و رسول بنا کر بھیجے ہیں وہ سب انسان تھے جن کے پاس ہم وحی بھیجتے تھے اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو اہل کتاب سے معلوم کر لو اور ہم نے ان کا جسم ایسا نہیں بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ دنیا میں زندہ رہنے والے تھے۔

نیز یہ اعتراض کہ انسان رسول اور پیغمبر کیسے ہو سکتا ہے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے کافروں نے ہی نہیں کیا تھا بلکہ آپ سے پہلے نبیوں کے متعلق بھی یہی معاملہ پیش آیا ان کے زمانے کے کافروں نے بھی اس پر تعجب ظاہر کیا سورہ ابراہیم میں ہے۔ قَالُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا تُرِيدُونَ أَنْ تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأْتُونَا بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ (سورہ ابراہیم پ) یعنی کافروں نے کہا کہ تم تو ہماری طرح کے ایک انسان ہو اور چاہتے ہو کہ ہم کو ان بتوں کی پوجا سے روک دو جن کو ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے تو تم کوئی واضح دلیل ہمارے پاس لاؤ تو رسولوں نے جواب دیا کہ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۔ یعنی ہاں! بیشک ہم بھی تمہاری ہی طرح بشر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتا ہے نبوت اور پیغمبری کی عزت سے نوازتا ہے یعنی ہم بشر بھی ہیں اور اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر بھی ہیں۔ اب میں ذیل میں اگلے پیغمبروں میں سے بعض کے متعلق قرآن مجید کی ان خاص خاص آیتوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے کافر اپنے رسولوں پر اسلئے ایمان نہیں لاتے تھے کہ وہ بشر تھے۔

حضرت ہود علیہ السلام | جب حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی بعثت کی خبر سنائی تو ان سے اس وقت کے رؤسا و امراء نے بہت خفگی کا اظہار کیا اور تمام لوگوں کو انکی اطاعت سے روک دیا اور کہا کہ جیسے تم آدمی ہو ویسے ہی وہ بھی آدمی ہیں تم بھی کھاتے پیتے ہو وہ بھی کھاتے پیتے ہیں ہم میں ان میں فرق کیا ہے پھر وہ کیسے اللہ کے رسول ہو گئے اللہ نے ان کے متعلق فرمایا وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَخَاسِرُونَ (س مومنون پ) یعنی قوم ہود میں جو امیر و رئیس کافر تھے اور جنھوں نے آخرت کے آنے کی تکذیب کی تھی اور جن کو ہم نے دنیاوی زندگی دی تھی انھوں نے کہا کہ یہ شخص ہمارے ہی جیسا ایک انسان ہے جو چیزیں تم کھاتے ہو وہ بھی کھاتا ہے جو تم پیتے ہو وہ بھی پیتا ہے

اگر تم نے اپنے جیسے انسان کی اطاعت کرلی تو گھاٹے اور خسران میں رہوگے۔

حضرت صالح علیہ السلام | حضرت صالح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کے سامنے اپنی رسالت کو پیش کیا اور کہا کہ میں اللہ کا پیغام لیکر آیا ہوں تم لوگ میری اطاعت کرو اور میری رسالت کے قائل ہو جاؤ تو اس وقت قوم نے جواب دیا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (سورہ شعراء پ۱۹) یعنی لوگوں نے کہا کہ یقیناً تم پر کسی نے جادو کا اثر ڈال رکھا ہے تم تو ہماری طرح کے ایک انسان ہو (رسول کیسے ہو سکتے ہو) +

حضرت نوح علیہ السلام | حضرت نوح علیہ السلام نے بھی جب اپنی قوم کو ہدایت کا پیغام پہنچایا اور ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی تو قوم نے آپ کا انکار کیا اور وجہ یہی بیان کی کہ یہ تو ہماری ہی طرح کے بشر ہیں۔ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ بِهٖ جِنَّةٌ الخ (سورہ مومن پ۱۸) یعنی اس قوم کے رئیسوں نے کہا کہ یہ تو تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہے جو تم پر برتر ہو کر رہنا چاہتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کوئی رسول بنا کر بھیجنا چاہتا تو ملائکہ کو بھیجتا (انسان کا نبی ہونا) تو ہم نے اپنے باپ دادوں سے نہیں سنا اس کو جنون ہو گیا ہے۔

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام | اسی طرح جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے برادر حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ فرعون کے پاس ایمان و توحید کی تبلیغ کے لئے گئے تو اس نے بھی نفی میں جواب دیا اور کہا کہ یہ دونوں تو ہمارے جیسے انسان ہیں ہم ان پر کیونکر ایمان لاسکتے ہیں۔ اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۝ (سورہ مومنون پ۱۸) یعنی ان دونوں آدمیوں پر ہم کیونکر ایمان لائیں جو ہماری ہی طرح کے آدمی ہیں اور ان کی قوم کے لوگ ہمارے غلام ہیں۔

نتیجہ | قرآن مجید کی ان مذکورہ بالا آیتوں اور ان کے علاوہ دوسری بہت سی آیتوں سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ خاتم المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام دوسرے پیغمبر سب کے سب بشر تھے اسی واسطے کافروں نے ان کو اللہ کا رسول اور پیغمبر ماننے سے انکار کیا اور کہا کہ بشر پیغمبر کیسے ہو سکتا ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کی زبانی اس غلط عقیدہ کی تردید کی اور بار بار اعلان کرایا کہ اے پیغمبر ان کو سمجھاؤ کہ بیشک ہم انسان اور بشر ہیں اور وہ بھی تمہاری ہی طرح کے بشر ہیں لیکن اس کے باوجود ہم میں اور تم میں فرق یہ ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت اور اپنی رضامندی کا راستہ بتلانے کیلئے اپنا رسول بنایا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے وحی نہیں آتی اور ہمارے پاس اس کی وحی آتی ہے تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ بشر پیغمبر نہیں ہو سکتا بلکہ بشر کو ہدایت اور تعلیم دینے والا تو بشر ہی ہونا چاہئے تاکہ وہ ان کی ہر بات سمجھ بوجھکر ان ہی کے ساتھ رہ کر عام فطری امور میں انھیں کی طرح اپنی زندگی گذار کر ان کی اصلاح کرے اور معاشرت کے طریقے بتلائے یہ تمہاری جہالت ہے کہ تم خود تو بشر ہو لیکن اپنی رہنمائی کیلئے ایک دوسری جنس کی تلاش کرتے ہو۔ اس خیال کو چھوڑو ہم پر ایمان لاؤ۔ ہماری تعلیم پر جو ہم خدا سے سیکھکر تمہارے سامنے پیش کرتے ہیں عمل کرو تاکہ تم کو دونوں جہان کی بھلائیاں حاصل ہوں۔ (باقی مضمون صفحہ ۱۶ پر ملاحظہ ہو)

اسلئے منہ سے نکلتی ہے صدائے مرحبا

(از جناب محمد یونس صاحب حافظ مبارکپوری حسین آبادی)

اے مرے پیارے محدث! تو ہے وہ حق کی ضیا — عالم اسلام وملت جس سے ہے روشن ہوا
گلشن دین نبی کا اک گل رنگیں ہے تو — سینکڑوں ہیں بلبلیں تجھ پر دل وجاں سے فدا
درحقیقت علمِ دیں کا تو ہے دُرِ شاہوار — بلکہ خورشیدِ ہدایت تجھکو کہنا ہے بجا
قوم کو دیتا ہے تو درسِ حیاتِ جاوداں — یعنی مسلم کو دکھاتا ہے صراطِ مصطفےٰ
ٹھوکریں دشتِ ضلالت میں جو کھاتے پھرتے ہیں — ان کو کر دیتا ہے تو لاکر رہِ حق پر کھڑا
دو ہی چیزوں پر فقط تیرا ہے سب دار ومدار — یک کلامِ پاک اور دویم حدیثِ مصطفےٰ
تونے صد ہا خدمتیں ہیں دین کی انجام دیں — اسلئے منہ سے نکلتی ہے صدائے مرحبا
اے محدث تو ہے بیشک خادم اسلام وقوم — یعنی تو ہے خادم دین خدا خلقِ خدا
خرمن الحاد وبیدینی پہ تو ہر ماہ میں — برق حق بنکر ہے گرتا اور دیتا ہے جلا
الغرض دین کی اشاعت تیرا نصب العین ہے — رات دن تبلیغ کی دھن میں تو رہتا ہے لگا
یوں تو اپنی ہفت سالہ زندگیِ پاک میں — گوشہ گوشہ میں پیام حق تو پہنچاتا رہا
آج لیکن عرصۂ تبلیغ میں اس شان سے — اس طرح آیا کہ باطل تجھ سے ہے تھرا گیا
اے محدث افضل العلما ایڈیٹر ہیں ترے — اور مالک ہیں رئیس القوم بے چون وچرا
وہ سخی ابن سخی ہیں اور کریم ابن کریم — عام ہے عالم میں جن کی بخشش وکرم وعطا
سرپرستی میں انھیں کی اک ہے دینی درسگاہ — ہند میں اس شان کا کوئی نہیں ہے مدرسہ
کیا کہوں کس شان سے ہوتا ہے درس علم دیں — اسکا تو ہے نام ہی دار الحدیثِ مصطفےٰ
اکدفعہ بھی آکے یاں جس نے پیا سنت کا جام — مرتے دم تک بھی نہ اترا اسکو سنت کا نشہ
حشر تک اس گلستانِ علم میں باآب وتاب — یونہی رکھ قائم بہار اے خالقِ ارض وسما
مالک وناظم جو اس کے بندۂ وہاب ہیں — خرم وخرسند یونہی رکھ انھیں یارب سدا

ساتھ ایماں کے عطا کر ان کو عمر نوح تو
دست بستہ ہے یہی ناچیز حافظ کی دُعا

فتاوے

(۱) گنّے اور پونڈے میں زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں۔ بعض لوگ گنّے کو "خضراوات" میں داخل سمجھکر کہتے ہیں کہ اس میں زکوٰۃ نہیں ہے اگر گنّے میں غلہ جات کی طرح زکوٰۃ فرض ہے تو حدیث لیس فی الخضراوات صدقۃ کی توجیہ اور اس کا صحیح مطلب کیا ہے۔

(۲) گنا کبھی شوگر فیکٹریوں کو فروخت کر دیا جاتا ہے اور کبھی کسان خود ہی راب اور شکر تیار کرتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں اسکی زکوٰۃ کیونکر نکالی جائیگی اور اسکا نصاب کیا ہے یعنی گنّے کی کسقدر پیداوار میں زکوٰۃ ضروری ہوگی۔

(۳) گنّے کئی قسم کے ہوتے ہیں اگر ایک شخص کے یہاں کئی قسم کے تیار ہوتے ہیں تو کیا وہ سب قسموں کو ملاکر نصاب پورا کرے یا ہر ایک قسم کو الگ الگ نصاب کے برابر ہونا چاہیے۔ بینوا توجروا عبدالرؤف از بستی

جواب

(۱) زمین کی ہر وہ پیداوار جو انسان کے کھانے کے کام آئے (قوت ہو یا ادام) اور ذخیرہ کی جاسکے اور ایک مدت تک باقی رہے سبزیوں ترکاریوں اور پھلوں کی طرح خراب نہ ہو جائے اس میں زکوٰۃ فرض ہے (۱) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (قرآن کریم) مسلمانو! اپنی حلال کمائیوں اور ان چیزوں سے جن کو ہم نے تمہارے فائدہ کے لئے زمین سے پیدا کیا ہے زکوٰۃ دیا کرو (۲) فیما سقت السماء والعیون اوکان عثریا العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر (بخاری ابوداود ترمذی) (۳) لیس فی حب ولا تمر صدقۃ حتی یبلغ خمسۃ اوسق (مسلم نسائی) (۴) لیس فی الخضراوات صدقۃ (ترمذی دارقطنی وغیرہ) آیت اور پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین کی تمام پیداوار میں زکوٰۃ فرض ہے۔ دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ کھجور اور کسی غلہ میں جب تک پانچ وسق نہ ہو زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ان چیزوں میں ہے جو کیلی ہوں یعنی جو معین پیمانے سے ناپی جاسکیں۔ تیسری حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سبزیوں ترکاریوں پھلوں یعنی ان چیزوں میں زکوٰۃ نہیں ہے جو ذخیرہ نہ کی جاسکیں اور جلد خراب ہو جائیں۔ قال الحافظ وھو دال علی ان الزکوۃ انما ھی فی مایکال مما یدخر للاقتیات فی حال الاختیار وھذا قول مالک والشافعی (فتح الباری ص۲۵۴)

گنّے سے مقصود بالذات شکر راب گڑ کا تیار کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ چیزیں انسان کے کھانے کے کام آتی ہیں اور ذخیرہ کی جاتی ہیں مدت تک خراب نہیں ہوتیں بعض مقامات میں ناپ کر بھی فروخت کی جاتی ہیں اسلئے آیت اور تینوں حدیثوں کی رو سے گنّے میں بلا شک وشبہ زکوٰۃ فرض ہے اور حنفیہ کے نزدیک تو بلاان قیود وشرائط کے زمین کی ہر پیداوار میں زکوٰۃ فرض ہے اسلئے گنّے میں بھی زکوٰۃ ضروری ہوگی۔ ویجب فی قصب السکر وقصب الذریرۃ لانہ یطلب بھما نماء الارض فوجد شرط الوجوب فیجب (بدائع) گنا خضراوات میں داخل نہیں ہے کیونکہ خضراوات سے بالاتفاق سبزیاں ترکاریاں پھل مراد ہیں

جو جلد خراب ہو کر ناقابل استعمال ہو جاتی ہیں اور ذخیرہ نہیں کی جاسکتیں۔ جیسے ککڑی خربوزہ تربوز شلجم چقندر آلو بینگن وغیرہ اور ہر قسم کے پھول اور ساگ پات اور امرود انار سیب وغیرہ وغیرہ "خضراوات" میں زکوٰۃ واجب نہ ہونے کی ایک یہ دلیل بھی ہے جسکو ابوالولید الباجی مالکی نے ذکر کیا ہے والدلیل علی ما نقولہ ان الخضر کانت بالمدینۃ فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بحیث لا یخفی ذلک ولم ینقل انہ امر باخراج شئ منہا ولا فیہا (منتقی)۔

(۲) گنے کا وہی نصاب ہے جو اور غلہ جات گیہوں جو دھان مٹر چنے مسور ماش مونگ کا ہے خود راب اور گڑ تیار کرنے کی صورت میں اگر گڑ اور راب کی مقدار پانچ وسق یعنی تین سو صاع (تقریباً ساڑھے اکیس من انگریزی سیر سے) یا اس سے زائد ہو تو زکوٰۃ میں مجموعی مقدار کا بیسواں حصہ نکالا جائے کیونکہ گنا بالعموم بغیر آبپاشی کے تیار نہیں ہوتا۔ شوگر فیکٹریوں کو فروخت کر دینے کی صورت میں صحیح اندازہ کرنا چاہئے کہ کسقدر گنے میں کتنا راب اور گڑ تیار ہوتا ہے اگر کسی کے یہاں پیداوار اس قدر ہوئی ہے کہ اندازہ میں پانچ وسق یا اس سے زیادہ راب تیار ہوگا تو گنا فروخت کر دینے کی صورت میں اندازہ کئے ہوئے راب کے بیسویں حصہ کی جسقدر قیمت ہو زکوٰۃ میں نکالدی جائے۔

(۳) گنے کی تمام قسمیں ایک سمجھی جائیں گی جیسے گیہوں۔ کھجور کی مختلف قسمیں ایک ہی شمار کی جاتی ہیں پس سب قسموں کو ملاکر نصاب پورا کیا جائے گا ہر ایک قسم کا علیحدہ علیحدہ بقدر نصاب ہونا ضروری نہیں ہے۔

سوال

ایک شخص صاحب ہوش اور عیالدار ہے مگر اپنے والد کا نافرمان ہے نہ تو اپنی بیوی کو خرچ دیتا ہے اور نہ ہی اپنی اولاد کو پوچھتا ہے بلکہ ان کو تنگ کرتا ہے باپ نے بوجہ شفقت اس کے بال بچوں کے نان نفقہ کا بوجھ اٹھایا ہوا ہے۔ شخص مذکور صوم وصلوٰۃ کا پابند بھی ہے لیکن والد کا نافرمان ہے کیا از روئے شریعت وہ نجات کا مستحق ہے۔ حافظ عبدالمصور، امرتسر

جواب

ماں اور باپ کی اطاعت وفرمانبرداری جب تک وہ معصیت الٰہی کا حکم نہ دیں فرض اور ضروری ہے اور ان کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الا انبئکم باکبر الکبائر قلنا بلی یا رسول اللہ قال الاشراک باللہ وعقوق الوالدین الحدیث (بخاری) یعنی اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھرانا اور ماں باپ کی نافرمانی عظیم ترین گناہ ہے۔ والعقوق ھو ایذاءھما بای نوع کان من انواع الاذی قل او کثر نھیا عنہ اولم ینھیا عنہ او مخالفتھما فیما یامران او ینھیان بشرط انتفاء المعصیۃ فی الکل (قسطلانی وغیرہ) بیوی بچوں کا خرچ اور ان کی خبرگیری شوہر کے ذمہ ضروری ہے۔ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (قرآن کریم) وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (قرآن کریم) ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ فرماتے ہیں وابدأ بمن تعول تقول المرأۃ اما ان تطعمنی واما ان تطلقنی ویقول العبد اطعمنی واستعملنی ویقول الابن اطعمنی الی من تدعنی (بخاری) پس صورت مسئولہ میں شخص مذکور

حقوق العباد ضائع کرنے یعنے ماں باپ کی نافرمانی کرنے اور بیوی بچوں کا خرچ نہ دینے کی وجہ سے بہت بڑا ظالم اور گنہگار ہے۔

وہ مسلمان جو موحد کامل ہے اور جس نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا اور تمام فرائض دینیہ واعمال صالحہ پر آخر تک کاربند رہا ایسے شخص کیلئے نجات اولی ہے یعنی وہ مرنے کے بعد عذاب قبر و عالم برزخ و عذاب قیامت سے محفوظ رہیگا اور بلا خرخشہ ابتداءً جنت میں داخل ہوگا۔ اسی طرح اُس مسلمان موحد کیلئے بھی نجات اولی ہے جس نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے گناہ کا ارتکاب کیا اور نیک عمل میں کوتاہی اور غفلت کی لیکن صحیح اور سچی توبہ کرکے مرا ایسا مسلمان بھی ہر قسم کے عذاب سے محفوظ رہ کر جنت میں داخل ہوگا (بفضل اللہ ورحمتہ)۔

وہ مسلمان موحد جس نے اپنی زندگی میں برے کام کئے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق اور انسانوں کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کی غرض یہ کہ نیک عمل میں غفلت کی اور بغیر سچی توبہ کے مرگیا ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ان شاء عذبہ وان شاء غفرلہ (بخاری) یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کو بغیر کسی قسم کے عذاب میں مبتلا کرنے کے ابتداءً جنت میں داخل کردے یعنی اس کو بھی نجات اولی حاصل ہوجائے (بفضلہ ورحمتہ) اور اگر چاہے تو گناہوں کی اور اچھے عملوں کے چھوڑنے کی سزا دیکر بہشت میں داخل کرے خواہ صرف عالم برزخ میں سزا دے اور قیامت کے عذاب سے محفوظ رکھے یا عالم برزخ اور قیامت دونوں جگہ عذاب میں مبتلا کیا جائے لیکن بہرصورت عذاب کی مدت معینہ ختم ہوجانے کے بعد اسکے لئے بھی نجات یقینی ہے (بفضلہ ورحمتہ)

صورت مسئولہ میں شخص مذکور مرتکب گناہ کبیرہ ہے اگر اپنے عمل کی اصلاح کرلے اور سچی توبہ کرکے مرے تو اس کیلئے نجات اولی ہے اور اگر بغیر توبہ کے مریگا تو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت ہے ان شاء عذبہ وان شاء غفرلہ۔

محدث کا سالِ نو ———— (از طالب اعظمی)

اے کہ دنیائے صحافت میں نہیں تیری مثال
ایک یکتائے زمانہ ہے ترا رنگیں جمال

ایک تو بزم صحافت کا ہے خورشید کمال
ایک تیرے کارنامے ہیں ادب میں بے مثال

اے محدث اے گلستان صحافت کی بہار
سال نو ہر طور سے ہو تیرے حق میں نیک فال

ظاہر و باطن ترے اک حسن میں ڈوبے ہوئے
باعث صد فرحت و بہجت ترے سب خط و خال

تیرے اک اک لفظ میں پنہاں ہے درس موعظت
قوم کی اصلاح کا رکھتا ہے تو ہر دم خیال

خدمتِ اردو ادب ہے تیرا فرضِ اولیں
تیرے دم تک غیر ممکن حسن اردو کو زوال

معترف تیرے نہ کیوں ہوں صاحب علم وادب
ہے بہار گلشنِ اردو کی تو زندہ مثال

تیرے استقلال پر ہے آفریں صد آفریں
کرسکی تجھکو نہ کاغذ کی گرانی کچھ نڈھال

سال ہفتم ختم کیا کیا حسن وخوبی سے ہوا
سال ہشتم اب مبارک ہو تجھے اے ذی کمال

یوں محدث کیوں نہ ہو مقبول خاص وعام میں
جذبۂ اسلام اے طالب نہاں ہے نام میں

روح اخبار

—— بائبل (گویا مجموعۂ توریت و انجیل) کی تقسیم و اشاعت کیلئے جو مجلسیں ہندوستان میں مسیحیوں کی قائم ہیں، ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر اور کارگزار انجمن برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی (ناگپور) ہے۔ تنہا اس انجمن کا کارنامہ یہ ہے کہ یہ اوسطاً ہر سال ۷۵ ہزار نسخے بائبل کے ہندی میں اور ۸۰ ہزار بنگالی میں شائع کرتی رہتی ہے۔ یہ انجمن ہندوستان میں ۱۸۱۱ء میں قائم ہوئی تھی، اُسی سال اس نے بائبل کے ۵۰،۰۰۰ نسخے شائع کئے۔ اب ہر سال اوسطاً ۲ لاکھ ۴ ہزار نسخے ۹۴ ہندوستانی اور ۲۶ بیرونی زبانوں میں شائع کرتی رہتی ہے۔ تقریباً تین ہزار کاپیاں بائبل کی، کلکتہ، ڈھاکہ، اور پٹنہ یونیورسٹیوں کے میٹرک پاس طلبہ کو ان کی درخواست پر مفت تقسیم کی جاتی ہیں (اسٹیٹسمین ۶ مارچ ۴۰ء بحوالہ صدق یکم اپریل ۴۰ء)

—— آغاز جنگ کے وقت سے تین مہینے کی مدت تک جنگ میں برطانیہ کے دو سو دو ہزار آدمی ضائع ہوئے۔ اتنی مدت میں برطانیہ کی سڑکوں پر جنگ کے باعث روشنی غائب۔ اندھیری سڑکوں پر، سڑکوں کے حوادث سے ہلاک ہونے والوں کا شمار ایک تخمینہ کے مطابق تین ہزار، اور ایک دوسرے تخمینہ کے مطابق چار ہزار سے بھی اوپر رہا۔ (صدق)

—— ترکی میں زلزلہ کا سلسلہ ابھی تک ختم نہیں ہوا۔ ۱۴ اپریل کو پھر خبر ملی کہ وہاں زبردست بھونچال آیا، جان و مال کا زبردست نقصان ہوا (تیج)۔

—— یکم اپریل۔ معلوم ہوا ہے کہ بمبئی میں ۱۲ سال سے کم عمر پیشہ ور گداگروں کی تعداد ۲ ہزار ہے۔ جن کی سالانہ آمدنی ساڑھے سات لاکھ روپیہ ہے۔

—— ہٹلر کی سالانہ آمدنی دو لاکھ پونڈ بتائی جاتی ہے۔ پچیس ہزار پونڈ تنخواہ، ایک لاکھ ۳۳ ہزار پونڈ کتاب (دی جدوجہد) کی فروخت سے اور بقیہ رقم بعض دوسرے ذرائع سے (انقلاب)

—— انگلستان کے محکمہ سنسر میں تین ہزار مرد اور عورتیں کام کر رہی ہیں، اس محکمے میں ایک سو تین زبانوں کے ماہر موجود ہیں۔ (انقلاب)۔

—— معلوم ہوا ہے کہ پنجاب کی مسلم لیگ نے صوبہ میں لیگ کا یہ پروگرام بنایا ہے کہ ۳۱ دسمبر تک لیگ کے دو لاکھ ممبر بھرتی کئے جائیں، اور انھوں نے اس سلسلہ میں پروپگنڈا بھی شروع کر دیا ہے (انقلاب)

—— مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے جو طالب علم لندن کے الیکٹرک انجینرنگ میں گریجویٹ شپ کے امتحان میں شریک ہوئے تھے وہ سب کے سب کامیاب ہوگئے۔ اس طرح نتیجہ سو فی صدی رہا۔ اس امتحان میں برطانیہ کا داخلی نتیجہ ۳۴ فیصدی رہا (انقلاب)

—— ۳ اپریل۔ ای۔ بی ریلوے کے استعمال شدہ ٹکٹوں کو دوبارہ استعمال کرنے کے سلسلہ میں تقریباً ۱۴ اشخاص کو گرفتار کیا گیا ہے (تیج)

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب پرنٹر پبلشر نے جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر رسالہ محدث دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع کیا۔

جون ۴۰

یادگار فدائے علم و دین جناب شیخ عطاء الرحمٰن صاحب مرحوم و مغفور

رسالہ محدّث دھلی

ملکیت

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم دارالحدیث رحمانیہ دہلی

فہرست مضامین

مقاصد

(۱) کتاب وسنت کی اشاعت۔

(۲) مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح۔

(۳) دارالحدیث رحمانیہ کے کوائف کی ترجمانی۔

ضوابط

(۱) یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) یہ رسالہ ان لوگوں کو سال بھر مفت بھیجا جائے گا جو ۸؍ بذریعہ منی آڈر ٹکٹ کیلئے دفتر میں بھیجدینگے۔ رسالہ وی پی نہیں بھیجا جائیگا۔

(۳) اس رسالہ میں دینی، علمی، اصلاحی، اخلاقی، تمدنی، تاریخی مضامین بشرط پسند شائع ہونگے۔

(۴) ناپسندیدہ مضامین محصولڈاک آنے پر واپس کئے جائیں گے اور شائع شدہ مضامین واپس نہیں ہونگے۔

(۵) جوابی امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔ (۶) فتویٰ پوچھنے والے سوال کیساتھ جواب کیلئے ٹکٹ ضرور بھیجیں۔

پتہ

مینیجر رسالہ محدث دارالحدیث رحمانیہ دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

محدث دہلی

نگران اصول
مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

نمبر ۲	ماہ جون سنہ ۱۹۴۰ء مطابق ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۹ھ	جلد ۸

مبارک باد

مورخہ ۹ ربیع الاول سنہ ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۸ اپریل سنہ ۱۹۴۰ء کو محترم بزرگ جناب حاجی شیخ عطاء الرحمن صاحب مرحوم و مغفور کی چھوٹی صاحبزادی کا عقد شرعی، شہر کے ممتاز و نامور رئیس جناب شیخ محمد الیاس صاحب رائی کھیت والے کے صاحبزادے کے ساتھ نہایت شاندار طریقہ پر انجام پذیر ہوا۔

اس تقریب کے تمام مراسم عالیجناب شیخ حاجی عبد الوہاب صاحب مہتمم مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی کی عالیشان کوٹھی پر ادا ہوئے۔ کوٹھی مختلف آرائش و زیبائش کے سامانوں سے خوب سجائی گئی تھی۔ بارات کے دن جناب مہتمم صاحب مع اپنے دونوں بھائیوں جناب حافظ فضل الرحمن صاحب و خانصاحب جناب شیخ حبیب الرحمن صاحب آنریری مجسٹریٹ و میونسپل کمشنر کے تمام انتظامات میں خود مصروف تھے۔ اس تقریب میں مقامی اخبارات کے ایڈیٹروں حکام اور آفیسروں نامور امیروں اور رئیسوں کو بہت بڑی تعداد میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی مسلمان ہندو انگریز ہر طبقے کے قابل اصحاب مدعو تھے اور سب کے مذاق کے مطابق الگ الگ کھانوں کا انتظام تھا تقریباً پانچہزار آدمیوں نے دعوت میں شرکت کی۔

ہم مدرسہ کے تمام متعلقین کی طرف سے دلی مسرت و شادمانی کے ساتھ صاحبزادی موصوفہ اور انکے جملہ اعزہ و اقربا خصوصاً انکی والدہ محترمہ اور بھائیوں کی خدمت میں ہدیۂ مبارکباد پیش کرتے ہیں، اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ رشتہ طرفین کیلئے باعث برکت ثابت کرے۔ اور ان کے دامن مراد کو ہر قسم کی کامرانیوں سے ہمیشہ مالا مال رکھے۔ آمین الٰہ الحق آمین۔

(ایڈیٹر)

صفحہ تفسیر

قرآنی معارف و حقائق

(از جناب مولانا عبدالغفار صاحب حسن رحمانی عمرپوری استاذ جامعہ رحمانیہ بنارس)

مصر کے مشہور فاضل علامہ محمد عبدہ کی تفسیر سے گذشتہ نمبر میں سورۂ والضحیٰ کا ترجمہ پیش کیا گیا تھا، آج سورۂ الم نشرح کی تفسیر کا ترجمہ درج ہے بغور ملاحظہ فرمائیں:-

(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم)

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۔ شرح کے معنی کشادہ کرنے اور وسعت دینے کے ہیں۔ اہل عرب کشادہ اور چوڑے سینے والے کو طاقتور فیاض، اور شجاع سمجھتے تھے۔ اسی لئے اکثر عربوں کے نزدیک سینہ کی کشادگی فراخی بہت محبوب و مرغوب تھی۔ سینہ کی وسعت سے اندرونی اعضا کے نشوونما میں بہت مدد ملتی ہے اس قسم کا انسان پوری قوت و طاقت کے ساتھ مصائب و شدائد کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ اسکو سوچ فکر میں کسی قسم کی الجھن اور کاوش نہیں ہوتی وہ اپنے دل کو ہر وقت اطمینان و سکون سے پرُ پاتا ہے۔ اسی لئے کلام عرب میں شرح صدر بولکر دل کی وسعت و ہمت مراد لی جاتی ہے۔ آنحضرتؐ نے ابتدا میں اپنی قوم کے حالات کا مشاہدہ کیا۔ باپ دادا کی تقلید پر اصرار، رسم ورواج کی پابندی، رذائل میں انہماک، بلند اخلاق سے نفرت، اہل حق سے سرکشی، اور دشمنی، یہی وجوہ تھے جن کی بنا پر آنحضرتؐ کا دل تنگ اور رنجیدہ رہتا تھا۔ ہر وقت امت کی فلاح ونجات کیلئے بیقرار و غمگین نظر آتے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سعادت و صلاحیت کی راہیں آپ پر کھولدیں کہ کس طرح بگڑی ہوئی قوم سنواری جاسکتی ہے اور بکھرے ہوئے افراد ایک لڑی میں پروئے جاسکتے ہیں۔ اور کیونکر جہالت و ضلالت کی پستیوں میں گری ہوئی قوم کمال و ترقی کی بلندیوں کی طرف ابھاری جاسکتی ہے!

اسی مفہوم کو حق تعالیٰ نے یوں تعبیر فرمایا "اے محمدؐ کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہیں کیا؟" قوم کی اصلاح کا فکر ایک بوجھ تھا جس نے آپ کو پریشان کیا ہوا تھا، ہر وقت یہی دھن تھی کہ امت کس طرح کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس تنگ دلی اور انقباض کو دور فرمایا، اور سوچ فکر کے بوجھ کو آپ سے ہٹا دیا۔

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۔ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ "ہم نے تم سے وہ بوجھ الگ کردیا جس نے تمہاری کمر توڑ ڈالی تھی" یہ نہ سمجھا جائے کہ واقعی کوئی ظاہری بوجھ تھا جس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی بلکہ یہ تو تمثیل و تشبیہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ امت کیلئے دل میں درد تھا ہمدردی کے جذبات ہر وقت سینۂ مبارک میں موجزن رہتے تھے، اسی حالت کو "وِزر" (بوجھ) کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہنمائی فرمائی، آپ ہی کے ذریعہ نہ صرف ایک قوم بلکہ ان گنت قومیں وہم پرستی اور جہالت کی دلدلوں، شرک و ضلالت کی گھاٹیوں سے نکلکر حق و صداقت، معرفت الٰہی، باہمی محبت والفت

کی نعمتوں سے مالامال ہوئیں۔ فرمایا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا (آل عمران ع ۱۱) تم آگ کے گڑھے میں گرنے کو تھے خدا نے تم کو بچا لیا۔ جس باعظمت پیغمبر کے ذریعہ اتنا بڑا اہتم بالشان کام انجام پایا ہو۔ جسکی نبوت کے اقرار کئے بغیر نجات ناممکن جسکی رسالت مانے بغیر جنت میں داخلہ محال ہو کیا اس کی شان سے بڑھکر بھی کسی کی شان ہوسکتی ہے؟ اس کے ذکر سے بھی بلند کسی کا ذکر ہوسکتا ہے؟

اسی لئے فرمایا وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ "اے محمدؐ ہم نے تمہارے لئے تمہارے ذکر کو رفعت و بلندی بخشی"

اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے تین نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے، شرح صدر (سینہ کی کشادگی) وضع وِزر، (بوجھ کا ازالہ)۔ رفع ذکر (ذکر کی بلندی) یہ تینوں نعمتیں کب ظہور میں آئیں سخت تکلیفیں برداشت کر لینے اور حیرانی و پریشانی کی سختیاں سہہ لینے کے بعد، حق تعالیٰ کی یہی سنت جاریہ ہے کہ تکالیف و محن کے تاریک بادلوں میں مسرت و شادمانی کی بجلیاں چمکتی ہیں، مصائب و شدائد کی خاردار شاخوں میں راحت و آرام کی کلیاں کھلتی ہیں، اور سختیوں دشواریوں کے بعد سہولت و آسانی کی شعاعیں نمودار ہوتی ہیں +

فرمایا فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا یہ آیت فا رتعلیل کے ساتھ مذکور ہوئی، اس سے اشارہ ہے کہ یہاں سے مذکورہ بالا انعامات کی علت اور وجہ بیان کی جارہی ہے، ترجمہ اس طرح ہے" اس لئے کہ ہر شکل کے ہمراہ آسانی ہے"۔ الْعُسْرِ میں الف، لام، استغراق معہود کیلئے ہے یعنی وہ تمام دشواریاں جو مخاطبین میں پائی جاتی تھیں، مثلاً افلاس، کمزوری، دوستوں کی نااہلی دشمنوں کی قوت، وسائل نجات کی نایابی، اور اسی قسم کی دوسری مشکلات جن کی زیادتی سے انسان بے تاب و بیقرار ہوکر آسانی کی راہیں تلاش کرنے لگتا ہے۔ اور عقل و فہم سے قسم قسم کی تدبیریں سوچتا ہے، لیکن کامیابی اسی وقت ہوسکتی ہے جبکہ ان تمام آزمائشوں میں حق تعالیٰ کی ذات پر کامل اعتماد ہو۔ اگر مطلوب تک پہنچنے میں پہلی بار ناکامی بھی ہو تب بھی اپنے مقصد سے باز نہ آئے۔ اس کا عزم مصیبت کی پہلی ٹکر میں جنبش نہ کھائے۔ اس قسم کے انسان کی کامیابی میں کیا شبہ ہوسکتا ہے یہی حال آنحضرتؐ کا تھا کہ ابتدائے نبوت میں مخالفین کی دشمنی، سرکشی نے مشکلات پیدا کردیں، جنکو سلجھانے کیلئے آنحضورؐ نے غور و فکر کرنا شروع کیا، ادھر یہ حالت تھی۔ اُدھر ربانی تجلیات جلوہ فگن ہوئیں اور وحی کا پے بپے سلسلہ شروع ہوگیا، اس ربانی روشنی میں آپ کی ہمت ابھری اور ارادہ پختہ ہوگیا، اب نہ مشکلات کا خیال ہے اور نہ قوم کی نافرمانی سے پریشانی۔ بلکہ سکون و اطمینان کی موجیں قلب نبوت میں موجزن ہیں۔ آپ برابر تنگ حالی میں فراخی اور کمزوری میں قوت طلب کرتے رہے یہانتک کہ آپ کو وہ قوت عطا ہوئی جس نے قیصر و کسریٰ کے ایوانوں کو ہلا ڈالا۔ جس نے ہزاروں برس کی طاغوتی سلطنتیں زیر و زبر کردیں۔

یہی وہ قوت تھی جو امت نے آپ سے میراث میں لی لیکن افسوس اس نے اس کی قدر نہ کی اس نے اپنا رشتہ نبی سے کاٹ دیا جسکو اگلوں نے جوڑکر ترقی پائی تھی۔ کاش یہ امت محمدیہ حقیقی معنوں میں امت محمدیہ رہتی۔ اب صرف

نام باقی ہے۔ اسی پاداش میں وہ اپنے نبیؐ کی میراث سے محروم کردی گئی۔ آج دشمنوں کی فلک بوس عمارتوں میں دولت وثروت کی بھرمار ہے۔ اور اس میراث کے حقیقی وارث مفلس ونادار، فاعتبروا یا اولی الابصار +

امت محمدیہ اگر اب بھی آنکھیں کھولکر دیکھے تو اس کیلئے اس سورہ میں درس عبرت ہے۔ اس وقت چاروں طرف سے مصیبتوں بربادیوں سے گھری ہوئی ہے۔ مایوسی نے اس کی کمر ہمت توڑدی ہے لیکن کیا یہ حقیقت سامنے نہیں ہے فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا "ہرمشکل کے ساتھ آسانی ہے"۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے اسکا قول اٹل ہے، اگر آج بھی امت محمدیہ تباہی سے بچنے کیلئے اپنے نبیؐ کی پیروی کرے تو کیا گذشتہ عظمت وسطوت واپس نہیں آسکتی؟ کیوں نہیں ضرور! قرآن حکیم کی روشنی میں ہرمشکل آسان ہوسکتی ہے لیکن مصیبت تو یہ ہے جس کے سرپر مشکلات کا ہجوم ہے وہ اس روشن حقیقت پر کیسے ایمان لائے اسکو تو مایوسی اور بزدلی نے اس دائمی سنت سے کوسوں دور کیا ہوا ہے۔ اسکو تو شک ہے کہ ان مشکلات میں آرام کہاں نصیب ان دشواریوں میں آسانی کیسے میسر ہوگی۔

اسی لئے باری تعالیٰ نے اس حقیقت کبریٰ کو تاکیدی حرف کے ساتھ پھر دہرایا تاکہ ہرقسم کے شک شبہ کا ازالہ ہوجائے فرمایا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا "بلاشبہ ہرمشکل کے ہمراہ سہولت ہے" یہاں پر یہ نکتہ پوشیدہ نہ رہے کہ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا بظاہر مکرر معلوم ہوتا ہے لیکن واقع میں یہ آیت عام ہے، ایک دوسرے ... شبہ کو بھی زائل کرتی ہے۔ شبہ یہ ہوسکتا ہے کہ بعض دفعہ قومیں ان مشکلات ومصائب میں مبتلا ہوجاتی ہیں جنکا تذکرہ پہلے ہوچکا ہے لیکن وہ اپنی پست ہمتی اور نامردی کی وجہ سے نجات پانے کیلئے کوشش نہیں کرتیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرتے دم تک دشواریوں کے بھنور میں پھنسی رہتی ہیں اور راحت وسکون کا ایک لمحہ بھی میسر نہیں آتا اور پھر انہی مشکلات میں انکی آئندہ نسلیں بھی گرفتار ہوتی ہیں۔

اسی طرح دائمی مرض اور اپاہج پن ہے کہ انسان عمر بھر مبتلا رہتا ہے اور ایک سکنڈ بھی اسکا سکون وآرام میں نہیں گذرتا ان دونوں حالتوں کو سامنے رکھتے ہوئے کیسے یقین کیا جاسکتا ہے کہ قرآن کا یہ بیان کہ "ہرمشکل کے ساتھ آسانی ہے" درست ہے۔ اس شبہ کے ازالہ کیلئے دوبارہ فرمایا گیا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا، کہ "واقعی مشکلات کے ساتھ آسانی ہے" لگر کب؟ جب کہ آسانی طلب کرنیکے لئے جدوجہد بھی کی جائے۔ نجات کے وسائل واسباب کی تلاش میں سرگرم رہا جائے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے کیا۔ کیا پہلی صدی کے مسلمان عزت وراحت سے ہمکنار نہیں ہوئے۔ کیا انھوں نے سختیوں کے بعد آسانی وشادمانی نہیں پائی۔ لیکن جو پست ہمت، نمردل ہیں انکی خواہش صرف یہی ہے کہ بغیر کوشش کئے قانون فطرت کے خلاف گھر بیٹھے ان کو کامیابی کا مژدہ سنادیا جائے۔ ایسے لوگ شروع شروع تکلیف ومشقت کا احساس کرتے ہیں لیکن رفتہ رفتہ اس کے ایسے عادی ہوجاتے ہیں کہ یہ مشکل ان کو آسان اور یہ مصیبت ان کو راحت معلوم ہونے لگتی ہے۔ اس قسم کے لوگوں کی مثال حقہ سگریٹ پینے والوں کی سی ہے پہلی بار جب حقہ کا دم بھرتا ہے تو سر چکرانے لگتا ہے اور درد کی شدت سے بیتاب ہوجاتا ہے لیکن کچھ عرصہ کے بعد حقہ کے چھوڑدینے میں تکلیف اور اس کے استعمال میں راحت پاتا ہے۔

یہی حال ان قوموں کا ہے جو ظلم واستبداد، غلامی اور ذلت کا شکار ہو چکی ہیں۔ ان کو اس حالت سے گہری انسیت ہو گئی ہے اب انقلاب، تبدیلی اور جہاد کا نام سنکر انکی جان پر بن جاتی ہے۔ غور تو کرو جو حالت ابتدا میں قابل نفرت تھی اب اسپر پوری رغبت والفت کے ساتھ قناعت کیسے ہو رہی ہے؟ اسی حقیقت کو یوں ظاہر کیا گیا ہے اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ یہ بھی ایک قسم کا یُسر (آسانی) ہے گو عُسر (مشکل) سے بھی زیادہ منحوس ہے۔ باقی رہا شبہ دائمی مرض اور اپاہج پن کے متعلق تو یہ اس آیت کے ماتحت نہیں بلکہ اس صورت پر قرآن حکیم کا دوسرا قانون جاری ہے۔ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ (اعراف ع۴) "جب خدا کا مقررہ وقت سر پر آن پہنچتا ہے تو پھر ذرا سی بھی مہلت نہیں ملسکتی"۔ اسی طرح جب کسی قوم یا شخص کی تباہی کا وقت آتا ہے تو پھر ہرگز نہیں ٹلتا۔

یہاں پر اَلْعُسْرِ کے بعد یُسر نکرہ (غیر معین) لایا گیا ہے، مقصود یہ ہے کہ ہر مشکل کے ساتھ کسی نہ کسی قسم کی آسانی ضروری ہے۔ کسی خاص آسانی کا وجود شرط نہیں۔ اسی طرح فرمایا گیا کہ ہر مشکل کے "ہمراہ" آسانی ہے حالانکہ مشکل کے ختم ہونے پر آسانی کا ظہور ہوتا ہے۔ اس طرز بیان میں نکتہ یہ ہے کہ انسان پوری پختہ امید کے ساتھ دل میں مطمئن رہے کہ آسانی کا ظہور یقینی ہے گویا مشکل کے ساتھ ہی موجود ہے۔ جب یہ جان لیا گیا کہ ہر عُسر کے بعد یُسر ہے تو یہ بھی سمجھ لو کہ ہر عملی مشقت کے بعد آرام ہے فرمایا فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ اے محمدؐ جب تم کسی معینہ کام سے فارغ ہو جاؤ تو کسی دوسرے سودمند مشغلہ کیلئے محنت شروع کر دو کیونکہ اصل لذت وراحت اسی وقت محسوس ہوتی ہے جبکہ محنت کا پھل ملتا ہے۔

وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ، یعنی محنت ومشقت کا پھل طلب کرنے کیلئے اپنے پروردگار کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف رغبت نہ ہونی چاہیے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورہ مکی ہے بلکہ بعض کا خیال ہے کہ سورۂ والضحیٰ کا تکملہ ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کچھ عرصہ وحی بند ہو جانے سے جو پریشانی اور انقباض ہو گیا تھا اسکے ازالہ کو شرح صدر کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ اسکے بعد وحی کا نزول مسلسل ہو گیا تھا جس سے آپ کو تقویت وسکون حاصل ہوا۔

مفسر بقاعی کا خیال ہے کہ یہ سورہ مدنی ہے اسلئے کہ شرح صدر اور رفع ذکر سے مراد وہ فتوحات ہیں جو آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ کو مدنی زندگی میں حاصل ہوئیں اور حق تعالیٰ نے باطل پر حق کو غلبہ عطا فرمایا۔ واللہ اعلم بالصواب +

(از محترمہ جمیلہ خاتون جمیلہ زیبائی کلکتہ)

اے مسلماں تو زمانے میں بہت ممتاز تھا + اے مسلماں ہر جگہ تو صاحبِ اعزاز تھا + ہوش اڑتے تھے جہاں کے تیری ہمت دیکھکر + وہ زمانہ یاد کر جب مائلِ پرواز تھا

سرنگوں تھے قیصر وفغفور تیرے سامنے + سچ بتا تیرے علاوہ کون یوں ممتاز تھا + غیر ہوتے تھے تصدق تیرے حسنِ خلق پر + دلربا انداز تھا جو بھی ترا انداز تھا

یاد کر کیا تجھ میں پہلے قوتِ تسخیر۔ تھی + ذرہ ذرہ اس جہاں کا تیرا ہم آواز تھا + کانپتا تھا کفر سنکر حضرتِ خالد کا نام + جراتِ مردانگی کو جن پہ بیحد ناز تھا

منکشف تو نے کئے اسرار ہستی دہر میں + سچ تو یہ ہے تو زمانے میں سراپا ناز تھا + ہوش کر غافل سنبھلنے کی ضرورت ہے تجھے + کسطرح پہلے تو ہی جانباز تھا ہشیار تھا

ہے جمیلہ کی تمنا پھر سُنا نغمے وہی + جن کے سننے کو زمانہ گوش بر آواز تھا

اسلام اور ہوس ملک گیری

(مولوی عبدالعزیز صاحب بسکوہری متعلم مدرسہ رحمانیہ)

حضرات جس طرح مخالفین اسلام کی طرف سے اسلام پر اسکے مذہبی نقطۂ نظر سے محض تعصبانہ اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح اسکے عمرانی، تمدنی معاشرتی وسیاسی نقطۂ نظر سے بھی اس پر بیجا اعتراضات وارد کئے جاتے ہیں۔ اور عوام کو گمراہ کرنے اور اسلام سے متنفر کرنے کیلئے یہ کہاجاتاہے کہ اسلام استعماریت اور ملک گیری کی ہوس لیکر سطح ارض پر نمودار ہوا ہے۔ اسی لئے اس نے اپنے متبعین کو جنگ، خونریزی، قتل وغارتگری کی تعلیم دی تاکہ خود مختار اور آزاد ملکوں کی آزادی سلب کی جائے اور اپنے مقصد ودولت کی خاطر اسکو بھینٹ چڑھادیا جائے۔ اور بصورت عدم اطاعت قتل عام اور ظلم وتشدد کا قانون بنادیا گیا۔ چنانچہ جہاد کو ایک ہیبتناک صورت میں عوام کے سامنے اسی کے استدلال میں پیش کیا جاتاہے۔ اور اسکی بھیانک تصویریں کھینچ کر مسلمانوں کے وجود کو ایک قہر اور عذاب ٹھہرایا جاتاہے اور اس طرح اسلام کو مسخ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آج مجھکو انتہائی اختصار کے ساتھ اسلام اور استعماریت کا مقابلہ دکھلاکر جہاد کی مشروعیت اور اسکے عواقب ونتائج کی صحیح نقاب کشائی کرکے اس کے عمرانی، تمدنی وسیاسی اصول پر کچھ گفتگو کرنی ہے۔ سب سے پہلے ہمکو اسلام کے اولین زمانہ پر ایک سرسری نظر ڈال لینی چاہیئے +

دنیا کی حالت۔ اور ظہور اسلام کا سبب یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا سے رخصت ہوئے اور چھ سو سال سے زائد کا زمانہ گذر گیا۔ عیسائی ممالک کی حالت اور نیز عرب کی حالت بہت ابتر ہوچکی تھی عیسائیوں میں رومن ایمپائر اور کیتھولک اور متعدد جماعتیں پیدا ہوگئی تھیں آپس کی مذہبی جنگ کا وہ عالم تھا کہ زمین وآسمان لرزہ براندام ہورہے تھے۔ مظلوم یہودیوں کی حالت تو اور ہی ہیتناک تھی رومن پارلیمنٹ کا فیصلہ ہوچکا تھا کہ یہودیوں کے وجود کو بالکل معدوم کردینا اشد ضروری ہے۔ تمام ممالک سے ان کے عام اخراج کا حکم ہوگیا تھا۔ ان کے جان ومال کو لوٹنا عین تہذیب وتمدن شمار ہوتا تھا۔ یہ تو ان لوگوں کی حالت تھی جنکو ظلم کے بدلے رحم، سختی کے بدلے آسانی کی تعلیم دی گئی تھی۔ عرب جو کہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سے کسی اور نبی کی تعلیم سے فیضیاب نہ ہوسکے تھے انکی حالت اور ہی پستی وذلت میں پہنچ چکی تھی ساری برائیاں وخرابیاں ان میں پیدا ہوگئی تھیں۔ تمام قبیلے فرقہ فرقہ بٹ گئے تھے۔ خانہ جنگی کا وہ حشر تھا کہ متعدد قبیلے فنا وبرباد ہوچکے تھے۔ فارس اور روم دو بڑی سلطنتیں ہمیشہ اسی کوشش میں تھیں کہ غریب عربوں کی آزادی سلب کرکے اپنے اغراض ومقاصد کے بھینٹ چڑھالیا جائے اور ہمیشہ کے غلامانہ طوق وسلاسل میں جکڑدیا جائے۔ ذہنی اور دماغی آزادی پہلے ہی سلب ہوچکی تھی۔ شخصی اور مذہبی آزادی کو بھی چھیننے کی کوشش ہورہی تھیں: یمن اور حیرہ پر ایرانی تسلط۔

شام پر رومی قبضہ اور دن بدن عربی ممالک کی طرف سرگرمیانہ کارروائیاں۔ اسکا کھلا ہوا ثبوت پیش کر رہی تھیں۔

اسلام آیا۔ اس نے آکر سب سے پہلے اس ذہنی اور دماغی غلامی سے آزاد کرنے کی کوشش کی اور آزادی کی روح پھونکی۔ اور تدریجاً عمرانی و تمدنی اور سیاسی آزادی پیدا کرنے کی طرف بھی اقدام کیا اور ہر قسم کے مصائب و آلام برداشت کرتے ہوئے اس کے حصول میں منہمک ہوا۔ لیکن ان مدعیان آزادی، ان مبلغان حریت کی راہ میں جب رکاوٹ پیدا کی گئی۔ اور معاندانہ مداخلت سے اسکو نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ تو مجبوراً ان کو وطن چھوڑ کر ہجرت کرنا پڑا۔ حبشہ پہنچکر بھی اس کی سرگرمیاں بدستور باقی رہیں شاہ حبشہ کو یہ عجیب بات دیکھکر تعجب ہوا اُس نے اس کی حقیقت دریافت کی۔ حضرت جعفر طیارؓ نے جو تقریر کی اور جو فطری اصول و قوانین کی اصلیت پر روشنی ڈالی وہ اسلام کی حقیقت کو واضح اور منکشف کر دیتی ہے جس سے شاہ حبشہ بھی بغیر متاثر ہوئے نہ رہ سکا۔ اور بالآخر اسکی خلوصیت للہیت کا اقرار کیا۔

تقریر ملاحظہ ہو:۔ " اے بادشاہ ہماری قوم جاہل تھی۔ ہم بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ فواحش کا ارتکاب اور قطع رحم کرتے تھے۔ مردار خور تھے۔ پڑوسیوں کے حقوق تلف کرتے تھے ہم زیردستوں اور کمزوروں پر ستم ڈھاتے تھے ان کی آزادی سلب کر کے غلام بنانے کی فکر میں رہا کرتے تھے۔ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم و فضل سے ہم میں ایسا رسولؐ مبعوث فرمایا جس کے قدم قدم سے ہم واقف ہیں اور جس کی صداقت، عفت، امانت تمام قوم میں مشہور ہے۔ اس نے ہم کو خدائے واحد کی طرف بلا کر ذھنی غلامی سے آزاد کرنا چاہا اُس نے ہمکو اخلاق کے بلند مقام پر پہنچایا اور سچ بولنے امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے اور حرام امور کے ارتکاب اور قتل و خونریزی سے محترز رہنے کا حکم دیا۔ مدت کے بچھڑے ہوؤں کو آپس میں ملایا۔ (تاریخ خضری۔ سیرۃ ابن ہشام) +

ناظرین کرام! اس تقریر سے معلوم ہوگیا کہ ظہور اسلام کا مقصد محض دنیا سے شر و فساد کا استیصال۔ تمام اخلاقی کمزوریوں کو مٹا کر راستی اور حسن اخلاق کے زیور سے آراستہ و مزین کرنا تھا۔ اور امن عالم کی اصلاح اور درستگی مدنظر تھی اسکا مقصد دولت ثروت اور حکومت حاصل کرنا نہیں تھا۔ اس نے کبھی اس کی طرف رغبت کو بھی جائز نہ رکھا۔ بلکہ ہمیشہ اس کو عذاب الٰہی اور باعث فتنہ و شر شمار کرتا رہا۔ اور ہمیشہ اپنے پیروں کو اس سے محترز رہنے کی تلقین کرتا رہا۔ بار بار کہا اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ ؕ بیشک تمہارے مال اور اولاد تمہارے حق میں فتنہ (باعث امتحان) ہیں، ان سے ہمیشہ بچتے رہنا۔ یہ تو تم کو غافل کر دینے والی ہیں۔ بس تم خبردار ہو جاؤ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ (منافقون) اے ایمان والو! خیال کرو کہیں تم مال و زر کی لالچ میں اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاؤ کیونکہ یہ چیزیں اللہ کی یاد سے بھلا دیتی ہیں اور جس نے اس کی محبت میں پڑ کر اللہ کے ذکر کو بھلا دیا۔ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۔ (منافقون) پس وہ اللہ کی رحمت سے دور ہو کر تباہ و برباد ہوگیا۔

ناظرین کرام! اس تحریر سے یہ مقصد نہیں ہے کہ اس سے کلیۃً حصول زر و دولت کی قباحت بیان کی جائے

بلکہ اس سے یہ ثابت کرنا ہے کہ اسلام زر و دولت کے مقصد کو لیکر سطح ارضی پر نہیں آیا۔ اور اس سے اصلی عنوان یعنی استعماریت کو باطل کرنا ہے۔ کیونکہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ وہ مذہب جو مال و دولت کی اس طرح برائی بیان کر کے اپنے پیرووں کو اس سے محترز رہنے کی تلقین کرتا ہو وہ کیونکر اپنی عالمگیر دعوت میں مقصود بالذات کی حیثیت سے اسکو جگہ دے سکتا ہے۔ پھر کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اسلام استعماریت اور دنیاداری کی ہوس لیکر آیا ہے۔ لیکن یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ پھر اسلام نے جنگ و قتال کا حکم کیوں دیا۔

جہاد کی مشروعیت ما قبل تحریر سے معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام کی بعثت ایسے وقت میں ہوئی تھی جبکہ سطح ارض ظلم و جور۔ قتل و خونریزی۔ فساد و تخریب کا گہوارہ بنی ہوئی تھی۔ انسانی خون سے ہولی کھیلنا عین تہذیب و تمدن سمجھا جاتا تھا۔ تمام آسائش و آرام اسی میں تھی کہ مظلوم اور بے گناہ انسانوں کو ستانا چاہیے۔ چنانچہ اسی فتنہ و فساد کے سدباب اور انسانی اخلاق کی اصلاح و درستگی پیدا کرنے کیلئے اسلام آیا۔ اور اس نے اس اصلاح و درستگی میں ہر طرح کی کوششیں صرف کیں اور ان تمام کوششوں تبلیغوں تقریروں سے بھی کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ بلکہ انھیں مصلحتوں کے خلاف استعماری حکومتوں کا محاذ قائم ہونے لگا۔ تو پھر تلوار کے زور سے مدد لینے کی حاجت ہوئی اور جہاد فرض ہوا۔

قرآن نے اس جد و جہد کو قتال و حرب سے تعبیر نہ کیا کیونکہ لفظ حرب و قتال ہی کو سنکر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ غیظ و غضب کا اظہار ہونے لگتا ہے، لوٹ مار، وحشت و بربریت کی بو آنے لگتی ہے۔ بخلاف لفظ جہاد کے اس میں نہ تو سننے سے خوف معلوم ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے وحشت و بربریت کی بو آتی ہے بلکہ اس کا معنے مطلق کوشش کے ہے۔ خواہ زبان سے ہو، اعضا سے ہو۔ یا تلوار سے ہو۔ اسلام نے بحالت مجبوری تلوار اٹھانے کی اجازت دی جبکہ اس کے بغیر حق کی حفاظت کیلئے کوئی چارہ نہ تھا۔ قرآن نے نہایت صراحت سے اس امر کی خوب توضیح کی ہے اور سب سے پہلی آیت جس میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی ہے صاف صاف اسکے مقصد کو واضح کر رہی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے +

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ

(حج رکوع ۶) یعنی اب جبکہ مظلومین پر انتہا مصائب ہو چکے رحمت رب جوش میں آئی اس نے اس فتنہ کے سدباب کیلئے) جہاد کا حکم دیدیا اور اپنی مدد کا بھی وعدہ فرمایا۔ یہ اس لئے کہ ان کو ناحق اپنے وطن سے بے وطن کر دیا گیا کیونکہ انھوں نے ان طاغوتی طاقتوں کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر کے صرف رب العالمین کے سامنے سر جھکانے کا اقرار کر لیا تھا اور اگر اب بھی انکو دفاع نفس و تحفظ دین کی خاطر مدافعانہ جنگ کی اجازت نہ دی جاتی تو یہی نہیں کہ انکی جانیں جوکھے میں

پڑتیں بلکہ ان کے ساتھ ہی ساتھ ان لوگوں پر بھی آفت آتی جو نہایت پرامن اپنے گرجوں، مسجدوں۔ کلیساؤں میں خدا کی عبادت کررہے تھے اور وہ سب معابد تباہ ویران کردیئے جاتے۔ اور بیشک اللہ ضرور اس شخص کی امداد کو آگے بڑھتا ہے جو اس کے دین اور ذکر کی حفاظت کیلئے آگے بڑھتا ہے۔ اور ہم نے ایسا کیوں کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے تاکہ دنیا سے منکرات اور فواحشات کا استیصال ہو ظلم اور بربریت کا سد باب ہو اور صرف اللہ ہی کا کلمہ تمام دنیا میں جاری ہو کر امن وامان سے زندگی بسر ہوسکے۔ اقامت نماز ادائے زکوٰۃ اور تمام معاملات شرعیہ بحسن وخوبی انجام پذیر ہوسکیں"

ان آیتوں سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ جنگ وقتال کا حکم حفاظت نفس اور تحفظ دین کی خاطر تھا۔ دوم یہ کہ جب ظلم وتشدد حد سے گذر گیا تو انتظامات جنگ کی اجازت دی گئی تاکہ دفاع کے ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں میں شہادت کا شوق اور جہاد کا جذبہ پیدا ہو۔ اور وہ ہمہ وقت باطل ومتمرد قوتوں کے پارہ پارہ کرنے کیلئے تیار رہیں سوم یہ کہ اگر جنگ کی اجازت نہ دی جاتی۔ تو قیام امن کا ہونا مشکل تھا فتنہ وفساد کا استیصال متعذر ہوتا۔ اور اسکے مشروع ہوجانے سے باآسانی امن عالم پر کنٹرول کرلیا گیا۔ اجرائے اوامر وامتناع نواہی میں سہولتیں پیدا ہوگئیں +

لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتادیا کہ جنگ کی ضرورت اتنی ہی ہے جس سے امن قائم ہوسکے۔ حد سے غلو نہ کرو اور اگر ظالم قوتیں خود بخود بلا جنگ ظلم اور تشدد مٹانے کا اقرار کریں صلح کیلئے ہاتھ بڑھائیں تو پھر تمہارے لئے کسی وقت جنگ جائز نہیں اور بصورت عدم تعمیل خود مجرم اور مفسد قرار دئے جاؤگے۔ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (بقرہ رکوع ۲۴) اور صرف ان لوگوں سے قتال کرو جو خود تم سے قتال کی ابتدا کرتے ہوں اور بلا وجہ کسی سے جنگ کرکے حد سے غلو نہ کرو۔ اللہ حد سے متجاوز ہونے والے کو محبوب نہیں رکھتا۔ ہاں دوران جنگ میں جہاں بھی تم ان کو پاؤ قتل کرو۔ اور جس طرح انھوں نے ظلم اور تعدی کرکے تم کو بے وطن کیا تم بھی ان کو اب بے وطن کرسکتے ہو۔ کیونکہ فتنہ قتل سے بھی زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔

بیشک کسی کو ظلم اور تعدی کرکے بے وطن کردینا اس سے بڑا اور فتنہ کیا ہوگا؟ ہاں صلح کا بھی دروازہ کھلا رکھا کہ اگر ان کو خود اس ظلم وجور اس فتنہ وفساد کا احساس ہو اور وہ اس سے تائب ہونے کو تیار ہوں اور تم سے صلح کی درخواست کریں تو تمہارے لئے بھی مصالحت ضروری ہے اور اب تم کو کسی حالت میں بھی جنگ کی اجازت نہ ہوگی۔ اگر پھر بھی جنگ کیا تو تم مجرم ہوگے۔ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝ (نساء رکوع ۱۲) اور اگر وہ مخالفین خود ہی فتنے وفساد ظلم وجور سے تائب ہوکر خاموشی کی زندگی بسر کرنا چاہیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور مصالحانہ قدم بڑھائیں تو تم بھی حلیفانہ قدم بڑھاؤ اب تمہارے لئے ان پر حملہ کرنے کا کوئی راستہ نہیں۔ دیکھو کتنے خلوص سے اسلام نے اس جنگی عقدہ لاینحل کو آسانی سے حل کردیا اور فرمایا کہ جب وہ خود جنگ سے

اعراض کریں۔ فتنہ وفساد سے کنارہ کش ہوں تو تم کسی صورت میں ان سے جنگ نہیں کرسکتے اور اگر کیا تو یہ اسلامی نقطۂ نظر کے خلاف ہوگا۔ کیونکہ جہاد کی مشروعیت کا سبب فتنہ وفساد کا استیصال کرکے امن وامان قائم کرنا ہے اور اس صورت میں فتنہ وفساد کے بانی تم ہوگے اور تمہاری طرف سے زیادتی ہوگی۔ ہاں۔ اگر وہ خود جنگ کی ابتدا کریں۔ فتنہ وفساد پیدا کریں۔ تو تم اس کے روکنے کیلئے جنگ کرسکتے ہو۔

فَإِنْ لَمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأُولَئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُبِينًا۔ (نسا رکوع ۱۲) اگر وہ خود تم سے باز نہ رہیں برابر فتنہ وفساد کرکے تم کو جنگ کی دعوت دیتے رہیں تو تم ان سے بلاخطر جنگ کرو۔ اللہ نے تمہارے لئے انپر راستہ کھول دیا ہے" اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اصل محرک جنگ وہی فتنۂ وفساد ہے۔ لہذا جہاد برابر اسوقت تک مشروع رہے گا جب تک سطح ارض فتنہ وفساد سے پاک نہ ہوجائے۔ حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا کہ خود بخود فتنے کا استیصال ہوکر جنگ رک جائے

پس اسلام نے آکر انسانی ہلاکت عمرانی وتمدنی تخریب کے بچانے کیلئے جنگ وجہاد کا لائحہ عمل پیش کیا۔ ان کے مذہبی اور سیاسی امور میں آزادی ہوگئی۔ اور لوگ اس قابل ہوگئے کہ اپنی حالت کو درست کرکے متمدن ومہذب قوموں کی جماعتوں میں شرکت کا شرف حاصل کرسکیں۔ اس حقیقت کی صداقت کا نمونہ روزانہ کے مشاہدات میں نظر آرہا ہے تاریخ کے اوراق اس صداقت کا اقرار کررہے ہیں۔ میرے عزیز دوستو! اس سوال کا جواب تو زمانہ گذشتہ ہی میں دیا جاچکا ہے مسلمان فاتحین کی زبان سے نہیں بلکہ غیر مسلموں کی زبانوں سے۔ اور واقعات کے چشمدید گواہوں سے۔

اغیار کی تاریخی شہادتیں اسلام کی خلوصیت اور للّٰہیت پر ×

جسوقت مسلمانوں نے سرزمین ایران کی صف پلٹی اور ان کی یلغار سے کسروی فوج کے قدم نہ جم سکے تو تاجدار ایران نے سالار فوج سے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے مسلمان تعداد میں مال میں سامان میں قوت میں ہم سے بہت کم فنون جنگ سے ناواقف لیکن وہی ہمیشہ تم پر غالب رہتے ہیں اور تم مغلوب۔ . . . . . . سردار نے اس کے جواب میں ایک پتھر منگوایا اپنے تبر سے اسکو دو ٹکڑے کیا اور کہا کہ مسلمانوں کا دل اس پتھر سے بھی زیادہ مضبوط ہے ہزاروں تیر برسانے پر بھی نہیں ٹوٹتا اور اپنی جگہ پر قائم اور ثابت رہتے ہیں (فاران) دمشق اور حمص کے میدانوں سے جب قیصری فوج شکست کھا کر انطاکیہ پہنچی ہرقل سے فریاد کی کہ مسلمانوں نے ہماری زمینوں پر قبضہ کرلیا ہے اور تمام ملک پر مسلط ہوتے جارہے ہیں ہم برباد ہوئے ہماری مدد کی جائے۔ اس نے ایک امیر سے اس کے متعلق سوال کیا۔ اس نے جواب دیا حضور وجہ یہ ہے کہ وہ اگرچہ ہم سے زور میں قوت میں مال اور ملک میں جمعیت اور سامان میں بہت کم ہیں لیکن ان کی فتح کا سبب یہ ہے کہ وہ ہم سے اخلاق میں اچھے ہیں وہ کسی پر ظلم نہیں کرتے اور آپس میں بھائی بھائی کی طرح رہتے ہیں۔ وہ رات کو خدا کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ لیکن ہمارا یہ حال ہے کہ اوروں پر ظلم کرتے ہیں عہد ومواثیق کی پابندی نہیں کرتے

شراب پیتے ہیں اور کھلے بندوں بدکاریاں کرتے ہیں اور اپنے اغراض کے ماتحت انسانوں کو بھینٹ چڑھانے پر بھی دریغ نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ ان کے ہر کاموں میں استقلال اور جوش پایا جاتا ہے اور جہاں جاتے ہیں فتح وکامرانی قدم چومتی ہے۔ (فاران) +

دیکھئے خود انھیں ارباب حکومت وسیاست کی زبان سے سنئے اپنی نامرادی ومغلوبی کا اعتراف فسق وفجور ذاتی اغراض ظلم وتشدد وریاکاری کا ثمرہ ہے۔ اسلام کی فتح وغلبہ کا اعتراف اسکی خلوصیت للہیت محض دینی جذبہ بے لوث قومی خدمت اصلاحانہ اقدام کیلئے بینظر قربانی اور ثبات کا نتیجہ ہے۔ اسلام کے متعلق استعماریت اور آمریت کے مدعی ذرا اپنی آنکھ سے جہالت کا پردہ کھولیں اور خود اپنے بھائیوں کی زبانی اسکے خلوص اور للہیت کی شہادت سنیں اور سوچیں کہ کیا واقعی اسلام ویسا ہی ہے جیسا وہ کہہ رہے ہیں +

اسلامی جنگ اور سامراجی جنگ میں استعماریت کی تلاش

عزیزان ملت موجودہ جنگ اور اس فرعونی وطاغوتی سرمستیوں کا سبب کیا ہے۔ تمام متفقہ زبانوں سے استعماریت۔ اقتدار شخصی اور شہنشاہیت کا استقرار بتلایا جاتا ہے اس کے ماتحت حبش میں کیا ہوا۔ پولینڈ اور آسٹریا کی آزادی کا کیا حشر ہوا۔ فن لینڈ اور چین کا کیا حشر ہو رہا ہے۔ گوکہ زمانہ موجودہ کے مدعیان تمدن وتہذیب کے ٹھیکیداران فسطائیت وکمیونسٹ کا متفقہ اعلان یہی ہو رہا ہے کہ یہ سب کچھ مظلوموں اور غلاموں کی فریادرسی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ مگر میں نہیں سمجھ سکا کہ انکی فریادرسی میں ان کو آزادی دلانے میں کتنے ملکوں کو بھینٹ چڑھایا جائیگا۔ اور کتنے لوگوں کو قتل کرکے ان کے خونوں سے اس فریادرسی کی پیاس بجھائی جائیگی۔ روزانہ کے دردناک واقعات ادھا دھند عمرانی وتمدنی تخریب نہتے اور پُرامن باشندوں اور آبادیوں پر بیدردانہ بمباری۔ اس سے ان کے خلوص صداقت یا سامراجیت اور استعماریت کا آپ خود فیصلہ کرلیں۔ اب ذرا اسی کے ساتھ ساتھ اسلامی جہاد کے نقطہ نظر پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔ تو معلوم ہوگا کہ وہاں نہ تو ایسے سامراجی دعوے ہوتے ہیں اور نہ ہی اس دعوے کے استدلال میں اس طرح وحشت اور بربریت ظلم اور تشدد کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ وہاں تو نہایت خلوص کے ساتھ امن واصلاح کی دعوت دیجاتی ہے تین امور پیش کئے جاتے ہیں جو کہ اپنی جگہ ایک جامع الکلام کی حیثیت رکھتی ہیں"

اسلام

جس کا معنی خود ہی سلامتی اور امن ہے۔ یعنی انکو حکم ہوتا تھا کہ ابتک تم بہت کچھ فتنہ وفساد پیدا کرکے مظلوموں اور کمزوروں کو اپنے اغراض پر بھینٹ چڑھا کر حکومت کرتے رہے اب وہ وقت گیا۔ مظلوموں کے خون اور ان کی آہ وبکا کے اثر نے تمہارے نخوت وتکبر کو پارہ پارہ کرنے کا وقت قریب کردیا۔ اب اگر حکومت ہی کرنا چاہتے ہو تو تمہیں سب سے پہلے امن اور انصاف کا وعدہ کرنا ہوگا اور لوگوں کو سلامتی کا پیام دیکر عدل وانصاف کا عہد کرنا ہوگا اور اس کیلئے ضروری ہے کہ تم اسلام کا زبانی سب کے سامنے اقرار کرو تاکہ لوگوں کو تم پر اعتبار آجائے اور وہ سمجھ جائیں کہ اب سامراجیت اور استعماریت کی حکومت گئی اب امن اور اسلام کی حکومت رہیگی اور ان کو اطمینان ہو۔ اور وہ چند کلمے

ہیں جن کو رب العلمین احکم الحاکمین نے اپنے بندوں کیلئے پسند فرمائے ہیں اور اگر تم کو اس اسلام کے اقرار کرنے سے تامل ہے تو اب تمہارا دخل گوارہ نہیں کیا جا سکتا اپنے نظم و نسق کے خود مختارانہ دعوے سے مستغنی ہو کر اسلامی حکومت کی ماتحتی قبول کرو اور جزیہ دینے کا اقرار کرو۔ ورنہ بزور تلوار تمہارے اس ظلم و جور کو دفع کر کے مظلوم انسانوں کو آزاد کیا جائیگا۔ یہ تو اسلام کا الٹی میٹم ہوتا تھا۔ اب آئیے ذرا اس کی جنگی حدود کا بھی معائنہ کر لیجیے۔ اسلامی فوجوں کو حکم ہوتا ہے کہ اے مسلمانوں تم اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے نکلے ہو۔ غریبوں اور کمزوروں کی حمایت کرنے اٹھے ہو، اپنی طرف سے کبھی بھی مفتوحین سے وہ برتاؤ نہ کرنا جو اور فاتحین و مغرورین کیا کرتے ہیں۔ بچوں بوڑھوں اور عورتوں سے چھیڑ مت کرنا۔ پھلدار درختوں کو مت جلانا پر امن آبادیوں کو مت ویران کرنا۔ اور نہتے باشندوں کو مت قتل کرنا صرف انھیں لوگوں سے قتال کرنا جو تم سے مقابلہ کریں اور راستہ روکیں یہ نصیحت ان کے خلوص للہیت صداقت کا بین نمونہ ہے۔ اب ذرا یورپین مدعیان تہذیب و تمدن کی نصیحت سامراجی فوجوں کو بھی ملاحظہ ہو۔ فسطائی اور سامراجی حکومتوں کی طرف سے ان کی فوجوں کو حکم ہوتا ہے کہ ہر اس شخص کو گولی کا نشانہ بنادو۔ جس کا دشمن کے ملک سے واسطہ ہو، ان کی عورتوں اور بچوں تک کو توپوں کے دہانوں میں جھونک دو اور جتنے شہر اور قصبے ہوں سب کو بمباریوں اور گولوں سے ویران کر دو اور فتح کے بعد قتل عام کا حکم دیدو۔ لیکن اسلامی حکومت کی جانب سے مفتوحین کا امن اور سلامتی کے پیغام سے خیر مقدم کیا جاتا ہے چنانچہ جب بیت المقدس فتح ہوا تو حضرت عمر نے انکے تالیف قلب کیلئے صلحنامہ لکھا جسکا مضمون حسب ذیل تھا۔

یروشلم کی غیر مسلم رعایا کو ان کی جان و مال اور اولاد و عبادتگاہوں، صلیبوں اور ہر اس چیز کی جو انکی ملکیت میں ہے حفاظت کی ضمانت دی جاتی ہے ان کی زمینوں اور ان کے مذہب میں کسی قسم کا تعرض نہ کیا جاوے گا ان کے کلیساؤں کو نہ تو منہدم کیا جائے گا اور نہ ہی انکے کسی اوقاف اور وقار کو کوئی گزند پہنچے گا۔ اہل یروشلم کو اپنے مذہب کی پابندی میں ہر قسم کی آزادی ہوگی۔ اور ان پر کسی ظلم و ستم کو روا نہ رکھا جائیگا۔ (طلوع اسلام)

یہ محض دستخطی اقرار نہ تھا۔ قلبی اقرار تھا اس پر عملی اقدام تمام مسلمانوں پر ضروری ہوتا تھا۔ اس کا اثر کیا تھا وہ بھی انھیں غیر مسلموں ذمیوں کی زبان سے سنئے۔ جب اسلام کی بے لوث خدمتیں ان کے سامنے آئیں اسکی رحمۃ للعلمینی نعمتوں سے فیضیاب ہوگئے۔ اسکا وجود ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھنے لگے۔ اسلام کے تسلط کو ہٹا کر غیر اسلامی ماتحتی کو گوارہ نہ کر سکے۔ اپنی زبانوں سے بایں الفاظ حقیقت کا اقرار کیا۔ اے مسلمانو! ہم تمہیں بازنطینی حکمرانوں پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ وہ ہمارے ہم مذہب ہیں یہ اسلئے کہ تم معاملے میں ان سے بدرجہا بہتر ہو اور ہم سے ہمیشہ عدل و انصاف سے پیش آئے ہو تمہاری حکومت ان ظالم عیسائیوں سے بدرجہا اچھی ہے کہ انھوں نے ہمارے گھر بار ہم سے چھین کر بے یار و مددگار اور بے در کر دیا۔ اور جب حمص سے اسلامی فوج کسی ضرورت سے منتقل ہو رہی تھی۔ تو اہل شہر زار و قطار روتے تھے اور کہتے تھے کہ خدارا جلد واپس آنا یہ نہ ہو کہ پھر ظالم عیسائی ہم پر حکومت کرنے آجائیں اور ہم پھر دائمی مصائب اور آلام

گرفتار ہو جائیں۔

اسلام پر اعتراض کرنے والے ذرا ان اپنے بھائیوں کے اس بیان پر غور کریں اور خیال کریں کہ کیا ہمارا کہنا بجا ہے یا یہ تعصب کی تنگ نظری نہیں۔ کیا یہ شہادتیں اسلام کی للہیت۔ صداقت کو ظاہر نہیں کرتیں۔ تو کیا اس صداقت کے ثبوت وحشت بربریت اور آمریت کا مظاہرہ ہی کرنا عین تہذیب ہے جسکو آجکل کی بزعم خود مہذب حکومتیں پیش کر کے اپنی جارحیت اور آمریت کو ثابت کر رہی ہیں۔ اور کیا صلح و معاہدہ کی اصلیت غداری و بے وفائی ہی ہے جیسا کہ یونانی مقنن نظریہ ہے کہ معاہدہ ایک مکڑی کا جالہ ہے جو اپنے سے کمزوروں کو پھنسا لیتا ہے اور قوی کے سامنے ٹوٹ جاتا ہے اور جس آجکل کی سامراجی حکومتیں عمل کر رہی ہیں۔ پس اگر معترض کا نظریہ بھی یہی ہے تو بیشک اسلام اس کے اعتراض کا ہدف ہو سکتا ہے۔ اور ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ کیونکہ یہاں معاملہ ہی اور ہے ایفائے عہد میں جان و مال کی ...نی کی بازی ہوتی ہے۔ اس پر قائم رہنا بھی عین اسلامی نظریہ ہے اور اس کا خلاف اسلامی روح اور اس کے ...یسے دشمنی ہے۔ تاریخ کے صفحات اس حقیقت کا اعتراف کھلے لفظوں میں کر رہے ہیں جو محتاج بیان نہیں۔

...صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ...ے خلفاء کا اسوہ حسنہ

حکومت اسلامیہ کے موسسین وحاکمین کے حالات میں اس کی کامل تلاش کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کے دل میں مال و دولت کے حصول کا کسقدر جذبۂ حرص تھا۔ ...کس قدر خلوص وللہیت تھی۔ تاسیس حکومت کے موسس اول نظام فطری کے مقنن اول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ...ت زندگی کے متعلق کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے۔ دنیا کی کوئی ہستی بھی ان جیسا ماحول پیدا نہیں کر سکتی اور نہ ہی ...جیسے اوصاف کی متحمل ہو سکتی ہے۔ آپ کو شاید ہی کبھی پیٹ بھر کھانا میسر ہوا ہو۔ جَو کی خشک روٹی اگر کبھی مل گئی ...ا ورنہ ہفتوں فاقے پر فاقہ گذرتا تھا۔ اگر کبھی کھجور اور جو کی روٹی سے پیٹ کو پُر کیا گیا تو کبھی پتھروں کے بوجھ سے ...ع البطن کو دبایا گیا۔ بدن پر شاید ہی کبھی عمدہ اور اچھا لباس زیب تن کیا گیا ہو ورنہ حقیقت میں ہمہ وقت پھٹا پرانا ...ا جو کہ کبھی کبھی ستر پیوند تک پہنچ چکا ہوتا تھا زیب تن نظر آتا تھا۔ وہ سارے جہان کے بادشاہ نہایت فخر و مسرت سے ...ن ہو کر فرمایا کرتے تھے۔ الفقر انیسی فقر اور غربت ہی میری غمگسار اور انیس ہے۔ الصبر ردائی اور صبر و ثبت میری زینت اور چادر ہے۔ یہ بات نہیں کہ آپ کے پاس مال و دولت کی کمی تھی یا آپ مال و دولت حاصل نہیں ...سکتے تھے۔ نہیں بلکہ آپ دولت کو نہیں چاہتے تھے اسکو باعث فتنہ و شر تصور فرماتے تھے۔ یہ اعلان کرتا تھا کہ ...اعت اسلام اور تاسیس حکومت کا مقصد دنیاوی جاہ و مرتبت نہیں۔ حصول مال و دولت اصلی غرض نہیں۔ ...قیام امن اور فتنہ و فساد کا استیصال کرنا تھا۔

آپ موسیٰ و عیسیٰ کے قالب میں بھی ظاہر ہوتے تھے کیونکہ آپ کے پاس مال و دولت کا ذخیرہ نہ تھا۔ داؤد ...مانٔ بھی تھے کہ سارے جہان کی دولت ایک اشارے میں قدم چومتی نظر آتی۔ حاتم دوراں بھی تھے کہ جو کچھ مال و دولت

آباد دیکھتے ہی دیکھتے جاں نثاروں کی خدمت پر قربان ہو کر پھر وہی سابق دستور غربت اور محتاجی رہی۔ یہ سب کیوں تھا اسلئے تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ اسلام کو مال و دولت، حکومت و سطوت کی لالچ نہیں۔ تصرف و غلبے کا حرص نہیں۔ بلکہ وہ دنیا میں اس لئے آیا تاکہ مظلوم اور مقہور انسانوں کو تمرد نمرودی اور تظلم فرعونی و ہامانی کے دست ہلاکت سے چھوڑا کر ہمیشہ کیلئے آزاد کر دیا جائے ✦

یہی وجہ تھی کہ ظالم اور متکبر حکومتوں کی قوتیں اس کے سامنے پارہ پارہ ہوئیں ان کے ایوان دہل گئے اس کی صداقت و خلوص کی ایک ایک آواز انکی در و دیوار سے ٹکرائی۔ اور بہت ہی قلیل عرصے میں ساری غلام قوموں کو آزادی و حریت کے قالب میں ڈھالکر دنیا کی سرداری و سرخروئی سے مزین کیا۔ اور سب کو حقانیت و خلوص اور للّٰہیت کا اقرار کرنا پڑا۔ آپ کے خلفاء بھی وقت کے سلیمانؑ و داؤدؑ جیسی سلطنت بھی رکھتے تھے اور موسیٰؑ و عیسیٰؑ جیسی غربت کی زندگی بھی بسر کرتے تھے۔ انکے کھانے میں نہ تو کوئی پرتکلف غذا ہوتی تھی اور نہ ہی بدن پر لباس فاخرہ نظر آتے تھے۔ بیت المال کی حیثیت ایک امانت کی تھی جسکو مسلمانوں نے خلفاء کو امین سمجھکر سپرد کر دیا تھا۔ اپنی ذات پر خرچ کرنے کا مجاز نہ تھا۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر بہت بڑے تاجر تھے اپنی تجارت سے اہل کنبہ کی پرورش کرتے تھے۔ خلافت کے بعد بھی اپنے اخراجات کیلئے تجارت ہی کو پیشہ بنایا اور تقریباً چھ ماہ تک تجارت کرتے رہے اس اثناء میں بیت المال کا ایک حبہ بھی نہ لیا تھا۔ لیکن جب اس کی مشغولیت کی وجہ سے امور خلافت کی انجام دہی میں خلل آنے لگا تو مجبوراً تجارت سے کنارہ کش ہونا پڑا۔ اہل و عیال کی پرورش کا اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہ تھا۔ مجبوراً بیت المال میں سے کچھ لینا پڑا۔ لیکن لوگوں سے فرمایا کہ میرے لئے اسمیں سے اتنی مقدار میں وظیفہ مقرر کر دو جس سے میری و میرے اہل کی پرورش ہو سکے اور اس سے زائد میں جائز نہیں سمجھتا امانت میں خیانت ہوگی۔ (تاریخ خضری)

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کی سلطنت اس وقت اور بھی وسیع ہو چکی تھی، دولت و ثروت کا انبار تھا۔ لیکن اس عظیم الشان بادشاہ کی تنخواہ کیا تھی (تعداد اگرچہ مجھکو معلوم نہ ہو سکی) لیکن اس سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ سادہ پانی، جو کی روٹی کے چند ٹکڑے اور کھجور۔ یہ روزانہ کی غذائے لذیذ تھی۔ نمک سالن کا کام دیتا تھا۔ بیت المال میں جو کچھ جمع تھا وہ غریبوں محتاجوں، یتیموں اور بیواؤں پر خرچ ہوتا تھا۔ تاکہ دنیا کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسلام کا اصلی مقصود مال و دولت جمع کرنا نہیں بلکہ دین الٰہی کی تکمیل اور نام خدا کی بلندی ہے۔ عزیز دوستو! اسی صداقت و خلوص اسلامی کا اثر تھا کہ گاندھی جیسے متعصب ہندو نے بھی اپنی کانگریسی وزارتوں کو صدیقی اور فاروقی اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کی تلقین کی تھی۔ اب کون دل ہے کون قلب ہے جو ان شہادتوں کے ہوتے ہوئے بھی اسلام کے خلوص اور اسکی حقانیت سے متاثر نہ ہو اُسکی للّٰہیت اور بے لوث خدمت خلق کی تصدیق نہ کرے اور یہی کہتا رہے کہ اسلام دنیاداری اور آمریت کیلئے آیا، استعماریت اسکا مطمح نظر تھا لیکن تعصب اور تنگ نظری کا تو کوئی علاج نہیں کہ ؏ گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است ✦

اصحاب رسولؐ کی قربانیاں

(از مولوی امام الدین صاحب امام مظفرنگری کربالوی متعلم مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی)

موجودہ دور میں مسلمان جس حیرانی اور پریشانی کی حالت میں مبتلا ہو کر شاید اپنی زندگی کے آخری ایام پورے کر رہے ہیں وہ محتاج بیان نہیں ان کے پاس اگر ایک طرف دنیاوی ترقی کے اسباب مفقود ہیں تو دوسری طرف اخروی ترقی کیلئے ایمانی حرارت کا ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی کس مپرسی کی حالت میں مبتلا نظر آتا ہے دنیاوی ترقی کا یہ حال ہے کہ وہ اسباب جو ہمارے لئے ترقی کا باعث بن سکتے تھے سب کے سب اغیار کے قبضہ میں ترقی کی تمام راہیں ہمارے لئے بند۔ اخروی ترقی کیلئے قدرت نے جو نور ایمانی مسلم کے سینہ میں پوشیدہ رکھا تھا جس کے اظہار سے ہماری فلاح و بہبودی کے اسباب مہیا ہو سکتے تھے افسوس آج اس شمع ایمانی کا یہ حال ہے کہ جب ہم دنیاوی ترقی کے حصول کیلئے کوشش کرتے ہیں اور ہمارا ایمان اور اسلام اس میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے تو بیدریغ اس بے بہا نعمت کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیتے ہیں کسی قسم کی خفت محسوس نہیں کرتے اسلام کے راستہ میں اگر کوئی ذراسی تکلیف لاحق ہو جاتی ہے تو اس کی ایمانی حرارت سرد پڑنے لگتی ہے حالانکہ ہمارے سامنے صحابہ کرام کے ایسے ایسے دل ہلا دینے والے واقعات موجود ہیں جنکو پڑھکر ایک حساس انسان کا کلیجہ منہ کو آتا ہے آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں دل ودماغ کا توازن درست نہیں رہتا طبیعت پریشان ہو جاتی ہے۔ صحابہ کرامؓ ہی کی ایک ایسی مقدس جماعت تھی جس نے ایسی جوانمردی اور جانبازی سے حوادثات کا مقابلہ کیا جسکی مثال موجودہ دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے بڑی سے بڑی مصیبت بھی ان کے پائے استقامت کو ڈگمگا نہ سکی۔ ہزارہا بار کفرستان کے تند جھونکوں نے انکی شمع ایمانی گل کرنیکی کوشش کی مگر ایمانی روشنی میں ذرہ برابر بھی کمزوری پیدا نہ ہوئی چنانچہ اس تحریر میں اس بات پر روشنی ڈالی جائیگی کہ صحابہ کرامؓ نے کس طرح اپنی استقامت کا ثبوت دیا اور مصائب و آلام نے انکو کس طرح اپنے نرغہ میں لاکر پریشان کرنا چاہا۔

جسمانی تکالیف دنیا کا یہ ہمیشہ سے دستور چلا آرہا ہے کہ جب کبھی کسی حق گو نے حقانیت کی روشنی میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تو ضرور ایسا ہوا کہ ایک قوم اس کی مخالفت میں سرگرداں نظر آئی اس صاحب حق کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ اس کے فرمانبرداروں کو تکالیف سے دوچار ہونا پڑا۔ یہی کیفیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ کے ساتھ بھی پیش آئی۔ جسوقت آپ نے کفار مکہ کے خلاف توحید کی آواز بلند کی سب سے پہلی وہ شخصیت جس نے آنحضرتؐ کے وعظ کا غیر معمولی اثر قبول کیا اور سب سے پہلے اسلام لائے وہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ذات تھی اسلام کا دل میں آنا تھا کہ اس کا اثر فوری طور پر ظاہر ہوا اور حضرت صدیق اکبرؓ بھی آنحضرتؐ کے ساتھ تبلیغ میں شریک ہوئے۔ ایک روز

حضرت صدیق اکبرؓ نے خطبہ دیا قوم نے جب حضرت ابوبکرؓ کی زبانی اس انوکھی آواز کو سنا تو چاروں طرف سے مار دھاڑ ہونے لگی حالانکہ حضرت ابوبکرؓ خود انھیں کے خاندان قریش سے تھے مکہ میں معزز سمجھے جاتے تھے تمام لوگ انکا احترام کرتے تھے لیکن صرف اس وجہ سے کہ انھوں نے آنحضرت کے کہنے پر عمل کیا اور ایمانی روشنی سے اپنے سینہ کو منور کیا تھا ایک ان کے نزدیک گناہ عظیم تھا جس کی وجہ سے اہل مکہ نے اذیت پہنچائی آپ کو اسقدر مارا کہ بیہوش ہوگئے آپ کے قبیلے والے یہ سمجھکر کہ شاید مرگئے ایک چارپائی پر اٹھا کر گھر لیگئے کچھ دیر کے بعد آپ کو ہوش آیا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ آپ ان تکالیف کی وجہ سے آنحضرتؐ کی صحبت ترک کردیتے اور اسلام سے بیزار ہوجاتے اپنے خاندان کا ساتھ دیتے لیکن قربان جائیے حضرت صدیقؓ کے ایمان پر ہوش آنے کے بعد آپ اپنی تکالیف کو بھول جاتے ہیں اور لوگوں سے دریافت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے جسوقت آپ کی زبان سے آنحضرتؐ کا نام نکلا تو آپ کے قریبی رشتہ داروں نے بھی آپکا ساتھ چھوڑ دیا۔ لوگوں نے جب دیکھا کہ ان کے دل میں آنحضرتؐ کے نام کی رٹ لگی ہوئی ہے تو آپ کو آنحضرتؐ کے پاس پہنچا دیا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آپ کو تکلیف کے اندر مبتلا دیکھا تو بہت سخت رقت طاری ہوگئی۔

فرزندان اسلام میں سے شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو حضرت عثمان غنیؓ سے واقفیت نہ رکھتا ہو آپ اپنے خاندان میں معزز شمار کئے جاتے تھے لیکن جسوقت دولت اسلام سے مالامال ہوتے ہیں تو اپنی قوم میں سخت مجرم قرار دیئے جاتے ہیں اس جرم کی پاداش میں اغیار نے نہیں بلکہ اپنوں میں سے حقیقی چچا نے آپ کو رسیوں سے باندھ باندھ کر مارا۔ حضرت زبیر بن عوامؓ جسوقت مشرف بہ اسلام ہوتے ہیں تو خود ان کے چچا نے ان کی تکلیف کیلئے یہ صورت اختیار کی کہ ان کو ایک چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں پہنچایا خود حضرت عمر فاروق نے اپنے اسلام سے قبل اپنے چچا زاد بھائی سعید بن زبیر کو رسیوں میں جکڑ کر مارا مشرکین مکہ کی ایذا رسانی کی یہ کیفیت ان لوگوں کے ساتھ تھی جو خاص ان کے رشتہ دار تھے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جس قوم نے خود اپنے حقیقی رشتہ داروں پر رحم نہ کھایا اور قسم قسم کی تکالیف میں مبتلا کیا پھر بھلا ایسی قوم سے کیونکر بھلائی کی امید کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے ماتحت پر مہربانی سے پیش آئے گی۔ چنانچہ حضرت بلالؓ کو لوہے کی زرہ پہنا کر تپتی ہوئی زمین پر لٹایا جاتا کبھی تپتے ہوئے پتھر اور گرم گرم ریت پر آفتاب کی سخت گرمی میں ان کو تکالیف پہنچائی جاتیں کبھی ایسا ہوا کہ مکہ کے لڑکے ان کی گردن میں رسی باندھ کر پہاڑیوں میں کھینچتے پھرتے آخر حضرت بلالؓ کیلئے یہ تمام مصائب و آلام کیوں روا رکھے گئے۔ کیا حضرت بلالؓ نے اپنے آقا کی فرمانبرداری میں کوتاہی سے کام لیا یا کسی کی کوئی چیز چرالی تھی یا کسی کا خون کیا تھا جو اس قدر تکلیف پہنچائی گئی ان جرائم میں سے کسی کا بھی حضرت بلالؓ نے ارتکاب نہیں کیا تھا ہاں اگر کوئی جرم تھا تو یہی تھا کہ انھوں نے ۳۶۰ بتوں کو ٹھکرا کر صرف ایک ہی معبود کی پوجا کا دم بھرنا شروع کیا۔ زبان پر سوائے اَحَد اَحَد کے کوئی اور کلمہ جاری نہیں ہوتا تھا اپنے سینہ کو اسلامی تعلیم کا مسکن بنا لیا تھا آنحضرتؐ کی غلامی کا دم بھرنا شروع کردیا تھا جس کی وجہ سے آپ کو دردناک تکالیف سے دوچار ہونا پڑا۔ اس زمانہ میں شاید ہی کوئی ایسا بشر ہو جو ایسے نازک موقعہ

اپنی قوت ایمانی کا ثبوت پیش کر سکے حضرت ابو فکیہ رضؓ جب مسلمان ہو جاتے ہیں تو ان کے ساتھ انکے آقا صفوان بن امیہ نے تکالیف کا جو سلسلہ جاری رکھا اس کی کیفیت بیان سے باہر ہے ۔ پیروں میں بیڑیاں ڈالکر تپتی ہوئی دہوپ میں لٹا دیا جاتا تھا اسی پر اکتفا نہیں بلکہ ایک وزنی پتھر آپ کے اوپر رکھدیا جاتا جس کی وجہ سے سخت تکلیف میں مبتلا ہونا پڑتا کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ بیہوش ہو جاتے ۔ ایک روز کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ صفوان نے آپ کے پاؤں کو رسی سے جکڑ دیا اور حکم دیا کہ ان کو نہایت بے دردی کے ساتھ کھینچتے ہوئے کسی تپتی ہوئی زمین پر ڈالدیں ایسا ہی ہوا لوگوں نے آپ کو گھسیٹنا شروع کیا ۔ خدا اچھی طرح جانتا ہے کہ اسوقت کسقدر تکلیف محسوس ہوئی ہوگی اسی اثنا میں جبکہ آپ کے ساتھ کفار یہ معاملہ کر رہے تھے راستہ میں ایک گوبریلے کیڑے کو دیکھکر صفوان نے کہا شاید تیرا رب یہی ہو ۔ لیکن اس کے جواب میں رسول خدا کے سچے جان نثار کی زبان سے وہی کلمہ نکلتا ہے جس سے کفار مکہ برافروختہ ہوتے تھے اور وہ اپنی تکلیف کا کوئی خیال نہیں کرتے ہیں بلا تامل پکار اٹھتے ہیں کہ میرا اور تیرا خدا وہی ایک اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے اس صدائے حق کا زبان سے نکلنا تھا کہ صفوان نے پوری قوت کے ساتھ ایک گھونسا مارا کہ قریب تھا کہ آپ جان بحق ہو جاتے ٭

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے اسلام لانے کے بعد ایک مرتبہ حضرت خبابؓ کی پیٹھ دیکھکر فرمایا کہ یہ تمہاری پیٹھ پر کیسے نشانات ہیں حضرت خبابؓ جواب دیتے ہیں کہ کفار نے اسلام لانے کے جرم میں دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا تھا ۔ علیٰ ھذا القیاس اس طرح بہت سے صحابہ جسمانی تکالیف میں مبتلا کئے گئے لیکن اپنے مقصود حقیقی کو ہاتھ سے نہ جانے دیا ۔

مالی آزمائش جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جسمانی تکالیف میں مبتلا کئے گئے اسی طرح مالی آزمائش اور تکالیف میں بھی مبتلا ہونا پڑا اور نہایت دلیری کے ساتھ مالی مصیبتوں کا بھی مقابلہ کیا ۔ ابتداء اسلام میں صحابہ کرامؓ نہایت قلاش محتاج غریب اور فقیر تھے اس پر بھی یہ حال تھا کہ جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چندہ جمع کرنیکا حکم دیا اور صدقات خیرات کی ترغیب دی تو بخوشی آپ کے اس حکم کو قبول کرتے اور جو کچھ اپنے پاس ہوتا خرچ کرتے اور اگر کسی کے پاس کچھ نہ ہوتا تو محنت مزدوری اس کار خیر میں حصہ لیتے تھے ۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حریف یعنی یہود اور مشرکین عرب مالدار تھے ۔ مسلمان انھیں سے قرض لیتے تھے ۔ یہود کے پاس مالداری کا یہ ایک ایسا زبردست ہتھیار تھا کہ جس کی وجہ سے لالچ دے دیکر مسلمانوں کو مذہب اسلام سے برگشتہ کرنیکی کوشش کرتے تھے چنانچہ حضرت محمد بن مسلمہؓ جس وقت کعب بن اشرف یہودی کے پاس قرض لینے جاتے ہیں اور ان سے صدقات کی بظاہر شکایت کرتے ہیں تو کعب بن اشرف کہتا ہے کہ ابھی کیا دیکھا ہے آئندہ تم پر اسقدر سختی ہوگی کہ تم محمدؐ سے گھبرا اٹھو گے صحابہؓ نے ان مصائب کو برداشت کیا مگر اپنے ایمان اور اسلام کو ہاتھ سے نہ چھوڑا کبھی ایسا بھی ہوا کہ آنحضرتؐ نے ناراضگی کا اظہار کیا اور مخالفین نے موقعہ کو غنیمت سمجھکر مسلمانوں کو ورغلانے کی کوشش کی مگر مسلمانوں نے آنحضرتؐ کی ناراضگی کو مخالفین کی دوستی پر ترجیح دی چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت کعب بن مالک غزوہ تبوک میں شریک نہ ہو سکے جسکی وجہ سے آنحضرتؐ آپ سے ناراض ہو گئے اور

تمام صحابہؓ کو حکم دیا کہ ان سے بائیکاٹ کیا جائے اور کوئی ان سے کلام نہ کرنے پائے اسی پر اکتفا نہیں بلکہ خود ان کی بیوی کو ان سے علیحدہ رہنے کا حکم دیا۔ ناظرین حضرت کعب بن مالک کیلئے یہ معمولی مصیبت نہ تھی ہر وقت پریشان رہتے جب مسجد نبوی میں جاتے ... سلام کرتے مگر کوئی سلام کا جواب تک نہ دیتا۔ شاہ غسان کو جب حضرت کعب کے اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس نے اسوقت کو غنیمت جان کر کعب کے پاس لکھا کہ مجھکو معلوم ہوا ہے کہ تمہارے آقا تم سے ناراض ہیں اور تم پر ظلم کیا گیا ہے حالانکہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہارے اوپر اس قسم کا ظلم اور زیادتی روا رکھی جائے تم ہمارے ساتھ آکر ملجاؤ ہم تمہاری ہر طریقہ مدد کریں گے کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔ یہ ایک کافر بادشاہ کا خط تھا جو حضرت کعب کے پاس روانہ کیا تھا جب حضرت کعب نے اس خط کو پڑھا اسوقت آپ کی پریشانی کی انتہا نہ رہی ایک طرف دنیاوی جاہ و جلال کی دعوت ہے اور دوسری طرف اسلامی استقامت کا سوال۔ مسلمانو! ایمانداری کے ساتھ ذرا موجودہ حالات کو دیکھکر فیصلہ کرو کہ اگر آج بھی اس قسم کا سوال پیدا ہو کہ ایک طرف کفر کی لاتعداد دنیاوی نوازشیں اپنی طرف بلا رہی ہوں اور دوسری طرف ہمارا ایمان ہم کو استقامت کی اور اپنے ایمان و اسلام پر قائم رہنے کی تعلیم دیتا ہو تو کیا اس زمانے کے مسلمان اپنے ایمان کو باقی رکھنے کی کوشش کریں گے اور اسلام کی خاطر کفر جیسی ناپاک چیز سے کنارہ کشی اختیار کریں گے میرا تو یہ خیال ہے کہ جب مسلمان معمولی سے معمولی باتوں پر اپنے اسلام کو چھوڑ دینے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں تو اگر کسی کو بادشاہ کی طرف بلایا جائے تو ضرور اپنے اسلام کو چھوڑ دینگے نعوذ باللہ من ذالك۔ لیکن اے مسلمانو حضرت کعب بن مالک ہی کی وہ ذات تھی جس نے اپنے ایمان کو قائم رکھا۔ آنحضرتؐ کی مقرر کردہ سزا کو منظور کیا لیکن شاہ غسان کے عطیہ کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا اور اپنے ایمانی جذبہ میں آکر شاہ غسان کا یہ خط دہکتے ہوئے تنور میں ڈالدیا۔

انسان غیر کے مال سے بے نیاز ہو سکتا ہے لیکن اپنی ذاتی مالیت کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا لیکن صحابۂ کرام نے اسلام کی خاطر اپنے ذاتی مال کو بھی قربان کر دیا چنانچہ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اسلام لائے چونکہ صاحب مال تھے لوگ ان کے یہاں سے قرض لیجاتے تھے ایک مرتبہ عاص بن وائل ان کے یہاں سے قرض لیگئے مدت پوری ہونے کے بعد جب حضرت خبابؓ نے اپنا روپیہ طلب کیا تو عاص بن وائل نے کہا اگر تم اسلام سے برگشتہ ہو جاؤ تو روپیہ ادا کر دونگا ورنہ نہیں حضرت خبابؓ نے روپیہ چھوڑنا منظور کر لیا مگر ایمان کو نہ چھوڑا اسی پر اکتفا نہیں جب ہجرت کا حکم ہوا تو تمام صحابہؓ اپنا مال و متاع چھوڑ کر مدینہ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں حالانکہ صحابہ ایسے بھی تھے جن کے پاس مکہ میں جائدادیں اور کافی روپیہ تھا مگر جب مکہ سے جانے لگے تو کفار مکہ نے تمام مسلمانوں کی چیزوں پر قبضہ کر لیا مگر مسلمانوں کو اپنے ایمان کی حفاظت کے مقابلہ میں اسکا کچھ بھی افسوس نہ ہوا۔

قطع تعلق دنیا کے اندر انسان جسمانی تکالیف پر صبر و سکون حاصل کر سکتا ہے اور اسی طرح وہ مال دولت سے بھی بے نیاز ہو سکتا ہے لیکن اپنے خویش و اقربا اور رشتہ کے لوگوں سے کسی صورت میں مفارقت گوارہ نہیں کر سکتا

کیونکہ جب انسان کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو اس مصیبت کے وقت اپنے خویش و اقربا ہی کام آتے ہیں اور اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں چنانچہ عربی قبائل کے متعلق مشہور ہے کہ جب کبھی کسی قبیلہ کے فرد پر کوئی مصیبت آئی اور اس نے اپنی امداد کیلئے اپنے قبیلہ والوں کو پکارا تو بلا تامل قبیلے والے اس کی مدد کرنے کیلئے تیار ہو گئے۔ عربوں کا اس طرح سے مدد کرنا یہ ان کے نزدیک بڑے شرف کی چیز شمار ہوتی تھی۔ ظاہر بات ہے کہ جب قبائل کی یہ حالت ہو پھر کیونکر کوئی شخص اس بات کو گوارہ کر سکتا ہے کہ وہ اپنوں سے جدا ہو کر دوسروں سے تعلقات پیدا کرلے لیکن صحابہ کرامؓ کے جذبہ ایمانی نے اس موقعہ پر بھی جو بے نظیر ثبوت پیش کیا ہے اسکی مثال نہیں مل سکتی۔

دائرۂ اسلام میں آتے ہی آپس میں تفرقہ بازی پیدا ہو گئی باپ بیٹے سے جدا اور بیٹا باپ سے علیحدہ۔ اسی پر بس نہیں غزوہ بدر میں صحابہ کرامؓ نے اپنی ایمانی قوت وغیرہ کا جس قسم کا عجیب و غریب نظارہ پیش کیا تھا۔ اس کی مثال آسمان نے کبھی نہیں دیکھی ہوگی دنیا کے اندر جنگیں بہت سی ہوئیں مگر ایسی جنگ اب تک وقوع میں نہیں آئی تھی باپ بیٹے پر تلوار چلانے کیلئے تیار ہے اور بیٹا باپ کو قتل کرنے کیلئے بے چین ہے۔ چنانچہ میدان جنگ میں اگر ایک طرف عتبہ کفار کی طرف سے میدانِ جنگ میں نکلتا ہے تو مسلمانوں کی طرف سے خود عتبہ کے بیٹے حضرت حذیفہؓ باپ کے مقابلہ پر تلوار لیکر نکلے اسی طرح ایک طرف اگر کافروں کی صف میں حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے شریک ہیں تو دوسری طرف جاں نثاران رسولؐ کی صف میں ان کے باپ صدیق اکبرؓ ڈٹے ہوئے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے ماموں پر حملہ کیا۔ آخر یہ کیا چیز تھی جس کی وجہ سے صحابہؓ کو یہ صورت پیش آئی کہ وہ اپنوں کی گردن اڑانے پر آمادہ تھے اس کی وجہ صرف اسلام لانا تھا اپنی ایمانی قوت تھی جس نے مجبور کر دیا کہ ہم اسلام کی حمایت میں جسقدر مشکلات پیش آئیں ان سب کا مردانہ وار مقابلہ کریں۔ الغرض صحابہ کرام نے اپنے ایمانی جذبہ کے ماتحت بڑی سے بڑی مشکل کا سامنا کیا مگر ہر حال میں اپنے آپ کو اسلام کا سچا شیدائی ثابت کر دکھایا۔

ناظرین کرام آپ نے معلوم کرلیا کہ صحابہ کرام کو کسقدر مشکلات پیش آئیں اور مذہب کی حفاظت میں کسقدر قربانیاں دینی پڑیں نہ جان کی پرواہ، نہ مال کی، نہ خویش و اقربا کی جدائی کا کچھ غم نہ ترک وطن پر افسوس، اسی قربانی کا یہ نتیجہ تھا کہ کہاں وہ وقت جبکہ مسلمان مکہ میں مظلومانہ زندگی بسر کرتے تھے ہر طرف سے آوازے کسے جاتے تھے اور کہاں اب وہ بھی وقت آیا جب یہی مظلوم مسلمان دس ہزار کی تعداد میں فاتحانہ شان سے داخل ہوتے ہیں جو کافر مسلمان کو ایذا پہنچایا کرتے تھے آج وہی ہیں جو مسلمانوں کے رحم و کرم پر امن کے خواہشمند ہیں کل جس پیغمبر کو ان لوگوں نے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا آج اسی کا شاہانہ دربار ہے۔ برادران اسلام! ایک زمانہ مظلومی کا وہ تھا جس میں صحابہ کرامؓ نے قربانی دیکر اپنے مذہب کو آزاد کرایا۔ اور افسوس کہ ایک مظلومی کا نقشہ آج ہندوستان میں ہے کاش ہندوستان کے مسلمان بھی صحابہ کی طرح جانی اور مالی قربانی دیکر اپنے مذہب اور ملک کو آزاد کراتے۔ اَللّٰھُمَّ انْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ۝

فتاوے

سوال۔ زید نے بحالت نشہ دوران حجت وتکرار میں اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تجھکو طلاق دیدیا لیکن بعد دفع سکر (نشہ) زید کو طلاق دینے کا خیال نہیں ہے چند عورتیں جو تکرار وحجت کے وقت وہاں موجود تھیں انکا بیان ہے کہ زید نے بحالت نشہ اپنی بیوی کو طلاق دیدیا ہے۔ بعد اس واقعہ کے زید اور اس کی بیوی ڈیڑھ دو ماہ تک بدستور سابق میاں بیوی کیطرح رہتے رہے اب زید کی بیوی کہتی ہے کہ ہمکو صفائی دیدو زید نے کہا تم اپنے میکے سے دو چار آدمی بلاؤ ان کے سامنے صفائی یا طلاق دیدونگا چنانچہ اس کی بیوی نے اپنے میکے سے دو چار آدمی بلوایا اور زید نے بھی اپنے دو چار آدمیوں کو اکٹھا کیا۔ ان سب لوگوں کے مجمع میں زید کی بیوی نے کہا کہ زید نے مجھکو طلاق دیدیا ہے۔ حاضرین نے زید سے پوچھا کیا تم نے واقعی اپنی بیوی کو طلاق دیدیا ہے زید نے کہا کہ مجھکو مطلق ہوش نہیں ہے کہ میں نے طلاق دی ہے یا نہیں۔ حاضرین کے بار بار پوچھنے پر زید نے کہا کہ ممکن ہے سچ کہتی ہو لیکن مجھکو قطعی خیال نہیں ہے پھر میں بغیر یاد کے کیونکر اقرار کرلوں اب سوال یہ ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

محمد سلیم عبدالحلیم۔ پٹنہ

جواب:۔ اگر کسی کو نشہ والی چیز (افیون۔ بھنگ۔ شراب۔ تاڑی ودیگر منشیات) کے استعمال سے اسدرجہ کا نشہ ہوجائے کہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگے۔ یہ نہ جانے کہ اسکی زبان سے کیا نکل رہا ہے جو کچھ بولتا ہو اسکو سمجھتا نہ ہو اور ایسی باتیں کرے جنکو عقل وہوش (بے نشہ) قائم رہنے کی حالت میں زبان پر نہیں لاسکتا۔ خلاصہ یہ کہ نشہ کی وجہ سے عقل زائل ہوگئی ہو یا اس میں نقص وخلل واقع ہوگیا ہو تو ایسے نشہ کی حالت کی طلاق شرعاً معتبر نہیں ہے لغو اور کالعدم شمار کی جاتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کل طلاق جائز الا طلاق المعتوہ المغلوب علی عقلہ (ترمذی عن ابی ہریرۃ) قال الحافظ المراد بالمعتوہ الناقص العقل فیدخل فیہ الطفل والمجنون والسکران والجمھور علی عدم اعتبار ما یصدر منہ (فتح ۹/۱۴۸) قال عثمانؓ لیس لمجنون ولا سکران طلاق وقال ابن عباسؓ طلاق السکران والمستکرہ لیس بجائز (بخاری) والبسط فی الفتح للحافظ والنیل للشوکانی ۶/۱۶۱ والمغنی لابن قدامۃ ۷/۱۱۵ والمحلی لابن حزم ۱۰/۲۰۹ وغیر ذلک من المطولات پس اگر نشہ کی وجہ سے زید کی یہ حالت تھی کہ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو سمجھتا نہیں تھا اور نہ یہ جانتا تھا کہ وہ طلاق کا لفظ بول رہا ہے یا کچھ اور تو اسکی بیوی پر نشہ کی حالت میں طلاق دینے سے طلاق نہیں واقع ہوئی دونوں بدستور میاں بیوی ہیں۔

سوال:۔ عورت اور مرد کے درمیان نماز کے قواعد میں کوئی فرق ہے یا نہیں مفصل بیان کیا جائے۔ سائل مذکور

جواب:۔ فقہائے حنفیہ مرد اور عورت کے درمیان نماز اور متعلقات نماز کے پچیس سے زائد حکموں میں فرق ذکر کرتے ہیں لیکن خاص نماز کے افعال اور اسکے ادا کرنے کی ہیئت اور کیفیت میں مندرجہ ذیل فرق لکھتے ہیں۔

(۱) جہری نمازوں میں عورت کیلئے جہر سے قرأت کرنا غیر مستحب ہے۔ بخلاف مرد کے۔ (۲) مرد نماز شروع کرنے کے وقت دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور عورت کندھوں تک۔ دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وائل بن حجر سے فرمایا اذا صلیت فاجعل یدیک حذاء اذنیك والمرأة تجعل حذاء ثدییھا (طبرانی کبیر) یہ حدیث **ضعیف** و ناقابل اعتبار ہے صاحب "جامع ازہر" اس حدیث کی بابت فرماتے ہیں اخرجہ الطبرانی فی الکبیر عن وائل بن حجر من طریق میمونة بنت حجر بن عبدالجبار عن عمتھا ام یحیی بنت عبدالجبار ولم تعرفا وبقیة رجالہ ثقات انتھی اور چونکہ رفع یدین کی حد میں فرق کرنے کی حدیث ضعیف و ناقابل استدلال ہے اسلئے علامہ شوکانی فرماتے ہیں لم یرد ما یدل علی الفرق بین الرجل والمرءة فی مقدار الرفع وروی عن الحنفیة ان الرجل یرفع الی الاذنین والمرءة الی المنکبین لانہ استر لھا ولا دلیل علی ذلك (نیل الاوطار ص۱۳۳ ج۲) (۳) مرد دونوں ہاتھ ناف سے نیچے باندھے اور عورت سینہ پر یا اس سے نیچے لیکن ناف سے اوپر کیونکہ اس میں پردہ زیادہ ہے۔ جن ضعیف غیر صحیح غیر ثابت حدیثوں میں یہ مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناف سے نیچے ہاتھ باندھتے تھے انکو مردوں پر محمول کر دیا اور جن صحیح ثابت محفوظ حدیثوں سے آنحضرت کا سینہ پر ہاتھ باندھنا ثابت ہے انکو عورتوں کے حق میں مخصوص کر دیا اسلئے کہ مراعاة الستر اولی من مراعاة السنة۔ فیا للعجب (۴) عورت رکوع میں تھوڑا اور کم جھکے (بلا دلیل؟) بخلاف مرد کے کہ وہ پورے طور پر جھکے اسطرح سے کہ پیٹھ بالکل سیدھی رہے اور سر پشت سے جھکا ہوا نہ ہو نہ اونچا ہو بلکہ سر اور پیٹھ دونوں ہموار رہیں۔ (۵) مرد رکوع میں اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو پھیلا کر اور ایک دوسرے سے الگ رکھکر گھٹنوں پر ٹیکے اور عورت انگلیونکو ملی ہوئی رکھے مرد کی طرح جدا اور الگ نہ رکھے (۶) عورت اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں (ذراع) تک سجدہ میں زمین پر بچھادے (بلا دلیل؟) بخلاف مرد کے کہ وہ زمین سے الگ اور اونچا رکھے (۷) عورت سجدہ میں دونوں بغلوں کو کشادہ نہ ہونے دے یعنی دونوں بازوؤں اور کہنیوں کو پہلو سے ملائے رکھے (بلا دلیل؟) بخلاف مرد کے۔ (۸) عورت سجدہ میں پیٹ کو دونوں رانوں پر رکھدے یعنی اسکا سجدہ بالکل پست ہو اور پیٹ ران سے جدا نہ رکھے بخلاف مرد کے دلیل میں یہ دو حدیث ذکر کرتے ہیں (۱) روی ابوداود فی مراسیلہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر علی امرأتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض فان المرأة لیست فی ذلك کالرجل۔ یہ حدیث مرسل ہے اور حدیث مرسل حجت اور دلیل نہیں بن سکتی۔ (۲) اذا سجدت المرأة الصقت بطنھا بفخذھا کاستر ما یکون لھا اخرجہ البیھقی وضعفہ وابن عدی فی الکامل عن ابن عمر مرفوعا۔ یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ (۹) دونوں سجدوں کے درمیان اور قعدہ اولی وثانیہ میں عورت تورک کرے یعنی دائیں جانب دونوں پاؤں نکال کر بائیں سرین پر بیٹھے بخلاف مرد کے کہ وہ ان تینوں جگہوں میں دایاں پاؤں کھڑا رکھے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھے۔ جن صحیح حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف قعدہ اخیر میں یا سلام سے متصل قعدہ میں تورک (دایاں پاؤں کھڑا رکھنا اور بایاں پاؤں دائیں جانب نکالکر بائیں سرین پر بیٹھنا (بخاری) یا دونوں پاؤں دائیں جانب نکالکر بائیں سرین پر بیٹھنا (ابوداؤد) کرتے تھے ان حدیثوں کو مندرجہ ذیل آثار کی وجہ سے عورتوں کے حق میں کر دیا گیا۔ عن نافع عن ابن عمر انہ سئل کیف کان النساء یصلین علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کن یتربعن ثم امرن ان یحتفزن (مسند ابوحنیفہ) قال القاری ای یضممن اعضاءھن بان یتورکن انتھی وعن نافع ان صفیة کانت تصلی وھی متربعة وعن نافع قال کن نساء ابن عمر یتربعن فی الصلوة (مصنف ابن ابی شیبة) معلوم ہوا کہ عورت اور مرد کے بیٹھنے کی ہیئت میں فرق ہے لیکن صحیح بخاری میں ہے کانت ام الدرداء تجلس فی صلوتھا جلسة الرجل وکانت فقیھة۔ یعنی حضرت ام الدرداء کبری صحابیہ یا صغری تابعیہ مردوں کی طرح (قعدہ اولی میں افتراش اور قعدہ اخیر میں تورک) قعدہ کیا کرتی تھیں معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک عورت اور مرد کے ملین نماز کے اندر بیٹھنے کی کیفیت میں فرق نہیں ہے۔ ان کے علاوہ علمائے حنفیہ اور فرق بھی ذکر کرتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان نماز کے احکام میں اوپر ذکر کئے ہوئے فرق کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہوتے۔ فقط۔

روح اخبار

—— لندن ۲؍مئی۔ پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی نے مسجد شہید گنج لاہور کے متعلق مسلمانوں کی اپیل خارج کردی ہے۔ سر جارج رنکن نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کہ اپیل کنندگان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جس طرح ہر ایک سڑک پر ہر ایک شخص کو چلنے کا حق حاصل ہے (…اسی طرح ہر ایک مسلمان کو مسجد میں نماز پڑھنے کا حق حاصل ہے) خواہ کوئی مسلمان بچہ اس مسجد پر سکھوں کے قبضہ کے ایک سو سال بعد ہی کیوں نہ پیدا ہو۔ یہ دلیل نامنظور کیئے جانے کے قابل ہے لہذا اپیل مع خرچہ خارج کی جاتی ہے " مدینہ"

—— اناطولیہ کے زلزلے میں ملبہ کی صفائی کے بعد کروڑوں روپے کا مال برآمد ہوا ہے سونا چاندی اور نقد روپے کی قیمت کا اندازہ کئی کروڑ روپیہ ہے حکومت نے اعلان کیا ہے کہ اگر شہداء کے ورثہ موجود ہوں تو وہ باقاعدہ ثبوت دیکر چھ ماہ کے اندر مال متروکہ حاصل کرسکتے ہیں۔ لاوارث اموال سے حکومت غربا کیلئے مکانات تعمیر کرائیگی " زمزم"

—— سمرنا میں میونسپلٹی کی جانب سے اعلان کیا گیا ہے کہ بچوں کے والدین غروب آفتاب کے بعد اپنے بچوں کو باہر نہ نکلنے دیں دس سال سے اوپر کے بچے اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے ہیں۔ میونسپلٹی کی خواہش ہے کہ سڑکوں پر ایک تو مہلک حادثات واقع نہ ہوں اور دوسرے دس سال کے بچے تماشوں اور عام گذرگاہوں میں آوارہ نہ پھریں " زمزم"

—— بمبئی یکم مئی۔ ہز رائل ہائی نس ولی عہد حکومت سعودیہ (جو ہندوستان بغرض علاج تشریف لائے ہیں) نے عرب میں جاری کردہ اصلاحات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ موجودہ دور حکومت میں ساری مملکت آہستہ آہستہ ترقی کی طرف گامزن ہے بہت سی ایجادیں متعارف کی جارہی ہیں ٹیلیفون ٹیلیگراف بے تار برقی اور ڈاکخانے بجد کامیابی کے ساتھ کام کررہے ہیں سارے حجاز پر پکی سڑکیں بن چکی ہیں اور اب ریلوے لائن بھی بنائی جائیگی۔ حجاز میں بہت سے فائر بریگیڈ بھی ہیں۔ تجویز ہو رہی ہے کہ سارے ملک میں واٹر سپلائی کا انتظام ہوجائے۔ سپلائی الیکٹرک (بجلی) کمپنی کیلئے پاور ہاوس بھی بنایا جارہا ہے۔ حجاز میں ہزاروں کی تعداد میں ریڈیو سٹ موجود ہیں اور عنقریب ریڈیو اسٹیشن بنایا جائیگا۔ حجاز کے ہر ایک شہر اور گاؤں میں نئے قسم کے ہسپتال کھل چکے ہیں۔ سلطنت کے سول اور ملٹری طیارے بھی ہیں۔ سول ایڈمنسٹریشن کیلئے بلدیات بھی ہیں۔ حجاز میں تین اخبار بھی نکلتے ہیں معاشرتی حالات کا جائزہ لیتے ہوئے ہز رائل ہائی نس نے کہا کہ حجاز میں گذشتہ چند برسوں میں کافی سکول کھولے گئے ہیں تعلیم جبری نہیں ہے لیکن باوجود اسکے ترقی پذیر ہے ملک میں شرع اسلامی کے مطابق پردے کا رواج ہے۔ وہاں مکمل ممانعت شراب ہے۔ سارے حجاز میں ایک بھی قمار خانہ نہیں ہے۔ مجرموں کو بجد سخت سزائیں دیجاتی ہیں صرف حج کے موقعہ پر فقیر نظر آتے ہیں اور وہ بھی عرب نہیں ہوتے " زمزم"

—— گذشتہ ۱۱؍دسمبر سے ۳۱؍دسمبر تک سرکاری ریلوے سے تین کروڑ ۳۲ لاکھ روپیہ کی آمدنی ہوئی ہے۔ پچھلے سال انہی تاریخوں میں جو آمدنی ہوئی تھی اس سے یہ آمدنی ۱۱ لاکھ روپیہ زائد ہے۔ سنہ ۱۹۳۹ء کے یکم اپریل سے ۳۱؍دسمبر تک ۷۰ کروڑ ۹۹ لاکھ روپے کی آمدنی ہوئی …… (یعنی گذشتہ سال کے اسی عرصہ سے [illegible])

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب پرنٹر و پبلشر نے جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع کیا

یادگار فدائے علم دین جناب شیخ عطاء الرحمن صاحب مرحوم و مغفور

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی
... MUSLIM U... DELHI.

رسالہ

محدث

ملکیت

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم دارالحدیث رحمانیہ دہلی

فہرست مضامین

مقاصد

(۱) کتاب وسنت کی اشاعت۔

(۲) مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح۔

(۳) دارالحدیث رحمانیہ کے کوائف کی ترجمانی۔

ضوابط

(۱) یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) یہ رسالہ ان لوگوں کو سال بھر مفت بھیجا جائیگا جو ۴/ بذریعہ منی آڈر ٹکٹ کیلئے دفتر میں بھیجدینگے۔ رسالہ وی پی نہیں بھیجا جائیگا۔

(۳) اس رسالہ میں دینی، علمی، اصلاحی، اخلاقی، تمدنی، تاریخی مضامین بشرط پسند شائع ہونگے۔

(۴) ناپسندیدہ مضامین محصولڈاک آنے پر واپس کئے جائیں گے اور شائع شدہ مضامین واپس نہیں ہونگے۔

(۵) جوابی امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔ (۶) فتوی پوچھنے والے سوال کیساتھ جواب کیلئے ٹکٹ ضرور بھیجیں۔

پتہ

منیجر رسالہ محدث دارالحدیث رحمانیہ دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

محدث

نگران اصول
مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

جلد ۸ | ماہ جولائی سنہ ۱۹۴۰ء مطابق جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۵۹ھ | نمبر ۳

جمع و ترتیب قرآن

عنوان بالا کے ماتحت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ اسلامیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کا ایک نہایت اہم اور مفید مضمون اخبار "مدینہ" میں شائع ہوا ہے۔ مضمون کی اہمیت ہمیں مجبور کر رہی ہے کہ ہم ناظرین "محدث" کو بھی اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیں۔ مضمون ذرا طویل ہے اس لئے غالباً "محدث" کے دو تین نمبروں میں یہ پورا ہوگا۔ ہم طلبا عربیہ اور علماء سے خصوصیت کے ساتھ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس مضمون کا بغور مطالعہ کریں۔

مولانا اخبار "مدینہ" کے ایڈیٹر کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

آپ کے اخبار میں ادھر چند دنوں سے کوئی اجمل صاحب نامی پروفیسر کا ایک مضمون گستہ و شکستہ شکل میں قرآن مجید کی ترتیب و تدوین کے متعلق شائع ہو رہا ہے، باوجود طویل انتظار کے اب تک میں یہ نہیں سمجھ سکا ہوں کہ پروفیسر صاحب کی اپنی اس تحقیقاتی کام سے کیا غرض ہے؟ بہرحال ان کی کچھ بھی غرض ہو لیکن جناب سے مجھے یہ عرض ہے کہ مدینہ جیسے اخبار میں جو تقریباً عام مسلمانوں میں بہت زیادہ پڑھا جاتا ہے اس قسم کے ناقص و نامکمل مضامین کی اشاعت سے اندیشہ ہے کہ بلا وجہ عوام کیلئے باعث انتشار و پریشانی نہ ہو۔ آپ کو اختیار ہے آئندہ جو کچھ اس سلسلے میں شائع کیجئے لیکن براہ مہربانی ذیل کی چند سطریں شائع فرما کر مسلمانوں پر احسان کیجئے۔ ان بیچاروں کے سامنے چاہتا ہوں کہ جو اصل واقعہ ہے مختصر لفظوں میں بیان کر دیا جائے۔ اس کے بعد جس کا جو جی چاہے لکھے کہ "واقعات" پر واہی اختراعات کا الحمد للہ کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ"

قرآن کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے" خدا کا وعدہ ہے۔ بات یہ ہے کہ قرآن دنیا میں جس وقت بھی پیش ہوا۔ سوال یہ ہے کہ پیش کرنیوالے نے اسکو کس شکل میں پیش کرنا چاہا ہے؟ کسی زبانی گفتگو کی حیثیت میں یا کسی کتابی شکل میں؟ اس سوال کے جواب کیلئے بجائے باہر کے خود قرآن کے اندر ہی کیوں نہ دیکھا جائے۔ کس قدر عجیب ہے کہ "السبع المثانی" (سورہ فاتحہ) کے بعد جہاں سے حقیقی "القرآن العظیم" شروع ہوتا ہے اس کی پہلی آیت[1] کا دوسرا لفظ ذلک الکتاب" ہے اور پھر یوں ہی مسلسل دس نہیں بیس نہیں بلکہ پچاس ساٹھ بلکہ شاید اسّی پچاسی مقام پر تقریباً اکثر بڑی سورتوں میں قرآن کا پیش کرنیوالا تو یہی کہتا چلا جاتا ہے کہ میں جو کچھ پیش کررہا ہوں کتابی شکل میں پیش کررہا ہوں۔ لیکن اب ان لوگوں کو کیا کہیے کہ اس کے بعد بھی وہ یہی کہتے چلے جاتے ہیں کہ قرآن کی ابتدائی شکل مدت تک زبانی بیان کی رہی پھر بعد کو لوگوں نے اس کو کتابی شکل عطا کی۔

لطف یہ ہے کہ جاہلوں نے "ایام جاہلیت" کی جاہلیت کا مطلب خود اپنی طرف سے یہ گھڑ لیا کہ نوشت وخواند کی ناواقفیت کی یہ تعبیر ہے حالانکہ جو عرب کی تاریخ سے واقف ہے وہ ہی نہیں بلکہ صرف قرآن کا پڑھنے والا بھی اندازہ کرسکتا ہے کہ عرب کے جس عہد میں صحف۔ کتب۔ اسفار۔ زبر۔ الواح۔ رق قلم۔ مداد (روشنائی) نون (دوات) سفرہ (لکھنے والے لوگ) کاتبین (لکھنے والے لوگ) وغیرہ عام طور پر پائے جاتے ہوں۔ اس ملک کی "جاہلیت" کا کیا وہ صحیح ترجمہ ہوسکتا ہے جو عام طور پر کیا جاتا ہے خود قرآن ہی غالباً اس لفظ کا موجد ہے اور جہاں پر اس نے اس کو استعمال کیا ہے اس کو نوشت وخواند کی جاہلیت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ آخر عورتوں کا بے حیائی کے ساتھ باہر نکلنا اپنی قوم کی غلط طرفداری، خدا کے متعلق بدگمانی، آپ ہی بتایئے کہ ان باتوں کو لکھنے پڑھنے کی ناواقفیت سے کیا تعلق؟ حالانکہ قرآن کریم نے جاہلیت کا اطلاق انہی عادات واطوار خیالات وجذبات پر کیا ہے، واقعہ یہی ہے کہ "جاہلیت" دراصل "غیر اسلامی اعتقادات واخلاق" کی قرآنی تعبیر ہے ورنہ نوشت وخواند کے اعتبار سے اس زمانہ کے متمدن ممالک کا جو حال تھا یعنی لازمی تعلیم تو کہیں تھی نہیں بلکہ ملک کے خاص طبقہ تک یہ بات محدود ہوتی تھی قریب قریب عرب کا بھی یہی حال تھا مصر، ایران، روم عرب کے ان ہمجوار ممالک کی جو کیفیت تھی کوئی وجہ ہوسکتی تھی کہ عرب اس کیفیت سے غیر متاثر رہتا۔ خصوصاً جب اپنی رحلۃ الشتاء والصیف (سرمائی وگرمائی سفر) میں سال کا اکثر حصہ اس ملک کے شہری باشندے ان ہی ممالک میں بسر کرتے تھے۔

اس قرآنی شہادت کے بعد دنیا کے تمام تاریخی ذخیروں میں جو سب سے زیادہ اعتمادی ذخیرہ آج بنی آدم کے پاس موجود ہے یعنی حدیثوں سے بہ تواتر ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نازل ہونے کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کو لکھوالیا کرتے تھے تو کیا اس واقعہ کے متعلق صرف اس بنیاد پر ہم شک میں مبتلا ہوسکتے ہیں کہ کسی استشراقی بزرگ نے یہ نکتہ پیدا فرمایا ہے کہ مکہ معظمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغی کاموں سے اتنی فرصت کہاں ملتی ہوگی جو نازل شدہ قرآن کو لکھوالیا کرتے ہوں گے گویا مکی زندگی کی مشغولیت میں نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوتے تھے نہ کھاتے تھے، نہ بیوی بچوں میں رہتے تھے بلکہ مشغول ہی مشغول تھے۔ اور صرف ایک ہی بسیط کام میں مشغول تھے۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ مدینہ میں آپ کی مشغولیت بڑھ گئی تھی یا گھٹ گئی تھی۔

[1] اور جو پہلی آیت قرآن کی نازل ہوئی اس کی ابتدا بھی قرأت (خواندگی) وتعلیم بالقلم (لکھنے) سے کی گئی ہے کیا اسی کتاب کے
[illegible]

بھلا ان آسمانی تاروں کے توڑنے کی طاقت بجز مغربی محققین کے کسی غریب مشرقی میں کہاں پیدا ہو سکتی ہے۔ اجمل صاحب پر تعجب و حیرت ہے کہ اتنی تجربات کا تذکرہ انھوں نے علمی مقالہ میں کس بنیاد پر فرمایا بجز ابلیسی وسوسے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

بہرحال قرآن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ اور اسلامی روایات کی بھی یہی شہادت ہے کہ نازل ہونے کے ساتھ ہی قرآن مکتوب و نوشتہ ہو جاتا تھا۔ اور اسی کے ساتھ ہم مسلمانوں کو یہ بھی بتایا گیا ہے کہ نزول سے پہلے بھی قرآن مکتوب ہی تھا جس کا مطلب یہی ہوا کہ چند منٹ کے سوا یعنی جس وقت قرآن نازل ہوتا تھا یا غیب سے شہادت میں آتا تھا ازلاً و ابداً اولاً و آخراً قرآن نوشتہ اور صرف نوشتہ تھا۔ نازل ہونے سے پہلے ہی لکھا ہوا تھا اور نازل ہونے کے ساتھ ہی لکھا گیا اور اس وقت تک وہ مسلسل اسی کتابی شکل میں اس طریقہ سے موجود ہے کہ ایک سکنڈ کے لئے بھی اس سے اس کی کتابی حیثیت کبھی علیحدہ نہیں ہوئی۔ جیسا کہ دنیا کی عام مذاہب کی آسمانی کتابوں کا حال ہے کہ کسی کے متعلق بھی معلوم نہیں کہ کب کس نے، کہاں، کن کن وقتوں میں اس کے کن کن اجزاء کو کتابی شکل عطا کی۔ ہندوستان کے مذاہب کی اساسی کتابوں کا یہی حال ہے تورات پر دو دو سال سے زیادہ زمانہ ایسا گذرا کہ دنیا میں اس کا لکھا ہوا نسخہ موجود نہ تھا اور انجیل تو سرے سے مفقود ہی ہو گئی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی سیرت ہی کا نام انجیل رکھ دیا گیا ہے۔ یہ تو قرآن کی کتابت کا مسئلہ ہوا۔ باقی رہی یہ بات کہ اس کی موجودہ کتابی شکل کس کی عطا کی ہوئی ہے یعنی آیات اور آیات کے سورتوں کی موجودہ ترتیب کس طرح قائم ہوئی؟ ظاہر ہے کہ قرآن جب اپنے ابتداء نزول ہی سے کتابی شکل اختیار کر رہا تھا تو کھلی ہوئی بات ہے کہ اس کی ترتیب بھی اسی شخص کی دی ہوئی ہے جو اس کو لکھوا دیا کرتے تھے لیکن پھر بھی اصل واقعہ کو زیادہ وضاحت سے سمجھانے کیلئے میں ترتیب کے ساتھ مسئلہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہوں۔ (۱) آیتوں کی ترتیب کا مسئلہ۔ (۲) سورتوں کی ترتیب کا مسئلہ۔

پہلے مسئلہ کو سمجھنے کے لئے ایک مثال اپنے سامنے رکھ لینا چاہئے۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص چند علوم کا عالم ہے۔ مثلاً تاریخ، ریاضی، فلسفہ، جغرافیہ سب میں دستگاہ رکھتا ہے اور وہ ان تمام علوم کے متعلق ایک ایک کتاب لکھنا شروع کرتا ہے۔ جب تاریخی مواد کا ایک حصہ جمع ہو جاتا ہے تو اس کو تاریخ کی کتاب میں داخل کرتا ہے جب جغرافیہ کے معلومات فراہم ہوتے ہیں تو جغرافیہ کی کتاب میں شریک کرتا ہے۔ یوں ہی وقتاً فوقتاً مذکورہ بالا علوم کی زیر تصنیف کتابوں میں اضافہ کرتے ہوئے سب کو آخر ایک مدت کے بعد ختم کرتا ہے یوں اس کی کل کتابیں مکمل ہو جاتی ہیں۔

بس یوں ہی خیال کرنا چاہئے اور یہی واقعہ بھی ہے کہ قرآن کی جتنی سورتیں ہیں اُن کی حیثیت ایک مستقل رسالہ اور تصنیف کی ہے ہر رسالہ کا موضوع بحث جدا جدا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ان الگ الگ رسالوں کے متعلق وقتاً فوقتاً مضامین نازل ہوتے رہتے تھے اور جس رسالہ کا جو مضمون ہوتا تھا آپ اسی رسالہ میں اس مضمون کو درج کرا دیا کرتے تھے۔ کسقدر حیرت و استعجاب کی بات ہے کہ جو لوگ آج اس سعی لاحاصل میں اپنا وقت گنوا رہے ہیں کہ قرآن کی نزولی ترتیب کا پتہ چلانا چاہئے۔ (باقی صفحہ ۹ پر ملاحظہ فرمائیے۔

صفحہ تفسیر

قرآنی معارف وحقایق

(از جناب مولانا عبد الغفار صاحب حسن رحمانی عمرپوری استاذ جامعہ رحمانیہ بنارس)

(۳)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ وَالتِّیۡنِ وَالزَّیۡتُوۡنِ وَطُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ وَھٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ ۔ الی اخرالسورۃ قسم ہے تین کی، اور زیتون کی، اور طور سینین کی، اور اس امن وامان ولے شہر کی" بلد امین سے مراد یہاں مکہ مکرمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس محترم پاک مقدس بستی میں ہر قسم کی غارتگری اور بدامنی کو حرام قرار دیا اور اس کی حرمت وعظمت کو اس قدر بڑھایا کہ اس کے درخت پودوں کے کاٹنے اور خراب کرنے سے بھی منع فرمایا، صرف ضرورت کی بناپر بعض چیزوں کے کاٹنے کی اجازت دی گئی ہے۔ جو اس شہر میں داخل ہوا وہ ہر قسم کی تباہی اور خونریزی سے محفوظ ہوگیا۔ یہاں اس شہر کی قسم کھاکر اس کی حرمت وعظمت ظاہر کرنی مقصود ہے۔ یہی وہ نورانی مرکز ہے جہاں سے آفتاب اسلام کی شعاعیں نمودار ہوئیں اور سارا عالم اس کی تابانیوں اور جلوہ افروزیوں سے جگمگا اٹھا۔

طور سینین، یہ وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو باری تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا، اور کلیم اللہ کے باعظمت لقب سے سرفراز ہوئے، اسی کو طور سینا بھی کہتے ہیں، بعض کا خیال ہے کہ سینا یا سینین پہاڑ کے قریب ایک گوشہ کا نام ہے، اس پہاڑ کی قسم کھانے سے اس کی رفعت وعظمت کا اظہار اور ان روشن نشانیوں کی یاد تازہ کرنی مقصود ہے جو اس پہاڑ پر موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کیلئے ظاہر ہوئیں۔

تین کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں۔ (۱) دمشق میں ایک پہاڑ ہے، جسکو طور تینا بھی کہتے ہیں۔ یہاں تین (انجیر) کی پیداوار بکثرت ہوتی ہے، (۲) تین دمشق کی مسجد کا نام ہے (۳) تین نوح علیہ السلام کی مسجد کا نام ہے جو انھوں نے کوہ جودی پر تعمیر کی تھی (۴) کوفہ یا حلوان وھمذان کے درمیان ایک مقام ہے جہاں نوح علیہ السلام طوفان کے بعد آکر ٹھیرے تھے۔ قول ۳ و ۴ کی بناپر تین کی قسم کھانے سے حکمت صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو عبرت حاصل ہو کہ نوح علیہ السلام خدا کے برگزیدہ نبی کو ستانے والے اور جھٹلانے والے کس طرح تباہ وبرباد ہوئے، کہ آج صفحہ ہستی پر انکا نام ونشان بھی باقی نہیں ہے۔ خدا کے نبی اور اس کے فرمانبرداروں کو کس طرح رحمت الٰہی نے طوفان کی موجوں سے بچالیا، باقی قول ۱ و ۲ کے لحاظ سے بظاہر کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی والعلم عند اللہ۔

زیتون۔ اسکی تفسیر میں بھی کئی اقوال ہیں، زیتون، طور زیتا کا نام ہے، (۲) بیت المقدس میں ایک پہاڑ ہے، (۳) زیتون بیت المقدس ہی کا نام ہے۔ یہاں زیتون کے باغ بکثرت ہیں اسلئے اس مقام کو زیتون کہا گیا۔ ان اقوال سے

یہ بات روشن ہوگئی کہ یہاں محض ان درختوں کی قسم کھانی مقصود نہیں ہے بلکہ ان مقامات کی جہاں یہ پیدا ہوتے ہیں۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں ان دونوں درختوں کی قسم کھاکران کے بیشمار فوائد اوران گنت منافع کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اس صورت میں ان دونوں کی بلدامین اورطورسینین سے کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ قسم یہاں درختوں کی ہی کھائی گئی ہے لیکن فوائد کی بناپر نہیں بلکہ اسلئے کہ ان دونوں سے بہت بڑے اہم واقعات کی یادتازہ ہوجاتی ہے جن کے آثار ابتک انسان کےاحوال میں باقی ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں نوع انسانی کی ابتدائی پیدائش سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جوطویل زمانہ گذرا ہے اس کے چاردوروں کو یاددلایا ہے "تین" سے اشارہ ہے انسان کے ابتدائی دورکی طرف جبکہ وہ جنت میں انجیر کے پتوں کے سایے میں زندگی گذارتا تھا اور بے پردگی کے وقت اسی کے پتوں سے اس نے ستر پوشی کی تھی، فرمایا۔ وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ (پ س ع اعراف ع) یعنی اور دونوں (آدم وحوا) جنت (باغ) کے پتے سے اپنا ستر چھپانے لگے۔ اور زیتون سے نوح علیہ السلام اوران کی اولاد کے زمانے کی طرف اشارہ ہے۔ اسی کے پتہ سے نوح علیہ السلام کو زمین کی خشکی کا علم ہوا، اور انھوں نے جان لیا کہ اب عذاب الٰہی ٹل چکا ہے، اورزمین کی ازسرنو آبادی کا وقت آگیا ہے حق تعالیٰ نے یہاں زیتون کی قسم کھاکراس عظیم الشان حادثہ کی یادتازہ کردی،

طورسینین سے شریعت موسوی کی طرف اشارہ ہے،

اس کا ظہوراس وقت ہوا جبکہ دنیا بت پرستی کی آلائشوں سے گندی ہوچکی تھی، اسی شریعت کی اشاعت کیلئے بعد میں بہت سے انبیاء کرام مبعوث ہوئے۔ جن کے آخر میں حضرت مسیح علیہ السلام تشریف لائے، اور انھوں نے حق کی آواز کو بلند کیا، شرک وبت پرستی کی تردید کی۔

یہ دوربھی ختم ہوگیا، اورآہستہ آہستہ شرک وبدعت کی تاریک گھٹائیں چھاگئیں، ہرطرف خواہشات کی پیروی ہونے لگی، احکام شریعت میں تاویل وحیلہ سازی کے دروازے کھل گئے ایسے وقت میں ابررحمت جوش میں آیا۔ ظلمتیں چھٹ گئیں روشنی کا نیا دورشروع ہوا، اس کے سامنے گذشتہ دوروں کی روشنیاں ماند پڑگئیں، یہ وہ مبارک زمانہ تھا جبکہ نورمحمدی کا ظہور مکہ میں ہوا، اسی وقت انسانیت کے جدید عہد سعادت کی بنیاد پڑی، اس باعظمت دورکی طرف البلد الامین سے اشارہ کیا گیا ہے اس تشریح کے مطابق قسم اورجواب قسم میں مناسبت ظاہر ہے، لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ، بلاشبہ ہم نے انسان کو خوبصورت ترین بناوٹ میں پیدا کیا۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان لوگوں کو تنبیہ کی ہے جواپنی غفلت اوربداعمالیوں کی بناپرانسانی شرف وعزت کا خیال نہیں کرتے، گویا وہ اپنی بدکاریوں اورشرانگیزیوں سے یہ ثابت کررہے ہیں کہ ان میں اور وحوش وبہائم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ انسان فطرۃً اپنے اندر شر و فساد کی طرف میلان رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس خیال کو بھی اس آیت میں باطل کردیا، کہ اس نے انسان کے نفس اور بدن کو بہت سی خوبیوں سے مالا مال کیا ہے، اور عقل کی ایسی دولت بخشی ہے جس سے وہ دنیا کی تمام کائنات پر برتری حاصل کرسکتا ہے، زمین و آسمان، خشکی و تری کے بھیدوں کو جان سکتا ہے۔

انسان اپنے ابتدائی دور میں خود غرضی، خود پسندی سے پاک تھا۔ لطف و مہربانی سے اس کا دل پُر تھا طبیعت میں سادگی تھی، تکلف سے ناآشنا تھا، جیسا کہ بچپن کا زمانہ ہوتا ہے، یہ دور نہایت مبارک اور سعید تھا، تمام افراد اطمینان و سکون سے زندگی گذار رہے تھے۔ یہ زمانہ بالکل انجیر کے مشابہ تھا جس طرح اس کا کوئی حصہ بیکار نہیں جاتا بلکہ سب انسان کی غذا بنتا ہے اور اس کیلئے مفید ثابت ہوتا ہے ٹھیک یہی حالت انسان کی پہلے دور میں تھی تمام افراد کے دلوں میں ہمدردی و غمگساری کے جذبات تھے ہر ایک دوسرے کی مصیبت میں کام آتا تھا، سب جماعت کی لڑی میں پروے ہوئے تھے، ہر شخص اپنی تھوڑی بہت روزی پر قناعت و صبر کرتا تھا، نہ شکوہ شکایت نہ رشک و حسد، لیکن پھر زمانہ نے پلٹا کھایا خواہشات میں اختلاف رونما ہوا حسد کی چنگاریاں بھڑکیں، دشمنی اور کینے کے شعلے بلند ہوئے۔ خونریزیوں اور ہنگامہ آرائیوں نے پاک صاف زمین کو بے گناہوں کے خون سے سرخ کردیا، طبیعتوں میں کھوٹ دلوں میں خیانت اور حق تلفی نے جگہ پکڑلی، حیوانات کے پاس امانت رکھنا انسانوں کے پاس امانت رکھنے سے بہتر سمجھا جانے لگا۔ اس طرح انسان اپنی نفس پرستیوں اور ہوس رانیوں کی وجہ سے اپنی فطری بلندی سے گرکر ذلت و رسوائی کی انتہائی پستیوں میں پہنچ گیا، اسی کو فرمایا، ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۔ یعنی ہم نے انسانوں کو ان کی بدکرداریوں کی بنا پر حیوانوں سے بھی بدتر مقام پر گرادیا۔

ایک درندہ کی بے رحمی اور سفاکی سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہ اس کی عین فطرت کے مطابق ہیں، وہ ان افعال کی وجہ سے اپنے مقام سے نہیں ہٹا، لیکن انسان کا معاملہ ہی دوسرا ہے جب اس نے عقل جیسی بیش بہا نعمت کو بیکار چھوڑدیا، اور اس نے اپنی اور اپنے بھائیوں کی کامیابیوں کے اسباب سے غفلت برتی، تو کیا وہ حیوانوں سے بدتر نہ ہوگا؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے اذا فسد الانسان فلا تسل عما یصدر عنه من هذیان او عدوان" یعنی جب انسان کی طبیعت میں فساد برپا ہوجاتا ہے تو پھر اس کی سرکشی اور بیہودہ گوئی کی کوئی حد نہیں رہتی" جو لوگ اسفل السافلین کی گہرائیوں میں پہنچے ان میں بعض تو وہ ہیں جو نوحؑ کے زمانہ میں تباہ ہوئے اور بہت سی قومیں وہ ہیں جو درمیانی دور میں صفحۂ ہستی سے مٹائی گئیں۔ اور کچھ لوگ آئندہ اپنی نافرمانیوں کی بنا پر خدا کے عذاب کا نشانہ بنیں گے۔ جس طرح دنیا میں ان کیلئے تباہی و بربادی ہے اسی طرح آخرت میں بھی جہنم کی پست ترین گہرائیوں میں ان کا ٹھکانا ہوگا إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۔ یعنی جن کے دلوں میں ایمان کی روشنی ہے

جو اعمال صالحہ سے آراستہ ہیں انہی کیلئے دنیا و آخرت کی کامیابیاں ہیں، یہی لوگ ہیں جنھوں نے مرتبۂ انسانیت کی حفاظت کی اور فطرتی اعتدال و میانہ روی کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑا، انہی کیلئے دنیا میں بھی عزت ہے اور آخرت میں بھی دائمی خوشیاں ہیں، یہ کون لوگ ہیں؟ انبیاء کرام کی پاکیزہ جماعت اور ان کی سچی پیروی کرنیوالے خدا کے نیک بندے۔ آج جو کچھ تم دنیا میں برکتوں اور سعادتوں کا سرمایہ دیکھ رہے ہو یہ سب انہی کی کوششوں کے آثار و نتائج ہیں۔

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ، اے انسان اس کے بعد کونسی چیز تجھکو اطاعت و فرمانبرداری سے برگشتہ کر رہی ہے؟ تو کیا خدا کے ان گنت احسانات کو بھول گیا، اپنی پیدائش میں عجائب قدرت کی نیرنگیاں دیکھ، آسمان و زمین میں غور کر، کائنات کا ذرہ ذرہ اُس خالق اکبر کی عظمت و ربوبیت کی گواہی دے رہا ہے، کیا تجھے معلوم نہیں کہ انسانیت کے شرف و عزت کی حفاظت کرنیوالے صرف مومنین صالحین ہیں یہی لوگ صحیح مسلک پر قائم ہیں۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ ۔ اللہ تعالیٰ کی روشن نشانیوں کو دیکھتے ہوئے اسکی اعلیٰ حاکمیت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ اس کی تدبیر تمام تدبیروں پر غالب، اس کی حکومت تمام حکومتوں سے برتر ہے، اسی لئے اس نے نوع انسانی کی حفاظت و ترقی کیلئے قوانین مقرر کئے، انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا اور یہ سلسلہ برابر حضرت نوح علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جاری رہا۔ مذکورہ بالا تفسیر کی بنا پر دین کے معنی دل کے اخلاص اور اطاعت کے ہیں اس طرح فما یکذبک کا تعلق ماقبل سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے بعض نے دین کے معنی جزائے آخرت کے لئے ہیں اور ماقبل سے اس طرح تناسب بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہی انسان کا خالق ہے اور اس نے اسکو ابتداءً بغیر کسی نمونہ اور مثال کے پیدا کیا ہے تو کیا وہ قیامت کے دن دوبارہ جزا سزا کیلئے پیدا نہیں کر سکتا؟

لیکن سورت کا انداز بیان پہلے معنی کی تائید میں ہے اور دوسرا معنیٰ بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے +

بقیہ صفحہ ۵ + اولاً قرآن کی متواتر ترتیب کے مقابلہ میں اُن آحاد اور وہ بھی ضعیف بلکہ بعض موضوع روایتوں کی کوئی وقعت و قدر ہو سکتی ہے جس میں بعض آیتوں کی نزول کی تاریخ تو نا ممکن ہے صرف مقام بتایا گیا ہے یعنی فلاں آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے اور فلاں مدینہ میں۔ ثانیاً اگر ان تاریخی روایتوں کو ہم مان بھی لیں تو قرآن کو اسی ترتیب پر واپس لانے کی کوشش کے کیا یہی معنیٰ نہ ہوں گے کہ تاریخ کی بات جغرافیہ میں اور جغرافیہ کے مسائل طب میں، طب کے مسائل اقلیدس کے رسالہ میں اسلئے داخل کر دیئے جائیں کہ مصنف نے تاریخ کی اسی ترتیب سے ان مسائل کو قلمبند کیا ہے کیا اس حرکت کا مرتکب صحیح العقل و سلیم الفکر شمار ہو سکتا ہے؟ اگر یہ دیوانگی اور سراسر جنون ہے تو جو لوگ قرآن کی نزولی ترتیب کے درپے محض چند پادریوں کے اغواء سے ہوگئے ہیں اور ان کی بدنیتی سے اپنی نیت کو نیک کرکے اللہ اور اس کے رسول پر احسان دھرنا چاہتے ہیں، تواتر کی ٹھوس چٹان پر جو عمارت کھڑی ہوئی ہے اُسے ڈھا کر بلاوجہ او ہامی روایات کی بنا پر قرآن کی نئی تعمیر کی فکر میں سرگرداں ہیں۔ بتائیے کہ ان کے عقول کے متعلق میں کیا خیال کروں یہ تو آیتوں کی ترتیب کی واقعی کیفیت ہے ++ (باقی آئندہ)

مجاہد اعظم

علمبردار توحید شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی مجاہدانہ زندگی کے حالات

از جناب مولوی عبیدالرحمٰن صاحب طالب رحمانی

حال ہی میں مکہ معظمہ کے اخبار "ام القریٰ" میں ادیب فاضل شیخ عبدالغفور عطار کی وہ تقریر جو موصوف نے جمعیۃ الاسعاف الخیری کے خصوصی اجلاس میں مجاہد اعظم شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمہ اللہ کی مجاہدانہ زندگی کے حالات پر فرمائی تھی شائع ہوئی ہے جس میں موصوف نے بارہویں صدی میں نجد کی جہالت و توہم پرستی اور شیخ کے دینی و تبلیغی جوش و خروش اور مجاہدانہ کارناموں پر مفصل روشنی ڈالی ہے ذیل میں ہم اس تقریر کو تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ ناظرین محدث کے استفادہ کی غرض سے اردو میں نقل کرتے ہیں۔ مترجم

تاریخ کے مطالعہ کرنے والوں پر غالباً یہ مخفی نہیں ہوگا کہ جب کسی ملک اور بستی اور قوم میں ضلالت وگمراہی شرک و بت پرستی قتل وغارتگری، بیجا رسم ورواج کے مہلک جراثیم پیدا ہوجاتے ہیں اور حق و باطل کی تمیز اٹھ چکی ہوتی ہے انسانیت حیوانیت سے بدلجاتی ہے، شیطانی اور طاغوتی قوتیں اپنے پورے کروفر کے ساتھ دنیا میں پھیل جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ عین اس وقت ایسے پاکیزہ صفت انسانوں کو بھیجتا ہے جو آکر ظلمتکدۂ دنیا کو منور اور روشن کردیتے ہیں، اور صدیوں کے بھولے بھٹکے انسانوں کو جادۂ مستقیم پر لگادیتے ہیں۔ روئے زمین پر پھیلی ہوئی شیطانی اور طاغوتی قوتوں کا قلع قمع کردیتے ہیں تاآنکہ دنیا پھر حق کے نور سے منور ہوجاتی ہے۔

آج سے تقریباً تین سو برس پہلے سرزمین نجد پر ایک ایسا زمانہ بھی آیا جس میں سرزمین نجد کفر و شرک بت پرستی، بیجا رسم ورواج کا گہوارہ بنی ہوئی تھی ہر شخص مذہب اور دین سے بیگانہ ہوکر ہوا و ہوس کا بندہ اور پجاری بن چکا تھا دین و مذہب وہ تھا جس کی خواہشات نفسانی تلقین کرتی تھیں۔ پیر پرستی قبر پرستی عام ہوچکی تھی۔ ہر شجر و حجر کو نافع سمجھکر اس پر جانوروں کی قربانی چڑھائی جاتی۔ ہر امر میں نفس کی خواہش اور اس کے مقتضیات کو ملحوظ رکھا جاتا۔ غرض نجد اور باشندگانِ نجد کی عام فضا زمانہ جاہلیت کی فضا کے ہم آہنگ و ہمرنگ ہوگئی تھی۔ وہ دین جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے بہت پہلے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا اس کی اصلی صورت مسخ ہوچکی تھی دین و مذہب محمدی نہ تھا بلکہ نفسانی و شیطانی دین تھا باشندگانِ نجد کی اخلاقی حالت بالکل تباہی کے گھاٹ اتر چکی تھی قتل وغارتگری چوری او ڈکیتی جیسے مہلک اخلاقی امراض ان میں سرایت کرچکے تھے ان کا شیرازۂ زندگی بکھرا ہوا تھا ان کا کوئی حاکم و سردار نہ تھا جو انھیں ان چیزوں سے

روکتا۔ ہر شخص اپنے آپ حاکم و سردار تھا . . . . حق کی آواز بلند کرنے والے علماء اور مبلغین کو قوم کے متمردین اور شریر النفس لوگوں نے پہلے ہی فنا کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ غرض سرزمین نجد پر کفر و شرک جہل و بت پرستی ظلم و استبداد قبر پرستی باطل پرستی کا پورا پورا غلبہ و استیلاء ہو چکا تھا عین ایسے وقت میں نجد کی قسمت جاگی یعنی مجاہد اعظم علمبردار توحید شیخ محمد بن عبدالوہاب بطن مادر سے عالم شہود میں آئے جنھوں نے اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں سے نجد کی سرزمین کو شرک و بت پرستی قبر پرستی اور ہر قسم کے بیجا رسوم کی نجاستوں اور گندگیوں سے پاک و صاف کرکے خدا کی توحید کا غلغلہ بلند کر دیا۔

نام ونسب ووطن | شیخ کا نام محمد اور والد کا نام عبدالوہاب تھا سلسلۂ نسب یہ ہے محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان بن علی بن محمد بن احمد بن راشد بن بریدبن مشرف بن عمر بن بعضاد تمیمی، شیخ ۱۱۱۵ھ میں نجد کے مشہور شہر عیینہ میں پیدا ہوئے۔ شیخ کا خاندان اہل علم شرفاء و فضلاء اور معززین کا معدن و مخزن تھا خواص و عام ہر ایک میں یہ خاندان بڑے احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ شیخ کے والد بہت بڑے عالم محدث اور باکمال بزرگ تھے پہلے شہر عیینہ میں قاضی تھے پھر حریملاء میں منتقل ہو گئے تھے۔

تعلیم وتربیت | شیخ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی چونکہ آپ کو قدرت نے ذکاوت و ذہانت اور قوت حافظہ غضب کا دے رکھا تھا اس لئے لڑکپن ہی میں قرآن مجید اور صحاح ستہ کی بہت ساری احادیث کے حافظ ہو گئے تھے آپ کو علوم دینیہ کتاب و سنت سے غایت درجہ شغف تھا آپ نے تھوڑے ہی عرصہ میں ان علوم کی تکمیل کی اور بہت چھوٹی عمر میں علوم شرعیہ کے بحر مواج ہو گئے۔

تبلیغ وہدایت | شیخ جب سن بلوغ کو پہنچ گئے تو قوم اور وطن کی حالت کا جائزہ لیا دیکھا تو آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے ہر طرف ضلالت و جہالت وحشت و بربریت کا دور دورہ ہے نجد خصوصاً عیینہ کا سارا خطہ شرک و بت پرستی قبر پرستی نذر لغیر اللہ بدعات خرافات بے جا رسوم کا معدن بنا ہوا ہے۔ شیخ کے جوان اور حساس دل کو ایک ٹھیس لگی اور پوری قوت کے ساتھ اس کے خلاف آواز بلند کرنے کا تہیہ کر لیا لیکن چونکہ قوم مدتوں سے خواب غفلت میں مدہوش تھی یہ دیکھکر اسے اچانک صدائے حق سے جھنجوڑنا مناسب نہیں سمجھا کہ مبادا اچانک بیداری اس پر گراں گذرے اور بجائے تسلیم حق کے ضد اور انتقام پر نہ اتر آئے اسلئے تبلیغ حق کو صرف قوم کے علما اور پیروں تک محدود رکھا اور انھیں اپنا ہم خیال بنانا چاہا تاکہ جب حق کو کسی قدر قوت اور غلبہ حاصل ہو تو علانیہ اس کی اشاعت کی جائے ہر چند شیخ نے علماء کو منوا نے میں بہت کوشش کی لیکن جیسا کہ قاعدہ ہے حق بات بہت تلخ ہوتی ہے اور دل میں بہت مشکل سے اترتی ہے ان علماء اور پیروں نے شیخ کی حق باتوں پر دھیان نہیں دیا لیکن شیخ چونکہ نشۂ توحید میں سرشار تھے باوجود ان کی اس بے اعتنائی کے برابر ان کے مشرکانہ عقائد و اعمال کے خلاف آواز بلند کرتے رہے اور انھیں توحید الٰہی کی طرف بلاتے رہے۔

کچھ لوگوں کا شیخ کے ہمخیال ہونا اور علما کی مخالفت ۔ اب وقت آپہنچا کہ آپ کی دعوت و تبلیغ کا شجر

بار آور ہو اور آپ اپنے تبلیغی مشن میں کامیابی کی کوئی جھلک دیکھیں کچھ لوگ آپ کے ہم خیال ہو گئے اور آپ کی دعوت پر لبیک کہا لیکن وہ قبر پرست جن کے قلوب بدعت اور قبر پرستی کی نجاست سے سیاہ ہو چکے تھے جن کی زندگی کا دارومدار قوم کے نذرانے اور حلوے مانڈے پر تھا جب انھوں نے دیکھا کہ ہماری پیری اور شکم پروری کا قلع قمع ہونا چاہتا ہے تو ان کی آتش بغض و عداوت ایکدم بھڑک اٹھی اور آپ کی مخالفت اور انتقام پر پوری طرح آمادہ ہو گئے اور برابر اس کوشش میں لگے رہے کہ آپ کی ہستی کو ہمیشہ کیلئے فنا کر دیا جائے۔

فتنۂ علماء سوء اور سفر حج دنیا میں علماء سوء کا گروہ ہمیشہ خطرناک رہا ہے اور رہیگا جہاں کسی صاحب علم وفضل کو خداوند قدوس نے رجعت خلق کی نعمت عظمیٰ عطا فرمائی یہ خطرناک گروہ اس کے پیچھے پڑ گیا چنانچہ اس زمانہ کے علماء سوء اور پیروں نے جب آپ کی طرف کچھ لوگوں کے میلان کو دیکھا تو آپ کی مخالفت اور ایذا رسانی پر کمر بستہ ہو گئے اور آپ کے قتل و ہلاکت کا بھی ارادہ کر لیا۔ مخالفت و عناد کے اس طوفان بے تمیزی کا سدباب کرنے کیلئے شیخ نے مناسب سمجھا کہ کچھ مدت کیلئے عیینہ سے باہر چلے جائیں۔ شیخ عرصہ سے حرمین کی زیارت کا شوق اپنے دل میں رکھتے تھے کہ وہاں جاکر علماء و مشائخ سے علم حدیث کی سند حاصل کریں اس موقع کو شیخ نے غنیمت سمجھا اور عیینہ سے روانہ ہو گئے سب سے پہلے مکہ معظمہ پہنچے حج کیا حج سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور وہاں کے علماء و مشائخ سے ملاقات کی۔

فیوض حرمین قیام حرمین کے زمانہ میں شیخ متعدد علماء و مشائخ سے کسب فیض کرتے رہے حسن اتفاق اور خوش قسمتی سے مدینہ منورہ کے قیام میں نجد کے مقام مجمعہ کے مشہور عالم شیخ عبداللہ بن ابراہیم بن سیف سے آپ کی ملاقات ہو گئی جنھوں نے شیخ کو بہت ہی عزت و احترام سے اپنے پاس مہمان رکھا۔ شیخ نے موقع کو غنیمت سمجھا اور ان سے بہت کچھ فیض حاصل کیا اور پھر ان کی وساطت سے مدینہ کے رئیس العلماء علامہ محمد حیات سندی سے علوم حدیث کی تکمیل کی۔

واپسی نجد شیخ کچھ دنوں مدینہ منورہ میں کسب فیض کرتے رہے اس کے بعد مراجعت فرمائے نجد ہوئے اور وہاں تھوڑے دنوں قیام فرما کر سیاحت اور کسب فیض کی غرض سے جزیرۃ العرب کا دورہ کیا اور ہر جگہ کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ سے ملکر روحانی فیض و برکت حاصل کیا۔

بصرہ کا تعلیمی و تبلیغی سفر وطن میں مناسب حالات نہ دیکھکر شام کے ارادے سے بصرہ پہنچے وہاں محلہ مجموعہ میں شیخ محمد نامی ایک نامور محدث تھے ان سے کسب فیض کرنے لگے اور ساتھ ہی توحید کی تبلیغ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا وعظ شروع کر دیا اور علی الاعلان لوگوں کو شرک و بدعت اور منکرات سے روکنے لگے اہل بصرہ آپ کے دشمن ہو گئے اور آپ کی مخالفت اور ایذا رسانی پر پوری طرح تل گئے بالآخر گرمی کے موسم میں ٹھیک دوپہر کے وقت کڑی دھوپ میں تمام سامان و اسباب چھین کر شہر سے باہر نکالدیا یہ وہاں سے تن تنہا پاپیادہ بلد زبیر کی طرف چل پڑے۔ راہ میں شدت تشنگی اور پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ گئے مقام دریب میں پہنچکر بیہوش ہو کر گر پڑے شیخ کو اپنی ہلاکت و موت کا پورا پورا یقین ہو گیا تھا

لیکن خدائے بزرگ و برتر نے آپ کو موت و ہلاکت سے محفوظ رکھا اور آپ کی ہر وقت مدد کیلئے زبیر کے ایک باشندے ابو حمیران نامی کو جو گدھوں پر مسافروں کو پہنچایا کرتا تھا شیخ کے پاس بھیجدیا۔ ابو حمیران نے شیخ کو جاں بلب پایا اور چہرے پر ہیبت اور وقار کے آثار دیکھکر دل میں ترس آ گیا اور سوار کرا کے ملد زبیر تک پہنچا دیا۔

واپسی وطن | شیخ نے کچھ دنوں مقام زبیر میں قیام فرمایا اس کے بعد ارادہ ہوا کہ شام میں جاکر لوگوں کو توحید کیطرف بلائیں لیکن قدرت کو منظور یہ تھا کہ دعوت توحید نجد میں ہو جو غایت درجہ شرک جہالت اور توہم پرستی میں مبتلا تھا چنانچہ ان کے پاس خرچ کیلئے جو رقم تھی وہ ضائع ہوگئی اس لئے مجبوراً شام کا ارادہ ترک کر کے پھر نجد کا قصد کیا۔ پہلے مقام احساء میں آئے اور وہاں شیخ عبداللہ بن عبداللطیف شافعی کے پاس کچھ روز قیام کیا پھر حریملا میں پہنچے جہاں ان کے والد ۱۱۳۹ھ میں چلے گئے تھے۔ شیخ اکثر اپنے باپ کے حلقۂ درس میں بیٹھتے اور ان مشرکانہ رسوم و بدعات پر جو اہل نجد میں رائج ہوگئی تھیں اور جن کے خلاف علما رائی آواز نہیں اٹھاتے تھے اعتراضات کرتے چنانچہ ان کے اور ان کے والد کے درمیان بعض مسائل پر مناظرے بھی ہوئے۔ ہر چند آپ کے والد آپ کے اس طریقۂ تبلیغ کے موافق نہیں تھے مگر باپ کی مخالفت کی پروا نہ کرتے ہوئے شیخ برابر توحید اور کتاب و سنت کی نشر و اشاعت میں منہمک رہے ۱۱۵۳ھ میں جب ان کے باپ کا انتقال ہوگیا تو انھوں نے پورے جوش و خروش کے ساتھ توحید خالص اور اتباع کتاب و سنت کا وعظ شروع کیا اور علانیہ اہل قبور سے استمداد و استغاثہ کی مخالفت اور اس کو شرک قرار دیا اور مزارات سے نذر و نیاز ماننا ان پر ذبیحے چڑھانا قبے بنانا چراغ جلانا وغیرہ سب کو حرام اور اسلام کے خلاف بتایا اور بلا خوف لومۃ لائم صاف صاف اعلان کردیا کہ ان میں اور بت پرستی میں کوئی فرق نہیں جو لوگ سمجھدار تھے اور حق پسند تھے انھوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ لیکن بالعموم امرا اور عوام الناس نے جو ان رسوم کو دین سمجھے ہوئے بیٹھے تھے مخالفت کی۔

اہل حریملاء کی سازش قتل اور شیخ کا نجات پانا ۔ اہل حریملاء میں باہم تنظیم نہ تھی اور نہ کوئی متفقہ رئیس تھا اگرچہ تمام باشندے ایک ہی قبیلے کے تھے لیکن دو شاخوں میں منقسم ہوگئے تھے ان میں سے ہر ایک ریاست کا دعویدار تھا اور ایکدوسرے کی اطاعت کرنا اور بات ماننا برا سمجھتا تھا ظاہر ہے کہ جس بستی اور اہل بستی کی یہ حالت ہو اس میں ظلم و تعدی اور لوٹ کھسوٹ کا ہونا لابدی ہے چنانچہ ان میں ایک قبیلہ کے پاس چند غلاموں کی ایک جماعت تھی جو حمیان کہلاتے تھے وہ شہر میں ظلم و فساد کرتے اور لوگوں پر بیجا سختیاں کر کے ان کا عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا رؤسا نے اپنی ریاست اور اکثریت اور مطلق العنانی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر لوگوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ شیخ سے یہ نہ دیکھا گیا اور نہایت شدومد سے ان کو ظلم و تعدی اور دست درازی سے باز رکھنے کی کوشش کی نتیجہ یہ ہوا کہ الٹے ان کے دشمن ہوگئے۔ اور متفقہ طور پر یہ سازش کی کہ جب رات کو یہ محو خواب ہوں تو انھیں قتل کردیا جائے چنانچہ ایک رات رؤسا کے چند غلام دیواروں کو پھاند کر شیخ کے گھر میں کودے مگر اس وقت ان کے پاس کچھ لوگ موجود تھے جن کی پکار

قرب وجوار کے لوگ دوڑ پڑے اور غلام ڈر کر بھاگ گئے۔

مراجعت عیینہ اور نکاح جب شیخ نے اہل حریملا کا یہ سلوک دیکھا تو حریملا کو چھوڑ کر عیینہ چلے گئے۔ عیینہ کا امیر اس وقت عثمان بن حمد بن آل معمر تھا وہ آپ کی آمد سے بہت ہی خوش ہوا اور نہایت عزت واحترام کے ساتھ پیش آیا شیخ نے یہاں پہنچکر عبداللہ بن معمر کی بیٹی جوہرہ کے ساتھ نکاح کر لیا اور دعوت توحید میں سرگرمی سے مشغول ہوئے اور خود عثمان کو بھی آپ نے توحید اور کتاب وسنت کی اتباع کی تلقین کی اور کہا کہ اے امیر اگر تم توحید الٰہی کی نصرت اور کتاب وسنت کی بہتر اشاعت کیلئے کھڑے ہو جاؤگے اور پوری ثابت قدمی سے ہماری امداد کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہیں سربلندی اور غلبہ عنایت کریگا اور عنقریب تمہیں سارے نجد کی حکومت بخشدے گا چنانچہ امیر نے بھی شیخ کی تعلیم اور دعوت پر لبیک کہا اور پوری ذمہ داری کے ساتھ آپ کی حمایت اور امداد ومعاونت کا بیڑا اٹھایا۔

شیخ کا مذہبی جہاد اہل عیینہ میں بہت سے لوگ اور آل معمر کے روسا شیخ کے ہمنوا وہمخیال ہو گئے وہاں بعض ایسے درخت تھے جن کو جہلا مقدس مانتے تھے ان پر اپنی مرادوں کی عرضیاں لکھکر لٹکاتے تھے اور ان کی قدرت و برکت سے مقاصد اور تمناؤں کے پورا ہونے کی امید رکھتے تھے اب وقت آیا کہ شیخ ان سب مشرکانہ چیزوں کا استیصال کریں چنانچہ اپنے نوے ساتھیوں کے ہمراہ پہنچے اور ان کو جڑوں سے کاٹ پھینکتے جاتے تھے اور ساتھ ہی فرماتے جاتے تھے قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (پ ۱۵ بنی اسرائیل ع ۹) یعنی کہدو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ باطل تو مٹنے ہی کی چیز ہے۔

قبۂ زید کا انہدام عیینہ سے فاصلہ پر مقام جبیلہ کے قریب ایک قبر زید بن خطاب کی مشہور تھی جو قوم کی جہالت اور ان کی حماقت کی وجہ سے شرک کا مظہر بن گئی تھی لوگ اس کی پوجا کیا کرتے تھے اس پر چڑھاوے چڑھایا کرتے تھے اور وہاں اپنی مرادیں مانگا کرتے تھے شیخ نے عثمان سے فرمایا کہ اسے گرا دینا چاہیے۔ عثمان نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں بغیر تمہارے گیا تو وہاں کے باشندے قبر کی حمایت میں میرے مقابلے میں کھڑے ہو جائیں گے۔ اور مجھے اس کام کے انجام دینے سے روکدیں گے عثمان نے کہا کہ میں بھی چلوں گا۔ چنانچہ چھ سو آدمیوں کو ہمراہ لیکر وہ شیخ کے ساتھ وہاں پہنچے قبر پرست اور اہل شرک نے مزاحمت کرنا چاہا لیکن جب عثمان کو دیکھا کہ وہ جنگ کیلئے تیار ہوکر آیا ہے تو ان کے مقابلہ میں آنکی ہمت وجرأت نہ ہوئی، شیخ نے اپنے ہاتھ سے قبۂ زید کو منہدم کیا بہت سے گاؤں والے اہل جاہلیت کی طرح اس منظر کو دیکھکر منتظر تھے کہ اس کی پاداش میں شیخ کے اوپر کوئی نہ کوئی ارضی وسماوی بلا ضرور ضرور نازل ہوگی لیکن جب کچھ نہ ہوا تو ان کے دلوں میں شیخ کی عظمت وبزرگی گھر کر گئی۔ اور اس گاؤں میں بھی توحید پھیلنے لگی اور شیخ نجد کے سب سے بڑے اسلام کے صحیح رہبر اور رہنما تسلیم کر لیے گئے۔

رئیس احسار کا حکم قتل۔ قبۂ زید کے انہدام کی خبر جب تمام اطراف میں پھیل گئی تو لوگ آپ کے سخت مخالف ہو گئے

حتیٰ کہ رئیس احساء وقطیف اس خبر سے اس قدر غضبناک ہوا کہ خود اس نے عثمان کو سخت تہدید آمیز لہجہ میں لکھا کہ تم محمد بن عبدالوہاب کو قتل کردو۔ اگر قتل نہ کیا تو اس دیار سے جو کچھ تم کو وصول ہوتا ہے وہ سب کا سب روک دونگا۔ چونکہ آمدنی کی رقم بہت زیادہ تھی اور عثمان کی ریاست کا دارومدار بہت کچھ اسی پر تھا اس وجہ سے اس کے حواس بجا نہ رہے اور وہ ایسا متردد ہوا کہ دنیا کے زوال کے خوف سے توحید کی حمایت سے اس کا دل متزلزل ہوگیا۔ شیخ کو بلاکر اس واقعہ کا تذکرہ کیا انھوں نے عثمان کو بہتیرا سمجھایا اور فرمایا کہ یہی دین حق ہے جس کو انبیاء کرام کے ذریعے اللہ تعالیٰ بنی آدم کے پاس بھیجتا رہا اور سنت الٰہی یوں ہی چلی آئی ہے کہ جو لوگ اس کی نصرت وحمایت کیلئے کھڑے ہوئے ہمیشہ شروع شروع میں ان کا امتحان لیا گیا اور وہ ابتلاء وآزمائش میں ڈالے گئے لیکن انجام کار انھیں کو فتحمندی کامیابی عطا کی گئی قرآن مجید ان تصریحات سے بھرا پڑا ہے تم کو بھی لازمی طور پر اسی راہ سے گذرنا پڑیگا لیکن دل میں خطرہ نہ لاؤ صبر وثبات کے ساتھ امتحان کی کڑی منزلیں طے کرو اور یہ یقین رکھو کہ حزب اللہ ہی کیلئے فلاح وآخری غلبہ ہے عثمان پر شیخ کے اس وعظ کا اثر ہوا اور شرم سے گردن جھکالی لیکن احساء کی طرف سے طرح طرح کی افواہوں نیز دنیادار ہمنشینوں کی تخویف پھر خود اس کے نفس کی کمزوری اور بزدلی نے اس کو امتحان میں ثابت قدم نہ رہنے دیا اور پہلے ہی معرکۂ ابتلاء میں وہ شکست کھا گیا، شیخ کو بلاکر کہا اب میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ سلیمان نے مجھے آپ کے قتل کا حکم دیدیا ہے لیکن آپ کی ذات ورشتۂ قرابت کی وجہ سے میں نہیں چاہتا کہ میری طرف سے کوئی اذیت پہنچے اس لئے بہتر یہ ہے کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔ غرض عثمان نے سخت گرمی کے وقت شیخ کو وہاں سے نکالدیا۔ کہتے ہیں کہ عثمان نے شیخ کے ہمراہ ایک سوار بھی کردیا تھا جس کو حکم دیدیا تھا کہ راستے میں شیخ کو قتل کرڈالنا چنانچہ سوار نے اس حکم کی تعمیل بھی کرنی چاہی لیکن اللہ تعالیٰ نے شیخ کو محفوظ ومامون رکھا۔

شیخ کا درعیہ میں تبلیغ وہدایت کرنا۔ شیخ کو جب حریملاء اور عینیہ میں تبلیغ سے روکدیا گیا تو آپ عینیہ سے نکلکر سیدھے سلطان ابن سعود کے وطن شہر درعیہ میں پہنچے اور وہاں پہنچکر عبداللہ بن عبدالرحمن بن سویلم کے گھر کو دارالتبلیغ والارشاد بنایا اور توحید الٰہی اور کتاب وسنت کا وعظ شروع کردیا۔ شروع شروع میں عبداللہ بن عبدالرحمن بن سویلم کو شیخ کی مہمانی سے خوف پیدا ہوا کہ کہیں امیر درعیہ محمد بن سعود اس سے ناراض نہ ہوجائے لیکن شیخ نے اس کو اور اس کے چچا احمد بن سویلم کو سمجھایا کہ میں حق کا مبلغ ہوں اور اللہ تعالیٰ نہ مجھکو ضائع کریگا اور نہ ان لوگوں کو جو میرے مددگار وانصار ہیں اس سے ان کا دل مضبوط ہوگیا رفتہ رفتہ شیخ کی دعوت تبلیغ اور ارشاد وہدایت سے بہتیرے لوگ موافق ہوگئے۔ لوگوں نے شیخ کی دعوت توحید اور تعلیم سے امیر درعیہ محمد بن سعود کو بھی مطلع کرنا چاہا مگر یہ سوچکر کہ ممکن ہے امیر شیخ کی مخالفت کرے اول اس کے دونوں بھائیوں شاری بن سعود اور ثنیان بن سعود جو نابینا مگر صاحب بصیرت اور متقی تھے شیخ کی دعوت توحید اور صفات حمیدہ کا ذکر کیا پھر اس کی بیوی موضی بنت ابی وحطان کو

جو بڑی دیندار متقی دعاقل اور فرزانہ تھی شیخ کے حالات بتلائے۔ سب نے شیخ کی تعلیم اور دعوت حق پر لبیک کہا اور سچے ہمدرد و ہمنوا بن گئے اور محمد بن سعود کو شیخ کی حمایت اور امداد و اعانت پر آمادہ کیا امیر کی بیوی موضی نے اپنے خاوند محمد بن سعود سے یہاں تک کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے ایسے بزرگ کو ہمارے یہاں بھیجدیا تم موقع کو غنیمت سمجھو اور ان کا ساتھ دو۔ ابن سعود نے یہ سنکر شیخ کو اپنے پاس بلایا لیکن لوگوں نے مشورہ دیا کہ تم خود ان کی خدمت میں جاؤ تاکہ عوام کے دلوں میں ان کی توقیر بیٹھ جاتے اور کوئی ان کو اذیت دینے کی جرأت نہ کرسکے۔ امیر کو یہ رائے پسند آئی اور بذات خود ابن سویلم کے گھر پہنچکر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شیخ کی باتیں سنکر خوش ہوا اور کہا میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ آپ ایسے مقام میں آگئے ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے وطن سے بھی زیادہ راحت افزا ثابت ہوگا شیخ نے امیر کا شکریہ ادا کیا اور موقع کو غنیمت سمجھکر توحید خالص اور کتاب و سنت کی تعلیم پیش کی اور امیر کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اے امیر میں تم کو بشارت دیتا ہوں کہ اگر تم نے اس کلمۂ توحید کی جس کی میں دعوت و تبلیغ کے لئے اٹھا ہوں صبر و ثبات و استقلال کے ساتھ حمایت کی تو تم کو عزت و تمکین نصیب ہوگی اور سارے بلاد نجد کے بادشاہ ہوجاؤ گے کیونکہ اللہ تعالےٰ کا ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ وہ مخلصوں اور محسنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا اور ان کو قوت و غلبہ عطا فرماتا ہے تم دیکھتے ہو کہ آج نجد کی ہر جانب شرک اور جہالت اور توہم پرستی کی گھٹا چھائی ہوئی ہے اور تمام تر باشندے باہمی تفرقہ اور جنگ و جدال میں مبتلا ہیں کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو دین حق کی قبولیت کیلئے کھولدے اور تمہارے اور تمہاری اولاد کے ذریعہ ان سے تشتت و افتراق کو مٹا کر باہم متحد کردے

امیر ابن سعود کی بیعت حمایت۔ ابن سعود پر شیخ کی دعوت و تبلیغ اور تعلیم کا بہت اچھا اثر ہوا اور وہ آپ کا اس طرح گرویدہ ہوگیا کہ صبح و شام آپ کی خدمت میں آکر آپ سے کسب فیض کرتا رہا اور آپ کے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کی کہ میں ہمیشہ دین الٰہی اور توحید خالص پر قائم رہونگا اور اس کی اشاعت میں پوری طرح نصرت و امداد کرونگا۔

درعیہ میں شیخ کی تبلیغ کا اثر۔ شیخ نے امیر کی اس بیعت حمایت اور وعدۂ نصرت کے بعد پوری سرگرمی اور جوش و خروش کے ساتھ لوگوں میں توحید خالص اور اسلام کی صحیح تعلیمات کی تبلیغ شروع کردی اور اہل درعیہ کو جو فرائض اسلام کی ادائیگی میں سست شعائر اسلامی اور تعلیمات اسلامی سے بے خبر، قبر پرستی اور مشرکانہ رسوم کے خوگر تھے۔ کلمہ طیبہ کا اصلی مفہوم سمجھایا اور توحید الٰہی کی حقیقت ذہن نشین کرائی پھر نبوت کی اصلیت و غرض اور انبیاء و رسل علیہم السلام کے مدارج اور خاصکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ان کو بتائی اور بعث بعد الموت اور ہر شخص کے اپنے اعمال کے مسئول اور ذمہ دار ہونیکا یقین ان کے قلوب میں راسخ کردیا اس اذعان کے ساتھ ان کو اوامر الٰہی کے انقیاد اور خشوع و خضوع کے ساتھ عبادات اور صفات دینیہ مثلاً زہد و تقویٰ صبر و استقامت توکل و انابت وغیرہ کیطرف مائل کیا اور سنت رسول کے اتباع کی فضیلت ان پر آشکارا کی، شیخ کی اس سچی اور پاک حکیمانہ و مصلحانہ تبلیغ و ارشاد کا یہ اثر ہوا

کہ تھوڑی مدت میں اہل درعیہ شرک و بدعت اور توہم پرستی وجہالت وگمراہی کی تاریکی سے نکلکر اسلام کی صحیح اور اصلی روشنی میں آگئے اور تمام فرائض و اوامر شرعیہ کے پابند اور منہیات و بدعات سے بری ہوگئے، عینیہ اور اس کے آس پاس کے لوگ جن کے قلوب میں اسلام کی کچھ چنگاری باقی تھی وہ بھی شیخ سے ہدایت حاصل کرنے کیلئے آنے لگے اور اس طرح شیخ نجد کے سب سے بڑے اسلام کے صحیح رہبر اور پیشوا تسلیم کرلئے گئے۔

تبلیغ عام ۔ شیخ کو جب درعیہ سے فرصت ہوئی تو دوسرے مقامات اور شہروں کے امراء ورؤساء اور پیروں کی طرف تبلیغی خطوط بھیجے اور انھیں بھی توحید خالص اور دعوت حق کی طرف بلایا جو حق پسند وحق شناس تھے انھوں نے ان کی دعوت قبول کی اور ان کے حامی ومعاون بن گئے اور جن پر رسوم زمانہ اور آباء واجداد کی تقلید غالب آچکی تھی اور توہم پرستی کا بھوت ان پر سوار تھا شیخ کی دعوت تبلیغ سے انکار کیا اور بُرے القاب سے ملقب کیا۔ کسی نے آپ کو جاہل کہا۔ اور کسی نے جادوگر کسی نے انکا مذاق اڑایا اور کسی نے ان پر ایسی ایسی تہمتیں لگائیں کہ جن سے وہ بالکل بری تھے۔ مثلاً یہ کہ وہ زیارت قبور کو حرام بتاتے ہیں اور کرامات اولیاء کے وہ منکر ہیں وغیرہ وغیرہ جہلاء شیخ کے جا بجا مخالف ہوگئے اور ان کے متبعین کو ستانے لگے شیخ نے مجبور ہو کر اپنے متبعین اور پیرووں کو بھی حکم دیدیا کہ جو لوگ افعال جاہلیہ اور مشرکا رسوم سے باز نہ آئیں اور اہل حق کی راہ میں حائل ہوں ان سے مقابلہ ومقاتلہ کرو۔ چنانچہ شیخ اور ان کے پیرووں کی معاندین ومخالفین کے ساتھ لڑائی رہی اور انجام کار مدت تک جنگ وجہاد کے بعد تقریباً کل جزیرۃ العرب سے ہر قسم کے رسوم شرکیہ اور بدعات محو اور قبروں کے قبے جنکو عوام نے درگاہ قرار دے رکھا تھا مسمار کردیئے گئے اور توحید خالص اور اسلام کی صحیح تعلیمات سے سارا جزیرۃ العرب منور اور روشن ہوگیا۔

شیخ کی وفات ۔ شیخ ایک مدت تک دینی علمی اور اخلاقی اور مخلوق کی رہنمائی کرنے کے بعد ذیقعدہ ۱۲۱۶ھ میں ۹۲ سال کی عمر میں کافی تعداد میں موحدین کی جماعت چھوڑ کر رحلت فرماگئے۔

شیخ کی تعلیمات ۔ شیخ کی تعلیمات اور دعوت سوائے اس کے کچھ نہیں کہ آپ لوگوں کو کلمہ طیبہ اور اس کی حقیقت اور معنے سکھاتے دنیا میں تصرفات اور ہر قسم کے تغیر وتبدل اور انقلاب پیدا کرنیکا مالک اور حقیقی معبود صرف خدائے تعالیٰ کو بتلاتے اور خدا کے سوا تمام چیزوں کو تصرف اور قدرت سے عاجز اور کمزور محض سمجھتے۔ قبر پرستی پیر پرستی نذر لغیر اللہ وغیرہ رسوم کو شرک اور حرام بتاتے۔

غرض شیخ نے اپنی طرف سے کوئی جدید اور نئی تعلیم نہیں پیش کی بلکہ صرف توحید خالص اور اتباع کتاب و سنت کی تلقین کی عقائد واعمال میں ان کی ہدایت تمام تر وہی ہے جو سلف صالح ائمہ سنت وجماعت کی ہے۔ جو قرآن مجید کا منشا اور احادیث رسول اللہ کا مقصد ہے۔ شیخ کا مقصد بھی صرف اسی توحید خالص کو رواج دینا اور شرک کو مٹانا تھا جس کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کئے گئے تھے لیکن افسوس کہ آج جاہلوں کو ایسے موحد اور مجاہد کے خلاف غلط اور جھوٹے الزامات لگا لگا کر اس طرح بدنام کردیا گیا ہے کہ اب لوگ اس کے نام سے بھی نفرت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت دے اور ان پر رحم فرمائے۔

اسلام کی کشش

(از مولوی میزان الرحمٰن صاحب آسامی متعلم رحمانیہ دہلی)

جب مذہب اسلام نے دنیا میں پہلا قدم رکھا اسی وقت سے مخالفین اسلام اس بات کی کوشش پیہم میں لگے ہوئے ہیں کہ اسلام کو دنیا سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے تاکہ اس کے نام لیواؤں میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے لیکن جب اس امید میں کامیابی نظر نہ آئی تو آخر کار یہ سوچنے لگے کہ کسی طرح سے مذہب اسلام کو بدنام کر دیا جائے تاکہ اس کی وہ روشنی اور چمک باقی نہ رہے جسکو دیکھکر تمام انسان بے اختیار اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ سوچنے کے بعد اسلام پر یہ دھبہ اور عیب لگایا کہ درحقیقت اسلام میں کوئی خوبی نہیں بلکہ یہ ایک خونریز مذہب ہے یہ ڈاکوؤں اور لٹیروں کا مذہب ہے اس کی اشاعت اور تبلیغ صرف تلوار کے ذریعہ ہوئی ہے۔

حضرات آپ لوگوں کو معلوم ہوگا کہ مذہب اسلام پر یہ اعتراض کرنا کہاں تک صحیح ہے۔ آئیے میں بتاؤں کہ یہ اعتراض معترض صاحب کی عدم علمی اور جہالت پر مبنی ہے۔ اگر معترض صاحب تواریخ ماضیہ پر نظر ڈالتے تو کبھی یہ اعتراض نہ کرتے۔ ہاں اگر معترض صاحب تواریخ سے ناواقف ہیں تو صرف لفظ اسلام کے معنی ہی پر ایک غائرانہ نظر ڈالتے تب بھی یہ بیجا سوال نہ کرتے اور اپنا عدم علمی بھی ظاہر ہونے کا موقع نہ دیتے۔

حضرات آپ صرف لفظ اسلام کے معنی ہی پر ایک غائرانہ نظر ڈالئے۔ لفظ اسلام کا اصل مادہ سَلَمٌ ہے اور یہ لفظ تین معنی میں مستعمل ہے۔ معنی اول۔ دربار الٰہی میں خضوع وخشوع کرنا۔ دوسرا معنے۔ تزکیہ نفس یعنی اپنے نفس کو پاک صاف کرنا۔ تیسرا معنے بلاچون وچرا کسی زبردست قوت کے سامنے اپنا سرنگوں کر دینا؛ کیا ان تین معنوں میں سے کسی ایک معنی میں جبر وتشدد پایا جاتا ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر ایسے پاک صاف مذہب پر خواہ مخواہ الزامات لگانے سے کیا فائدہ۔

اسلام کو بزور شمشیر پھیلانا عقل کے خلاف ہے۔ اسلئے کہ اللہ پاک نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۰ (پ ۲۸ صف ع ۱) یعنی اللہ پاک اپنا نور پورا کر کے چھوڑے گا اگرچہ مشرکین و کفار برا ہی کیوں نہ سمجھیں۔ اس آیت میں اللہ پاک نے اسلام کو نور فرمایا اور یہ بات مسلم ہے کہ نور کو کبھی کسی ہتھیار کے ذریعے سے نہیں پھیلایا جاتا بلکہ نور خود بخود پھیلتا رہتا ہے تو جب اسلام نور ہوا تو اس کو بھی پھیلانے کے لئے شمشیر یا تلوار کی ضرورت نہیں۔

آج متمدن اقوام کے جنگی مشاہدات ہمیں بتلا رہے ہیں کہ کسی قوم کی فتح وظفر کا علم اسی وقت بلند ہو سکتا ہے

جبکہ بڑے بڑے جرنیل اور ماہرین جنگ اس قوم سے وابستہ ہوں۔ جن کی سطوت وصیبت اور رعب ودبدبہ دیکھکر دوسری قوم اپنے آبائی دین کے چھوڑنے پر مجبور ہوجائیں۔ اس اصول جنگ کے معلوم ہوجانے کے بعد ہم دریافت کرتے ہیں کہ ایک یتیم فرزند، بوریہ نشین، ارض حجاز کی پتھریلی زمین پر سونے والے نے شرجیل بن حسنا جیسے پہلوان خالد بن ولید جیسے مردمیدان عدی بن حاتم جیسے جنگی سپاہی وغیرہم کو کس تیر وتفنگ اور شمشیر براں سے مسخر کیا تھا۔ بلکہ ہم دعوے کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مذہب اسلام ہی کی صداقت وکشش تھی جس نے ان کے سروں کو ایک یتیم فرزند کے چوکھٹ پر جھکا دیا تھا۔

حضرات ان کے ساتھ کیا خصوصیت ہے بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ پروانے نور دیکھکر اندھیرے میں نہیں رہ سکتے ہیں بلکہ بے اختیار ہوکر اس نور میں گرنے کیلئے کود کود کر آتے ہیں اسی طرح چونکہ اسلام نور ہے اس نور سے بھی انسان باز نہیں رہ سکتے ہیں بلکہ بے اختیار اسلام میں داخل ہوکر اپنے آپ کو منور کرتے رہتے ہیں چنانچہ ارشاد ربانی ہوتا ہے وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِيْنِ اللهِ أَفْوَاجًا یعنی اے محمد تم نے دیکھا کہ لوگ نور اسلام میں جوق درجوق داخل ہورہے ہیں۔

وہ حضرات جو کہ اس بات کے قائل ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے ذرا غور فرمائیں اور انصاف سے کام لیں اور اسکا جواب دیں کہ شہیر ابن یا رام جو کہ ملک صنعا رکا بادشاہ تھا اور منذر بن سادی جو کہ بحرین کا بادشاہ تھا۔ اصحمہ نجاشی حبش کا بادشاہ، اکیدر شاہ دومۃ الجندل ذوالکلاع حمیری جو کہ اپنے گھر بیٹھے اپنے پندرہ ہزار غلاموں سے سجدہ کراتا تھا۔ ان کو کس نے تیر وتفنگ سے مجبور کیا تھا۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کے نام سنتے ہی تمام عرب لرزہ براندام ہوجاتا تھا اور یہ لوگ ایسے تھے کہ نہ کسی کے رعب سے مرعوب ہوئے تھے اور نہ مرعوب ہونے والے تھے نیز ان کے علاقوں میں سوائے مبلغین اسلام کے کسی غازی یا مجاہد اسلام نے قدم نہ رکھا تھا۔ کیا کوئی اس بات کا ثبوت دے سکتا ہے کہ ان کو بھی تلوار کے ذریعہ سے مجبور کیا گیا تھا؟

کیا ملک حبش کے واقعہ کو کوئی شخص بھلا سکتا ہے۔ کسکو نہیں معلوم کہ مخالفین اسلام کے مظالم جب اسلام کے شیدائیوں پر حد سے تجاوز کر گئے تو چند غریب اپنی جان بچا کر ملک حبش کی طرف بھاگ گئے اور یہ وہی ملک حبش تھا جہاں سے بیس ہزار لشکر جرار مع ہاتھیوں کے بیت اللہ شریف پر حملہ کرنے گیا تھا جب وہاں چند مسلمان اپنی جان بچا کر پہنچتے ہیں تو ان کی زبان سے چند کلمات سنتے ہی وہاں کا صاحب تاج اور بادشاہ مسلمان ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمین اولین میں اپنا نام درج کراتا ہے۔ کیا کسی نے وہاں جاکر ان کو تلوار کے ذریعہ مجبور کیا تھا وہ کمزور قوم اور چند غریب افراد جو اپنی بیوی بچے اور تمام مال ودولت کو چھوڑ کر دوسرے کے ملک میں جاکر پناہ لیتے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے اور عقل اس کو تسلیم کرتی ہے کہ اس کو بزور شمشیر مسلمان بنایا تھا؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں!

کیا میرے اس دعوے کیلئے بلال حبشیؓ اور سلمانؓ فارسی کا واقعہ کافی نہیں کیا ملک فارس میں حضرت سلمانؓ کو مسلمان بنانے کیلئے کوئی گیا تھا۔ کونسی کشش تھی جس نے سلمان فارسیؓ کو اپنا تخت چھوڑنے اور غلامان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمرہ میں شامل ہونے پر مجبور کیا تھا؟ کونسی وہ لذت تھی جس نے بلال حبشیؓ کو اس درجہ فریفتہ بنا یا تھا کہ گلے میں رسی بندھی ہوئی ہے۔ لڑکوں کے ہاتھ سے گھسیٹے جارہے ہیں۔ پتھروں کے بوجھ میں دبا کر سینے پر گرم پتھر رکھکر ریتیلی زمین میں لٹا دیئے گئے ہیں لیکن پھر بھی دل میں وہی محبت آلہی اور زبان پر وہی کلمۂ توحید ہے جس کی پاداش میں یہ سب کچھ ہورہا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اسلام کو پھیلانے کیلئے نہیں بلکہ اسلام کو مٹانے کیلئے دشمنوں نے تلوار اور طاقت کو استعمال کیا۔ لیکن خدا کی شان کہ نتیجہ الٹا نکلا۔ اسلئے کہ سہ

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دینگے

ہو مبارک سال نو میں پھر قدم رکھنا ترا

(از جناب عبدالصبور صاحب صابر بستوی متعلم رحمانیہ دہلی)

ہو مبارک سال نو میں پھر قدم رکھنا ترا اے "محدث" ہے ہر اک فرد بشر شیدا ترا
دین قیم کی اشاعت تونے کی ہے بیمثال خدمت دیں کیلئے ہی وقف ہر صفحا ترا
مسلم مدہوش کی آشفتہ حالی دیکھکر مضطرب تو ہوگیا سینے میں دل تڑپا ترا
یک بیک بیدار کردی تونے دنیائے حیات جہل کی تاریکیوں پر ہو گیا غلبہ ترا
کفر کی ظلمت میں تو مثل مہ تاباں رہا برق خرمن سوز باطل ہے ہر ایک جلوہ ترا
سات سالہ عہد میں برپا کیا وہ انقلاب دیکھکر حیران ہیں سب فکر فلک پیما ترا
کیوں نہ ہو تیری ترقی تیری شہرت اسقدر جا بجا عالم میں آخر کیوں نہ ہو چرچا ترا
راستبازی اور حق گوئی بنایا ہے شعار خوف باطل سے قدم ہرگز نہیں لرزا ترا
تیرا ہر ہر لفظ گوہر اور جواہر بیگماں ہاں مزین جن سے ہوتا ہے ہر اک پرچا ترا

گر ترا مقصد ہے صابرؔ خدمت دین متیں
ہے "محدث" ہی وسیلہ اسکے حق میں بالیقیں

فتاوے

سوال ۔ اگر پیش امام اپنے نابالغ بچے کو اپنے ساتھ دائیں طرف تعلیم کی غرض سے کھڑا کرکے نماز پڑھے تو کیا اس کو دو امام قرار دیا جائیگا اور کیا ایسا کرنے سے مقتدی کی نماز میں خلل واقع ہوگا اور کیا امام گنہگار ہوگا۔ عبدالحلیم پٹنہ

جواب :۔ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نواسی حضرت امامہ بنت زینب کو فرض نماز پڑھانے کی حالت میں دوش اقدس پر اٹھا رکھا تھا جب رکوع اور سجدہ کیلئے جھکتے تو اُن کو دوش مبارک سے زمین پر اتار دیتے (بخاری مسلم وغیرہ) (۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں بیٹھکر اس طرح فرض نماز پڑھائی تھی کہ حضرت ابوبکرؓ آپ کے پہلو میں دائیں جانب کھڑے ہو کر آپ کی اقتدا کر رہے تھے اور بقیہ مقتدی آپ کے پیچھے تھے (بخاری مسلم وغیرہ) معلوم ہوا کہ امام کے اپنے ساتھ نابالغ بچہ کو کندھے پر اٹھائے رکھنے سے یا بغرض تعلیم دائیں جانب کھڑا کرنے سے یا کسی بالغ مقتدی کو اپنے پہلو میں کھڑا رکھنے سے مقتدیوں کی نماز میں کوئی خلل نہیں واقع ہوتا اور نہ امام گنہگار ہوتا ہے اور نہ ان کو دو امام قرار دیا جائے گا ہاں مناسب یہ ہے کہ نابالغ بچوں کو مردوں کی صف کے پیچھے کھڑا کیا جائے۔ عن عبدالرحمن بن غنم قال قال ابومالک الاشعری الا احدثکم بصلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فاقام الصلوۃ فصف الرجال وصف الغلمان خلفہم ثم صلی بھم فذکر صلوتہ ثم قال ھکذا صلوۃ امتی (مسند احمد وابوداود)

سوال ۔ پیش امام دوسری رکعت کے بعد بیٹھنا بھول گیا تو تیسری رکعت پڑھکر تشہد کیلئے بیٹھے یا نہیں؟ یا چوتھی رکعت پوری کرکے تشہد پڑھے اور سجدہ سہو کرکے سلام پھیرے؟ مقتدی نے تیسری رکعت میں لقمہ دیا تب بھی امام نہیں بیٹھا اور چوتھی رکعت ختم کرکے سلام کے بعد کہا کہ تیسری رکعت میں بیٹھنا کچھ ضروری نہیں ہے۔ سائل مذکور

جواب ۔ امام جب چار رکعت والی نماز میں دوسری رکعت کے بعد بیٹھنا بھول جائے تو تیسری رکعت کے بعد نہ بیٹھے کیونکہ یہ قعدہ کا محل نہیں ہے۔ چوتھی رکعت پوری کرکے تشہد اور درود و دعا پڑھکر دو سجدہ سہو کرکے سلام پھیر دے۔ مقتدیوں کا تیسری رکعت میں امام کو قعدہ کرنے کیلئے لقمہ دینا درست نہیں ہے۔ قعدہ اولی واجب ہے۔ بھول جانے کی صورت میں سجدہ سہو سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں قعدہ اولی بھول گئے تو تیسری رکعت کے بعد قعدہ نہیں کیا بلکہ چوتھی رکعت پوری کرکے دو سجدہ سہو ادا فرما کر سلام کیا (بخاری مسلم وغیرہ)

سوال ۔ نماز تہجد سفر یا بیماری یا نیند کی غفلت وغیرہ سے چھوٹ جائے اور وتر کا وقت بھی نہ ہو تو کیا کرے؟ نماز قضا کرنے سے گنہگار رہوگا یا نہیں۔ وتر نماز میں دعائے قنوت پڑھنا بھول گیا تو کیا کرے سجدہ سہو کرکے سلام پھیرے یا دہرا دے؟　　سائل مذکور

جواب: سفر یا بیماری یا نیند کے غلبہ کی وجہ سے تہجد کی نماز چھوٹ جائے تو بہتر یہ ہے کہ دن میں قضا کرے وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (قرآن کریم) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب آپ کی تہجد کی نماز بیماری اور درد تکلیف یا نیند کی وجہ سے چھوٹ جاتی تو دن میں بارہ رکعت ادا فرماتے (مسلم ترمذی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا رات کا وظیفہ اور وِرد (تہجد کی نماز، تلاوت قرآن) نیند کی وجہ سے فوت ہوگیا اور اس نے ظہر کی نماز سے پہلے اس کی قضا کرلی تو گویا رات میں اپنے وقت میں ادا کیا۔ (مسلم) وتر کی نماز کا وقت نکل جائے تو اس کی قضا ضروری ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من نام عن الوتر او نسیہ فلیصل اذا ذکر واذا استیقظ (ترمذی ابوداود وغیرہ) بلا عذر شرعی فرض نماز کو وقت سے موخر کردینا گناہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تم پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں جو باقاعدہ وضو کرکے پورے خضوع اور تعدیل ارکان کے ساتھ ان نمازوں کو ان کے مقررہ اوقات میں ادا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو بخشدے گا اور جنت میں داخل فرمائے گا اور جو ایسا نہیں کرے گا وہ مشیت الٰہی کے ماتحت ہے معاف کردے یا عذاب میں مبتلا کرے (ترمذی ابوداؤد موطا مالک) واجب کو بھول کر چھوڑ دینے سے صرف سجدہ سہو واجب ہوتا ہے نماز کے دہرانے کی ضرورت نہیں ہوتی اور رکن (فرض یا شرط) کے چھوڑ دینے سے نماز باطل ہوجاتی ہے اور نماز لوٹانی پڑتی ہے۔ دعائے قنوت نہ واجب ہے اور نہ رکن اسلئے اسکو بھول کر چھوڑ دینے کی صورت میں نہ سجدہ سہو ضروری ہے اور نہ نماز لوٹانے کی ضرورت ہے۔

سوال - زید بیماری کی حالت میں جنبی ہوگیا اور پانی نقصان کرتا ہے تو ایسی حالت میں تیمم کرکے مسجد کے اندر نماز پڑھ سکتا ہے اور قرآن کی تلاوت اور امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟ سائل مذکور

جواب - بیمار کو جنابت کا غسل کرنے سے نقصان کا اندیشہ ہو تو تیمم کرنا درست اور جائز ہے۔ اس تیمم سے مسجد میں نماز ادا کرنا اور قرآن کی تلاوت و امامت کرنا بلاشک وشبہ درست ہے عن عمرو بن العاص قال احتلمت فی لیلۃ باردۃ فی غزوۃ ذات السلاسل فاشفقت ان اغتسل فاھلک فتیممت ثم صلیت باصحابی الصبح فذکروا ذلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا عمرو صلیت باصحابك وانت جنب فاخبرتہ بالذی منعنی من الاغتسال وقلت انی سمعت اللہ یقول ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما فضحك رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یقل شیئا (ابوداود) وام ابن عباس وھو متیمم (بخاری)۔

سوال - زید کی بیوی مزاحیہ طور یا تفریح طبع کے طور پر کبھی کبھی اپنے شوہر زید کو بھائی یا بھیا کہدیا کرتی ہے اور شوہر بھی بیوی کو بھائی کہدیا کرتا ہے تو کیا اس طرح کہنے سے علاقۂ زوجیت میں کچھ خلل واقع ہوتا ہے یا نہیں سائل مذکو

جواب - زید کے اپنی بیوی کو مزاحاً اور بطور تفریح بھائی یا بہن اور بیوی کے اپنے میاں کو بھائی یا بھیا کہدینے سے علاقۂ زوجیت میں خلل نہیں واقع ہوتا لیکن اس طرح کہنا مکروہ اور ممنوع ہے اسلئے ایسے کلمے سے پرہیز کرنا

چاہئے۔ عن ابی تمیمة الھجیمی ان رجلا قال لامرأته یا اخیة فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اختك هی فکره ذلك ونهی عنه (ابوداود)۔

سوال - زید کہتا ہے انسان کو ضرور چاہئے کہ کسی اچھے پرہیزگار عالم کو اپنا پیر بنالے اس کے ہاتھ پر بیعت ہوجائے اور بکر کا خیال ہے کہ کوئی ضرورت نہیں پیر مقرر کرنے کی پیر تو قرآن وحدیث ہے اُسی کو اپنا پیر بنالے۔ کون حق بجانب ہے اور اللہ ورسولؐ کا کیا حکم ہے؟

جواب - کسی شخص کو پیر بنانا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا کسی مسلمان کیلئے بھی ضروری نہیں ہے۔ پیری مریدی کے ضروری ہونے کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے اور ہندوستان کی موجودہ پیری مریدی تو مسلمانوں کی اصلاح وتربیت اور دینی ودنیوی سربلندی وکامرانی کا ذریعہ بننے کے بجائے بالعموم صدقہ خوری اور نذرانے وصول کرکے غریب مریدوں کی جیبیں خالی کرنے کا ذریعہ اور پیروں کی عیاشی کا کامیاب وسیلہ ہے۔ حکیم مشرق سر اقبال مرحوم نے سچ فرمایا ہے۔

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی ۔۔۔ گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
شہری ہو دہاتی ہو مسلمان ہے سادہ ۔۔۔ مانند بتاں پجتے ہیں کعبے کے برہمن
نذرانہ نہیں سود ہے پیران حرم کا ۔۔۔ ہر خرقۂ سالوس کے اندر ہے مہاجن
میراث میں آئی ہے انھیں مسند ارشاد ۔۔۔ زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

اللہ اور اس کے رسولؐ کا یہ حکم ہے کہ ہر مسلمان صرف کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کو اپنے لئے اسوہ بنائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله وسنة رسوله (موطا)

ششماہی امتحان

حسب دستور سابق بحمد اللہ اس سال بھی دار الحدیث رحمانیہ دہلی کا ششماہی امتحان بخیر وخوبی ختم ہوگیا۔ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ مطابق ۴ مئی ۱۹۴۰ء بروز ہفتہ سے یکم ربیع الثانی مطابق ۸ مئی تک امتحان کی تیاری کیلئے اسباق ملتوی رہے۔ اس وقفہ میں اساتذہ نے سوالات کے پرچے تیار کئے۔ پھر ۲ ربیع الثانی بروز ہفتہ سے باقاعدہ تحریری امتحان شروع ہوا۔ تین روز میں امتحان ختم ہوا۔ اسکے بعد ایک روز کی مدرسہ میں تعطیل رہی ۱۰ ربیع الثانی بروز بدھ سے باقاعدہ تعلیم شروع ہوگئی۔ مجموعی حیثیت سے نتیجہ بحمد اللہ اچھا ہے جو لڑکے ناکام ہوئے ہیں ان کو تنبیہ کردی گئی ہے کہ وہ آئندہ سالانہ امتحان تک اپنی خامی پوری کرلیں۔ جو طالب علم اپنی جماعت میں اول آئے ہیں ان کو حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی نے دو دو روپے نقد بطور انعام کے مرحمت فرمائے ہیں۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

اپنی اپنی جماعتوں میں اول آنیوالے طلبہ کی تفصیل درج ذیل ہے۔

جماعت ہشتم ۔ عبد الرحیم امرتسری	جماعت چہارم ۔ محمد یعقوب پنجابی
جماعت ہفتم ۔ حافظ عبد الخالق جے پوری	ر سوم ۔ احمد اللہ مرشد آبادی
ر ششم ۔ عبد العزیز بستوی	ر دوم ۔ مقبول احمد اعظمگڈھی
ر پنجم ۔ رستم احمد بنگالی	ر اول ۔ محمد شریف پنجابی

جماعت ادنیٰ ۔ ابو الحسین بنگالی

IGD.L.NO. 3204.

DELHI

روح اخبار

—— اس سال کلکتہ یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اسناد میں پانچ ہزار طلبہ کو ڈگریاں ملیں۔ جو گذشتہ بیس سال کے مقابلہ میں سو فیصدی ترقی ہے۔ ۱۹۱۸ء میں میٹرک کے امتحان میں ۷ ہزار پانچ سو لڑکے پاس ہوئے ۱۹۳۸ء میں اکیس ہزار طلبہ کامیاب ہوئے۔ بیس سال میں ابتدائی تعلیم کے مدارس کی تعداد تیس ہزار پانچسو سے ساٹھ ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ لڑکوں کی تعداد گیارہ لاکھ ساٹھ ہزار سے پچیس لاکھ چھیاسی ہزار تک بڑھ گئی ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم بھی روز افزوں ترقی پر ہے۔ اب سے ۲۰ برس پہلے صرف سو لڑکیاں میٹرک کے امتحان میں شریک ہوئی تھیں۔ لیکن گذشتہ سال تین ہزار سات سو شریک ہوئیں۔ لیکن لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام ابھی تک خاطر خواہ نہیں ہے لڑکوں کے بارہ سو اسکول کے مقابلہ میں لڑکیوں کے اسکول صرف بچاسی ہیں۔ کلکتہ سے باہر ان کیلئے کوئی ڈگری کالج نہیں (سہ روزہ ہمدم)

—— جو ستارے ہمیں دکھائی دیتے ہیں ان کی روشنی بیس ہزار سال میں ہم تک پہنچتی ہے۔ روشنی کی رفتار ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی سکنڈ ہے۔ کائنات میں ایسے ستارے بھی موجود ہیں جن کی روشنی چالیس ہزار سال میں ہم تک پہنچتی ہے۔ (تیج ویکلی)

—— برما کی حکومت نے برما میں ایک پائی والا ڈاک کا ٹکٹ جاری کیا ہے یعنی ایسے تین ٹکٹ ایک پیسہ میں اور بارہ ٹکٹ ایک آنہ میں خریدے جاسکیں گے۔ وہاں کی حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ جن اخباروں کا وزن پانچ تولے سے کم ہوگا ان پر صرف ایک پائی کا ٹکٹ لگایا جائیگا۔ (تیج ویکلی)

—— وسط مئی میں بمبئی کے قریب ایک اسٹیشن پر فرنٹیر میل کو جو عظیم الشان حادثہ پیش آیا اس میں یہ واقعہ بڑا ہی عبرت خیز ہے کہ زخمیوں اور مُردوں، انسانی خون اور زمین خاک، ہڈی چمڑے اور لوہے، لکڑی کے ملے ہوئے انبار میں جو لاش سب سے پہلے برآمد ہوئی وہ گجرات کے ایک سیٹھ ناگر مل کی تھی۔ بیوی بچوں سمیت فرسٹ کلاس کے مسافر تھے۔ ایک لڑکے کی شادی کرنے جارہے تھے، بیوی اور تین جوان لڑکوں اور لڑکیوں سمیت ختم ہوگئے، دو بچے، اور ایک بچی، اور ایک نوکر زخمی ہوکر زندہ بچ گئے۔ پولیس نے اسباب کی تلاشی لی تو چھ اینٹیں سونے کی، اور زر و جواہر اور نوٹ ملاکر کل دو لاکھ سے اوپر کا مال ساتھ نکلا۔ (صدق)

—— محکمہ ڈاک و تار کو معمولی ٹکٹوں کی مد میں اٹھاون لاکھ ۶۵ ہزار روپیہ آمدنی ہوئی (انقلاب)

—— ایک سرکاری اعلان کے مطابق ۱۰ ارجون ۱۹۴۰ء سے شملہ میں ملک سے باہر اور ملک کے اندر جانیوالے پرائیوٹ پارسلوں، خطوں، اور تمام تاروں پر سنسر بیٹھ گیا ہے۔ عوام سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ اس سنسر کی امداد کریں۔ وہ اپنے خطوں پر اپنا نام اور پتہ لکھکر، اور لفافہ کی پشت پر اس زبان کا نام لکھکر جس میں خط لکھا گیا ہے۔ اپنے خطوں کی روانگی میں غیر ضروری تاخیر کا ازالہ کرینگے (انقلاب)

منیجر

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب پرنٹر و پبلشر نے جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر رسالہ المحدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع کیا۔

اگست ۴۰

یادگار فدائے علم و دین جناب شیخ عطاء الرحمٰن صاحب مرحوم و مغفور

رسالہ

محدث دہلی

ملکیت

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم دارالحدیث رحمانیہ دہلی

فہرست مضامین

مقاصد

(۱) کتاب و سنت کی اشاعت ۔

(۲) مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح ۔

(۳) دارالحدیث رحمانیہ کے کوائف کی ترجمانی ۔

ضوابط

(۱) یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو شائع ہوتا ہے ۔

(۲) یہ رسالہ ان لوگوں کو سال بھر مفت بھیجا جائیگا جو ۱۲؎ بذریعہ منی آڈر ٹکٹ کیلئے دفتر میں بھیجدیں گے ۔ رسالہ وی پی نہیں بھیجا جائیگا ۔

(۳) اس رسالہ میں دینی، علمی، اصلاحی، اخلاقی، تمدنی، تاریخی مضامین بشرط پسند شائع ہونگے ۔

(۴) ناپسندیدہ مضامین محصولڈاک آنے پر واپس کئے جائینگے اور شائع شدہ مضامین واپس نہیں ہونگے ۔

(۵) جوابی امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے ضروری ہیں (۶) فتوی پوچھنے والے سوال کیساتھ جواب کیلئے ٹکٹ ضرور بھیجیں ۔

پتہ

مینجر رسالہ محدث دارالحدیث رحمانیہ دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

محدث
دہلی

نگران اصول
مولنا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

جلد ۸ | ماہ اگست سنہ ۱۹۴۰ء مطابق جمادی الاخری سنہ ۱۳۵۹ھ | نمبر ۴

جمع و ترتیب قرآن

(گذشتہ سے پیوستہ)

(۲)

رہا دوسرا مسئلہ یعنی سورتوں کی ترتیب ——— سچی بات تو یہی ہے کہ یہ کوئی اہم مسئلہ ہی نہیں ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک صنف کی چند کتابیں آپ کے پاس ہیں آپ چاہتے ہیں کہ ان متفرق رسالوں کو ایک جگہ جمع کر کے جلد بندھوالیں آپ کو اختیار ہے کہ جلد بندی میں ان رسالوں میں سے جس رسالے کو چاہیئے بعد کو رکھئے۔ مثلاً مولانا شبلی کی کتابوں کو کوئی ایک جگہ مجلد کرانا ہے اگر وہ المامون کو پہلے اور الفاروق کو اس کے بعد یوں ہی ان کی مختلف کتابوں کو مرتب کر کے جلد بندھوالے تو واقعات اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔ یہی حال قرآنی سورتوں یا رسالوں کا ہے کہ ہر ایک کی حیثیت ایک مستقل رسالہ کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شیرازہ میں منسلک ہو کر مصحف کی شکل انھوں نے اختیار نہیں کی تھی بلکہ عموماً صحف یعنی الگ الگ رسالوں کی صورت میں تھے اور ٹھیک جیسے اس زمانہ میں بھی کوئی مصنف اپنی کسی کتاب کو سفید دبیز کاغذ پر کسی کو بادامی رنگ کے کاغذ پر کسی کو ڈبل سائز پر کسی کو متوسط سائز پر الغرض کماً و کیفاً مختلف قسم کے کاغذ پر طبع کراتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی سورتوں یعنی متعدد رسالوں یا کتابوں میں سے بعض کتاب کو لخاف پر لکھواتے تھے۔ بعض کو عسیب پر، بعض کو رق پر، بعض کو رقاع پر، لیکن یہ کیا چیزیں تھیں؟ تعجب کی بات ہے ہوش و حواس رکھنے والوں نے یہ کیسے یقین کر لیا کہ کسی بن گھڑے پتھر پر یا ناتراشیدہ کندوں یا کھجور کی شاخوں، یا یوں ہی کسی ہڈی یا کھال وال پر آخر لکھا کیسے

جاتا تھا۔ آج بھی کسی ان گھڑے پتھر یا لکڑی یا ہڈی کو اٹھا کر اس پر لکھنے کی کوشش کیجئے اس میں حرف آخر کس طرح ابھر سکیں گے جب تک وہ خاص طور پر ہموار کر کے لکھنے کے قابل نہ بنائی جائے۔ لغت اور عرب جاہلیت کی تاریخ پر لوگوں کی نظر ہوتی تو شاید ایسا نہ سمجھتے۔ واقعہ یہ ہے کہ لخاف دراصل سفید پتھر کی پتلی پتلی چکنی چھوٹی تختیوں کو کہتے تھے جو خاص کر اہم وثائق کے لکھنے کے لئے عرب میں بنائی جاتی تھیں۔ ان پر لکھنے کیلئے خاص قسم کے قلم اور خاص قسم کی روشنائی ہوتی تھی۔ اور یہی حال عسیب کا تھا۔ جو کھجور کے شاخوں کی جڑ کے پاس چمڑے کے جیسی ایک چیز ہوتی ہے اس کو گوند وغیرہ بھر کر چکنا کرتے تھے اور لکھنے کے قابل بناتے تھے۔ یوں ہی ہرن اور شتر مرغ کی کھالوں یا اونٹ کی بعض خاص مقام کی ہڈیوں یا لکڑی کے تختوں کو لکھنے کے کام کا لوگ خاص طور پر بناتے تھے۔ معمولی چیزیں تو کاغذ اور قرطاس وغیرہ پر لکھی جاتی تھیں لیکن جب کوئی اہم بات ہوتی تو اس کیلئے یہی چیزیں استعمال ہوتی تھیں۔ قرآن سے بڑھکر اہم چیز کیا ہو سکتی ہے اسی لئے اس کے مختلف رسالوں یا سورتوں کو ان ہی اہم دستاویزی مواد پر لکھوایا گیا تھا اور تمام رسالوں کو از اول تا آخر مکتوبی شکل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل کرا دیا تھا۔ پھر صحابہ میں سے بعض لوگ حسب ضرورت اس کی بکثرت نقلیں لے لیکر اپنے اپنے پاس رکھتے تھے۔ بعضوں نے کل رسالوں کو نقل کر لیا تھا اور بعضوں کے پاس کل رسالے نہ تھے جیسے کسی کے پاس مولوی شبلی صاحب کی کل کتابیں ہوں اور کسی کے پاس کل نہ ہوں۔ لیکن بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ان رسالوں کی شیرازہ بندی کے متعلق کوئی خاص پابندی نہ تھی۔ جس کا جی چاہتا تھا جس رسالہ کو مقدم و موخر کر کے اپنے پاس رکھ لیتا تھا، لیکن اسی کے ساتھ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عموماً قرآن کا یوں ہی ورد فرمایا کرتے تھے اور ہر سال جبریل امین نازل شدہ قرآن کو آپ سے رمضان میں سن لیا کرتے تھے اور سال وفات والے رمضان میں تو دو دورے جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے، اس وقت تک تقریباً اکثر رسالے، یا قرآن کی سورتیں کہئے مکمل ہو چکی تھیں ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاص ترتیب ہی سے جبریل علیہ السلام کو سناتے تھے۔ اس رمضان کے بعد بہ مشکل دو تین مہینے کے اندر چند سورتوں یا رسالوں میں بعض مضامین کا اضافہ ہوا۔ اور اس کے بعد قرآن کے نزول کا سلسلہ بند ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد دنیا میں دو ڈھائی مہینے سے زیادہ نہ رہے۔ معاً خلافت صدیقی کا زمانہ آ گیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحف کے متعلق مصحف بنانے کی تجویز پیش کی۔ یعنی تمام رسالوں کو جمع کر کے ایک جلد میں ان کی شیرازہ بندی[1] کرا دی جائے۔ لوگوں کو یہاں بھی مغالطہ ہوا اور مشہور کر دیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غیر مکتوب قرآن کو مکتوبی شکل میں لانے کی درخواست دی تھی، گویا اس سے پہلے قرآن لکھا ہوا نہ تھا، کسقدر عجیب ہے ایک طرف لوگ یہ بھی کہے جاتے ہیں اور اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول کے ساتھ ہی قرآن کو لکھوا دیا کرتے تھے اور دوسری طرف یہ بھی سنا جاتا ہے

---

[1] اس واقعہ کی یہ میری کوئی نئی تعبیر نہیں خطابی لکھتے ہیں جولدلی ما بین الدفتین (یعنی دونوں دفتیوں کے درمیان تمام سورتوں کو منتقل کر دیا) سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ جمعہا جامع وربطہا بخیط (جمع کرنیوالے نے تمام سورتوں کو اکٹھا کر کے ایک تاگے میں باندھ دیا)۔

کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی دفعہ غیر مکتوب قرآن کے لکھوانے کی درخواست دی۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھوایا ہوا قرآن کیا عہد نبوت میں لکھے ہوئے قرآن کل، یا اس کی بعض سورتیں کن کن صحابیوں کے پاس تھیں اگر ان کی فہرست بنائی جائے تو غالباً سینکڑوں تک پہنچ سکتی ہے۔

ماسوا اس کے سوال ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو خود لکھنا جانتے تھے، پھر حضرت ابوبکرؓ سے ان کو کہنے کی کیا ضرورت تھی اس سے زیادہ تعجب اس پر ہے کہ جس کام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم التزاماً کرتے تھے، یعنی قرآن کو فوراً لکھوا لیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی کام کے متعلق کہتے ہیں کہ میں اس کام کو کیسے کروں، جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔　　　غلطیہائے مضامین مت پوچھ

اتنی کھلی کھلی باتیں اس حدیث میں موجود ہیں لیکن لوگوں نے غور نہیں کیا کہ اصل معاملہ کیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحف کو مصحف کی شکل میں لانے پر اصرار فرمارہے تھے، تاکہ تمام قرآنی رسالے جمع ہو کر مجلد شکل میں محفوظ ہو جائیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی ان مختلف سورتوں یا دوسرے لفظوں میں مستقل رسالوں کو عموماً ایسی ٹھوس مختلف تقطیع کی چیزوں پر لکھوایا تھا کہ شیرازہ بندی کرکے کسی ایک جلد کی شکل میں ان کا لانا آسان نہ تھا۔ بلکہ ناممکن تھا حضرت عمرؓ کی جو غرض تھی وہ یوں ہی حاصل ہو سکتی تھی کہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآنی وثیقوں کو ایک تقطیع پر نقل کرایا جائے اور اس کے بعد ان سب رسالوں کی ایک جلد بندھوالی جائے۔

ظاہر ہے کہ اس کام کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود یا اپنے زیر انتظام انجام دلا سکتے تھے، لیکن ان کا مقصد یہ تھا کہ اس کام کو حکومت اپنے ہاتھ میں لے اسی لئے انھوں نے اپنی تجویز حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے جواب میں اسی کو نئی بات قرار دے رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کو جس معاملہ میں انفرادی آزادی کی حالت میں چھوڑا ہے میں اس میں کیسے دخل دوں، لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصرار سے مصلحت ان کی سمجھ میں آگئی اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا کتابت وحی کے سلسلے میں سب سے زیادہ ممتاز درجہ تھا، سلطنت کی طرف سے ان کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ ایک شاہی نسخہ حکومت کی جانب سے قرآن کا مرتب کرکے بارگاہ خلافت میں پیش کریں، حالانکہ حضرت زید خود کاتب وحی تھے۔ پورے قرآن کے حافظ تھے، عالم تھے، خالص عربی النسل تھے، لکھنے پڑھنے سے ان کو ایسی فطری مناسبت تھی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے خط وکتابت کرنے کے سلسلہ میں چاہا کہ حضرت زید عبرانی حروف سیکھ لیں تو بیان کیا جاتا ہے کہ کل پندرہ دن میں وہ اس پر اتنے قادر ہو گئے کہ بآسانی اس میں لکھنے پڑھنے لگے، ایسی صورت میں بظاہر قرآن کی سورتوں کے مساوی تقطیع کا ایک نسخہ نقل کر لینا کچھ زیادہ دشوار نہ تھا لیکن باوجود اس کے چونکہ قرآن کا معاملہ تھا اور وہ بھی یہ کام خلافت کی جانب سے ہو رہا تھا جس کا اثر تا مقام قیامت تمام مسلمانوں پر پڑنے والا تھا اسلئے حزم واحتیاط

کی جتنی ممکنہ شکلیں ہوسکتی تھیں سب کو پیش نظر رکھکر انھوں نے اس کام میں ہاتھ لگایا، اپنی ذمہ داریوں کے احساس کا اظہار خود ان لفظوں میں فرماتے تھے جیسا کہ بخاری میں ہے کہ فواللہ لو کلفونی نقل جبل من الجبال ما کان اثقل علی مما امرنی۔ خدا کی قسم اگر لوگ مجھے پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کا حکم دیتے تو وہ اس سے زیادہ گراں نہ ہوتا جتنا کہ وہ حکم جو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کے متعلق دیا تھا۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سلسلہ میں کن کن نزاکتوں کا التزام فرمایا تھا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ان سورتوں میں سے جس سورت کا کچھ حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے ہوئے ریکارڈ سے نقل فرمالیتے تو کتابی مقابلہ کے سوا ان کا یہ التزام تھا کہ ایک ہی آدمی سے نہیں بلکہ وہ حصہ جن جن لوگوں کو یاد ہوتا ان کو بھی سنا کر اور دکھا کر اس کی توثیق لازمی طور پر کرالیتے، کم ازکم اس کیلئے ایک سے زائد آدمی کا ہونا ان کی ضروری شرط تھی۔ بخاری میں اسی کی تعبیر انھوں نے (صدور الرجال) سے کی ہے اور بحمداللہ اس میں ان کو ایسی زبردست کامیابی ہوئی کہ (۱۱۴) سورتوں یا رسالوں میں صرف دو جگہ بجائے ایک سے زائد کے ایک ہی صحابی حضرت خزیمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توثیق پر انھوں نے قناعت کی اور اس قناعت کی وجہ بھی خود ہی یہ بیان فرماتے ہیں۔ الذی جعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہادتہ شہادۃ رجلین (بخاری) یعنی وہی خزیمہ جن کی گواہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی گواہی کے مساوی قرار دیا تھا۔

مطلب یہ تھا کہ اپنی اس شرط سے ان دو مقاموں میں اگر وہ ہٹے بھی تو اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان سے وہ ایک توثیق ہی بمنزلہ دو توثیقوں کے تھی۔[1] بہرحال ان دو مقاموں میں سے ایک تو سورہ برات کا خاتمہ لقد جاءکم رسول الآیت اور دوسری آیت سورہ احزاب کی من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ الآیت ہے بلکہ پچھلی آیت کے متعلق اگر بعض روایتوں کا یہ لفظ یعنی "فقدت" راوی کی کوئی تعبیری غلط فہمی نہیں ہے تو اس آیت کی نوعیت پہلے سے کچھ مختلف ہوجاتی ہے جیسا کہ شراح حدیث نے لکھا ہے کہ ممکن ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے ہوئے رکارڈ کے ذخیرہ سے کوئی تختی غائب ہوگئی ہو حالانکہ حضرت زید خود بھی حافظ تھے اور خاصکر اس آیت کے متعلق تو ان کی تصریح ہے کہ کسی غیر سے نہیں بلکہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے سنکر انھوں نے اس کو یاد کیا تھا جیسا کہ فرماتے ہیں کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرءھا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پڑھتے ہوئے سنا تھا۔

لیکن وہی مزید احتیاط کہ کتابی مقابلہ بھی اس کا کرلینا چاہیئے اسلئے چاہا کہ جس کے پاس یہ سورۃ لکھی ہوئی ہو مقابلہ کرلیا جائے۔ اتفاق سے حضرت خزیمہ ہی کے پاس وہ نکل آئی۔ ان کی شہادت کو تو دو شہادتوں کے مساوی خیال ہی کرتے تھے اس لئے

[1] یہ قصہ طلب بات ہے، ابوداؤد و نسائی میں اسکی تفصیل موجود ہے ایک اعرابی سے بیع کا معاملہ تھا اس نے خلاف عہد کرنا چاہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گواہ طلب کیا حضرت خزیمہؓ نے اس وقت گواہی دی اور دربار نبوت سے ذوالشہادتین کا خطاب ملا۔

اسی پر قناعت کرلیا۔ اور آگے کسی دوسرے کے لکھے ہوئے نسخہ سے مقابلہ کی ضرورت محسوس نہ فرمائی۔ واقعہ کی مکمل نوعیت اتنی ہے مگر جن کی نیتوں میں فساد تھا یا ہے، بخاری کی اس روایت میں اپنے دل کے وسوسوں کو شریک کرکرکے انھوں نے خدا جانے کیا کیا نتائج پیدا کئے ہیں۔ روایت میں جو چیز نہ ہو اس کو اپنے دماغ سے تراش تراش کر جو واقعہ کی تصویر کھینچتے ہیں وہ واقعہ کی نہیں بلکہ ان کے بداندیش دل کی تصویر ہوتی ہے اور انسان اس کے پیچھے کہاں تک پڑ سکتا ہے ہماری کتابوں میں جو کچھ ہے ، بے کم وکاست ہم نے مسلمانوں کے سامنے پیش کردیا ہے، انشاءاللہ ان کے اطمینان کیلئے یہ کافی ہے، اسی لئے اس بحث کو ختم کرکے اب میں اس سوال پر آتا ہوں، کہ خلافت صدیقی میں قرآنی سورتوں کی جلد بندی میں جو موجودہ ترتیب قائم کی گئی یعنی سب سے پہلے فاتحہ پھر بقرہ پھر آل عمران الغرض الناس تک ان رسالوں کو جو اس ترتیب سے رکھا گیا، کیا صحابہؓ کے سامنے کوئی نبوی نمونہ بھی اس کا موجود تھا۔

اگرچہ جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے، مادی طور پر اس سوال کی چنداں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ کسی ایک مصنف کی چند تصنیفوں کو آدمی جس طرح چاہے جلد بندی کرا سکتا ہے، واقعات پر اس کا نفیاً واثباتاً کوئی اثر نہیں پڑتا یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک شخص نے جب یہی بات پوچھی تو آپ نے بھی اس کی کوئی اہمیت نہیں دی اور فرمایا ما یضرک[1] ایہ قرأت (بخاری) جس ترتیب سے ان سورتوں کو پڑھو کچھ حرج نہیں۔

لیکن ہاں ہم جب ہمیں یہ معلوم ہے کہ یہ کام حکومت کی جانب سے انجام دیا گیا، ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر خلفا کے حکم سے انجام دیا گیا۔ اور اتنی احتیاط اتنی نزاکت سے انجام دیا گیا جسکا حال حضرت زیدؓ کی زبانی ہم سن چکے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاًوفات کے ساتھ ہی یہ کام ایسے وقت میں کیا گیا کہ حضورؐ کے تمام صحابہ کرامؓ ابھی زندہ ہیں اور اسی کے ساتھ ہم بیان کرچکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علاوہ عام ورد کے التزاماً ہر سال حضرت جبرئیلؑ کو پورا قرآن سناتے تھے۔ اور آخر میں دو دفعہ سنایا، ظاہر ہے کہ ضرور کوئی خاص ترتیب ہی سے حضور پورا قرآن سناتے ہوں گے، کوئی وجہ ہوسکتی ہے کہ صحابہؓ اس ترتیب سے ناواقف ہوں، جو لوگ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حرکت وسکون کی نگرانی ہی کیلئے جیتے تھے یہی ان کی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین تھا۔ کوئی باور کرسکتا ہے کہ قرآن مجید ہی کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ کے اس طرز عمل سے جو ہر سال انجام پاتا تھا صحابہؓ نے غفلت برتی،

یقیناً ان کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نمونہ بھی ضرور موجود تھا۔ اور اسی نمونہ کی پیروی قرآنی سورتوں کی

---

[1] لیکن چونکہ پھر بھی اس کی حیثیت ایک واحد خبر کی ہے اور سورتوں کی موجودہ ترتیب بتواتر ثابت ہے مسلمانوں کا اس پر اجماع ہوچکا ہے اس لئے علماء نے بجز تعلیمی اغراض کے اس ترتیب کے بدلنے کی اجازت نہیں دی ہے . . . . اور یہی مسلمانوں کا وہ اصول ہے جسکی تحت میں بحمداللہ قرآن من وعن اسی شکل میں ہر جگہ موجود ہے جس شکل میں یہ ہمیں ملا ہے۔

جلدبندی یا مصحف بنانے میں کی گئی۔ بہرحال عہد خلافت صدیقی کا یہی شاہی نسخہ تھا جو مصحف کی شکل میں تیار ہوا۔ اور گو عام مسلمانوں کی انفرادی آزادی میں اس وقت دخل نہ دیا گیا۔ تاہم پورے قرآنی رسالوں کو باحتیاط تمام جلد بند صوا کر حضرت ابوبکرؓ کی حفاظت میں رہا۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں ان کی تحویل میں رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس تھا کہ عہد عثمانیؓ میں صحابہؓ کی رائے ہوئی کہ اب اسی شاہی نسخہ کی عام اشاعت کی جائے، تب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان سے باضابطہ ایک خاص سررشتہ کی نگرانی میں اس کی متعدد نقلیں کرائی گئیں۔ اس سررشتہ کے افسر اعلیٰ بھی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔ اسی دفتر سے حضرت عثمانؓ نے ہر صوبہ میں ایک ایک نسخہ اپنے گورنروں کو بھیج کر فرمان جاری کردیا کہ مصحف یعنی مجلد بنانے میں عام مسلمان اسی کی پیروی کریں۔ نیز مختلف قبائل اور نومسلم قوموں کی وجہ سے لہجہ کا جو اختلاف ہو گیا تھا۔ حکم دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لہجہ یعنی قریش کے لہجہ پر یہ لہجہ لکھوایا گیا ہے۔ اسلئے آئندہ اسی لہجہ کی مسلمان پابندی بھی کریں بلکہ شاید یہی فرمان ایک مستقل فن قراۃ و تجوید کی بنیاد بن گیا۔ الحمدللہ اس وقت تک اسی لہجہ میں پڑھنے والے اور پڑھانے والے کروڑوں کی تعداد میں ہر اسلامی ملک میں موجود ہیں۔ یہ ہے مختصر داستان قرآن کی کتابت اور اس کی آیات و سور کی ترتیب کی جس میں بجز بخاری کی مشہور روایت کے کسی کمزور ضعیف ہوائی روایت سے قطعاً نفع نہیں اٹھایا گیا ہے اور جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بخاری کی اس روایت کے الفاظ کا صریح مفاد ہے جس کا جی چاہے میرے بیان کو اس حدیث پر پیش کر کے اپنا اطمینان کرسکتا ہے +

(باقی)

”محدث“ کی شان میں

(از جناب بدرالحسن صاحب سہسوانی)

مبارک باد دیتا ہے یہ احقر — خدا ہے تجھ پہ حفاظلِ گستر
تری وہ شان ہے اللہ اکبر — کہ حق گوئی سے تو ہے حق کا دلبر
عدیم المثل ہیں تیری ادائیں — ترا ہر لہجہ ہے واللہ خوشتر
تجھے بخشی ہے حق نے ایسی قوت — عدو کے حق میں حقانی ہے خنجر

یہی بدرالحسن کی بس دعا ہے
چمکتا تو رہے تا روزِ محشر

تبلیغی فارمولے

(از مولوی ابو رضا محمد عبداللہ صاحب صادق گہلنوی متعلم رحمانیہ)

برادران گرامی و ناظرین کرام میں آج ایک ایسی حقیقت کا انکشاف کرنا چاہتا ہوں۔ جس پر ہماری لاابالی اور غفلت نے ظلمت کا پردہ ڈال دیا ہے۔ جس کو بھولنے سے ہمارا اسلامی خیابان پھلنے پھولنے سے رک گیا ہے۔ جس کو ہماری بے عقلی اور غفلت کے سبب چیل، کوؤں اور اُلوؤں نے اپنا مسکن بنا لیا ہے۔ اور اس کا پھل کتر کتر کر ویران کر رہے ہیں۔ اگر ہم نے یونہی غفلت برتی تو ڈر ہے کہ کہیں یہ ہماری بے توجہی سے فائدہ اٹھا کر اس کی بیخ کنی کے درپے نہ ہو جائیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ شجر اسلام کو تبلیغ کے پانی سے سینچا جائے۔ اور ہر مسلم کو اس کا اصلی تبلیغی شعار سمجھایا جائے اور اس کو یہ بتلا دیا جائے کہ تو بھی کبھی اس گلشن کا مالی تھا۔ جس کا یہ نظریہ تھا "ہر ملک ملکِ ما است" یعنی دنیا کا ہر ملک ہمارا ملک ہے۔

تبلیغ کا لفظی معنی "پہنچانا" ہے۔ اسلامی اصطلاح میں تبلیغ سے مراد اسلام اور دین محمدی کے احکام کو پہنچانا اور لوگوں میں رواج دینا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تبلیغ کرنے سے بظاہر کوئی ذاتی فائدہ نہیں ہوتا۔ اگرچہ بعض خود غرضوں اور نفس کے بندوں نے اسکو اپنا ذریعہ معاش بنا لیا ہے۔ مگر اصل میں یہ اسلام فروشی ہے۔ اور نہ ہی تبلیغ کرنے سے کسی پر احسان یا نام و نمود ہوتا ہے۔ بلکہ خواہ مخواہ طرح طرح کے مصائب اپنے سر لینے پڑتے ہیں۔ اور قسم قسم کی تکالیف برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اس میں بہت بڑا فائدہ ہے۔ کیونکہ مروی ہے کہ جس شخص کے کہنے پر کوئی اچھا عمل کرے یا کسی انسان نے کسی اچھے یا نیک کام کی بنیاد ڈالی۔ تو اس پر جتنے عمل کریں گے اتنا ہی اجر اس شروع کرنے والے کو ملیگا۔ اور اگر کسی نے غیر مسلم کو مسلمان بنا دیا تو اس کا ہر ایک عضو اس کے ہر عضو کے بدلے نار سے بچ جائیگا۔ بہرحال ہمیں تو محض اللہ کی رضامندی کیلئے یہ کام کرنا ہے۔ اور دین قیم کی اشاعت کی خاطر اس کام کو سرانجام دینا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس فریضہ کو بھی ادا کرنا ہے جو ہم پر عائد ہوتا ہے۔ خدا کا فرمان اپنے حبیب کے نام یہ ہے بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ (مائدہ ع) جو کچھ اللہ کی طرف سے تمہاری طرف اتارا گیا ہے اس کو لوگوں تک پہنچاؤ۔ اور اس آقائے نامدار کا حکم تمام مسلمانوں کو یہ ہے بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ اٰيَةً (حدیث) یعنی میری طرف سے اگر ایک بات بھی پاؤ تو اس کو دوسروں تک پہنچا دو۔ گویا کہ ہم حکم خداوندی سے مامور ہیں کہ اس دین ربانی کا پرچار کریں۔ اور چونکہ ہر کام اور فن کے جداگانہ قواعد اور اصول ہوتے ہیں۔ اس لئے ہمیں ان تبلیغی فارمولوں اور قوانین کو سیکھنے کی خاطر قرآن پاک کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ربانی قوانین کے سامنے انسانی قانون کچھ وقعت نہیں رکھتے۔

اور چونکہ یہ مسلمہ ہے کہ نفس تبلیغ سے بھی اہم چیز تبلیغ کے اصول ہیں۔ اسلئے پہلے تبلیغی قوانین سیکھنے چاہئیں اس کے بعد تبلیغ کرنی چاہئے۔ فرمان یزدانی ہے اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (پ۱۴ النحل ع۲۲) یعنی اے نبی اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور پاکیزہ وعظ کے ساتھ بلاؤ۔ اور بحث کے وقت بہترین طریقہ اختیار کرو

جناب والا۔ دیکھنے کو تو یہ چھوٹی سی آیت نظر آتی ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو کوزے میں دریا کو بھر دیا ہے اس چھوٹی سی آیت میں دعوت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور دعوت کو ہی تبلیغ کہتے ہیں اور اس میں تبلیغ کا مقصد بھی بتایا گیا ہے کہ "خدا کی راہ کی طرف" ہو۔ اور تبلیغ کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے۔ کہ تبلیغ بذریعہ حکمۃ اور وعظ حسنہ کے ہونی چاہئے۔ اور اس کشمکش کا علاج بھی بتا دیا گیا ہے۔ جو اکثر تبلیغ کے وقت ہو جایا کرتی ہے۔ جس کو جدال کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چونکہ جنگ و جدال کے وقت لوگ غصے کے مارے اندھے ہو جاتے ہیں۔ اور دامن تدبر کو ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں اسلئے اس کا بہترین علاج یہ بتایا گیا۔ کہ بہتر سے بہتر تدبیر کر کے ایسی کشمکش کو سلجھانا چاہئے۔ غرضیکہ قرآن نے مختصر سے الفاظ میں تبلیغ کے تمام محکم اصول بیان کر دیئے۔

(۱) تبلیغ کا پہلا فارمولا یہ ہے کہ خلقِ خدا کی ہمدردی تم پر غالب آجائے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ تم جو چیز اپنے لئے پسند کرو دوسروں کیلئے بھی وہی بہتر جانو۔ کیونکہ جس دعوت کی ابتدا اور آغاز محبت اور شفقت سے ہوتا ہے اس کا انجام و اختتام نہایت محکم اور پائیدار ہوتا ہے۔ اگر آپ مشاہدے اور اطمینان قلب کی خاطر اس کا رنگین فوٹو دیکھنا چاہتے ہیں تو اس حدیث میں غور فرمائیے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لوگ (اپنے عملوں کے ذریعہ) پروانوں کی طرح دوزخ میں گر رہے ہیں اور میں ان کی کمر پکڑ پکڑ کر دور ہٹا رہا ہوں۔ اس خیر خواہی و محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنے قرابت داروں کو نصیحت کی اور صحابہ کرامؓ نے سب سے پہلے اسلام کا تحفہ اپنے رشتہ داروں کو دیا۔ کیونکہ ان کو یہ کب گوارہ تھا کہ ان کے دودھ اور خون سے تعلق رکھنے والے آگ میں جلیں۔

جناب عالی یہ قانون کوئی نیا تراشیدہ اور منگھڑت قانون نہیں ہے بلکہ قرآن پاک سے اور فرعون کے قصے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انبیا بھی اس قاعدے پر عمل کرتے رہے۔ لکھا ہے۔ اِذْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ (طہ ع۲) سبحان اللہ غور فرمائیے۔ ایک طرف فرعون ہے جو اپنی فرعونیت میں چور ہے۔ غرور نخوت کا بھوت اس کے سر پہ سوار ہے۔ اور دوسری طرف اللہ کے دو برگزیدہ پیغمبر ہیں۔ ان کو حکم یہ فرمایا جا رہا ہے۔ کہ دیکھو فرعون سرکش ہو گیا ہے میری خدائی سے انحراف کر کے خود خدا بن بیٹھا ہے۔ تم اس کی طرف جاؤ۔ مگر یاد رکھنا اس کے ساتھ نہایت نرم دلی اور محبت سے پیش آنا۔ شاید کہ ہوش میں آئے۔ اور کچھ سمجھ جائے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ سب جانتے تھے کہ وہ کبھی نہیں مانیگا۔ مگر اتمام حجت کیلئے اور ہم کو سبق دینے کیلئے ایسا فرمایا۔ قربان جائیے ایسی تعلیم پر جو باغیوں اور سرکشوں کے ساتھ بھی محبت

اور نرمی کے ساتھ برتاؤ کرنے کا سبق دیتی ہو۔ پس سمجھ لیجئے کہ محبت ہی ایک ایسا جادو ہے جس سے دنیا رام ہوتی ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ یہ جوہر اور یہ گراں بہا چیز ہم سے مفقود ہے۔ نرم مزاجی کی بجائے ہم میں تندخوئی پائی جاتی ہے تھوڑے سے اختلاف پر ہم ایک دوسرے سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ ذرا سے فروعی اختلاف میں ہم ایک دوسرے سے حسد و بغض اور کینہ رکھنے لگ جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ دیکھنے والی آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ ہم بڑے گلے پھاڑ پھاڑ کر تقریریں کرتے ہیں۔ مگر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ وجہ ظاہر ہے۔ چونکہ ہماری تقریریں محض زبانی جمع خرچ ہیں نہ دل سے نکلتی ہیں نہ دل پر اثر کرتی ہیں۔ لیکن اگر اقبال مرحوم کے قول ؏ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ کو اپنا شعار بنائیں تو ہماری تقریریں بڑی موثر ثابت ہونگی اور یہ ہماری چیخ و پکار رائیگاں نہ جائیگی۔

(۲) تبلیغ کا دوسرا فارمولا ہمارا ذاتی عمل ہے۔ یعنی ہمیں چاہئے کہ جو کچھ ہم کہیں پہلے خود اس پر عمل کر کے دنیا کے سامنے ایک ایسا نمونہ پیش کریں جو یہ ظاہر کرتا ہو کہ جس دین پر یہ شخص یقین رکھتا ہے وہ دین داعی اپنے اندر ایک صداقت اور جاذبیت رکھتا ہے۔ اور اگر ہمارا عمل ہی اس کے خلاف ہوا تو اثر کیا خاک ہوگا۔ مخالف تو یہی کہینگے ؏ خود را فضیحت و دیگراں نصیحت +

(۳) تبلیغ کا تیسرا فارمولا اپنے اخلاق اور چال چلن کو درست کرنا ہے۔ چنانچہ جناب رسول پاک کا اخلاق اور حسن برتاؤ ملاحظہ فرمائیے۔ جس کا کمال اس کے نتیجہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ آپ کا اخلاق ہی تو تھا۔ جو بدترین خلائق کو ائمہ اور صالحین کی طرف کھینچ لاتا تھا۔ اور آپ کی خوش اخلاقی ہی کا تو یہ نتیجہ تھا کہ مخالف سے مخالف بھی مطیع اور فرمانبردار بن جاتے تھے خوش اخلاقی اور حکمت عملی کے اندر یہ بھی داخل ہے کہ پہلے انسان اپنے دل کو تبلیغ کرے۔ اس میں بلند حوصلگی پیدا کرے۔ اسے حق کی راہ میں طعن و تشنیع سننے کا عادی بنائے۔ اور ہر بات پر نکتہ چینی کرنے لڑنے جھگڑنے گالی گلوچ دینے اور کافر کہنے نہ لگ جائے۔ حتی الوسع چشم پوشی اور عفو سے کام لے۔ ہر بات کہنے کا موقع نظر میں رکھے۔ تب جا کر انسان ایک کامیاب مبلغ بن سکتا ہے +

(۴) تبلیغ کا چوتھا فارمولا یہ ہے کہ اس کو آہستہ آہستہ شروع کیا جائے یعنی انسان پہلے اپنے رشتہ داروں کو رشد و ہدایت کی طرف بلائے۔ پھر اپنے پڑوسیوں کو وعظ و نصیحت کرے۔ پھر جگہ جگہ ادارے قائم کرے اور تمام جہان میں حق پہنچانے کی کوشش کرے۔ چنانچہ اسی پالیسی کو قرآن پاک نے اس اسلوب میں پیش کیا ہے۔ اولاً حکم یہ ہوتا ہے وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (شعراء ع) یعنی اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈراؤ۔ اس کے بعد لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا (انعام ع) کا ارشاد ہوا۔ یعنی تاکہ تم ڈراؤ مکہ اور اس کے اردگرد والوں کو۔ اور پھر فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ (الاسراء ع)

یعنی ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے بھیجا ہے۔

(۵) پانچویں بات یہ ہے کہ جلد بازی بھی نہ کرنی چاہئے۔ دیکھئے ابتدائے اسلام ہی سے شراب اور سود کے احکام نہیں سنائے گئے۔ روزہ اور زکوٰۃ کے احکام بھی تقریباً نبوت کے ۱۴ سال بعد سنائے گئے تھے۔ یعنی پہلے طبیعتوں کو مانوس

کیا گیا۔ تب جا کر وہ حکم سنائے گئے، جو طبیعتوں اور رواج کے خلاف تھے۔ اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو کہا گیا فوراً تعمیل ہوگئی۔

(۶) تبلیغ کا چھٹا فارمولا وعظ حسنہ ہے۔ وعظ وہی حسن کہلائیگا۔ جس میں سننے والوں کی قابلیتوں کا لحاظ رکھا جائے جاہل کے سامنے منطقی دلائل پیش کرنا اور عالم کے سامنے حکم شرعیہ کی وجہ اور خوبی کا بیان نہ کرنا وعظ غیر حسن کہلائیگا۔ ہاں البتہ وعظ حسنہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ جھوٹے قصے بے سروپا داستانیں بے سند روایات اور اسرائیلی خرافات وعظ میں شریک نہ کئے جائیں۔ صرف صحیح اور مسلمہ باتوں پر زور دینا چاہئے۔ غرضیکہ یہ سب ایسے فارمولے ہیں کہ اگر ان کو اختیار کیا جائے تو تبلیغ کا کام بڑے اعلیٰ پیمانے پر ہوسکتا ہے اور ہر مسلمان نہایت کامیاب مبلغ بن سکتا ہے ❖

بنو توحید کے دلدار دیکھو

(از جناب بدر الحسن صاحب سہسوانی)

یہ نظم آپ نے ایک مضمون کے ساتھ ارسال فرمائی ہے لیکن افسوس ہے کہ وہ مضمون چونکہ "محدث" کی روش کے خلاف ہے، اسلئے ہم اس کی اشاعت سے معذور ہیں۔ (ایڈیٹر)

بنو توحید کے دلدار دیکھو — خدا کا ہوگا تم پہ پیار دیکھو
حدیث سیّد ابرار دیکھو — پھلا پھولا ہے یہ گلزار دیکھو
محمّد کا چلو دربار دیکھو — مدینہ کا دَرِ دُر بار دیکھو
شریعت پر رہو قائم ہمیشہ — کہ جس سے ہوگا بیڑا پار دیکھو
نفاق و بدعت و شرک و تکبّر — نہ ہونا ان سے تم دوچار دیکھو
لگے تُو کا حسد کی ہے بری لَو — کہ شیطاں ہوگیا فی النار دیکھو
ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ — اطاعت سے ہوئے سردار دیکھو
یہ سچا معجزہ فرمانِ رحماں — عیاں ہے احمد مختار دیکھو

اگر بدر الحسن ہے عشق کامل
تصور میں جمالِ یار دیکھو

کیا عقد بیوگان منافی شرافت ہے؟

(جناب مولوی محمد عنایت اللہ صاحب سیف حیدرآبادی متعلم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

کیونکر جائے تحسر اور افسوس نہ ہو کہ اغیار کے بیدار طبقوں نے تو آج اسلامی اصول کا یہانتک خیر مقدم کیا کہ اپنے صدیوں کے دیرینہ اصولوں پر بھی خاک ڈالدی۔ مغربی اقوام جن کو مذہب تو مذہب انسانیت سے بھی دور کا لگاؤ نہ رہا۔ ہندومت جس کا مذہب ہی قصہ کہانیاں ہے اور جن کو مذہب اسلام سے خدا واسطے بیر ہے۔ بایں ہمہ آج وہ اسلامی قوانین کے آگے سر تسلیم خم کر رہے ہیں اور اسلام کی نورانی شعاعوں میں امن و سلامتی کی راہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ جن کے ہاں ایک سے زائد نکاح ہونا اخلاقی جرم تھا۔ جن کی شادی ہو چکی ہو وہ اصولاً اپنی دوسری شادی دوشیزہ سے نہیں کر سکتے تھے اور جو عورت کیلئے دوسرا عقد کرنا حرام جانتے تھے آج وہ اس امر کے قائل نظر آتے ہیں کہ اسلام نے جن اصول کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اس پر عمل کئے بغیر گزر نہیں۔ گو ضد و ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس کا نام بدل لیا ہو، مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ سب صورتیں مسئلہ عقد بیوگان ہی کی نقلیں ہیں۔ لیکن ؎

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ + ایک وہ ہیں جنھیں تصویر بنا آتی ہے

آج جبکہ عقل انسانی ترقی کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ چکی ہے قدیم اور جدید علمی انکشافات اسلام کے ہر اصول کو عین فطرت ثابت کر چکے ہیں کتنے ایسے نام نہاد مسلمان ہیں جو بیوہ عورتوں کی شادی کو ایک شرمناک فعل تصور کرتے ہیں بلکہ یہانتک کہا کرتے ہیں کہ جس خاندان میں عقد ثانی کا دستور ہے وہ شریف ہی نہیں۔ یہی وہ ناانصافی اور بے رحمی کی ناپاک رسم ہے جس کی بنا پر بیوہ یا مطلقہ (اگرچہ کمسن ہی کیوں نہ ہو) کا عقد ثانی کرنا شرافت خاندانی کے خلاف سمجھا جاتا ہے العظمت للہ ع ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔ اس جہالت کی بدولت آج کتنی ایسی بیوہ اور مطلقہ عورتیں ہیں جن کی زندگیاں تباہ ہو رہی ہیں اور جو اپنے جاہل اور ظالم اولیاء کے خلاف بزبان حال صدائے احتجاج بلند کرتی ہوئی کہہ رہی ہیں ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہٗ + بازمی گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

یعنی دریا کے درمیان میں تختہ سے تو باندھ رکھا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اگر ڈوبیں نہیں تو کم از کم بھیگیں گے ضرور۔ مگر تاکید یہی ہے کہ خبردار ہوشیار ہو دامن تر نہ ہونے پائے۔ کسقدر زبردستی کی بات ہے کہ فطرت کے خلاف دباؤ ڈالا جاتا ہے۔ آخر یہ بیل منڈھے کب تک چڑھیگی۔ دنیا کے مشاہدات و تجربات جھٹلائے نہیں جا سکتے۔ قوانین فطرت سے جنگ خواہ عورت کرے یا مرد اپنی موت آپ مرتا ہے ورنہ زخمی ہوئے بغیر تو ہرگز نہیں بچ سکتے۔ چنانچہ آج اس ناجائز رسم کی بدولت ایسے ایسے حیا سوز و شرمناک واقعات جو صرف اس خاندان ہی کیلئے نہیں، بلکہ تمام مسلمانوں کیلئے ایک بدنما داغ

بلکہ بدترین لعنت ہیں۔ آئے دن دیکھتے اور سنتے جا رہے ہیں۔ کس قدر حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ ان "شریفوں" کو یہ بیچارگیاں تو گوارا ہیں، لیکن شریعت کے مطابق صحیح راہ اختیار کرتے ہوئے ان کو عار معلوم ہوتا ہے اور ان کی "ناک" کٹتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ خدانخواستہ سبھی اس قسم کی ہوتی ہیں۔ بلکہ ان بے کس اور بے زبان بیواؤں میں ایسی باعصمت اور باعفت خواتین بھی ہیں، جو نہایت پاکدامنی کے ساتھ اپنی زندگیاں گذار رہی ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر ان کی عصمت محفوظ ہے تو شاید سو فیصدی ایسی ہونگی جن کی صحت برباد ہو چکی ہے جو عموماً دق یا سل جیسے امراض میں مبتلا ہو کر اس دنیا سے حسرت کے ساتھ رخصت ہو جاتی ہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ اگر درحقیقت عقد ہو گان میں کچھ نقص ہی ہوتا یا نعوذ باللہ وہ شرافت کے خلاف ہوتا تو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو سب شریفوں سے شریف اور بزرگوں سے بزرگ تھے اس سے بچتے۔ حالانکہ واقعات یہ ہیں کہ جناب سرور کائنات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے بھی عقد ہوئے ان میں سوائے ایک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے باقی سب بیوہ ہی تھیں۔ آپ کی دو صاحبزادیوں کا عقد ثانی یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اول یہ دونوں صاحبزادیاں عتبہ اور عتیبہ نامی ابولہب کے دونوں لڑکوں کے عقد میں تھیں مگر جب ابولہب کی شرارت سے ان دونوں نے طلاق دیدی تو ان کا عقد یکے بعد دیگرے حضرت ذوالنورین عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی یعنی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی تھیں ان کا پہلا عقد جیسا کہ کتابوں میں لکھا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ جن سے کہ زید بن عمرؓ پیدا ہوئے اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو دوسرا عقد عون بن جعفرؓ سے ہوا۔ اور جب انکا بھی انتقال ہوا تو تیسرا عقد محمد بن جعفرؓ اور پھر عبداللہ بن جعفرؓ سے ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری نواسی امامہ بنت ابی العاص جو حضرت زینب بنت رسول اللہ کی صاحبزادی تھیں ان کا عقد بموجب وصیت حضرت فاطمہؓ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اور جب حضرت علیؓ نے انتقال فرمایا تو بموجب وصیت حضرت علیؓ کے ان کا دوسرا عقد مغیرہ بن نوفل سے ہوا۔

مقام غور ہے کہ اگر مطلقہ اور بیواؤں کے نکاح ہونے میں کوئی عیب ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادیوں کیلئے ایسا نہ کرتے اور نہ اپنے نکاح میں ایسی عورتوں کو لاتے جو بیوہ تھیں۔ حالانکہ آپ کو معلوم ہو چکا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے بھی عقد کئے ان میں سوائے ایک کے سب ہی بیوہ کے ساتھ تھے۔ ان ازواج میں سے بعض کا نکاح تو آپ کے ساتھ تیسرا نکاح تھا۔ چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یعنی حضرت فاطمہؓ کی والدہ کا عقد اول ابوہالہ سے ہوا۔ اور اس سے دو لڑکے ہالہ اور ہند پیدا ہوئے۔ اس کے بعد دوسرا عقد عتیق ابن خالد مخزومی سے ہوا۔ اور اس سے بھی ایک لڑکی ہندہ نامی پیدا ہوئی۔ پھر چالیس سال کی عمر میں ان کا تیسرا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ اور اس وقت آپؐ کی عمر ۲۵ سال کی تھی۔ اسی طرح ام رومان جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی والدہ تھیں ان کا پہلا عقد عبداللہ بن سخرہ سے

ہوا۔ اور پھر دوسرا عقد ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہوا نیز اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا پہلا عقد جعفر بن ابی طالب سے ہوا اوران سے تین لڑکے محمد اور عبداللہ اور عون پیدا ہوئے پھر جب حضرت جعفرؓ شہید ہو گئے تو ان کا دوسرا نکاح حضرت ابوبکرؓ سے ہوا اوران سے محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے۔ اور جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتقال ہوا تو ان کا تیسرا عقد حضرت علیؓ سے ہوا اوران سے یحییٰ پیدا ہوئے۔

اس قسم کے ہزاروں واقعات سے اسلامی تواریخ بھری پڑی ہیں۔ لیکن مشتے نمونہ از خروارے یہ چند مثالیں ان مسلمانوں کے سامنے جو عقد ثانی کو منافی شرافت سمجھتے ہیں پیش کر کے دریافت کر سکتا ہوں کہ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی شان ہے ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ اور صحابہ اہلبیت رسالت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں جنکی شان ہے اصحابی کالنجوم۔ صحابہ مثل تاروں کے ہیں۔ کیا ان سے بھی بڑھ کر کوئی شریف اور معزز ہو سکتا ہے نعوذ باللہ منہ ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک ✤ پس اب خود ہی اندازہ لگائیں کہ یہ منافی شرافت کا تخیل شیطانی فریب کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے فرمان الٰہی ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ یعنی تم میں جو شخص زیادہ متقی و پرہیزگار ہے وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ شریف و معزز ہے۔ چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مختصر فارسی رسالہ میں جس کے ترجمہ کا نام نیل الامانی ہے تحریر فرماتے ہیں کہ "جو شخص عقد بیوگان کو عیب جانے وہ کافر ہے"۔ العیاذ باللہ فرمایا اللہ عزوجل نے وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ الخ یعنی جو عورتیں بیوہ (بے شوہر) ہوں ان کا تم نکاح کر دیا کرو، اگر وہ غریب ہونگے تو اس نکاح کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کو مالدار اور تونگر کر دے گا۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے علیؓ تین باتوں میں کبھی دیر نہ کرنا اول نماز میں جب اس کا وقت آجائے دوسرے بیوہ (بے شوہر) کے نکاح میں۔ جب اس کے مناسب شوہر ملجائے۔ تیسرا جنازہ (دفن کرنے میں) جب آجائے (ترمذی شریف) ✤

ان حکیمانہ احکام پر ادیان باطلہ تو کسی نہ کسی طرح عمل کر کے ان کی نعمتوں سے مستفید ہوں۔ لیکن ہم مسلمان اس سے روگردانی کر کے خسر الدنیا والاخرۃ مغلوب و مقہور ہوں فیا للعجب۔ پروردگار ہمیں نیک سمجھ عطا فرمائے۔ آمین

کلام اکبر مرحوم

ہوائے الحاد رنگِ ملت کو ہر روش پر بدل رہی ہے
جو بات بگڑی بنے وہ کیونکر جو چل گئی ہے وہ چل رہی ہے

نہ عاقبت کا کسی کو ڈر ہے نہ عزتِ قوم پر نظر ہے
سروں میں سودا سما رہا ہے دلوں سے غیرت نکل رہی ہے

جو پیشوا خود ہوں رند مشرب تو کیا جمے رنگ وعظ مذہب
قلوب شیطاں کے متبع ہیں زبان قرآں پہ چل رہی ہے

جو قوم ہمسایہ ہے ہماری نہیں ہے اس پر بلا یہ طاری
ہم اپنی مستی میں گر رہے ہیں وہ ہوش میں ہے سنبھل رہی ہے

ہم اپنی صورت بگاڑتے ہیں بنا رہی ہے وہ اپنے گھر کو
ہم اپنا نقشہ مٹا رہے ہیں وہ اپنے سانچے میں ڈھل رہی ہے

خدا کی ساعت ہیں یا کی صدیاں چھپی نہیں ہیں ہماری بدیاں
بلائیں آئیں اور آ رہی ہیں کوئی گھڑی ہے کہ ٹل رہی ہے

مسلمان اور اسکی عملی حالت

(از مولوی عبدالعزیز صاحب بسکوہری بستوی متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی)

ہر طرف سے شور برپا ہے کہ مسلمان تباہ ہوگئے۔ برباد ہوگئے۔ افلاس ونکبت، فقر واحتیاج۔ ذلت ومسکنت۔ رگوں رگوں میں پیوست ہوچکی ہے۔ اسلامی شعار تہذیب وتمدن۔ کلچر ومذہب پڑا کے ڈلے جارہے ہیں اور مسلمان بآسانی ان سے منحرف ہوتا جارہا ہے نہ اس کو اسلامی وقار کا پاس ہے اور نہ ہی اس کی عزت وحرمت کا لحاظ ہے۔ آخر یہ کیوں! یہ چند خیالات ہیں جو ہر سچے مسلمان خادم اسلام کے دل میں موجودہ ماحول وحالات سے متاثر ہوکر پیدا ہورہے ہیں۔ اس کا جواب سننے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ۔ ہر قوم ارادی اور عملی قوتوں کے زور سے اور مذہبی شعائر پر گامزن رہ کر ہی ترقی کے مدارج کو طے کرسکتی ہے۔ جس قوم میں عملی اور ارادی قوتوں کا فقدان ہو۔ مذہبی شعائر کا اضمحلال ہو وہ ہرگز ترقی وارتقار کے قابل نہیں رہتی اور تنزل وذلت ہی اس کا گہوارہ بنتی ہے۔ اس کی کروڑہا مثالیں آنکھوں کے سامنے ہیں۔ تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ تاریخی روایات کو جانے دو۔ مشاہدات روزینہ ہی سے اس کا کافی استشہاد ہوسکتا ہے کتنی قومیں تباہ ہوگئیں۔ تباہ ہورہی ہیں۔ ختم کی جارہی ہیں۔ گویا ان کو درجہ انسانیت سے بعید سمجھا گیا ہے۔ حبش۔ پولینڈ زیکوسلوبکیہ۔ بلجیم۔ فنلینڈ اور مختلف ممالک کا حشر ہمارے سامنے ہے۔ سو جہ وہی عملی اور ارادی قوتوں کا فقدان۔ اصلی اجتماعیت کے شیرازہ کا انتشار اقتصادی پستی اور مذھبی شعائر کی بدحالی۔ قرآن شریف نے تیرہ سو برس پہلے ہی اس کا اعلان کردیا تھا کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ (رعد ع ۲) کہ قومیں خود اپنے اعمال سے اپنی تنزلی پیدا کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو ظلماً ذلت ونکبت کے گڑھے میں نہیں ڈالتا۔ اس اصل کے ماتحت اب موجودہ مسلمانوں کی ذلت وافلاس اور تنزلی وپستی کے راز پر بھی نظر کرو۔

مسلمان اور مذہب بلاشبہ مذہب اسلام حقانیت سے پُر اور اپنے مواعید پر آجتک قائم ہے۔ یقیناً اس نے مسلمانوں کیلئے سلطنت ودولت۔ سرداری وریاست دینے کا وعدہ کیا ہے اور اس کو عملی جامہ بھی پہنایا ہے۔ روم وفارس کی حکومتیں، ایران وہندوستان کی سلطنتیں۔ اسپین وغرناطہ کی دولتیں ان کے قدموں پر نچھاور ہوئیں۔ مشرق سے لیکر مغرب۔ شمال سے لیکر جنوب تک اسنے اپنا پرچم لہرایا۔ اور ہر باطل قوت کو اپنے سامنے پارہ پارہ کیا۔ لیکن یہ اسی وقت تک تھا جبتک مسلمانوں میں ایمانی جذبہ باقی تھا اور روحانیت موجود تھی۔ شعائر اسلام کی حرمت باقی تھی۔ اس نے اس کیلئے سب سے پہلا سبب ایمان اور عمل صالح کو قرار دیا۔ متقدمین مسلمانوں کے متعلق کچھ کہنا ہی فضول ہے وہ تو ایمان اور عمل صالح کے بینظیر پتلے تھے۔ آگ کے شعلوں میں کودنا۔ باطل کی قوتوں کو پامال کرنا۔ جہاد کو اپنا شعار بنانا انھیں کا حصہ تھا۔

آج کے مسلمان میں وہ سب چیزیں بالکلیہ معدوم ہیں نہ تو ان میں مذہب کا پاس ہے اور نہ ہی شعائر اسلامی کا لحاظ ہے قرآن ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر طاق نسیاں بنکر رہ گیا۔ نماز و روزہ حج و زکوٰۃ ایک فرسودہ اعتقاد بن کر رہ گئے۔ شعائر اسلامی کی توہین و تضحیک اس دور کے ایمان کا ایک جزء لاینفک بن گیا ہے۔ جہاد کا تصور ایک خیالی پلاؤ اور ننگ انسانیت کا مترادف سمجھا جانے لگا ہے۔

ہاں اب اسلام کو اسی غیر مشروع رسم و رواج۔ بدعتوں اور اختراعوں کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی جانے لگی ہے جس کے انہدام کے لئے اسلام آیا تھا۔ جبتک ہندوانہ رسم و رواج عمل پذیر نہ ہوں صحیح معنوں میں اسلام ہی نہیں ہے پیر پرستی۔ قبر پرستی، تعزیہ پرستی۔ اسلام کا ایک جزء لاینفک ہوگئی ہے۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ زمین کے چپے چپے سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہوتی تھی۔ تمام دنیاوی رشتوں سے بے تعلق ہو کر صرف اللہ کے رشتہ کے ساتھ منسلک ہونا اسلام سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اس زمانے میں توحید کو شرک و تثلیث کے پردے میں نمایاں کیا جارہا ہے۔ کہیں خدا سے بے تعلق ہو کر عبدالقادر جیلانی کے دامن کا سہارا ڈھونڈا جاتا ہے تو کہیں محمد عربی کی نبوت نامکمل بتا کر غلام احمد قادیانی کی نبوت سے اسلام کی تکمیل کی جاتی ہے۔ اگر اصلاح و تنقید کے پردے میں اسلامی عبادات و اعتقادات میں ترمیم و تنسیخ کی کوشش کر کے بدعات کا دروازہ کھولا گیا تو دوسری طرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں نمودار بتایا گیا اور کہا گیا ؎

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر + اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

نعوذ باللہ من ھذہ المنکرات اگر ایک طرف بریلوی یا چکڑالوی فتنے و بدعات نے قصر اسلام پہ حملے شروع کر دیئے تھے تو دوسری طرف قادیانی نبوت کے زبردست فتنے نے اس پر اور گہرا اثر ڈالا۔ مخالفین اور معاندین اسلام ایسے ہی اختلافات کے موقعہ کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔ انھوں نے ان اختلافات کی وجہ سے تبلیغ اسلام کے راستے میں روڑے اٹکانے شروع کئے یہی نہیں بلکہ ان بدعات اور فتنوں کو لیکر جاہل عوام کے بھڑکانے میں ایک آلہ کار بنایا اور نعمت غیر مترقبہ سمجھا اور اس کی وجہ سے کتنے جاہل مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ جہالت عوام کا یہ حال ہے کہ کہنے کو تو وہ مسلمان کہلاتے ہیں لیکن شعائر اسلامی اور اس کے عبادات و اعتقادات کے علم سے قطعی بے بہرہ ہیں۔ کتنے ہیں جو کہ کلمہ تک نہیں جانتے۔ نماز و روزہ وغیرہ کے معمولی معمولی مسائل سے بھی ناواقف ہیں۔

اگر کچھ طبقہ اہل علم کا ہے تو وہ بھی تعلیمات اسلامی سے کوسوں دور نظر آرہا ہے۔ آجکل نوجوان مسلمانوں کا عام رجحان اسلامیت سے ہٹ کر غیر اسلامی ہوتا جارہا ہے۔ ان کے نزدیک اسلامی عبادت۔ اسلامی تہذیب و کلچر۔ اسلامی معاشر نوجوانوں کی شاہراہ ترقی میں زبردست رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ نماز و روزہ تو کب کا چھوٹ چکا ہے۔ تہذیب و معاشرت ہی ایک معیار امتیاز رہ گئی تھی وہ بھی زائل ہوتی نظر آرہی ہے۔ عوام کے دلوں سے اسلامی وقار اسقدر زائل ہوتا جارہا ہے کہ

اب ناموس اسلام کا لحاظ بہت ہی کم رہ گیا ہے۔ پھر ایسی حالت میں یہ آہ و فغاں کیسی۔ یہ درد انگیز نالے کیسے۔ یہ سوال وجواب کیسا۔ اس کا جواب خود اپنے گریبان میں منہ ڈالکر سوچ لو۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی فیصلہ کردیا ہے کہ اپنے اعمال سے قومیں خود تباہ و برباد ہوتی ہیں۔

کیا تم نے یہ سمجھا ہے کہ صرف زبان سے اسلام اسلام کا نام پکارلو یہی تمہارا نجات دہندہ بنجائیگا۔ ہرگز نہیں۔ اسلام ایمان اور عمل دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ جب تک عمل نہ ہو صرف ایمان یا زبانی اسلام کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ شریعت نے ایمان اور عمل کو لازم و ملزوم ٹھہرایا ہے۔ قرآن نے جہاں ایمان کو ذکر کیا ہے ساتھ ہی ساتھ عمل کو بھی ذکر کیا ہے۔ ایمان ایمان ہی نہیں ہوسکتا جب تک عمل موجود نہ ہو۔ کوئی قوم صرف اپنے ایمانی دعاوی سے کامیاب نہیں ہوسکتی ہے جب تک وہ عملی جامہ میں ظاہر نہ ہو۔ بنو اسرائیل وغیرہ اقوام کیوں تباہ ہوئیں۔ اسلئے کہ انمیں عملی قوتوں کا فقدان ہوچکا تھا۔ یہ بات نہیں تھی کہ ان میں ظاہری شریعت کا بھی وجود نہ تھا۔ وہ بھی موسوی عیسوی قوم کہلاتی تھیں۔ توراۃ۔ زبور۔ انجیل وغیرہ ربانی صحیفے ان میں موجود تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ تباہ و برباد کردی گئیں۔ وجہ یہی تھی کہ انھوں نے اس کے اصل الاصول یعنی عملی قوتوں کو زائل کردیا تھا۔ عین شریعت وہی ہے جس میں ایمان کے ساتھ ہی ساتھ عمل بھی موجود ہو ع

یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے ؎ جو ہے راہ عمل میں گامزن محبوب فطرت ہے

افسوس! تم نے نماز کی اہمیت کو بھلادیا۔ اس میں دنیاوی اور اخروی دونوں اسپرٹ موجود تھی۔ یہی بات نہیں کہ نماز صرف عابد و معبود کے رشتے کو مضبوط اور مستحکم کرکے تمام غیر اللہ کے وسائل کو منقطع کردیتی ہے بلکہ یہ زندگی کے تمام شعبوں کیلئے حیات جاوداں رکھتی ہے۔ یہ مسلم ہے کہ کوئی قوم اسوقت تک منازل ترقی پر قدم نہیں رکھ سکتی جب تک اتحاد و اتفاق کی اسپرٹ موجود نہ ہو۔ کتنی بڑی سے بڑی قومیں محض اختلافات کی وجہ سے فنا و برباد ہوگئیں۔ اور ایک کمزور اور چھوٹی قوم محض اتفاق و اتحاد کی قوت سے اپنے سے بڑی طاقت پر غالب آگئی۔ مسلمانوں کی ایک قلیل جماعت نے قیصر و کسریٰ جیسی عظیم الشان سلطنتوں کو پارہ پارہ کردیا تھا۔ محض اتحاد کی طاقت تھی۔

اے اپنی ناگفتہ بہ حالت پر آنسو بہانے والو! آج تم چیختے ہو۔ شور کرتے ہو کہ ہم تباہ ہوگئے۔ ذلیل ہوگئے۔ غلام بنالئے گئے اور تم اپنی جہالت کو نہیں دیکھتے۔ تم آج زمین کے چپے چپے پر بستے ہو۔ لیکن ذرا بتلاؤ تمہاری عملی قوتیں کیا ہیں تم نے میدان عمل میں کونسا قدم رکھا ہے۔ اختلافات اور انشقاق کا بیج بوکر تم نے آپس میں عداوت اور دشمنی کی ایک خلیج حائل کرلی ہے۔ بنی اسرائیل سے بھی تمہاری حالت گری ہوئی ہے اور اگر یہی حالت رہی تو کوئی بعید نہیں کہ کچھ دنوں میں صفحۂ ہستی سے تمہارا نام و نشان بھی مٹ جائے یہ اسلئے کہ تم نے نماز و روزہ کو چھوڑ دیا ہے جو اسلام کا ایک بہت بڑا رکن اور بقائے اسلام کی ایک شرط تھی۔ اتحاد و اتفاق کا ایک مرکز تھی۔ اس کی مشروعیت کا مقصد یہی تھا کہ جمیع مسلمانوں کے دلوں میں محبت و اتفاق ہو۔ رواداری و حمیت کا استحکام ہو۔ فتح و ظفر کا ایک بڑا حربہ۔ اتحاد و اتفاق . . ہے۔ لیکن تم نے

اسکو چھوڑ دیا یا اگر کیا تو بے دلی سے۔ خدا نے بھی تمہارا ساتھ چھوڑ دیا۔ کیونکہ اس کے نزدیک محبوب وہی ہے جو اسکے بتلائے ہوئے شاہراہ عمل پر گامزن ہو ع جو ہے راہ عمل میں گامزن محبوب فطرت ہے ✣

مسلمان اور سیاست

یہ دنیا ہمیں تک ختم نہیں ہوا ہے۔ کون ایسا شعبہ ہے جس میں موجودہ مسلمان پیچھے نہ ہوں۔ شعبہ سیاست بقائے زندگی کا ایک زبردست لائحہ عمل مانا گیا ہے۔ مذہب سے مسلمان جدا ہوئے۔ اسی لئے میدان سیاست میں بھی بہت ہی پیچھے نظر آرہے ہیں کیونکہ اسلام کے نزدیک سیاست مذہب سے جدا نہیں بلکہ وہ بھی مذہب کی ایک شاخ ہے۔ موجودہ زمانے میں جس قوم کی سیاسی زندگی مضمحل ہو وہ یقیناً سوائے ذلت و پستی کے ترقی نہیں کر سکتی۔ اسیواسطے اسلام نے مسلمانوں کیلئے جہاں ایک پہلو خالص مذہبی رکھا۔ دوسرا پہلو اسی کے ساتھ سیاسی بھی بتایا۔ اگر ایک طرف عبادت و ریاضت کے طریقہ سے اسلام کو مضبوط کیا تو دوسری طرف ملکی۔ مدنی، تمدنی سیاست سے بھی اسلام کے حدود کو مستحکم کیا۔ ملکی۔ مدنی۔ تمدنی۔ اصول وہ مقرر کئے کہ دنیا کی کسی قوم کے دماغ میں بھی ایسے ٹھوس نظام کا تصور نہ آسکا تھا۔ ملکی اور تمدنی نظام کا کونسا ایسا شعبہ تھا جس کو بحسن و خوبی اسلام نے کامل نہ کیا ہو۔ رعیت اور راعی کے حقوق۔ زن و شوہر کے حقوق قاضیوں اور عاملوں کے حقوق۔ والدین اور اولاد کے حقوق۔ ذمیوں اور حربیوں کے حقوق۔ مفتوحہ ممالک کا نظام۔ ماتحت ممالک کا نظام وغیرہ تمام شعبوں کو مکمل شکل میں پیش کیا۔

اے خوابیدہ مسلم! یہ غفلت کیتنی کب تک۔ کیا تمہاری آنکھ اس وقت کھلے گی جب موت و حیات کا آخری سوال سر پر پہنچے گا اور مخالف قومیں تمہاری ہلاکت کی تدبیریں سوچتی ہوں گی۔ کیا تم نے مذہب و سیاست کو الگ الگ تصور کیا ہے؟ واللہ سیاست مذہب کا ایک اہم جزء ہے۔ مذہب حقوق اللہ و حقوق العباد دونوں پر حاوی ہے۔ حقوق العباد کی کنجی سیاست ہی ہے۔ سیاست کو مذہب سے جدا سمجھنا حقیقت میں اسلام کو جھٹلانا ہے۔

ابھی موقع ہے سنبھل سکتے ہو۔ دین کے دونوں پہلو مذہب و سیاست کو مضبوطی سے تھام لو اسی سے تم نجات پاسکتے ہو۔ غلامی اور ذلت کی زندگی بدترین لعنت اور اسلامی نظریہ پر ایک مہلک ضرب ہے ✣ (باقی)

مبارکباد

عالیجناب محترم شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے برادر خورد محترم جناب خانصاحب شیخ حبیب الرحمن صاحب میونسپل کمشنر ایک عرصہ سے آنریری مجسٹریٹی کے فرائض انجام دے رہے ہیں مقدمات کے فیصلے آپ جس قابلیت قانونی نکتہ سنجی اور عدل و انصاف کے ساتھ فرماتے ہیں اس کا چرچا دہلی کی پبلک میں عام طور پر پایا جاتا ہے لوگ آپ کے اخلاق اور انصاف کے بیحد مداح ہیں۔ آپکی اسی نیک نامی کو دیکھتے ہوئے حکومت نے آپکے اس اعزاز کی مدت میں توسیع کرتے ہوئے مزید دو سال کیلئے مجسٹریٹ درجہ دوم کے اختیارات دیدیئے ہیں۔

ہم حکومت کی اس قدردانی کی تعریف کرتے ہیں اور جناب شیخ صاحب موصوف کی خدمت میں مدرسہ کے جملہ شائقین و متعلقین کی طرف سے ہدیہ مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپکو روز افزوں ترقیاں عطا فرمائے اور ملک و قوم کی بہتری و بہتر خدمتیں انجام دینے کی توفیق بخشے آمین (ایڈیٹر)

چند حدیثوں کے ترجمے

(از جناب عزت الفاطمہ و منصورہ صاحبہ دختران جناب مولوی محمد شعیب صاحب مونگیر)

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے دل میں اس کے بڑھاپے تک دو چیزوں کی محبت جوان رہتی ہے ایک دنیا کی محبت اور دوسری آرزوں کی کثرت اور اس کا زور۔ بہ الفاظ دیگر مال کی محبت اور زیادہ زندہ رہنے کی تمنا۔

(۲) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مونڈھے کو پکڑا اور نصیحتاً فرمایا کہ دنیا میں ایسی ہلکی پھلکی زندگی بے ساز و سامان کی بسر کر کہ گویا تو کوئی مسافر ہے۔ یا کوئی راہ گذرتا راہی ہے۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما برابر فرمایا کرتے تھے کہ جب شام ہوجائے تو پھر صبح تک اور صبح ہوجائے تو پھر شام تک کی زندگی کا یقین نہ کرلینا۔ اسلئے کہ موت کی ساعت متعین نہیں ہے موت کب اور کہاں آجائے گی کسی کو نہیں معلوم ہے۔ بلکہ اپنی صحت کے وقتوں میں اپنی بیماری کا خیال رکھنا اور صحت کو غنیمت سمجھکر عاقبت کیلئے جو کچھ کرنا ہو کرتے رہنا۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے جس کو آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ دنیا پیٹھ دکھاتی بھاگی جاتی ہے جسکا جو لمحہ گذر جاتا ہے وہ پھر واپس نہیں آتا۔ اور آخرت سامنے کو منہ کئے چلی آتی ہے۔ یعنی دنیا جس طرح بھاگی جاتی ہے آخرت قریب ہوتی جاتی ہے۔ اور ان دونوں (دنیا و آخرت) کے بچے ہیں یعنی ابنائے دنیا و ابنائے آخرت۔ تو تم لوگ ابنائے دنیا نہ بنو بلکہ ابنائے آخرت بنجاؤ۔ آج دنیا میں فقط اعمال ہیں۔ اور ان کا کوئی سوال و جواب یا حساب یہاں نہیں ہے۔ اور کل آخرت میں فقط حساب ہے عمل نہیں ہے اور اس حساب سے چھٹکارہ کم ہی کو ہوگا۔

(۴) ام المومنین حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جنت کے دروازے کو کھٹکھٹاؤ وہ کھولدیئے جائیں گے۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیونکر کھٹکھٹائیں؟ فرمایا کہ بھوک اور پیاس کی برداشت سے جنت کے دروازوں کو کھٹکھٹا سکتے ہو۔

(۵) کسی نے پوچھا کہ میں اپنے آپ کو نیک کب سمجھوں؟ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ جب تجھے اپنے برے ہونے کا گمان ہوجائے۔ پھر اس نے پوچھا کہ اپنے کو برا کب جانوں بولیں کہ جب تو اپنے کو نیک اور اچھا سمجھنے لگے

فقط

فتاویٰ

سوال: کیا ہم اہل اسلام اہل ہنود کے کسی ایک مذہبی امور میں ان کی امداد کیلئے کچھ چندہ وغیرہ دے سکتے ہیں۔ یہاں ایک قریہ میں اہل ہنود بہ تعداد کثیر آباد ہیں اور وہ مندر کی تعمیر کے تحت میں مسلمانوں سے بھی چندہ طلب کرتے ہیں تو کیا از روئے شریعت چندہ دینا جائز ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ اہل ہنود کی کثرت کی وجہ سے آئندہ ناجائز سلوک کا خطرہ ہو۔

عبد الحمید از بنگلور شہر

جواب: ہندوؤں کے مذہبی امور عموماً شرکیہ و کفریہ ہوتے ہیں پس ان کے کسی مذہبی کام میں چندہ وغیرہ سے امداد کرنا جائز نہیں ہے۔ مندر کی تعمیر میں چندہ سے امداد کرنا تو شرک و کفر اور بت پرستی کی صراحۃً اعانت و حمایت ہے جو قطعاً حرام ہے۔ ارشاد ہے۔ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (قرآن کریم) اکثریت کی طرف سے آئندہ موہومی ناجائز سلوک کے اندیشہ اور خطرہ کی بناپر شریعت نے شرک و بت پرستی معصیت اور اثم و عدوان کی اعانت و حمایت کی اجازت نہیں دی ہے۔ ایمان عزیز ہے اور آپ مومن کامل ہیں تو ان موہومی خطرات کو خاطر میں نہ لائیے۔ الا ان حزب اللہ ہم الغالبون۔

سوال: زید صحیح الاعضا تندرست ہے۔ دنیاوی کاروبار بھی کرتا ہے۔ صوم و صلوٰۃ کا پابند نہیں بدعتی ہے پس زید کو خیرات دینا ثواب ہے یا گناہ درآنحالیکہ اوصاف مذکورہ معلوم ہیں۔

ابو سعید محمد امین انصاری۔ از اجمیر

جواب: تندرست ہٹے کٹے شخص کو جو بدعتی ہے اور روزے نماز کا پابند نہیں ہے دنیاوی کاروبار (تجارت۔ زراعت ملازمت وغیرہ) کرتا ہے جان بوجھکر صدقہ خیرات دینے میں ثواب نہیں ملیگا۔ ایسے شخص کو خیرات دینا بدعت و معصیت کو تقویت پہنچانا ہے پس دیدہ دانستہ نہیں دینا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا یاکل طعامک الا تقی (مشکوۃ شریف) ہاں اگر لاعلمی میں دیدیا تو کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح تارک صوم و صلوٰۃ بدعتی کو جو مضطر ہو اور فاقہ میں مبتلا ہو دیدہ دانستہ خیرات دینے میں حرج نہیں ہے بلکہ ثواب ملیگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فی کل کبد رطبۃ اجر (بخاری) موجودہ زمانہ کے تکیہ دار پیشہ ور فقیروں کو بھی خیرات دینا درست نہیں ہے۔ صاحب بذل المجہود نے حدیث مرفوع للسائل حق وان جاء علی فرس کے ذیل میں یہ صحیح لکھا ہے "وهذا العلة باعتبار القرون الاولى واما فى هذا الزمان فنشاهد كثيرا من الناس اتخذوا السوال حرفة لهم ولهم فضول اموال فحينئذ يحرم لهم السوال ويحرم على الناس اعطاءهم"

سوال: باعتبار شرع شریف کوئی ایسی قوم ہے جو من حیث القوم خیرات لینے کی مستحق ہو اگر نہیں ہے تو ایسا عقیدہ کیسا ہے۔ سائل مذکور

جواب: کوئی قوم یا برادری یا ذات محض مخصوص قوم اور خاص برادری اور ذات ہونے کی حیثیت سے شرعاً خیرات کی مصرف اور مستحق نہیں ہے۔ شریعت نے صدقات و خیرات کو مسلمانوں کی کسی قوم اور ذات و برادری کے ساتھ مخصوص نہیں

کیا ہے۔ قرآن کریم نے قبائل و شعوب کی تقسیم محض تعارف اور تواد د کے لئے رکھی ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی مروجہ قومیتیں ذاتیں اور برادریاں (جنکی بنا نسب پر ہو یا پیشہ پر یا کسی اور چیز پر) ہندوؤں کے ساتھ ملنے جلنے اور رہنے سہنے کا اثر اور ثمرہ ہیں۔ یہ تقسیم اسلامی تعلیم کے منافی ہے۔ اسلام میں ذات پات کی تقسیم کا کوئی نام ونشان نہیں ملتا۔ پس کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو من حیث القوم خیرات لینے کی مستحق ہو۔ ایسی حالت میں یہ عقیدہ رکھنا اسلامی تعلیم کے خلاف ہے +

سوال۔ ایک شخص نے ایک مسجد کو نمازیوں کے وضو کرنے کے لئے تانبے کا آنا بڑا برتن وقف کیا ہے جس میں دس مشک کے قریب پانی آتا ہے مگر اب اس مسجد میں وضو کیلئے ایک حوض بنا دیا گیا ہے جس سے برتن (ٹانکی) بالکل بیکار ہو گیا۔ اس میں پانی بھرنے کی ضرورت نہیں مصلی حوض کے پانی سے وضو کرتے ہیں اب اس برتن کی اس مسجد میں مطلق ضرورت نہیں ہے اور دوسرے گاؤں میں ایک نئی مسجد تعمیر ہوئی ہے جس میں وضو کے پانی کیلئے برتن کی ضرورت ہے پس کیا یہ برتن اُس نئی مسجد میں لیجا سکتے ہیں اور کیا ایک مسجد کی چیز دوسری مسجد میں استعمال کر سکتے ہیں۔ شیخ محمد اد ھیکاری۔ از قلابہ

جواب:۔ جب وقف شدہ چیز بیکار ہو جائے یا ضائع ہوتی ہوئی نظر آئے تو ایسی صورت اختیار کرنی چاہیئے کہ وہ ضائع نہ ہو اور کار آمد ہو سکے مثلاً اسکو فروخت کر کے اسکی قیمت اسی موقوف علیہ مسجد پر لگادے یا کسی دوسری مسجد میں اس چیز کی ضرورت ہو تو اس میں صرف کر دی جائے عن عائشۃ قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لولا ان قومك حدیثو عهد بجاهلیتا وقال بکفر لانفقت کنز الکعبة فی سبیل اللہ ولجعلت بابها بالارض ولادخلت فیها من الحجر (مسلم) کنز کعبہ سے مراد وہ اموال ہیں جو زائرین خانہ کعبہ نذر کیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ یہ خزانہ بیت اللہ کی ضرورت اور حاجت سے زائد ہے تو فی سبیل اللہ تقسیم کرنے کا ارادہ فرمایا لیکن عذر مذکور فی الحدیث کی وجہ سے اس ارادہ کو پورا نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ وقف شدہ چیز بیکار ہو جائے یا ضائع ہوتی ہوئی نظر آئے تو ایسی صورت اختیار کرنی چاہیئے کہ وہ ضائع نہ ہو۔

سوال:۔ اگر کسی کے خواب کے کمرہ میں قرآن پاک رکھا ہو اور وہ کمرہ قرآنی آیات کے فریموں طغروں اور مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور لفظ اللہ و رسولؐ کے نقشوں سے سجا ہوا ہو تو اُس کمرہ میں اپنی بیوی سے ہمبستر ہونا شرعاً جائز ہے یا کیا۔

محمد حامد از بھوپال اسٹیٹ۔ شاہجہاں آباد

جواب:۔ ایسے کمرہ میں بیوی سے ہمبستر ہونا شرعاً جائز ہے بشرطیکہ اس کے آداب جماع (ارادۂ جماع کے وقت بسم اللہ کہہ لیا جائے۔ لو ان احدکم حین یاتی اهله قال بسم الله اللهم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا الحدیث دونوں مادر زاد برہنہ ہو جائیں اذا اتی احدکم اهله فلیستتر ولا یتجرد تجرد العیرین۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل الخلاء غطی راسه واذا اتی اهله غطی راسه وغیرہ وغیرہ) کا پورا خیال رکھا جائے۔ کیونکہ طلب اولاد غض بصر حفظ فرج عن الزنا طلب عفت کی نیت سے ہمبستر ہونا باعث اجر و ثواب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

ان فی بضع احدکم صدقۃ قالوا یا رسول اللہ ایاتی احدنا شہوتہ ویکون لہ فیہا اجر قال ارأیتم لو وضعہا فی حرام اکان علیہ فیہ وزر فکذلک اذا وضعہا فی الحلال کان لہ اجر (مسلم) قال المحدث الدہلوی ادخال فی اشارۃ الی ان ذا تہ لیست صدقۃ بل ما ضمنہ من التحصین واداء حق الزوجۃ وطلب الولد الصالح انتہی۔
لیکن بہتر اور اولیٰ یہ ہے کہ ادبا واحتراما واجلالاً لکلام اللہ ایسے کمرہ میں ہمبستر نہ ہو۔

نعرۂ بیداری

(از جناب طالب صاحب اعظمی رحمانی)

مسلماں خواب سے بیدار ہو جا ۔۔۔ یہ غفلت تابکے ہشیار ہو جا
نہیں غفلت میں سونیکا یہ موقعہ ۔۔۔ پئے سعی عمل تیار ہو جا
کہاں پہنچی ہیں اقوام جہاں سب ۔۔۔ ذرا تو بھی صبا رفتار ہو جا
زبوں حالی تری اب حد کو پہنچی ۔۔۔ خدا کے واسطے بیدار ہو جا
زمانے کو دکھا دے اپنی عظمت ۔۔۔ زمانے بھر کا پھر سردار ہو جا
منظم ہو منظم ہو منظم ۔۔۔ اخوت کا علمبردار ہو جا
شجاعت میں سیاست میں ذرا پھر ۔۔۔ مثالِ حیدر کرار ہو جا
اگر منظور ہے آزادیٔ ملک ۔۔۔ پئے جد و جہد تیار ہو جا
مٹانے کیلئے دنیا سے باطل ۔۔۔ سراسر تیغ جوہر دار ہو جا
نہ دے گفتار کو اپنی طرف راہ ۔۔۔ سراپا پیکرِ کردار ہو جا
مٹا کر باہمی بغض و حسد کو ۔۔۔ ہم اک دوسرے کا یار ہو جا
جہالت اور بے علمی کہاں تک ۔۔۔ پئے علم و عمل تیار ہو جا
ذرا پھر جام وحدت کی طلب کر ۔۔۔ شرابِ دیں سے پھر سرشار ہو جا
اگر مقصود ہے خوشنودیٔ رب ۔۔۔ مطیع احمدِ مختار ہو جا

رہِ ملت میں طالب سر کٹا کر
فدائے احمدِ مختار ہو جا

روحِ اخبار

—— ۹ر جولائی جنگ کے بعد سے اب تک ہندوستانی فرموں سے مصر کو ۴۳ لاکھ ۶۶ ہزار روپیہ کا جنگی سامان بھیجا جا چکا ہے ابھی ۴۱ لاکھ ۴۷ ہزار روپیہ کے آرڈروں کی تعمیل باقی ہے۔ (زمیندار)۔

—— ایران میں اس سال بالغوں کی لازمی تعلیم کے باعث دس اور پندرہ ہزار کے درمیان طالب علموں نے ابتدائی امتحان پاس کئے اسوقت رات کے ۳۴ سکول ہیں۔ ان میں ایک لاکھ ۴۴ ہزار ۹ سو ۹۱ طلبا تعلیم پا رہے ہیں۔ (تیج)

—— حکومت مصر نے کاغذ سازی کا ایک کارخانہ کھولا ہے جسمیں کثیر مقدار میں اعلیٰ اور ادنیٰ قسم کا کاغذ تیار ہوا کرے گا۔ اس کارخانے کا راس المال چھ لاکھ پونڈ ہے۔ اس کارخانے کے بعد مصر غیر ملکی کاغذوں سے ایک حد تک مستغنی ہو جائے گا۔ معلوم ہوا ہے کہ اس کارخانے میں کاغذ کی ہر قسم روئی اور گندم کی بھوسی سے تیار ہوا کرے گی (زمزم)۔

—— حکومت مصر نے ۱۴۰ غیر ملکی عورتوں کو جن کا پیشہ ناچنا گانا تھا حدود مصر سے خارج کر دیا ہے۔ اسی طرح بہت سی خوبصورت عورتوں کو جو تھیٹروں اور سینماؤں میں کام کرتی تھیں مصری حدود سے خارج کر دیا گیا ہے۔ (زمزم)۔

—— لندن ۹ر جولائی۔ گذشتہ چار ہفتہ سے برطانیہ لڑائی پر ۷۵ لاکھ پونڈ سے زیادہ روزانہ خرچ کر رہا ہے۔ اس میں سے ۶۵ لاکھ پونڈ بحری، بری اور ہوائی فوج پر خرچ ہو رہا ہے (تیج ۱۲ جم ۶)

—— لندن کی زمین کی گہرائیوں میں بڑی بڑی فولادی سرنگوں میں زمین دوز ریلوے چلتی ہے۔ اس ریلوے میں روزانہ ساڑھے بارہ لاکھ آدمی سفر کرتے ہیں۔ تمام زمین دوز ریلیں بجلی سے چلتی ہیں۔ اور اس کے کل ۱۸۱ اسٹیشن ہیں۔ ان اسٹیشنوں پر ایسی مشینیں لگی ہوئی ہیں کہ ان میں پیسے ڈال دینے سے وہ بغیر کسی آدمی کی مدد کے خود بخود ٹکٹ دیدیتی ہیں بلکہ بوقت ضرورت ٹکٹوں کو تبدیل بھی کر دیتی ہیں۔

—— ۹ر جولائی۔ ایک اطلاع مظہر ہے کہ حضور نظام نے اپنے صرف خاص میں سے وائسرائے ہند کے جنگی فنڈ میں ۵۰ ہزار پونڈ کی ایک گرانبہا رقم عنایت فرمائی ہے۔ (انقلاب)

—— ۹ر جولائی۔ جنگ چھڑنے سے اسوقت تک ہندوستان سمندر پار کے شہروں کو گولہ بارود اور جنگی سامان بہت بڑی تعداد میں بھیج چکا ہے۔ ہندوستان سے ۷ کروڑ ۵۰ لاکھ گولیاں اور گولہ بارود ۲ لاکھ ہر قسم کے بم کے گولے ۶ ہزار رائفلیں ۸ ہزار ۵۰۰ خیمے اور ۴۵ لاکھ ریت کے تھیلے بھیجے گئے اسکے علاوہ ۱۰ ہزار دیگر سامان ۲ لاکھ کمبل ۲ ہزار وردیاں ۳۰ لاکھ گز خاکی زین۔ ایک لاکھ پچاس ہزار بوٹ کے جوڑے ۲۰ ہزار اوور کوٹ ۳۷ ہزار زمین پر بچھانے کی چادریں اور ۱۷ ہزار کاٹھیاں بھیجی گئیں۔ (تیج ۱۲ جم ۶)

—— ۱۲ر جولائی۔ دہلی میں سو سو روپیہ کے جعلی کرنسی نوٹ بنانیکے ایک کارخانہ کا سراغ لگا ہے جو ۲۳ سال سے نوٹ بناتا تھا اور بڑے بڑے شہروں میں چلاتا تھا۔ ان نوٹوں کی بدولت ملزموں نے جنھیں پولیس نے اس سلسلہ میں گرفتار کیا ہے ساٹھ ساٹھ ہزار کے ذاتی مکان تعمیر کروا لئے۔ خیال ہے کہ اس میں ایک عورت بھی ماخوذ ہے۔ ایک ملزم جو جاکر تا ہوا سادھو کے بھیس میں پکڑا گیا ہے۔ (تیج)۔

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب پرنٹر و پبلشر نے جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر رسالہ محدث دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع کیا۔

یادگار فدائے علم و دین جناب شیخ عطاء الرحمٰن صاحب مرحوم و مغفور

رسالہ

محدّث دہلی

ملکیّت

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم دارالحدیث رحمانیہ دہلی

فہرست مضامین

مقاصد

(۱) کتاب و سنت کی اشاعت۔
(۲) مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح۔
(۳) دار الحدیث رحمانیہ کے کوائف کی ترجمانی۔

ضوابط

(۱) یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔
(۲) یہ رسالہ ان لوگوں کو سال بھر مفت بھیجا جائیگا جو ۱؍ بذریعہ منی آڈر ٹکٹ کیلئے دفتر میں بھیجدیں گے۔ رسالہ وی پی نہیں بھیجا جائیگا۔
(۳) اس رسالہ میں دینی، علمی، اصلاحی، اخلاقی، تمدنی، تاریخی مضامین بشرط پسند شائع ہوں گے۔
(۴) ناپسندیدہ مضامین محصولڈاک آنے پر واپس کئے جائیں گے اور شائع شدہ مضامین واپس نہیں ہونگے۔
(۵) جوابی امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے ضروری ہیں (۶) فتویٰ پوچھنے والے سوال کیسا تھ جواب کیلئے ٹکٹ ضرور بھیجیں۔

پتہ

مینیجر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

محدث دہلی

نگران اصول
مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

نمبر ۵	ماہ ستمبر سنہ ۱۹۴۰ء مطابق رجب المرجب سنہ ۱۳۵۹ ہجری	جلد ۸

جمع وترتیب قرآن

گذشتہ سے پیوستہ

(۳)

اسی ذیل میں ایک آخری چیز کا ذکر بھی مفید ہو گا سب جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو قرآن کے علاوہ بھی حدیثوں کی شکل میں تعلیم دیا کرتے تھے ان حدیثوں کے متعلق علماء کا خیال ہے کہ ان کا ایک حصہ تو وہ ہے جسے قرآن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استنباط فرماتے تھے۔ کبھی اس کو ظاہر بھی فرما دیتے اور کبھی صرف حکم دیتے تھے۔ لیکن یہ دعویٰ کہ قرآن کے سوا آنحضرت جو کچھ فرماتے تھے سب قرآن ہی سے ماخوذ ہوتا تھا۔ صحیح نہیں ہے بعض باتیں آپ کو وحی کے ذریعہ بھی معلوم ہوتی تھیں اگرچہ وہ قرآن نہیں ہوتی تھیں لیکن ان کے علم کا ذریعہ بھی وہی وحی تھی جس ذریعہ سے قرآن اترا تھا۔ صحابہ کرامؓ کا اس قسم کے احکام کے متعلق ایک خاص محاورہ تھا یعنی اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ یہ بھی فیما نَزَلَ مِنَ الْقُرآن میں سے ہے یعنی جس ذریعہ سے قرآن نازل ہوا ہے اسی ذریعہ سے یہ حکم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا تھا۔ یہ ایک صاف کھلی ہوئی بات تھی لیکن چشم بداندیش کو یہاں بھی بری نظر آئی۔ لوگوں نے اڑا دیا کہ صحابہؓ کی غرض یہ تھی کہ یہ حکم بھی قرآن کا جز تھا۔ اب جب لوگوں کو قرآن میں ملا نہیں تو اول فول دیوانوں کی بکواس بکنے لگے۔ حالانکہ اس کا صاف کھلا ہوا مطلب وہی ہے جو میں نے عرض کیا۔ جن احکام کے متعلق یہ الفاظ آئے ہیں ان کی اندرونی بیرونی شہادتوں سے بھی کھلم کھلا یہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جو معلوم نہ کرنا چاہتا ہو اسے کون معلوم کرا سکتا ہے۔ دعا قنوت

کیمتعلق بعض کمزور روایتوں میں جو کچھ آیا ہے اس کا بھی یہی مطلب ہے۔

اسی طرح بائبل کے بعض احکام کے متعلق حضورؐ نے فرمایا کہ "یہ کتاب کا حکم ہے" مثلاً بنی قریظہ کے یہودیوں کے متعلق حضرت سعد بن معاذؓ نے جب فیصلہ کیا تو اس وقت فرمایا گیا کہ حکم اللہ کے مطابق تم نے فیصلہ کیا۔ مراد اس سے توراۃ تھی کہ اس میں عہد شکنی کی وہی سزا تھی جو حضرت سعد نے تجویز فرمائی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے ایک دن فرمایا کہ شادی شدہ زانی کی سزا سنگساری جسے اسلام نے بھی قائم رکھا ہے یہ "کتاب" کا مسئلہ ہے ظاہر ہے کہ جس طرح حضرت سعد والی حدیث میں حکم اللہ سے تورات مراد ہے یہی مراد یہاں بھی لینا چاہیئے[۱]۔ اور واقعی تورات میں زانی کی یہی سزا ہے بلکہ اس پر عہد نبوت میں عبداللہ بن صوریا عالم یہود سے مناظرہ بھی ہوا تھا۔ جس کا واقعہ حدیثوں اور تاریخوں میں موجود ہے لیکن لوگوں نے رجم کے قصہ میں کتاب اللہ سے قرآن مراد لے لیا۔ اور لگے ڈھونڈنے اس کو قرآن میں۔ نہیں ملی تو وہی دو از کار باتیں بنانے لگے۔ اسی طرح بعض دفعہ کسی صحابیؓ کو بجنسہ قرآن کی آیت یاد نہ رہی اور ضرورت اس کے ذکر کی ہوئی جیسے آج بھی کسی کو آیت یاد نہیں ہوتی تو اس کا ترجمہ اور حاصل مطلب بیان کرکے کہتا ہے کہ قرآن میں یوں ہی آیا ہے۔ اسی طرح صحابی نے حاصل مطلب کو قرآن کی طرف منسوب فرما دیا جیسے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حرص دنیا کے متعلق ارشاد فرمایا کہ آدمی بہت لالچی ہے کسی چیز سے اس کا پیٹ نہیں بھرتا قرآن میں خلق الانسان ھلوعا میں اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ لیکن لوگوں نے بجنسہ حضرت ابو موسیٰ کے حاصل مطلب والے الفاظ کو قرآن میں تلاش کرنا شروع کیا حالانکہ اس سے بڑھکر کوئی حماقت اور کیا ہو سکتی ہے اپنے نسب کو غلط طریقے سے بیان کرنے کی قرآن میں ممانعت حضرت عمرؓ نے حاصل معنی کو بیان کیا لوگوں نے سمجھا کہ یہی بجنسہ قرآن کے الفاظ ہیں حضرت اُبیؓ نے مخلصین لہ الدین الدین کا جو لفظ ہے اس کی شرح میں فرمایا کہ مجوسیت، یہودیت، عیسائیت وغیرہ مراد نہیں ہے بلکہ غیر حنیفہ مراد۔ لوگوں نے اس تفسیر کو سمجھا کہ وہ بھی قرآن میں ہے۔ یا للعجب گویا پوری بیضاوی کبیر سب قرآن ہے۔ کچھ اسی قسم کا مغالطہ سورۃ الناس والفلق کے متعلق بھی واقع ہوا ہے۔ اگرچہ روایت صد درجہ ضعیف ہے لیکن چونکہ ذکر کیا جاتا ہے اس۔ اسکا بھی جو واقعہ ہے درج کیا جاتا ہے۔ قصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ جس طرح حق تعالیٰ کی طرف سے نازل ہیں۔ اسی طرح سورۃ فاتحہ کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے کہ خدا ہی کے ہیں لیکن خود قرآن میں "السبع المثانی" کے نام سے ذ

---

[۱] ورنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مسئلہ رجم کے متعلق یہ کہنے کی کیا ضرورت ہوئی رجمتہا لسنۃ رسول اللہ (میں نے اسے سنگسار رسول اللہ کی سنت کے ذریعے کیا ہے (بخاری) بلکہ اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ جلدتہ بکتاب اللہ (کوڑے قرآن کے مطابق مارے گئے) معلوم ہوا کہ رجم کے حکم کا تعلق قرآن سے نہیں ہے۔ ایسی صورت میں حضرت عمرؓ کے لفظ والرجم کتاب اللہ، میں کتاب اللہ سے یقیناً تورات ہی مراد ہے آخر قرآن جس کتاب کو کتاب کہتا ہو اور اس کے ماننے والوں ہی اہل کتاب ہو حضرت عمرؓ نے اگر اس کو کتاب کہا تو اس میں کیا مضائقہ ہے ۱۲

. . . القرآن العظیم" سے الگ کر دیا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ تو بندے کی طرف سے درخواست ہے جو حق تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے خود ہی مرتب فرما کر ہمارے حوالہ کیا ہے جیسے عموماً درخواست کا مسودہ سرکاری محکموں میں دیدیا جاتا ہے اور قرآن اس درخواست کا جواب ہے۔ نوعیت چونکہ بدلی ہوئی ہے اسلئے باوجود لفظاً و معنیً وحی ہونے کے اس کو خود قرآن ہی میں قرآن سے جدا کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ سورہ الناس والفلق کے نزول کی غرض وہ نہیں ہے جو دوسری سورتوں کی ہے بلکہ ان دونوں کی حیثیت الگ ہے وہ خیال کرتے تھے کہ یہ دونوں سورتیں جھاڑ پھونک تعوذ کیلئے نازل ہوئی ہیں کہتے تھے انما امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یتعوذ بھما۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ ان سے تعوذ دہائی کا کام لیا جائے) اور دونوں سورتوں کے مضامین سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ان دونوں سورتوں کے الفاظ و معنی خدا کی طرف سے نہیں ہیں بلکہ جو حال سورہ فاتحہ کا ہے ایک دوسری حیثیت سے یہی حال ان دونوں سورتوں کا ہے۔

مضمون اگرچہ مختصر ہے لیکن شاید قرآن کے جمع و ترتیب کے متعلق جتنی غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں ان کا ازالہ بحمد اللہ اصل واقعات کی روشنی میں کر دیا گیا ہے میں جناب سے آخر میں یہ عرض کرونگا کہ اس قسم کے خام مضامین جیسے پروفیسر اجمل کا ہے ان کو شائع کر کے اپنے اخبار کو ضعفاء الایمان مسلمین کیلئے وجہ فتنہ نہ بنائیے ماسوائے اس کے اس قسم کی بادر ہوا باتوں کو دشمن لے اُڑتے ہیں اور آج شکی دنیا میں بنی آدم کے پاس لے دے کر جو ایک

"لاریبی سرمایہ"

قرآن کا رہ گیا ہے اس میں بھی شک اندازی کی کوشش کرتے ہیں۔ اوروں کی ناک کٹ چکی ہے جن جن کو جو کچھ ملا تھا سب کھو بیٹھے اب وہ چاہتے ہیں کہ جو چیز ہمارے پاس نہیں رہی ہے وہ مسلمانوں کے پاس کیوں رہے لیکن بحمد اللہ ہمارا معاملہ صاف ہے خاکسار نے جو کچھ عرض کیا ہے پس بات کل اتنی ہے اور استشراقی پھونکوں سے اس آسمانی روشنی کو بجھانا ناممکن ہے واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون جو انجام پادریانہ کوششوں کا ہو چکا ہے۔

استشراق کے بھیس میں دعاء تحقیق کیا تھا جو لوگ میدان میں اب اترے ہیں اور سندوں کی رشوت دیکر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج سے لوگوں کو توڑ کر ہم ہی پر حملہ کرانا چاہتے ہیں انشاء اللہ یہ وار بھی خالی جائیگا بل الذین کفروا فی تکذیب و اللہ من ورائھم محیط بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ۔

نوٹ:۔ میری مستقل تصنیف "الکتاب" کا تفصیل کے لئے انتظار کیا جائے کاش! کوئی صاحب ہندوستانی مذاہب (ویدک۔ جین۔ بدھ مت) کی اساسی کتابوں کے متعلق میری کچھ امداد کرتے اور اس زمانہ میں جرمنی۔ فرانس۔ انگلستان امریکہ کے محققین نے جو کچھ تاریخی تنقید ان کتابوں پر کی ہے پھر ان مذاہب کے علماء نے جو کچھ اس کے بعد لکھا ہے جمع کر کے مجھے بھیجدیتے تو قرآنی مواد اور بائبل کے تاریخی معلومات کے ساتھ ملا کر میں اس کتاب کو شائع کرا دیتا۔

باقی اگلے صفحہ ۶ پر ملاحظہ ہو

سالانہ تفریح

یوں تو دار الحدیث رحمانیہ دہلی کے طلبہ کو مدرسہ کی طرف سے ہر سال برسات کے موسم میں ایک سالانہ تفریح کرائی جاتی ہے لیکن اس سال یہ تفریح جن نشاط انگیزیوں کے ساتھ ہوئی ہے، شاید یہ منظر اس سے پہلے کبھی بھی حاصل نہیں ہوا۔ کئی دن کی بارش سے فضا کیف انگیز خنکیوں سے یوں ہی معمور ہو رہی تھی کہ جس دن روانگی تھی اس دن بھی صبح ہی سے جھڑی لگ گئی۔ ۲۴ رجمادی الاخری ۵۹ھ مطابق ۳۱ جولائی ۴۰ء کو تقریباً ۱/۲ ۲ بجے دن میں تین لاریاں ہمیں لیجانے کیلئے مدرسہ کے سامنے آکر کھڑی ہو گئیں۔ ابھی لاریاں روانہ بھی نہ ہوئی تھیں کہ مشرق سے ایک گھٹا اٹھی اور بوندا باندی ہونے لگی، اسی فرحت بخش سماں میں لاریاں روانہ ہوئیں، اور لہلہاتے ہوئے سبزہ زاروں کو طے کرتی ہوئی تقریباً ۵ بجے شام کو قطب لاٹ پہنچ گئیں۔ ہمارے پہنچنے سے چند ہی منٹ پہلے وہاں خوب بارش ہو چکی تھی، اسلئے سڑکوں پر ابھی تک پانی کا ریلہ باقی تھا۔ وہاں جناب مہتمم صاحب کی عالیشان کوٹھی "حبیب منزل" میں قیام ہوا۔ جو نہایت وسیع اور ہوادار یا لکل لب سڑک بنی ہوئی ہے۔ شام کا منظر نہایت خوشگوار اور بہجت انگیز تھا اسلئے تمام طلبہ اِدھر اُدھر پہاڑیوں پر پھیل گئے۔ اور مغرب تک قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ مغرب کے بعد کھانے سے فارغ ہوئے تو عشا تک خوش گپیوں میں رہے۔ عشا کے بعد ایک بزم مشاعرہ منعقد ہوئی اور دیر تک جاری رہی۔ دوسرے روز فجر کی نماز کے بعد پھر تمام لوگ تفریح کیلئے نکل گئے اور باغات وغیرہ کی سیر کرتے رہے جھرنے میں پانی خوب گر رہا تھا اسلئے کچھ لوگوں نے اس میں غسل بھی کیا۔ اور کھانے کے وقت تک اپنی منزل پر واپس آگئے۔ دونوں وقتوں میں پر تکلف کھانے کا انتظام تھا جو دہلی کے خاص باورچیوں کے ذریعہ تیار کرایا گیا تھا ــــ ۲۵ رجمادی الاخری ۵۹ھ مطابق یکم اگست ۴۰ء کو شام کے ۵ بجے واپس ہوئے اور راستہ میں بعض تاریخی مقامات "پرانا قلعہ" وغیرہ دیکھتے ہوئے مغرب تک مدرسہ پہنچ گئے۔

اللہ تعالیٰ جناب مہتمم صاحب کو غریب طالبعلموں کے ساتھ ان نوازشات کا بہترین صلہ عطا فرمائے، اور ان پر ہمیشہ اپنی رحمتوں کا سایہ رکھے۔ اللھم آمین

(بقیہ صفحہ ۵) مجھے نہ اتنی فرصت ملتی ہے اور نہ براہِ راست ان زبانوں سے اتنی واقفیت رکھتا ہوں جن میں اس مسئلہ کا مواد ملتا ہو۔ دراصل "ذلک الکتاب لاریب فیہ" کی کامل تفسیر بغیر اس کے مکمل نہیں ہو سکتی خدا کرے اللہ کے بندوں میں کسی کو اس کی توفیق میسر آجائے ورنہ جس طرح ممکن ہوگا مرتب کر اللہ چاہیگا تو یہی فقیر اس کی تکمیل کی کوشش کرے گا۔ وللہ ولی الامر والتوفیق +

تعلیماتِ اسلام اور غیر مسلم

(از مولوی محمد مسلم صاحب مالدہی متعلم مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی)

ناظرین کرام!! اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو لوگوں کو خونریزی اور سفاکی کی تعلیم نہیں دیتا۔ اور خود غرضی اور نفس پرستی کے سبق سے ناآشنا ہے۔ اس کی غرض تو یہ ہے کہ دنیا سے ظلم واستبداد وحشت وبربریت کی بنیاد کو پامال ونیست ونابود کرے۔ کمزور اور مظلوم اقوام کے سلاسل غلامی کو توڑ کر ان کو پنجۂ استبداد سے رہائی دلائے اور انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہو جائیں۔ اور دنیا میں ایک امن عامہ پیدا ہو جائے۔ لفظ اسلام خود بتا رہا ہے کہ یہ مذہب ضرور سلامتی اور سلامت روی ومسالمت کی تعلیم دیتا ہے مذہب اسلام کی خوبیاں اور اس کی تعلیمات سے واقف ہونے کیلئے قرآن مجید اور آنحضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے واقف ہونیکی ضرورت ہے جن لوگوں نے ان کا مطالعہ کیا ہے ان کو معلوم ہے کہ واقعی مذہب اسلام امن وصلح وشانتی سے معمور ہے۔ یہاں صرف اشارے کے طور پر اس کی چند خوبیاں بیان کر دیتا ہوں۔

تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں تمام دنیا میں انتہائی جہالت وظلمت چھاگئی تھی۔ ایران۔ روم۔ مصر۔ عرب۔ ہندوستان۔ چین۔ غرضکہ ہر ملک اور قوم انسانیت تہذیب اور روحانیت سے بالکل معرا ہو کر رذالت وپستی کے انتہائی مقام پر پہنچ چکی تھی۔ ایران میں مجوسی اخلاق بداخلاقی کا جامہ پہن چکا تھا وہاں نفس پرستی اور بدچلنی نے شاہی درباروں اور شرفا کے گھروں میں بھی اپنا عمل دخل بٹھالیا تھا۔ نوع انسانی کی شرافت چند طاقتور لوگوں کا حصہ بنکر باقی تمام لوگوں کو چوپایوں کی صف میں کھڑا کر رہا تھا۔ وہ انسان جس کو اشرف المخلوقات کا مرتبہ حاصل ہے کس قدر پستی اور رذالت میں پہنچ چکا تھا۔ پتھروں۔ دریاؤں۔ پہاڑ دل چوپاؤں۔ اور سانپوں کو اپنا معبود اور مسجود بنا لیا تھا۔ وہاں طاقتور اور صاحب اقتدار ہستیوں یعنی بادشاہوں سپہ سالاروں اور امیروں کو خدائی کے دعوے تھے۔ یہ لوگ اپنے ہم جنس انسانوں کو اسقدر ذلیل سمجھتے تھے اور اتنے مظالم ان پر روا رکھتے تھے کہ آج اگر ان کا عشر عشیر ظلم بھی کوئی شخص کسی بیل یا گھوڑے پر روا رکھے تو اس پر فوراً مقدمہ قائم ہو جائے اور قید وجرمانہ کی سزا عائد ہو جائے۔ وہاں عورتوں کو ترغیب دی جاتی تھی کہ وہ خودکشی کرلیں یہی حال مصر وچین کا تھا ساری کی ساری دنیا بدچلنی۔ ظلم۔ بےحیائی۔ سفاکی اور جہالت میں مبتلا تھی خدا کا نام لینے والا کوئی نہ تھا۔ اسی طرح ملک عرب ان تمام رذالتوں اور جہالتوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ایک انسان دوسرے انسان کا جانی دشمن تھا۔ معمولی سی بات پر تلوار چل جاتی تھی۔ خدائے وحدہٗ لاشریک کی پرستش ولوجا چھوڑ کر تین سو ساٹھ

بتوں کی پوجا ہورہی تھی۔ لوگوں کی رگ رگ میں اصنام پرستی سرایت کرچکی تھی۔ حق وصداقت کی جگہ کذب وباطل کا بول بالا تھا۔ سورج اور چاند وغیرہ کو اپنا حاجت روا سمجھا جاتا تھا۔ عین ایسے زمانے اور ایسے ملک میں مذہب اسلام نے دنیا کی اس رذالت وپستی اور پلیدی کو دور کرنے کیلئے توحید کا علم بلند کیا۔ اور اہل عرب کو ضلالت و شقاوت کی ظلمتوں سے نکالکر عروج وترقی کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا۔ اور ساری دنیا میں ایک نیا انقلاب پیدا کرکے امن عامہ قائم کیا ابھی ابھی پہلی صدی ہجری ختم نہ ہونے پائی تھی کہ چین کے ساحل سے مراکش واسپین کے ساحل تک تمام متمدن دنیا مسلمانوں کے زیر سایہ ہر قسم کے اخلاق فاضلہ میں ترقی کررہی تھی۔

مذہب اسلام نے عرب کی اس اصنام پرستی وبت پرستی کو دیکھکر برملا یہ اعلان کردیا۔ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا ۝ یعنی آپ اہل کتاب سے کہئے کہ آؤ ہم اور تم اس بات پر اتفاق کرلیں کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہیں کرینگے اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائینگے عرب کے کچھ لوگوں میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنی لڑکیوں کو غربت اور ذلت کے خوف سے زندہ زمین میں گاڑ دیا کرتے تھے۔ جب مذہب اسلام آیا تو اس نے اس رسم بد کی پرزور مخالفت کی اور سختی کے ساتھ اسکو روک دیا اور علی الاعلان یہ کہدیا۔ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ (بنی اسرائیل ع ۴) یعنی محتاجی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو کیونکہ روزی ہمارے ہاتھ میں ہے اور ہم ہی سب کو روزی دیتے ہیں۔ سچ ہے ؎

چناں پہن خوان کرم گسترد ⁂ کہ سیمرغ در قاف قسمت خورد

چنانچہ اس کی بنیاد ہی کو اسلام نے اکھیڑ دیا۔ الغرض اس قسم کی خوبیاں مذہب اسلام میں لاتعداد ہیں اگر وہ تحریر کیجائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوجائیگی۔ زیادہ تفصیل کی طرف نہیں جانا چاہتا ہوں یہاں صرف ناظرین کرام کے سامنے چند غیر مسلم حضرات کے اقوال نقل کردیتا ہوں جو مذہب اسلام کی خوبیوں اور اس کی سچی تعلیمات کو دیکھکر ذیل کے الفاظ کہنے پر مجبور ہوئے ہیں:

اسلام غیر مسلموں کی نظروں میں

چیمبرز انسائیکلو پیڈیا میں ایک آرٹیکل لکھنے والا مذہب اسلام اور اسکی تعلیمات کی نسبت لکھتا ہے:۔ مذہب اسلام کے نہایت کامل اور روشن حصے یعنی قرآن مجید کی اخلاقی تعلیم میں ناانصافی۔ کذب۔ غرور۔ انتقام۔ غیبت۔ استہزاء۔ طمع۔ اسراف۔ عیاشی۔ بدگمانی نہایت قابل ملامت قرار دیگئی ہے۔ نیک نیتی۔ فیاضی۔ حیا۔ تحمل۔ صبر۔ بردباری کفایت شعاری۔ سچائی۔ راست بازی۔ ادب۔ صلح۔ سچی محبت۔ اور سب سے پہلے خدا پر ایمان لانا اور اس کی مرضی پر توکل کرنا سچی ایمانداری کا رکن اور سچے مسلمان کی نشانی خیال کی گئی ہے۔ یورپ کے علوم وفنون کی ترقی کا اصل

سبب بھی اسلام ہی ہوا ہے۔"

سر ولیم میور (لائف آف محمد کا مصنف) جو اسلام کی مخالفت میں شہرت حاصل کر چکا ہے ایک جگہ مندرجہ ذیل الفاظ لکھنے پر مجبور ہو گیا ہے "اسلام نے ہمیشہ کے واسطے توہمات باطلہ کو جن کی تاریکی مدتوں سے چھا رہی تھی کالعدم کر دیا۔ بت پرستی موقوف ہو گئی۔ اور خدا کی وحدانیت اور غیر محدود کمالات اور ایک جگہ محیط قدرت کا مسئلہ حضرت محمد (صلعم) کے معتقدوں کے دلوں میں اور جانوں میں ایسا ہی زندہ اصول ہو گیا ہے جیسا کہ حضرت محمد (صلعم) کے دل میں تھا۔ مذہب اسلام میں سب سے پہلی بات جو خاص اسلام کا مفہوم ہے یہ ہے کہ خدا کی مرضی پر کامل بھروسہ اور توکل کرنا چاہیئے۔ بلحاظ معاشرت کے بھی اسلام میں کچھ کم خوبیاں نہیں ہیں۔ چنانچہ مذہب اسلام کی یہ ہدایت ہے کہ سب مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ محبت رکھیں۔ یتیموں کے ساتھ نیک سلوک کرنا چاہیئے غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آنا چاہیئے نشہ کی چیزوں کی ممانعت ہے۔ مذہب اسلام اس بات پر فخر کر سکتا ہے کہ اس میں پرہیزگاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا۔"

میشو رہبان اپنی کتاب سفر مشرق میں لکھتا ہے "عیسائیوں کیلئے نہایت افسوس کی بات ہے کہ مذہبی رواداری جو مختلف اقوام میں ایک بڑا قانون مروت ہے عیسائیوں کو مذہب اسلام ہی نے سکھایا یہ بھی ایک ثواب کا کام ہے کہ انسان دوسرے کے مذہب کی عزت کرے اور کسی کو مذہب کے قبول کرنے پر مجبور نہ کرے۔"

مصر کے مشہور اخبار ایجپٹ میں ایک مسیحی نے لکھا تھا کہ "ہم عیسائیت اور اسلام کا مقابلہ کرتے ہیں تو ایک نمایاں فرق یہ نظر آتا ہے کہ عیسائی مذہب کے راستے میں جب علوم وفنون آگئے تو اسنے نہایت بیدردی سے ان کو پامال کیا۔ لیکن مذہب اسلام نے خود علوم وفنون کی بنیادیں قائم کیں۔ اور عیسائیت اور مجوسیت نے جن شائقین علوم کو شوق علم کے جرم میں جلاوطن کیا مذہب اسلام نے ان کو اپنے دامن میں پناہ دی۔ جس طرح عیسائیت علم اور تمدن کے میدان میں اسلام کے دوش بدوش نہیں چل سکتی اسی طرح اخلاقی حیثیت سے بھی اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔"

مسٹر طامس کارلائل نے اپنی کتاب "لیکچرز آن ہیروز" میں لکھا ہے کہ "مذہب اسلام کا آنا عرب کی قوم کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔ عرب پہلے پہل اسی کے ذریعہ زندہ ہوا۔ اہل عرب گلہ بانوں کی غریب قوم تھی۔ اور جب سے دنیا بنی تھی عرب کے چٹیل میدانوں میں پھرا کرتی تھی۔ اور کسی شخص کو ان کا کوئی خیال بھی نہیں تھا۔ اس قوم میں ایک اولوالعزم پیغمبر ایسے کلام اور ایسے مذہب کے ساتھ جس پر وہ یقین کرتے تھے بھیجا گیا۔ اب دیکھو کہ جس چیز سے کوئی واقف ہی نہ تھا وہ تمام دنیا میں مشہور و معروف ہو گئی اور چھوٹی چیز بڑی بن گئی۔"

غیر مسلموں کے ان اقوال کو پڑھکر اس زمانے کے مسلمان ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈالکر سوچیں کہ کیا وہ بھی ان تعریفوں کے مستحق ہیں؟ افسوس ہے کہ جس اسلام کی قدر غیروں کی نگاہ میں یہ ہو اس کو خود اس کے ماننے والے قدر کی نگاہ سے نہ دیکھیں اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے سے غفلت برتیں۔

سرورِ عالمؐ کی اخلاقی زندگی کا ایک مختصر خاکہ!

(از مولوی ابوالحسن صاحب احسن مالدہی متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی)

حضرات! ہمارے حضور سرور کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم بنکر اس جہان میں تشریف لائے اور تمام صفات حسنہ جو انسانی زندگی کیلئے ضروری اور لابدی ہیں آپ کی ذات اقدس میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ جو کہ ہماری دینی ودنیاوی ترقی کیلئے بہترین عملی نمونہ ہیں۔ . . . اب آیئے آنحضورؐ کے مختصر حالات کا لحاظ کرتے ہوئے ایک ہلکی سی نظر ڈالیں تاکہ آپ بخوبی اندازہ کرسکیں کہ کیا ہمارے لئے آنحضورؐ کی زندگی کا ہر ہر پہلو ہمیں مستقل درس حیات دینے اور ہمارے لئے بہترین اسوۂ عمل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

حضرات! اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے دنیا کی بہترین سرزمین (مکہ معظمہ) کا انتخاب کیا اور ملک عرب کے ایک اعلیٰ و افضل خاندان یعنی قبیلہ قریش میں حضرت آمنہ کے بطن مبارک سے پیدا کیا۔ آپ کی ولادت سے قبل آپ کے والد ماجد وفات پاگئے تھے اور ولادت کے چند ہی مہینے کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ بھی دنیا سے کوچ کرگئیں۔ آپ کی پرورش جد امجد عبدالمطلب نے عرصہ دو سال تک کی پھر ان کے بعد آپ کے چچا ابوطالب نے کی۔ مثل مشہور ہے "ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات" یہ مثل آپ پر اکمل صادق آتی تھی۔ لڑکپن ہی سے آپ کو بتوں اور دیگر دیوتاؤں سے سخت نفرت تھی آپ کے اخلاق حسنہ کا سارے ملک عرب میں چرچا تھا آپ کی ایمانداری ضرب المثل تھی۔ تمام لوگوں نے آپ کو امین کا خطاب دیا تھا اور لوگ آپ کی ایمانداری سے متاثر ہوکر اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھواتے تھے۔ آپ کی صداقت اور امانت آپ کے حسن اخلاق اور کریمانہ افعال کو دیکھکر مکہ کی ایک شریف و متمول عورت حضرت خدیجہؓ نے اپنی تجارت کا تمام کام آپ کے سپرد کردیا۔ جب تجارتی قافلہ روانہ ہوا تو حضرت خدیجہؓ نے اپنے غلام میسرہ نامی کو گھر سے روانہ کیا واپسی پر میسرہ نے آپ کی ایمانداری و شرافت و خوش خلقی کی بے حد تعریف کی و نیز اللہ کے فضل و کرم سے آنحضورؐ کے اخلاص و دیانت کی برکت سے اس مرتبہ حضرت خدیجہؓ کو مال تجارت میں غیر معمولی منافع حاصل ہوئے۔ آپ کی ایمانداری کا شہرہ تو پہلے ہی سے سن چکی تھیں اب یہ چیز خود ان کے تجربہ میں آچکی تھی اسلئے حضرت خدیجہؓ نے آنحضرتؐ سے شادی کی درخواست کی۔ جو آپؐ نے بطیب خاطر منظور فرمائی۔ حضرت خدیجہؓ بیوہ تھیں آپ نے بیوہ سے شادی کرکے لوگوں کو اس بات کی بھی ترغیب دی کہ اگر موقع آجائے تو بیوہ عورت سے نکاح کرنے میں تامل نہ کرنا چاہیئے۔

آپ کا حسن سلوک | انسان کا طرز عمل ہی اس کی ترقی و تنزل پر اثر انداز ہوا کرتا ہے حسن سلوک ہمیشہ اعلیٰ مراتب کا

باعث ہے اور بد سلوکی ذلت و نفرت کا سبب بنتی ہے۔ آپ کے حسن و سلوک کا یہ عالم تھا کہ دشمن بھی آپ کے مدح خواں تھے اکثر اوقات لوگ آپ کی باتوں کا مذاق مسخرہ اڑاتے۔ علی الاعلان آپ کو برا بھلا کہا کرتے تھے۔ بہت مرتبہ آپ کے جان نثار صحابہ کرام نے ان بددینوں کے حق میں بددعا کرنے کیلئے عرض بھی کیا مگر آپ نے ان کے لئے ہمیشہ یہی دعا کی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ انھیں ہدایت دے اور توفیق عطا فرمائے کہ یہ لوگ مجھے پہچاننے لگیں۔

ایک دن ایک شخص نے ابوجہل کے اشارے پر بحالت نماز آپ کے جسم اطہر پر اوجھڑی پھینک دی جس سے سخت تکلیف ہوئی لیکن آپ پورے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا فرماتے رہے۔ ادائیگی نماز کے بعد آپ بغیر کچھ کہے سنے مکان تشریف لے آئے اور اپنی زبان مبارک سے ایک لفظ تک نہ نکالا۔ آپ کی ہجرت کے بعد مکہ معظمہ میں بہت زوروں پر قحط پڑا۔ ابوسفیان اسوقت اسلام نہ لائے تھے مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے لیکن مدینہ جاکر آپ سے بارش کیلئے دعا کی التجا کی۔ آپ نے فوراً دعا کیلئے ہاتھ اٹھایا اور اللہ تعالیٰ نے بارش برسا کر سب کو نہال کردیا۔

غلاموں سے سلوک آپ کے مولیٰ زید بن حارثہ تھے آپ نے انھیں آزاد کرکے گھر جانے کی اجازت دیدی تھی مگر آپ کا سلوک ان کے دل پر اس قدر گہرا اثر کرچکا تھا کہ انھوں نے آپ سے ایک لمحہ کیلئے بھی دور ہونا پسند نہ کیا حضورؐ کا ہمیشہ سے یہی دستور رہا کہ غلاموں اور ملازموں کو وہی کھلاتے وہی پہناتے جو آپ خود استعمال کرتے اور یہی تعلیم و ترغیب ہمیشہ صحابہ کرامؓ کو بھی دیتے تھے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کی خدمت مبارک میں تقریباً دس سال تک بطور ادنیٰ خادم کے زندگی گذاری مگر واللہ اس طویل عرصہ میں آپ نے کبھی بھی نہ مجھے ڈانٹا اور نہ برا بھلا کہا۔ جنگِ بدر میں جو لوگ گرفتار ہوگئے تھے ان کے بارے میں جب رائے لی گئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان سب کو قتل کردیا جائے مگر آپ کی رحمدلی اور حسن سلوک نے کبھی بھی یہ گوارا نہ کیا۔ چنانچہ بہت سے قیدیوں کو زر فدیہ لیکر چھوڑ دیا۔ اور جو لوگ فدیہ نہ ادا کرسکے انھیں اپنے مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت کیلئے کچھ دنوں تک مقرر فرمادیا۔ اللہ اللہ یہ تھی آپ کی رحمدلی اور مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت کا خیال۔ کاش آج بھی ہمارے مسلمان بلکہ بالخصوص رؤسا قوم اگر قوم کی ترقی و مفاد کو اپنے مفاد پر مقدم سمجھیں تو انشاءاللہ ہماری خستہ حالی کا بہت کچھ علاج ہوسکتا ہے اور پھر ہم وہی ہوسکتے ہیں جو کہ ہمارے سلف تھے۔

ایفائے عہد آنحضورؐ نے جب کبھی مخالفین کے ساتھ عہد و پیمان کیا تو اس پر سختی کے ساتھ پابند و قائم رہے قریش اور یہود کے ساتھ جتنے معاہدے ہوئے ہمیشہ ان کی پابندی فرمائی۔ بلکہ عہد شکنی کا ارتکاب ہمیشہ فریق آخر کی طرف سے ہوتا رہا۔ ہاں اپنی مدافعت کیلئے بیشک آپ کھڑے ہوئے کہ یہ ضروری تھا۔

خوفناک سازش اور آپ کا برتاؤ عمیر بن واہب اور صفوان بن امیہ نے جنگل میں بیٹھکر آپ کے قتل کا مشورہ کیا اور صفوان نے عمیر کے جمیع کنبہ کی پرورش کا ذمہ لیا۔ عمیر بن واہب جب اس ارادہ سے مدینہ میں داخل ہوا

تو اس کے اونٹ کی آواز سنکر حضرت عمرؓ اس مقام پر آئے جہاں عمیر نے اونٹ بٹھایا تھا اور عمیر کی تلوار چھین کر اس کی گردن پکڑکر آنحضرتؐ کی خدمت میں لائے آپ نے دریافت فرمایا کہ اے عمیر تم کس ارادے سے یہاں آئے ہو۔ عمیر نے جواب دیا کہ اپنے بیٹے سے جو جنگ میں گرفتار ہوگیا تھا ملنے کیلئے آیا ہوں۔ آنحضورؐ کو اُن کی سازشوں کا علم بذریعہ وحی ہوچکا تھا چنانچہ آپ نے اس تمام گفتگو کو جو عمیر اور صفوان کے درمیان ہوئی تھی بیان فرمادی۔ عمیر بے حد شرمندہ ہوا۔ اور فوراً آپ کی نبوت کا اقرار کرکے مسلمان ہوگیا۔ حضرات! یہ آپ کے خلق عظیم اور حسن سلوک کا ادنیٰ کرشمہ تھا کہ ایک خون کا پیاسا چشم زدن میں حلقہ بگوش اسلام ہوکر آپ کے ادنیٰ خادموں میں شامل ہوجانا باعث فخر سمجھتا ہے۔

حضرات! آنحضورؐ نے کبھی کسی سائل کا سوال رد نہیں کیا اگر اسوقت کوئی چیز حضورؐ کے پاس نہ ہوتی تو دوسروں سے دلوادیا کرتے تھے۔ آپ نے تمام عمر کبھی بھی پیٹ بھر کر کھانا تناول نہیں فرمایا۔ اتفاق سے گھر اگر کوئی خاص چیز پکائی جاتی تو آپ اپنے صحابہ کرامؓ اور دیگر پڑوسیوں میں تقسیم فرمایا کرتے۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال واخلاق کا نہایت مختصر خاکہ یہ ہے کہ:۔

(۱) خدا کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا۔

(۲) خدا کو ایک جاننا۔

(۳) غیروں کے ساتھ بہترین اخلاق و عمدہ سلوک سے پیش آنا۔

(۴) فی سبیل اللہ خیرات و زکوٰۃ کرنا۔

(۵) کسی کے ساتھ ظلم و تعدی سے پیش نہ آنا۔

(۶) مظلوموں کی امداد اور ظالموں کو سزا دینا۔

(۷) ہمیشہ سچ بولنا۔

(۸) دشمنوں سے نیک سلوک کرنا۔

(۹) حتی الامکان جنگ وجدال سے گریز کرنا۔

(۱۰) جارحانہ حملہ نہ کرنا۔

(۱۱) عفو و کرم۔

(۱۲) اللہ کے راستے میں اور قوم کی فلاح وبہبود کیلئے بڑی سے بڑی قربانی کرگذرنا۔

(۱۳) وعدہ وفا کرنا وغیرہ وغیرہ

حضرات! مندرجہ بالا صفات وتعلیمات کو دیکھ کر کون انصاف پسند ہے جو اس بات کے اقرار پر مجبور نہ ہوجائے

کہ یہ تعلیمات انسانی زندگی کیلئے نہایت ضروری ولابدی ہیں میں نے آپؐ کے اخلاق حسنہ کو آپ کے سامنے اپنے حقیر الفاظ میں نہایت ہی اختصار سے پیش کردیئے ہیں مجھ میں اتنی طاقت اور الفاظ میں اتنی سکت کہاں کہ آپؐ کے تمام اوصاف کا احاطہ کرسکیں کسی شاعر نے خوب کہا ہے ؎

دامان نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار ✤ گل چین تو از تنگی داماں گلہ دارد

تاہم اگر ہم ان چند اخلاق حمیدہ ہی کو اپنا لائحہ عمل بنالیں تو انشاء اللہ ہماری دنیاوی و اُخروی زندگی نہایت احسن طریقہ پر گذر سکتی ہے اور ہمیں ہر قسم کی ترقی عزت وسطوت حاصل ہوسکتی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سرخرو ہوسکتے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اور عام مسلمان مرد اور عورتوں کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ ہم آپ کے طرز عمل اور آپ کی جمیع تعلیمات کو پیش نظر رکھیں اور اپنی زندگی کا ہر لحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں گذاریں آمین ثم آمین

جشن بخاری شریف

دار الحدیث رحمانیہ دہلی کے طلبہ جب قرآن مجید کا ترجمہ یا کوئی حدیث کی کتاب ختم کرتے ہیں تو اس کی خوشی میں جشن کرتے ہیں۔ اس سال بھی یہ سلسلہ رہا۔ یہاں تک کہ ۲۴ جمادی الاخری ۱۳۵۹ھ مطابق ۳۱ جولائی ۱۹۴۰ء بروز بدھ کو مدرسہ کی طرف سے بخاری شریف کے ختم کا جشن ہوا جسمیں حضرت مہتمم صاحب نے بھی شرکت فرمائی۔ تمام مدرسین وطلبہ حضرت شیخ الحدیث کی درسگاہ میں جمع ہوگئے۔ آپ نے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اصح ترین مجموعہ کے آخری باب کے متعلق محدثانہ انداز میں ایک مبسوط تقریر فرمائی۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر کتاب ختم ہوئی کہ دو کلمے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت محبوب ہیں، یہ دونوں کلمے زبان پر ادا کرنے میں تو بہت ہلکے پھلکے ہیں، مگر قیامت کے دن جب انسانوں کے اعمال اور اقوال تولے جائیں گے تو یہ دونوں کلمے بہت بھاری ثابت ہوں گے، یعنی سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ کتاب ختم ہوجانے کے بعد مسلمانوں کی فلاح وبہبود اور مدرسہ کے مرحوم اور موجود مہتمین کیلئے دعا کی گئی۔ اس کے بعد مدرسہ کی طرف سے تمام حاضرین کی قلاقند (دہلی کی مشہور مٹھائی) سے تواضع کی گئی، جو خاص طور پر اسی موقع کے لئے کافی مقدار میں تیار کرائی گئی تھی۔

اَللّٰھُمَّ عَلِّمْنَا مَا یَنْفَعُنَا وَانْفَعْنَا بِمَا عَلَّمْتَنَا ✤

ایک افسوسناک حادثہ

ہمدردان مدرسہ رحمانیہ کے حلقہ میں یہ خبر بڑے رنج والم کے ساتھ سنی جائیگی کہ مدرسہ کے ایک ہونہار اور لائق فرزند مولوی عبدالغنی امرتسری نے ۲۳ جمادی الاخری ۱۳۵۹ھ مطابق ۳۰ جولائی ۱۹۴۰ء کو رات کے دس بجے اپنے وطن ترنتارن ضلع امرتسر میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنی جان اس کے مالک کے حوالہ کردی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم تیسری جماعت سے اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کررہے تھے اور اب ان کا یہ آخری سال تھا ایک مہینہ کے بعد ان کی دستاربندی ہونیوالی تھی، لیکن واحسرتا کہ یہ آرزو پوری نہ ہوئی۔ آپ اردو عربی دونوں زبانوں میں نہایت روانی اور جوش سے تقریر کرتے تھے۔ مناظرہ کا بھی نہایت بہترین ملکہ تھا۔ امید تھی کہ گلشن رحمانیہ کا یہ نوخیز پودا آگے چلکر شجر بارآور ثابت ہوگا۔ لیکن افسوس کہ مرضئ الٰہی کچھ اور تھی۔

ہماری درخواست ہے کہ آپ لوگ مرحوم کا جنازہ غائب پڑھیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور ان کے پسماندگان خصوصاً ان کے بوڑھے والدین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

مسلمان اور اسکی عملی حالت

(گذشتہ سے پیوستہ)

مسلمان اور اقتصادیات یہ ظاہر ہے کہ قوموں کی ترقی و عروج کا سبب جس طرح مذہبی تثبت اور جماعتی و مرکزی استقلال مانا گیا ہے۔ اسی طرح اس کا ایک اہم جز اقتصادی حالت کی درستگی بھی ہے۔ ایک بڑی سے بڑی قوم محض اپنی اقتصادی پستی سے فنا و برباد ہو جاتی ہے یا کردی جاتی ہے۔ اور ایک چھوٹی سے چھوٹی قوم اپنی اقتصادی خوشحالی سے بڑی سے بڑی قوم کو انگلیوں پر ناچ نچا سکتی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ جاپان چین کے مقابلہ میں بہت ہی کم تعداد والا ہے۔ اس کی فوج بھی چین کی فوج سے حد درجہ قلیل ہے۔ لیکن آج تقریباً چار سال سے اتنی بڑی حکومت سے برسر پیکار نظر آرہا ہے۔ اور اس کی قلت اس کی مغلوبیت کا سبب نہ بن سکی۔ کیونکہ اس کو اپنی اقتصادی خوشحالی پر ناز ہے۔ اور جدید سے جدید ترین اسلحہ مہیا کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسکی ہوائی اور بحری طاقت چین کیا اس سے بھی زبردست حکومت کا مقابلہ کر سکتی ہے۔

اس زمانہ میں کسی قوم کی اس کی زائد آبادی اس کی بقائے حریت پر معاون نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی چیز ہو سکتی ہے تو اس کی اقتصادی خوشحالی ہے۔ آج موجودہ جنگ میں جب کوئی حکومت کسی دوسری حکومت سے ٹکرانے کا ارادہ کرتی ہے تو سب سے پہلے اس کی اقتصادی حالت کی تخریب پر غور کرتی ہے اور جہانتک ہو سکتا ہے اس پر عمل درآمد شروع کر دیتی ہے۔

مسلمانوں کے عروج کے زمانے میں اقتصادی حالات پر غور کر جاؤ۔ بلکہ اس کے اصل اصول۔ منطقہ و مرکز (قرآن) پر نظر کرو تو تمہیں بیشتر مقامات میں اقتصادی نظام کے متعلق تعلیمی حصہ نظر آئیگا۔ اس میں عبادات و اخلاق کے ساتھ ساتھ ہی سیاست مدن و تدبیر منزل اور اصول معیشت کے نظریہ کو بھی مستحکم کیا گیا ہے۔؎ وہ یہ نہیں کہتا کہ تم یہود و نصاریٰ کی طرح دنیاوی معاملات سے کنارہ کش ہو کر صومعوں اور گرجوں میں گوشہ نشین ہو جاؤ۔ بلکہ وہ تو اسلامیت کو عملی اقدام و معاشی جد و جہد میں نمایاں دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے نزدیک گویا وہ مسلمان کامل مسلمان ہی نہیں جو عملی جد و جہد میں حصہ نہ لیتا ہو۔ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (اللہ کا فضل تلاش کرو) بصیغہ امر۔ عملی جد و جہد معاشی ابتغار و کوششوں کو فرض کر رہا ہے۔

یہ نیلگوں آسمان۔ یہ گوناگوں رنگوں والی زمین۔ یہ سورج و چاند و ستارے۔ یہ مختلف مواسم و فصول آخر ان کے وجود کا مقصد کیا ہے یہی کہ انسان ان سے اپنے عملی جد و جہد اور معاشی ابتغار میں امداد لے سکے۔ اور

؎ وہ یہ نہیں کہتا کہ تم سیاسیات و معاشی جد و جہد سے الگ ہو کر صرف عبادت میں لگے رہو۔

مقصد تخلیق انسانیت کو پورا کرتا ہے۔ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ (اعراف ع ۱) یعنی اس زمین میں ہم نے تمہاری بقا کیلئے ہر طرح کی معاش پیدا کر رکھی ہے" اسکو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ کوشش ہی کیا۔ بلکہ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (جمعہ) یعنی جب نماز (جمعہ) ادا کر لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (روزی) ڈھونڈو۔

انبیاء علیہم السلام کے افعال و کردار امت کیلئے ایک نمونہ عمل ہوا کرتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ سہوًا یا ان کے ساتھ مخصوص نہ ہوں۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں محض امت کی تعلیم۔ اور اقدام علی العمل مقصود ہوا کرتا ہے۔ اگر عملی جدوجہد اور معاشی سرگرمیاں خلاف توکل اور عبادت میں مخل ہوتیں۔ تو یقینًا وہ عملی جدوجہد میں ہرگز کوئی حصہ نہ لیتے۔ اور رہبانیت اختیار کرکے گوشہ نشین ہوکر دنیاوی تعلقات سے علیحدہ ہو جاتے اور یہ امت کیلئے ایک تعلیم ہوتی۔ مگر یہاں تو ان کا سارا وقت نہایت مشقت اور جدوجہد میں گذرا۔ انھوں نے خود اپنے ہاتھوں سے محنت کرکے اپنی معاش حاصل کی۔ حضرت نوحؑ۔ حضرت ادریسؑ۔ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت لوطؑ۔ حضرت داؤدؑ۔ اور خود ہمارے رسول فداہ ابی وامی کی حیات مقدسہ پر نظر کر جاؤ۔ ان حضرات کی ساری زندگی۔ اسی عملی جدوجہد میں گذری کسی نے خیاطی (درزی کا پیشہ) کرکے دنیا میں رزق حاصل کیا تو کسی نے نجاری (بڑھئی کا پیشہ) و کاشتکاری کو اپنا شعار بنایا۔ کسی نے حدادی (لوہار کا پیشہ) سے معاش پیدا کیا تو کسی نے تجارت کو اپنا لائحہ عمل بنایا۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے اپنا و نیز اہل کا ذریعہ معاش تجارت کو قرار دیا تھا۔ خود بنفس نفیس بہت تکلیفیں اٹھا کر بحرین۔ یمامہ۔ یمن۔ اور عرب کی سرزمین میں سرگرداں پھر چکے تھے۔ متعدد مرتبہ سرزمین شام میں تجارت کرتے ہوئے نظر آئے۔ آپ وہ تھے کہ صرف ایک اشارہ کرنے سے اُحد کا سارا پہاڑ خزانہ بنکر قدموں پر نچھاور ہو جاتا لیکن آپ کو تو نمونہ بنکر قوم کی اقتصادی حالت کو سنوارنا تھا۔ حدیثوں کو اٹھا کر دیکھ جاؤ۔ ساری کتابوں میں کتاب البیوع سے بھی تمکو روشناس ہونا پڑے گا۔ اس کے بیان کرنیکا مقصد کیا تھا۔ تاکہ مسلمان ہمیشہ اقتصادی خوشحالی پر نظر رکھیں۔

آپ کے جانبازوں کو بھی دیکھ جاؤ۔ باوجودیکہ دنیا کی ساری دولتیں۔ حکومتیں پیروں کے نیچے روندی ہوئی نظر آرہی ہیں۔ لیکن وہ کبھی اقتصادیات سے غافل نہ ہوئے۔ ہزارہا کارخانے ملکوں میں کھلے ہوئے تھے۔ ان کو خراج یا زکوٰۃ پر اتنا بھروسہ نہ تھا جتنا اپنی اقتصادی خوشحالی پر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسلامی ممالک کا کوئی شہر کوئی قصبہ ایسا نہ تھا جس میں کوئی نہ کوئی کارخانہ موجود نہ رہا ہو۔ تمام شہروں اور کارخانوں کا گنانا بہت سے صفحات کو چاہتا ہے جگہ کی قلت کے باعث بطور مثال چند مقاموں اور کارخانوں کا ذکر کر رہا ہوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ مسلمانوں نے اقتصادی ترقی کا کتنا لحاظ رکھا تھا۔

بغداد جو مسلمانوں کی شان و شوکت کا مرکز تھا۔ وہ اور اس کے قرب وجوار کے دیہات کپڑا سازی میں

مشہور تھے۔ سبن بغداد کا ایک مشہور گاؤں ہے جس میں سبنی کپڑے بُننے کے مشہور کارخانے تھے۔ یہ کپڑا ایسا ہی مائل تہمد ہوتا تھا جو سوت و حریر سے ملکر تیار ہوتا تھا۔ ابن خلدون نے اخبار اندلس میں جن مشہور چادروں کا ذکر کیا ہے وہ یہیں کے تیار کردہ ہوتے تھے۔ یاقوت حموی نے خطیرہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔ کہ یہ بغداد کا ایک بڑا گاؤں ہے جس میں باریک خوبصورت سوتی کپڑے بننے کے کارخانے ہیں۔ تاجر یہیں سے ان کپڑوں کو مختلف ممالک میں لیجا کر بیچتے ہیں۔ مخرم بغداد کا ایک محلہ ہے جہاں مختلف قسم کے جالی دار کپڑے تیار ہوتے ہیں۔

مقدسی نے اپنے مشہور رسالۂ بغداد۔ لغۃ العرب میں حسب ذیل مقالہ درج کیا ہے "کیا تم نے بصرہ کے ریشم وہاں کے کپڑے اور دیگر چیزوں کا ذکر نہیں سنا ہے۔ ابلہ میں کتان کے قیمتی کپڑے بُنتے ہیں اور کوفہ میں ریشم کے نہایت عمدہ عمامے۔ بغداد میں نادر چیزیں اور طرح طرح کے ریشمی کپڑے۔ نعمانیہ میں چادریں اور عمدہ اونی کپڑے۔ قصریہ اور پوبتیہ میں رومالیں۔ تکریت کے اونی کپڑے۔ واسط کے پردے۔ دار القز بغداد کا محلہ ہے وہاں کے کاغذ۔ شاطبہ کے کاغذ جہاں سے اندلس کے تمام شہروں میں کاغذ کی سپلائی ہوتی تھی۔ تونس افریقہ کا مشہور شہر ہے اس میں مٹی کے نہایت شفاف اور خوبصورت برتن سازی کے کارخانے تھے۔ بعلبک۔ صنعت و حرفت کا ایک مشہور مشرقی شہر ہے۔ یہاں لکڑی کے عمدہ عمدہ برتن اور چمچے تیار ہوتے تھے۔ یورپ کے بعض شہروں میں یہاں کا مال نمائشی جاتا تھا۔ جنسار میں بانس کے برتن سازی کے کارخانے تھے۔ مشہور بانس کی کشتیں ہندوستان و خراسان وغیرہ تک میں یہیں سے آتی تھیں۔ بانس کے ٹکڑے آپس میں اس طرح خوبی سے جوڑے جاتے تھے کہ دیکھنے والوں کو جوڑ کا شبہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ منار حلب کے قریب ایک قدیمی شہر ہے جہاں عمدہ قسم کے دیگ اور مختلف قسم کے تانبے کے برتن لوٹے بنائے جاتے تھے۔ حلب کو زمانۂ قدیم ہی سے شیشہ سازی میں مہارت حاصل تھی۔ یہاں کا شیشہ چونے کی مانند سفید اور شفاف ہوتا ہے۔ یمن۔ غمات۔ غدامس چمڑے کی دباغت میں مشہور تھے۔ یہاں کے چمڑے خوبصورت اور ریشم کی طرح ملائم ہوتے تھے۔ اہل مغرب یہاں کے جوتے پسند اور خرید کرتے تھے۔ حدیثوں میں ادیم یمنی کا ذکر بھی آیا ہے۔ صنعا یمن کا مشہور شہر ہے۔ یہاں بھی چمڑے کی دباغت کیلئے بیشمار کارخانے تھے۔ آمل۔ طبرستان کا ایک مشہور شہر ہے یہاں ہر قسم کے عمدہ مصلے اور قالینیں تیار ہوتے تھے۔ آتش اندلس کا شہر ہے یہاں کے مشہور قالین ہندوستان۔ شام۔ مصر۔ عراق۔ اور چین تک خریدے جاتے تھے۔ اہواز میں عمدہ خوبصورت پردے ہوتے تھے۔ غزجان ایران کا ایک شہر ہے جہاں قالین۔ کرسیاں اور پردے تیار ہوتے تھے اور اکثر شاہی سامان یہیں کا تیار کردہ ہوتا تھا۔"

الغرض ممالک اسلامیہ کا کوئی ایسا شہر نہیں تھا جہاں صنعتی ترقی کا لحاظ نہ رہا ہو۔ آخر میں مضمون نگار نے اس مقالہ کو ایک یاس اور تاسف انگیز جملہ کے ساتھ ختم کردیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ آج ان صنعتوں کا نام ونشان بالکل مٹ گیا اور بجز حریر کے تہمدوں کے اور کوئی صنعت مخصوص طور پر باقی نہیں ہے۔ کیونکہ یورپین صنعتوں نے ان

سب کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ کاش وہ دن آئے جب ہماری قدیم صنعتیں دوبارہ زندہ ہو جائیں۔

ناظرین کرام! اس تاریخی صداقت سے معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں نے کبھی بھی خراج یا غنیمت کے مالوں پر اپنی ترقی کے انحصار کو موقوف نہ رکھا۔ بلکہ انھوں نے ہر طریقہ سے اپنی اقتصادی حالت کو درست کیا۔ اور جا بجا کارخانے قائم کئے جس سے ان کو کسی کا دست نگر نہ ہونا پڑا۔ اسوقت تک انھوں بے نظیر ترقی کی۔ لیکن جوں جوں ان کی صنعتیں دوسروں کے ہاتھوں میں جاتی رہیں وہ کمزور ہوتے گئے بالآخر بہت ہی ذلت سے ان کو حکومت وخلافت سے دست بردار ہونا پڑا۔ اور کو جانے دیجئے۔ ہندوستان ہی کو لیلیجئے۔ انگریزوں نے کس طرح ہندوستان کی صنعت پر کنٹرول حاصل کیا اور آخر میں کیونکر مسلمانوں سے سلطنت چھین کر برسر اقتدار ہوئے۔ ہندوستان کی کروڑ ہا مسلم آبادی منہ دیکھتی رہ گئی اور ذلت وغلامی کا طوق گردن میں ڈال لینا پڑا۔ مسلمانوں نے اپنی دیگر صنعتوں کو اس سے پہلے ہی ہندوؤں کے قبضے میں دیدیا تھا۔ تجارت۔ صنعت حرفت۔ دکانداری۔ کاشتکاری غرض جتنی اقتصادی صورتیں تھیں حکومت اور منصب کے ایک موہوم تصور نے ان کے قلوب پر ایسا تاریکی کا پردہ ڈالدیا تھا کہ آہستہ آہستہ ہندو ان پر قابض ہوتا گیا۔ اور جب پوری طرح پامال ہو چکے - - - - - - تب آنکھ کھلی۔ لیکن اب کیا تھا۔ نہ حکومت نہ صنعت اور نہ حرفت وپیشہ ہزارہا افراد نے بھوک کی شدت اور افلاس کی مصیبت سے لاچار ہو کر خودکشی کی یا ترک مذہب کو اختیار کیا۔ بہتوں نے سوال اور بھیک کو اپنا زاد راہ بنایا۔ مگر ہندو پریشان نہ ہوا۔ اُس نے خودکشی نہ کی ترک مذہب پر مجبور نہ ہوا کیونکہ اس کے پاس اقتصادی خوشحالی تھی۔ تمام صنعتوں اور تجارتوں پر قبضہ تھا۔ یہ ہے حشر اس قوم کا جس کی اقتصادی بدحالی انتہا تک پہنچ چکی ہو۔ یقیناً اس قوم کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں جس کے پاس نہ مذہب ہو نہ اقتصاد۔ یہ ہیں ہندوستان کے مسلمان اور پھر شور ہے کہ ہم تباہ وبرباد ہو گئے

آہ! اے غافل مسلمان! کیا اتنے افراد کو ضائع کرنے کے بعد بھی تیری آنکھ نہ کھلی۔ کیا مذہب واقتصاد کو پس پشت ڈالنے کے بعد بھی تو ہوشیار نہ ہوا۔ اب کس چیز کا انتظار ہے۔ کیا اس انقلاب کا جبکہ تم کو ایک مجبور بکری کی طرح دہریت وفسطائیت اور ہلاکت کی طرف گھسیٹا جائیگا اور مساعدت نہ کرنے پر تم کو مذہبی دیوتا پر بھینٹ چڑھادیا جائیگا کیا تمکو اپنی کثرت پر ناز ہے جبکہ تمہاری کثرت بھیڑوں کے غول کی طرح ہے۔ ہندو مطمئن ہے خوفزدہ نہیں وہ تو اپنا مستقبل درخشاں دیکھ رہا ہے خود بھی بیدار ہو چکا ہے۔ وہ قوت حاصل کر سکتا ہے سپاہ مرتب کر سکتا ہے۔ سامان دفاع مہیا کر سکتا ہے۔ اس کے پاس مال ہے دولت ہے صنعت وتجارت ہے ملازمت ہے۔ تم کسی قوم کا مقابلہ نہیں کر سکتے کیونکہ بالکل نہتے ہو۔ تمہاری ایمانی قوت بھی نہیں جو تمکو دوسروں پر غلبہ دے۔ تمہاری وہ سلطنتیں بھی لرزہ براندام ہیں جن کے پاس دولت وثروت ہے۔ قوت دفاع بھی ہے۔ لیکن افسوس اگر بالکل

بے دست وپا ہے تو وہ ہندی مسلمان ہے ؎ چکور اور شہباز سب اوج پر ہیں۔ فقط ایک ہم ہیں کہ بے بال وپر ہیں۔

سیرِ ملکوت اور شب معراج

(از جناب مولانا عبدالحلیم صاحب انصاری)

امتوں کو نیابت الٰہی و عبدیت حقیقی کی شاہراہ مقصود پر ڈالنے اور انھیں زیور اخلاق و تہذیب سے آراستہ کرنے کا سررشتہ ہمیشہ اولوالعزم پیغمبروں کے ہاتھوں میں رہا ہے اور انسانی رہبری کا فرض بجالانے میں یہ مقدس وجود کسی زبردست مادی قوت کی پروا نہیں کرتے۔ ان نورانی شمعوں کو بجھانے کیلئے تمام طاغوتی قوتیں تل جاتی ہیں تاکہ یہ عالم آب و خاک ان انفاس قدسیہ کی برکات سے محروم رہ کر باطل کی سیاہ کاریوں کا آماجگاہ بنا رہے لیکن ایسے بدبختوں کی دوڑ دھوپ کا ہمیشہ یہی حشر ہوا کہ یہ ہٹ دھرم گرداب فنا میں ٹکر اٹکرا کر نیست و نابود ہوگئے اور آفتاب حق کی جلوہ ریزیوں سے تمام عالم منور ہوا۔ جب خدا کے فرستادے پیغام حق پہنچا کر اتمام حجت کر چکتے ہیں اور آواز دبانے میں دشمن کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑتے تو صاحب شریعت پیغمبروں کی زندگی میں ایک موقعہ آتا ہے جس میں انھیں عالم ملکوت کی سیر کرائی جاتی ہے تاکہ یہ روحانی سیر متبعین کے لئے پیام زندگی اور معاندوں کیلئے پیغام موت ہو اس وقت ہٹ دھرم دشمنوں کا صاحبِ شریعت سے یہ اصرار ہوتا ہے کہ وہ عذاب الٰہی جس سے ہم ڈرائے جاتے ہیں کیوں نہیں لایا جاتا تاکہ ترکش کا یہ آخری تیر بھی ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ رسُول کو یہ حکم دیتا ہے کہ غیرت حق کا پیمانۂ صبر اب لبریز ہو گیا۔ تم جمیعۃ حقہ کو ہمراہ لیکر سرزمین امن میں چلے جاؤ کیونکہ سچائی کے راستہ میں حائل ہونیوالی تمام قوتوں کے فنا ہونے کا وقت آگیا ہے اور یہ عالم آب و گل اب کفر و شرک کی نجاست سے پاک ہو جائے گا۔ یہ سیر ملکوت صاحب شریعت پیغمبروں کی زندگی کا جزو لاینفک رہی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی یہ منزلت حاصل ہوئی۔ جس کی گواہی قرآن حکیم نے ان الفاظ میں دی ہے وَكَذَٰلِكَ نُرِيٓ إِبْرَٰهِيمَ مَلَكُوتَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ (انعام ع ۹) ایسے ہی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمان و زمین کی بادشاہت کی سیر کرائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور سینا پر خدا سے ہمکلامی کا منصب حاصل ہوا تو وہ قوانین شریعت۔ بشارت اور آیات و بینات لیکر مصر میں تشریف لائے۔ قوم فرعون نے نہ صرف تکذیب کی بلکہ ایمان والوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ حضرت موسیٰ نے پیغام حق پہنچانے اور فرعونیوں کو معجزات دکھلانے میں حجت پوری کر دی لیکن ان میں سے کوئی بھی حق کی طرف نہیں جھکا۔ خدا کا حکم ہوا مسلمانوں کو لیکر طور سینا پر آؤ اور فرعون کو دعوائے انانیت و ہمہ بینی کے باوجود دریائے نیل کی موجوں میں ڈبو دیا۔

سرزمین عرب میں آفتاب دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عرصہ تک لوگوں کو پیغام حق سنایا اور تن تنہا چند سعید روحوں

کی معیت میں کفار قریش کی دراز دستیوں سے سینہ سپر ہوتے رہے۔ یہانتک کہ وہ وقت آیا کہ عالم قدس کا تاجدار سیاحتِ ملکوت سے نوازا گیا۔ اور اس کی رسائی اس سرحد تک ہوئی کہ آج تک کسی فرزند آدم کا قدم وہاں تک نہیں پہنچا۔ جس طرح قوم فرعون کے غرق ہونے اور حضرت موسیٰ کے طور سینا کی طرف بنی اسرائیل سمیت ہجرت کرنے سے دین موسوی کی تکمیل اور دور امن کا آغاز ہوا ٹھیک اسی طرح حضور سرور کائنات فخر موجودات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیر ملکوت سے سرفراز ہونا اور مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر جانا امت محمدیہ کیلئے آیۂ رحمت ثابت ہوا۔ نیز دین الٰہی کی تاسیس و تکمیل کیلئے جن نعمتوں کی ضرورت تھی وہ خلوت گاہ راز سے عطا کی گئیں۔

اس مختصر تمہید کے بعد ہم وہ واقعات مختصراً بیان کرینگے جو اس قفس عنصری کے ساتھ بحالت بیداری آنحضرتؐ کو پیش آئے اور جن کے متعلق قرآن حکیم نے سورۂ بنی اسرائیل کی ان شروع آیات میں اشارہ فرمایا ہے سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ہ یعنی پاک ذات ہے وہ خدا جو اپنے بندے کو رات کے وقت میں مسجد کعبہ سے مسجد بیت المقدس تک لیگیا جس کے آس پاس ہم نے دینی و دنیوی برکتیں نازل کی ہیں تاکہ ہم اس کو قدرت کی عجیب چیزیں دکھلائیں بیشک وہ رب العزت سننے دیکھنے والا ہے۔" بلا اختلاف سب کا اتفاق ہے کہ یہ بعثت اور آغاز وحی کے بعد اور ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے جو مکہ معظمہ میں پیش آیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیداری اور خواب کی درمیانی حالت میں دیکھا کہ مکان کی چھت کھلی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام چند فرشتوں سمیت نازل ہوئے آپ کو جگا کر پہلے وہ چاہ زمزم کے پاس لیگئے اور وہاں سینہ چاک کر کے قلب اطہر آب زمزم سے دھویا۔ ایک سونے کا طشت ایمان و حکمت سے معمور لایا گیا۔ جبرئیلؑ نے طشت سے ایمان و حکمت کا خزانہ لیکر سینہ مبارک میں رکھدیا اس کے بعد گدہے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا براق نامی ایک جانور لایا گیا جسکی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ اس کا ہر قدم وہاں پڑتا تھا جہاں نگاہ کی آخری حد ہوتی تھی اس پر سوار ہو کر عجائب قدرت دیکھتے ہوئے آپ بیت المقدس آئے مسجد اقصیٰ میں دو رکعت نماز ادا کی یہاں سے نکلے تو جبرئیلؑ نے شراب اور دودھ کے پیالے آپ کے سامنے پیش کئے آپ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا پھر جبرئیلؑ آنحضرتؐ کو لیکر آسمان پر چڑھے تو ایک بزرگ نظر آئے جن کی داہنی اور بائیں طرف بہت سی پرچھائیاں تھیں جب وہ داہنی طرف دیکھتے تو ہنستے اور جب بائیں طرف دیکھتے تو رو دیتے تھے آپ کو دیکھکر وہ بولے مرحبا اے نبی صالح فرزند صالح۔ حضرت جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ آپ کے باپ حضرت آدمؑ ہیں ان کی داہنی جانب اہل جنت کی ارواح ہیں اور بائیں جانب دوزخی اولاد ہے۔ اسلئے جب ادہر دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور ادھر دیکھکر آزردہ ہوتے ہیں۔ اسی آسمان میں آمنے سامنے دو نہریں نظر آئیں پوچھنے پر جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ نیل و فرات کی سوتیں ہیں۔ چلتے پھرتے آپ کو ایک اور نہر نظر آئی جس پر لولو و زبرجد کا ایک محل تعمیر تھا اور اس کی زمین مشک کی تھی، جبرئیلؑ نے کہا یہ نہر کوثر ہے جسکو پروردگار نے مخصوص آپ کیلئے رکھا ہے اسی طرح ہر آسمان پر گذرتے گئے اور ہر آسمان میں کسی نہ کسی پیغمبر سے ملاقات ہوئی۔ چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ سے ملاقات کر کے

جب آپ آگے بڑھے تو حضرت موسیٰ رو پڑے آواز آئی اے موسیٰ اس رونے کا سبب کیا ہے۔ موسیٰ نے عرض کیا خداوندا میرے بعد تو نے اس نوجوان کو مبعوث کیا ہے اسکی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ بہشت میں جائینگے۔ ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیمؑ بیت المعمور سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے جس میں ہر روز ستر ہزار نئے فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ اسکے بعد آپ کو جنت کی سیر کرائی گئی جس کے گنبد موتی کے تھے اور زمین مشک کی تھی اور اس مقام تک پہنچے جہاں قلم قدرت کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ آگے بڑھکر آپ سدرۃ المنتہیٰ تک تشریف لیگئے اس درخت پر شانِ ربانی کا پرتو تھا جس نے آکر جب اسکو چھپا لیا تو اس کی ہیئت بدل گئی اور اس میں حسن کی وہ کیفیت پیدا ہوگئی جس کو کوئی زبان بیان نہیں کر سکتی اور رنگ برنگ کے وہ نور نظر آئے جن کو الفاظ ادا نہیں کر سکتے، یہی وہ مقام ہے جہاں سے چیزیں نیچے زمین پر اترتی ہیں اور زمین سے چڑھکر اوپر جاتی ہیں۔ یہاں پہنچکر حضرت جبرئیل اپنی اصلی کمالی صورت میں آپ کے سامنے نمودار ہوئے پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں راز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت بار الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اسوقت آپ کو بارگاہ خاص سے تین عطیے مرحمت ہوئے۔ سورۂ بقر کی آخری آیتیں جن میں اسلام کے عقائد و ایمان کی تکمیل اور اس کے دور مصائب کے خاتمہ کی بشارت ہے۔ رحمت خاص نے مژدہ سنایا کہ امت محمدی میں ہر ایک جو شرک کا مرتکب نہ ہوا ہو کرم مغفرت سے نوازا جائیگا۔ اور ندا آئی امت پر پچاس وقت کی نمازیں فرض کی گئیں۔ آپ ان عطیات کو لیکر واپس پھرے اور حضرت موسیٰؑ کے پاس پہنچے تو انھوں نے دریافت کیا کہ بارگاہ ایزدی سے کیا لائے، فرمایا امت پر پچاس وقت کی نماز۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ میں نے بنی اسرائیل کا خوب تجربہ کیا ہے آپ کی امت سے یہ بار اٹھ نہ سکیگا۔ آپ واپس جائیے اور عرض کیجئے۔ حضرت موسیٰؑ کے مشورہ سے بار بار دربار الٰہی میں عرض پرداز ہوتے رہے یہاں تک کہ شب و روز میں صرف پانچ وقت کی نماز رہ گئی۔ حضرت موسیٰ نے پھر مزید تخفیف کا مشورہ دیا لیکن آپ نے فرمایا کہ اب مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے۔ ندا آئی کہ اے محمدؐ میرے حکم میں تبدیلی نہیں نمازیں پانچ ہونگی لیکن ہر نیکی کا بدلہ دہ گونہ دونگا یہ پانچ بھی پچاس ہوں گی۔ میں نے بندوں پر تخفیف کر دی اور اپنا فیصلہ نافذ کر دیا۔ ہنوز رات کا کچھ حصہ باقی تھا کہ سیر ملکوت ختم کرا کر آپ آرام گاہِ خاص میں پہنچا دیئے گئے۔

عالم قدس کے یہ واقعات ظاہر بینوں کی نظر میں ضرور تعجب انگیز تھے اسلئے علی الصباح لوگوں سے جب آپ نے ذکر فرمایا تو کفار نے تکذیب کی اور بیت المقدس کے متعلق ثبوت طلب کرنے پر آپ نے وہاں کا ہو بہو نقشہ بیان کر دیا۔

معراج کی رات

اختر شام کی آتی ہے فلک سے آواز
سجدہ کرتی ہے سحر جسکو وہ ہے آج کی رات
رہِ یک گام ہے ہمت کیلئے عرش بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

(اقبالؔ)

فتاوے

سوال: زید مجذوم ہے کمانے دھمانے کے لائق نہیں ہے اس بے بسی اور مجبوری کی وجہ سے اپنی عورت ہندہ کو اجازت دیدی کہ میں اب تمہارے نان نفقہ کا کفیل نہیں ہو سکتا تم اپنے گذر کی کوئی صورت کرلو۔ زید دو سال سے اسکی ہمبستری سے علیحدہ ہے۔ ہندہ مجبور ہو کر کبھی میکہ میں اور کبھی ناطاقت شوہر کے گھر محنت مزدوری کر کے گذر کرتی تھی بلا تعلق شوہر کے۔ چونکہ ہندہ جوان ہے عمر کے گھر ٹھکانہ کرلیا ہے جہاں احتمال زنا کا ہے۔ عمر ہندہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ پس کیا زید کے قول مذکور سے ہندہ مطلقہ ہوگئی؟ اگر مطلقہ ہوگئی ہے تو کیا اس کی عدت بھی پوری ہوگئی؟ کیونکہ زید کی طرف سے اجازت ملے ہوئے عرصہ گذر گیا اور اگر زید کے قول مذکو سے ہندہ پر طلاق نہیں واقع ہوئی تو مجذوم تنگدست غیر مستطیع شوہر کے نکاح سے ہندہ کی گلو خلاصی کی کیا صورت ہے؟ عورت کا موجودہ ولی صرف اس کا چچا ہے جس نے نکاح کی اجازت دیدی ہے۔ سائل نصر اللہ از اٹوا۔ ضلع بستی

جواب: سوال میں خط کشیدہ فقرہ طلاق کنائی ہے اگر زید نے ان الفاظ کے ذریعہ ہندہ کو اپنی زوجیت سے خارج کرنے اور دوسرے شخص سے نکاح کر کے گذر کی صورت پیدا کرنے کی اجازت دی تھی اور طلاق دینے کی نیت کی تھی یا یہ الفاظ بوقت مذاکرہ طلاق کے کہا تھا تو ہندہ پر ایک طلاق واقع ہوگئی اگر اس فقرہ کے بعد ہندہ کو تین حیض آچکے ہیں تو اس کی عدت بھی پوری ہوگئی ابتداء العدۃ فی الطلاق عقیب الطلاق وفی الوفاۃ عقیب الوفاۃ فان لم تعلم بالطلاق او الوفاۃ حتی مضت العدۃ فقد انقضت عدتھا (ہدایہ) اور اگر زید نے ان الفاظ سے طلاق دینے کی نیت نہیں کی تھی اور نہ یہ الفاظ بوقت مذاکرہ طلاق کہے تھے تو ہندہ مطلقہ نہیں ہوئی۔ اس صورت میں اور اگر زید یہ فقرہ نہ بولتا تب بھی ہندہ کو شرعاً دو سبب سے نکاح فسخ کرانیکا حق حاصل ہے۔ پہلا سبب جب شوہر اپنی محتاجی و تنگدستی و بے بسی و مجبوری کی وجہ سے اپنی بیوی کے نان نفقہ پر قدرت نہ رکھے تو عورت کو بذریعہ حاکم یا سردار یا پنچ نکاح فسخ کرانیکا اختیار حاصل ہے ارشاد ہے لَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا۔ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (قرآن مجید) عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل فی الرجل لا یجد ما ینفق علی اھلہ قال یفرق بینھما (دار قطنی) وعن سعید بن المسیب فی الرجل لا یجد ما ینفق علی اھلہ قال یفرق بینھما اخرجہ سعید بن منصور والشافعی وعبد الرزاق عن سفیان عن ابی الزناد عنہ قال ابو الزناد قلت لسعید بن المسیب سنۃ قال سنۃ وھذا مرسل قوی۔ یہی مذہب ہے حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ و حضرت ابوہریرہؓ و حسن بصریؒ و امام مالکؒ و امام شافعیؒ و امام احمدؒ اور ظاہریہ کا۔ دوسرا سبب۔ زید کو جذام کی بیماری ہوگئی ہے اور بعد النکاح شوہر کے مجذوم یا مبروص یا مجنون ہوجانیکی صورت میں بھی اگر عورت شوہر کے ساتھ نہ رہنا چاہے تو اسکو نکاح فسخ کرانیکا حق حاصل ہے وان حدث العیب بلحدھما بعد العقد فیہ وجھان احدھما یثبت الخیار وھو ظاھر قول الخرقی لانہ قال فان جب قبل الدخول فلھا الخیار فی وقتھا لانہ عیب فی النکاح یثبت الخیار مقارنا فاثبتہ کالاعسار والرق فانہ

يثبت الخيار اذا قارن مثل ان تغر الامة من عبد ويثبت اذا طرأت الحرية اذا اعتقت الامة تحت العبد ولانه عقد على منفعة فحدوث العيب بها يثبت الخيار كالاجارة والثاني لا يثبت الخيار وهو قول ابي بكر وابن حامد ومذهب مالك لانه عيب حدث بالمعقود عليه بعد لزوم العقد اشبه الحادث بالمبيع والصحيح الاول وهذا ينتقض بالعيب الحادث في الاجارة وقال اصحاب الشافعي ان حدث بالزوج اثبت الخيار وان حدث بالمرءة فكذلك في احد الوجهين ولا يثبته في الآخر لان الرجل يمكنه طلاقها بخلاف المرأة ولنا انهما تساويا فيما اذا كان العيب سابقا فتساويا فيه لاحقا كالمتبايعين (الشرح الكبير على متن المقنع ج۷ ص۵۷۹ وكذا في المغني ج۷ ص۵۸۳) واضح ہو کہ ہند قانون انفساخ نکاح مسلم ۱۹۳۹ء کے ماتحت بذریعہ عدالت بھی نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔ نکاح فسخ کرا کر عدت گذار لینے کے بعد اس کا ولی یعنی چچا دوسری جگہ اس کا نکاح کر دے۔

سوال :- پوری آستین کا کرتہ پہنکر اگر کہنی کے اوپر آستین چڑھلے رکھے تو اس حالت میں نماز پڑھنی افضل ہے یا آستین گرا کر پڑھنی افضل ہے۔ سائل محمد سلیمان از لال گنج بردوان۔

جواب۔ آستین گرا کر نماز پڑھنی چاہئے کہ یہی افضل ہے۔ آستین چڑھلے رہنے کی حالت میں نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ کہنیوں کا ڈھانکنا نماز میں ضروری نہیں ہے عن ابن عباس قال امر النبي صلى الله عليه وسلم ان يسجد على سبعة اعضاء ولا يكف شعرا ولا ثوبا الحديث (بخاری مسلم) قال الحافظ المراد انه لا يجمع ثيابه ولا شعره وظاهره يقتضي ان النهي عنه في حال الصلاة ورده عياض بانه خلاف الجمهور فانهم كرهوا ذلك للمصلي سواء فعله في الصلاة او قبل ان يدخل فيها واتفقوا على انه لا يفسد الصلاة لكن حكى ابن المنذر عن الحسن وجوب الاعادة انتهى ملخصا (فتح ص۲۴۲)

سوال :- باوجود گھر میں ٹوپی موجود ہونیکے ننگے سر پڑھنا افضل ہے یا ٹوپی وغیرہ پہنکر افضل ہے۔ سائل مذکور

جواب :- اللہ تعالیٰ نے فرمایا خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ ٹوپی یا عمامہ وغیرہ کے ساتھ نماز پڑھنی اولی و افضل ہے کیونکہ ٹوپی اور عمامہ باعث زیب و زینت ہیں اور نمازی کو اچھی ہیئت میں کھڑا ہونا چاہیئے لیکن اگر کوئی شخص بلا عذر ننگے سر نماز پڑھ لے تو جائز ہے اور کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ مردوں کیلئے نماز میں سر ڈھانکنا ضروری نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا يصلي احدكم في الثوب الواحد ليس على عاتقه شئ (بخاری عن ابی ہریرۃ) عن ابي سعيد الخدري قال دخلت على النبي صلى الله عليه وسلم فرأيته يصلي على حصير يسجد عليه . . . . قال ورأيته يصلي في ثوب واحد متوشحا به (صحیح مسلم) عن محمد بن المنكدر قال صلى جابر في ازار قد عقده من قبل قفاه وثيابه موضوعة على المشجب فقال له قائل تصلي في ازار واحد فقال انما صنعت ذلك ليراني احمق مثلك واينا كان له ثوبان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم (صحیح بخاری) ان تینوں حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ نماز میں سر ڈھانکنا ضروری نہیں ہے ہاں اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ ٹوپی یا عمامہ یا رومال سے سر

چھپا کر نماز پڑھے پس جو لوگ ٹوپی یا عمامہ یا رومال ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھتے ہیں ان کی نماز بلاشک و شبہ صحیح اور درست ہوتی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس بات کے بیان کرنے کیلئے کہ صرف ایک کپڑے (چادر یا تہمد) میں بھی نماز ہوجاتی ہے ایک کپڑے میں نماز ادا فرمائی اور ظاہر ہے کہ جب صرف ایک تہمد یا ایک چادر باندھکر نماز ادا کی جائے گی تو یقیناً سر کھلا ہوا رہیگا۔ لیکن ٹوپی ہوتے ہوئے سستی اور غفلت اور لاپروائی سے برہنہ سر نماز پڑھنے کی عادت نہیں ڈالنی چاہیئے۔

سوال:۔ نابالغ بچے کی طرف سے ولی طلاق دے سکتا ہے یا نہیں؟ سائل مذکور

جواب:۔ نابالغ لڑکے کی طرف سے ولی کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انما الطلاق بید من اخذ بالساق اخرجہ ابن ماجہ والطبرانی فی الکبیر عن ابن عباسؓ۔

سوال۔ نابالغ کی طلاق شرعاً معتبر ہے یا نہیں۔ سائل مذکور

جواب۔ نابالغ کی طلاق عند الشرع لغو اور کالعدم ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کل طلاق جائز الا طلاق المعتوہ المغلوب علی عقلہ (ترمذی) اور فرمایا رفع القلم عن ثلثۃ عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یبلغ وعن المعتوہ حتی یعقل (احمد و ترمذی و ابوداؤد)

سوال:۔ نابالغ بچہ کا نکاح ولی کرسکتا ہے یا نہیں؟ سائل مذکور

جواب:۔ نابالغ لڑکے کا نکاح اسکا ولی کرسکتا ہے یعنی اسکی طرف سے ایجاب وقبول کرسکتا ہے جس طرح لڑکی کی طرف سے ایجاب وقبول کرنا ولی کا کافی ہے اسی طرح نابالغ لڑکے کے نکاح میں بھی ولی کا ایجاب وقبول کافی ہوگا۔

وکل ھؤلاء لھم ولایۃ الاجبار علی البنت والذکر فی حال صغرھما الخ (فتاوی عالمگیری عن البحر الرائق) +

جمعیۃ الخطابہ کا سالانہ اجلاس

اپنی شاندار روایات کے مطابق اس سال بھی "جمعیۃ الخطابہ" مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی کا سالانہ اجلاس بتاریخ ۱۸ رجمادی الاخری ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۵ رجولائی ۱۹۴۰ء بروز جمعرات نہایت شان وشوکت اور رونق ومسرت کے ساتھ زیر صدارت حضرت مولانا محمد یونس صاحب صدر مدرس مدرسہ میاں صاحبؒ منعقد ہوا۔ پروگرام اپنی ظاہری رنگینیوں کے لحاظ سے بہترین گلکاریوں کا نمونہ تھا تو معنوی حیثیت سے مضامین کا تنوع بھی بیحد دلنشین اور دلفریب تھا۔ صدر محترم تقریباً ۸½ بجے صبح "تکبیر" اور "زندہ باد" کے فلک بوس نعروں کی گونج میں مدرسہ میں داخل ہوئے، تھوڑی دیر کے بعد جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی اور نہایت لطف کے ساتھ ۱۱ بجے تک پہلی نشست برابر جاری رہی۔ ظہر کے بعد سے دوسری نشست شروع ہوئی اور تقریباً عصر تک قائم رہی۔ عربی اور اردو دونوں زبانوں میں مختلف عنوانات پر نہایت بہترین تقریریں ہوئیں۔ شعراء نے اپنی طبعزاد نظموں سے مجلس کی رونق دوبالا کردی۔ مقررین کی تعداد تیس کے قریب تھی۔ اور جناب صدر کی نگاہ میں سب قابل انعام قرار پائے۔ چنانچہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی کی طرف سے ان شعراء اور مقررین کی حوصلہ افزائی کیلئے جو رقم انعام میں تقسیم کی گئی اس کی کل میزان پچاس روپے ہے عصر کے بعد تیسری نشست ہوئی جسمیں جناب صدر نے طلبہ کی ان تقریروں کے متعلق اپنے تاثرات کا نہایت شاندار الفاظ میں اظہار فرمایا۔ اور طلبہ کو مناسب حال نصیحتیں بھی فرمائیں اسکے بعد مدرسہ کے مرحوم بانیوں اور اس کے موجودہ کارپرداز عالیجناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مدظلہ کے حق میں پر اثر انداز میں دعائیں کیں اور حاضرین نے پرجوش الفاظ میں آمین کہی۔ اخیر میں مولانا نذیر احمد صاحب نے مدرسہ کی طرف سے جناب صدر کا پرخلوص شکریہ ادا کیا، اور دعاء خیر وبرکت کے ساتھ یہ جلسہ برخاست ہوا اسی اجلاس کے سلسلہ میں رات کو حضرت مہتمم صاحب کی طرف سے مدرسہ میں ایک پرتکلف دعوت بھی ہوئی تھی فجزاہ اللہ عنا احسن الجزاء وبارک فیہ۔

(ناظم جمعیۃ)

کتب خانہ ... دہلی

روح اخبار

——— مکہ معظمہ کا ایک پیغام مظہر ہے کہ امسال عازمین حجاز کیلئے متعدد نئی سہولتوں کا انتظام کیا گیا ہے۔ اعلیحضرت جلالۃ الملک سلطان ابن سعود کی حکومت حجاج کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں بہم پہنچانا چاہتی ہے۔ اور امسال خاص انتظامات عمل میں لائے جا رہے ہیں (زمیندار)

——— جامعہ ازہر کے پرنسپل شیخ المراغی مصری خاندان شاہی کے ٹیوٹر (اتالیق) مقرر کئے گئے ہیں۔ اطلاع ہے کہ بارہ ہزار پونڈ سالانہ مقرر کیا گیا ہے۔ (زمیندار)

——— سنہ ۱۹۳۸-۳۹ء میں پانچ نئی ریلوے لائنیں کھولی گئی ہیں۔ اور پانچ زیر تعمیر ہیں۔ اور چھ ریلوے لائنوں کے کھلنے کی منظوری دی گئی ہے۔ (زمیندار)

——— اودھم سنگھ جس کو سر مائیکل اوڈوائر کو ہلاک کرنے کے جرم میں سزائے موت کا حکم ہوا تھا، ۳۱ جولائی کو صبح ۹ بجے لندن میں پھانسی دیدی گئی۔ (زمزم)

——— حکومت ہند نے اعلان کیا ہے کہ ہندوستان کی کسی غیر سرکاری والنٹیر جماعت کے رکن ہتھیار لیکر یا بغیر ہتھیاروں کے فوجی کسرت یا ڈرل نہ کریں۔ حکومت نے اپنے اس فیصلے کی وضاحت میں ایک کمیونکے شائع کیا ہے (تیج ۷ اگست ۴۰ء)

——— قبائلی علاقہ (سرحد) کی ایک خبر ہے کہ وہاں ایک ہندو نے اپنی نوعمر لڑکی کی شادی ایک پچاس سالہ شخص کے ساتھ کر دی لڑکی نے ہر چند انکار کیا مگر والدین نے اس کی ایک نہ سنی۔ آخرکار شادی کے بعد جب یہ لڑکی ڈولی میں سوار ہو کر اپنی سسرال جا رہی تھی تو اس نے ڈولی میں بیٹھے بیٹھے زہر پی لیا۔ جب اُسے سسرال کے مکان پر ڈولی سے نکالا گیا تو وہ نیم مردہ حالت میں تھی اور چند گھنٹے بعد مر گئی۔ (تیج)

——— پچھلی جنگ عظیم میں براہ راست پانچ کھرب اٹھاون ارب روپیہ لڑائی پر صرف ہوا۔ لڑائی کی وجہ سے چار کھرب ترپن ارب روپیہ مزید صرف ہوا۔ اور اسّی لاکھ سپاہی میدان جنگ میں گولیوں یا بیماریوں سے مرے۔ چھ کروڑ سپاہیوں نے جنگ میں حصہ لیا۔ کل تین کروڑ تیس لاکھ آدمی زخمی اور ہلاک ہوئے جن میں سب سے زیادہ یعنی نوّے لاکھ روس کے۔ ساٹھ لاکھ جرمنی کے، ۵۴ لاکھ فرانس کے اور تیس لاکھ سلطنت برطانیہ کے تھے۔ اور ایک کروڑ ساٹھ لاکھ آدمی مستقل طور پر اپاہج ہو گئے۔ (تیج ۹ اگست ۴۰ء)

——— لکھنؤ ۵ اگست لکھنؤ میں شیعہ سنی فساد کے بعد جو تعزیری ٹیکس لگایا گیا تھا اس کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ اب تک ۷ لاکھ تعزیری ٹیکس وصول کیا جا سکا ہے۔ ضلع حکام کا خیال ہے کہ باقی ٹیکس کی وصولی یاددہانی کرانے کیلئے کافی ہے اور اگر حالت خراب ہو گئی تو ٹیکس پھر لگا دیا جائیگا۔ (تیج ۹ اگست ۴۰ء)

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب پرنٹر و پبلشر نے جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر رسالہ محدث دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع کیا۔

اکتوبر ۴۰

یادگار فدائے علم و دین جناب شیخ عطاء الرحمٰن صاحب مرحوم و مغفور

دہلی

رسالہ

محدث دہلی

ملکیت

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم دار الحدیث رحمانیہ دہلی

فہرست مضامین

مقاصد

(۱) کتاب وسنت کی اشاعت۔

(۲) مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح۔

(۳) دارالحدیث رحمانیہ کے کوائف کی ترجمانی۔

ضوابط

(۱) یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) یہ رسالہ ان لوگوں کو سال بھر مفت بھیجا جائے گا جو ۴/ بذریعہ منی آرڈر ٹکٹ کیلئے دفتر میں بھیجدینگے۔ رسالہ وی پی نہیں بھیجا جائیگا۔

(۳) اس رسالہ میں دینی، علمی، اصلاحی، اخلاقی، تاریخی تمدنی مضامین بشرط پسند شائع ہونگے۔

(۴) ناپسندیدہ مضامین محصولڈاک آنے پر واپس کئے جائیں گے اور شائع شدہ مضامین واپس نہیں ہونگے۔

(۵) جوابی امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے ضروری ہیں (۶) فتویٰ پوچھنے والے سوال کیساتھ جواب کیلئے ٹکٹ ضرور بھیجیں۔

پتہ

منیجر رسالہ محدث دارالحدیث رحمانیہ دھلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دہلی
محدث

نگران اصول
مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

جلد ۸	ماہ اکتوبر ۱۹۴۰ء مطابق شعبان المعظم ۱۳۵۹ھ ہجری	نمبر ۶

ماہِ رمضان کی آمد
مسلمانوں کے لئے خوشخبری

(از مدیر)

اللہ، اس کی کتاب، اس کے رسول، روز قیامت حساب وکتاب، جزا وسزا، عذاب وثواب، جنت ودوزخ وغیرہ پر ایمان واعتقاد رکھنے والوں کو اللہ، اس کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے فرشتوں کی طرف سے اس بشارت اور خوشخبری کی منادی ہو رہی ہے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّکُمْ شَهْرٌ عَظِیْمٌ شَهْرٌ مُّبَارَكٌ اے نیکیوں سے غفلت برتنے والو! اور برائیوں سے الفت رکھنے والو! اے رحمت باری کے طلبگارو! اور عذابِ خدا سے ڈرنے والو! سن لو کہ اب عنقریب وہ دن آرہے ہیں جن میں رحمتِ الٰہی کی بدلیاں جھوم جھوم کر برستی ہیں۔ جن میں مغفرت ربانی کے دریا اُمنڈ اُمنڈ کر آتے ہیں اور تمہارے گناہوں کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لیجاتے ہیں۔ جن میں رب کریم اپنی نعمتوں کے خزانے کھولدیتا ہے۔ جن میں سرکش شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔ جن میں جہنم کے دروازے بند اور رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ یہ بابرکت باعظمت دن وہی ہیں جن کو ماہ رمضان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہی وہ مبارک مہینہ ہے جس کے استقبال کیلئے جنت ایک سال پہلے سے سجائی اور سنواری جاتی ہے۔ طرح طرح کے بیل بوٹوں، رنگہا رنگ کے پھول اور گلدستوں، قسمہا قسم کے عطر اور خوشبوؤں اور نہ جانے

کن کن نعمتوں اور برکتوں سے آراستہ و پیراستہ کیا جاتا ہے۔ یہی وہ باعظمت مہینہ ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَحْصُوْا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ لوگو! رمضان کی حفاظت کیلئے شعبان ؏ کے مہینہ کو شمار کرتے رہو، تاکہ رمضان کے ایام میں کمی زیادتی نہ ہوجائے۔ یہی وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں ہر روز اللہ کی طرف سے ایک منادی کرنیوالا پکار پکار کر کہتا ہے یَا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ اے نیکی وبھلائی کے ذریعہ اجر وثواب طلب کرنیوالے خوش قسمت انسان، آگے بڑھ! کہ دریائے رحمت جوش میں ہے اپنے دامن مراد کی جھولیاں جہاں تک بھر سکتا ہے بھر لے، کیا معلوم پھر آئندہ یہ موقع ہاتھ آئے یا نہ آئے۔ جتنی نمازیں پڑھ سکتا ہے پڑھ لے، قرآن مجید کی جتنی زیادہ تلاوت کر سکتا ہے کرلے، خیرات وصدقات کے ذریعہ یتیموں اور بیواؤں، ننگوں اور بھوکوں، بےکسوں اور بےبسوں کی جو جو خدمتیں تیرے بس میں ہوں ان میں کمی نہ کر کہ تیرے مال میں ان کا بھی حق ہے وَیَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ اور اے شر و فساد، برائی وبدکاری، بدعملی وبدکرداری، گنہ گاری ونافرمانی سے دلچسپی رکھنے والے بدقسمت انسان! تو بھی اپنی برائیوں سے باز آ، کہ یہ انعامات الٰہیہ کے بٹنے کا زمانہ ہے، اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو کر جھکے دربار میں آ۔ اور ان کی بخشش چاہ کہ یہ مولا کی طرف سے مغفرت و بخشش ہی کا مہینہ ہے۔ کسی غریب کا دل دکھایا ہو، کسی کے مال پر ناحق قبضہ کرلیا ہو، کسی کی آبرو پر حملہ کیا ہو، کسی پر بیجا ظلم کیا ہو، کسی کا حق ناحق دبا بیٹھا ہو تو جا، ایک ایک سے معافی لے، اور پھر خلوص اور سچائی نیک نیتی اور ایمانداری کے ساتھ اس مہینے کے روزے پورے رکھ لو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کے مستحق بن جاؤ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (بخاری ومسلم) جس نے رمضان کے روزے ایمان کے ساتھ اجر وثواب کی نیت سے (محض دکھانے اور شرما شرمی سے نہیں) رکھ لئے اس کے سارے اگلے گناہ بخشدیئے جائینگے ❖

خطبۂ نبویہ مسلمانو! یقین جانو کہ اس آنے والے مہینے سے بہتر کوئی دن تمہیں دونوں جہان کی بھلائیاں جمع کرنے کا نہیں مل سکتا۔ اس مہینے کی عظمت واہمیت کا اندازہ اس سے کرو کہ ابھی یہ مہینہ شروع بھی نہیں ہوا تھا، بلکہ شعبان کی آخری تاریخیں تھیں اور ماہِ رمضان کی آمد آمد کا غلغلہ بلند ہو رہا تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع عام میں اس کے فضائل پر ایک مبسوط تقریر فرمائی اور جامع الفاظ میں اس کی فضیلتوں اور خوبیوں کو امت کے سامنے واضح فرمایا۔ اس خطبہ کا ایک ایک لفظ اس مہینے کی عظمت وفضیلت میں ڈوبا ہوا ہے چنانچہ ارشاد ہے یَا اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّکُمْ شَهْرٌ عَظِیْمٌ شَهْرٌ مُّبَارَكٌ شَهْرٌ فِیْهِ لَیْلَةٌ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ جَعَلَ اللّٰهُ صِیَامَهٗ فَرِیْضَةً وَّقِیَامَ لَیْلِهٖ تَطَوُّعًا مَنْ تَقَرَّبَ فِیْهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَیْرِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَةً فِیْمَا سِوَاهُ وَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَةً فِیْهِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی سَبْعِیْنَ فَرِیْضَةً فِیْمَا سِوَاهُ۔ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَشَهْرٌ یُّزَادُ فِیْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ مَنْ فَطَّرَ فِیْهِ صَائِمًا کَانَ لَهٗ مَغْفِرَةً لِّذُنُوْبِهٖ وَعِتْقَ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ وَکَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ

؏ عام طور پر جس مہینے کو "شبرات" کا مہینہ کہا جاتا ہے اسی کو عربی میں شعبان کا مہینہ کہتے ہیں۔

يَنْتَقِصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْءٌ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ كُلُّنَا نَجِدُ مَا نُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ تَمْرَةٍ اَوْ شَرْبَةٍ مِّنْ مَّاءٍ وَمَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَّاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَّاٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْكِهٖ فِيْهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَاَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ (مشکوٰۃ ج ۱)

مطلب خیز ترجمہ :- لوگو! یہ خوشخبری سن لو، اور رحمت الٰہی کے خزانوں سے مالا مال ہونے کیلئے تیار ہو جاؤ، کہ تم کو ایک نہایت عظمتوں اور بڑی برکتوں والے مہینے نے اپنے سایے میں لے لیا ہے۔ لوگو! یہ رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جسمیں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی رات بنائی ہے کہ اس ایک رات کی عبادت اللہ کے نزدیک ایک ہزار مہینے کی عبادت سے بھی بڑھ چڑھکر ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں دن کو روزہ رکھنا فرض اور رات میں نمازیں (تراویح) پڑھنا سنت ہے۔ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ نفلی عبادتوں پر بھی وہ ثواب عنایت فرماتا ہے جو دوسرے مہینوں میں فرض ادا کرنے پر ملتا ہے۔ اور اس مہینے میں کسی ایک فرض کا ادا کرنا دوسرے مہینوں کے ستر فرضوں کے ادا کرنے کے برابر ہے۔ یہ مہینہ اپنے نفس کی ناجائز خواہشوں کو روکنے، اور رب کی عبادتیں کرنے کا ہے۔ جو شخص ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جنت کا مستحق ہے۔ یہ مہینہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور غمخواری نرمی اور مروت، محبت اور رواداری سے پیش آنیکا ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں باری تعالیٰ اپنے مومن بندے کی روزی بڑھا دیتا ہے۔ اس مبارک مہینے میں جو شخص کسی روزے دار کو پیٹ بھر روٹی نہ کھلائے، بلکہ صرف روزہ افطار ہی کرا دے تو رب رحیم وکریم اس کے معاوضے میں اس کے سارے گناہ بخشکر اس کو جہنم سے آزاد کرے گا۔ اور روزہ رکھنے والے کے ثواب میں کسی قسم کی کمی کئے بغیر اس افطار کرانے والے کو بھی وہی ثواب دیگا، جو روزہ رکھنے والے کو ملے گا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! روزہ افطار کرانے کی تو آپ نے بہت بڑی فضیلت بیان فرمائی، لیکن ہم میں تو بہت سے ایسے بیچارے غریب ہیں کہ جن کے پاس اتنا ہے ہی نہیں کہ وہ کسی کا روزہ افطار کرا سکیں تو پھر ہم غریب تو اس نعمت سے محروم ہی رہے یہ انعام تو مالداروں ہی کو نصیب ہوگا۔ اس کے جواب میں حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں نہیں! تم یہ نہ سمجھو کہ یہ ثواب بڑی بڑی لذیذ چیزوں اور عمدہ عمدہ کھانوں ہی پر ملے گا۔ نہیں، بلکہ یہ ثواب تو اللہ تعالیٰ اس غریب کو بھی دے گا جس کے پاس اتنا تھوڑا سا دودھ ہے کہ جو خود اس کیلئے بھی کافی نہیں ہے، لیکن وہ اسی میں پانی ملاکر اس کو بڑھا لیتا ہے۔ اور اسی پانی ملے ہوئے دودھ سے کسی کا روزہ افطار کرا دیتا ہے۔ یہ ثواب تو اس نادار کو بھی ملے گا جو صرف ایک کھجور ہی کھلا سکتا ہے۔ ہاں ہاں یہی نہیں! بلکہ خدائے کریم کا کرم تو اتنا عام اور اس کا فضل اتنا وسیع ہے کہ وہ اس محتاج و بےکس کو بھی اس انعام سے محروم نہیں کرے گا جو صرف ایک گھونٹ پانی ہی کسی روزے دار کو پلا دے۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ یہ ثواب اور فضیلتیں تو اس شخص کے لئے ہیں جو صرف افطار ہی کرا دے۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی روزے دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے تو پھر قیامت کے دن میدان محشر میں جب تمام عالم پریشان اور سراسیمہ ہوگا۔ گرمی اور تپش کی شدت سے بیتاب اور بے چین ہوکر، پانی کے لئے تڑپتا ہوگا

اس وقت اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض کوثر سے جس کا پانی شہد سے زیادہ شیریں اور لذیذ، دودھ سے زیادہ سفید اور خوشنما ہے پلائے گا۔ اس کے پی لینے کے بعد اس کی پیاس اور گرمی کی تمام کلفتیں دور ہوجائیں گی پھر اسے پیاس لگے ہی گی نہیں یہانتک کہ جنت میں داخل ہوجائے گا ــــــ لوگو! یہ وہ مہینہ ہے کہ جس کے شروع میں اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور اس کے درمیان میں گناہوں کی بخشش ہوتی ہے اور پھر اخیر میں لوگوں کو دوزخ کے عذاب سے نجات دی جاتی ہے۔ پس تم بھی اللہ کے دربار میں توبہ کرو، روؤ، گڑگڑاؤ، شاید اللہ تمہیں بھی اپنے ان بندوں میں شمار کرے جن پر اس کی رحمتیں نازل ہوں گی۔ جن کے گناہوں کو وہ بخشیگا، جنھیں وہ جہنم کے عذاب سے نجات دیگا ــــــ اے وہ لوگ! جن کی ماتحتی میں غلام اور خدام ہوں ان کو چاہئے کہ اس مہینے میں اپنے غلاموں اور ماتحتوں سے کام کم لیں۔ ان کو بھی ذرا آرام کرنیکا موقع دیں اللہ ان کی اس مہربانی کے بدلے میں ان کی مغفرت فرمائیگا۔ اور ان کو عذاب نار سے رہائی بخشیگا۔

مسائل | مسلمانو! یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبۂ استقبالیہ میں یا اس کے علاوہ اور جن جن حدیثوں میں ماہ رمضان کی فضیلتوں اور برکتوں کا ذکر آیا ہے، یہ تمام برکتیں اور رحمتیں صرف ان سعادتمندوں اور اللہ کے نیک بندوں ہی کو حاصل ہوں گی جو بغیر شرعی عذر کے اس مہینے میں روزہ نہیں چھوڑتے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق اپنے روزوں کو صحیح صحیح طور پر ادا کرتے رہتے ہیں۔ پس مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر طور پر آپ کے سامنے روزے کے کچھ مسائل بھی بیان کردیئے جائیں تاکہ آپ ان کا لحاظ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس فرض کو ادا کریں۔

اب ہم ان باتوں کو ترتیب وار آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں، جن پر ہر عاقل بالغ مرد و عورت کو (جو کسی شرعی عذر کے ساتھ معذور نہ ہو) عمل کرنا چاہیئے۔

۲۹ یا ۳۰ شعبان کا روزہ | اگر شعبان کی انتیس تاریخ کو رمضان مبارک کا چاند نظر آجائے تو اسی کی صبح سے روزہ شروع کردیا جائے۔ اور اگر بدلی یا گرد و غبار کی وجہ سے آسمان صاف نہ ہو اور چاند نظر نہ آئے تو پھر ابھی روزہ شروع نہ کیا جائے شعبان کے تیس دن پورے کرکے روزہ شروع کرے۔ بعض لوگ شعبان کی انتیس یا تیس تاریخ سے ہی روزہ رکھنا شروع کردیتے ہیں اور اپنے خیال میں اس کو احتیاط سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شاید کہیں چاند ہوگیا ہو تو ہمارا ایک روزہ کم ہوجائیگا۔ حالانکہ یہ ان کی صریح جہالت اور نادانی ہے۔ حدیث شریف میں ایسے روزوں کی صاف صاف ممانعت آئی ہے چنانچہ ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَقَدَّمُوْا شَھْرَ رَمَضَانَ بِصِیَامٍ قَبْلَہٗ بِیَوْمٍ اَوْ یَوْمَیْنِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ رَجُلٌ کَانَ یَصُوْمُ صَوْمًا فَلْیَصُمْہُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کے مہینے سے ایک دو روز پہلے روزے نہ رکھو۔ ہاں اگر کوئی شخص ہر مہینے کے اخیر میں کچھ روزے رکھنے کا عادی ہے تو وہ اپنی عادت کے مطابق اس مہینے میں بھی رکھ لے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ۲۹ یا ۳۰ شعبان کو روزہ نہ رکھا جائے۔ (مگر جو عادی ہو)۔

تراویح | جب یقین ہوجائے کہ اب کل سے روزہ شروع ہوجائیگا تو اسی رات سے عشا کی نماز کے بعد سے تراویح شروع

کردی جائے۔ تراویح کی نماز کی ترکیب اور تعداد وہی ہے جو تہجد کی نماز کی ہے کیونکہ یہ دونوں نمازیں ایک ہی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں مَا کَانَ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِہٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشَرَ رَکْعَۃً (بخاری ومسلم) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہے رمضان ہو یا غیر رمضان ہمیشہ (مغرب وعشاء کے علاوہ) رات کی نماز (مع وتر کے) گیارہ ہی رکعت پڑھا کرتے تھے (ہاں اخیر عمر میں کچھ کم کردی تھیں، اور کبھی کبھی تیرہ بھی پڑھی ہیں) اس کے علاوہ ایک صاف اور صریح حدیث خاص تراویح کے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ ثَمَانَ رَکْعَاتٍ فَاَوْتَرَ الحدیث (رواہ الطبرانی فی الصغیر ومحمد بن نصر المروزی فی قیام اللیل وابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحیہما) یعنی حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو رمضان کے مہینے میں آٹھ رکعتیں پڑھائیں پھر اس کے بعد (تین رکعت) وتر پڑھا۔

ان دونوں روایتوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ تراویح کی نماز آٹھ اور مع وتر گیارہ رکعت ہی سنت ہے۔ اس کے خلاف جو لوگ بیس رکعتیں پڑھتے اور اسی کو سنت بتاتے ہیں وہ غلط ہے۔ خود حنفیوں کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو تراویح کی نماز آٹھ ہی رکعت (بغیر وتر) کے ثابت ہے، بیس رکعت کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے۔ چنانچہ حنفیوں کے بہت بڑے عالم مولانا انور شاہ صاحب فرماتے ہیں ولا مناص من تسلیم ان تراویحہ علیہ السلام کانت ثمانیۃ رکعات (العرف الشذی ص۳۲۹) یعنی اس کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ رسول علیہ السلام کی تراویح کی نماز آٹھ ہی رکعت تھی۔ اس سے آگے چلکر ص۳۳۰ پر ہے۔ واما النبی صلے اللہ علیہ وسلم فصح عنہ ثمان رکعات واما عشرون رکعۃ فھو عنہ علیہ السلام بسند ضعیف وعلی ضعفہ اتفاق۔ (العرف الشذی) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو صحیح طور پر صرف آٹھ ہی رکعت ثابت ہے۔ بیس رکعت والی روایت بالاتفاق ضعیف ہے" پس دوستو! انصاف کرو، کیا یہ ظلم نہیں کہ جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہو۔ اسکو چھوڑ کر اس پر عمل کیا جائے جسکو خود بھی ضعیف مانتے ہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت پڑھنے کا حکم دیا ہے اسی لئے ہم بیس پڑھتے ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح طور پر اس کا ثبوت نہیں، خود حنفیوں کی معتبر کتاب "آثار السنن" میں ہے:۔ رجالہ ثقات لکن یحیی بن سعید الانصاری لم یدرک عمرؓ۔ یعنی اس کے راوی تو ثقہ ہیں لیکن یحیٰی بن سعید الانصاری جو حضرت عمرؓ سے اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں انھوں نے حضرت عمرؓ کا زمانہ ہی نہیں پایا۔ پس لامحالہ کسی دوسرے سے سنکر بیان کررہے ہیں۔ اس کا پتہ نہیں کہ وہ کون ہے۔ ایسی روایت قابل عمل کیسے ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عمرؓ کے متعلق بعض روایتیں اور بھی پیش کی جاتی ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی ثابت نہیں ہے۔ بلکہ اس کے خلاف موطا امام مالکؒ وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر یہ ثابت ہے کہ آپ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو

تراویح کی نماز گیارہ رکعت (مع وتر) پڑھا کریں۔

اور اگر بالفرض یہ صحیح بھی مان لیا جائے کہ حضرت عمرؓ نے بیس رکعت پڑھنے کا حکم دیا، یا ان کے زمانے میں پڑھی گئی تو میں کہتا ہوں کہ جب خود حنفیوں کے بڑے بڑے علما یہ تسلیم کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تو صحیح طور پر آٹھ ہی رکعت (بغیر وتر) ثابت ہے تو پھر حضرت عمرؓ یا کسی دوسرے صحابی کا قول و فعل رسول اللہ کے مقابلے میں کیسے حجت ہو سکتا ہے۔ اور پھر ستم یہ کہ آٹھ رکعت کو خلاف سنت کہیں، اور بیس رکعت ہی کو سنت مانیں ع بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است۔ دوستو! یہ تقلید کی کرشمہ سازیاں ہیں ؎

جنوں کا نام خرد رکھ دیا، خرد کا جنوں ✣ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اب آپ پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ سنت کے مطابق تو تراویح کی نماز صرف آٹھ ہی رکعت ہے اور تین رکعت وتر ملا کر کل گیارہ رکعت۔ لیکن اگر کوئی شخص نفل کے طور پر زیادہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے اس کیلئے کوئی بیس ہی کی تخصیص نہیں ہے، ۲۰، ۲۲، ۲۴، ۲۸، ۳۴، ۳۶، ۳۹، ۴۱ جتنی رکعتیں چاہے پڑھے۔ ان سب کا ثبوت صحابہؓ کے عمل سے ملتا ہے۔ علامہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری میں ان سب آثار کو بالتفصیل ذکر کیا ہے۔

بعض جگہ یہ رواج ہے کہ جب تراویح کی نماز میں ایک مرتبہ پورا قرآن حافظ سنا کر ختم کر لیتا ہے تو پھر تراویح بند کر دیتے ہیں چاہے ابھی رمضان ختم ہونے میں کئی دن باقی ہوں لیکن یہ رواج بالکل غلط ہے۔ جب تک رمضان ختم نہ ہو تراویح برابر پڑھنی چاہیے۔ اگر قرآن ختم ہو جائے تو پھر دوبارہ شروع کر دینا چاہیے۔ قرآن ختم ہو جانے سے تراویح نہیں ختم ہو گی، بلکہ رمضان ختم ہونے سے تراویح ختم ہو گی اس لئے جب تک عید کا چاند نہ دیکھا جائے، یا تیس روزے پورے نہ ہو جائیں تراویح برابر جاری رہنی چاہیے ✣

سحری | جب تراویح پڑھکر سو جائے تو پھر اخیر رات میں صبح صادق ہونے سے پہلے اٹھ بیٹھے، اور جو کچھ گھر میں میسر ہو اس وقت کھا پی لے۔ اسی کو "سحری" کہتے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِی السَّحُوْرِ بَرَکَۃً (ترمذی) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو حکم دیکر فرمایا لوگو! سحری کھایا کرو، اس میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ مسلمانوں اور اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے روزے میں یہ فرق ہے کہ مسلمان سحری کھاتے ہیں اور وہ نہیں کھاتے اسلئے ہمیں سحری کے وقت کچھ نہ کچھ ضرور کھا لینا چاہیے۔ لیکن اتنا نہیں کہ صبح کو منہ سے بدبودار ڈکاریں آئیں اور بدہضمی کی شکایت ہو جائے۔ اگر کسی دن آنکھ نہ کھلی، یا کسی اور وجہ سے سحری نہ کھائی تو اس سے روزے میں کچھ خرابی نہیں ہو گی۔

روزے کی حالت | صبح کو سویرے اٹھکر فجر کی نماز ادا کرنا چاہیے، اس کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرنی چاہیے پھر اپنے کاروبار میں مشغول ہو کر اپنا کام کرے، جب نماز کا وقت آجائے تو وقت پر برابر نماز پڑھ لیا کرے، غیبت، چغلی،

جھوٹ، دغابازی، مکروفریب، جھگڑا لڑائی، گالی گلوج وغیرہ سے قطعاً پرہیز کرے۔ اس دن کو تاش، چوسر، شطرنج، سینما بائیسکوپ وغیرہ بیہودہ چیزوں میں نہیں گنوانا چاہیئے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نیک کاموں میں صرف کرنا چاہیئے، یہ دن گناہوں سے باز رہنے اور نیکیاں کمانے کے ہیں، ان کو غفلت اور معصیت میں گذارنا بڑی بدنصیبی کی بات ہے۔

افطاری شام کو جب افطاری کا وقت آئے تو وقت کا اچھی طرح خیال رکھنا چاہیئے۔ پورب کی طرف سے جب آسمان میں سیاہی نمودار ہوجائے اور پچھم میں آفتاب غروب ہوجانے کا یقین ہوجائے تو روزہ فوراً افطار کردینا چاہیئے وقت ہوجانے پر دیر نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ وقت دعا کے قبول ہونے کا بھی ہے۔ روزہ اگر کھجور سے افطار کرے تو بہتر ہے ورنہ چند گھونٹ پانی پی کر افطار کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ العُرُوقُ وَثَبَتَ الأَجْرُ إِنْشَاءَ اللهُ پیاس بجھ گئی رگیں تر ہوگئیں اور اجر و ثواب بھی انشاء اللہ ثابت ہوگا یا یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ اے اللہ میں نے تیری ہی رضامندی کے لئے روزہ رکھا تھا اور تیری ہی دی ہوئی روزی پر افطار کیا۔

شب قدر اس مہینے کی وہ رات جس میں عبادت کرنا ایک ہزار مہینے کی عبادت سے بھی بڑھکر ہے جسکا نام شب قدر ہے وہ اسکے آخری دس دنوں میں ہوتی ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ أَخْبَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ قَالَ هِيَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ لَيْلَةَ إِحْدَى وَعِشْرِيْنَ أَوْ ثَلَاثٍ وَعِشْرِيْنَ أَوْ خَمْسٍ وَعِشْرِيْنَ أَوْ سَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ أَوْ تِسْعٍ وَعِشْرِيْنَ أَوْ آخِرِ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ مَنْ قَامَهَا احْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَأَخَّرَ (ترغیب وترہیب) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو شب قدر کے متعلق خبر دی، اور فرمایا کہ وہ رات رمضان کے آخری دس دنوں میں (کسی طاق رات میں ہوگی) یعنی یا تو اکیسویں تاریخ کی رات ہوگی یا ۲۳ ویں یا ۲۵ ویں یا ۲۷ ویں یا ۲۹ ویں کی یا رمضان کی بالکل آخری رات جو شخص اس رات میں اجر و ثواب کی نیت سے نمازیں پڑھیگا اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے سب گناہ بخشدیگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شب قدر خاص ستائیسویں ہی تاریخ کو نہیں ہوتی بلکہ ان تاریخوں میں سے بلاتعیین کسی ایک تاریخ میں ہوگی۔ یہ جو مشہور ہے کہ ستائیسویں تاریخ کو ضرور شب قدر ہوتی ہے یا یہ "بڑی شب قدر" ہے۔ اور دوسری تاریخوں میں "چھوٹی" تو یہ بات بالکل غلط ہے۔ شب قدر تو صرف ایک رات ہے، اس میں چھوٹی بڑی کا عقیدہ محض جہالت ہے اور ستائیسویں تاریخ کو خاص سمجھنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اگر اس رات کی برکتوں سے فائدہ اٹھانا ہو تو چاہیئے کہ اکیسویں تاریخ سے لیکر اخیر مہینے تک ہر طاق رات میں (یعنی ایک دن کا ناغہ کرکے) برابر عبادت کی جائے۔ یہ رات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی ہی افضل اور مرتبہ والی ہے۔ قرآن مجید میں تیسویں پارے کی "سورۃ القدر" اسی رات کی فضیلت کے بیان میں اتری ہے۔ جو لوگ ماہ شعبان کی "شب براۃ" کی عبادت کا شوق رکھتے ہیں یا فقیروں، مسکینوں میں کھانا تقسیم کرکے اپنے مُردوں کی روحوں کو ثواب پہنچانا چاہتے ہیں، ان کو چاہیئے کہ وہ سب

کچھ اس شب قدر میں کریں، اس رات میں روح امین حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کی ایک جماعت میں زمین پر اترتے ہیں، اور ہر اس شخص (مرد ہو یا عورت) کے پاس آکر سلام ...... اور مصافحہ کرتے ہیں جو اللہ کی یاد میں مصروف ہو، چاہے نمازیں پڑھ رہا ہو، یا کھڑا ہو، یا بیٹھا ہو جو لوگ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہوتے ہیں، ان کی دعاؤں پر یہ فرشتے آمین کہتے ہیں (ترغیب و ترہیب) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! اگر مجھے یہ رات ملجائے تو میں کیا دعا پڑھوں، تو حضورؐ نے ان کو یہ دعا سکھائی اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ - الٰہی! (میں گنہگار ہوں) تو بڑا معاف کرنیوالا، اور معافی کو پسند کرنیوالا ہے اسلئے (میری التجا ہے کہ) مجھے (بھی) معاف کردے ۔" حدیث شریف میں ہے مَنْ حُرِمَھَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَیْرَ کُلَّہٗ + (ابن ماجہ) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اس رات کی عبادت سے محروم رہا، یہ سمجھ لو کہ گویا وہ ہر قسم کی نیکیوں اور بھلائیوں سے محروم رہا۔"

پس مسلم بھائیو! اس رات کو حاصل کرنے کی کوشش کرو، اور چار پانچ روز رات کو محنت کرکے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرلو، اور اپنی ہر قسم کی حاجت اور مصیبت کو اس مالک کے سامنے پیش کرکے دونوں جہان کی بھلائیاں حاصل کرلو۔ نہ معلوم کس وقت موت کا پیغام آجائے۔ اور ہمیں یہ سارا ساز و سامان چھوڑ کر الوداع کہنا پڑے۔ قبر کی تنہائی اور وحشت میں ہماری یہی عبادتیں کام آئیں گی۔ خدا کے یہاں سفارش کرینگی اور ہماری نجات کا باعث بنیں گی، ماں باپ بیٹا بیٹی، بھائی بہن، میاں بیوی، رشتہ کنبہ یہ سب دنیا کے جھمیلے ہیں، آخرت میں اپنے عمل کے سوا کوئی چیز سہارا نہ دے گی اِلَّا مَاشَاءَ اللہ +

اعتکاف مسجد میں عبادت اور ثواب کی نیت سے بیٹھ جانا ہی اعتکاف ہے۔ رمضان شریف کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کرنا سنت موکدہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس کو ترک نہیں کیا جو شخص اس سنت پر عمل کرنا چاہے اسکو چاہئے کہ مسجد کے کسی کونے میں کپڑے وغیرہ سے گھیر کر ایک حجرہ کی شکل میں بنالے، اور پھر رمضان شریف کی بیسویں ہی تاریخ کو عصر کی نماز کے بعد آفتاب ڈوبنے سے پہلے پہلے اعتکاف کی نیت سے مسجد میں داخل ہوجائے۔ اور رات اس حجرے سے (جو اعتکاف کیلئے بنایا ہے) باہر ہی مسجد میں گذارے جب فجر کی نماز سے فارغ ہوجائے تو پھر اپنے حجرے میں داخل ہوجائے۔ اور تسبیح و تہلیل تلاوت قرآن مجید وغیرہ میں مشغول رہے اعتکاف کرنے والا پیشاب، پاخانے، اور اگر احتلام ہوجائے تو غسل کرنے کیلئے مسجد سے باہر جاسکتا ہے اور اگر اعتکاف کسی ایسی مسجد میں کیا ہے جہاں جمعہ نہیں ہوتا تو جمعہ پڑھنے کیلئے جامع مسجد میں چلا جائے لیکن نماز جمعہ پڑھکر پھر اپنی جگہ پر واپس آجائے۔ مسجد سے باہر نہ کسی جنازے میں شریک ہو، اور نہ کسی مریض کے گھر اس کی عیادت کیلئے جائے۔ ہاں اگر پیشاب پاخانے کیلئے جاتے ہوئے راستے میں کوئی بیمار آدمی ملجائے تو اس سے اسکی خیریت پوچھ سکتا ہے +

صدقہ فطر اگر رمضان مبارک کی ۲۹ تاریخ کو چاند نظر نہ آئے تو تیس روزے پورے کرنے چاہئیں۔ اسکے بعد شوال کا مہینہ شروع ہوگا۔ شوال کی پہلی تاریخ مسلمانوں کی عید کا دن ہے۔ یہ دن مسلمانوں میں بڑی خوشی اور مسرت کا ہے۔ ان کا بچہ بچہ خوشی میں سرشار ہوتا ہے۔ لیکن کچھ ہمارے ہی بھائی ایسے بھی ہوتے ہیں جو عید کا چاند دیکھتے ہی اداس پڑجاتے ہیں ان کا چہرہ رنج وغم سے ملول اور پژمردہ نظر آنے لگتا ہے۔ یہ وہ غریب اور مسکین لوگ ہوتے ہیں جن کے پاس نہ کھانے کیلئے غلہ ہوتا ہے اور نہ پہننے کے لئے کپڑا۔ یہ کیسی بے انصافی اور بے مروتی کی بات ہوگی کہ ہم اور ہمارے بچے تو عید کی خوشیاں منائیں۔ لیکن ہمارے ہی عزیز واقربا یا محلے اور پڑوس کے دوسرے بھائیوں کے بچے اس دن بھی فقر وفاقہ ہی میں رہیں۔ اسی لئے ہمارے رحم دل پیغمبر نے اللہ ان پر درود سلام بھیجے، ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم میں سے جس کو طاقت ہو، ہر چھوٹے بڑے، مرد عورت، لڑکا لڑکی، بوڑھے جوان کی طرف سے آج کے دن غریبوں اور محتاجوں پر صدقہ کرے اسی کو صدقۂ فطر کہتے ہیں۔ اس صدقے کی وجہ سے جہاں ہمارے غریب بھائیوں کو عید منانے کا موقع ملجائے گا۔ وہاں اللہ تعالیٰ ہماری ان خطاؤں کو بھی معاف فرمائیگا جو روزے کی حالت میں ہم سے ہوگئی ہیں۔

یہ صدقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، اور آپ کے بعد صحابہؓ وتابعینؒ کے عہد میں بھی ناپ کر دیا جاتا تھا۔ اور جس برتن سے ناپتے تھے اس کو "صاع" کہتے تھے۔ صاع سے ایک چھوٹا پیمانہ اور ہوتا ہے اس کو مُد کہتے ہیں۔ چار مُد کا ایک صاع ہوتا ہے۔ پس صاع سے ایک صاع، اور مُد سے چار مد ہر شخص کی طرف سے وہ غلہ دیا جائے۔ جو اپنے گاؤں یا شہر کی عام غذا ہو۔ مثلاً جو، گیہوں، چاول، کھجور۔ گیہوں بھی پورا ہی دینا چاہئے۔ لیکن اگر کوئی کم استطاعت شخص دو مُد یعنی آدھا صاع بھی دیدے تو جائز ہے۔ مختلف غلوں کا وزن مختلف ہوتا ہے اس لئے وزن کی تعیین ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔ مُد یا صاع سے ناپ کر ہی دینا اولیٰ واحوط ہے یہ صدقہ نماز سے پہلے ہی تقسیم کر دیا جائے۔ اگر نماز کے بعد ادا کیا جائے گا تو یہ صدقۂ فطر نہیں ہوگا بلکہ عام صدقات کی طرح ایک صدقہ ہوگا۔

نماز عید کیلئے نکلنا صبح سویرے غسل سے فارغ ہو کر اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق اچھے کپڑے پہنے اگر میسر آئے تو خوشبو بھی لگائے، اور پانچ یا سات عدد کھجوریں یا کچھ اور کھا کر بلند آواز سے یہ کلمات پکارتے ہوئے عیدگاہ کی طرف جائے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۔ عیدگاہ پہنچکر تکبیر بند کر دے اور اگر وضو نہ ہو تو وضو کرلے۔ اور پھر تمام مسلمانوں کے ساتھ ملکر جماعت سے دو رکعت نماز ادا کرے۔ عیدگاہ میں کوئی نفل وغیرہ نہ پڑھے +

نماز عید کا طریقہ عید کی نماز بغیر اذان اور اقامت کے اس طرح ادا کی جائے کہ جب آفتاب دو نیزے

کی مقدار میں بلند ہو جائے تو صفیں سیدھی کر کے امام آگے بڑھ جائے اور بلند آواز سے اَللہُ اَکبَرُ کہکر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور پھر سینے پر باندھ لے۔ امام کے ساتھ مقتدی بھی آہستہ تکبیر کہکر اسی طرح نیت باندھ لیں۔ نیت باندھنے کے بعد سات مرتبہ پھر تکبیر (اللہ اکبر) امام زور سے اور مقتدی آہستہ سے کہیں۔ تکبیروں کے بعد دعاء ثنا۔ اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ یا سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ آہستہ سے پوری پڑھکر امام بلند آواز سے اور مقتدی آہستہ سے سورہ فاتحہ پڑھیں۔ جب امام سورہ فاتحہ ختم کرے تو امام اور مقتدی سب ملکر بلند آواز سے آمین کہیں۔ اس کے بعد مقتدی چپ چاپ کھڑے رہیں۔ اور امام سورہ اَعلیٰ یا سورہ قٓ پڑھے۔ جب قرأۃ ختم ہو جائے تو تکبیر پکارتے ہوئے رکوع میں جائے۔ رکوع اور سجدے کی کوئی خاص دعا یا ترکیب نہیں ہے۔ جیسے اور نمازوں میں ہے ویسے ہی اس میں بھی ہے جب سجدہ سے فارغ ہو کر ایک رکعت پوری کر لے تو تکبیر پکارتے ہوئے دوسری رکعت کیلئے کھڑا ہو جائے۔ کھڑے ہو کر قرأت شروع کرنے سے پہلے ہی پانچ مرتبہ امام پکار کر اور مقتدی آہستہ سے تکبیر کہیں۔ تکبیروں سے فارغ ہو کر بغیر دعاء ثنا پڑھے پہلی رکعت کی طرح سورۂ فاتحہ پڑھی جائے۔ پھر امام سورہ غاشیہ یا سورہ قمر پڑھے۔ قرأت سے فارغ ہو کر معمول کے مطابق رکوع سجدہ۔ قعدہ۔ تشہد وغیرہ کے ساتھ نماز پوری کر کے سلام پھیرے۔ اگر نماز میں اتنے آدمی ہوں کہ سب لوگ امام کی تکبیر نہیں سن سکیں گے تو مقتدیوں میں سے ہر صف میں ایک دو آدمی ایسے مقرر کر دیئے جائیں جو امام کی آواز سنکر بلند آواز سے تکبیریں کہیں اور رکوع سجدہ میں جاتے اور اٹھتے ہوئے بھی امام کی تکبیر لوگوں تک پہنچائیں ✢

نماز کے بعد نماز سے فارغ ہو کر مقتدی اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہیں اور امام کھڑا ہو کر لوگوں کو خطبہ سنائے خطبہ میں عید کے احکام و فضائل وغیرہ بیان کئے جائیں۔ اور وقت و زمانے کے لحاظ سے جو ضروری باتیں ہوں، مسلمانوں کو سمجھائی جائیں۔ پھر دعا کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو جائیں۔ جس راستہ سے عیدگاہ آئے تھے اب واپس جاتے ہوئے اس کو چھوڑ کر دوسرے راستہ سے جائیں۔ یہ دن کھانے پینے اور خوشی کا ہے۔ لیکن ناجائز کھیل تماشے میں مشغول ہو کر رمضان مبارک کی تمام نیکیوں کو برباد نہیں کرنا چاہیئے ✢

چھ عیدی روزے جس کو توفیق اور ہمت ہو وہ عید کے دوسرے دن سے یا دو چار روز بعد سے، پے درپے یا ناغہ دیکر اسی مہینے میں چھ روزے اور رکھ لے تو اس کو اللہ تعالیٰ ایک سال کے روزوں کا ثواب عنایت فرمائیگا۔ انہی روزوں کو "چھ عیدی" روزے کہا جاتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے احکام پر خلوص کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق بخشے اور ان کو قبول فرمائے۔

اللہم آمین

✢

اسلام کے اقتصادی قانون زکوٰۃ کی عقلی و شرعی حیثیت

(از جناب مولوی عبید الرحمٰن صاحب طالب رحمانی)

تمام ارباب دانش اور اہل بصیرت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اسلام کی تعلیم ایک ہمہ گیر تعلیم ہے اگر ایک طرف اسکی تعلیم کا تعلق بنی نوع انسان کی اخروی فلاح ونجاح کے ساتھ ہے تو دوسری طرف دنیوی خیر وبرکت اور ترقی وعروج کے متعلق بھی ہے یعنی اسلام جہاں اپنے ماننے والوں کی اخروی فلاح ونجات کا ذمہ دار ہے۔ ٹھیک اسی طرح ان کی دنیوی سود وبہبود ترقی وعروج کا بھی کفیل ہے اور اخروی زندگی کو کامیاب زندگی بنانیکی تعلیم دینے کے ساتھ ان کی بین الاقوامی تمدنی اقتصادی ترقی کی بھی رہنمائی کرتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ علم الاقتصاد اور تمدن کا یہ ایک نہایت اہم مسئلہ ہے کہ قوم کے افراد میں فقر و دولت احتیاج وغنا کے لحاظ سے کس طرح ایک تناسب وتوافق قائم کیا جائے۔ یوں تو حکیم سولون کے عہد سے لیکر کارلس مارکس اور لینن جیسے مدبرین یورپ نے اس مسئلہ کو حل کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور یورپ کی مختلف جماعتوں سوشلسٹوں نیشلسٹوں نھلسٹوں نے اس عقدہ کی گرہ کشائی کرنی چاہی لیکن کوئی جماعت بھی اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوئی اسلام نے جو دنیا میں اس لئے آیا ہے کہ اپنے پیروؤں اور اپنے ماننے والوں کو دنیا کی بہترین متمدن قوم بنادے اس اہم اور مشکل مسئلہ کو قانون فرضیت زکوٰۃ کی صورت میں بہتر طریقہ سے حل کردیا۔

فرضیت زکوٰۃ اس میں شک نہیں کہ اسلام اور بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم جیسا کہ قرآن کی بے شمار آیات واحادیث نبویہ اس کی شاہد ہیں۔ ہمیشہ سے مساکین وغربا کے ساتھ ہمدردی اور دستگیری کرنیکے متعلق تھی اور اسلام نے شروع ہی سے مسلمانوں کو غریبوں اور محتاجوں کے ساتھ مہربانی کرنے اور ان کی امداد واعانت پر خصوصیت سے توجہ دلائی تھی لیکن باایں ہمہ اس ہمدردی اور امداد واعانت کیلئے کوئی ایسا قاعدہ مقرر نہ تھا جس پر بطور آئین وضابطہ کے عمل درآمد کیا جاتا اسلئے اغنیا اور دولتمند جو کچھ کرتے تھے اپنی فیاضی اور دلی نیکدلی سے کرتے تھے۔ ہجرت کے دوسرے سال اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں پر زکوٰۃ کو فرض قرار دیکر علم الاقتصاد اور تمدن کے ایک اہم اور مشکل مسئلہ کو ہمیشہ کیلئے طے کردیا اور فرمادیا اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ یعنی کلمہ شہادت اور نماز کے بعد تمہارے ذمہ سب سے ضروری چیز ادائیگی زکوٰۃ ہے +

زکوٰۃ کا لغوی اور شرعی مفہوم زکوٰۃ کے اصلی اور لغوی معنی "پاکیزگی" "افزائش" "برکت" کے ہیں اصل الزکوٰۃ

الطھارۃ والنماء والبرکۃ اور شریعت کی اصطلاح میں مال کے اس خاص حصہ اور مقدار کو کہتے ہیں جو مال سے نکالکر اس کے مستحقین یعنی فقراء ومساکین وغیرہ کو دیا جائے۔

زکوٰۃ کی عقلی حیثیت اور اسکا فلسفہ یوں تو اسلام کے جتنے قوانین واحکام ہیں کوئی بھی اسرار وحکم اور مصالح ومنافع سے خالی نہیں ہر ایک کے اندر اخروی منافع وفوائد کے ساتھ دنیوی مصالح ومنافع بھی ضرور پائے جاتے ہیں یہ اور بات ہے کہ ہم اپنی کوتاہ نظری اور کم فہمی وکم عقلی سے انھیں دیکھ اور سمجھ نہ سکتے ہوں ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم + چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اسلئے قوانین اسلامی اور احکام شرعیہ میں سے قانون زکوٰۃ کے فوائد ومنافع اور اسرار وحکم بیان کرنیکی چنداں ضرورت نہیں تھی لیکن اس دور مادیت اور روشن خیالی میں جہاں اور قوانین اسلامی اور احکام شرعیہ کو خالی از حکمت اور بے فائدہ بتلایا جاتا ہے وہاں زکوٰۃ جیسے اہم اسلامی قانون کو بھی خالی از حکمت اور بے فائدہ وبیکار بتایا جاتا ہے اسلئے ہم چاہتے ہیں کہ ذیل کی سطور میں اسلام کے اس اقتصادی قانون پر عقلی حیثیت سے روشنی ڈالتے ہوئے اسکے اسرار وحکم اور دنیوی فوائد ومنافع مختصر طور پر بیان کردیں تاکہ وہ لوگ جو مغرب کی اندھی تقلید کرتے ہوئے زکوٰۃ کے متعلق یہ کہدیا کرتے ہیں کہ مال کی زکوٰۃ نکالنے سے کیا فائدہ کیا اللہ تعالیٰ محتاج ہے وغیرہ وغیرہ ان اسرار وحکم اور فوائد ومنافع کو دیکھکر اس اعتراض سے باز آجائیں +

(۱) یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ انسان فطرتاً مال ودولت کا حریص اور طماع واقع ہوا ہے اس کی رگ رگ میں مال کی محبت والفت اور دولت کی طمع سرایت کئے ہوئے ہے چنانچہ وہ اکثر مال کی محبت اور دولت کے حرص اور طمع میں آکر انسانی اخلاق فراموش کرجاتا ہے اور بخل وامساک جیسے برے اخلاق میں مبتلا ہوکر دنیا وآخرت دونوں جگہ ذلیل وخوار ہوتا ہے۔ اسلام نے جو دنیا میں اخلاق حسنہ کا داعی بنکر آیا ہے اور جس کا واحد مقصد یہ ہے کہ انسان کو برے اخلاق سے روکے اور اخلاق حسنہ کا خوگر بنائے زکوٰۃ فرض کردیا تاکہ انسان مال کی محبت اور دولت کی طمع میں آکر اخلاق حسنہ جود وسخا وغیرہ کھو نہ بیٹھے اور بخل وامساک کے عیوب سے پاک رہے۔ الغرض زکوٰۃ کی ادائیگی میں سب سے بڑی حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ انسان بخل وامساک اور کنجوسی جیسے قبیح اخلاق سے جو نہ صرف دنیا بلکہ آخرت میں بھی انسان کی ذلت ورسوائی کا باعث ہیں پاک رہتا ہے اور مال کی محبت انسانی اخلاق کو کبھی مغلوب نہیں کرسکتی۔

(۲) یہ ایک کھلی ہوئی چیز ہے کہ جب انسان کے پاس مال ودولت جمع ہوجاتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس میں تکبر وغرور استغنا وخودستائی جیسے برے اخلاق پیدا ہوجاتے ہیں لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی سے ایک مالدار ان تمام عیوب سے پاک رہتا ہے کیونکہ وہ اپنے مال میں غرباء ومساکین کے حقدار ہونیکی وجہ سے انھیں اپنی قوم کا جزو اور فرد خیال کرتا ہے اسلئے اگر اسکے پاس بیحد دولت جمع بھی ہوجائے تو اس میں تکبر وغرور پیدا نہیں ہوگا۔

(۳) انسان مدنی الطبع واقع ہوا ہے اس کی طبیعت اور فطرت میں مدنیت داخل ہے وہ بغیر اشتراک وتعاون اور میل جول کے اکیلا زندگی نہیں گذار سکتا انسانی زندگی کا راز در حقیقت اسی اشتراک وتعاون میں مضمر ہے آپ اقوام ماضیہ کی زندگی کا مطالعہ کر جائیے آپ پر یہ حقیقت واضح ہوجائے گی کہ جن قوموں میں اشتراک وتعاون رہا وہ قومیں زندہ رہیں اور انکا ستارۂ ترقی بلندی سے پستی کی طرف کبھی نہ آیا اور جن قوموں میں اشتراک وتعاون کی اسپرٹ اور روح تنظیم نہ رہی وہ بہت جلد اس دنیا سے حرف غلط کی طرح مٹ گئیں۔ الغرض انسانی زندگی کی بقا اور اس کے قیام کیلئے باہمی اشتراک و تعاون ضروری اور لابدی ہے۔ پس اگر غربا و مساکین کو جو زمانہ کے ہاتھوں غربت و مسکنت کا شکار ہو چکے ہیں اغنیا اپنے مال و دولت سے ان کے ساتھ تعاون نہ کرینگے تو وہ بھوکے مرجائینگے اور اس طرح شہر کا ایک بہت بڑا عنصر تباہ ہوجائے گا۔ خلاصہ یہ کہ زکوٰۃ میں ایک بہت بڑا تمدنی فائدہ یہ ہے کہ اس سے غربا و مساکین جن کی ہلاکت و تباہی سے قوم و بستی کی ہلاکت و تباہی ہے تباہی و بربادی سے بچ جاتے ہیں اور اغنیاء کے ساتھ ایک انس و محبت مواخاۃ و مواساۃ اور ان کی دولت و ثروت کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی پیدا ہوجاتی ہے کیونکہ وہ اغنیاء کے مالوں میں اپنا ایک حصہ موجود و قائم سمجھتے ہیں۔

(۴) اس میں شک نہیں کہ گداگری اور بھیک مانگنے کی رسم نہایت بری رسم ہے جو قوموں اور جماعتوں کی عزت و آبرو کے لئے ایک بدنما داغ ہے جس کا زائل کرنا غایت درجہ ضروری ہے لیکن آج تک کسی انسان نے کوئی ایسا لائحہ عمل نہیں تیار کیا جو اس رسم بد کا کلی طور پر استیصال کردے۔ اسلام جو ہر ایسی رسم کے مٹانے کیلئے آیا ہے جو قوموں اور جماعتوں کی عزت و آبرو کو داغدار بنانیوالی ہوں زکوٰۃ فرض کرکے قوم سے گداگری اور بھیک مانگنے کی رسم کا یکسر خاتمہ کردیا پس قوم کے حق میں زکوٰۃ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ گداگری اور بھیک مانگنے کی مذموم رسم قوم سے بالکل مفقود ہوجاتی ہے آج جبکہ بدقسمتی سے ہندوستان اقتصادی تباہی و پستی میں مبتلا ہے یہ رسم عام ہو چکی ہے۔ اگر ہندوستان کے اغنیاء اور ذی ثروت زکوٰۃ کی ادائیگی میں غفلت و سستی سے کام نہ لیں تو یہ رسم بغیر کسی جبری قانون کے ملک و قوم سے جاتی رہیگی۔

زکوٰۃ کی شرعی حیثیت اور اسکے فضائل

اوپر کی سطور میں ہم نے زکوٰۃ کی عقلی حیثیت اس کے اسرار و حکم و فوائد و منافع کو مختصر طور پر واضح اور نمایاں کردیا ہے جو ایک صاحب عقل سلیم اور منصف مزاج جویائے حق کیلئے کافی ہیں اب ہم چاہتے ہیں کہ زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کی شرعی حیثیت اور اس کے فضائل جو قرآن مجید اور صحیح احادیث سے ثابت ہیں مختصر طور پر ذکر کردیں۔ زکوٰۃ کی شرعی حیثیت کیا ہے اسلام کے قانون اساسی یعنی قرآن کریم نے اس مسئلہ کو کیا اہمیت دی ہے اس کا اندازہ ذیل کی آیات سے ہوگا۔

(۱) مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (پ۳ ع۳۶) جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات خوشے پیدا ہوئے ہر خوشے میں سو دانے اور اللہ برکت دیتا ہے

جسکو چاہتا ہے اور اللہ گنجائش والا واقف ہے۔

(۲) اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَاۤ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (پ ۳ ع ۳۶) جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کے پیچھے احسان نہیں جتاتے اور نہ ایذا دیتے ہیں ان کا ثواب ان کے پروردگار کے پاس ملیگا نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ آزردہ خاطر ہوں گے۔

(۳) اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (پ ۳ ۲۸۶) جو لوگ رات اور دن چھپے اور ظاہر اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کے دئیے کا ثواب ان کے پروردگار کے پاس انہیں ملیگا۔ نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ آزردہ خاطر ہونگے۔

زکوٰۃ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی اہمیت اور اس کی عظمت کا اندازہ آپنے مذکورہ بالا آیات سے لگا لیا ہوگا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کیا اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے اسکو ذیل کے آثار میں تلاش کیجئے۔

(۱) عن علقمۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من تمام اسلامکم ان تودوا زکاۃ اموالکم (بزار) یعنی تمہارے اسلام کی تکمیل اسی میں ہے کہ تم مال کی زکوٰۃ دو۔ + (۲) عن انس بن مالک قال اتی رجل من تمیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انی ذو مال کثیر وذو اهل ومال وحاضرۃ فاخبرنی کیف اصنع وکیف انفق فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخرج الزکوٰۃ من مالک فانها طهرۃ تطهرک وتصل اقرباءک و تعرف حق المسکین والجار والسائل الحدیث (احمد) یعنی حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص تمیمی آنحضرتؐ کے پاس آیا اور پوچھا کہ اے اللہ کے رسولؐ میرے پاس بہت سا مال ومتاع ہے بتائیے میں اسے کس طرح خرچ کروں آنحضورؐ نے جواب دیا مال کی زکوٰۃ نکالو اس کے ذریعہ اللہ تمہیں پاک کرے گا اور صلہ رحمی کی توفیق دیگا سائل اور مسکین اور ہمسایہ کی حق شناسی ہوگی + (۳) عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس من جاء بهن مع ایمان دخل الجنۃ من حافظ علی الصلوات الخمس علی وضوئهن ورکوعهن و سجودهن ومواقیتهن وصام رمضان وحج البیت ان استطاع الیہ سبیلا واعطی الزکاۃ طیبۃ بها نفسہ الخ۔ (ترغیب ترہیب) جناب ابو درداؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ پانچ چیزیں ہیں جو شخص ان کو بجا لائیگا جنت میں داخل ہوگا ایک تو نماز پنجگانہ باقاعدہ اور پابندی سے ادا کرنا دوسرے رمضان کا روزہ رکھنا تیسرے بعد استطاعت بیت اللہ کا حج کرنا چوتھے برضا و رغبت مال کی زکوٰۃ دینا۔

(۴) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اقام الصلوۃ واتی الزکاۃ وحج البیت وصام رمضان وقری الضیف دخل الجنۃ (طبرانی کبیر) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا

کہ جو نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور بیت اللہ کا حج کرے رمضان کے روزے رکھے مہمان نوازی کرے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (۵) عن ابی ایوب رضی اللہ عنہ ان رجلا قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبرنی بعمل یدخلنی الجنۃ قال تعبد اللہ لا تشرک بہ شیئا وتقیم الصلوۃ وتوتی الزکوٰۃ وتصل الرحم (صحیحین) حضرت ابوایوبؓ فرماتے ہیں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ کونسا عمل ہے جو مجھے جنت میں لیجائے گا۔ آپ نے فرمایا خدا کی عبادت اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرانا۔ نماز پڑھا کرنا اور مال کی زکوٰۃ نکالا کرنا اور صلہ رحمی کرنا۔ (۶) عن عمرو بن مرۃ الجھنی رضی اللہ عنہ قال جاء رجل من قضاعۃ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی شھدت ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ وصلیت الصلوۃ الخمس وصمت رمضان وقمتہ وآتیت الزکوۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات علی ھذا کان من الصدیقین والشھداء (صحیح ابن خزیمہ) حضرت عمرو بن مرہ جہنی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص بنی قضاعہ سے آنحضورؐ کے پاس آیا اور کہا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں اور میں نماز پڑھتا ہوں زکوٰۃ دیتا ہوں رمضان کے روزے رکھتا ہوں اس میں قیام بھی کرتا ہوں آنحضرت نے فرمایا کہ جو شخص ان افعال پر مریگا وہ صدیقین اور شہداء سے شمار کیا جائیگا۔

زکوٰۃ نہ دینے کے متعلق وعیدیں مذکورہ بالا روایات وآثار سے زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کی فضیلت پر کافی روشنی پڑتی ہے نیز ان روایات وآثار سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا ترک کرنا کس قدر نقصان دہ اور موجب سزا ہے لیکن مزید وضاحت کیلئے زکوٰۃ نہ دینے اور امساک اور بخل کے متعلق قرآن مجید اور احادیث وآثار میں جو وعیدیں آئی ہیں مختصراً درج ذیل ہیں۔ (۱) وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (پ ۱۰ ع ۵) جو سونے چاندی کے ڈھیر جمع کرتے رہتے ہیں اور اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے (اے نبیؐ) انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری دیجئے جس دن ان سونے چاندی کو آگ میں تپاکر ان سے ان کے منہ پیشانی پہلو داغے جائیں گے اور کہا جائیگا یہ ہے تمہارا خزانہ جسے تم نے دنیا میں اپنے لئے جمع کر رکھا تھا۔ پس آج تم اس خزانہ کے جمع کرنیکی سزا چکھو۔ (۲) هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ (محمد ع ۴) تم لوگ سن رکھو کہ تمہیں راہ خدا میں خرچ کرنے کو بلایا جارہا ہے اس پر بھی تم میں ایسے ہیں جو بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے تو حقیقت میں خود اپنے ہی سے بخل کرتا ہے۔ اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو۔ اگر تم روگردانی کروگے تو تمہارے سوا دوسرے لوگوں کو لا اٹھائیگا پھر وہ تم جیسے نہ ہونگے۔"

ان ہر دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ نہ دینے والے مالدار بخیل کو کسقدر تنبیہ فرمائی ہے آخری آیت میں تو صاف طریقہ سے فرمارہا ہے کہ زندہ وہی قوم رہیگی جو اس قانون زکوٰۃ کی پابند ہوگی ورنہ قانون قدرت اسے فنا کردے گا اور کسی دوسری قوم کو اس کا قائم مقام بنا دیگا پس اگر مسلمانوں کو اپنی زندگی محبوب و مطلوب ہے تو مال کی زکوٰۃ نکالکر حاجتمندوں اور غریبوں کی حاجت روائی کریں ورنہ ڈر ہے کہ جس طرح اقوام ماضیہ اپنے بخل اور حاجت مندوں سے بے اعتنائی برتنے کی وجہ سے ہلاک و برباد ہوگئیں یہ بھی تباہی و خستگی کی نذر نہ ہو جائیں۔

(۱) عن بریدۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما منع قوم الزکاۃ الا ابتلاھم اللہ بالسنین (طبرانی اوسط) یعنی جس قوم نے زکوٰۃ دینی روک دی اللہ تعالیٰ نے اس کو قحط و تنگدستی میں مبتلا کردیا۔ (۲) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اتاہ اللہ مالا فلم یؤد زکوتہ مثل لہ مالہ یوم القیمۃ شجاعا اقرع لہ زبیبتان یطوقہ یوم القیمۃ ثم یاخذ بلھزمتیہ یعنی شدقیہ ثم یقول انا مالک انا کنزک الخ (بخاری) آنحضرت فرماتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا پھر وہ اس کی زکوٰۃ نہ نکالے تو قیامت کے دن اس کا مال گنجا سانپ بنکر آئے گا جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے وہ سانپ اس کی گردن میں لپیٹا جائے گا جو اس کے منہ کو کاٹ لیگا اور کہیگا میں وہی تیرا مال اور خزانہ ہوں جسکو تونے دنیا میں جمع کر رکھا تھا۔ (۳) عن ابی ذر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما من رجل یکون لہ ابل او بقر او غنم لا یؤدی حقھا الا اتی بھا یوم القیمۃ اعظم ما یکون و اسمنہ تطأہ باخفافھا و تنطحہ بقرونھا الخ (صحیحین) یعنی جس شخص کے پاس اونٹ گائے بکری ہوں اور وہ ان کی زکوٰۃ نہ نکالے تو قیامت کے دن یہی جانور موٹے بھاری بھرکم صورت میں لائے جائینگے جو اپنے مالک کو اپنے پاؤں سے کچلیں گے اور اپنی سینگوں سے مارتے رہیں گے

مناسب ہوگا کہ زکوٰۃ کے چند ضروری مسائل و احکام بھی یہاں ذکر کردیئے جائیں۔ پورے مسائل کی تشریح کی یہاں گنجائش نہیں اسلئے نہایت اختصار سے کام لے رہا ہوں۔ زکوٰۃ ہر ایسے بالغ حر مسلمان مرد ہو یا عورت پر جس کے پاس مقررہ نصاب کے مطابق مال موجود ہو اور اس پر پورا سال گذر جائے واجب ہے۔ اگر کسی مال کی زکوٰۃ اس پر پورا سال گذرنے سے پہلے دیدی جائے تو جائز ہے۔

زکوٰۃ کے مصارف زکوٰۃ کن لوگوں کو دینی چاہیئے اس کے متعلق قرآن مجید نے تفصیل سے بیان کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ الخ (پ ۱۰ ع ۱۴) یعنی زکوٰۃ کا مال فقیروں مسکینوں زکوٰۃ کے وصول کرنیوالوں، نومسلموں اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور مسلمانوں کے جرمانہ ادا کرنے میں اور جہاد کے کاموں میں اور مسافروں کو دینا چاہیئے۔

آیت مذکورہ میں زکوٰۃ کے آٹھ مصرف بیان کئے گئے ہیں ان میں سے ہر ایک کو دینا ضروری نہیں ہے بلکہ ان میں سے

جس قسم کو بھی دیدیں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ ان آٹھوں مصارف میں بعض مصرف ایسے ہیں کہ ان پر اسلامی حکومت ہی کرودہ پر عمل ہو سکتا ہے فی الحال ہندوستان میں ان پر عمل کرنے کی کوئی صورت نہیں مثلاً زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو یا غلام آزاد کرانے میں۔

زکوٰۃ کا مال کن لوگوں کو دینا جائز نہیں تونگر (صاحب نصاب) کو زکوٰۃ نہ دینی چاہئے اور سیدوں کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیونکہ سیدوں یعنی بنی ہاشم (جس میں آل عباسؓ آل عقیلؓ وآل علیؓ وآل جعفرؓ داخل ہیں) کو زکوٰۃ کا مال لینا حرام ہے۔ عن عبد المطلب بن ربیعۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ھذہ الصدقات انما ھی اوساخ الناس وانھا لا تحل لمحمدؐ ولا لآل محمدؐ (مسلم) اگر کوئی فقیر ومسکین اس زکوٰۃ کے مال میں سے جو اسکو ملا ہے اپنی طرف سے کسی سید کو بطور ہدیہ کے دے تو اسکو لینا جائز ہے۔ کمافی حدیث بریرۃ لک صدقۃ ولنا ھدیۃ۔

زکوٰۃ کن چیزوں میں واجب ہے تجارت کے اموال اور جانوروں میں اونٹ گائے بیل بکری بھینس بھیڑ جو جنگل میں چرتے ہوں یعنی زیادہ تر ان کا گذارا جنگل میں چرنے پر ہو سونا چاندی روپے زیور غلہ جات کھجور منقی وغیرہ میں زکوٰۃ واجب ہے جانوروں کی زکوٰۃ کا نصاب اور اس کی مقدار کی تفصیل کے متعلق اگر ضرورت ہو تو اپنے مقامی علماء سے دریافت کر لیا جائے یہاں ہم مختصر طور پر سونا چاندی اور غلے کے متعلق کچھ عرض کر دیتے ہیں۔

سونا چاندی اور روپیہ کی زکوٰۃ جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو اور اس پر پورا ایک سال گذر چکا ہو تو اس میں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ کا نکالدینا چاہئے۔ زیور کی زکوٰۃ کا نصاب بھی یہی ہے جو سونے چاندی کا ہے اور روپے کا سیدھا مشہور حساب یہ ہے کہ فی سینکڑہ ڈھائی روپیہ اور فی ہزار ۲۵ روپے، تجارت کے مال میں بھی سال بھر کے بعد حساب کر کے جتنا روپیہ نقد موجود ہو اور جتنے کا مال ہو اس کی قیمت کا اندازہ کر کے سب کی میزان لگائے اگر اپنے ذمے قرض ہو تو پہلے اُسے ادا کرے اب جو باقی بچے اگر وہ نصاب کے مطابق ہو تو اس سے اسی حساب سے زکوٰۃ نکالے جو اوپر ذکر ہوا۔

غلہ کی زکوٰۃ جو غلہ ایسی کھیتی سے پیدا ہو جسے برسات یا تالاب یا نہر کے پانی سے سیراب کیا گیا ہو یا وہ کھیتی تراوٹ کی زمین میں ہو تو اس میں دسواں حصہ زکوٰۃ کا واجب ہے اور جو کھیتی کنویں سے پانی کھینچکر تیار کی گئی ہو اس میں بیسواں حصہ زکوٰۃ کا واجب ہوتا ہے لیکن واضح رہے کہ یہاں نہر سے مراد وہ نہریں نہیں ہیں جو آجکل سرکاری طور پر نکالی گئیں ہیں جن سے پانی لینے والوں کو اجرت دینی پڑتی ہے۔ بلکہ قدرتی نہریں مراد ہیں۔ جو کھیت سرکاری نہروں سے اجرت دیکر تیار کیا گیا ہو اس میں بھی بیسواں حصہ ہی زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ نصاب کے مطابق ہو۔

جو گیہوں وغیرہ غلے جات نیز منقی کھجور ان میں پانچ وسق سے کم یعنی انگریزی تول کے حساب سے اکیس من سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی یہی انکا نصاب ہے۔

فتاوے

سوال۔ دین مہر کی کوئی تعداد شرعاً مقرر ہے یا نہیں؟ اگر مقرر ہے تو کتنی؟

سائل محمد سلیمان۔ بارگین مرچنٹ لال گنج پوسٹ سانڈی ضلع بردوان

جواب:۔ شرعاً مہر کی کوئی مقدار معین اور مقرر نہیں ہے۔ طرفین کی رضامندی سے مقدور اور وسعت کے مطابق جتنا مہر باندھا جائے۔ تھوڑا ہو یا زیادہ وہی شرعی مہر ہے ان الصداق غیر مقدر لا اقلہ ولا اکثرہ بل کل ما کان مالا جاز ان یکون صداقا (مغنی لابن قدامۃ) فلاخر من ھذا التقریر ان کل ما لہ قیمۃ صح ان یکون مھرا (نیل الاوطار) واجازۃ الکافۃ بما تراضی علیہ الزوجان او من العقد الیہ بما فیہ منفعۃ کالسوط والنعل وان کانت قیمتہ اقل من درھم (فتح الباری) ارشاد ہے وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم (قرآن کریم) لفظ مال قلیل وکثیر سب کو شامل ہے پس معلوم ہوا کہ مہر کی کوئی تعداد مقرر نہیں ہے۔ آنحضرت نے ایک صحابی سے جب انھوں نے نکاح کردینے کی درخواست کی تھی ارشاد فرمایا ھل عندک من شئ تصدقہا قال لا اجد قال التمس ولو خاتما من حدید (بخاری مسلم) ظاہر ہے لوہے کی انگوٹھی بالکل معمولی قیمت کی ہوتی ہے۔

سوال۔ ایک لڑکی کا باپ افریقہ میں ہے کیا ایسی صورت میں باپ کی توکیل کے بغیر لڑکی کا نانا اس کا نکاح مناسب جگہ کرسکتا ہے؟۔

سائل حاجی محمد میاں ہرزک پیش امام ازہر کول ضلع قلابہ

جواب۔ باپ ولی اقرب ہے اور نانا ولی ابعد والترتیب فی العصبات فی ولایۃ النکاح کالترتیب فی الارث فالابعد محجوب بالاقرب (ھدایہ ص۲۹۶ ج۲) وعند عدم العصبۃ کل قریب یرث الصغیر والصغیرۃ من ذوی الارحام یملک تزویجہا فی ظاھر الروایۃ عند ابی حنیفۃ (عالمگیری ص۱۴ ج۲) ولی اقرب کی حاضری و موجودگی میں ولی ابعد نکاح نہیں کرسکتا اور اگر کردے تو یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ ولی اقرب اجازت دیدے اور راضی ہوجائے تو یہ نکاح درست اور صحیح ہوگا ورنہ نہیں وان زوج الصغیر والصغیرۃ ابعد الاولیاء فان کان الاقرب حاضرا وھو من اھل الولایۃ توقف نکاح الابعد علی اجازتہ (عالمگیری ص۱۴ ج۱) ہاں اگر ولی اقرب غائب ہو بغیبت منقطعہ تو ولایت نکاح ولی ابعد کی طرف منتقل ہوجاتی ہے یعنی ولی اقرب کی غیبت کی حالت میں بغیر اسکے وکیل بنانے اور اجازت دینے کے ولی ابعد اپنی ولایت میں لڑکی کا نکاح کرسکتا ہے فاذا غاب الولی الاقرب غیبۃ منقطعۃ جاز لمن ھو ابعد عنہ ان یزوجہ (ھدایہ ص۲۹۹ ج۲) ثم قدر الغیبۃ بمسافۃ القصر وھو اختیار اکثر المتاخرین وعلیہ الفتوی (عالمگیری) صورت مسئولہ میں اگر بجز باپ اور نانا کے لڑکی کے عصبات میں سے مثل دادا۔ بھائی۔ بھتیجا۔ چچا۔ چچازاد بھائی وغیرہ کے کوئی نہیں ہے تو اس کا نانا بغیر باپ

کی توکیل و اجازت کے اپنی ولایت میں اس کا نکاح کرسکتا ہے کما یظہر من العبارات المذکورۃ سلسلہ رسل و رسائل کی سہولت کی وجہ سے باپ سے موثق تحریری اجازت حاصل کرنی مشکل نہیں ہے اسلئے مناسب اور بہتر یہ ہے کہ خط و کتابت کرکے اس سے باقاعدہ اجازت نامہ حاصل کرلیا جائے۔

سوال:۔ ایک پرانی مسجد ہے جس کے ہر چہار طرف مسلمانوں کا پرانا قبرستان ہے۔ لوگ اس مسجد کو ہر طرف سے بڑھانا اور نئی تیار کرانا چاہتے ہیں۔ مسجد بڑھانے میں ہر طرف کی کچھ قبریں مسجد کے اندر آجائیں گی۔ کیا ایسی صورت میں مسجد بڑھا سکتے ہیں

سائل مذکور

جواب۔ نہیں بڑھا سکتے کیونکہ اگر قبروں کو اکھیڑ کر مسجد بڑھائی جائے تو مومن میت کی بے حرمتی ہوگی اور یہ جائز نہیں ہے امام بخاریؒ اپنی صحیح میں فرماتے ہیں باب ھل ینبش قبور مشرکی الجاھلیۃ قال الحافظ فی الفتح لے دون غیرھا من قبور الانبیاء واتباعھم لما فی ذلك من الاھانۃ لھم بخلاف المشرکین فانھم لا حرمۃ لھم انتھی اور اگر بغیر اکھیڑے ہوئے قبروں کو اپنی اصلی حالت میں باقی رکھتے ہوئے مسجد بڑھائی جائے تو قبر پر نماز پڑھنا یا قبر کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنا لازم آئیگا۔ اور یہ بھی ناجائز ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قبر پر تعظیماً عمارت بنانی یا ضرورت و حاجت کی وجہ سے دونوں ناجائز ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیھا او علیھا (مسلم) اور فرمایا۔ لعن اللہ الیھود والنصاری اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد (بخاری)

سوال۔ اکثر کوکن لوگ عصر اور صبح کی نماز کے بعد مصافحہ کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟ سائل مذکور

جواب۔ خاص عصر و فجر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنے کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ اسلئے یہ بدعت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں صرح بعض علمائنا بانھا مکروھۃ وانھا من البدع المذمومۃ انتھی وقد صوب القاری شیخنا فی شرح الترمذی (ص ۳۹۶ / ج ۳)

سوال۔ ایک شخص پنجگانہ نماز ادا نہیں کرتا اور صرف جمعہ کی نماز امام بنکر پڑھاتا ہے کیا ایسے آدمی کو امام بنانا جائز ہے؟ سائل مذکور

جواب۔ پنجگانہ نماز فرض ہیں۔ ان کی فرضیت کا منکر بالاتفاق کافر خارج از اسلام اور مباح الدم ہے اور اگر فرضیت کا تو قائل ہے لیکن غفلت اور سستی سے قصداً پنجوقتہ نماز نہیں پڑھتا تو ایسا شخص فاسق ہے جیساکہ یہ مذہب ہے امام مالکؒ وامام شافعیؒ وامام ابوحنیفہؒ کا یا بحکم حدیث[۱] من ترك الصلوۃ متعمداً فقد کفر وحدیث[۲] بین الرجل وبین الکفر ترك الصلوۃ وحدیث[۳] العھد الذی بیننا وبینھم الصلوۃ فمن ترکھا فقد کفر۔ کافر ہے لیکن ایسا کافر نہیں کہ خارج از اسلام اور مباح الدم ہوجائے اور یہی مذہب ہے عبداللہ بن المبارک واسحق بن راہویہ وعلامہ شوکانی کا اور امام احمد سے ایک روایت میں یہی منقول ہے (نیل الاوطار) اور یہی مذہب حق ہے۔ پس صورت مسئولہ میں ارباب اختیار کو چاہیے کہ ایسے فاسق شخص کو امامت جمعہ سے معزول کردیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا یؤمن فاجر مومنا الا ان یقھرہ بسلطان یخاف سیفہ او سوطہ (ابن ماجہ عن جابر باسناد ضعیف)

اجعلوا ائمتکم خیارکم الحدیث (دار قطنی عن ابن عباس بسند ضعیف) عن السائب بن خلاد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا ام قوما فبصق فی القبلۃ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینظر الیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین فرغ لا یصلی لکم فاراد بعد ذلک ان یصلی لہم فمنعوہ واخبروہ بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث (ابوداود) لو قدموا فاسقا یاثمون بناء علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم (کبیری) لیکن اگر ایسے شخص کے پیچھے بوقت ضرورت نماز پڑھ لی جائے تو جائز ہے مثلا وہ امام حاکم شہر ہے یا رئیس ہے یا بادشاہ ہے اگر اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے تو فتنہ پیدا ہوگا اور اس کے ہٹانے پر قدرت نہیں ہے ایسی حالت میں ایسے فاسق کے پیچھے نماز درست ہے۔ صحابہ کرام امراء جور کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے تھے اور آنحضرت فرماتے ہیں والصلوۃ واجبۃ علیکم خلف کل مسلم برا کان او فاجرا وان عمل الکبائر (ابوداود الدار قطنی بمعناہ عن مکحول عن ابی ھریرۃ وقال لم یلق مکحول اباھریرۃ) صلوا خلف من قال لا الہ الا اللہ (دار قطنی بسند ضعیف) اذا کان الفاسق یؤم الجمعۃ وعجز القوم عن منعہ قال بعضھم یقتدی بہ فی الجمعۃ ولا یترک الجمعۃ بامامتہ وفی غیر الجمعۃ یتحول الی مسجد آخر ولا یاثم بہ ھکذا فی الظھیریۃ (فتاوی عالمگیریہ)

دار الحدیث رحمانیہ دہلی کا سالانہ امتحان

اور

عظیم الشان سالانہ اجلاس

الحمد للہ کہ اپنی شاندار روایات کے مطابق اس سال بھی مدرسہ کا سالانہ امتحان، اور تقسیم اسناد و انعامات کا عظیم الشان اجتماع اپنی خصوصی وامتیازی شان کے ساتھ انجام پذیر ہوا۔ تقریبًا ۲۲ روز پہلے طلبہ کو اطلاع دی گئی کہ شعبان کے بجائے اس سال رجب ہی میں امتحان ہوجائیگا۔ اِدھر طلبہ اس کی تیاری میں مصروف ہوگئے اُدھر حضرت ممتحن صاحب مدظلہ العالی کو سالانہ تعلیم کا نقشہ بھیجکر انتخاب سوالات کی درخواست کی گئی۔ آپ نے وقت کی قلت کے باوجود بڑی محنت اور جانفشانی سے سوالات کے پرچے تیار کئے، ان کو طبع کرایا۔ اور ۱۹ رجب سنہ ۱۳۵۹ھ کو صبح کے وقت مع اپنے عملہ کے مدرسہ میں تشریف لائے آتے ہی آپ نے امتحان شروع کردیا۔ چار روز میں امتحان ختم ہوا۔ ۲۴ رجب سنہ ۵۹ھ مطابق ۲۹ اگست سنہ ۱۹۴۰ء بروز پنجشنبہ کو سالانہ جلسہ کا اعلان کیا گیا۔ عام اطلاع کے علاوہ خصوصی طور پر شہر کے سربرآوردہ علما اور ممتاز و قدرشناس رؤساء کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ تقریبًا صبح ۷ بجے سے علم دوست اصحاب کی آمد شروع ہوگئی، کم وبیش ۹ بجے جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ تلاوت قرآن مجید کے بعد مدرسہ کے طلبہ کی عربی واردو زبان میں مختلف مضامین پر تقریریں ہوئیں جو بے حد پسند کی گئیں۔ حافظ عبد الخالق ولد مولانا عبد الجبار صاحب کھنڈیلوی کی عربی تقریر اتنی دلپذیر مؤثر اور دل آویز تھی کہ ایک سماں بندھ گیا۔ سننے والے حیرت سے ان کا منہ تک رہے تھے کہ ایک ہندی نژاد اتنی برجستگی سے عربی بول رہا ہے کہ گویا یہ اس کی اپنی زبان ہے۔ علماء ان کی تقریر

سے اسقدر محظوظ ہو رہے تھے کہ بے ساختہ زبانوں سے اَحْسَنْتَ اَحْسَنْتَ (خوب، خوب) کی صدائیں بلند ہوئیں۔ جناب صدر نے مقررہ انعام کے علاوہ، ان کو مزید انعام دیئے جانے کی خاص طور پر سفارش کی۔ چنانچہ عالی حوصلہ مہتمم صاحب نے بھی ان کی پوری حوصلہ افزائی فرمائی۔ اور اپنی نوازش سے اتنا نوازا کہ اس سال کے اجلاس میں مجموعی طور پر اتنی رقم کسی نے بھی حاصل نہیں کی جتنی ان کو ملی۔ طلبہ کی تقریروں کے بعد ممتحن مدرسہ حضرت مولانا حافظ عبداللہ صاحب امرتسری دامت برکاتہم نتیجۂ امتحان سنانے کے لئے کھڑے ہوئے، پہلے آپ نے ایک مختصر مگر نہایت جامع اور پر مغز، سبق آموز تقریر فرمائی، اس کے بعد مجمل طور پر نتیجۂ امتحان پیش کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ "بحمد اللہ اس سال نتیجہ پچھلے سال سے بھی بہتر اور شاندار ہے۔ طلبہ نہایت اعلیٰ نمبروں پر کامیاب ہوئے ہیں۔ مدرسہ میں داخل طلبہ میں صرف دو ناکام ہوئے ہیں، باقی تمام کامیاب ہیں۔ مدرسہ بہت بڑی دینی و علمی خدمت انجام دے رہا ہے۔" اس کے بعد مدرسہ کے جواں سال و جواں ہمت فیاض دل مہتمم عالیجناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب دام ظلہٗ نے اپنے مرحوم و مغفور والد ہی کے انداز پر پوری دریا دلی کے ساتھ انعامات کی بارش شروع کی۔ نوٹوں کی گڈیاں اپنے چچا زاد چھوٹے بھائی شیخ محمد صاحب کے حوالہ کر دیں اور وہ ممتحن صاحب کی ہدایت کے مطابق سب کو تقسیم کرتے گئے۔ اس کے بعد فارغ التحصیل طلبہ کو سندیں دی گئیں اور جناب صدر نے اپنے ہاتھوں سے ان کی دستار بندی کی۔ اس سال مدرسہ سے چار لڑکے فارغ ہوئے ہیں، جن میں دو پنجاب کے اور دو یوپی کے ہیں۔ اخیر میں جناب صدر اور حاضرین کی پر خلوص دعاؤں کے ساتھ اجلاس برخاست ہوا۔ اور حضرات مدعوین کو ایک خاص اہتمام کے ساتھ کھانا کھلا کر رخصت کیا گیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ جلسہ بے حد کامیاب رہا۔

اس موقع پر جو انعامات تقسیم ہوئے ان کی تفصیل درج ذیل ہے

آٹھویں جماعت

محمد اقبال گونڈوی۔ سند فراغت اور جبہ و دستار کے علاوہ، کتاب فصل الخطاب، اور جماعت میں اول آنے پر عہ اور عربی تقریر پر تین روپے ۱۳

محمد داؤد۔ سند فراغت اور جبہ و دستار کے علاوہ کتاب فصل الخطاب اور حدیث میں اول آنے پر عہ۔ اردو تقریر پر تین روپے . . ۱۳

عبدالرحیم۔ سند فراغت، جبہ و دستار، فصل الخطاب اور خوشخطی پر ۸، عربی تقریر پر دو روپے . . . . [illegible]

حافظ محمد یوسف۔ سند فراغت، جبہ و دستار، فصل الخطاب، اور دس روپے نقد ۱۰

ساتویں جماعت

حافظ عبدالخالق۔ جماعت میں اول آنے پر عہ اور حدیث میں اول آنے پر عہ اور عربی تقریر پر عہ اور ان کے ذمہ مہتمم صاحب کے بارہ روپے قرض تھے وہ بھی آپ نے اس موقع پر معاف کر دیئے۔ . . . . . . ۴۲؟

چھٹی جماعت

عبدالعزیز بستوی۔ جماعت میں اول آنے پر عہ حدیث میں اعلیٰ نمبر پر عہ اور خوشخطی پر صہ اور تقریر پر عہ
محمد مسلم۔ عربی تقریر پر دو روپے . . . . عہ/
محمد اکرم۔ سال بھر نماز با جماعت کی پابندی پر دس روپے . . . . ۱۰ عہ/

پانچویں جماعت

عبداللہ۔ تقریر اردو پر دو روپے . . . . ۲ عہ/
رستم احمد۔ نظم عربی پر صہ جماعت میں بھی اول ہے لیکن دو کتابوں میں فیل ہے اسلئے انعام نہیں ملا . . صہ/
محمد حسین۔ تقریر عربی پر تین روپے . . . . سے/

چوتھی جماعت

حبیب اللہ۔ تقریر اردو پر دو روپے . . . . عہ/
عبدالصبور۔ تقریر اردو پر دو روپے . . . . عہ/

تیسری جماعت

احمد اللہ۔ جماعت میں اول آنے پر صہ اور قرآن مجید کے پرچہ میں نصف نمبر حاصل کرنے پر صہ . . . ۱۰ عہ/

دوسری جماعت

محمد اکبر۔ قرآن مجید میں اول آنے پر صہ اور حدیث میں نصف سے زائد نمبر لانے پر صہ . . . ۱۰ عہ/
محمد شعیب۔ ترجمہ قرآن مجید میں نصف سے زائد نمبر حاصل کرنے پر صہ اور حدیث میں نصف نمبر حاصل کرنے پر صہ . ۱۰ عہ/
محمد یعقوب۔ ترجمہ قرآن مجید میں نصف اور حدیث میں نصف سے زائد نمبر حاصل کرنے پر عہ . . ۱۰ عہ/
عبدالرحیم۔ ترجمہ قرآن مجید و حدیث میں نصف سے زائد نمبر حاصل کرنے پر عہ اور اپنی جماعت میں اول آنے پر صہ اور نماز با جماعت کی پابندی پر عہ . . . . ۲۵ صہ/
عبدالمالک۔ ترجمہ قرآن مجید میں نصف نمبر حاصل کرنے پر صہ . . . . ۵ صہ/
مقبول احمد۔ اردو تقریر پر دو روپے . . . . عہ/

پہلی جماعت

محمد شریف۔ قرآن مجید میں اول آنے پر صہ اور جماعت میں اول آنے پر صہ اور خوشخطی پر صہ . . . ۱۵ صہ/
ابو نذیر۔ اردو تقریر پر دو روپے . . . . عہ/
عبدالرحمٰن۔ ترجمہ قرآن مجید میں نصف نمبر حاصل کرنے پر صہ . . . . صہ/

ادنیٰ

عبدالرحیم۔ جماعت میں اول آنے پر صہ اور خوشخطی کے صہ . . . . ۱۰ عہ/

راقم الحروف کو رسالہ محدث کی ایڈیٹری اور کتب خانہ کی نگرانی پر نوے روپے . . . . . ما/

میزان کل تین سو بیالیس روپے　　۳۴۲ سالم

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب پرنٹر و پبلشر نے جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع کیا۔

نومبر

یادگار فدائے علم و دین جناب شیخ عطاء الرحمٰن صاحب مرحوم و مغفور

رسالہ

محدث دہلی

ملکیت

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم دارالحدیث رحمانیہ دہلی

فہرست مضامین

مقاصد

(۱) کتاب و سنت کی اشاعت -

(۲) مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح -

(۳) دار الحدیث رحمانیہ کے کوائف کی ترجمانی -

ضوابط

(۱) یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو شائع ہوتا ہے

(۲) یہ رسالہ ان لوگوں کو سال بھر مفت بھیجا جائے گا جو ہر بذریعہ منی آرڈر ٹکٹ کے لئے دفتر میں بھیجدیں گے۔ رسالہ وی پی نہیں بھیجا جائیگا۔

(۳) اس رسالہ میں دینی، علمی، اصلاحی، اخلاقی، تاریخی، تمدنی مضامین بشرط پسند شائع ہونگے۔

(۴) ناپسندیدہ مضامین محصولڈاک آنے پر واپس کئے جائیں گے اور شائع شدہ مضامین واپس نہیں ہوں گے۔

(۵) جوابی امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔ (۶) فتوٰی پوچھنے والے سوال کیساتھ جواب کیلئے ٹکٹ ضرور بھیجیں۔

پتہ

منیجر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

محدث دہلی

نگران اصول
مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

نمبر ۷	ماہ نومبر ۱۹۴۰ء مطابق ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ	جلد ۸

مخالفین اسلام کی تبلیغی کوششیں

اور

مسلمانوں کیلئے تازیانۂ عبرت

مورخہ ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق ۲ اگست ۱۹۴۰ء بروز جمعہ کو پھاٹک حبش خاں دہلی میں جمعیۃ الطلبار (بنگال و آسام) کی طرف سے ایک تبلیغی جلسہ منعقد ہوا تھا۔ جو انجمن کا چوتھا سالانہ اجلاس تھا۔ اس کی صدارت حضرت مولانا نذیر احمد صاحب ایڈیٹر رسالہ "محدث" دہلی نے فرمائی تھی۔ اس موقع پر آپ نے جو اپنا تحریری خطبہ صدارت پڑھا تھا، وہ اتنا اہم، سبق آموز، اور عبرت خیز ہے کہ ہر مسلمان کو اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلئے ہم اسکا ابتدائی حصہ حذف کرکے ناظرین "محدث" کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ ہم محسوس کر رہے ہیں کہ "محدث" کے صفحات میں اتنے طویل مضمون کی گنجائش نہیں ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ قسط وار شائع کرنے میں مضمون کی اہمیت بالکل فوت ہو جائیگی، اسلئے مجبوراً ہم اس کو ایک ہی قسط میں شائع کر رہے ہیں۔

مولانا نے خطبۂ مسنونہ کے بعد یہ آیت پڑھی وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝ (پ ۱۱ س توبہ ع ۱۵) پھر اپنے صدارتی انتخاب کے متعلق "شکوہ و شکریہ" اور کچھ تمہیدی الفاظ کے بعد فرمایا۔

(منیجر)

میرے نوجوان فاضلو! آج جبکہ دنیا کا چپہ چپہ۔ اور کائنات کا ذرہ ذرہ انقلاب۔ انقلاب پکار رہا ہے۔ میں صوبہ بنگال وآسام کے ان اہلحدیث طالب علموں کو مبارک باد دیتا ہوں جنھوں نے اس انجمن کی شکل میں اپنی بیداری اور احساس کا کسی نہ کسی حد تک ثبوت دیا ہے۔ آج طوفان انقلاب کی اٹھتی ہوئی لہریں ہمیں بتارہی ہیں کہ صرف سیاسی اور جغرافیائی حیثیت سے ہی دنیا کے نقشے نہیں بدلے جارہے ہیں۔ بلکہ مذہبی اور دینی حدود کی سرحدوں کو بھی پوری بغاوت وسرکشی کے ساتھ پار کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ آج اگر اقتصادی ومعاشی حیثیت سے دنیا ظالموں کے جبر واستبداد کے آہنی پنجوں میں دبی ہوئی کراہ رہی ہے۔ تو یقین جانئے کہ مذہب کے اصول وفروع بھی کفر وطغیان کے علم برداروں کے مظالم سے تنگ آکر الغیاث الغیاث پکار رہے ہیں۔

آج اسلام کے مقابلہ پر صرف اس کے ازلی معاندہی صف آرا نہیں ہیں بلکہ خود مسلمان کہلانے والے ملحدوں نے بھی اس کی صاف اور صحیح تعلیمات کو مسخ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ لیکن واحسرتا! کہ آج وزارت کی کرسیوں اور اسمبلی کی ممبریوں کے لئے تو مذہب کے نام پر ایک ہنگامہ کارزار گرم ہے۔ مگر زخم کے اس ناسور پر کوئی توجہ نہیں جو دیمک کی طرح اندر ہی اندر جسم کو کھوکھلا بنائے جارہا ہے۔ دشمن کی اُن ریشہ دوانیوں پر کوئی دھیان نہیں جن کی شدید ضرب براہ راست مذہب پر پڑ رہی ہے +

دوستو! اس سلسلہ میں اگر میں ان جماعتوں کی کارستانیاں بے نقاب کروں جو اسلام کا لبادہ اوڑھکر مسلمانوں کے اعتقاد وعمل کو تباہ کررہی ہیں۔ تو ممکن ہے بعض ان صلح پسند طبیعتوں کو ناگوار گذرے جو پہلے ہی سے یہ کہہ رہی ہیں کہ "ان مولویوں کو تو آپس میں لڑوانے اور ایک دوسرے کو کافر بنانے کے سوا کچھ آتا ہی نہیں" اس لئے آج کی صحبت میں میں انھیں نظر انداز کرتے ہوئے صرف ان تدبیروں اور سازشوں کو طشت ازبام کرنا چاہتا ہوں جو اسلام اور مسلمانوں کے کھلے ہوئے دشمنوں اور ازلی معاندوں کی طرف سے منظم طور پر جاری ہیں۔ میں بتانا چاہتا ہوں کہ اگر مسلمان کہلانے والے فرقوں پر کسی قسم کی تنقید، وحدت وتنظیم کے خلاف ہے تو خدارا مسیحیت کے علم برداروں اور "اوم" کا جھنڈا لہرانیوالوں ہی کی فسوں کاریوں پر ذرا نگاہ ڈالئے کہ کس حوصلہ اور دانشمندی، وسعت اور تنظیم کے ساتھ سالہا سال سے ان کی تلبیسات اور فریب کاریوں کا جال دنیا۔ اور بالخصوص ہندوستان میں بچھایا جارہا ہے۔ ذیل میں مسیحی مشنریوں، ہندو سنتھاؤں۔ اور آریہ اپدیشکوں کی تبلیغی کارگذاریوں کا ایک نہایت نامکمل اور مجمل ساخاکہ آج سے کئی سال پیشتر کے اخبارات سے پیش کررہا ہوں جس سے آپ ان کی اولوالعزمیوں کا اندازہ لگائیں اور عبرت حاصل کریں کہ جس جماعت کے کام کی رفتار آج سے سالوں پیشتر یہ تھی نہ معلوم وہ آج کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہوگی۔ اور کتنے بندگانِ خدا کو گمراہی کے غار میں دھکیل چکی ہوگی +

مسیحی تبلیغ

فروری ۱۹۳۶ء کے مسیحی رسالہ "المائدہ" میں خبر شائع ہوئی ہے کہ:۔

• اس سال بائبل سوسائٹی لندن کو ۳۵ سو پانچ پونڈ کے تین نوٹ کسی گمنام معطی کی جانب سے

وصول ہوئے ہیں۔ ۳۵ سو پونڈ کا ایک ایسا ہی نوٹ ہر سال بائبل سوسائٹی کو کئی سال سے وصول ہو رہا ہے اور قیاس کیا جا رہا ہے کہ یہ تین نوٹ بھی اسی صاحب دل معاون سوسائٹی نے ارسال کئے ہیں۔

دیکھا آپ نے؟ یہ ہے اس دنیا کا حال جس کی برائیوں کی اندھی تقلید کو تو ہمارے عیش پرست سرمایہ داروں نے اپنی زندگی کا شیوہ بنا لیا لیکن بھلائیوں سے آنکھیں پھیر لیں۔ جن کی تباہ کن عیاشیوں اور شرمناک بے حیائیوں کو تو ہمارے فیشن ایبل دوستوں نے اپنی دولت کا مصرف سمجھا۔ لیکن کیا ان کی مذہب پرستیوں اور تبلیغ دین کی وارفتگیوں پر بھی کبھی نگاہ ڈالی؟ غور تو کرو کہ یہ کوئی معمولی رقم نہیں بلکہ ۳۵ سو پونڈ یعنی تقریباً باون ہزار پانچ سو روپے کی خطیر رقم ہے۔ جو ایک بار نہیں بلکہ ہر سال بائبل سوسائٹی کو مل رہی ہے۔ اور اس کی گمنامی کا یہ عالم ہے کہ اس رقم کے وصول کرنیوالوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کون خدا کا بندہ ہے جو مسیحیت کا عاشق اور اس کی تبلیغ کا اس قدر دلدادہ ہے کہ ہر سال اتنی بڑی رقم سوسائٹی کے حوالہ کر دیتا ہے۔

یہ تو لندن کا ذکر تھا اب ہندوستان کے متعلق بھی سن لیجئے کہ بائبل کی تقسیم و اشاعت کیلئے جو مجلسیں ہندوستان میں مسیحیوں کی قائم ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر اور کارگذار انجمن "برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی" ناگپور ہے۔ تنہا اس انجمن کا کارنامہ یہ ہے کہ یہ:۔

> اوسطاً ہر سال ۷۵ ہزار نسخے بائبل کے ہندی میں اور ۸۰ ہزار بنگالی میں شائع کرتی رہتی ہے۔ یہ انجمن ہندوستان میں ۱۸۱۱ء میں قائم ہوئی تھی۔ اسی سال اس نے بائبل کے ۲۰۵۰ نسخے شائع کئے اب ہر سال اوسطاً دو لاکھ ۴ ہزار ۹۴ ہندوستانی اور ۲۶ بیرونی زبانوں میں شائع کرتی رہتی ہے۔ تقریباً تین ہزار کاپیاں بائبل کی کلکتہ، ڈھاکہ، اور پٹنہ یونیورسٹیوں کے میٹرک پاس طلبہ کو ان کی درخواست پر مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔" (صدق بحوالہ اسٹیٹسمین)۔

غور کیجئے کہ یہ صرف ایک مسیحی انجمن کا ذکر ہے۔ خدا جانے ایسی ایسی کتنی انجمنیں ہندوستان میں قائم ہیں اور وہ کن کن تدبیروں سے عیسائیت کی تبلیغ کر رہی ہیں۔

ہندوؤں کی تبلیغی کوششیں یہی حال آج ہندوؤں اور آریوں کا ہے۔ تبلیغ کے نام پر آریوں کی فتنہ انگیزیاں تو آج ضرب المثل ہو چکی ہیں۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ اسلام کے خلاف دھواں دھار تقریروں اور فساد انگیز لکچروں کے ذریعہ ان کی کوششیں جاری تھیں۔ لیکن اب وہ سراسر خاموش تحریروں کی صورت میں بدل گئی ہیں۔ مختلف کتابوں اور ٹریکٹوں کے ذریعہ۔ اسلام، اور اسلام کے خدا، اسلام کے رسول۔ اسلامی تاریخ، مسلمان بادشاہوں اور بزرگوں کے خلاف طرح طرح کے غلط الزامات اور بے بنیاد اتہامات لگا کر ان کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ اردو۔ ہندی۔ ناگری۔ یہاں تک کہ عربی میں بھی کتابیں چھپوا کر شائع کی جاری ہیں۔ مسیحیوں کی طرح ان کی بھی بہت سی انجمنیں اس مقصد کیلئے قائم ہیں۔ چنانچہ ۱۹۲۵ء میں صرف ہندوستان کے اندر

ساڑھے چار سو سماجیں کام کر رہی تھیں۔ اُن سماجوں کے اعداد و شمار ان کے علاوہ ہیں جو عراق۔ عرب۔ مصر۔ شمالی افریقہ۔ برھما۔ سیام۔ سنگاپور۔ ملایا۔ جاوا۔ سماٹرا وغیرہ میں مصروف عمل ہیں۔ یقین ہے کہ اس پندرہ سال کے اندر اس تعداد میں اور اضافہ ہو چکا ہوگا۔ اور یہ انجمنیں ہماری انجمنوں کی طرح محض نام کی نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے مستقل سرمایے اور منظم کارگذاریاں ہیں۔ یہاں مثال کے طور پر ہندوؤں اور آریوں کی ان انجمنوں کے صرف چند کارنامے پیش کر رہا ہوں۔ بنمونہ سنئے اور ان کے گہرے نتائج کا خود اندازہ لگائیے۔

آج سے تقریباً سولہ سال پیشتر بھارت شدھی سبھا نے اپنی گیارہ ماہ (فروری ۱۹۲۳ء لغایت دسمبر ۱۹۲۳ء) کی رپورٹ شائع کی تھی جس میں لکھا ہے کہ:۔

گیارہ ماہ میں ایک لاکھ ۵۶ ہزار ۷ ۹۹ روپیہ ایک ہزار چندہ دہندوں سے حاصل ہوا۔ اسمیں ۷۸ ہزار ۵۳۴ روپئے خرچ ہوئے ۲۸ ہزار ۶۳ ۴ نقد آخر دسمبر میں بھارت شدھی سبھا کے پاس موجود ہیں۔ صرف شدہ رقم سے بھارت شدھی سبھا نے ۱۸۳ مواضعات میں شدھیاں کیں۔ ۲۵ ہزار ملیبار کے نومسلموں کو جن کو ٹیپو سلطان نے زبردستی مسلمان بنایا تھا شدھ کیا۔ بھارت شدھی سبھا نے ملکانوں کے ۳۶ دیہاتوں میں مدارس قائم کئے۔ دواخانے کھولے گئے۔ ڈاکٹر اور وید نوکر رکھے گئے ۲۲ ہزار ۸ ۴ ۹ روپیہ ملکانوں کی پنچائتوں اور رکھان پان میں خرچ ہوا۔ دس ہزار ۲۲ روپیہ ملازمین کی تنخواہوں میں صرف ہوئے۔ (دعوت عمل ص۸۰) +

ہندو سبھا نے اپنے جلسہ منعقدہ ۷ راگست ۱۹۲۲ء میں اپنی رپورٹ پیش کی اور لکھا کہ:۔

"اسوقت تک ۳۶۲ کل شاخیں اس مہا سبھا کی قائم ہوئیں جن میں سے ۱۶۰ شاخیں صوبہ متحدہ میں۔ ۶۵ پنجاب میں ۶۵ بہار میں ۲۲ بمبئی میں ۱۶ صوبہ متوسط میں ۳ برھما میں ۱۳ راجپوتانہ میں دس آسام میں۔ مہا سبھا کی کوشش ہے کہ ہر ضلع ہر تحصیل اور ہر قصبہ میں ہندو سبھا کی شاخیں قائم کی جائیں۔ (دعوت عمل ص۸۱) +

اخبار پرکاش لاہور مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۲۶ء میں ہے کہ:۔

شدھی کا وہ عالمگیر جھنڈا جسے آریہ سماج نے بلند کیا ہرش (خوشی) کا مقام ہے کہ ہندو اسے سنبھالنا اپنا کرتویہ (کام) سمجھ رہے ہیں۔ بمبئی کا ہندو مشن بھی اچھا کام کر رہا ہے لیکن بنگال کے ہندو مشن کا کام جس سرعت سے چلایا جا رہا ہے بنگال میں اس جاگرتی کا نتیجہ ہے۔ آسام کانگریس کے ساتھ ایک آل انڈیا ہندو کانفرنس کی تیاری کی جا رہی ہے۔ جس میں اس سوال پر غور کیا جائیگا کہ آسام میں جو پانچ لاکھ ایسے آدمی ہیں جو نصف سے زیادہ ہندو مراسم کے پابند ہیں۔ انھیں شدھ کر لیا جائے۔ آسام میں شدھی پنیتر ہی

خوب کامیاب ہورہی ہے۔ اگر شدہ ہوئے لوگوں کے مستقبل کو روشن کرنے کیلئے ہندوستان کے ہندو کسی مفید نتیجہ پر پہنچ سکیں تو نہ صرف بنگال ہندو سبھا ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہوگی بلکہ سارے بھارت میں شاندار جھنڈا شان سے لہرا سکتا ہے۔ (دعوت عمل ص۸۲) +

یہی پرکاش اپنی اشاعت مورخہ ۱۸ر دسمبر ۱۹۲۶ء میں لکھتا ہے کہ۔

بنگال کے ہندو مشن کے پربندہ (سلسلہ) میں شدھی اندولن کی جو سپھلتا پراپت (حاصل) ہورہی ہے۔ اس نے اینگلو انڈین اخباروں کا دھیان اپنی اور آکرشت کرلیا ہے چنانچہ انگلش مین لکھتا ہے کہ بنگال میں ہندو مشن نے چالیس ہزار غیر ہندوؤں کو جن میں عیسائی اور مسلمان بھی شامل ہیں شدھ کرلیا۔ جہانتک شدھی کو ہر دلعزیز بنانے کا سوال ہے وہ حل ہوچکا ہے۔ باقی رہ جاتا ہے شدھ ہوئے لوگوں کو جاتی میں جذب کرلینے کا سوال۔ جب اسے بھی حل کرلیا گیا تو بھارت سے غیر ہندوؤں دور ہونے میں کوئی سندیہہ نہ رہ جائیگا۔" (دعوت عمل ص۸۳)

ویدپرچار کا کام آریہ پرتی ندہی سبھا پنجاب کرتی ہے۔ صرف سمت ۱۹۷۹ میں ۳۸ ہزار روپیہ اس میں صرف ہوا۔ اور سمت ۱۹۸۰ میں ۳۹ ہزار روپیہ ویدپرچار کیلئے قوم سے طلب کیا گیا (دعوت عمل ص۱۷)

غیر ممالک میں تبلیغ حضرات! تبلیغ مذہب کے یہ فداکار کچھ یہی نہیں کہ ہندوستان ہی کے طول وعرض میں اپنے مذہب کی اشاعت اور آریہ دھرم کا پرچار کررہے ہوں۔ بلکہ ہمارے اسلاف کی طرح ان کے مبلغ بھی ملک ووطن کو چھوڑ کر سینکڑوں اور ہزاروں کوس کا سفر کرکے ویدپرچار کرتے ہیں۔ میں اختصار کیلئے دوسرے ممالک کا ذکر چھوڑ کر صرف اس حصہ کو آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں جسکا تعلق عرب اور عراق سے ہے۔ اب تک تو آپ آریوں کے منہ سے ہنکر ہنس دیا کرتے تھے کہ وہ "مکہ معظمہ میں" اوم" کا جھنڈا گاڑنا چاہتے ہیں" لیکن چشم عبرت کھولکر دیکھئے کہ آپ کی غفلت کیشیوں نے ان کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔ اخبار "آریہ مسافر" آگرہ مورخہ ۱۶ر ستمبر ۱۹۲۴ء لکھتا ہے کہ۔

جناب مولانا مرزا محمود زرقانی پرائیویٹ سکرٹری حضرت شوقی زبانی ربانی حیفہ فلسطین وشیخ محی الدین صبری کردی سابق پروفیسر ازہر یونیورسٹی مصر سے ایڈیٹر آریہ مسافر کی سلطان ہوٹل میں ملاقات ہوئی۔ اور تقریباً آدھ گھنٹہ تک عربی میں آریہ سماج کے عقائد اور بہائی مذہب کے اصولوں پر گفتگو ہوتی رہی۔ مولانا محی الدین آریہ مسافر کے ایڈیٹر سے عربی زبان میں گفتگو کرکے بہت خوش ہوئے اور فرمایا وہ زمانہ عنقریب ہے کہ جب ہم آپ کے عقائد سے عربی زبان میں واقفیت حاصل کرسکینگے۔ اس پر آریہ مسافر کے ایڈیٹر نے ستیارتھ پرکاش عربی۔ یجر وید کا چالیسواں ادھیائے مترجمہ عربی۔ اور تحقیق الالہام عربی۔ تحقیق الاغذیہ عربی۔ اور تحقیق التناسخ عربی آریہ سماج کا لٹریچر پیش کیا۔ پروفیسر صاحب بہت خوش ہوئے اور یکایک بول اٹھے کہ آپنے علم اور مذہب کا خزانہ ہم کو بخش دیا۔ ہم لوگ ان کتب کو نہایت غور وخوض کے ساتھ پڑھینگے۔ اور مصر میں

لیجا کر دوسروں کو دکھائیں گے۔ یہ مصر و عرب کیلئے عجوبہ ہوں گی۔" (دعوت عمل ص۸۷)

اس اخبار کا عراقی نامہ نگار مورخہ ۱۶ اپریل ۱۹۳۵ء میں لکھتا ہے کہ:۔

"یوں تو مدت سے آریہ سماج کا یہ خیال رہا ہے کہ عرب میں ویدک دھرم کا پرچار کیا جاوے لیکن ہم کو اس سے پہلے عراق کے اندر آنے کا کبھی موقع نہیں ملا۔ مگر دوران جنگ میں یہ موقع ملا۔ آخر کار ۱۹۱۸ء میں آریہ سماج کو قائم کیا گیا۔ اس سے پہلے ۱۹۱۷ء میں بصرہ میں آریہ سماج قائم ہو چکی تھی۔ آریہ سماج بغداد نے ہزار ہا ٹریکٹ انگریزی، عربی، اردو میں تقسیم کئے۔ اس عرصہ میں آریہ سماج نے اپنے ماتحت ایک لائبریری قائم کی۔ اور جگہ جگہ آریہ دھرم کو اس کے اصلی روپ میں دکھایا۔" (دعوت عمل ص۸۹)

حضرات! باطل پرستوں کی فتنہ سامانیوں کی داستان جو حقیقت میں ایک حساس اور غیرتمند مومن کیلئے تازیانۂ عبرت ہے، آپ سن چکے۔ اب اس کے علاج اور انسداد کی طرف توجہ دلانے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ اس تنقید کا بھی جواب دیدوں جو اس سلسلہ میں مجھ پر کیجا سکتی ہے۔

تنقید اور اسکا جواب حاضرین مجلس! میں جانتا ہوں کہ میری اس تقریر پر دو قسم کے لوگ معترض ہوں گے۔ ایک وہ مغرب زدہ "روشن خیال" جو اپنے سفید فام آقاؤں کی اندھی تقلید میں مذہب سے ہی بیزار ہیں۔ (گو مردم شماری میں وہ اپنے آپ کو مسلمان ہی لکھواتے ہیں) ان کا خیال ہے کہ "مذہب ایک نجی چیز ہے اس کو ہر معاملہ میں دخل نہیں دینا چاہیئے یہ "مولویانہ ذہنیت" بھی عجیب ذہنیت ہے کہ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ لیکن یہ ابھی تک مذہب ہی مذہب چیخ رہے ہیں" دوستو! یہ لوگ درحقیقت قابل رحم ہیں۔ یہ شکست خوردہ اور مرعوب ذہنیت کے لوگ ہیں۔ ان کے جواب میں کوئی معقول دلیل لانا۔ یا عقل و خرد کی باتیں کرنا دراصل معقولیت اور سنجیدگی کی توہین ہے۔ یہ تو ہر چیز مغرب کی عینک سے دیکھنا جانتے ہیں۔ اور یہی ان کے نزدیک حسن و قبح کا معیار ہے۔ پس ان کے جواب میں کوئی معقولیت کی راہ اختیار کرنے سے زیادہ بہتر یہی ہے کہ میں ان کے سامنے انکے "کعبۂ دین و دنیا (انگلستان) کے کسی بڑے شخص کا قول پیش کروں۔

ابھی ابھی لارڈ ھیلی فکیس وزیر خارجہ برطانیہ نے ہر ہٹلر ڈکٹیٹر جرمنی کے جواب میں جو تقریر کی ہے اس کے یہ الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے ہیں کہ:۔

"ممالک متحدہ امریکہ اور ہمارے ملک کی بنیاد مسیحی تعلیم اور ایمان باللہ ہے . . . .

اور یہی وہ روح ہے جس کے سہارے ہم دونوں کو مسیحیت کی حمایت کیلئے یہ مقدس جنگ لڑنی پڑیگی۔" (زمزم ۲۷ ستمبر)

کہئے! اب تو آپ کو تسکین ہوگی کہ مذہب سیاست سے جدا نہیں؟ اب تو آپ کو بھی مذہب کی ہمہ گیری اور اس کی وسعت کا اقرار کرنا پڑے گا۔ اس لئے کہ یہ کسی "قل اعوذ یئے ملاّ" کا بیان نہیں بلکہ روشن خیال اور زمانہ شناس انگلستان کی ایک بہت بڑی ذمہ وار شخصیت کا ذمہ وارانہ اعلان ہے کہ "ہمارے ملک کی بنیاد مسیحی تعلیم اور ایمان باللہ ہے" یہ جنگ جو کسی مذہبی

جماعت کے مقابلہ پر نہیں بلکہ خالص ڈکٹیٹر شپ کے خلاف لڑی جارہی ہے بقول لارڈ ھیلی فیکس "مسیحیت کی حمایت کیلئے لڑی جائیگی" تو پھر اگر ہم بغیر کسی جنگ وجدال کے مذہب کی حمایت کرتے ہیں اور اس کی حفاظت کا سوال اٹھاتے ہیں تو آپ کے نزدیک گردن زدنی کیوں ہیں؟ کیا اس کے سوا اور بھی کوئی اس کی توجیہ ہو سکتی ہے کہ وہ ایک سفید فام آقا کا فرمان ہے اور یہ ایک غریب مولوی کی بات سے

اپنے بھائی کے مقابل کبر سے تن جائیے * غیر کا جب سامنا ہو بس قلی بن جائیے

معترضین کا دوسرا گروہ وہ ہے جو مذہب کا دلدادہ اور اسلام کا فداکار سپاہی ہونے کے باوجود ہندو مسلم اتحاد کا داعی ہے۔ اس کی سیاست کا محور اسوقت سامراجی طاقت اور اسکا نظام حکومت ہے۔ وہ انگریزوں کی غلامی کا جوا اپنے کندھوں سے اتار پھینکنے کیلئے۔ ہندو مسلم اتحاد کو ہر قیمت پر خریدنے کیلئے تیار ہے۔ وہ کوئی ایسی بات سننا گوارا نہیں کرتا جس سے ہندو کے دل میں ہمارے خلاف کوئی خلش پیدا ہو سکتی ہو۔ اسلئے ظاہر ہے کہ ہندوؤں اور آریوں کی تبلیغی جدوجہد کا جو اجمالی نقشہ میں نے ابھی آپ کے سامنے پیش کیا ہے ان کی نگاہوں میں یہ فرقہ وارانہ کشیدگی کا باعث بنیگا۔ اسلئے مورد طعن قرار پائے گا۔ نیز ممکن ہے انہی لوگوں کی طرف سے یہ اعتراض بھی وارد کیا جائے کہ یہ ۱۹۲۱ء اور ۱۹۲۳ء یا اس کے لگ بھگ کی باتیں ہیں۔ جبکہ کانگریس اور خلافت کمیٹی کی متحدہ کوششوں سے ملک میں ہندو مسلم اتحاد کا غلغلہ بڑے زور شور سے بلند ہو رہا تھا۔ چالاک دشمن نے اس کے خطرناک نتائج کا اندازہ کرکے اس کو دبانے کیلئے کچھ لوگوں کو اپنا آلہ کار بنایا۔ اور شدھی وسنگٹھن کا فتنہ کھڑا کیا۔ اور اس میں وہ خوب کامیاب رہا۔ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے اس طرح الگ ہوئے کہ پھر نہ جڑ سکے۔ اب پھر انھیں باتوں کو تازہ کرنا ایک سوئے ہوئے فتنہ کو جگانا اور دبی ہوئی آگ کو ہوا دینا ہے۔

حضرات! ان تمام باتوں کا تفصیلی جواب دینے کا نہ یہ موقع ہے اور نہ وقت میں اتنی گنجائش۔ بس مختصراً یہ عرض ہے کہ بیشک مجھے ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت سے انکار نہیں۔ میں مانتا ہوں کہ وقت کا اہم تقاضا یہ ہے کہ اس مشکل کو حل کیا جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ آزادی کی پرامن اور آئینی جدوجہد میں مسلمان کسی طرح بھی دوسری قوموں سے پیچھے نہ رہیں۔ لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ میری یہ تقریر ہندو مسلم کشیدگی کا باعث کیونکر بن سکیگی۔ میرا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ میں مسلمانوں کو عیسائیوں یا ہندوؤں کے خلاف بھڑکاؤں۔ بلکہ میں نے تو ان کے سامنے تبلیغی جدوجہد کی ایک نظیر رکھی ہے۔ اور چاہتا ہوں کہ وہ اس پر عبرت کی نگاہ ڈالیں اور بجائے خود سنبھل جائیں۔ اور اپنی ملی حفاظت کے مسائل پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ کسی دوسرے پر ناراض ہونے کی بجائے خود اپنی غفلت پر نادم ہوں۔ اور وہ راہ اختیار کریں جو زندہ قوموں کی شایانِ شان ہے۔ آج اگر کانگریس کے بڑے بڑے ہندو لیڈروں کا فرقہ وارانہ انجمنوں میں شریک ہونا۔ خود گاندھی جی جیسے چوٹی کے لیڈر کا اردو، ہندی کے فتنہ کو ہوا دینا۔ ہندی ساہتیہ سمیلن میں شریک ہونا۔ گاندھی سیوا سنگھ بنانا۔ سر بجن ادھار کی خالص فرقہ وارانہ تحریک کو جاری رکھنا ہندو مسلم کشیدگی کا باعث نہیں بن سکتا۔ اور

اس کی بنا پر آپ نے ان سے بیزاری ظاہر نہیں کی تو بنگال و آسام کے طلبہ کا ایک انجمن بنالینا۔ اور ان میں ملی احساس پیدا کرنے کیلئے میری مذہبی تقریر کا ہو جانا کیوں مورد الزام قرار پائے؟ ؎

وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا ✣ ہم آہ بھی کرتے ہیں ہو جاتے ہیں بدنام

باقی رہا یہ سوال کہ ۱۹۲۱ء اور ۱۹۲۲ء کی داستان دہرانے کا اب وقت نہیں۔ تو گذارش یہ ہے کہ کیا ۱۹۲۵ء میں جو ساڑھے چار سو سماجیں ہندوستان میں کام کر رہی تھیں اب ان میں سے کوئی بھی صفحۂ ہستی پر باقی نہیں؟ کیا اب ستیارتھ پرکاش کی اشاعت بند ہوگئی۔ کیا اسلام کے خلاف اب کوئی کتاب آریوں کی طرف سے شائع نہیں ہوتی؟ کیا پنڈت کالیچرن شرما اور پنڈت رگھوناتھ پرشاد مصر کا ہندی ترجمہ قرآن مجید اور دوسرے آریوں کی کتابیں مثلاً "قرآن کی چھان بین" "اللہ میاں کا حلیہ" "اللہ میاں کی گڑ گڑوں" وغیرہ ناپاک کتابوں کی اشاعت ممنوع ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس پھیلے ہوئے زہر کا تریاق ڈھونڈنے کیلئے غافل مسلمانوں کو بیدار کرنے پر ہمیں ملامت کیوں کیجائے ؎

تیغ نگاہِ ناز تو کرتی ہے قتل عام ✣ اس پر یہ بندوبست کوئی نوحہ گر نہ ہو

اہل ثروت سے خطاب حضرات! اس جملۂ معترضہ کے بعد پھر میں اپنے مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں یعنی معاندین حق کی جن مساعی کا ایک نہایت مجمل اور نامکمل خاکہ جو میں نے ابھی آپ کے سامنے پیش کیا ہے اس کی طرف مکرر توجہ دلاتے ہوئے سب سے پہلے ان اہل ثروت مسلمانوں کو مخاطب کرنا چاہتا ہوں جو مذہب کی پاس۔ اسلام کی حمایت اور ایمان کی حفاظت کا جذبہ بھی رکھتے ہیں۔ جو اللہ کی دی ہوئی دولت کو اس کی راہ میں قربان کر دینا اپنی عین سعادت سمجھتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی گذارش کر دوں کہ آپ مجھے کسی تبلیغی انجمن کا تنخواہ دار مبلغ یا کسی قومی مدرسہ کا سفیر سمجھکر میری باتوں کو خود غرضی پر محمول نہ کریں۔ میں اللہ کے فضل و کرم سے دہلی کی اس شہرۂ آفاق اور مایہ ناز درسگاہ کے ایک ممتاز عہدہ پر فائز ہوں جو "دار الحدیث رحمانیہ" کے نام سے موسوم ہے۔ میں اس وقت جو کچھ بھی عرض کر رہا ہوں اس کا باعث ملت کی دردمندی کے سوا اور کچھ نہیں۔ واللہ علی ما نقول شھید ✣

رؤسا قوم! حق و صداقت کے خلاف دشمن کی ان خاموش مگر خوفناک ریشہ دوانیوں کے متعلق آپ پر جو فرض عائد ہوتا ہے آپ نے اس سے عہدہ برائی کی کیا تدبیر سوچی؟ یہ صحیح ہے کہ آج ملک میں بہت سی تبلیغی انجمنیں قائم ہیں اور آپکی امداد و اعانت اس کی پشت پناہ بھی ہے، اور اس میں بھی شک نہیں کہ کسی نہ کسی حد تک یہ چیز بھی مفید اور کار آمد ہے اسلئے یہ سلسلہ بھی آپ کو ضرور باقی رکھنا چاہئے۔ لیکن میرے خیال میں معاملہ کی شدت کسی مستقل اور مستحکم محاذ کی طلبگار ہے۔ کسی ایسے نظام کو چاہتی ہے کہ جس کا سلسلہ ملک کے اس سرے سے اُس سرے تک یکساں طور پر پھیلا ہوا ہو۔ جو صرف وقتی اور ہنگامی نہ ہو بلکہ اٹل اور دائمی ہو۔ اور وہ یہی ہے کہ خود مسلمانوں کو مذہب کی صحیح تعلیمات سے واقف کرایا جائے ان میں مذہبی تعلیم سے دلچسپی اور ذوق پیدا کیا جائے۔ ان کو بتایا جائے کہ اسلام کس طرح دونوں جہاں کی فلاح اور بہبود کا

ضامن ہے۔ ان کی رگ رگ میں اسلام کی محبت اس طرح رچا دیجائے کہ پھر دنیا کی کوئی طاقت انھیں اس سے منحرف نہ کر سکے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس خدمت کو انجام دینے والے وہی ہو سکتے ہیں جو خود اس نعمت سے بہرہ اندوز ہوں۔ کیا کسی کالج کے پاس شدہ یا کسی یونیورسٹی کے گریجویٹ سے یہ توقع کی جا سکتی ہے؟ درانحالیکہ وہ بے چارہ باوجود ادعائے ہمہ دانی دین کی ابجد سے بھی ناواقف ہوتا ہے۔ وہ تو اقتدار کا پجاری اور طاقت کا غلام ہے۔ آج انگریز کا تسلط ہے اسلئے وہ کالا انگریز بنا پھرتا ہے۔ اگر کل ہندو برسر اقتدار آجائے تو اسے " دھوتی پرشاد " بنتے ہوئے بھی دیر نہیں لگیگی۔ یہ کام تو مدرسوں کے وہی بوریا نشین " ملا " انجام دینگے۔ جو آج طوفان انقلاب کے سینکڑوں تھپیڑے کھانے کے باوجود بھی " ملا " ہی ہیں۔ بشرطیکہ کسی صحیح نظام کے ماتحت ان کو صحیح تعلیم و تربیت دیجائے۔ آپ ان کو ہزار ٹھکرائیں ان پر بار بار حقارت کی نگاہیں ڈالیں۔ لیکن یقین جانیں کہ آج شمع دین کی جو ٹمٹماتی ہوئی لَو دکھائی دے رہی ہے وہ انھیں کی بدولت ہے پس ان مدارس کو مستحکم کیجئے۔ ان کے چلانے والے منتظمین کی حوصلہ افزائی کیجئے۔ ان میں پڑھنے والے طلبہ کو ضروریات زمانہ کے لحاظ سے ایسی مذہبی فوج بنائیے جو میدان تبلیغ میں ایک قدرتی فوج ہو۔

قرآن مجید نے سورۂ توبہ کی اس آیۂ کریمہ میں جو میں نے خطبہ کے شروع میں تلاوت کی ہے۔ اسی طرف اشارہ کیا ہے یعنی " یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تمام مسلمان گھر چھوڑ کر تحصیل علم کیلئے نکل کھڑے ہوں۔ پس ایسا کرنا چاہئے کہ ہر بستی اور ہر گروہ میں کچھ ایسے لوگ ہوں جو اس کام کیلئے وقف ہو جائیں۔ وہ تعلیم و تربیت کے مرکز میں رہ کر دین میں بصیرت پیدا کریں اور پھر اپنی آبادیوں میں جا کر تبلیغ کریں " قرآن مجید کی اس تعلیم کے مطابق غریبوں کی ایک جماعت تحصیل علم کیلئے آپ کے پاس آتی ہے اب ان کو صحیح طریقہ پر اس سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع بہم پہنچانا آپ کا فرض ہے۔

طلباء سے خطاب | علم دین کے طلبگارو! موقع کی مناسبت سے میرا ارادہ تھا کہ ضرورت زمانہ کے لحاظ سے آپ کے فرائض کے متعلق کچھ بسط سے کہونگا۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ میری عدیم الفرصتی نے اس کا موقع نہ دیا۔ اب اس باب میں صرف چند اشارے ذکر کر کے اس سمع خراشی کا سلسلہ ختم کرتا ہوں

دوستو! آپ کے وطن اور اہل وطن کو خیرباد کہنے، بے وطنی اور غربت کی ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کرنے کا مقصد قرآن مجید کے لفظوں میں یہ ہے۔ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ الآیہ۔ یعنی پہلے خود دین میں فہم و بصیرت پیدا کرنا اور پھر اپنے وطن واپس جا کر اپنی قوم کو برائیوں سے بچانے کیلئے اس کے انجام سے ان کو ڈرانا۔ پس ہمیشہ اس مقصد کو سامنے رکھیں اور اپنی قوم کی اصلاح کو اپنا فریضہ تصور کریں۔ اور میرے خیال میں انفرادی طور پر کسی قسم کی کوشش سے اس کیلئے کوئی اجتماعی شکل پیدا کر لینا زیادہ مناسب ہوگا۔ جیسا کہ بنگال و آسام کے طلبہ نے اپنی اس انجمن کی صورت میں اختیار کر لیا ہے۔

آج علماء اور طلباء کی جماعت حسن اخلاق و عادات کی وجہ سے بدنام ہے۔ وہ آپ پر مخفی نہیں۔ کوشش کیجئے

کہ آپ سے وہ الزامات دفع ہوں۔ ورنہ یاد رکھئے کہ آج دین پر اسکا بہت برا اثر پڑ رہا ہے۔

آپ علم دین کے حامل اور اسی کے طالب ہیں اسلئے آپ کی ہر ادا سے اس کا اظہار ہونا چاہئے۔ آپ اپنی وضع قطع میں انگریزی تعلیم یافتوں کی نقالی کی کوشش نہ کریں کہ وہ بیچارے خود دوسروں کے نقال ہیں پھر یہ نقال کی نقالی چہ معنی؟ آج ظاہری ٹیم ٹام میں آپ جتنے منہمک نظر آتے ہیں اپنی علمی لیاقت مضبوط کرنے میں ویسی توجہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج باکمال علماء کا قحط ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جو جگہ خالی ہوتی ہے پھر اسکے پُر ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

معذرت حضرات! میں اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ میں نے آپ کا بڑا وقت ضائع کیا۔ میں ممنون ہوں کہ آپ نے خاموشی سے میری یہ بے ربط اور بے ترتیب باتیں سنیں۔ خامیوں سے درگذر فرمایئے اور اگر کوئی کام کی بات ہو تو لے لیجئے ؎

کہ حکمت کو اک گم شدہ لال سمجھو ✦ جہاں پاؤ اپنا اُسے مال سمجھو

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن۔

عطاء الرحمٰن کی یہ ہے زراعت

(از جناب مولوی بدر الحسن صاحب بھوانی)

الٰہی رکھ "محدث" کو سلامت ✦ اسی کے سر ہے تاجِ امامت
پھلے پھولے رہے سرسبز مولا ✦ عطاء الرحمٰن کی یہ ہے زراعت
ہزاروں ہوتے ہیں سیراب اس سے ✦ یہی دہلی میں ہے بحرِ ہدایت
ادائیں اس کی پیاری ہیں کچھ ایسی ✦ موحد پاتے ہیں اس سے حلاوت
ہدایت پاتے ہیں گمراہ اس سے ✦ یہی گلزار ہے گلزارِ سنّت
مخالف کیلئے یہ سیفِ حق ہے ✦ ٹپکتی اس سے ہے حقّا کرامت
حقیقت میں "محدّث" ہے محدّث ✦ کہ کامل کرتا ہے دیں کی حمایت
یہ تازہ کرتا ہے ایمان واللہ ✦ بھری ہے کوٹ کر خالق نے رحمت

دعا بدر الحسن کی ہے الٰہی ✦ خزاں اس پر نہ آئے تا قیامت

حدیث نبوی اور جماعتہائے مسلمین سلف

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

(از جناب مولانا عبدالصمد صاحب مبارکپوری حسین آبادی)

ایک زمانہ تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کیلئے گردن کٹا دینا اعلیٰ ترین سعادت اور کامیابی سمجھی جاتی تھی قرآن وحدیث کے خلاف لب کشائی کی کسی کو جرأت تو کجا سخت معصیت اور بے ایمانی خیال کی جاتی تھی۔ ناموس اسلام پر جان ومال زبانی ہی نہیں بلکہ عملاً قربان کئے جاتے تھے لیکن افسوس آج یہ جذبہ بہت کم سینوں میں موجزن ہے ہماری پستی اور کمزوری ہے کہ غیر تو غیر خود مدعیان اسلام ملت بیضا یعنی حقیقی اسلام کی بیخ کنی اور بربادی کی سعی کر رہے ہیں سچ تو یہ ہے کہ غیر مسلموں اور عیسائیوں آریوں سے ہمیں اتنا نقصان نہیں پہنچ سکتا جتنا کہ ان مدعیان اسلام سے پہنچنے کا خطرہ واندیشہ ہے اسلئے کہ ہمارے اکثر عوام ان غیر مسلموں کی باتوں کو اولاً تو سنیں گے بہت کم اور سنینگے تو انکا اعتبار نہیں کرینگے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ ہمارے دینی اور مذہبی دشمن ہیں اور اسلام ودین کے معاملہ میں صحیح اور سچ بات کبھی نہیں بیان کر سکتے۔ یہ لوگ جب خدا پر جھوٹ باندھنے سے نہیں رکے اور عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کو خدا کا بیٹا ٹھہرا دیا (تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیرا) تو ہمارے ساتھ جھوٹ بولنے سے کس طرح اور کب باز رہ سکتے ہیں لیکن یہ نام کے مسلمان منکرین حدیث چونکہ اپنے کو پکا مسلمان ظاہر کرتے ہیں اسلئے عوام کا ان کے مغالطے اور دھوکے میں آجانا بہت ممکن اور قرین قیاس ہے پس مسلمانوں کی خیر خواہی کیلئے لکھا جاتا ہے اگر آخرت کی نجات وفلاح اور جہنم کی آگ سے پناہ اور حفاظت چاہتے ہیں تو ان کو چاہیے کہ حقیقی اور اصلی اسلام کو سچے طور پر سمجھ کر اسکا دامن مضبوط پکڑ لیں اور ایسا مضبوط ومستحکم پکڑیں کہ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ کے صحیح صحیح مصداق ہوں۔ یعنی تمہاری موت (اور اس دنیا سے رحلت) اسلام ہی پر ہونا چاہیے۔

میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آج سے پیشتر اسلام میں جتنے برحق اور ہدایت یافتہ طبقے یا گروہ گذرے ہیں وہ قرآن وحدیث دونوں پر عامل اور دونوں پر ایمان رکھنے والے تھے۔ اپنے اپنے معتقدین اور تابعین کو بھی انھوں نے کتاب وسنت کی ہی پیروی کا حکم دیا ہے اور عمر بھر کتاب وسنت سے مسئلے بتاتے اور اسی کی تعلیم دیتے رہے۔ میرا یہ محض دعویٰ نہیں ہے آپ مسلمانوں کے معتبر اور مقدس گروہوں کو تلاش کیجئے اور ان کے اصلی اور صحیح صحیح حالات معلوم کیجئے تو آپ پر ثابت ہو جائے گا کہ درحقیقت تمام مقدس اور برگزیدہ لوگ قرآن وسنت دونوں کے قائل وعامل تھے۔ میں آپ کو تفصیل کے ساتھ بتاتا ہوں سنئے!

اور یاد رکھئے کہ فقہا اور صوفیائے کرام اور ائمہ محدثین مفسرین و متکلمین فقرا و مشائخ سب کے سب کتاب و سنت کے متبع تھے اور قرآن و حدیث دونوں کو اسلام اور خدا کا دین سمجھتے تھے اور یہی حق و صحیح ہے۔ میں اسوقت محدثین و فقہا مفسرین و متکلمین کی تصریحات کو نظر انداز کرتا ہوں کیونکہ وہ بہت معروف و مشہور ہیں صرف صوفیائے کرام اور اولیاء خدا کی تصریحات آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں پس سنئے! علامہ شیخ ابو سلیمان دارانی مشائخ صوفیہ میں بڑے بلند پایہ جلیل القدر صوفی گذرے ہیں آپ شریعت اسلام کے بڑے پابند تھے۔ آپ فرماتے ہیں انہ لیمرّ بقلبی النکتۃ من نکت القوم فلا اقبلھا الا بشاھدین الکتاب والسنۃ (فتاوی ابن تیمیہ ص۲۰۶ ج۱) میرے قلب میں اس قوم (صوفیائے کرام) کے نکات میں سے نکتہ گذرتا ہے مگر میں بلا شہادت کتاب و سنت کے اسکو قبول و تسلیم نہیں کرتا۔"

نیز آپ نے فرمایا ہے لیس لمن اُلہم شیأ من الخیر ان یفعلہ حتی یسمع فیہ باثر فاذا سمع فیہ باثر کان نورًا علی نور (فتاوی ابن تیمیہ ص۲۰۶ ج۱) کسی شخص کے دل میں کوئی اچھی بات ڈالی جائے تو اسکو جائز نہیں ہے کہ اس پر عمل کرے تا وقتیکہ اس کے بارے میں کوئی حدیث نہ سن لے کیونکہ جب حدیث نبوی سن لیگا تو اس کو نور پر نور حاصل ہوگا

اسی طرح سید الطائفہ حضرت شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: "عِلمُنا مُقَیَّدٌ بالکتاب والسنۃ فمن لم یقرأ القران ویکتُبِ الحَدِیثَ لا یَصِحُّ ان یتکلم فی علمنا (فتاوی مذکورہ ص۲۱۶ ج۱) یعنی ہمارا علم کتاب و سنت کے ساتھ مقید ہے پس جس نے نہ قرآن پڑھا ہو اور نہ حدیث لکھی ہو اسے ہمارے علم میں گفتگو کرنا درست نہیں۔"

معلوم ہوا کہ علم تصوف کی جان قرآن و حدیث ہے۔ قرآن و حدیث کا علم حاصل کئے بغیر اس علم میں گفتگو کرنا جرم ہے پس جو حکم اور جو کام کتاب و سنت کے خلاف ہو وہ تصوف کے مخالف اور اس سے خارج ہے اس کا ترک کر دینا ضروری ہے اور بہرحال قرآن و حدیث کی پیروی لازم ہے۔"

شیخ علامہ عبداللہ بن سہل تُستَری مشہور و معروف صوفی فرماتے ہیں۔ "کُلُّ وَجدٍ لا یَشْھَدُ لہ الکتابُ والسُّنَّۃ فھو باطل" (حوالہ مذکورہ) ہر وہ وجد جس کی شہادت کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نہ ہو وہ باطل ہے۔ نیز شیخ موصوف نے فرمایا ہے "اصول مذھبنا ثلثۃ الاقتداء بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الاخلاق والافعال والاکل من الحلال واخلاص النیۃ فی جمیع الاعمال (الشفاء للقاضی عیاض ص۱۳ ج۲) یعنی ہمارے مذہب کے تین اصول ہیں (۱) تمام عادات و افعال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا (۲) حلال روزی سے کھانا (۳) تمام اعمال میں نیت کا خالص کرنا (یعنی اللہ کیلئے)۔

اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن ایک جماعت کے ہمراہ تھا وہ لوگ برہنہ پانی میں اترے اور غسل کیا اور میں نے اس حدیث پر عمل کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جو شخص اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہو وہ حمام میں ازار باندھکر داخل ہو اور میں برہنہ نہیں ہوا۔

اسی رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہتا ہے اے احمد خوش ہو جاؤ کہ سنت پر عمل کرنے کے سبب سے اللہ نے آپ کے گناہ بخش دیئے اور تم کو امام بنا دیا۔

امام عبداللہ بن مصعب نے بعض ان اہل کلام وغیرہ کے رد میں جو کتاب و سنت سے دور جا پڑے ہیں کہا ہے۔

ولا تصحبن اخا بدعۃ　　ولا تسمعن لہ الدھر قیلا
فان مقالتھم کالظلال　　یوشک افیاؤھا ان تزولا

یعنی کسی بدعتی کی دوستی اور صحبت ہرگز ہرگز نہ کرنا اور نہ کبھی ان کی کوئی بات سننا کیونکہ ان کی باتیں سایہ کی طرح (بے ثبوت و ناپائدار) ہوتی ہیں جو بہت جلد ڈھل جاتی (زائل ہو جاتی) ہیں۔

وقد احکم اللہ آیاتہ　　وکان الرسول علیہ دلیلا
واوضح للمسلمین السبیل　　فلا تتبعن سواھا سبیلا　　(تاویل مختلف الحدیث)

اللہ تعالیٰ نے اپنی آیتیں صاف صاف بیان کردی ہیں اور رسول علیہ السلام اس پر دلیل ہو چکے ہیں اور مسلمانوں کے واسطے راستہ کو واضح فرما دیا ہے پس اس کے سوا اور راہ کی پیروی ہرگز نہ کرے۔

حضرت شیخ فضیل بن عیاض ابو عبدالرحمن سلمی ابوالقاسم قشیری ابو عثمان حیری جنید شبلی سمنون، شیخ عبدالقادر جیلانی ابراہیم ادہم شیخ محی الدین ابن عربی حضرت حسن بصری اویس قرنی وغیرہم رحمہم اللہ تمام بڑے بڑے صوفیاء کرام کا مذہب و مسلک قرآن و حدیث تھا اور سب کتاب و سنت کے متبع تھے اور تمام لوگوں کے سر کتاب و سنت کے آگے بے چون و چرا خم ہوتے تھے حدیث صحیح ملنے کے بعد سر مو اس سے تجاوز روا نہیں جانتے تھے۔ اسی کو کسی عارف نے نظم میں کہا ہے ؎

کیا تجھ سے کہوں حدیث کیا ہے　　دُردانۂ درج مصطفےٰ ہے
صوفی و عالم و حکیم دینی　　کرتے رہے اسی کی خوشہ چینی
بابا کے ہاں سے کون لایا　　جس نے پایا یہیں سے پایا
اس در کا اک گدا ہے　　گو غوث و قطب و امام مقتدا ہے

شیخ شہاب الدین بن داود منزلاوی ایک بزرگ صوفی تھے جو کتاب و سنت پر عامل تھے یہ فرمایا کرتے تھے جو کوئی حدیثوں کو یاد کرنا چاہے اسکو چاہیئے کہ عامل بالحدیث ہو جائے کیونکہ وہ سنت اس کے پاس مقید ہو جائے گی اور یہ اسکو کبھی فراموش نہیں کرے گا۔

شیخ عبداللہ صوری صوفیہ عظام سے ہیں فرماتے تھے " من تھاون بالسنن ابتلی بالبدع " یعنی جو شخص سنتوں (حدیثوں) پر عمل کرنے میں سستی کرتا ہے وہ بدعت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ حسن بن علی جورجانی اکابر مشائخ سے تھے یہ فرماتے

تھے کہ اللہ تک پہنچنے کا صحیح راستہ اتباع سنت ہے قولاً و فعلاً و عزماً و قصداً و نیتۃً اسلئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وان تطیعوہ تھتدوا (پ۱۸ س نور) کسی نے پوچھا اتباع سنت کا راستہ کیا ہے فرمایا بدعات سے دور رہنا اور ان سب امور کا اتباع کرنا جس پر صدر اول کے علماء اسلام تھے۔

شیخ عدی بن مسافر اموی طریقہ تصوف کے ایک رکن اور بڑے جید و بلند رتبہ عالم تھے فرماتے تھے جس کسی میں ادنیٰ بدعت ہو اس کے پاس نہ بیٹھو کہیں اس کی نحوست تم میں نہ اثر کر جائے اگرچہ ایک زمانہ کے بعد ہو، نیز فرماتے تھے کسی سے کرامات اور خوارق عادات امور صادر ہوتے دیکھو تو اس سے دھوکا نہ کھاؤ (اس کے ولی اللہ ہونیکے معتقد نہ ہو جاؤ) جب تک تم اس کو امر و نہی کا پابند نہ دیکھ لو۔"

ان عبارات و اقوال کے نقل کرنے سے مقصد یہ ہے کہ اہل اسلام کے تمام طبقات اور جمیع طوائف میں حدیث نبوی مقبول و معمول بہ ہے کسی معتبر اور معتد بہ طبقہ نے حدیث کا انکار نہیں کیا ہے۔ اہل حدیث فقہا اہل تفسیر اہل تصوف قرآء اور مشائخ اور اہل کلام غرض تمام طائفوں نے حدیث کی پیروی اور اتباع سنت کو دین و ایمان اور رشد و ہدایت یقین کیا ہے اور ترک حدیث و انکار و مخالفت سنت کو بے دینی اور کفر و ضلالت ٹھہرایا ہے۔ ان اقوال سے حدیث کی اہمیت و رفعت شان عیاں ہے اور یہ اقوال شہادت علی المدعا (قبولیت و حجیت حدیث) کیلئے کافی اور وافی ہیں ورنہ اس قسم کے اقوال اسقدر کثرت سے موجود ہیں کہ ان کیلئے ایک دفتر عظیم بھی ناکافی ہے۔ جب حقیقت یہ ہے تو ایک طالب حق اور سالک راہ فلاح و نجات اور حقیقی پیرو اسلام کیلئے لازم و واجب ہے کہ اسلام کی حقیقی راہ و طریق کی معرفت حاصل کر کے منزل مقصود کی جانب گامزن ہو کہ راہ اسلام تو باقی ہے مگر اس راہ کے آثار و علامات اور نشانات و ارکان پر حجاب ڈال دیئے گئے ہیں اور ان کے محو و ناپید کرنے کیلئے پیہم کوشش و سعی جاری ہے۔ پس بلا شک و شبہ راستی اور سلامتی کا بے خطر راستہ اور وصول الی المقصود کا پرامن طریق وہی ہے اور ہو سکتا ہے جس پر کہ ہمارے اسلاف اور جملہ ارباب علم و ہدایت و اصحاب نقل و روایت علماء و فقہاء مشائخ و فقراء صوفیہ اور متکلمین اور دیگر تمام طوائف اسلامیہ سلوک پذیر تھے۔ اس سے اعراض و انحراف کرنا یقیناً ناکامی اور گمراہی کے گڑھے میں گرنا اور ہلاک و برباد ہونا ہے۔

(باقی)



دو دشمن

(از مولوی ابو رضا محمد عبد اللہ صاحب صادق گھلنوی متعلم رحمانیہ)

ناظرین کرام! میں آج ایسے دو دشمنوں کا ذکر کرنے لگا ہوں۔ جن کی آپس کی دشمنی کوئی ایک دو سال سے نہیں بلکہ ابتدائے آفرینش سے چلی آتی ہے۔ وہ دونوں دشمن عقل سلیم اور جہل ہیں۔ یہ دونوں ہمیشہ سے ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ عقل سدا اس بات کی خواہاں رہی کہ نفس انسانی کو مہذب اور شائستہ بنا کر روحانیت کی بلندیوں تک پہنچاؤں۔ اور جہل کا ہمیشہ یہ نظریہ رہا۔ کہ کسی نہ کسی طرح نفس انسانی کو خواہشات کا غلام بنا دیا جائے۔ چنانچہ اسی مخالفت کی وجہ سے ان دونوں کا آپس میں تصادم بھی ہوتا رہا۔ جس کی گواہی تاریخ دے رہی ہے۔

پہلا معرکہ جو عقل و جہل کے درمیان ہوا وہ حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ تھا۔ جبکہ جہل امارت بن کر لوگوں کے قلب و دماغ پر اپنا تسلط جما چکا تھا۔ عقل نے نوح علیہ السلام کا جامہ پہن کر اسکی تخریب شروع کی تھی۔ غلامان جہالت بلبلا اٹھے تھے کہ کائنات کی عظیم الشان طاقتیں خدائی سے محروم ہو کر خادم کیسے بن سکتی ہیں۔ اور انکا یہ تعجب عذاب الٰہی کے آنے تک دور نہ ہوا۔ انکی دوسری جھپٹ عہد عاد میں ہوئی۔ اور تیسرا مقابلہ دور لوط میں ہوا۔ جبکہ لوط علیہ السلام نے عقل کے حامی بن کر مریدان جہل کی بداعمالیوں کی اصلاح کرنی چاہی۔ تو یہ بات ان کی سمجھ میں ہی نہ آئی کہ عورتوں کی بجائے اگر لونڈوں سے خواہش پوری کی جائے تو اس میں کیا مضائقہ ہے۔ مدائن کی سرزمین میں بھی عقل و جہل کا مورچہ لگا۔ جب عقل نے شعیب علیہ السلام کی صورت میں ایک روحانی طبیب اور ڈاکٹر بنکر بیماران جہل کو تریاق زندگی پلانا چاہا۔ تو دہن باطل اس کی تلخی کی شکایت کرنے لگا۔ انھوں نے ہرچند نرمی سے بھی سمجھایا کہ پرہیز علاج سے بہتر ہے۔ تم کم از کم اصنام پرستی۔ فساد فی الارض۔ تول میں دغا وغیرہ سے پرہیز کر لو تو تمہیں شفا ہو جائیگی۔ لیکن ان منہ پھٹوں نے بکواس کر دی کہ "بڑا آیا حکیم کہیں کا۔ جا خود یہ دوائیں استعمال کر ہمیں کیوں تنگ کرتا ہے۔"

عقل و جہل کی ایک ٹکر حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں بھی ہوئی۔ جبکہ جہل کے بادشاہ فرعون اور اس کے طاغوتی لشکر کو دریا کی لہریں نگل چکی تھیں۔ اور قوم یہود آسمانی رحمتوں کے سایے میں ارض مبارکہ کی طرف ہجرت کر رہی تھی۔ ان کو راستے میں ایک جہل گڑھ نظر آتا ہے۔ جہل کا جاسوس جوان کے دل میں چھپا ہوا تھا۔ فوراً جرمنی کے پانچویں دستے کا کام کرنے لگتا ہے اور پکار اٹھتا ہے یَا مُوسیٰ اجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ہمارے لئے بھی کسی بت کو خدا قرار دیدو جیسے لوگوں کے لئے ہیں۔ تو عقل کے جرنیل موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا۔ اَنْتُمْ جَاهِلُوْنَ۔ بس کم بختو تمہارا پتہ چل گیا تم تو مریضان جہالت ہو۔

عقل وجہل کی سب سے بڑی لڑائی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہوئی۔ جب عقل نے اپنی ضیا کی پہلی کرن جہالت کی تاریکی پر ڈالی تو اس وقت پرستاران جہالت نے عقل کے حامی حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت سست کہا۔ اور "شاعر" "مجنوں" "کاہن" اور خدا جانے کن کن ناموں سے آپ کو موسوم کیا۔ بلکہ ہمدردی اور خیر خواہی کا جواب پتھروں سے دیا گیا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جبکہ عقل مظلوم تھی۔ اور جہل کا بول بالا تھا۔ اور اس کی کارفرمائیوں نے حق کا معیار بھی بدل ڈالا تھا اور ان کو حق یہی نظر آتا تھا کہ رحمت کا مستحق مالدار ہی ہے۔ مفلس وقلاش مطلقاً اس کا حقدار نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ وہ صداقت کو قرآن کی بجائے سیم وزر کے ڈھیروں میں تلاش کرتے تھے۔

اب ایک منٹ کے لئے یہ امر غور طلب ہے کہ اسوقت منکرین کا نظریہ حیات کیا تھا۔ اس کا جواب زبان تاریخ سے سنئے وہ صاف بتاتی ہے کہ ان کے جیب ودامن میں سوائے جہل کے اور کچھ نہ تھا۔ ان کے نزدیک عقل وفطرت کے مقتضیات مدفون ہو چکے تھے۔ ان کا خدا کے ہاں مقبول ہونیکا سرٹیفکیٹ مال وزر تھا۔ آباواجداد کا طریقہ ان کا خدائی طریقہ مانا جاتا تھا۔ ان کے دین ودنیا کے تمام معاملات کا فیصلہ کن حاکم نفس انسانی تھا۔ اس منظر کو مدنظر رکھکر اگر آپ غور فرمائیں کہ عقل تک پہنچنے کیلئے ان کے راستے میں کونسی چیز حائل تھی تو بے اختیار اقرار کرنا پڑے گا کہ "وہ جہالت" جس کو دوسرے لفظوں میں نفس پرستی یا آبا پرستی بھی کہہ سکتے ہیں۔

یہ مختصر سا خاکہ آنحضور کے زمانے تک کا ہے لیکن اس ڈکٹیٹر عقل مصلح فطرت نے ایک پیشینگوئی سے مابعد کے حالات سے بھی آگاہ کر دیا۔ یوں فرمایا بدأ الاسلام غریبا وسیعود کما بدء فطوبی للغرباء مفکرین ومفسرین نے اس پیشنگوئی کی مختلف توجیہیں کی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام ابتدا میں غریبوں یعنی محتاجوں سے شروع ہوا۔ اور ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ اسلام پھر لوٹ کر انھیں کے پاس چلا جائیگا۔ لیکن یہ مطلب غلط ہے کیونکہ "غریب" لفظ جو عربی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی مفلس اور قلاش نہیں بلکہ اس کے معنی مسافر اجنبی۔ انوکھا۔ نرالا۔ اور غیر مانوس کے آتے ہیں۔ اور کسی نے اس پیشینگوئی کا مطلب یوں بیان کیا ہے کہ اسلام مسافر کی طرح پہلے مکہ سے نکلا۔ اسوقت یہ بالکل اجنبی تھا۔ پھر مدینہ میں گیا۔ بعد میں حجاز میں ہوتا ہوا تمام دنیا پر چھا گیا۔ اور پھر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ جیسے سانپ لوٹ کر اپنی بل کو آجاتا ہے اسی طرح یہ بھی لوٹ کر حجاز مکہ اور مدینہ کی طرف آجائیگا۔ لیکن میرے نزدیک اس پیشینگوئی کا اصح مطلب یہ ہے کہ اسلام جب آیا تو اپنی عقل اور اپنی صحیح فطرت۔ تصورات کی رفعت اور اصولوں کی پاکیزگی کے اعتبار سے بالکل نرالا اجنبی اور بیگانہ تھا۔ اور پھر ایک ایسا دور آنیوالا ہے جس میں اسلام ویسا ہی بیگانہ ہو جائیگا۔ لوگوں کے تنگ دماغوں میں اس کا وسیع اور بلند نظام زندگی کا تخیل سما ہی نہ سکیگا۔ اسلام جاہلیت کی تاریکی میں گھرا ہوگا۔ پس اس سیلاب جاہلیت میں جس کے قدم نہ ڈگمگائے۔ اور اس فضائے جاہلیت میں جس نے اس غیر مانوس صدا کے ورد سے اپنی زبان نہ روکی اسی کیلئے بشارت ہے اور اسی کو مبارکباد دی گئی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آنحضورؐ کی یہ پیشینگوئی کس حد تک سچی ثابت ہوئی۔ تاریخ عالم اور موجودہ عالم پر غور کرنے سے صاف نظر آئے گا کہ پرانی جاہلیت میں بھی اسلام غریب تھا۔ بعد میں پروان چڑھا۔ اور پھر ہر کمالے را زوال کے مطابق اب نئی جہالت میں بھی پھر غریب نظر آ رہا ہے۔ یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ حقیقت ہے اور فسانہ نہیں بلکہ نفس الامر میں ایسا ہے آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ ظہور اسلام کے وقت صرف توحید۔ رسالت۔ اور معاد کا غلامان جہالت نے انکار نہیں کیا تھا۔ بلکہ عام دنیوی معاملات سے بھی انکار کر دیا تھا۔ اولاً خود اسلام کی ہیئت ترکیبی کو ہی لیجئے۔ جس وقت اسلام نے انسانی حرکات وسکنات میں تقویٰ اور پاکیزگی کا رنگ بھرنا چاہا تھا تو منافقین ہمہ گیری کا فرق اڑانے لگے تھے۔ کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ مذہب کے ذریعہ آزادی کی ناکہ بندی کی جا رہی ہے۔ اور انسان زندگی نہیں بلکہ موت اور موت کے بعد بھی متعین حدود سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا۔ وہ عقل کے علمبرداروں پر طعنے کسنے لگے۔ چنانچہ ایک یہودی نے تو حضرت سلمان فارسیؓ کو صاف کہدیا کہ کیوں جی سنا ہے کہ تمہارا سیر ہر چھوٹی بڑی بات میں مذہبیت پیدا کرتا ہے۔ حتیٰ کہ پیشاب اور پاخانے کے آداب بھی بتاتا ہے تو انھوں نے کہا ہاں اس میں تعجب کرنے کی کونسی بات ہے۔ گویا کہ ان جاہلوں کے نزدیک وہ مذہب مذہب ہی نہیں تھا جو ہر لحہ انسانی کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے۔

ثانیاً۔ اسلام کا نظام حکومت بھی سامنے رکھئے جس میں شاہ وگدا یکساں نظر آتے ہیں چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ جب عقل کا وہ بہادر جرنیل جس کے دل کو جہالت کے میل سے صیقل کیا جا چکا ہے۔ صلح وجنگ کی شرطیں طے کرنے جاتا ہے۔ اور جو پتھر دل کے بے جان بتوں کے ساتھ ساتھ سلاطین وقت کے متحرک بتوں کی پوجا کو بھی بھلا چکا ہے۔ خودی کی پوری شان کے ساتھ ریشمین قالینوں کو روندتا اور نیزے کی انی سے کاٹتا ہوا ایران کے دربار میں جہالت کے معبود کے برابر جا بیٹھتا ہے تو جہالت کے پتلوں سے یہ دیکھا نہیں جاتا۔ فوراً تیوریاں چڑھ جاتی ہیں۔ توحید کا دیوانہ سفیر یہ رنگ دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے اور اتنا کہکر چلا آتا ہے کہ "کیا تم اپنے جیسے انسان کی پوجا کرتے ہو۔ کیا حکومت کا تخت تمہارا مسجود ہے یہ پیشانی تو صرف خدا کے سامنے جھکنا جانتی ہے"۔

تیسرے جنگ کے اعلان کے وقت تو غلامانِ جہالت کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ کیونکہ جب اسلام نے دعوت دی تھی کہ عقل اور حق کی حمایت کرو تو انھوں نے جھٹ یہ سوال کیا تھا کہ ہم سب کچھ کرینگے۔ مگر ہمیں دنیا میں کیا ملیگا تو جواب ملا کہ دنیا لینے کی غرض سے جو لڑائی لڑی جاتی ہے وہ جہالت کی لڑائی کہلاتی ہے۔ اسلامی لڑائی ذاتی اغراض سے پاک ہے۔ بس اپنی گرہ سے مال خرچ کرو۔ اور اپنی جانیں لڑاؤ۔ صرف اسلئے کہ عقل وعدل کی حکومت قائم ہو جائے۔ نیز ہمیں کفار سے کوئی ذاتی۔ وطنی۔ اور نسلی عداوت نہیں اور نہ ہم زن۔ زر۔ زمین کی خاطر ان سے لڑتے ہیں۔ بلکہ اگر وہ آج مسلمان ہو جائیں تو وہ ہمارے بھائی ہیں۔ جب راسِ کامل نے جہاد کی یہ غرض وغایت بیان کی تو جاہل انسان حیرانی میں پڑ گیا۔ کیونکہ وہ دو ہی قسم کی لڑائی لڑنا جانتا تھا۔ ایک شہرت اور دولت وتوسیع مملکت کی خاطر اور دوسری انتقام نفس کے لئے۔ ایسی لڑائی کا اسے کبھی

خیال بھی نہ آیا تھا جو طمع اور انتقام نفس دونوں سے پاک ہو۔ ان کی یہ سمجھ میں ہی نہ آتا تھا کہ یہ کیسی لڑائی ہے کہ میں اپنا مال خرچ کروں اپنی جان کو جوکھوں میں ڈالوں اور دنیا میں بدلہ کچھ بھی نہ چاہوں۔ سچ ہے بھلا جنگ کا یہ فلسفہ ان کی سمجھ میں آ بھی کیسے سکتا تھا۔ جن کی قوت کا منتہا لات و عزیٰ کے حقیر پتھروں تک اور اغراضِ جنگ کا تخیل حصول غنائم تک محدود ہو۔ اس کے علاوہ بھی پرانی جاہلیت کے غلام تمام اسلامی قوانین کو انوکھا اور نرالا سمجھتے تھے۔ چنانچہ اسی کو پیغمبر برحق نے بدأ الاسلام غریباً (اسلام اجنبیت اور غیر مانوس حالات میں شروع ہوا) سے تعبیر کیا۔

اب ذرا نئی جاہلیت میں بھی اسلام کا اجنبی ہونا ملاحظہ ہو۔ دیکھیئے جاہلیت قدیمہ خدا کی ہستی سے منکر نہ تھی بلکہ صرف خدا کی وحدانیت ان کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ لیکن اس نئی جہالت کو دیکھو کہ اسنے سرے سے خدا کی ہستی سے ہی انکار کر دیا ہے۔ اگر آپ ان کو یہ کہدیں کہ گراموفون خود بخود تیار ہو گیا ہے تو آپ کو پاگل اور جاہل کہے گی لیکن خود بے تکلف یہ حکم لگا دیتی ہے کہ اتنا بڑا کارخانہ خود بخود وجود میں آیا ہے اور بغیر کسی طاقت کے چل رہا ہے۔ جاہلیت حاضرہ کی خدا کے عدم پر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب تک انسان کے مشاہدے میں کوئی چیز نہیں آتی۔ اس وقت تک اس پر ایمان لانا عقل کی توہین ہے۔ یہی جواب آج سے چار ہزار برس پہلے ایک جاہل انسان دیا کرتا تھا۔ غرضیکہ ہزاروں سال کی ترقی کے بعد کولھو کے بیل کی طرح جہالت انھیں قدموں پر لوٹ آئی جہاں سے چلی تھی۔ وہ بھی یہی کہتے تھے۔ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً (بقرہ ۵) یعنی ہم تم پر ایمان نہیں لائینگے جب تک اللہ کو کھلم کھلا اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں) اور جہالت جدیدہ بھی یہی رٹ لگا رہی۔ نیز موت کے بعد حیات کا فلسفہ جس طرح ایک بدو کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ اسی طرح آج ایک بدھو ڈاکٹر کی کھوپری میں بھی نہیں سماتا۔ اس کی عقل عدم سے وجود میں آنا تو تصور کر لیتی ہے۔ مگر موت کے بعد حیات تصور نہیں کر سکتی۔ بھلا کوئی ان بدھوؤں سے پوچھے کہ جو ذات عدم سے وجود میں لا سکتی ہے کیا وہ ان ذات کو جمع کر کے پھر جسم نہیں تیار کر سکتی؟ اور کیا ایک چیز کا عدم سے وجود میں لانا مشکل ہوتا ہے۔ یا تجربے کے بعد بنانا مشکل ہوتا ہے؟ اور پھر اس وقت جبکہ سامان بھی موجود ہو۔

نیز معاش کے متعلق جاہلیت جدیدہ کو ایک اور چیز اپنے اسلاف سے ورثہ میں ملی ہے۔ جسکو قتل اولاد کہکر پکارا جاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ علم و فلسفہ کے رنگ میں پیش کرتا ہے تو دنیا اس کو بدو کی بجائے ڈاکٹر کہتی ہے۔ بدو ان پڑھ نے یہی جرم کیا تو لاحول پڑھتے پڑھتے تہذیب حاضرہ کی زبان خشک ہو گئی اور اس کی یہ جاہلانہ حرکت قتل اولاد کہلائی۔ لیکن جب وہی جاہلانہ کام خود کیا۔ تو اس کا نام "برتھ کنٹرول" رکھا گیا۔

انبیاء کے متعلق جہالت قدیمہ کا یہ نظریہ رہا کہ بشر خدا کا رسول نہیں ہو سکتا۔ اس جاہلی نظریہ کے ماتحت خدا کے نبی پر دو طرح سے حملہ کیا گیا۔ جب کوئی نبی مبعوث ہوا تو پہلا حملہ یہ ہوا کہ تم بشر ہو۔ اور بشر خدا کا رسول نہیں ہوتا۔ لہذا تم رسول نہیں ہو۔ لیکن جب نبی رخصت ہو جاتا تو جاہلیت نے پینترا بدل کر یوں حملہ کیا کہ چونکہ وہ رسول تھا۔ اور بشر خدا کا رسول

نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ بشر نہیں تھا۔ یہود نے اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنایا۔ اور نصاریٰ نے اسی حربہ سے مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ کے سانچے میں ڈھالا۔ نبی آخرالزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی پہلا حملہ یہ ہوا کہ تم بشر ہو۔ اور بشر خدا کا رسول نہیں ہوتا۔ لہٰذا تم رسول نہیں ہو۔ آج جہالت جدیدہ یوں کہہ رہی ہے کہ چونکہ آپ رسول تھے اور رسول بشر نہیں ہوتا لہٰذا آپ بشر نہیں تھے اور جو آنحضور کو بشر کہے وہ مسلمان ہی نہیں اسی کی طرف سرور کائنات نے سیعود کما بدء (جس طرح اسلام شروع میں اجنبیت میں تھا اسی طرح پھر ہو جائے گا) سے اشارہ کیا تھا لیکن اس جہالت کی تاریکی میں امید کی ایک کرن ابھی باقی ہے۔ کیونکہ تجربات سے ثابت ہو چکا ہے کہ باطل پھیلتا تو جاتا ہے لیکن ثابت قدم رہنا نہیں جانتا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ فطوبیٰ للغرباء (پس بشارت ہے ایسے غرباء یعنی اجنبیوں کیلئے جو احکام اسلام کو اس وقت زندہ کریں جب لوگ اس سے غیر مانوس ہو جائیں) کی پیشینگوئی بھی ڈھارس بندھا رہی ہے۔ کاش اس وقت اسلام سے جس سے ساری دنیا بیگانہ ہے۔ اور جو جاہلیت کے غبار میں چھپا ہوا ہے۔ دنیا کو پھر روشناس کرایا جائے۔ اور اس زمانے میں ایسے "غرباء" میدان عمل میں آئیں جو اسلامی چہرہ سے جہالت کا پردہ ہٹا دیں۔ بس یہی تجدید ملت ہے۔ اور اسی کو وراثت رسول کہتے ہیں۔

خطاب بہ مسلم

(از جناب نذیر احمد صاحب مجروح)

بہت سوئے مسلماں تو اٹھو اب خواب غفلت سے
زمانہ دیکھتا ہے آج تم کو چشم ذلت سے

چڑھا کر بادۂ غفلت ہوئے مدہوش تم ایسے
کہ ہو اب باخبر تک بھی نہیں تم اپنی حالت سے

تمہارے مضحکے دنیا کے ہر گوشے میں ہوتے ہیں
حیا کچھ ہے تو اب بھی جاگ جاؤ خواب غفلت سے

فلک پر بھی تری بربادیوں کا آج چرچا ہے
مگر تو باخبر مسلم نہیں کچھ اپنی حالت سے

رہیگا بے خبر ایسا تو مٹ جائیگا عالم سے
نہ ہوگا نام لیوا بھی کوئی تیرا حقارت سے

وہ اک دن تھا کہ سر جھکتا تھا قیصر اور کسریٰ کا
مگر تو آج پیش غیر جھکتا ہے حقارت سے

تری جانبازی و ہمت کا اک وہ بھی زمانہ تھا
کہ دنیا کانپ جاتی تھی مسلماں تیری صورت سے

جگا دے نعرۂ تکبیر سے پھر ایک عالم کو
ہلا دے اس جہاں کو آج پھر تو اپنی طاقت سے

نہیں جچتی یہ غفلت ایک لمحہ بھی تجھے مسلم!
تو اٹھ دنیا میں رہنا ہے اگر ہے شان و شوکت سے

سخن گوئی ہے اے مجروح تیرے واسطے آساں
توجہ شوق فرماویں اگر تجھ پر عنایت سے

فتاوے

سوال:۔ قبر کے پاس بیٹھکر قرآن شریف تلاوت کرکے مردے کو ثواب پہنچانا جائز ہے یا نہیں۔ مردے کو ثواب پہنچانے کا صحیح طریقہ اور صورت کیا ہے اور تلاوت قرآن کا ثواب بخشنے کی کیا صورت ہے زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت ہے یا دل میں نیت کرلینی کافی ہے۔ محمد سلیمان از بردوان

جواب:۔ دعا استغفار۔ صدقہ خیرات۔ حج و قربانی کی طرح تلاوت قرآن پاک کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے لیکن ایصال ثواب کا مروجہ طریقہ یعنی ثواب پہنچانے کی غرض سے قبر کے پاس یا گھر میں یا مسجد میں لوگوں کا جمع ہونا اور حلقے باندھکر قرآن پڑھنا یا کچھ پیسے دیکر یا بغیر پیسے دیئے ہوئے مجاور یا غیر مجاور سے قبر پر پڑھوانا بے اصل اور بدعت ہے مولانا عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں وعادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند بر سر گور نہ غیر آں این مجموع بدعت است (مدارج النبوۃ) اور ان کے استاذ امام شیخ علی متقی صاحب کنز العمال فرماتے ہیں الاول الاجتماع للقرأۃ بالقرآن علی المیت بالتخصیص فی المقبرۃ او المسجد او البیت بدعۃ مذمومۃ۔ خلاصہ یہ کہ یہ طریقہ قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں نہیں پایا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد پس ایصال ثواب کا مروجہ طریقہ ناجائز اور مردود ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب پہنچانے کیلئے اپنی طرف سے کوئی خاص طریقہ نہیں مقرر کرنا چاہیئے بلکہ جب کبھی زیارت کے لئے قبرستان جانے کا اتفاق ہو تو دعا استغفار کے ساتھ جسقدر ہو سکے قرآن پڑھکر اس کا ثواب میت کو بخشدے خصوصاً ان سورتوں اور آیتوں کا خیال رکھے۔ سورہ یسین۔ سورہ اخلاص۔ معوذتین۔ اول و آخر سورہ بقرہ و آیۃ الکرسی۔ سورہ تکاثر۔ گھروں میں عام طور پر مرد عورتیں بچے جوان بوڑھے حسب موقع قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ کوئی صبح کو کوئی کسی وقت پس اس طرح بھی ہر شخص قرآن کی تلاوت کرکے میت کو اس کا ثواب بخش سکتا ہے۔ ثواب بخشنے کیلئے زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جس طرح نماز شروع کرنے کے وقت دل میں نیت کرنی کافی ہے اور لفظوں میں نماز کی نیت کرنی بے ثبوت و بے اصل ہے اسی طرح یہاں بھی دل میں یہ نیت کرنی کہ یا اللہ اس تلاوت کا ثواب فلاں شخص کی روح کو پہنچے کافی ہوگا۔

سوال:۔ اگر ہم بیت المال بنادیں اور اس میں زکوٰۃ فطر قربانی کی کھال کا پیسہ جمع کریں اور اس بیت المال کی رقم سے کتاب وغیرہ منگائیں تو کیا ہم اہل نصاب اس کتاب کو پڑھکر اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟ سائل مذکور

جواب:۔ ایسی کتابوں سے نہ ان لوگوں کو فائدہ اٹھانا جائز ہوگا جن کی زکوٰۃ و فطرہ اور چرم قربانی کی قیمت سے یہ کتابیں خریدی جائیں اور نہ دوسرے اہل نصاب کو۔ اپنے صدقہ فطر و زکوٰۃ سے خود فائدہ اٹھانا بالاتفاق ممنوع و ناجائز ہے فرمایا

العائد فی صدقتہ کالکلب یعود فی قیئہ اور فرمایا لا تعد فی صدقتک اسی طرح دوسرے اغنیاء واہل نصاب کیلئے بھی زکوٰۃ وفطرہ حلال نہیں ہے الا لخمسۃ لغاز فی سبیل اللہ او لعامل علیہا او غارم او لرجل اشتراھا بمالہ او لرجل لہ جار مسکین فتصدق علیہ فاھدی المسکین للغنی (احمد ابوداود ابن ماجہ حاکم) زکوٰۃ کے آٹھ مصرف ومحل قرآن میں بیان کئے گئے ہیں اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ الایہ۔ اور یہی فطرہ کے مصارف بھی ہیں۔ آنحضرتؐ نے فطرہ کو زکوٰۃ فرمایا ہے۔ فمن اداھا قبل الصلوٰۃ فھی زکوٰۃ مقبولۃ پس زکوٰۃ وفطرہ کو ان کے مصارف ثمانیہ میں پہنچانا چاہیئے اور اس معاملہ میں بہت احتیاط برتنی چاہیئے۔ چرم قربانی کے مستحق ومصرف فقراء ومساکین ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اقوم علی بدنہ وان اقسم لحومھا وجلودھا وجلالھا علی المساکین ولا اعطی فی جزارتھا شیئا (بخاری مسلم) قال الامیر الیمانی دل الحدیث علی انہ یتصدق بالجلود والجلال الی قولہ وحکم الاضحیۃ حکم الھدی فی انہ لا یباع لحمھا ولا جلدھا وانہ لا یعطی الجزار منھا شیئا اجرۃ (سبل السلام) کھال کی قیمت اپنے مصرف میں لانا ہرگز جائز نہیں ہے۔ فرمایا من باع جلد اضحیۃ (لینفق قیمتہ علی نفسہ) فلا اضحیۃ لہ۔ (بیہقی فی السنن الکبری والحاکم فی تفسیر سورۃ الحج) ہاں فروخت کئے بغیر چرم قربانی کو اپنے مصرف میں لانا مثلاً بستر اور تکیہ بنانا بیگ وصندوق وڈول ومشک وغیرہ بنوا کر اس سے فائدہ اٹھانا بلاشبہ جائز ودرست ہے عن ابی سعید ان قتادۃ بن النعمان اخبرہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قام فقال انی کنت امرتکم الحدیث وفیہ واستمتعوا بجلودھا ولا تبیعوھا الخ (احمد)

سوال:۔ ایک شخص کو شراب پینے سے نشہ نہیں آیا یعنی پینے کے بعد وہ بالکل ہوش میں ہے اس حالت میں اس کو نماز پڑھنی چاہیئے یا نہیں؟　　　سائل حاجی محمد میاں از قلابہ

جواب:۔ وہ آدمی جسکو شراب پینے سے نشہ نہیں آیا اور اس کی عقل قائم اور صحیح ہے اُسے خوب اچھی طرح منہ صاف کرکے نماز پڑھنی چاہیئے۔ نماز کے وجوب اور صحت کیلئے بلوغ اور عقل ضروری ہے اور یہ دونوں چیزیں یہاں موجود ہیں ان العبد مادام عاقلا بالغا لا یصل الی مقام یسقط منہ الامر والنہی لقولہ تعالیٰ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ فقد اجمع المفسرون علی ان المراد بہ الموت (شرح فقہ اکبر للملا علی القاری) شراب انگوری ہو یا کسی اور چیز کی اس کی زیادہ اور تھوڑی مقدار یہانتک کہ ایک قطرہ بھی بجز حالت اضطرار کے ہر حال اور ہر وقت میں حرام اور نجس ہے اس کا پینے والا فاسق اور ملعون ہے اس کو اس گناہ سے جلد توبہ کرنی چاہیئے۔

سوال:۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ بغیر وضو کے قرآن کو ہاتھ لگانا حرام ہے دلیل میں یہ آیت لکھی ہے لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ اسکا ترجمہ یہ کیا ہے "بغیر وضو قرآن کو ہاتھ لگانا حرام ہے"۔ کیا اس آیت کا یہی معنی ہے؟ یا اس کا معنی یہ ہے "نہیں چھوتے اسکو مگر پاک لوگ"　　　سائل مذکور

جواب:۔ چاروں امام کہتے ہیں کہ بغیر وضو قرآن کو چھونا جائز نہیں ہے ان لوگوں کے نزدیک اس آیت کا معنے یہ ہے "قرآن

کو نہ چھوئیں مگر پاک لوگ" یعنی بے وضو قرآن کا چھونا حرام اور ممنوع ہے۔ امام داؤد ظاہری اور علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ بغیر وضو قرآن کو ہاتھ لگانا جائز ہے وہ اس آیت کا یہ معنی کرتے ہیں " نہیں چھوتے ہیں اسکو یعنی قرآن کو جو لوح محفوظ میں درج ہے) مگر پاک لوگ یعنی فرشتے" ان دونوں اماموں کے نزدیک یہ آیت بمنزلہ اس آیت کے ہے کَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ - پہلا معنی راجح اور قوی ہے قال الرازی ان حمل اللفظ علی حقیقۃ الخبر فالاولی ان یکون المراد القرآن الذی عند اللہ تعالیٰ والمطہرون الملٰئکۃ وان حمل علی النہی وان کان فی صورۃ الخبر کان عموما فینا وھذا اولی لما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کتب لعمرو بن حزم لا یمس القرآن الا طاھر فوجب ان یکون نہیہ ذلک بالآیۃ اذ فیھا احتمال لہ انتھی وذکر الباجی ھذین الاحتمالین بالتفصیل فی شرح الموطأ فلیراجعہ من شاء -

سوال - قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت اس کی حلق کاٹی جائے پھر وہ جانور زور کرکے بھاگ جائے دونوں رگیں نہ کاٹی جاسکیں آیا ایسے جانور کو دوبارہ ذبح کرنا چاہئے؟ اور کیا دوبارہ ذبح کرنے سے قربانی ادا ہوجائیگی؟　　　سائل مذکور

جواب :- ذبح میں جن رگوں کا کاٹا جانا ضروری ہے اس بارے میں ائمہ مختلف الاقوال ہیں، امام اعظم یعنی امام مالکؒ وابو یوسفؒ کے نزدیک حلقوم (مجری نفس) مری (مجری الطعام والشراب یعنی نرخرا) ودجین (عرقان متقابلان وھما محیطان بالحلقوم یعنی دونوں شہ رگ) چاروں کا قطع ہونا ضروری ہے۔ (مغنی ص۴۴ ج۱۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انھر الدم بما شئت اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں شہ رگوں کا قطع ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ یہ دونوں رگیں مجری دم ہیں پس بغیر ان کے کٹے ہوئے اجرار دم نہیں ہوسکتا۔ اور ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن شریطۃ الشیطان وھی اللتی تذبح فتقطع الجلد ولا تفری الاوداج ثم تترک حتی تموت۔ امام شافعیؒ وامام احمدؒ صرف حلقوم اور مری کے قطع کو ضروری بتاتے ہیں لانہ قطع فی محل الذبح ما لا تبقی الحیاۃ مع قطعہ فاشبہ ما لو قطع الاربعۃ (مغنی) وقال الشافعی یکفی ولو لم یقطع من الودجین شیئا لانھما قد یسلان من الانسان وغیرہ فیعیش (فتح) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان چاروں میں سے تین کا قطع ہونا ضروری ہے۔ لانہ للاکثر حکم الکل۔ امام سفیان ثوری کے نزدیک صرف دونوں شہ رگوں کا قطع ضروری ہے۔ وعن الثوری ان قطع الودجین اجزأ وان لم یقطع الحلقوم والمری واحتج لہ بما فی حدیث رافع ما انھر الدم وانھارہ اجراءہ وذلک یکون بقطع الاوداج لانھا مجری الدم واما المری فھو مجری الطعام فلیس بہ من الدم ما یحصل بہ انھار (فتح ص۳۰۵ ج۲۲) میرے نزدیک امام مالکؒ کا مذہب راجح اور قوی ہے۔ صورت مسؤلہ میں چونکہ ذبح کے وقت دونوں رگیں (ودجین) جنکا قطع ضروری ہے نہیں کاٹی جاسکیں اسلئے یہ ذبح کافی نہیں ہوگا پس ایسے جانور کو قبل اس کے مرنے کے فوراً دوبارہ ذبح کرنا چاہئے۔ دوبارہ ذبح کرنے سے قربانی ادا ہوجائے گی۔

کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب پرنٹر وپبلشر نے جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع کیا۔

دسمبر ۱۹

یادگار فدائے علم و دین جناب شیخ عطاء الرحمن صاحب مرحوم و مغفور

رسالہ

محدث دھلی

ملکیت

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم دار الحدیث رحمانیہ دھلی

فہرست مضامین

مقاصد

(۱) کتاب و سنت کی اشاعت۔

(۲) مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح۔

(۳) دارالحدیث رحمانیہ کے کوائف کی ترجمانی۔

ضوابط

(۱) یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) یہ رسالہ ان لوگوں کو سال بھر مفت بھیجا جائے گا جو ہر بذریعہ منی آرڈر ٹکٹ کے لئے دفتر میں بھیجدیں گے۔ رسالہ وی پی نہیں بھیجا جائے گا۔

(۳) اس رسالہ میں دینی، علمی، اصلاحی، اخلاقی، تاریخی، تمدنی، مضامین بشرط پسند شائع ہوں گے۔

(۴) ناپسندیدہ مضامین محصولڈاک آنے پر واپس کئے جائیں گے اور شائع شدہ مضامین واپس نہیں ہوں گے۔

(۵) جوابی امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔ (۶) فتویٰ پوچھنے والے سوال کیساتھ جواب کیلئے ٹکٹ ضرور بھیجیں۔

پتہ

منیجر رسالہ محدث دارالحدیث رحمانیہ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

محدث دہلی

نگران اصول
مولنا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

جلد ۸ — ماہِ دسمبر ۱۹۴۰ء مطابق ماہِ شوال المکرم ۱۳۵۹ ہجری — نمبر ۸

مرکز علوم دینیہ

دار الحدیث رحمانیہ دہلی کے اکیسویں سال کا شاندار آغاز

عربی مدارس کے قدیم دستور کے مطابق شعبان کا مہینہ تعلیمی سال کے اختتام، اور ماہِ شوال اس کے افتتاح کا ہوتا ہے۔ اسی اصول کے ماتحت دار الحدیث رحمانیہ دہلی بھی اپنی ٹھوس علمی و ملی خدمات انجام دے رہا ہے۔ چنانچہ تقریباً ڈھائی ماہ کی راحت اور وقفہ کے بعد پھر ۱۵ شوال ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۹۴۰ء بروز ہفتہ سے اپنی قدیم روایات و برکات کے ساتھ اس کے اکیسویں سال کی تعلیم کا آغاز ہو گیا ہے۔ اور اس کے انتظامی و تعلیمی شعبوں میں پھر دہی چہل پہل نظر آرہی ہے، جو آج سے چند ماہ پیشتر موجودہ دور میں اس کی خصوصیات میں سے تھی۔

کہنے کو تو آج ہندوستان میں عربی مدارس کی تعداد غالباً ہزاروں سے بھی متجاوز ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اپنی انتظامی و تعلیمی خصوصیات کے اعتبار سے صرف دار الحدیث رحمانیہ دہلی ہی ایک ایسی درسگاہ ہے جسکو صحیح معنوں میں دینی علوم کا مرکز کہنا چاہیے۔ اس میں دیگر تمام ضروری علوم کے ساتھ ساتھ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم ایسے منہج پر دیجاتی ہے، جس میں نہ تو دین میں "ملحدانہ آزادی رائے" کو جگہ ملتی ہے۔ اور نہ "مقلدانہ جمود و تعطل" کی آبیاری ہوتی ہے۔ یہاں نہ تو "صرف قرآن مجید کو دین" کہکر اس کو اپنی دماغی اختراعات و تلبیسات کا نعوذ باللہ کھلونا بنایا جاتا ہے،

اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی ہوئی ہر روایت کو دین سمجھا جاتا ہے، اور نہ صحیح، معتبر اور مستند روایات واحادیث کو بھی صرف اسلئے رد، یا تاویلات بیجا کا "شکار" بنایا جاتا ہے کہ ہمارے مانے ہوئے "فلاں امام کی رائے" اسکے موافق نہیں۔ بلکہ افراط وتفریط کے اس طوفان میں یہی وہ درسگاہ ہے جس نے اعتدال واقتصاد کی وہ راہ اختیار کی ہے جس سے ملت بیضاء کا شفاف اور روشن چہرہ اپنی پوری تابانی کے ساتھ نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔

یہاں قرآن مجید کا ترجمہ، اس کی تفسیر کی کتابیں، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، معانی وبیان، ادب صرف، نحو، منطق، فلسفہ، ریاضی، ہیئت، تاریخ وغیرہ یہ تمام علوم وفنون نو سال کی مدت میں پوری جامعیت وتحقیق کے ساتھ پڑھائے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ عربی زبان میں تحریر وتقریر کی مشق بھی کرائی جاتی ہے۔ اردو زبان میں بھی تقریروں اور مناظروں کے سکھانے کا باقاعدہ انتظام ہے۔ مختلف قسم کے علمی رسائل اور ملکی اخبارات کے ذریعہ ان کے ذوق علمی کو نشوونما دیجاتی ہے۔ رسالہ "محدث" میں آپ ہر مہینے ان کی مضمون نگاری کے نمونے بھی دیکھتے رہتے ہیں۔

ان تمام علمی دلچسپیوں اور مصروفیتوں میں طلبہ آسانی کے ساتھ اسلئے حصہ لیتے ہیں کہ اس کے اسباب مدرسہ کیطرف سے ان کیلئے مہیا کردیئے گئے ہیں۔ ماہرین فن اساتذہ کی خدمات ان کو حاصل ہیں۔ نیز ہر قسم کی کتابیں ان کو کتب خانہ سے مطالعہ کیلئے ملتی ہیں۔ اور ساتھ ہی کھانے پینے، رہنے سہنے وغیرہ کا اتنا معقول بندوبست ہے کہ ایک ذی استعداد شوقین اور محنتی طالب علم لائق اور فاضل اساتذہ کی زیر نگرانی بہترین لیاقت پیدا کر سکتا ہے۔

آج دارالحدیث رحمانیہ اپنی زندگی کی اس منزل میں پہنچ گیا ہے جو حیات انسانی کے دور میں عین شباب اور جوانی کا وقت ہے، اور ہم اپنے قلب کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کے اس احسان وانعام کا شکریہ ادا کرتے ہوئے، اس حقیقت کے اظہار میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کرتے کہ بحمد اللہ اپنی علمی خدمات کے اعتبار سے بھی آج دارالحدیث عین شباب کے عالم میں ہے۔ اس نے اس مختصر سی زندگی میں سینکڑوں ایسے علماء پیدا کردیئے جو خاموشی کے ساتھ اپنی وسعت کے مطابق دین اور علم دین کی خدمتیں انجام دے رہے ہیں۔ اس کے فضلاء اہلحدیث کی ممتاز درسگاہوں میں کامیابی کے ساتھ درس وتدریس کی مسندیں سنبھالے ہوئے ہیں۔ خود رحمانیہ کے موجودہ اسٹاف میں بھی اکثریت انہیں فاضلین کی ہے جو اسی مرکز علوم دینیہ کے فیض یافتہ ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی اس کی سب سے بڑی کامیابی ہے کہ اس مدت میں اس نے ایسے فرزند پیدا کردیئے جو اس کی تعلیمی ذمہ داریوں کا بار اپنے کندھوں پر اٹھا لینے کی پوری ہمت اور طاقت رکھتے ہیں۔ اب اُسے کسی فن میں بھی کسی دوسرے کی احتیاج باقی نہیں رہی، بلکہ دوسرے خود اسکے خرمن علوم سے خوشہ چینی کی آرزو رکھتے ہیں۔ بھلا خدائے ذوالمنن کے اس احسان عظیم کا شکریہ کن لفظوں میں ادا ہوسکے کہ اس دور ہلاکت میں جبکہ دنیا اقتصادی بدحالیوں سے چیخ رہی ہے اور ہزاروں کے چندوں سے چلنے والے ادارے بھی ڈانواڈول ہو رہے ہیں صرف ایک شخص اتنی بڑی درسگاہ کے مصارف کا بار بلند ہمتی کے ساتھ سنبھالے ہوئے آگے بڑھ رہا ہے۔ ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے عالی حوصلہ مہتمم کو ہر قسم کی پریشانیوں سے محفوظ رکھے اور ان کو ہمیشہ اپنی مخصوص عنایات سے نوازتا رہے۔ اللہم آمین

مدیر

حدیثِ نبوی اور جماعتہائے مسلمین سلف

(۲)

سلسلہ کے لئے دیکھئے محدث ماہ نومبر [illegible]

ان امور پر تنبیہ کے بعد مجھے یہ بتانا ہے کہ فنِ حدیث پر اس زمانہ میں جو حملہ کیا جاتا ہے محض بے سمجھی اور لاعلمی کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ جو کسی حقیقت و اصلیت پر مبنی نہیں ہے۔ حدیث صحیح کی مخالفت کرنیوالی جماعت (یعنی منکرین حدیث) نے اسفار حدیث اور کتب اسماء رجال و اصول حدیث کی تعلیم حاصل نہیں کی علم جرح و تعدیل کا سرسری طور پر بھی مطالعہ نہیں کیا۔ رُواۃ حدیث اور حاملان علم نبوی اور خدامان حدیث و قرآن و علماء محدثین کے کارناموں اور ان کے حالات کو صحیح طور پر نہیں معلوم کیا۔ جو علوم اسلامیہ صرف و نحو اور لُغت کو فہم قرآن کے لئے غیر ضروری سمجھتی ہے۔ اس جہل مرکب کے باوجود یہ جماعت حدیث اور محدثین کرام بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ متبعین نبی علیہ السلام اور محافظین اسلام پر تنقید کرنے چلی ہے۔ عقلمند اور سلیم الطبع انسان غور کرسکتا ہے کہ ایک ایسی بے بضاعت اور علوم اسلام سے بے بہرہ و تہیدست جماعت جس کے دامن میں سوائے چند قیاسی وظنی سفسطوں اور گنے ہوئے چند غیر مقبول تاریخی حوالوں کے علم و برہان کا کوئی گنجینہ و اندوختہ نہ ہو وہ اس مقدس و برگزیدہ طائفہ عظیم کا مقابلہ کس طرح کرسکتی ہے جس کے پلے میں ساری دنیا کے علوم حقہ اور حجت و برہان علم و معرفت کے بے شمار اسفار و دفاتر محفوظ و متداول ہیں۔ اور جنھوں نے ان ہی علوم و براہین کے زور سے اسلام کو عالم کے گوشہ گوشہ میں چمکا دیا۔ اور دنیا کی کوئی علمی محفل اور کوئی مذہبی جماعت ایسی نہیں جس نے اسلام کے ان اصول کے آگے سرخم نہ کیا ہو اور ان اصول و قوانین کی صداقت و حقانیت کی شہادت دیتے ہوئے ان کی عمدگی استواری اور جامعیت کا اعتراف نہ کیا ہو۔ ہم بلاخوفِ تردید کہتے ہیں کہ احادیث کے متعلق جتنے اعتراض کئے جاتے ہیں اور حدیث کی تردید میں جسقدر باتیں کہی جاتی ہیں۔ فن حدیث میں بصیرت رکھنے والے اصحاب کے نزدیک ان کا کچھ بھی وزن اور ان کی نگاہ میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے بلکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ بھی اس قسم کی باتیں ہیں جو مخالفین و معاندین اسلام یہود۔ نصاریٰ۔ ہنود اور آریوں وغیرہ کی طرف سے کہی جاتی ہیں اور درحقیقت سچ پوچھئے تو اس فرقہ نے انھیں مذکورہ بالا فرقوں سے ہی یہ باتیں سیکھی ہیں۔ یہ زمانہ آزادروی اور خود رائی کا زمانہ ہے۔ اکثر لوگوں پر شریعت کے احکام مثلاً نماز روزہ، حج، زکوٰۃ، صلہ رحمی، اور مواساۃ و ہمدردی و ایثار وغیرہ پر عامل و کاربند ہونا اور ان کا بجالانا شاق و دشوار ہوتا ہے اور ناچ گانا فلم اور تماشوں سود خواری شراب خواری، تھیٹر، سینما، زناکاری وغیرہ سے بچنا نفس پر بھاری ہوتا ہے کیونکہ عیش اور مزے سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اور اکثر امور کی تاکید و ترغیب یا ترہیب قرآن و حدیث میں وارد ہوئی ہے اس لئے حدیث سے انکار کیا جاتا ہے تاکہ آزادی کے ساتھ ان امور سے فائدہ اور حظ حاصل کیا جائے

اور لوگوں کی نظروں میں سرخرو اور معزز بنے رہیں۔ لیکن یاد رہے کہ ان امور شنیعہ اور ممنوعہ کے ارتکاب کے بعد کوئی شخص اہل دنیا کی نظروں میں سرخرو ہو تو ہولے۔ مگر اللہ و رسول کے نزدیک ہرگز عزت اور رضامندی حاصل نہیں ہوسکتی۔ صاف ارشاد ہے فَإِن تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ (پ ۱۱ س توبہ) پس اگر تم ان سے خوش ہو تو ہو جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں سے کبھی راضی نہیں ہوگا" اور فرمایا ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ (پ ۲۶ س محمد) یہ (مجرموں اور مرتدوں کو مارنا) اسلئے ہوگا کہ انھوں نے اللہ کو غصہ کرنے والی باتوں کی پیروی کی اور اس کی رضامندی کو ناپسند کیا پس اس نے ان کے عملوں کو اکارت کر دیا +

ہمارے بیان سابق سے اچھی طرح واضح ہوچکا ہے کہ تمام گروہ اسلامی کا ماخذ قرآن وحدیث دونوں ہیں۔ جمیع طوائف نے حدیث کو قرآن کے ساتھ ساتھ لیا ہے اور اس کا سلسلۂ روایت قرآن مجید کی طرح صحابہ کرام اور رسول علیہ السلام تک واصل ومتصل ومنتہی ہوتا ہے۔ پس حدیث کا انکار وابطال کرنا یا اسکو تاریخی حیثیت دینا حقیقت میں اسلامی تعلیمات وروایات کو پس پشت ڈالدینا اور قرآن وحدیث دونوں سے انکار وگریز کرنا اور بیزار ہونا ہے پھر قرآن کو چھوڑ دینے کے بعد انسان کے پاس دولت اسلام کا باقی رہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ سر کے کٹ جانے کے بعد زندگی اور جان کا باقی رہنا۔ پس آدمی کو اختیار ہے کہ حدیث کا انکار کر کے قرآن سے اسلام سے رسول علیہ السلام سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین وتبع تابعین سے ائمہ دین واولیاء اللہ اور تمام عباد اللہ الصالحین سے عداوت ودشمنی کرے اور ان سے علیحدہ ہو کر ان کا معاند ومخالف بنے یا حدیث کو مضبوط تھام کر اللہ ورسول کا محبوب صحابہ وتابعین کا عزیز اولیاء اللہ اور نیکوکاروں کا پیارا اور زمرۂ مسلمین میں داخل وشامل ہو کر۔ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا، کا مصداق بنے۔

مخالفت حدیث پر جسقدر تقریریں کی جاتی ہیں سب کے جواب محقق ومدلل علماء اہل حدیث وغیرہم متعدد دفعہ اور مختلف پیرائے میں دیچکے ہیں لیکن منکرین حدیث اپنے انھیں پرانے عذرات واعتراضات کو بار بار دہراتے رہتے ہیں اور حق بات کو سنکر بھی خاموش نہیں ہوتے۔ سب سے قوی عذر ترک حدیث کیلئے جو یہ لوگ پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ حدیثیں تمام کی تمام ظنی ہیں جس کے ثبوت میں آیات ذیل پیش کرتے ہیں:-

(۱) وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (پ ۱۱ س یونس)

(۲) إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (پ ۲۷ س نجم)

(۳) وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (پ ۱۵ س اسراء)

(۴) إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ (پ ۱۱ س یونس)

(۵) وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ (پ ۸ س انعام)

(۶) إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ (پ ۸ س انعام)

مگر ان آیات سے اس مدعا پر استدلال کرنا سخت دہوکے اور غلطی میں واقع ہونا ہے۔ ان آیتوں میں لفظ "ظن" "حق" کے مقابلہ میں بولا گیا ہے اور یہ بمعنی "باطل" ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ ان آیتوں میں شرک و مشرکین کفر اور کفار و بت پرستوں کی مذمت کی گئی ہے اور "توحید" کو "حق" اور کفر و شرک کو "ظن" سے تعبیر کیا گیا ہے جو بمعنے "باطل" ہے اب تفصیل کے ساتھ سنئے! آیت پوری اس طرح ہے:۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهِدِّي إِلَّا أَنْ يُهْدَىٰ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝ وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ الخ یعنی اے پیغمبر! ان سے کہدے کیا تمہارے شرکا میں سے کوئی ہے جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہو۔ کہدے اللہ ہی حق کی طرف ہدایت کرتا ہے کیا جو حق کی طرف ہدایت کرے وہ پیروی کے لائق ہے یا وہ جو بغیر ہدایت کرنے کے خود راہ نہیں پاتا پس تمہیں کیا ہوا ہے کیسا فیصلہ کرتے ہو۔

اس آیت میں شرک کا بیان ہے اور حق کے مقابلہ میں ظن کا استعمال کیا گیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شرک پر کوئی برہان و حجت مشرکین کے پاس نہیں ہے محض اٹکل سے اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اسی طرح آیت ۲۸ کے قبل بھی شرک و مشرکین کا ذکر ہے چنانچہ اس کا اول یوں ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةَ الْأُنْثَىٰ ۝ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِنْ يَتَّبِعُونَ الخ یعنی جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں وہ فرشتوں کو عورتوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں انھیں اسکا بالکل علم نہیں ہے۔

آیت ۳۶ میں اس کی اوپر کی آیت میں اچھی باتوں کا حکم اور بری باتوں سے منع کیا گیا ہے اور ان کے ہدایت کے بعد بے ثبوت اور بے دلیل باتوں کی پیروی سے روکا گیا ہے اور کان آنکھ قلب کو کام لانے کا اشارۃً امر فرمایا گیا ہے کہ قابل تصدیق و اتباع امر کو مان کر اس کی اتباع کرنی چاہیے اور ناقابلِ تصدیق اور غلط و بے ثبوت باتوں سے احتراز کرنا چاہیے۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ (پ۲۳ س زمر) آیت ۶۶ اسی طرح پر ہے أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ الخ اس آیت میں توحید کا ثبوت اور شرک کا رد کیا گیا ہے اور توحید کے مقابلہ میں شرک کی مذمت بیان کی گئی ہے پس یہاں بھی لفظ ظن بمقابلہ توحید و حق بولا گیا ہے۔ اور آیت ۶۹۵ میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ظن کا استعمال حق کے مقابل ہوتا ہے حق بمعنی توحید و عدم اشراک ہے اور ظن بمعنی کفر و شرک پس ان آیات کو حدیثوں کے ظنی ہونے کے ثبوت میں پیش کرنا علم و انصاف کا خون کرنا اور قرآن کے ساتھ ظلم عظیم ہے۔

جب قرآن مجید کی ان آیات سے ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہوا تو یہ دعویٰ بے دلیل ہوا جو قابل التفات نہیں اب انھیں اپنے دعوے پر کوئی اور دلیل پیش کرنا چاہیے۔

اب انکا دوسرا عذر سنئے! دوسرا عذر یہ ہے کہ اصلی اور صحیح حدیثوں کے جانچنے کیلئے کوئی آلہ محدثین کے پاس

نہیں ہے۔ اس عذر ثانی کا جواب بھی ملاحظہ فرمائیے۔ ان منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ محدثین کے پاس حدیث صحیح کو غیر صحیح سے امتیاز کرنے کا کوئی آلہ نہیں ہے" غلط ہے محدثین کے پاس اس کے اصول و قواعد ضرور موجود ہیں لیکن آپ انھیں تسلیم و قبول نہیں کرتے یا آپ اس سے ناواقف ہیں۔ آپ کے معلوم نہ ہونے یا آپ کے تسلیم نہ کرنے سے اسکا عدم لازم نہیں آتا۔ ہاں اب ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ آپ ان اصول وضوابط کو رد کرتے ہیں تو کس دلیل واصول سے رد کرتے ہیں؟ کوئی بھی دلیل اور وجہ صحیح ان کے رد کرنے کی آپ کے پاس نہیں ہے۔ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ الہامی کلام اور وحی ربانی کے پہچاننے اور معلوم کرنے کیلئے کوئی میزان ومعیار اور کوئی اصول آپ کے پاس موجود ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا ہے اسکو بیان کیجئے اور اگر کوئی اصول آپ کے پاس نہیں ہے تو یہ بڑی سخت مصیبت ہے بتائیے قرآن مجید کو کلام ربانی اور وحی الٰہی کس دلیل سے مانتے ہیں اور اگر کہیں کہ کوئی دلیل نہیں ہے تو پھر اپنے ایمان بالقرآن کی خیر منائیے آپ کا قرآن پر ایمان ہی صحیح نہیں ہوا اور اگر کہیں کہ قرآن کریم کے وحی اور کلام ربانی ہونے پر دلیل ہے تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ وہ دلیل کونسی ہے بیان کریں جب آپ ہمارے اس مختصر سوال کا جواب دینگے اس وقت ہم اس پر مزید کلام کریں گے۔ اور آپ کے ہی مقرر کردہ اصول سے احادیث کا حجت و دین اور وحی ہونا ثابت کرینگے فی الحال ہم اتنا عرض کرتے ہیں کہ دنیا میں کئی جماعتیں موجود ہیں مثلاً عیسائی، آریہ، یہودی یہ الہامی کلام اپنے پاس ہونے کی مدعی ہیں۔ لیکن بمقابلہ اہل اسلام یہ قومیں اپنی اپنی کتابوں کو الہامی کلام ہرگز نہیں ثابت کرسکتیں کیونکہ اہل اسلام کے پاس وحی اور الہام کے تمیز کا جو معیار ہے وہ نہایت صحیح وقوی اور برتر وجامع ہے اسکے مقابلہ میں ان اہل مذاہب کو بارہا ندامت وہزیمت فاش حاصل ہوچکی ہے۔

بہرحال یہاں ہمیں یہ بتانا ہے کہ اہل ادیان باطلہ جو کلام یا کتاب الہامی کی مدعی ہیں انھوں نے اپنے نزدیک اس کے امتیاز کا معیار مقرر کر رکھا ہے۔ ان کی الہامی کتابوں میں جو مضامین ہیں وہ بھی کسی سے مخفی نہیں ہیں۔ ان کی تعلیم بھی روشن ہے لیکن کسی قوم وملت کی تعلیم اسلام کی پاکیزہ تعلیم کا مقابلہ کرسکتی ہے اس کا فیصلہ ہر سچا مسلمان بلکہ ہر منصف مزاج صحیح الفہم غیر جانب دار کرسکتا ہے۔ اور وہ بالکل کھلا ہوا ہے کہ اسلامی احکام وہدایات جن کا ماخذ سوائے قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے دوسری کوئی چیز نہیں ہے تمام مذاہب وادیان کے احکام وہدایات سے ہزار ہا درجہ افضل وبہتر اور جامع واعلیٰ ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے بعد احادیث صحیحہ دنیا کے تمام مذاہب کے احکام وتعلیمات سے برتر و اشرف اور قابل اقتدا واتباع ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان احادیث کو تمام اسلامی جماعتوں نے صحیح اور اصل دین تسلیم کیا ہے اور ادلہ شرعیہ میں درجہ ثانیہ پر رکھا ہے۔ اور بالاتفاق جمیع اسلامی طبقوں میں حجت شرعی اور جزء دین قرار دیگئی ہیں قرآن اور حدیث میں اس مدعا پر جو دلائل وارشادات ہیں وہ اپنے مواقع پر مذکور ہیں۔ فقط

اسلام اور رہبانیت

(از مولوی عبد الصبور صاحب صابر بستوی متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی)

ناظرین! دنیا انقلاب کا گہوارہ ہے اور بمقتضائے بشریت ہر فرد بشر کو حوادث روزگار سے دوچار ہونا پڑتا ہے چنانچہ دنیا میں انسان جب متواتر مصائب کا شکار ہو جاتا ہے اور امیدوں کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور جب انسان اپنی گذشتہ ناکامیوں پر ایک سرسری نظر ڈالتا ہے تو دنیا اس کے سامنے تاریک سی نظر آتی ہے اور دنیاوی زندگی کو یہ سمجھتا ہے کہ گویا فطرت نے ہمیں اس خطۂ ارضی پر کسی جرم کے ارتکاب کرنیکی وجہ سے انجام بھگتنے کیلئے بھیجا ہے چونکہ وہ اپنی حالت پر سب کو قیاس کرتا ہے اور سب کو مصیبت کا مارا ہوا شکار سمجھتا ہے اسلئے فوراً اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ "زندگی مصائب کا دوسرا نام ہے ہر آرزو ایک مستقل تکلیف کا پیش خیمہ ہے" (دہاتما بدھ)

بہرحال وہ دنیا ومافیہا سے اُکتا جاتا ہے اور اس سے رخصت ہو کر ایک نئی دنیا میں ڈیرا اختیار کر لیتا ہے اور صاحبانِ دولت وثروت کو اپنا سخت مخالف سمجھکر دولت وسرمایہ کو خیرباد کہکر ایک جنگل میں گوشہ نشین ہو جاتا ہے مذکورہ عقائد کی بنا پر وہ اپنا عقیدہ یہ بنا لیتا ہے کہ اس دنیا میں جو مالدار ہے وہ اخروی دنیا میں غریب ہوگا جو یہاں خوش وخرم نظر آتا ہے وہ وہاں غمگین ہوگا اور جو یہاں ذلیل وخوار ہیں وہ وہاں مجد وشرف کے مالک ہونگے۔ یہی کہہ کہہ کر اپنے "ستم رسیدہ" قلب کو تسکین دیتا ہے کہ حال کو ذلیل کر کے مستقبل کو مزین کیا جاوے۔ یہی عقیدہ صومعہ وکنیسہ کے راہب کا ہے اور یہی تارک الدنیا سنیاسی کا پیغام ہے غرضکہ وہ اپنے پیش نظر ایک سد سکندری قائم کر لیتا ہے جس کی وجہ سے اسکو دنیا کی ہر چیز دوسرے جنم کے مخالف نظر آتی ہے۔ لیکن اسکا یہ سمجھنا کہ فطرت نے اسکو اس قید خانہ میں اپنے اعمال کے بھگتان کیلئے لا پھینکا ہے کیا صحیح ہے اور فی الحقیقت فطرت کی تعلیم یہی ہے؟ کیا فی الواقع انسان دنیا میں قیدی کی حیثیت سے لایا گیا ہے؟ کیا واقعی دنیا کی ہر چیز قابل نفرین وملامت ہے؟ کیا وہاں کی عزت یہاں کی ذلت کے معاوضہ میں ملیگی۔ کیا یہاں جو دولت وثروت میں زندگی بسر کرتا ہے وہ اخروی دنیا میں محروم رہیگا؟ کیا ذلت واقعی خدا کی رحمت ہے؟

آیئے ذرا دیکھیں قرآن ہمیں اس بارے میں کیا سکھاتا ہے؟ قرآن ہمیں سکھاتا ہے کہ ہم اشرف المخلوقات ہیں ہم مخدوم ہیں دنیا کی ساری چیزیں ہمارے ہی فائدہ کیلئے بنائی گئی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الایہ (لقمان) کیا دیکھتے نہیں کہ اللہ نے آسمان اور زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے تابع کر دیا ہے۔" دنیاوی زینت وآرائش ہمارے لئے قطعاً حرام نہیں باذن شرع دنیا کی ہر شے سے متمتع ہونا ہمارا کام ہونا چاہئے۔ ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ دنیاوی شان وشوکت کی وجہ سے انسان کبھی غلط طریقہ اختیار کر لیتا ہے اور اللہ کی اطاعت سے اعراض کرنے لگتا ہے لیکن

اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے بچنے کیلئے رھبانیت اختیار کرلے اور دنیا و مافیہا سے الگ ہوجاوے اور عذاب الٰہی کا مستحق بن جائے اگر دنیاوی شان و شوکت سطوت و رفعت خلقت انسانی کا مقصد نہیں تو ہم کہیں گے کہ دنیاوی ذلت بھی تخلیق انسانی کی غرض و غایت نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے اللہ عزوجل دنیا میں انبیاء کرام کو مبعوث فرماتا رہا۔ تاکہ لوگوں کو بسبب دولت و ثروت سرکشی و طغیانی سے بچاتے رہیں اور افراط و تفریط کو مٹاتے رہے اور بنی نوع انسان کو ہر اس فعل کی طرف متوجہ کرتے رہیں جو نجات اخروی کا ذریعہ بنے اور ایسی ناشائستہ حرکات سے باز رہنے کی تلقین کرتے رہیں جو "مترفین" کے درجہ تک پہنچاتے ہوں اور تقویٰ کو اپنا دستور عمل بنانے کا حکم کریں جس سے ان کی دنیاوی زندگی شادکام اور اخروی زندگی فائز المرام قرار دی جاسکے اور خلیفہ فی الارض بننے کے مستحق ہوں۔

فلاح دنیا اور اخروی سرخروئی یہ دونوں میزان خداوندی کے پلڑے ہیں اگر ان میں سے ایک بھی ہلکا ہوا تو پھر حیاتِ انسانی تلخ ثابت ہوگی زمین کی وراثت بھی ایک نعمتِ عظمیٰ ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل اقوام ماضیہ کو بار بار اس نعمت کی یاد دلاتا رہا۔ حضرت ہودؑ نے اسی نعمت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی قوم کو یاد دلایا تھا کہ خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تمہیں قوم نوح کے بعد استخلاف فی الارض کی بخشش سے نوازا۔ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (اعراف) یعنی پس اللہ کی نعمت یاد کرو تاکہ تمہیں فلاح میسر ہو۔ حضرت صالح علیہ السلام نے بھی یہی اپنی قوم سے کہا تھا حضرت شعیبؑ کا بھی یہی نظریہ رہا۔ حضرت یوسفؑ کو اتنی سخت ابتلار کے بعد جس نعمت سے نوازا تھا وہ تمکن فی الارض ہی تھا۔ حضرت موسیٰؑ و بنی اسرائیل کی مکمل داستان اسی بارے میں ہے خدا نے بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل یاد کرو میری اس نعمت کو جس سے تم کو نوازا تھا اور تمام عالم پر برتری دی تھی اور ان اقوام کی طغیانی و سرکشی پر جو سزا دی گئی تھی وہ اسی نعمت کبریٰ کا چھن جانا تھا اور اس کے بعد نتیجہ یہ ہوا کہ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (بقرہ) یعنی ان پر ذلت اور محتاجی لازم کردی گئی اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے۔

بہرحال قرآن اس قسم کے واقعات سے بھرا پڑا ہے اور اس قسم کے واقعات کا قرآن میں تکرار محض واقعہ نگاری نہیں بلکہ اس میں ایک عبرت ہے۔ قرآن نے واضح الفاظ میں فرمادیا اور روشن کردیا کہ اس دنیا میں عزت و وقار کی زندگی رحمت ہے مثلاً کہیں فرمایا کہ تم میں سے جو ایمان لایا اس کو زمین کا بادشاہ بنائیں گے کہیں یہ ہے کہ جو عمل صالح کریگا اس کی زندگی پاکیزہ طور پر بسر ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ اور کھلے الفاظ میں تشریح فرمادی کہ دنیاوی زندگی حیات اخروی کا پیش خیمہ ہے بشرط عمل صالح اور اس خیال کی تردید کردی کہ دنیاوی زندگی عذاب ہے۔ اس کے بعد قرآن نے مسلمانوں کی دنیاوی زندگی کے لئے ایک پروگرام تیار کیا اور تقویٰ و خشیت کو معیار قرار دیا جس کا مقصد عاقبت ہی کا سنوارنا تھا۔ اور نیز قرآن نے بالوضاحت بتلادیا کہ دنیا میں قوانین خداوندی کی روشنی میں قدم اٹھانے سے سارے معرکے اور میدان تمہارے قبضہ میں ہونگے اور تم زمین کی وراثت کے مستحق ہوگے +

قرآن نے جہاں بھی مومنوں کیلئے فوز و فلاح نصرت وکامیابی کو مخصوص کیا ہے وہاں ان تمام کامیابیوں کو اخروی زندگی سے متعلق کردیا۔ اور دنیا کو دار العمل قرار دیا ہے دنیا میں دولت کی فراوانی عذاب خداوندی نہیں ہے لیکن ہاں جب دولت کی زیادتی کے ساتھ خدا فراموشی بھی جمع ہوجاوے تو فی الحقیقۃ اس کا انجام برا ہوتا ہے چنانچہ قرآن نے اس کے متعلق بھی متنبہ کردیا اور انہی نقائص کی اصلاح کیلئے وقتاً فوقتاً انبیاء کرام مبعوث ہوتے رہے پھر ترک دنیا ترک علائق ترک لذائذ چہ معنی دارد۔ اب کیا ہورہا ہے؟ گویا قرآن کو عملاً مسخ کیا جارہا ہے قرآن نے دنیاوی زینت کو مناسب حد تک صراحۃً حلال فرمایا تھا اُسے حرام کیا جارہا ہے۔ اب تو عالم رھبانیت میں چیتھڑے پہننا بے گھر رہنا، خستہ وخراب رہنا، اسلامی تعلیم کے خدوخال قرار دئیے جارہے ہیں۔ الحاصل جن کے بیخ وبن کو اکھاڑنے کیلئے اسلام عالم وجود میں آیا تھا وہ سب بدعات جزو اسلام بنی جارہی ہیں۔ اسلام رہبانیت کا اسلئے مخالف نہیں کہ لوگ گھر وشہر کو چھوڑ کر جنگلوں میں زندگی گزارتے ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو صحابہ کرام گھروں کو چھوڑ کر غاروں میں چھپ کر نمازیں ادا کرتے تھے۔ لیکن ان کو کوئی نہ روکتا تھا۔ بلکہ اسلام رہبانیت کا اسلئے مخالف ہے کہ اجتماعیت انفرادیت سے بدل جاتی ہے جس کی وجہ سے ہم نماز باجماعت سے محروم رہ جاوینگے۔ اور اسلام اجتماعیت کو قائم کرنا چاہتا ہے اور اجتماعیت بمنزلہ ایک مشینری کے ہے جس کے پرزے جملہ مسلمانان ہیں اب اگر ایک پرزہ علیحدہ ہوتا ہے تو مشینری ناقص ہوجاتی ہے اس طرح سے ہر ایک مسلمان کو دوسرے کیساتھ واسطہ ہے اب اجتماعیت سے جو بھی خارج ہوا وہ جلکے غار جہنم میں گرا۔ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّار (حدیث) لا اسلام الا بالجماعۃ (حضرت عمرؓ) یعنی اسلام نہیں ہے مگر اجتماعیت سے ؎ بگذ راز بے مرکزی پائندہ شو۔

پس مسلمان کیلئے اجتماعیت والتزام جماعت ضروری ہے کیونکہ مسلمانوں کی متحدہ قوت صرف اجتماعیت کی صورت میں قائم رہ سکتی ہے نہ کہ انفرادیت میں۔ افسوس ہے آج کل کے صوفیوں پر کہ رضاء الٰہی اس میں سمجھتے ہیں کہ جاکر جنگلوں میں بسیرا کریں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام کی زندگی ان کے سامنے ہے حضرت عبداللہ بن مظعونؓ کچھ رہبانیت پسند آدمی تھے اور خوشبو وعورت اور ہر لذیذ چیزیں اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا ان کی تردید میں یہ آیت نازل فرمائی یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (مائدہ) یعنی خدا نے جو پاکیزہ اشیاء تمہارے لئے حلال کردی ہیں انھیں اپنے اوپر حرام مت کرو اور حد سے نہ گذر جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنیوالوں کو محبوب نہیں سمجھتا۔

اور رھبانیت کی بنیاد نفس کشی پر قائم ہے اور اسلام نفس کشی کا سخت مخالف ہے نیز رھبانیت میں طبیعت پر جبر وتشدد کیا جاتا ہے اور حد سے زیادہ عبادت لازم قرار کرلی جاتی ہے جو انسانی طاقت سے باہر ہے اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (بقرہ) اللہ تعالیٰ کسی کو ایسے احکام کا مکلف نہیں کرتا جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔ نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں علیکم ما تطیقون من الاعمال فان اللہ لا یمل حتی تملوا الخ یعنی تم لوگ صرف اتنی عبادت کرو جتنی تمہیں طاقت ہے کیونکہ اللہ اسوقت تک نہیں تھکتا ہے جبتک کہ تم خود نہ تھک جاؤ۔ نیز رھبانیت کی بنا عزلت گزینی وگوشہ نشینی

پر قائم ہے۔ لیکن اسلام نے اس کی بھی تردید کردی کیونکہ اس صورت میں انسان علم وادب کی زینت سے بے بہرہ اور فضائل انسانی سے محروم رہ جاتا ہے اور نیز راہبانہ زندگی میں ماں باپ اعزّہ واقارب کی محبت دلوں سے معدوم ہو جاتی ہے۔ لیکن اسلام نے صلہ رحمی کی تلقین کی اور باہمی زندگی کی خوبیوں کو واضح کردیا جیسا کہ ارشاد ہے ان المسلم اذا یخالط الناس ویصبر علی اذاھم خیر من المسلم الذی لایخالط الناس ولا یصبر علی اذاھم یعنی جو لوگوں میں مل جل کر رہتا ہے اور آپس میں اگر کوئی تکلیف ہوتی ہے تو صبر کرتا ہے تو یہ اس سے بہتر ہے جو نہ لوگوں کے ساتھ رہتا ہے نہ تکلیف پر صبر کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو بھی لوگوں سے الگ ہوا وہ گویا جملہ فضائل سے محروم رہ گیا۔ خدا ہمیں وجملہ مسلمانوں کو اس مہلک مرض سے محفوظ رکھے۔ آمین

صورِ بیداری

(از جناب محمد نجیب اللہ صاحب نشتر گورکھپوری زیبائی)

اے اے مسلم خوابیدہ یہ خوابِ گراں کب تک
رہیں گی تیری بربادی پر آنکھیں خونفشاں کب تک

نہ ہمت ہیں ہے جولانی نہ بازو میں ترے طاقت
یہ تیری ناتوانی دہر میں اے ناتواں کب تک

نہ ہوگی پار آخر تابکے امید کی کشتی
یہ بحرِ غم ترے حق میں رہیگا بیکراں کب تک

ذرا یوں سینچ نخلِ آرزو میں پھر ثمر آئیں
چلے گی یوں ترے گلزار میں بادِ خزاں کب تک

یہ کیسی تیرہ بختی ہے یہ کیا اندھیر کھاتہ ہے
تری قسمت پہ چھایا ہی رہیگا یوں دھواں کبتک

چمن میں اور سب لطفِ چمن سے شاد ہوتے ہیں
تری قسمت میں آخر یہ قفس کی تیلیاں کب تک

کوئی تدبیر کر ہو خاتمہ اس دورِ نکبت کا
یہ نالے تابکے تیرے یہ فریاد و فغاں کب تک

جہانِ زندگی میں پھر گذشتہ زندگی بن جا
خدا کے واسطے بیدار ہو۔ خوابِ گراں کب تک

نگاہیں کس لئے منزل کے رخ سے اسقدر بہکیں
رہے گا راہ سے بے راہ تیرا کارواں کب تک

پیامِ نشتر سنکر کیا عجب کچھ ہوش آجائے
نہ ہوگی ہوشیار آخر یہ قومِ ناتواں کب تک

اسلام اور اس کی حقانیت

(از مولوی ثناء اللہ صاحب شمیم بہاری)

حضرات! آج دنیا کے اندر جتنے مذاہب و ملل موجود ہیں یوں تو ان کے ماننے والے اپنے اپنے مذہب کی حقانیت اور دوسرے مذہب کے بطلان کے دعویدار ہیں لیکن انکا یہ دعوی سراسر غلط ثابت ہوتا ہے۔ اور بجز اس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید پر اڑے ہوئے ہیں۔ یہ ہمارا صرف دعوی ہی نہیں بلکہ جب ہم تمام مذاہب کو حقانیت و صداقت کی کسوٹی پر جانچتے اور پرکھتے ہیں۔ تو یہ اس پر کامل نہیں اُترتے جس سے انکا بطلان روز روشن کی طرح ظاہر اور منکشف ہو جاتا ہے۔ ہاں مذہب اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے کہ اُسے جتنی سخت کسوٹی پر کسیں اور معیار پر تولیں۔ اسکی خوبیاں اسیقدر روشن اور صاف ہوتی ہیں۔ اور اس کی صداقت و حقانیت آفتاب سے بھی زیادہ نمایاں ہو کر نظروں کو خیرہ کر دیتی ہے آج یہ مسلّم ہو چکا ہے کہ کسی مذہب کے صدق و کذب کی سب سے بڑی پہچان مسئلہ توحید ہے۔ جس مذہب نے توحید پر سب سے زیادہ زور دیا ہوگا شرک کی دھجیاں بکھیری ہوں گی اسیقدر اس کی حقانیت بڑھتی جائے گی ہر وہ مذہب جس میں کسی قسم کا شرک موجود ہو وہ صادق نہیں کہا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب بھی توحید ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ چنانچہ عیسائیوں کے یہاں مسئلہ تثلیث . . . اصل الاصول ہے لیکن وہ اس تثلیث میں بھی توحید کو ثابت کرنا چاہتے اسی طرح اور مذاہب بھی۔ لیکن جب ہم واقعات کی روشنی میں نظر کرتے ہیں تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اسلام ہی ہے۔ جس نے توحید کے تمام شقوق کو ثابت اور شرک کے ہر ہر جزو کو باطل کیا ہے۔ آج میں صرف توحید کے بارے میں اسلام اور دوسرے مذاہب کا چند ٹوٹے ہوئے الفاظ میں مقابلہ کرونگا۔ جس سے آپ حضرات اسلام اور دیگر مذاہب کے حق و باطل ہونے کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اگر اسلام کے علاوہ کسی دیگر مذہب نے توحید کا دعوی کیا ہے تو اس کے ساتھ ہی غیر اللہ کی پرستش بھی لازمی اور ضروری قرار دیا ہے مثلاً عیسائیوں کو دیکھئے کہ وہ اپنے کو آسمانی دین کا پیرو قرار دیتے اور خدا کی پرستش اور اس کی توحید کے مدعی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا ہونے کا بھی عقیدہ رکھتے اور ان کی پرستش کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ جس سے ان کی توحید شرک سے بدل جاتی ہے۔ اسی طرح یہودیوں کو دیکھئے کہ اگر وہ توحید کے قائل ہوئے تو ساتھ ہی انھوں نے بھی حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ یعنی خدا کا بیٹا کہا (قال اللہ تبارک و تعالیٰ قالت الیهود عزیر بن اللہ)۔

ٹھیک اسی طرح آریہ سماج کو دیکھئے تو وہ بھی علی الاعلان موحد ہونے کے مدعی ہیں۔ لیکن توحید کی کسوٹی پر وہ بھی پورے نہیں اترتے اس لئے کہ وہ روح مادہ اور جسم تینوں کو قدیم مانتے ہیں۔ حالانکہ قدامت ذات باری تعالیٰ کے صفات سے ہے اور یہ اس کے ساتھ مختص ہے۔ دنیا کی کوئی شے قدیم نہیں۔ لہذا وہ بھی مشرک فی الصفات ٹھہرے اور وہ ایک نہیں بلکہ تین خدا کے ماننے

والے ہوئے۔ بعینہ اسی طرح ہندوؤں کو دیکھئے تو ان کا بھی یہی دعویٰ وخیال ہے۔ بلکہ وہ تو اس سے بھی زیادہ بڑھے چڑھے نظر آتے ہیں۔ کیونکہ وہ تو تینتیس کروڑ اوتاروں کی نسبت کہا کرتے ہیں کہ یہ پرمیشورجی نے خود مادی شکل میں حلول کرکے جلوہ گری فرمائی ہے۔ لہٰذا۔ ان تینتیس کروڑ دیوتاؤں کی عبادت کی جائے۔

حضرات مشرکین مکہ کی حالت پر ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ مشرکین مکہ تو خدا کو ایک جانتے تھے مگر افسوس کہ اس کے ساتھ ہی چند فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ اور چند بتوں کو فرشتوں کے نام منسوب کرکے ان کی پرستش کرتے اور سمجھتے تھے کہ اس سے فرشتے خوش ہوکر ہماری سفارش کریں گے چنانچہ ان کا قول تھا۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (زمر) یعنی ہم ان کی بندگی صرف اسی لئے کرتے ہیں کہ وہ ہم لوگوں کو اللہ سے قریب کردیں۔

حضرات یہ ہے دنیا کے چند مذہبوں کے معتقدین اور پیروں کا خاکہ۔ لیکن اسلام نے آکر ان تمام اعتقادات باطلہ کو جو مختلف مذاہب میں تھے یک قلم نیست ونابود کردیا اور ایک صاف ستھری ہوئی توحید کی تعلیم دی۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا (نساء) صرف اللہ ہی کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ کیونکہ اگر عبادت کے لائق ہے تو صرف ایک ہی ذات ہے۔ اور وہ اللہ تبارک تعالیٰ کی مقدس ومتبرک ذات ہے۔ اور وہ ایک ذات واحد ہے تمام چیزوں سے بے نیاز ہے۔ اس کیلئے لائق نہیں کہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ یا خود کسی کا بیٹا بنے۔ جسکو تم خدا کے ساتھ شریک ٹھیراتے ہو یا اس کے علاوہ جن کو خدا جانتے ہو۔ اُن میں اتنی طاقت وسکت نہیں ہے کہ وہ تمہارے کچھ کام آسکیں تمہاری تمنا برلائیں تمہاری حاجات پوری کریں یا تمہیں مردہ یا زندہ کرسکیں۔ خدا وہ ہے جو دیکھتا اور سنتا ہے۔ زندہ اور مردہ بھی کرتا ہے۔ نفع و نقصان پہنچا سکتا ہے۔ تم اس کی اور صرف اسکی عبادت کرو۔ اس کے سوا کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ اگر اللہ واحد کے علاوہ اور بھی کوئی دوسرا خدا ہوتا نظام عالم زمین وآسمان درہم برہم ہوجاتے۔ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء) یعنی دنیا میں اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی خدا ہوتے تو یہ تمام نظام درہم برہم ہوجاتا۔ ان آیتوں سے معلوم ہوگیا کہ ماسوا اللہ کے کوئی دوسرا معبود نہیں۔ لہٰذا تم کو غیر اللہ کی پرستش نہیں کرنی چاہئے۔ جس طرح اللہ کی ذات میں کوئی شریک نہیں اُسی طرح اس کی مخصوص صفات میں بھی اس کا کوئی ساجھی نہیں چنانچہ قرآن ان چیزوں سے بھرا پڑا ہے۔ میری ان پیش کردہ چند مثالوں سے ثابت ہوا کہ ہر مذہب کے صداقت کی دلیل صرف مسئلہ توحید ہے۔ لیکن جب ہم نے ان چند مذاہب کا مقابلہ کیا تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ومنکشف ہوگئی کہ توحید کا جو نمونہ ہمارے مذہب اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور جس قسم کی توحید اس نے اپنے مخالفین کے روبرو پیش کی ہے۔ اس کا شائبہ بھی دنیا کے کسی اور دیگر مذاہب میں موجود نہیں

حضرات! دنیا کے اندر جتنے پیغمبر وانبیاء یکے بعد دیگرے تشریف لائے سب کا اصل مقصد توحید ہی تھا۔ یہی توحید ہے کہ جس کے باعث نوح علیہ السلام حضرت ہودؑ حضرت صالحؑ حضرت شعیب علیہم السلام نے قوم کی گالیاں سنیں۔ اور کور باطن کفار کے مظالم سہے۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس کی آواز بلند کی۔ اور پھر جس کے پاداش میں نذر آتش

کئے گئے۔ جس کی وجہ سے حضرت لوط بد باطن قوم کے انسانیت سوز مصائب کا شکار ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو تادم مرگ جس پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی۔ یوسف علیہ السلام نے جس کا درس مصر کے جیل خانوں میں دیا۔ یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ کے اندر جسکا نعرہ بلند کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے تمام متبعین جس پر ایمان لانے کے جرم میں فرعون کے بے پناہ مظالم کا تختۂ مشق بنے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس کی تعلیم شام کے صحراؤں میں دی غرض کہ جتنے پیغمبر آئے سبھوں نے اسی توحید کی تبلیغ میں ہمت شکن مشکلات کا مقابلہ کیا۔ اور ہزاروں تکالیف اٹھائیں۔ حتیٰ کہ اسی مبارک تعلیم (توحید) کی تبلیغ واشاعت کے جرم میں ہمارے سرور کائنات حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین عرب کے پتھر کھائے۔ اسی کی بدولت آپ مع اپنے خاندان کے شعب ابی طالب میں محصور کردیئے گئے۔ نیز اسی کی بدولت قبائل عرب نے آپ کا بائیکاٹ کیا۔ جس کی تبلیغ و اشاعت کی خاطر اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑا گھر بار چھوڑا۔ مکہ معظمہ جیسے عزیز اور پیارے وطن کو خیر باد کہا۔ اور ساتھ ہی ساتھ آپ کے ہزاروں جاں نثار صحابہ کرامؓ نے اسی کی اشاعت کیلئے اپنے جان مال قربان کردیئے۔ اپنے نونہال اور معصوم بچوں کو یتیم۔ اور اپنی بیویوں کو بیوہ کیا۔ یہ سب کرشمے تھے تو صرف جذبۂ تبلیغ توحید اور رد شرک ہی کے۔

اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم لوگوں کو بھی توحید خالص پر چلائے اور اس کی تبلیغ و اشاعت کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین

صفحہ ۲۰ کا بقیہ مضمون

اور زوجیت کے فرائض سے کہاں تک عہدہ برآ ہوسکتی ہیں۔ درحقیقت جن عورتوں کی تربیت ابتدا ہی میں عملی ماحول میں ہوتی ہے اور جو برابر گھر کے کاموں میں حصہ لیتی رہتی ہیں۔ آئندہ انھیں امور خانہ داری میں بچوں کی دیکھ بھال شوہر کی خدمت گھر کی صفائی وغیرہ امور کے انجام دینے میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ وہ شوہر کی خدمت اولاد کی تعلیم و تربیت سے خوش ہوتی ہیں اور اس کو باعث فخر سمجھتی ہیں۔ وہ گھر کے کام کاج کرنے اور گھر کے صاف ستھرا رکھنے میں کسی قسم کی ندامت محسوس نہیں کرتیں بلکہ اس کے برعکس گھر کے انتظام کو ٹھیک نہ رکھنے اور اسکو گندا رکھنے میں انھیں تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

پس مذکورہ بالا بیان سے یہ ثابت ہوگیا کہ مردوں سے زیادہ عورتوں کے حق میں بیکاری اور اوقات کی تضییع مضر اور نقصان دہ ہے کیونکہ ان کی بیکاری اور تضییع اوقات کا اثر نہ صرف انھیں کی زندگی کیلئے زہر قاتل ہے بلکہ اس کا نقصان اولاد کے حق میں پایا جاتا ہے کیونکہ بچے ماں کو جب آرام طلب اور بے عمل پاتے ہیں تو انھیں کی طرح وہ بھی بے عمل ہوجاتے ہیں اور اوقات کو کھیل کود میں ضائع و برباد کردینے کے عادی ہوجاتے ہیں انھیں اوقات کی کوئی قدر و قیمت محسوس نہیں ہوتی جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں کسی کام کے لائق نہیں رہتے۔

فرصت کے اوقات کی قدر و قیمت

(از جناب مولانا عبید الرحمٰن صاحب طالب رحمانی)

ذیل میں ناظرین محدث خصوصاً طلبا کے استفادہ کی غرض سے علامہ جرجی زیدان اڈیٹر الھلال مصر کے ایک مقالہ کا ترجمہ کیا جاتا ہے جسمیں موصوف نے اوقات فرصت کی قدر و قیمت ان کی اہمیت اور بیکاری کے مفاسد پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔ . . . . مترجم

جس طرح تمام حکمار طبیعین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ محسوس اور ظاہری چیزوں میں خلا محال ہے یعنی ظاہر میں جن مقامات کا ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کوئی بھی فارغ اور خالی نہیں ہیں بلکہ درحقیقت وہ ہوا سے مملو ہیں ٹھیک اسی طرح ان کے نزدیک باطنی چیزوں مثل عقل، فکر، طبیعت، ذہن ان میں سے کسی میں بھی خلا نہیں ہے۔ یعنی انسانی عقول و اذہان اور افکار پر ایک سکنڈ بھی ایسا نہیں گذرتا جس میں وہ بالکل فارغ اور خالی ہوں بلکہ اگر انسان کسی معاملہ سے اپنے ذہن و دماغ کو پھیر لے تو غیر ارادی طور پر فوراً اس کی جگہ کوئی دوسرا معاملہ آکر اس کو مشغول و مصروف بنا دیتا ہے ×

انسان پر ایسے مواقع اور حالات گذرتے ہیں کہ جب اس کے دماغ میں مختلف خیالات و افکار اور مہمات کا ہجوم ہوتا ہے تو اولاً اسکا دماغ کسی ایک مہم میں جسکا وہ متحمل ہو سکتا ہے مشغول و مصروف ہوتا ہے پھر جب اس سے منعطف ہوتا ہے تو فوراً دوسرے امر کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے پھر تیسرے امر کی طرف یہانتک کہ یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے اور کسی وقت منقطع نہیں ہوتا۔ پس درحقیقت انسانی عقول و اذہان و افکار جب کسی عمل و فعل سے فارغ اور خالی ہوتے ہیں تو فوراً ماحول اور طبیعت کے مقتضا کے مطابق دوسرے عمل میں لگ جاتے ہیں۔ اگر کسی مستحسن اور اچھے امور میں مشغول نہ ہوں تو امور فاسدہ اور برے خیالات میں ضرور منہمک ہونگے اسلئے یہ مشہور ہے کہ خالی اور بیکار دماغ ابلیس کی شکارگاہ ہے جہاں وہ آسانی سے اپنا تلبیسی جال بچھا کر اسکو برائیوں کے غار میں دھکیل سکتا ہے۔ پس ابلیسی فریب کاریوں اور عیاریوں اور شیطانی وساوس و خطرات سے وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے جو ہمیشہ اپنے دماغ کو بجائے مضر اور برے خیالات میں مصروف رکھنے کے مستحسن اور نافع امور میں مشغول رکھے۔

جس شخص نے اپنے ذہن و دماغ کو کسی اچھے کام کے سوچنے سے روکے رکھا درحقیقت اس نے اپنے دل میں مفاسد اور برے خیالات کیلئے جگہ خالی کی ہے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ فوجوں اور لشکریوں میں ابتری اور گڑبڑی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ فوجیں عمل سے فارغ اور بیکار ہوتی ہیں کیونکہ اسوقت ان کے افکار و اذہان پر مفاسد اور فتن کا جادو بہت آسانی سے چل جاتا ہے اور شیطان ان میں ابتری اور انتشار پیدا کرنے پر بہت جلد قابو پا لیتا ہے

اسی چیز کے پیش نظر سلطنتوں اور حکومتوں کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ صلح اور آشتی کے زمانے میں فوجوں کو کسی نہ کسی فوجی کام میں ضرور مشغول و مصروف رکھتی ہیں چاہے وہ کام غیر ضروری ہی کیوں نہ ہوں۔ اور صرف حکومتوں اور سلطنتوں کا ہی دستور نہیں رہا ہے بلکہ اس کی اہمیت مذہبی رہنماؤں میں بھی پائی جاتی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے اتباع اور مریدین کو کسی نہ کسی عمل اور وظیفے میں مشغول رکھتے ہیں جس سے اکثر و بیشتر ان کا مقصد اپنے متعلق ان کے قلوب کو برے خیالات اور بدگمانیوں سے پاک وصاف رکھکر اعتماد پیدا کرنا ہوتا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ اوپر کے بیان سے غالباً ناظرین کے دل میں یہ شبہ پیدا ہوا ہوگا کہ ہم دن ورات کے سارے وقتوں میں مصروف عمل رہنے کو ضروری قرار دے رہے ہیں یا ہمارا مقصد یہ ہے کہ انسان کو زندگی کے ہر دور اور ہر لمحہ میں مناسب اعمال میں مشغول و مصروف رہنا چاہئے اسلئے یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اس بیان سے ہماری غرض یہ بتانا ہے کہ فرصت کے اوقات ولمحات کون سے ہیں اور ان اوقات میں جبکہ حقیقت میں انسانی عقل ودماغ میں فراغ وخلا محال ہے کونسا عمل کرنا چاہئے اور اپنے دماغ کو کن خیالات وافکار میں مشغول و مصروف رکھنا چاہئے۔

اس میں شک نہیں کہ انسان جب تک اپنے اعمال وافعال میں مشغول و مصروف رہتا ہے اسوقت تک وہ شیطانی وساوس وخطرات اور برے خیالات وافکار سے بالکل مامون ومحفوظ رہتا ہے اس پر شیطان کی فریب کاریوں کا اثر انداز ہونا غیر ممکن اور مشکل ہوتا ہے مگر کام سے فراغت پانے کے بعد اور فرصت کے اوقات نہایت ہی خطرناک ہوتے ہیں جنکو اگر خطرناک گھاٹیوں سے تعبیر کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ اگر انسان نے ان لمحات فرصت کو نہایت ہوشیاری اور بیدار مغزی سے نیک کاموں میں لگ کر طے کیا تو منزل مقصود کو پہنچا ورنہ اس کی محرومی اور ناکامی اور ہلاکت و بربادی بالکل مسلم ہے۔

پس حقیقت میں وہ شخص بہت ہی خوش نصیب اور باسعادت ہے جس نے فرصت اور فراغت کے لمحات کو غنیمت سمجھا اور اپنے دماغ کو بہتر کاموں کے سوچنے اور سمجھنے میں لگائے رکھا اور فرصت کے اوقات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور وہ شخص بہت ہی بڑا بدنصیب ہے جس نے فرصت کے اوقات کو بجائے بہتر کاموں میں گذارنے کے برے خیالات اور بیکار کاموں میں گذار کر بہت بڑی دولت ہاتھ سے کھودی۔ جہانتک فرصت کے اوقات سے متمتع ہونیکا تعلق ہے انسان کو انھیں غنیمت سمجھکر بہتر کاموں میں گذارنا چاہئے اور پوری ہوشیاری سے اس پر کنٹرول رکھنا چاہئے کہ مبادا شیطان اس موقع سے کہیں ناجائز فائدہ اٹھائے اور اسے برے خیالات وافکار میں مبتلا کر کے ناکام ونامراد نہ بنادے +

فرصت کے اوقات کہتے کسے ہیں جہانتک فرصت کے اوقات کی اہمیت کا تعلق ہے اس سے کسی بشر کو انکار نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان ان اوقات میں راحت وآرام بالکل کرے ہی نہیں کیونکہ جس طرح عمل وحرکت میں انسان کی کامیابی وکامرانی کا راز مضمر ہے اسی طرح راحت وآرام بھی اسکیلئے مفید وکارآمد ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فرصت کے اوقات کہتے کسے ہیں اور ان میں راحت وآرام کی صورت کیا ہے کیا ان اوقات میں بیکار رہنے سے راحت وآرام حاصل ہو سکتا ہے؟

اس سے پہلے ہم یہ ثابت کر آئے ہیں کہ انسانی طبیعت میں خلا محال ہے یعنی دماغ اور قوی فکریہ کسی آن بھی خالی عن العمل نہیں رہ سکتے مثلاً وہ شخص جو دن بھر کام میں مشغول رہ چکا ہے جب اپنے کام سے فارغ ہوتا ہے تو فوراً اپنے قویٰ اور دماغ کو آرام دینے کیلئے مختلف تفریحی چیزوں میں مشغول ہو جاتا ہے جیسے ورزشی کھیل، اخبارات کا مطالعہ۔ احباب کے ساتھ بیٹھکر زمانے کے مختلف حالات پر گفتگو کرنا، اور بعض دوسرے امور میں جن سے طبیعت کو دلچسپی ہو مصروف ہونا۔

پس اپنے متعلق مفوضہ کاموں کے انجام دہی کے بعد وہ اوقات جن کو انسان اپنی تھکن دور کرنیکے لئے تفریحی چیزوں میں گذارتا ہے اوقات فرصت کہتے ہیں۔ یہ چیز اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ راحت و آرام کرنے کی یہ صورت نہیں ہے کہ انسان بالکل بیکار بیٹھا رہے بلکہ حقیقت میں آرام اس میں ہے کہ ایک کام میں جب کسی قسم کی تھکاوٹ محسوس ہو تو اپنی توجہ دوسرے کاموں کی طرف مائل کر دی جائے جیسے وہ شخص جو سارا دن بیٹھکر کام کر رہا ہو جس میں اس کے دونوں ہاتھ مصروف عمل تھے اس کو راحت اس میں ملیگی کہ وہ چلے اور اپنے ہاتھ عمل سے روکے رکھے۔ اسی طرح ایک تاجر ہے جس نے اپنا سارا دن تجارتی امور کے متعلق غور و فکر میں گذارا ہو اس کیلئے فراغت و راحت اس میں ہے کہ اپنے خیالات کو دوسرے کاموں مثل اخبارات و رسائل کے مطالعہ میں مصروف کر دے۔ پس راحت کی صورت یہ ہے کہ انسان ایک ہی کام میں مشغول و مصروف نہ رہے بلکہ برابر کام کو بدلتا رہے کیونکہ حقیقت میں سچی راحت اسی میں ہے۔

اوقات فرصت کے مفاسد اس میں شک نہیں کہ عمل اور کام کے وقت میں انسان کے مفاسد اور خطرات میں پڑنیکا احتمال نہیں ہوتا کیونکہ عملی انہماک کی وجہ سے کسی خطرے کا اس کی طرف گذر نہیں ہو سکتا اور نہ مصروفیت و مشغولیت اس کے خیال کو کسی بری چیز کی طرف لیجا سکتی ہے لیکن فرصت اور چھٹی کے اوقات میں مفاسد اور بری باتوں میں پڑنے کا بہت زیادہ احتمال ہوتا ہے کیونکہ انسان چھٹی کے اوقات اور لمحات یا تو کھیل کود میں گذاریگا یا ان ساعات و لمحات کو غنیمت سمجھکر کسی نفع بخش اور بہتر چیز میں گذاریگا۔ ظاہر ہے کہ اگر اس نے چھٹی کے اوقات کا استعمال بیجا طور پر کیا اور انھیں کھیل کود شراب نوشی جوئے بازی تاش بازی جیسے مہلک اور ضرر رساں کاموں میں ضائع کر دیا اور ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی تو یہ لمحات اس کیلئے سراسر زہر قاتل ہیں اور اس کے مستقبل کو تباہ اور برباد کرنیوالے ثابت ہونگے۔

بارہا ایسے لوگوں کو دیکھا گیا ہے جنھوں نے فرصت اور چھٹی کے لمحات کی قدر نہیں کی اور انھیں لہو و لعب میں ضائع کر دیا ان کا مستقبل بہت ہی تاریک رہا اور وہ ہمیشہ لوگوں کی نگاہوں سے گرے رہے۔ پس حکمت و دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ چھٹی کے اوقات کو بیکار اور غیر مفید کاموں کھیل کود سے ہمیشہ پاک و صاف رکھا جائے اور ان اوقات کو غنیمت سمجھکر ان میں بہتر سے بہتر کام کئے جائیں تاکہ زندگی کے یہ لمحات برے کاموں میں ضائع و برباد نہ ہوں۔

فرصت کے اوقات کی قدر و قیمت اوقات فرصت کی قدر قیمت اور اہمیت کا جہانتک تعلق ہے وہ کسی پر مخفی نہیں یہ اوقات انسان کے عروج و ترقی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں اگر انسان چاہے تو ان اوقات سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

اوران سے فائدہ اٹھاکر ترقی کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ سکتا ہے چنانچہ جس شخص نے ان کی قدر وقیمت کو پہچانا اوران کو بہترین کاموں میں گذارا اس نے دنیا میں بہت بڑی عزت اور شہرت حاصل کی۔ ہم نے دنیا میں ایسے بہت سے لوگ دیکھے ہیں جو فقر وفاقہ اور غربت وافلاس کی زندگی گذار رہے تھے لیکن انھوں نے فرصت کے اوقات سے فائدہ اٹھایا اور جلد ہی افلاس وتنگدستی کی غم انگیز دنیا سے نکل کر غنا وثروت اور مسرت وشادمانی کے عالم میں پہنچ گئے +

ہم ذیل میں ایسی چند ہستیوں کے اسماء کا ذکر کرتے ہیں جنھوں نے فرصت کے لمحات اور چھٹی کی گھڑیوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اوران کی قدر وقیمت کو پہچان کران میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دنیا میں بہت بڑی شہرت کے مالک بن گئے۔ کہتے ہیں "رتشرد کرایت" ایک معمولی حجام تھا اُسے دنیا بہت کم جانتی تھی لیکن اس نے فرصت کے اوقات بیکار لہو ولعب میں ضائع نہیں کئے بلکہ اچھے کاموں اور آلات وصنائع کی ایجادات وغیرہ میں گذارے چنانچہ آج انھیں اوقات فرصت کی بدولت سوت کاتنے کی مشین کی ایجاد کا فخر اسے حاصل ہوا اور صناعوں میں بہت بڑا رتبہ حاصل کیا۔ بن جنسن، ادوروس تلفر، ہومیلر جیولوجی، وغیرہم معمولی معمار تھے جو تعمیر کے کاموں میں مشغول رہتے تھے لیکن اوقات فرصت کو انھوں نے کبھی بیکار کاموں میں ضائع نہیں کئے بلکہ وہ اپنی جیبوں میں کتاب رکھکر کام کرتے اور جب کبھی فرصت ملتی علم کے حصول اور کتابوں کے مطالعہ میں لگ جاتے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ چلکر وہ بہت سے علوم کے عالم بن گئے۔ اینوجونسن ہرسیں یوحنا ہنتر فیزیولوجی وغیرہم معمولی بڑھئی تھے جو دن بھر بخاری کے کاموں میں مشغول رہتے مگر انھیں اوقات فرصت کی بدولت وہ بہت سے فنون کے ماہر بنگئے۔

یوحنا سنو المورخ جاکسن مصور اندروجنس رئیس ولایات متحدہ خیاط تھے اور فقر وفاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے لیکن انھوں نے چھٹی کے زمانے کو مفید کاموں میں گذارا اور جلد ہی فقر وفاقہ جہل ونادانی کی تاریکیوں سے نکلکر غنا وثروت اور علم وفن کی روشنی میں آگئے۔ غرض دنیا میں ایسے لاکھوں نفوس ملیں گے جو شروع شروع میں معمولی حیثیت کے آدمی تھے لیکن فرصت کے اوقات سے فائدہ اٹھاکر مستقبل میں بہت بڑی عزت اور شہرت کے مالک ہوگئے +

نوجوان طلبا اور اوقات فرصت جہاں تک طلبا کے اوقات فرصت سے متمتع ہونیکا تعلق ہے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دور حاضرہ میں فرصت اور چھٹی کے زمانے کو بیکار اور غیر مفید چیزوں میں گذارنیکی وبا ان میں عام ہوچکی ہے۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنے فرصت اور چھٹی کے زمانے کو جو نہایت قیمتی زمانہ ہوتا ہے کھیل کود اور لغو کاموں میں گذار دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ زندگی کی بہت بڑی ترقی سے محروم رہ جاتے ہیں حالانکہ اگر وہ تھوڑی دیر کیلئے غور کریں اور مذکورہ بالا ہستیوں کی زندگی کو اپنے سامنے رکھیں تو انھیں چھٹی کے زمانہ کی قدر وقیمت اور اہمیت کا پوری طرح احساس ہوجائے اور وہ ان اوقات کو کھیل کود میں ضائع کرنے کے بجائے مفید علمی کاموں اور دوسری کارآمد باتوں میں گذاریں۔

بعض بھولے بھالے نوجوان طلبا یہ کہدیا کرتے ہیں کہ ہم فرصت کے اوقات میں کیسے کوئی کام کرسکتے ہیں کیونکہ ہمیں بہت مختصر سا وقت ملتا ہے جس میں اگر ہم آرام نہ کریں گے تو ہماری صحت خراب ہوجائے گی۔ حالانکہ یہ انکا عذرا ور بہانہ کچھ وزن نہیں رکھتا کیونکہ ہم یہ پہلے بتا آئے ہیں کہ راحت و آرام اسمیں نہیں ہے کہ انسان عمل سے رکا رہے بلکہ آرام اسمیں ہے کہ جس کام کو کررہا ہے جب اس سے اکتا جائے تو اُسے چھوڑکر دوسرے مفید کاموں میں لگ جائے کیونکہ طبیعت کو سکون کاموں کے تنوع سے ہوتا ہے عمل سے رک جانیسے نہیں ہوتا ہے نیز بہت سے ایسے لوگ دنیا میں گذرے ہیں جنھوں نے فرصت کے بہت مختصر لمحوں میں جن کی کوئی قیمت نہیں ہوسکتی تھی بہت سے مفید کام انجام دیئے۔ ڈاکٹر برنی جو لوگوں کو علم موسیقی کی تعلیم دیا کرتا تھا اس نے فرانسیسی اور اٹالین زبان چھٹی کے ان مختصر لمحات میں سیکھا جو اُسے ایک شاگرد کے گھر سے دوسرے شاگرد کے گھر جانے کے درمیان میں میسر آتے تھے۔

رغو فرانسیسی نے دسترخوان چنے جانیکے درمیان جو مختصر سا وقت ملتا تھا اس میں ایک بڑی کتاب لکھ ڈالی۔ پس چھٹی کے اوقات کی تنگی کا عذر ایک غیر معقول و غیر مسموع عذر ہے حقیقت میں یہ عذر اسوجہ سے کیا جاتا ہے کہ چھٹی کے اوقات کی اہمیت اور ان کی قدر و قیمت کا احساس نہیں ہے اور دل میں ارادہ کی پختگی نہیں ہے اگر ان سے فائدہ اٹھانے کا عزم مصمم کرلیا جائے اور غفلت و سستی سے کام نہ لیا جائے تو یہ بہانہ کرنے کا موقعہ ہی نہ آئے۔ پس ضرورت اس کی ہے کہ نوجوان طلبا آنکھیں کھولیں اور غفلت و سستی کو دور کرتے ہوئے چھٹی کے زمانہ کی قدر و قیمت اور اہمیت کا اپنے دل میں احساس پیدا کریں اور اس میں بجائے لغو اور بیہودہ کام کے مختلف قسم کے مفید اور بہتر کام کریں۔

نوجوان عورتیں اور بیکاری | جہانتک عورتوں کے حق میں اوقات کی تضیع اور بیکاری کا تعلق ہے ان کیلئے بیکاری مردوں سے کہیں زیادہ مضر اور نقصان دہ ہے خصوصاً ان عورتوں کیلئے جو ناز و نعمت اور عیش و عشرت کے آغوش میں پلی ہوں اور اپنی زندگی کا واحد مقصد زیب و زینت بناؤ سنگھار سمجھتی ہوں اور اس کے ہولناک انجام سے بے پرواہ ہوکر اپنے اوقات کو ضائع و برباد کردیں غایت درجہ مہلک اور ان کے مستقبل کو تاریک بنانیوالا ہے کیونکہ یہ بیکاری نوجوان عورتوں کی نہ صرف صحت ہی پر اثرانداز ہوتی ہے بلکہ آئندہ ان کی زندگی کے سب سے بڑے اور اہم فریضہ کی ادائیگی سے بھی انھیں غافل بنادیتی ہے۔ امور خانہ داری بچوں کی دیکھ بھال شوہر کی خدمت گھر کے انتظام ان تمام چیزوں سے وہ قطعاً نا آشنا ہوتی ہیں جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سوسائٹی کی نگاہوں میں بہت ہی زیادہ ذلیل و حقیر سمجھی جاتی ہیں۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض خوشحال والدین اپنی بچیوں کے آرام و آسائش اور ان کی زیب و زینت کا بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں یہانتک کہ ان کی ہر ایک ضرورت کی تکمیل کیلئے الگ الگ خادمائیں مقرر ہوتی ہیں جو برابر ان کی ضروریات پوری کرتی رہتی ہیں ان کو خود ہاتھ پاؤں ہلانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ظاہر ہے کہ جن کی نشو و نما اس ناز و نعمت کے ساتھ ہوگی اور جو عمل سے قطعاً نا آشنا ہوں گی آئندہ سلک زوجیت میں منسلک ہونیکے بعد امور خانہ داری کو کیسے انجام دیسکتی ہیں۔ (باقی ص۱۵ پر ملاحظہ ہو)

فتاوے

سوال :۔ مصافحہ دونوں ہاتھ سے کرنا چاہئے یا صرف دائیں ہاتھ سے ۔ سائل حاجی محمد میاں از قلابہ

جواب :۔ مصافحہ صرف دائیں ہاتھ سے کرنا چاہئے کہ یہ سنت ہے صحیح حدیث سے ثابت ہے ۔ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت نہیں ہے کیونکہ یہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے ۔ عن عبد اللہ بن بسر قال ترون یدی ھذہ صافحت بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث (اخرجہ ابن عبد البر فی التمہید والحافظ الدولابی فی کتابہ الاسماء والکنی والامام احمد فی مسندہ ورجالہ کلھم ثقات واسنادہ متصل ویؤید حدیث عبد اللہ ھذا حدیث ابی امامۃ تمام التحیۃ الاخذ بالید والمصافحۃ بالید الیمنی اخرجہ الحاکم فی الکنی کذا فی کنز العمال ویؤیدہ حدیث انس بن مالک قال صافحت بکفی ھذہ کف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فما مسست خزا ولا حریرا الین من کف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکرہ الشیخ محمد عابد السندی فی حصر الشارد والشوکانی فی اتحاف الاکابر مفصل بحث تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ج ۴ ص ۳۹۷ اور المقالۃ الحسنی فی سنیۃ المصافحۃ بالید الیمنی میں ملاحظہ ہو ۔

سوال :۔ اذان میں یا کسی اور موقعہ پر لفظ محمد سنکر انگوٹھا چومنا جائز ہے یا نہیں ؟ سائل مذکور

جواب :۔ لفظ محمد سنکر انگوٹھے چومکر آنکھوں سے لگانا بے اصل اور بدعت ہے ۔ انگوٹھے چومکر ان کو آنکھوں سے لگانے کے بارے میں چند حدیثیں آئی ہیں لیکن سب غیر صحیح بے اصل موضوع جھوٹی اور بناوٹی ہیں ۔ علامہ شوکانی نے الفوائد المجموعہ ص ۱۲ میں، علامہ محمد طاہر فتنی حنفی نے تذکرۃ الموضوعات ص ۳۴ میں ۔ ملا علی قاری حنفی نے موضوعات ص ۶۵ میں حافظ سیوطی نے تیسیر المقال میں، علامہ ابوالحسن عبد الغافر الفارسی صاحب مفہم شرح صحیح مسلم نے اقوال الاکاذیب میں ۔ علامہ ابو اسحق بن عبد الجبار کابلی نے شرح رسالہ عبد السلام لاہوری میں، علامہ محمد یعقوب بنبانی نے الخیر الجاری شرح صحیح البخاری میں، علامہ حسن بن علی الہندی نے تعلیقات مشکوٰۃ میں، حافظ سخاوی نے المقاصد الحسنہ میں، اور دوسرے محدثین نے ان احادیث کے بے اصل و بے ثبوت اور موضوع ہونے کی تصریح کردی ہے ۔ اسی لئے شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ نے فتوی تقبیل العینین میں اس فعل کو بدعت قرار دیا ہے ۔

سوال :۔ ہمارے کوکن زمانے سے یہ رواج چلا آتا ہے کہ عزیز کے مرجانے کے بعد کسی بھلے اور اچھے آدمی کے منہ سے قرآن شریف پڑھوا کر اس کا ختم میت کے حق میں لے لیتے ہیں اور اسکو ختم قرآن کا محنتانہ ایک روپیہ دیدیتے ہیں ۔ کیا محنتانہ دیکر قرآن ختم کرانا جائز ہے اور کیا میت کو اسکا ثواب پہنچتا ہے ؟ سائل مذکور

جواب :۔ تلاوت قرآن کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اس بارے میں ضعیف لیکن قابل عمل حدیثیں آئی ہیں (ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی وکتاب الجنائز مصنفا استاذ امام مبارکفوری) لیکن ایصال ثواب کیلئے اجرت دیکر قرآن پڑھوانا بے ثبوت

اور بے اصل بدعت ہے چاروں اماموں میں سے کسی امام کے نزدیک بھی یہ جائز نہیں ہے۔ اس کے بدعت اور گمراہی ہونے کی تصریح اور تفصیلی بحث رد المختار ص۲۸۷ج۱ حاشیہ درمختار لابن عابدین الشامی میں ملاحظہ ہو۔

سوال :۔ بے نمازی کو سلام کرنا چاہیئے یا نہیں؟ سائل مذکور

جواب :۔ بے نمازی فاسق ہے اسکو ابتداءً نہیں سلام کرنا چاہیئے ہاں اگر دینی یا دنیوی فتنہ کا اندیشہ ہو تو فاسق اور بدعتی کو ابتداء سلام کرنا جائز ہے۔ لیکن اگر فاسق یا بدعتی سلام کی ابتدا کرے تو سلام کا جواب بہرحال دیدینا چاہیئے۔ امام بخاریؒ اپنی صحیح میں فرماتے ہیں باب من لم یسلم علی من اقترف ذنباً الخ حافظ لکھتے ہیں قد ذھب الجمہور الی انہ لا یسلم علی الفاسق ولا المبتدع قال النووی فان اضطر الی السلام بان خاف ترتب مفسدة فی دین او دنیا ان لم یسلم سلم وکذا قال ابن العربی وزاد وینوی ان السلام اسم من اسماء اللہ تعالیٰ فکانہ قال اللہ رقیب علیکم وقال المھلب ترک السلام علی اھل المعاصی سنة ماضیة وبہ قال کثیر من اھل العلم فی اھل البدع وحکی ابن رشد قال قال مالک لا یسلم علی اھل الاھواء (فتح ص۶۵ ج۲۵)

سوال :۔ زید کی دو سگی بہنیں ہیں۔ بکر ان دونوں میں سے ایک سے اپنا اور دوسری سے اپنے لڑکے کا نکاح کرے تو اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ سائل شیخ عبداللہ لکھیری پورہ بھوپال

جواب :۔ یہ صورت بلا شک وشبہ بالاتفاق جائز ہے کیونکہ حرمت اور عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی۔

سوال :۔ ہندہ بیوہ ہے اور اس کی ایک لڑکی ہے۔ زید رنڈوا ہے اور اس کا ایک لڑکا ہے۔ اب زید ہندہ سے اور اپنے لڑکے کا ہندہ کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ کیا یہ دونوں نکاح جائز ہوں گے۔ سائل مذکور

جواب :۔ بلاشبہ دونوں نکاح جائز ہوں گے۔ نہ یہاں حرمت مصاہرت متحقق ہے نہ حرمت نسب اور نہ حرمت رضاعت جیسے زید اور ہندہ اجنبی ہیں اسی طرح ہندہ کی لڑکی اور زید کا لڑکا آپس میں اجنبی ہیں۔ واما بنت زوجتہ ابیہ او ابنہ فحلال۔ (درمختار) قال الخیر الرملی ولا تحرم بنت زوج الام ولا امہ ولا ام زوجة الاب ولا بنتھا (رد المحتار ص۳۹۳ ج۲) +

سوال :۔ امام نے جماعت کرائی نماز ختم کرنے کے بعد اسکو خیال آیا کہ اس نے بے وضو نماز پڑھائی ہے ایسی صورت میں مقتدیوں کی نماز ہوئی یا نہیں صرف امام نماز دہرائے یا مقتدی بھی؟ سائل حاجی محمد میاں از قلابہ

جواب :۔ اس مسئلہ میں ائمہ مختلف ہیں۔ امام مالکؒ وامام شافعیؒ وامام احمدؒ کے نزدیک مقتدیوں کی نماز صحیح ہو گئی ان کو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ صرف امام کی نماز باطل ہوئی اسلئے فقط وہی نماز دہرائے۔ یہ تینوں امام اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلون لکم فان اصابوا فلکم ولھم وان اخطئوا فلکم وعلیھم (احمد وبخاری) قال فی المنتقی وقد صح عن عمر انہ صلی بالناس وھو جنب ولم یعلم فاعاد ولم یعیدوا وکذلک عثمان وروی عن علی من قولہ رضی اللہ عنہ انتھی قال الحافظ وفی روایة لاحمد فان اصابوا الصلوة لوقتھا واتموا

الرکوع والسجود فھی لکم ولھم فھذا ابین ان المراد ما ھو اعم من اصابۃ الوقت قال ابن المنذر ھذا الحدیث یرد علی من زعم ان صلوۃ الامام اذا فسدت فسدت صلوۃ من خلفہ قال الشوکانی قولہ وان اخطئوا ای ارتکبوا الخطیئۃ ولم یرد الخطأ المقابل للعمد لانہ لا اثم فیہ واستدل بہ البغوی علی انہ یصح صلوۃ المامومین اذا کان اماھم محدثا وعلیہ الاعادۃ قال فی الفتح واستدل بہ غیرہ علی اعم من ذلک وھو صحۃ الائتمام بمن یخل بشئ من الصلوۃ رکنا کان اوغیرہ اذا اتم المامو م وھو وجہ للشافعیۃ بشرط ان یکون الامام الخلیفۃ او نائبہ والاصح عندھم صحۃ الاقتداء الا لمن علم انہ ترک واجبا ومنھم من استدل بہ علی الجواز مطلقا قال الشوکانی وھو الظاھر عن الحدیث ویؤیدہ ما رواہ المصنف عن الثلاثۃ الخلفاء انتھی (نیل الاوطار ص ج ۳)

اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک امام اور مقتدی دونوں کی نماز باطل ہوگئی دونوں کو نماز دھرانی چاہئے دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ الامام ضامن والموذن موتمن (احمد ابوداؤد ترمذی ابن حبان ابن خزیمہ حاکم عن ابی ھریرۃ) میرے نزدیک ائمہ ثلثہ کا مسلک راجح اور قوی ہے +

سوال:۔ آلۂ آواز جسکو انگریزی میں لاؤڈ اسپیکر کہتے ہیں جامع مسجد وعیدین ومجالس وعظ وخطبہ میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ محمد سلیمان از بردوان

جواب :۔ عام مذہبی یا علمی جلسوں کی طرح اذان میں موذن کی آواز اور عیدین وجمعہ کے موقع پر نماز میں امام کی آواز دور کے تمام مقتدیوں تک اور خطبہ میں خطیب کی آواز دور کے لوگوں تک پہنچانے کیلئے لاؤڈ اسپیکر (آلہ مکبر الصوت) کا استعمال اور اس کو امام اور موذن وخطیب کے سامنے رکھنا جائز اور مباح ہے۔ ایسی ضرورت کے وقت اس آلہ کے استعمال میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔ اور اذان ونماز وخطبہ جمعہ وعیدین کی صحت میں کوئی خلل نہیں واقع ہوگا۔ اس کے استعمال کے عدم جواز پر شرعاً اور عقلاً کوئی دلیل قائم نہیں ہے بلکہ اس آلہ کا استعمال اس حیثیت سے مستحسن ہے کہ امام اور خطیب کو دور کے مقتدیوں اور حاضرین تک اپنی آواز پہنچانے کی کوشش میں گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخنے اور تکلف وتصنع کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ اس کے ذریعہ خطیب وامام کی اصل آواز (صدائے بازگشت اور نقل نہیں) بلا تکلف براہ راست دور کے تمام لوگوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اس طرح بڑے سے بڑے اجتماع میں مقتدی وحاضرین خطبہ کتنی دور کیوں نہ ہوں امام ومقتدیوں کے درمیان افعال وحرکات (رکوع وسجدہ وقومہ وجلسہ وغیرہ) میں اختلاف نہیں واقع ہوتا بلکہ تمام مقتدیوں میں ترتیب ونظام قائم رہتا ہے رکوع وسجدہ وغیرہ تمام افعال میں امام ومقتدی کے درمیان آخر تک موافقت ومطابقت قائم رہتی ہے اور مطابقت قائم رکھنے کیلئے التفات اور ادھر ادھر رخ پھیرنے کی ضرورت نہیں پڑتی اور نماز پورے خشوع خضوع واطمینان قلب کے ساتھ ادا ہوسکتی ہے۔ ونیز خطبہ میں انتشار نہیں پیدا ہوتا تمام حاضرین کامل توجہ اور یکسوئی کے ساتھ خطبہ سنتے رہتے ہیں +

کتب خانہ

روحِ اخبار

—— حکومتِ ہند کے ممبر مالیات سر جریمی ریسمین نے اپنے بیان میں کہا (۱) ہندوستان اپنے ڈیفنس (بچاؤ) پر ہر روز بیس لاکھ روپیہ خرچ کرتا ہے (۲) جب سے جنگ چھڑی ہے ایک لاکھ نئے اشخاص فوج میں بھرتی کئے گئے ہیں (۳) ساٹھ ہزار سپاہی ہندوستان سے باہر سمندر پار کے مورچوں پر بھیجے گئے ہیں۔ (۴) اپنی ضروریات پوری کرنے کے علاوہ ہندوستان نے ذیل کا سامان سمندر پار بھیجا ہے۔ دس کروڑ راؤنڈ چھوٹے کارتوس، چار لاکھ راؤنڈ گن کارتوس ½۱۳ لاکھ جوڑے بوٹ۔ پندرہ لاکھ کمبل۔ ایک کروڑ گز خاکی ڈرل۔ ۱۲ لاکھ سوتی قمیص۔ ۲۵ لاکھ جراب کے جوڑے۔ ہندوستان پہلے سے تیرہ گنا وردیاں وغیرہ تیار کرتا ہے۔ اور جلد ہی یہ تعداد دگنی سے بھی زیادہ کر دی جائیگی۔ (ہمدم ۹ بلاہ)

—— ۱۰ نومبر مسٹر چیمبرلین سابق وزیر اعظم برطانیہ کچھ عرصہ کی علالت کے بعد ۷۲ سال کی عمر میں انتقال کر گئے (زمیندار)

—— صوبہ بہار سے مختلف وار فنڈوں میں جو عطیات دیئے گئے ہیں ان کی مقدار ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۰ء تک ۱۰ لاکھ روپیہ تک پہنچ گئی ہے۔ اس رقم سے وہ عطیات مستثنیٰ ہیں جو ضلع صوبہ جنگی کمیٹیوں یا وائسرائے کے جنگی فنڈ میں دیئے گئے ہیں (زمیندار)

—— حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مزار واقع نجف اشرف (عراق) کیلئے ایک شامیانہ یا ضریح دس لاکھ روپے کے صرف سے بمبئی میں تیار کی گئی ہے، یہ ضریح عراق بھیجی جائیگی۔ اس کو ڈیڑھ سو صناعوں نے چار سال میں تیار کیا ہے۔ پانسو تولہ (سوا چھ سیر) سونا اور اور چار لاکھ پچاس ہزار تولہ چاندی لگی ہے۔ (انقلاب) **محدث**:۔ کاش یہ رقم کسی ایسے مفید اور جائز کام میں صرف ہوئی ہوتی جس سے غریب مسلمانوں کا بھلا ہوتا۔

—— ۱۱ نومبر کو ہز اکسیلنسی گورنر پنجاب میانوالی تشریف لے گئے تھے جہاں آپ کی خدمت میں ایک جنگی ہوائی جہاز کی پیشکش کے طور پر ایک لاکھ چالیس ہزار آٹھ سو ستر روپیہ تیرہ آنے چھ پائی کی ایک تھیلی پیش کی گئی۔ (انقلاب)

—— ۱۴ نومبر۔ مصر کے وزیر اعظم حسن صابری پاشا مصری پارلیمنٹ کے افتتاحی اجلاس میں شاہ فاروق کا پیغام پڑھکر سنا رہے تھے کہ اچانک گر گئے اور اسی وقت ان کی روح نکل گئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (زمزم)

—— بنگال میں مردم شماری کرنے کیلئے ایک لاکھ ساٹھ ہزار آدمی ملازم رکھے گئے ہیں۔ (تیج)

—— ۱۴ نومبر سی۔پی کے گورنر کے جنگی فنڈ میں اب تک ۲ لاکھ ۷۵ ہزار روپیہ جمع ہو چکا ہے۔ اس میں ضلع ہوشنگ آباد کے ½۵ ہزار روپے بھی شامل ہیں۔ (انقلاب)

—— ۱۰ نومبر۔ رومانیہ میں بڑا زبردست زلزلہ آیا ہے۔ ... کا شہر تباہ ہو گیا۔ ہزاروں آدمی ہلاک ہو گئے۔ ایک آٹھ منزلہ عمارت گر گئی جس میں دو سو آدمی دب گئے۔ (تیج)

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب پرنٹر و پبلشر نے جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع کیا۔

جنوری ۱۹۴۱

یادگار فدائے علم و دین جناب شیخ عطاء الرحمن صاحب مرحوم و مغفور

رسالہ

محدّث

دہلی

ملکیّت

جناب الشیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم دارالحدیث رحمانیہ دہلی

فہرست مضامین

مقاصد

(۱) کتاب و سنت کی اشاعت۔

(۲) مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح۔

(۳) دار الحدیث رحمانیہ کے کوائف کی ترجمانی۔

ضوابط

(۱) یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) یہ رسالہ ان لوگوں کو سال بھر مفت بھیجا جائے گا جو ۶؍ بذریعہ منی آڈر ٹکٹ کیلئے دفتر میں بھیجینگے۔ رسالہ وی پی نہیں بھیجا جائیگا۔

(۳) اس رسالہ میں دینی، علمی، اصلاحی، اخلاقی، تاریخی، تمدنی، مضامین بشرط پسند شائع ہونگے۔

(۴) ناپسندیدہ مضامین محصولڈاک آنے پر واپس کئے جائیں گے اور شائع شدہ مضامین واپس نہیں ہونگے۔

(۵) جوابی امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔

(۶) فتویٰ پوچھنے والے سوال کے ساتھ جواب کیلئے ٹکٹ ضرور بھیجیں۔

پتہ

منیجر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

محدث دہلی

نگران اصول
مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

نمبر ۹	ماہ جنوری ۱۹۴۱ء مطابق ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ ہجری	جلد ۸

قربانی اور اس کے احکام

(از مولوی عبد العزیز صاحب لبکوہری متعلم رحمانیہ دہلی)

قربانی کیا ہے | وہ ابراہیم (علیہ التحیۃ والتسلیم) جو اپنے رب کی پکار پر کعبۃ اللہ کی بنیاد اپنے کمزور ہاتھوں سے رکھ رہا تھا اور اس کے فرمان وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝ (ج) (یعنی پاک کرو میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں، اور رکوع وسجود کرنیوالوں کیلئے) پر لبیک کہکر اس کو عملی جامہ پہنا رہا تھا۔ رضائے الٰہی اور اطاعتِ خداوندی میں سرشار۔ سرگرداں نظر آرہا تھا۔ اور ان کے ساتھ انکا فرماں بردار بیٹا بھی باپ کی اطاعت میں اپنے کمزور اور نحیف ہاتھوں سے کعبۃ اللہ کی تعمیر میں باپ کے ساتھ تھا۔ یہ لائق وفرمانبردار بیٹا وہی تھا جو ریگستان عرب میں باپ سے بچھڑا ہوا اپنی ماں ہاجرہؑ کے ساتھ منزل بمنزل نہایت عزم واستقلال سے مصائب کا مقابلہ کرکے صبر وعزیمت کا پُتلا بنا ہوا تھا۔ ہاں وہ اسمٰعیل (علیہ التحیۃ والتسلیم) جس کی اطاعت کا یہ حال تھا کہ صغر سنی کے باوجود اپنی جان کو باپ پر فدا کرنے کو تیار تھا۔ ہاں وہ اسمٰعیلؑ جن کی معرفت وحسن اجتہاد کا یہ حال تھا کہ بچہ ہونے کے باوجود باپ کے خواب کو بھی حق وصداقت سے لبریز دیکھنا چاہا اور باپ کے خواب ہی کو اپنے لئے مطالبۂ جاں نثاری سمجھا۔ اور باپ کے اس کہنے پر کہ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ دیکھو تمہارا کیا خیال ہے؟ نہایت خوشی ورضا کے ساتھ کہا يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ (صافات) اے ابا جان! آپ کو جو کچھ رب کی جانب سے حکم ہوا ہے اسکو بجا لائیے

میں چوں وچرا تک نہ کرونگا اور انشاء اللہ آپ مجھے صابرین میں سے پائینگے۔" رضائے حق کی طلب میں یہ ایک بے نظیر قربانی تھی۔

وہ نوح (علیہ التحیۃ والتسلیم) جو خدا کے احکام کو پہنچانے کیلئے دنیا میں آیا تھا۔ ان کی قوم نے نافرمانی کی نوحؑ کو ستایا اور ان کو گھر سے بے گھر کیا۔ اللہ نے ان پر پانی کا عذاب بھیجا جب ان کا لڑکا ڈوبنے لگا۔ رقت قلب سے متاثر ہوکر بیٹے کی سفارش کرنے لگے۔ حکم ہوا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ (ہود) خبردار ان ظالموں (مشرکوں) کے متعلق سفارش نہ کرنا یہ غرق کئے جائینگے۔ فرمان الٰہی کے سامنے سرنگوں ہوگئے۔ رضائے الٰہی میں زبان کو بند کرلیا اور اپنی آنکھوں سے بیٹے کو غرق ہوتے دیکھا۔ لب تک نہ ہلایا یہ بھی اطاعتِ الٰہی میں قربانی کی ایک مثال تھی۔

وہ زکریا (علیہ التحیہ والتسلیم) جو اپنی جان بچانے کے خیال سے ایک درخت کے تنے میں گھس گیا جب انکی قوم درخت کاٹنے لگی سر پر آرا چلنے لگا۔ حکم الٰہی ہوا کہ خبردار اگر اُف بھی کیا۔ جسم کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ لیکن رضائے الٰہی میں اُف تک نہ کیا اور جان دیدی یہ بھی ایک زبردست قربانی تھی۔

وہ ایوبؑ جن کے پاس سیم وزر کے ڈھیر تھے جب بحکم الٰہی تمام سامان تلف ہوگیا۔ جسم مرض سے بوسیدہ اور سڑ گیا بدن میں کیڑے پڑ گئے۔ قوم نے گھسیٹ کر شہر کے باہر گھورے پر ڈالدیا۔ لیکن زبان سے سوائے خدا کی تعریف اف تک نہ کیا۔

وہ حسینؓ جس نے سرور کونین محمد صلعم کے آغوش مبارک میں ناز ونعم کیساتھ پرورش پائی تھی۔ میدان کربلا میں بھوکا و پیاسا مع تمام اہلبیت حق کے نام پر قربان ہوگیا۔ عزیز بیٹے اور نواسے کی دردناک شہادت کو بھی دیکھکر قدم میں لغزش نہ ہوئی۔ یہ بھی برضائے حق قربانی کی ایک مثال تھی۔

پس دراصل قربانی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کیلئے اپنی جان، اپنا مال، اپنی اولاد سب کچھ برضا ورغبت اس پر نثار کردے۔

قربانی کی اہمیت جب سے دنیا قائم ہے خالق اور مخلوق کے درمیان رشتۂ عبودیت برابر قائم ہے۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ عبادت کے ذریعہ خالق کا تقرب حاصل کرے۔ اس کے چند طریقے ہیں۔ عبادات بدنیہ جسمیں نماز، روزہ وغیرہ داخل ہیں۔ جب تاریخ عالم پر نظر کی جاتی ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں اللہ کے بندے کسی نہ کسی طریقے سے عبادات بدنیہ میں سے ان دو طریقوں پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ قرآن نے جتنی امتوں کا ذکر کیا ہے ان کی عبادات بدنیہ میں ان کو بھی ذکر کیا ہے۔

عبادات مالیہ میں سے زکوٰۃ اور قربانی ہے۔ قربانی تقرب الی اللہ کیلئے زبردست وسیلہ تھا اسلئے ہر قوم نے اس پر شدت سے عمل کیا اور چونکہ اس میں انتہائی خلوص اور کثرت تعبد پایا جاتا ہے اسلئے یہ نظریہ اتنا بلند ہوگیا کہ بہت سی امتوں نے انسانی قربانی ہی کو اپنے لئے وسیلۂ نجات سمجھا۔ بعض بعض جزیروں میں اب بھی یہ رسم پائی جاتی ہے خدا کے نام پر کسی جاندار شے کو بھینٹ چڑھا دینا اسلئے محبوب سمجھا گیا کہ اس میں عبودیت کا کامل اظہار ہوتا ہے۔ قربانی کرنیوالا اس کا مقر ہوتا ہے کہ بیشک میری جان ومال کا مالک اللہ ہی ہے

وہ جب چاہے اس پر قبضہ کرسکتا ہے اور اس کا اظہار ہوتا ہے کہ تمام عبادتوں کے لائق وہی ہے۔

جب انسانی عقلیں ضعیف ہو کر خدا کو نہ پہچان سکیں اصنام کو خدا تک پہنچنے کا وسیلہ ٹھہرایا۔ ان کی قربانیاں بھی بتوں ہی تک محدود رہ گئیں۔ اسلام نے آکر ان بوسیدہ عقلوں کی صفائی کی۔ صحیح معنوں میں مخلوق کو خالق کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ اور کہا اے محمد لوگوں سے کہدے اِنَّ صَلوٰتِی وَنُسُکِی وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (انعام) کہ میری نماز اور میری قربانی میرا مرنا اور جینا سب اللہ ہی کیلئے ہے جو تمام عالم کا رب ہے (اسلئے تمام عبادتیں اور قربانیاں اسی کے نام سے ہونی چاہئیں۔) قربانی اسلئے کی جاتی ہے کہ اس سے تقرب الی اللہ حاصل ہو۔ اور تقرب کیلئے ایسی چیز کی پیشکش ہونی چاہئے جو انتہائی خلوص پر دال ہو اور اعلیٰ سے اعلیٰ ہو۔ بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو محض سمعۃً یا شہرۃً کی جاتی ہیں اور اس میں خلوص نہیں ہوتا۔ اسلئے جو چیز لوجہ اللہ دی جائے اسمیں پورا اخلوص اور صحیح نیت ہونی چاہئے۔ انما الاعمال بالنیات (حدیث) عملوں کی قبولیت کا دارومدار نیت پر ہے۔ قرآن نے بھی اس پر واضح روشنی ڈالی ہے۔ فرمایا لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَاءُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ (حج) یعنی جو تم اللہ کے نام پر قربانیاں پیش کر کے تقرب چاہتے ہو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے بلکہ اس کے پاس تو تمہارا تقوی پہنچتا ہے۔ یعنی وہ تو نیتوں کو دیکھتا ہے۔ پس نیک نیتی کے ساتھ حوصلہ اور ہمت کر کے اچھے سے اچھا جانور خرید کر اپنی مالی قربانی کا ثبوت دینا چاہئے۔

سوچنے کی بات ہے کہ ایک طرف تو اللہ کا ایک پیارا بندہ اپنے لخت جگر کو اطاعت الٰہی میں ذبح کرنے کو تیار ہو جائے لیکن ہم ایک عمدہ اور فربہ جانور بھی ذبح نہ کرسکیں، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق قربانی کے جانور کی سینگیں، اس کی کھریں، اور اس کا ایک ایک بال اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارے لئے اجر و ثواب کا باعث ہوگا۔

قربانی کا جانور جن جانوروں کے متعلق حدیثیں وارد ہیں۔ انمیں اونٹ، گائے، بکری، بینڈھا۔ بھیڑ۔ کا ذکر آیا ہے۔ یہ بات بھی معلوم کرلینی ضروری ہے کہ ان جانوروں میں صرف مُسِنَّہ کی قربانی صحیح ہوگی۔ مسنہ دنتا جانور کو کہتے ہیں۔ بغیر دانت والے جانور کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔ آنحضورؐ نے فرمایا ہے لاتذبحوا الامسنۃ (مسلم) یعنی صرف دانتا جانور کی قربانی کرو۔ ہاں صرف بھیڑ کے متعلق حدیث آئی ہے کہ بھیڑ کا جذعہ بھی جائز ہے۔ یعنی بغیر دنتا ہوا، جو چھ سات مہینے یا اس سے زیادہ کا ہو۔ بھیڑ کے علاوہ کوئی دوسرا جانور جو دنت ہو اس کی قربانی درست نہ ہوگی۔

مندرجہ ذیل باتوں کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔

(۱) جانور تندرست اور تیار ہو۔ کوئی ظاہری عیب نہ ہو۔ مثلاً مریض جسکا مرض ظاہر ہو۔ کانا، لنگڑا۔ کن کٹا۔ اور ایسا کمزور دبلا پتلا جو نہ چل سکے اور نہ اس کی ہڈیوں میں مغز ہو۔

(۲) قربانی کا جانور نماز عید سے پہلے ذبح نہ کرنا چاہئے۔ اگر پہلے ذبح کردیگا تو یہ مقبول نہ ہوگا اسکی جگہ پر دوسرا جانور ذبح کرنا ہوگا۔

(۳) قربانی کا گوشت فقراء اور مساکین اور پڑوسیوں میں تقسیم کرنیکے علاوہ خود بھی کھا سکتا ہے اہل وعیال کو بھی کھلا سکتا ہے۔

(٤) ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو قربانی کرنا افضل ترین عبادت ہے۔

(٥) نماز بقرہ عید سے پہلے کچھ نہ کھائے۔

(٦) بعد نماز پہلے قربانی ہی کا گوشت کھانا سنت ہے۔

(٧) عیدگاہ آنے اور جانے میں راستہ بدلدینا چاہیئے۔

(٨) عیدگاہ جاتے اور آتے ہوئے بلند آواز سے یہ تکبیریں پڑھنا چاہیئے بلکہ عیدگاہ میں بھی پڑھتا رہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۔

(٩) میت کی طرف سے بھی قربانی کرنا درست ہے اس کے ساتھ ساتھ زندہ لوگوں کو بھی شریک کیا جاسکتا ہے۔ آنحضور ؐ نے ایک مینڈھا تمام امت کی جانب سے ذبح کیا تھا اس میں مردے بھی تھے اور زندے بھی۔

(١٠) قربانی کے جانور کو اس کے بائیں پہلو پر قبلہ رو لٹا کر اُسکے داہنے پہلو پر اپنا پاؤں رکھ لے اور یہ دعا پڑھے۔ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰی مِلَّۃِ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰھُمَّ لَکَ وَمِنْکَ عَنْ . . . . . . اس جگہ جس کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے اس کا نام لے پھر بسم اللہ واللہ اکبر کہکر ذبح کردے۔

(١١) جو قربانی کرنا چاہتے ہوں ان کو چاہیئے کہ ذی الحجہ کا چاند ہوجانے کے بعد نہ بال ترشوائیں اور نہ ناخن کٹوائیں۔ پھر دسویں تاریخ کو قربانی کرنے کے بعد کٹوالیں۔

(١٢) جو لوگ قربانی کی قدرت نہیں رکھتے اگر وہ بھی بال وغیرہ نہ کٹوائیں اور بقر عید کی نماز کے بعد کٹوالیں تو ان کو بھی قربانی کا ثواب اللہ تعالیٰ مرحمت فرمائیگا۔

(١٣) ذی الحجہ کی پہلی سے لیکر نویں تاریخ تک روزے رکھنے۔ کثرت سے ذکر اللہ کرنے میں بہت بڑی فضیلت ہے۔

(١٤) ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو روزہ رکھنے سے اللہ تعالیٰ سال گذشتہ اور سال آئندہ (دو سال) کے گناہوں کی مغفرت فرمائیگا۔

(١٥) نویں تاریخ کی نماز فجر کے بعد سے ١٣ ویں تاریخ کی نماز عصر تک ہر فرض نماز کے بعد بلند آواز سے وہ تکبیریں کہنی چاہئیں جو اوپر لکھی گئی ہیں (١٦) قربانی کی کھال کو صدقہ کردینا چاہیئے۔ (١٧) قصاب کو قربانی کا گوشت اجرت میں دینا جائز نہیں۔ (١٨) ایک بکری گھر بھر کی طرف سے کفایت کرسکتی ہے۔ (١٩) گائے میں سات اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہوسکتے ہیں۔

(٢٠) قربانی ہر اس مرد اور عورت کو کرنی چاہیئے جس کو اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہو۔

یہ تمام احکام صحیح احادیث سے ماخوذ ہیں لیکن اختصار کیلئے حوالوں اور عبارتوں کو حذف کردیا گیا ہے۔ ان میں بعض چیزیں مزید تشریح و تفصیل کی محتاج ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ محدث کے صفحات میں اتنی گنجائش نہیں اسلئے معافی چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی رضامندی کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تعلیماتِ اسلامی کا ایک مختصر خاکہ

(مولوی محمد منتصر صاحب متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی)

برادران اسلام - مذہبِ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے جمیع معائب و معاصی۔ فتنہ و فساد۔ شر و ضلالت کو مٹانے کی راہ بتائی۔ اخوت و مساوات رواداری اور جمیع محاسن سے ہم انسانوں کو مزین کر کے مرکز اتحاد پر گامزن کر دیا اور فرمایا وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (پ ۱۰ س انفال ۴۶) کہ اگر تم نے ہمارے بتائے ہوئے مرکز سے ذرا بھی انحراف کیا تو پھر تمہاری اسپرٹ نکل جائیگی۔ اور تم ذلیل و خوار ہوگے۔ کیا میں بتلاؤں کہ اسلام کے وہ کون سے محاسن تھے جن کی اس نے ہم کو تعلیم دی اور جن کی خوبیوں کا اقرار ساری دنیا نے کیا۔ یوں تو مذہب اسلام کی تعلیمات بہت ہیں جن کے استقصاء سے میں عاجز و قاصر ہوں۔ ہاں آپ کے سامنے چند مشہور و معروف تعلیمات بیان کرتا ہوں تاکہ آپ بھی اندازہ لگائیں کہ ان خوبیوں کی وجہ سے اسلام نے دلوں میں کیا انقلاب پیدا کیا

ناظرین کرام۔ آئیے تھوڑی دیر کیلئے اس زمانہ پر غور کریں جب کہ اسلام نے اپنا نزول کیا تھا اور دنیا کی اور خصوصاً اہل عرب کی کیا حالت تھی۔ ان کی ضلالت و بربریت اور جہالت شر و فساد سے دنیا تہ و بالا تھی۔ یوں کہنے کو تو وہ اپنے کو دین ابراہیمی پر بتلاتے تھے مگر راہ مستقیم سے ہٹ کر خدا سے دور جا پڑے تھے۔ معصیات اور کفر و شرک سے ملوث اور مخلوط ہو چکے تھے لیکن اسلام نے آتے ہی سب سے پہلے ان کو اعتقاد کی درستی کی تعلیم دی اور بہ بانگِ دہل یہ اعلان کیا قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا۔ اے پیغمبر اسلام اہل کتاب سے فرمایئے کہ آؤ تم اور ہم ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اس بات پر اتفاق کر لیں کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی پرستش و عبادت نہ کرینگے اور کسی شے کو اسکا شریک نہ ٹھہرائینگے۔ اہل کتاب کو مخاطب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے کو آسمانی مذہب کا تابع بتلاتے تھے اور چونکہ اسلام بھی آسمانی مذہب ہے اسلئے اس نے کہا کہ اگر تم واقعی اپنے دعوٰی میں سچے ہو تو آؤ تم اور ہم اس بادشاہ کے سامنے جھکیں جو سب کا خالق و مالک ہے

یہ ہے اسلام کی ابتدائی تعلیم جس کے اثر نے اہل دنیا کے قلوب کو بدل ڈالا اور سارے تبخانے زیر و زبر ہو گئے اور کعبہ شریف کے تین سو ساٹھ اصنام وہاں سے ہمیشہ کیلئے نیست و نابود ہو گئے اور دنیا کے ہر گوشہ سے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی صدا بلند ہونے لگی۔ حالی مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی + عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی۔

ایثار | بوازمات توحید میں سے سب سے بڑا جز ایثار ہے۔ خدا نے خود ہی مسلمانوں کی تعریف کی وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ (پ ۲۸ س الحشر ع ۱) لہذا ضروری تھا کہ مسلمان بھی اس وصف سے متصف ہوتا۔ چنانچہ اسلام نے بھی اس پر زور دیا۔ قبل ازیں کہ میں اسکے احوال کو سپرد قلم کروں اسکی تعریف کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ انسان کا برضا و رغبت خالصۃً لوجہ اللہ اپنے مذہب و ملک اور

بنی نوع انسان کی خاطر بہتر سے بہتر مالی وجانی قربانی کرنیکے لیے تیار رہنا اور قوت سے عمل میں لانا ایثار کہلاتا ہے۔ چنانچہ قرآن نے اس معنی کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ یعنی مومن لوگ وہ ہیں جو دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اور دوسروں کی احتیاج کو اپنی ضروریات پر باوجود خود محتاج ہونے کے مقدم سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ زمانہ سابقہ کے مسلمان اور خصوصًا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوری طرح عمل پیرا ہوکر دکھلا دیا اور بطریقہ سے اپنی جان ومال کو فی سبیل اللہ نثار کردیا چنانچہ جنگ تبوک کے موقع پر جبکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی نے صحابہ کرام کو چندہ جمع کرنیکا حکم فرمایا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے نصف مال کو فورًا حضورؐ کے حکم کی تعمیل میں نچھاور کردیا۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں جو کچھ تھا سب آنحضورؐ کے سامنے حاضر کردیا۔ اور جب دربار رسولؐ سے ارشاد ہوا کہ اے ابوبکرؓ کچھ گھر میں چھوڑا ہے تو جواب دیا کہ حضورؐ گھر میں جو کچھ پونجی تھی سب سامنے حاضر ہے۔ وہاں تو بس اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے اور بس۔ اللہ اکبر۔ یہ ہے ایثار جس کی عملی صورت صحابہ کرام نے پیش کردی افسوس کہ جس طرح مسلمانوں نے اور چیزوں کو چھوڑ دیا ایثار کو بھی پس پشت ڈالدیا۔

حضرات! میں اور ایک واقعہ آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں تاکہ آپ پوری طرح ایثار عملی کا اندازہ لگالیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اتفاق سے آپ کے مکان میں اسوقت سوائے پانی کے اور کوئی چیز نہ تھی آپ نے اپنے اصحاب کو فرمایا کہ کون ہے جو آج کی شب میں اس مسافر کا حق ضیافت ادا کرے۔ انصار میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ میں ہوں آپ نے اس شخص کو انکے ساتھ کردیا جب انصاری مکان کو پہنچے اور اپنی بیوی سے واقعہ مذکورہ سنایا اور دریافت کیا کہ کھانے کی کیا چیز ہے اس نے جواب دیا کہ بچوں کے کھانیکے لئے کچھ روٹی ہے اور بس۔ انصاری نے کہا کہ بچوں کو مت کھلاؤ اور کسی طرح بہلا کر سلادو اور مہمان کے سامنے کھانا رکھتے ہی فورًا چراغ بجھا دینا تاکہ میں اس پر لب ودہن کی مصنوعی حرکات سے یہ ظاہر کرونگا کہ میں بھی کھا رہا ہوں چنانچہ ایسا ہی کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس ایثار کو پسند فرمایا اور آیہ نازل فرمائی۔ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۔

عدل اسلام نے نہایت شدت کے ساتھ عدل کی تعلیم دی فرمایا لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (پ ۶ س المائدہ ع ۲) کسی قوم کی عداوت اور ان کی شرارتیں تمہارے راہ عدل میں رکاوٹ پیدا نہ کرسکیں۔ خبردار تم ہمیشہ عدل کرو اور عادل بنو کیونکہ یہ تقویٰ سے بہت قریب ہے۔ اور فرمایا کہ تمہارے فیصلہ جات بھی عادلانہ ہونے چاہئیں وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ یعنی جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے کیا کرو۔ دوسری جگہ فرمایا وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (پ ۶ س المائدہ ع ۶) یعنی آنحضورؐ کو مخاطب کرکے فرمایا گیا ہے کہ اگر ان کے درمیان کوئی فیصلہ کرو تو انصاف سے کرو۔ اللہ انصاف کرنیوالوں کو محبوب رکھتا ہے۔ غرضکہ اسلام نے لوگوں کو شدت کے ساتھ بے انصافی سے روکا اور عدل وانصاف کی تعلیم دی اور فرمایا کہ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ (پ ۱۴ س النحل ع ۱۳)

یعنی اللہ عدل و احسان کرنیکا حکم فرماتا ہے۔

حضرات! اسلام نے کسی کے ساتھ عدل و احسان کو خاص نہیں کیا ....

...... پڑوسیوں کے متعلق اہل محلہ کے متعلق بلکہ دنیا کے ہر شخص کے متعلق اپنے دامن عدل و احسان کو وسیع رکھا ...... فرمایا اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ۔ یعنی تم زمین کی جمیع مخلوقات پر رحم کرو اور احسان کرتے رہو خواہ وہ چرند پرندہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ تم پر رحم کریگا۔ خصوصاً اسلام نے اطاعت والدین کے متعلق اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور انکے ساتھ احسان سے پیش آنے کے متعلق نہایت زور دیا اور فرمایا۔ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا (بنی اسرائیل ۳۶) تمہارے والدین میں سے ایک یا دونو بڑھاپے کو پہنچ جاویں تو تم ان کو اف تک بھی نہ کہو اور ان کو سخت باتوں سے تکلیف نہ پہنچاؤ، ان سے نرم اور اچھی باتیں کرو۔ اور ان کی نافرمانی سے روکا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَكَ عِنْدَهُ اَبَوَاهُ الْكِبَرَ اَوْ اَحَدُهُمَا فَلَمْ يُدْخِلِ الْجَنَّةَ جس کے والدین میں سے دونوں یا ایک موجود ہوں اور وہ ان کی خدمت کرکے جنت میں داخل نہ ہوئے تو ایسے شخص کے متعلق آپ نے فرمایا کہ اس کی ناک خاک آلودہ ہو اور وہ ذلیل ہو۔ قارئین کرام اطاعت والدین کی فضیلت اور ان کی نافرمانی کی وعید کے متعلق بہت سی آیتیں اور حدیثیں موجود ہیں لیکن یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔

اتفاق و اتحاد یہ ضروری بات تھی کہ جو لوگ اسلام لاچکے ہوں ان کو ایک مرکز پہ جمع کردیا جائے تاکہ ان کی قوت اجتماعی اور اخوت و محبت کی یگانگت کو دیکھکر مخالفوں کے دلوں میں خوف پیدا ہو تاکہ وہ ان چند مسلمانوں کو ستانے کا قصد نہ کرسکیں۔ نیز وہ قومیں جن میں چھوت چھات کا نظریہ موجود ہو وہ اس روشنی میں آکر جمیع عباد اللہ کو ایک مرکز پہ دیکھکر وہ بھی اس کی صداقت کا اقرار کرلیں اور اسلام قبول کرکے اس چھوت چھات کی لعنت سے پاک وصاف ہوجائیں یہ حقیقت ہے کہ بکریاں بھیڑیوں سے کمزور ہوتی ہیں اگر ایک بکری تنہا جنگل میں ہو تو بھیڑیا کھاجائیگا لیکن اگر دس بیس بکریاں اکٹھی ہوں تو بھیڑیے کی بھی ہمت نہیں پڑتی۔ ہاں مکھی دنیا کے جمیع جانوروں سے کمزور جانور ہے صرف دو انگلیوں کے درمیان پیسی جاسکتی ہے لیکن ان کی ایک جماعت سینکڑوں انسانوں کو پریشان کرسکتی ہے۔ بھلا اس عظیم ترین نظریے کو اسلام کیونکر نظروں سے دور رکھ سکتا تھا۔ جوں ہی عرب اسلام میں آنے لگے ان کو ایک مرکز اتحاد پر جمع کرنا ضروری ہوگیا اسلام نے ان کے گذشتہ حالات کو بتلاتے ہوئے کہا کہ دیکھو یہ خدا ہی کا احسان ہے جس نے تمہارے دلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ متحد کردیا اور تم کو بھائی بھائی بنا کر ایک دوسرے کا خون حرام کردیا حالانکہ اس سے پہلے تم آپس میں لڑ جھگڑ کر تباہ و برباد ہورہے تھے تمام دنیا میں ذلیل تھے وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا الخ (پ ۴ ع ۲) اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم کو اسوقت دیا ہے جبکہ تمہارا رشتہ ایک دوسرے

تو تباہ ہوا تھا اور تم ایک دوسرے کا خون حلال سمجھتے تھے عین اسوقت اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی اور تم آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔ پھر فرمایا وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (پ س انفال ع۶) اگر تم آپس میں فتنہ وفساد کروگے تم کمزور ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا نکل جائیگی۔ مذہب اسلام نے سب کو ایک جگہ جمع کرکے اخوت ورواداری قائم کرنے کے بعد فرمایا إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ (پ ۲۶ ع۱۴) سب مسلمان بھائی بھائی ہیں اگر بتقاضائے بشریت آپس میں کوئی جھگڑا واقع ہوجائے تو صلح کرادو۔ حدیث میں وارد ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا۔ تم آپس میں حسد وکینہ اور بغض نہ کرو اور سب ملکر بھائی بھائی ہوجاؤ۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مسلمانوں کے اتفاق کی مثال یوں بیان فرماتے ہیں۔ المومنون کرجل واحد ان اشتکی عینہ اشتکی کلہ ان اشتکی راسہ اشتکی کلہ۔ تمام مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں جس طرح ایک شخص کے جسم میں کوئی عضو مثلاً آنکھیں درد کرتی ہیں تو اس کی وجہ سے تمام بدن میں درد ہوتا ہے۔ اگر سر میں درد ہوتا ہے تو تمام جسم میں تکلیف ہوتی ہے۔ پس مسلمانوں کو بعینہ اسی طرح ہونا چاہیئے کہ اگر ایک مسلمان کو کوئی مصیبت کوئی مرض ہو تو تمام مسلمانوں کو اسکے دفعیہ کی کوشش کرنی چاہیئے۔

ناظرین کرام نے اچھی طرح اندازہ لگا لیا ہوگا کہ اسلام نے اپنے متبعین کو اتحاد واتفاق کے متعلق کسقدر تعلیم دی ہے لیکن افسوس اور صد افسوس مسلمانوں نے اس کے برخلاف نا اتفاقی اختیار کرلیا ہے اور اس سے روگرداں ہیں یہی وجہ ہے کہ آج غیروں کے سامنے مسلمان ذلیل وخوار نظر آتے ہیں اور انکا شیرازہ بکھرا ہوا نظر آتا ہے۔ لہذا اے غافل مسلمانو! غفلت کو چھوڑو اور اپنے کو غیروں کے سامنے ذلیل ہونے سے بچاؤ اور دامن اتحاد کو مضبوط پکڑ لو۔

اخلاق چونکہ مذہب اسلام تبلیغی حیثیت سے صفحہ دہر پر نمودار ہوا تھا اور اس کا کام انسانوں کو اچھی باتوں کی تعلیم دینا اور برائیوں سے روکنا تھا۔ اور امت مسلمہ کا فریضہ یہی تھا كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (پ۴ ع۳) کہکر خود انکے وجود کا مقصد بتلا دیا کہ اسلام محض تبلیغی مذہب ہے یعنی تم ایک ایسی بہترین امت ہو جو لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم کرتے ہو اور برائیوں سے منع کرتے ہو۔ ہاں تبلیغ کیلئے ضروری تھا کہ مبلغین کو اخلاق حسنہ کے زیور سے آراستہ کرے۔ بلا اخلاق حسنہ عوام کے قلوب کو مسخر کرنا دشوار ہوتا ہے اسلئے اس نے کہا کہ ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (پ۱۴ س النحل ع۱۶) یعنی حکمت اور موعظہ حسنہ سے لوگوں میں تبلیغ کرو اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ دلاؤ اور ان کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔

اسلام فریضہ تبلیغ کی اہمیت دکھلاتے ہوئے اخلاق کی بھی تعلیم دے رہا ہے۔ پس آیئے دیکھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس راہ میں کیا صورت اختیار کی اور صحابہ کرام کو کیا سکھلایا۔ اسکے متعلق چند باتیں گوشگذار کررہا ہوں۔ امید ہے کہ ناظرین ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرکے اپنی حالات کا جائزہ لینگے۔ داعی اسلام جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انی بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ کہ میں اخلاق حسنہ اور مکارم حسنہ کے اتمام کیلئے مبعوث ہوا ہوں۔ اس فرمان پاک کو آیتہ قدوسی کی روشنی

میں دیکھو خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (پ ۲۹ س ن ع ۱) یعنی آپ اچھے اخلاق والے ہیں معلوم ہوا کہ آنحضورؐ فداہ ابی وامی کو اخلاق کے زیور سے آراستہ کیا گیا تھا۔ آپ مبلغ تھے آپ کے اصحاب آپ کی نیابت کرنیوالے تھے۔ اسلئے ان کیلئے بھی ضروری تھا کہ وہ اسی لباس میں ظاہر ہوں جس میں ان کے آقا و سردار ظاہر ہوئے چنانچہ ان کیلئے فرمایا خیارکم احسنکم اخلاقا۔ تم میں سے زیادہ پسندیدہ وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ اسی تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہی جوان کے سایہ سے بھاگتے تھے وہی جوان کے نام سے چڑتے تھے وہی جو ان کو ستانے ہی میں ان کو مزا آتا تھا۔ ان سے استہزا و دل لگی اور فحش گوئی قابل فخر سمجھی جاتی تھی وہی ان کے قدم بوس ہوگئے وہی ان پر مرمٹنے کو تیار ہوگئے وہی ان کی خوشی و رضا کو اپنے لئے باعث نجات سمجھنے لگے۔ ہاں اپنے تن من دھن کو ان پر قربان کردیا اور اس آیتہ کے پورے مصداق بن گئے۔ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ (حم سجدہ ۵) یعنی برائی کو بھلائی سے دفع کریں ناگہاں وہ شخص جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے گویا کہ وہ سچا دوست ہے۔

آؤ میں بتلاؤں کہ آنحضورؐ کے اخلاق کیا تھے۔ دشمن قتل کرنیکو آتا ہے لیکن پھر وہ آپ کے قبضے میں آجاتا ہے تو حضورؐ نہایت خندہ پیشانی سے درگذر فرماکر حسن سلوک کی ایک مثال قائم کردیتے ہیں۔ فتح مکہ کا زمانہ ہے۔ تمام دشمن مقید سامنے موجود ہیں اگرچہ سیاست ایسے دشمنوں کی سرکوبی کی اجازت دیتی ہے مگر وہ اخلاق کا مجسمہ ان سب کو آزاد کرکے لا تثریب علیکم الیوم اور الیوم یوم المرحمہ (یعنی آج تم پر کوئی عتاب نہیں۔ اور آج کا دن مہربانی کا دن ہے) فرماکر دنیا کیلئے ایک مشعل ہدایت اور اخلاق کا نمونہ دکھا گیا۔ ہاں بدر کے وہ قیدی بھی موجود تھے جنھوں نے مسلمانوں کو ملیا میٹ اور برباد کردینے کو مدینہ کا رخ کیا تھا لیکن ان کے ساتھ حضورؐ کا برتاؤ بھی دنیا کو معلوم ہے بہتوں کو فدیہ اور بہتوں کو بے فدیئے ہوئے آزاد کردیا۔ حضرت انس رضؓ نے دس سال تک آنحضورؐ کی خدمت کی وہ فرماتے ہیں کہ قسم خدا کی حضورؐ نے کبھی بھی مجھکو اُف تک نہ کہا اور نہ کبھی جھڑکا۔ آپ کی بیویاں بھی تھیں لیکن آپ نے کبھی بھی کسی بیوی کو زدوکوب نہ کیا اور نہ کبھی برا بھلا کہا۔ حضرات اخلاق کی بہت سی قسمیں ہیں مثلاً غریب نوازی۔ عیب پوشی۔ بردباری۔ حق گوئی۔ استعفاف۔ کسی کو ایذا رسانی سے اجتناب حلم وغیرہ .. ۔ جن کو ایک ایک کرکے حضورؐ نے صحابہ کرام کو تعلیم فرمائی اور خود بھی عمل کرکے نمونہ ہدایت بنے۔ جن کے ذکر سے کتب سیر و تاریخ اور احادیث بھری پڑی ہیں۔

مساوات جس طرح ایک تبلیغی مذہب کیلئے اخلاق کا ہونا ضروری ہے اسی طرح اسکے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ انسانوں کے قومی تفاوت اور رنگ و نسل کے امتیازات کو مٹاکر جمیع بنی نوع انسان کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرے اور کہدے کہ لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لابيض على اسود ولا لاسود على ابيض نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت ہے اور نہ کسی عجمی کو عربی پر فضیلت ہے اور نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر الا بتقوى و دين پس انسان میں قومیت وطنیت زبان وغیرہ کا فرق کرکے افتراق کرنا یہ خدا کے بندوں کو ذلیل کرنا ہے۔ خدا کے نزدیک اسکے سارے بندے بحیثیت تخلیق کے برابر ہیں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں اور فرمایا کلکم بنو آدم وآدم من تراب کہ سارے انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے

اسلئے آپس میں افتراق اور تفضیل وتذلیل کیسی؟ ہاں اگر عیسائیت دعویٰ کرے کہ اس بارے میں اُسنے تعلیم مساوات دی۔ اور سب عیسائیوں کو ایک مرکز پر جمع کرنیکی کوشش کی تو بالکل غلط ہے اور وہ اس دعویٰ میں ناکامیاب ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم ہمارے سامنے موجود ہے کہ "میں صرف بنی اسرائیل کی بھیڑوں کیلئے بھیجا گیا ہوں" یہ صریح دلیل ہے اس بات پر کہ عیسائی عالمگیر مساوات کا دعویٰ کرنیمیں غلط بیانی سے کام لیتا ہے۔ اگر ہندو مذہب دعویٰ کرے کہ اس نے مساوات کی کوشش کی تو بالکل غلط ہے کیونکہ برہمنوں اور چھتریوں۔ شودروں وغیرہ میں کس نے تفرقہ کی چھوت چھات کا فرق کس نے نکالا۔ مندروں کے دروازے شودروں کیلئے کس نے بند کئے۔ ان واقعات سے ہندو کا سر بھی جھک جائیگا اور وہ اپنی ناکامیابی کا اقرار کریگا پس آخر وہ کون تھا جس کے سر تعلیم مساوات کی کامیابی کا سہرا بندھا۔ وہ اسلام تھا جس نے کہا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ الخ کہ جمیع فرزندان توحید بھائی بھائی ہیں۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں قومیت اور وطنیت اور فرق سکونت سے کوئی کسی پر فضیلت نہیں رکھ سکتا اسکے نزدیک ایک کعبہ کا مجاور اور ایک ہندوستانی موحد سب برابر ہیں۔ ہاں اگر کسی کو فضیلت ہے تو یہ تقویٰ کی زیادتی اور کمی ہے چنانچہ فرمایا گیا۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (پ ۲۶ س الحجرات ع ۲) یعنی اللہ کے نزدیک تم میں وہ پسندیدہ ہے جو متقی ہے۔ اس دعویٰ میں اسلام کہاں تک سچا اور کامیاب رہا ذیل کے واقعات سے معلوم کیجئے۔

پھوپھی کی بیٹی رشتے میں اپنی بہن ہوتی ہے اور ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ اپنے اہل خویش واقارب کا رشتہ اپنی ہی قوم سے ہو غلام بہرحال غلام ہی ہے اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنا اور رشتہ قائم کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے لیکن حضورؐ نے اس عقیدے کو سہرے ہی سے اڑا دیا اور اپنے آزاد کردہ غلام زیدؓ کی شادی اپنی پھوپھی زاد بہن زینبؓ سے کر دیا

امیر کی حیثیت متبعین سے بڑی سمجھی جاتی ہے اس کا کام حکومت کرنا اور احکام نافذ کرنا ہے۔ اور تمام کام رعایا اور متبعین کو کرنا ہوتا ہے لیکن اس عقیدہ کو بھی حضورؐ فداہ ابی وامی نے مٹا دیا۔ جنگ خندق کے موقعہ پر جبکہ مدینہ کے گرد خندق کھودی جا رہی تھی۔ صحابہ کرام پھاوڑوں سے زمین گہری کر رہے تھے تو حضورؐ بھی پیٹ پر پتھر باندھے پھاوڑہ اٹھا کر اسی کام میں شریک تھے۔ سفر میں اگر صحابہ کرام آگ پانی وغیرہ خورد ونوش کے انتظام میں شریک ہوتے تو آنحضورؐ بھی لکڑیاں ڈھو ڈھو کر مساوات کی تعلیم دے رہے تھے۔

ہاں ہاں وہی تھے مساوات کے بانی جن کے دربار میں اگر ایک طرف حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم جیسے کبار موجود تھے تو دوسری طرف اسی شان کے ساتھ صہیبؓ۔ ابوذرؓ اور بلالؓ جیسے حضرات بھی نظر آتے تھے رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اللہ اکبر یہ عملی نمونہ تھا اس تعلیم کا جو حضورؐ نے فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو اسلام کی تمام تعلیمات پر عمل کرنیکی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین

فقط

سوچنے اور یاد رکھنے کی بات

(از مولوی ابو سعید امام الدین صاحب امام مظفر نگری)

برادران ملت! جب حق سبحانہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا تو اولاً اس زمین کی خلافت جنات کے سپرد کی لیکن جب انھوں نے زمین پر فساد برپا کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ان کی طرف روانہ کیا تاکہ ان کو اس زمین سے نکالدیا جائے چنانچہ فرشتوں نے خدا کے حکم سے جنات کو اس زمین سے باہر بھگا دیا اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے زمین میں ایک اور خلیفہ بنانے کا ارادہ فرشتوں کے سامنے ظاہر کیا۔ فرشتوں نے جنات پر قیاس کرتے ہوئے کہا۔ کیا تو اس قوم کو پیدا کرنا چاہتا ہے جو زمین میں فتنہ اور فساد برپا کریگی خداوند تعالیٰ نے ان کے خیال کی تردید کی اور فرمایا اِنِّیٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی اے فرشتو جن باتوں اور مصلحتوں کو میں جانتا اور سمجھتا ہوں انکا تم کو علم نہیں ہے۔ آخرکار خداوند تعالیٰ نے حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور جنت میں رہنے کی جگہ عنایت فرمائی پھر آپ کو دنیا میں نازل فرمایا۔ یہاں آپ کی اولاد کثرت سے پھیلی اور نسل انسانی کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایک عرصہ کے بعد حضرت آدم علیہ السلام دنیا سے رخصت ہوئے اور قبر آپ کا کچھ روز کیلئے مسکن قرار پایا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی چار قیام گاہیں مقرر فرمائی ہیں۔ اول جنت۔ دوم دنیا۔ سوم قبر اور چہارم پھر جنت اسی طرح آپ کی اولاد کے واسطے بھی چار ہی قیام گاہ متعین کیں۔ فرق یہ ہے کہ اولاد آدم کیلئے پہلی قیام گاہ شکم مادر۔ دوم دار العمل یعنی دنیا سوم قبر چہارم جنت یا جہنم ہیں چاہتا ہوں کہ ناظرین کے سامنے تیسری قیام گاہ یعنی قبر کے حالات پر احادیث کی روشنی میں کچھ تحریر کروں۔ کیونکہ عالم کل تین ہیں۔ عالم دنیا عالم برزخ عالم آخرت عالم دنیا کے بیان کی چنداں ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس کے کوائف ہماری نظروں کے سامنے ہیں اور عالم برزخ یعنی قبر کی کیفیات۔ انسان دنیاوی امور میں مشغول ہوکر ایسا غافل ہوجاتا ہے کہ اس کو کسی دوسرے عالم کی کچھ بھی خبر نہیں ہوتی حالانکہ روزانہ اپنی نظروں سے مشاہدہ کرتا ہے کہ اس دنیا میں ایک پیدا ہوتا ہے اور ایک کو اپنے کندھوں پر لادکر قبرستان کی طرف لیجاتا ہے اور اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ میں بھی ایک روز اس دنیائے فانی سے رخصت ہوجاؤنگا۔ لیکن پھر بھی قبر کے منظر کو نظر انداز کئے رہتا ہے گویا یہ سمجھتا ہے کہ مجھکو موت آئے ہی گی نہیں اور ہمیشہ اس دنیا میں خوش خرم زندہ رہونگا۔

موت یقینی ہے جو انسان اس دنیا میں آیا ہے ضرور اسکے لئے ایک ایسا وقت آئیگا جبکہ وہ اس دنیا سے رخصت ہوگا تمام دنیاوی سازوسامان کو چھوڑ جائیگا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ یعنی ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہوگا۔" انسان جسقدر بھی چاہے موت سے بھاگنے کی کوشش کرے مگر وقت مقررہ پر اس کا بچنا ناممکن ہے۔ ارشاد ہے

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْہُ فَاِنَّہٗ مُلٰقِیْکُمْ (جمعہ) یعنی تم جس موت سے بھاگتے ہو وہ ضرور تم سے ملاقات کریگی دوسرے مقام پر ارشاد ہے قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ (سجدہ ۲) یعنی موت کا فرشتہ جو تم پر مسلط کردیا گیا ہے وہ ضرور تم کو وفات دیگا۔ ایک اور مقام پر فرمایا (وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ الایہ (منافقون) یعنی خداوند تعالیٰ نے جو کچھ (مال دولت) دیا ہے اس میں سے موت کے آنے سے پہلے خدا کی راہ میں خرچ کرلو پھر ایسا نہ ہو کہ جب موت کا وقت آجائے تو کہنے لگو کہ مجھکو کیوں مہلت نہ ملی تاکہ صدقہ خیرات کرتا اور نیک لوگوں میں سے ہوجاتا۔

برادران اسلام! ان آیاتِ کریمہ سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ انسان کو ضرور یہ دنیائے فانی چھوڑنی پڑے گی ایسی صاف اور صریح آیات کے ہوتے ہوئے پھر بھی ہم موت سے غافل رہیں اور اپنے عیش وعشرت میں مست رہیں تو بڑے افسوس کی بات ہے۔ ہمکو یہ آیتیں ہروقت یاد رہنی چاہئیں اور اس سفر آخرت کی تیاری میں نہایت کوشش سے کام لینا چاہئے ظاہر ہے کہ دنیا میں دو ہی قسم کے لوگ ہیں، مومن اور کافر۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کی موت کی کیفیت جداگانہ ہے اسلئے اب میں ان صحیح احادیث کا ماحصل پیش کرنا چاہتا ہوں جن سے مومن اور کافر کی موت کی کیفیات پر روشنی پڑتی ہے۔

پرہیزگار کی موت حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے میں شریک ہوئے جب قبرستان میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ ابھی قبر کے تیار ہونے میں دیر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم لوگ بھی آپ کے پاس ہی بیٹھ گئے آنحضرتؐ کے دست مبارک میں ایک تنکا تھا جس سے آپ ایسے انداز میں زمین کرید رہے تھے جیسے کوئی متفکر آدمی ہاتھ میں لکڑی لیکر نیچا سر کرکے زمین کریدتا رہتا ہے اور سوچتا رہتا ہے یہی حالت آپ کی تھی اس کے بعد آپ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا استعیذوا باللہ من عذاب القبر یعنی اللہ سے عذاب قبر کے بارے میں پناہ مانگو۔ اس جملہ کو آپ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا پھر حضورؐ نے فرمایا کہ جب مومن بندے کا اس دنیا سے رخصت ہونیکا وقت قریب آتا ہے تو آسمان سے ایسے فرشتوں کی ایک جماعت کا نزول ہوتا ہے جن کے چہرے آفتاب کی طرح چمکتے ہوئے ہوتے ہیں جن کے پاس جنت کے کپڑوں کا ایک کفن اور بہترین خوشبوؤں میں سے خوشبو ہوتی ہے۔ یہ عظیم بالشان جماعت اس مومن بندے کے پاس آکر جہاں تک اسکی نظر پہنچتی ہے وہاں تک بیٹھ جاتی ہے کچھ دیر کے بعد حضرت ملک الموت علیہ السلام تشریف لاتے ہیں اور اس کے سرہانے آکر بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں ایتہا النفس المطیبۃ اخرجی الی مغفرۃ من اللہ یعنی اے پاکیزہ نفس رب کی مغفرت اور بخشش کی طرف چل چنانچہ اسکی روح اس طرح سے بہتی ہوئی آسانی سے نکلتی ہے جس طرح مشک سے پانی بہتا ہے۔

ناظرین کرام اس حدیث سے یہ خیال پیدا نہ ہونا چاہیئے کہ نیک آدمی کی روح ہمیشہ آسانی ہی سے نکلتی ہے، نہیں۔ بلکہ کبھی کبھی مومن صالح کو بھی جانکنی کے وقت سخت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے جس سے جاہل اور نادان یہ سمجھتے ہیں کہ نہ معلوم

یہ شخص کسقدر برائیوں میں مبتلا تھا جو اس قدر اسکو تکلیف ہو رہی ہے اور اسکو نہایت معیوب سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایک دوسری حدیث میں صاف آتا ہے کہ جب کسی مومن کو کوئی تکلیف لاحق ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں یا درجات بلند کئے جاتے ہیں۔ پس اگر ہم کسی مومن بندے کو جانکندنی کی سخت تکلیف میں مبتلا دیکھیں تو ہرگز برا خیال نہ کریں کیونکہ خداوند تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے اس بندہ کو اس بیماری کے ذریعہ گناہوں سے پاک کرکے اپنے پاس بلائے۔ خود ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے جسقدر موت کی سختی آنحضرت پر دیکھی کسی پر نہیں دیکھی۔ اسیطرح اگر کسی بدکار یا کافر کو سختی کے اندر مبتلا دیکھیں تو یہ سختی اس کیلئے عذاب ہوتی ہے اور اگر کوئی کافر نہایت اطمینان کی موت مرے تو یہ اسکی خوش قسمتی نہیں ہے بلکہ خدا کی طرف سے ڈھیل ہوتی ہے۔ الغرض بدکار کیلئے یہ تکلیف باعث عذاب ہوتی ہے اور مومن کیلئے باعث رحمت۔ آمدم برسر مطلب۔

الغرض جب ملک الموت مومن بندے کی روح نکالتے ہیں تو رحمت کے فرشتے جلدی سے ملک الموت کے دست مبارک سے روح چھینکر اسکو جنت کے کفن اور خوشبویں لے لیتے ہیں اور آسمان کی طرف روانہ ہوجاتے ہیں۔ اس کے کفن سے ایسی بہترین خوشبو نکلتی ہے جو زمین کی خوشبوؤں میں سب سے افضل ہے اس روح کو لیکر جب پہلے آسمان پر پہنچتے ہیں اور دروازہ کھلوانے کی درخواست کرتے ہیں تو آسمان کے فرشتے دریافت کرتے ہیں کہ تمہارے ساتھ کون ہے سینچے والے فرشتے اس بندہ کا نام نہایت بہترین الفاظ میں بتاتے ہیں آسمان کے فرشتے استقبال کرتے ہیں۔ فرشتوں کی کوئی جماعت ایسی نہیں گذرتی مگر وہ بخوشی یہ الفاظ ضرور کہتی ہے کہ یہ روح کسقدر پاکیزہ خوشبودار ہے۔ یہانتک کہ اسکو ساتویں آسمان تک لیجاتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں اکتبوا کتاب عبدی فی علیین۔ یعنی میرے اس بندہ کے اعمال نامہ کو میرے مقربین کے دفتر میں درج کرلو۔ اس کے بعد خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں میرے اس بندہ کو زمین کی طرف لیجاؤ۔ اس سے میں نے اسکو پیدا کیا تھا اور اسی سے پھر نکالونگا۔ مومن کی روح کے نکلنے کی کیفیت بیان ہوچکی اب ان روایات کا ماحصل پیش کرنا چاہتا ہوں جن میں مومن میت کی کیفیت بیان فرمائی گئی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے جب نیک آدمی کو کفنا کر لے جاتے ہیں تو چونکہ اس میت کیلئے یہ وقت نہایت ہی خوشی کا ہوتا ہے اسواسطے میت کہتی ہے۔ قَدِّمُوْنِیْ قَدِّمُوْنِیْ یعنی مجھے آگے بڑھاؤ، مجھے آگے بڑھاؤ تاکہ وہ اپنے آرام و راحت کے مقام کو جلدی حاصل کرلے۔ اس کے بعد جب اسکو قبر میں داخل کیاجاتا ہے اور اسکے خویش و اقربا سینکڑوں من مٹی کے نیچے دفن کرکے واپس ہوتے ہیں۔ تو خدا کے حکم سے پھر اس کی روح لوٹادی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے (منکر نکیر) نہایت اچھی شکل میں آتے ہیں۔ اسکو بٹھاکر سوال کرتے ہیں مَنْ رَّبُّکَ یعنی تیرا رب کون ہے وہ مومن جواب میں کہتا ہے رَبِّیَ اللّٰہُ یعنی میرا رب اللہ ہے۔ پھر سوال کرتے ہیں مَادِیْنُکَ یعنی تیرا دین کیا ہے جواب دیتا ہے دِیْنِیَ الْاِسْلَامُ یعنی میرا دین اسلام ہے۔ فرشتے پھر سوال کرتے ہیں۔ ماھذا الرجل الذی بعث فیکم یعنی وہ کون شخص ہے جو تم میں بھیجا گیا۔ جواب دیتا ہے هُوَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یعنی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

الغرض یہ تین سوال کئے جاتے ہیں جسمیں یہ بندہ کامیاب ہوتا ہے نیز ایک سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ تو ان چیزوں کو کیسے معلوم کیا؟ جواب دیتا ہے میں نے کتاب اللہ یعنی قرآن شریف پڑھا۔ اس کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لایا۔ ان تمام سوالات کے بعد آسمان سے ایک منادی آواز دیتا ہے صَدَقَ عَبْدِیْ یعنی میرے بندے نے سچ کہا اس کے واسطے جنت کے بستروں میں سے ایک بستر بچھا دو۔ اور جنت کے کپڑوں میں سے ایک کپڑا پہنا دو۔ اور اس کیلئے جنت کی کھڑکی کھولدو چنانچہ جب جنت کی کھڑکی کھولی جاتی ہے اس سے نہایت ہی جانفزا اور خوش کن ہوا آتی ہے اس کی قبر اسکی نظر کے منتہیٰ تک دراز کردی جاتی ہے اس کے بعد ایک حسین صورت اس کے پاس بھیجی جاتی ہے وہ کہتی ہے کہ خوش رہو یہ وہ دن ہے جسکا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ یہ بندہ اچانک اس کو دیکھکر کہتا ہے تو کون ہے تیرے چہرے سے بھلائی ٹپکتی ہے۔ وہ حسین صورت جواب دیتی ہے کہ میں تیرا وہ نیک عمل ہوں جسکو تو رات کی تاریکی میں جبکہ تمام دنیا آرام کے ساتھ خاموش نیند سویا کرتی تھی اور تو اپنے نرم بچھونے سے جدا ہوکر خدا کی یاد کیا کرتا تھا۔ یہ کیفیت دیکھکر یہ بندہ کہتا ہے اور تمنا کرتا ہے کہ اے اللہ قیامت کو قائم کرتا کہ میں اپنے جنتی اہل وعیال میں چلا جاؤں“ یہ کیفیت اس شخص کی ہوگی جو پرہیزگار ہوگا اور پرہیزگار آدمی وہی ہوتا ہے جو قرآن وحدیث کی ہر چھوٹی بڑی تعلیم پر عامل ہو۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین کے سامنے اس بندے کی حالت پر بھی کچھ روشنی ڈالی جائے جو دن رات نافرمانی کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں۔ خدا اور اس کے رسول کی تابعداری کا کچھ بھی خیال نہیں کرتے صرف اپنے نفس کی تابعداری کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کافر کی موت کا وقت قریب ہوتا ہے تو آسمان سے ایسے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے جن کی صورتیں بالکل سیاہ ڈراؤنی ہوتی ہیں ان کے ہمراہ نہایت بدبودار ٹاٹ ہوتا ہے فرشتوں کی یہ جماعت اس کی نظر جہانتک پہنچتی ہے بیٹھ جاتی ہے پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں اور اس کے سرہانے بیٹھکر فرماتے ہیں ایتھا النفس الخبیثۃ اخرجی الی سخط اللہ یعنی اے بدترین نفس خدا کے غصہ کی طرف نکل وہ روح بدن کے ہر ہر حصہ میں چھپتی پھرتی ہے۔ ملک الموت اس روح کو نہایت ہی شدت سے کھینچکر نکالتے ہیں دوسرے فرشتے فوراً اس کو لے لیتے ہیں اور بدبودار ٹاٹ کے اندر رکھتے ہیں دنیا کے اندر بدترین بدبو سے زیادہ اس ٹاٹ سے بدبو نکلتی ہے اس روح کو لیکر آسمان کی طرف جاتے ہیں فرشتوں کی جس جماعت پر گذر ہوتا ہے تو اس جماعت کو نہایت ہی حقارت آمیز الفاظ میں اس کا نام بتلاتے ہیں۔ آسمان میں اس کیلئے رحمت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ فرشتے اسکو قبر میں لاتے ہیں تو حسب دستور منکر نکیر اس کے پاس بھی آتے ہیں وہی تینوں سوالات جن کا اوپر ذکر ہو چکا کئے جاتے ہیں ہر ایک سوال کے جواب میں وہ ناکام ثابت ہوتا ہے آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے کہ اسکا ٹھکانا سجین ہے اس کیلئے آگ کا بچھونا بچھاؤ اور جہنم کی طرف سے ایک کھڑکی کھولدو فرشتے اولاً اسکو جنت کا منظر دکھلاتے ہیں اور کہتے ہیں اگر تو فرمانبردار ہوتا تو یہ مقام تیرے لئے ہوتا مگر تو نے نافرمانی کی اسلئے اس سے محروم کردیا گیا پھر قبر اسکو اسطرح دباتی ہے کہ اسکی دائیں جانب کی پسلیاں بائیں جانب نکل آتی ہیں اور بائیں جانب کی دائیں جانب۔ العیاذ باللہ فقط

فردوسی

(از مولوی محمد ظہیر الدین صاحب ظہیر حسین آبادی اعظمی متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی)

ہندوستان کے بعض اہل قلم نے فردوسی کی سوانح حیات کو پوری تحقیق اور نہایت تفصیل و بسط کے ساتھ عوام کے سامنے پیش کیا ہے۔ لیکن ذیل کا مقالہ ایک مصری محقق کی تحقیق کا نتیجہ ہے جو فردوسی کی ہزار سالہ برسی منائی جانیکے وقت مصر کے موقر رسالہ "الہلال" میں شائع ہوا تھا۔ چونکہ یہ مضمون ہمیں اب دستیاب ہوا ہے اسلئے ہم ناظرین کے استفادہ کی غرض سے اسکا ترجمہ بعینہٖ پیش کرنیکا شرف حاصل کر رہے ہیں　ظہیر

پروفیسر براؤن اپنی کتاب "تاریخ ادب فارسی" میں فرماتے ہیں: "اگر ہم فردوسی کی مختصر حالت بیان کرنا چاہیں تو وہ چند الفاظ میں یہ ہے کہ وہ طوس کے زراعت پیشہ لوگوں میں سے ایک لائق عزت اور صاحب مال آدمی تھا۔ اسکی ولادت کا زمانہ ۹۲۰ء یا اس سے کچھ بعد کا زمانہ ہے۔ وہ بحث میں تاریخ قدیم اور قصص کی طرف زیادہ مائل معلوم ہوتا ہے "سفر الملوک" کے مطالعہ سے اس کے اس میلان میں اور زیادتی ہوجاتی ہے "سفر الملوک" نثر کی ان کتابوں میں سے ہے جسے ابو منصور عمری نے ابو منصور ابن عبد الرزاق کیلئے فارسی ذخائر سے جمع کیا تھا۔

فردوسی نے اپنے اوپر اس کتاب کے نظم کرنیکا التزام کیا۔ پچیس ۲۵ سال کی محنت اور کاوش کے بعد اس کا پہلا نسخہ ۹۹۹ء میں مکمل ہوا جو احمد بن محمد بن ابوبکر خلنجانی کی خدمت میں ہدیہ کر دیا گیا۔ دوسرا نسخہ جو سلطان محمود کی خدمت میں ہدیہ کیا گیا تھا ۱۰۱۰ء کے قریب مکمل ہوا تھا۔ سلطان محمود سے فردوسی کی نزاع اور اسکا فرار الی غزنہ اسکے کچھ دنوں بعد کا واقعہ ہے۔ فردوسی امرائے آل بویہ میں سے کسی ایک کی حمایت میں کچھ دنوں تک قیام کرنے اور اس کیلئے "قصۂ یوسف و زلیخا" نظم کرنے کے بعد ۹۰ سال کی عمر میں اپنے وطن "طوس" کیطرف واپس آیا اور وہیں ۱۰۲۰ء یا ۱۰۲۵ء میں انتقال کر گیا۔

مذکورہ بالا روایت پروفیسر براؤن کی تحقیق کا نتیجہ ہے۔ لیکن وہ اس روایت میں اکثر جگہ غلطی کر گئے ہیں۔ چنانچہ شاعر کی اقتصادی خوشحالی اور مالی بے فکری کے ضمن میں انھوں نے جو کچھ فرمایا ہے وہ پروفیسر عبد الوہاب کے نزدیک پایۂ تحقیق سے گری ہوئی چیز ہے۔ جیسا کہ انھوں نے مقدمۂ شاہنامہ میں بحوالۂ دولت شاہ لکھا ہے کہ "فردوسی کی اقتصادی خوشحالی بالکل بے معنی اور لغویات ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ غریب تھا اور اسکا فرار الی غزنہ والیٔ "طوس" کی ستم رانیوں کا نتیجہ تھا اس نے مسافرت اختیار کرنیکے بعد اپنے اشعار کو اپنا وسیلۂ معاش بنایا۔ یہانتک کہ عنصری کی مساعی اُسے سلطان کے دربار تک کھینچ لائی"۔

پروفیسر براؤن نے اپنی کتاب میں اس روایت کو بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن جہانتک تحقیق کا تعلق ہے پروفیسر عبد الوہاب براؤن سے اس بارے میں سبقت لیگئے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں "مورخین اور مفتشین فردوسی کے معاملہ میں بہت سی غلطیوں میں پڑ گئے۔

کیونکہ انھوں نے اس بارے میں بہت سی مشتبہ چیزوں سے استدلال کیا ہے جیسا کہ وہ لفظ "دھقان" سے اسے صاحب زراعت بتاتے ہیں۔ حالانکہ "دھقان" کا لفظ قصہ گو کیلئے بھی بولا جاسکتا ہے۔ پروفیسر براؤن کی تحقیق کے مطابق فردوسی کا سنِ ولادت سنہ ۹۲۰ء یا اس سے کچھ بعد کا زمانہ ہے حالانکہ جرمنی مستشرق نولڈکہ کے نزدیک یہ تحقیق لائق ترجیح ہے کہ وہ سنہ ۳۲۴ د ۳۲۳ھ یا سنہ ۳۲۶ دہ ۹۳۵ء کے درمیان پیدا ہوا تھا۔ ایرانی حکومت کے نزدیک بھی یہی تحقیق مسلم اور درست ہے۔ چنانچہ اس نے اسی تاریخ کے مطابق لوگوں کو فردوسی کی برسی منانے کا حکم دیا تھا۔

لیکن پروفیسر عزام کے نزدیک یہ دونوں تحقیقیں غیر مسلم ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اسکا سنِ ولادت سنہ ۳۲۹ھ یا سنہ ۹۴۱ء ہے۔ اسی طرح پروفیسر مذکور فردوسی اور سلطان محمود کی نزاع کے بھی منکر ہیں اور اس بات کو بھی ماننے کیلئے تیار نہیں کہ فردوسی سلطان کے خوف سے اپنا مولد چھوڑنے پر مجبور رہا تھا۔ بلکہ ان کا خیال ہے کہ اسکی ہجرت مازندران بعض دوسری وجوہ پر مبنی تھی۔ چنانچہ اس نے جب اپنے وطن آنیکا قصد کیا تو اُسے کسی کا ڈر نہ تھا اور وہ نہایت اطمینان سے واپس لوٹا۔

فردوسی کی شخصیت اسکی کنیت ابو القاسم نام منصور ہے وہ مولانا فخر الدین احمد بن مولانا فخرج الفردوسی کی خاندان سے ہے فردوسی کی کنیت اور لقب میں تو مورخین کا اتفاق ہے لیکن اسکے اور اسکے والد وجد امجد کے نام میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اسی طرح اس کے تخلص کی نسبت میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ سلطان محمود سبکتگین نے اسکو فردوسی کے لقب سے اسوقت نوازا جب اسکے ہنگامہ پرور اور دل نشین اشعار محمود کے صبر وسکون کو لوٹ چکے تھے۔

لیکن پروفیسر عزام کے نزدیک مذکورہ بالا روایت لائق اعتنا نہیں وہ۔ کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے کہ سلطان محمود نے اسے فردوسی کے لقب سے اسوقت نوازا جب وہ اسکے اشعار سے مسحور ہوچکا تھا۔ نیز اسکے طوس سے غزنہ کی طرف فرار کی وجہ پروفیسر مذکور کے نزدیک والی کا ظلم تھا۔ چنانچہ جب اسکے مظالم فردوسی کی برداشت سے باہر ہوگئے تو اس نے مجبوراً قصدِ مسافرت کیا۔ اثنائے قیامِ غزنہ میں اسے ایک باغ میں تین شاعر ملے جو فارسی قصص کو نظم کر رہے تھے۔ فردوسی جب انکے پاس پہنچا تو انھیں اسکی موجودگی کچھ ناگوار گذری۔ لیکن جب فردوسی نے انھیں اس بات کا یقین دلایا کہ میں بھی آپ کے دیئے ہوئے قوافی ووزن کے ماتحت واقعات منظوم کرنیکی کوشش کرونگا تو انھوں نے اسے بخوشی منظور کیا اور ایک مشکل ترین قافیہ کے زیرِ تحت ہر ایک نے ایک ایک مصرعہ کہنا شروع کیا۔ فردوسی نے ان کے دیئے ہوئے وزن اور قافیہ کی رعایت کرتے ہوئے نہایت سہولت سے ایک دلکش اور لطیف مصرعہ کہدیا جو تینوں شعراء (فرخی، عسجدی اور عنصری) کے مصرعوں سے بلیغ اور عمدہ تھا۔ موجودین نے اس مصرعہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ فردوسی سیر الملوک کے واقعات سے ضرور واقف ہے اور اسکے بعض حصص کی منظومات اسی کا نتیجہ فکر معلوم ہوتی ہیں۔ اسی باغ میں فردوسی کو محمود کا ایک ندیم ملا جس نے بادشاہ کو فردوسی کے سیر الملوک میں سے بعض واقعات کے نظم کرنیکی خبر دی چنانچہ وہ بہت خوش ہوا اور اسے پوری کتاب (شاہنامہ) کے نظم کرنیکی تلقین فرمائی۔

ان سطور کے بعد مقدمہ بایسنقر میں مذکور ہے کہ بادشاہ فردوسی کے کلام کی بہت تعریف کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے ان

قصص کو بارہا سنا ہے لیکن فردوسی نے اپنے بلند خیالات اور ہنگامہ خیز و پُرکیف جذبات سے ان میں جدت اور جاذبیت کی وہ روح پھونکی ہے کہ انھیں سنکر بے اختیار دل کھنچا جاتا ہے۔ فردوسی کی سحر طرازیوں نے ان قصص وحکایات میں فردوس کی نیرنگیاں اور خلد بریں کی جاذبتیں بھردی ہیں۔ اگر انھیں مجلس میں پڑھا جائے تو لوگ خیالات کی فضامیں اسقدر بلند پروازیاں کرنے لگتے ہیں کہ گو یا وہ فردوس میں پہنچ گئے ہیں۔ اسلئے آج سے شاعر کو فردوسی کے تخلص سے نوازا جاتا ہے۔

شاہنامہ | فردوسی اور شاہنامہ کے درمیان ایک ایسا ترادف ذہنی پیدا ہوگیا ہے کہ فردوسی کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ شاہنامہ کا خیال ناگزیر ہے۔ اسی بنا پر اکثر لوگ اس غلطی میں مبتلا ہوگئے کہ شاہنامہ کی اصل تعمیر فردوسی کی مساعی کی رہین منت ہے۔ حالانکہ فردوسی اپنے منظوم شاہنامہ کے ساتھ سیر ملوک الفرس پر اسی قدر فوقیت رکھتا ہے جسقدر ایک شاعر ایک افسانہ نگار پر جو لوگ فردوسی کو شاہنامہ کا اصلی مصنف قرار دیتے ہیں انھوں نے فردوسی کے اصلی خدوخال کو اچھی طرح نہیں پہچانا۔ فردوسی کی بلند پایہ شخصیت کیلئے یہ عظمت وفوقیت کافی ہے کہ اس نے اپنی شاعرانہ بلند خیالیوں سے ایرانی قصص وحکایات میں تنوع اور جدت کے اس خمیر کی آمیزش کی جس نے عہد تاریخ سے ساتویں صدی تک انھیں مٹنے سے بچایا۔

فردوسی نے اپنی متنوع اور مخترع قوت شاعری سے جس طرح قصص وحکایات کو رواج دینا چاہا ہے۔ ہومر بھی اس میدان میں اسکا متبع معلوم ہوتا ہے لیکن آخر الذکر کی شاعری زیادہ تر مشہور قصص وحکایات سے متعلق ہے۔ اسطرح ان دونوں شخصیتوں میں مختصر سا فرق کیا جاسکتا ہے۔ فردوسی جانتا تھا کہ خود نوشتہ اور نقل کردہ قصص وحکایات میں نقل کرنیکے قواعد کا التزام اور اصول کی پابندی لوگوں کو تحقیق کی طرف سے بے پرواہ نہیں کرسکتیں۔ اسلئے اس نے اکثر مقامات میں اس حقیقت کو عریاں کرنے سے دریغ نہ کیا کہ ان حکایات وقصص کو میں اس امانتدار ناقل کی حیثیت سے لکھ رہا ہوں جس نے اپنی نقل میں اصل ماخذ میں کچھ تصرف کئے بغیر اسے بجنسہ نقل کردیا ہو چنانچہ وہ کاموس کاشانی کے قصہ کی ابتدا میں لکھتا ہے کہ:۔

"ہم حرب کاموس کے واقعات بجنسہ نقل کرتے ہیں۔ اگر تمہیں اصل حقیقت کی تلاش ہو تو تجربہ کار دہقان کی تالیف کی طرف رجوع کرو۔" پھر اس حکایت کے اخیر میں لکھتا ہے "میں نے حرب کاموس کو علی طولہا بجنسہ نقل کردیا ہے۔ اور اس میں کچھ فروگذاشت نہیں کی ہے اگر اصل واقعہ سے ایک لفظ بھی رہ گیا ہو تو میں اسکے نقل کرنے سے دریغ نہیں کرونگا" پس یہ حقیقت تشنۂ تحقیق نہ رہی کہ فردوسی اپنے اخبار وواقعات کو سیر ملوک الفرس سے لیتا ہے اور اس حقیقت کے اعتراف میں اپنی خفت کا خیال کئے بغیر شاہنامہ میں اسکی تصدیق کرتا ہے۔

فردوسی جس طرح شاہنامہ (سیر ملوک الفرس) کا اصل مصنف نہیں اسی طرح اسکا ناظم اول بھی نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کام کیلئے اس سے پہلے ایک حساس نوجوان تیار ہوا تھا جسکی بلند فکری، قادر الکلامی اور فصاحت لسانی مشہور تھی۔ جب اس نے سیر ملوک الفرس کے نظم کرنیکا خیال لوگوں کے سامنے ظاہر کیا تو لوگ بہت خوش ہوئے۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد اسکے اور اسکے دادا کے مابین کچھ اختلافات پیدا ہوگئے۔ اور ابھی وہ حرب گشتاسب اور ارجاسب سے متعلق ہزار ہی شعر کہنے پایا تھا کہ ایک غلام کی

خون آشام تلوار اسکا کام تمام کر گئی اور کتاب ناتمام رہ گئی۔ فردوسی بھی شاہنامہ کے مقدمہ میں اس بیان کی تصدیق کرتا ہے اور جس نوجوان کی طرف وہ اشارہ کرتا ہے۔ وہ چوتھی صدی ہجری کا ایک عظیم المرتبت اور مشہور ترین فارسی نژاد شاعر (دقیقی) ہے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی قدر بدخلق واقع ہوا تھا اور اسکی صحبت میں اکثر شرارت پسند لوگ رہا کرتے تھے۔ غالباً اسی لئے کسی غلام کے ہاتھوں اسکا قتل وقوع پذیر ہوا۔

فردوسی کی دیانت دیکھئے کہ اس نے شاہنامہ میں ان ہزار اشعار کو بھی شامل کر دیا ہے جو دقیقی کی طبع رسا نے موزوں کئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ فردوسی کے ان اشعار کے شاہنامہ میں داخل کرنیکا اصل سبب یہ ہے کہ اس نے ایک شب دقیقی کو خواب میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ اگر آپ ان ہزار اشعار کو جو میں نے حرب گشتاسب اور ارجاسب سے متعلق کہے ہیں شاہنامہ میں شامل کرلیں اور وہ اس طرح شہنشاہ محمود کی نظر سے گذر جائیں تو میں اپنی محنت کی داد پالونگا۔

شاہنامہ کی عظمت پروفیسر براؤن شاہنامہ کی عظمت کے بیان میں چند حقائق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس چیز کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اب۔ سے پہلے کے مستشرقین نے جو ادب فارسی سے انسیت رکھتے تھے ایرانیوں کے حالات کا اندازہ لگانے میں ظواہر کو ملحوظ رکھا ہے۔ لیکن پروفیسر براؤن کے نزدیک یہ چیز لائق عمل نہیں۔ اسلئے وہ شاہنامہ کو معلقات سبعہ (عربیہ) پر ترجیح دینے سے گریز کرتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ فردوسی کے ہمنواؤں اور عقیدتمندوں کی آرا کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی شستہ بیانی اور صاف گوئی کی قدر کرنے سے دریغ بھی نہیں کرتے۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ سلطان محمود کے اس بیان کے پیش نظر جو اس نے فردوسی کے متعلق ظاہر کیا ہے اور جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ فردوسی کی شخصیت اس سے کہیں زیادہ رفیع ہے جسے مسٹر براؤن ظاہر کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ فردوسی کی قدر و قیمت اہل زبان کے نزدیک جو کچھ ہو سکتی ہے وہ غیر اہل زبان کے نزدیک نہیں ہو سکتی۔

سلطان محمود سے فردوسی کا اختلاف مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ فردوسی نے اپنا منظوم شاہنامہ محمود سبکتگین کی خدمت عالی میں پیش کیا تھا اور اسے اس سے انعام واکرام کی توقع تھی۔ لیکن محمود نے اس کے پاس جتنی رقوم بھیجیں فردوسی اس پر قناعت نہ کر سکا اور وہاں سے حسرت و مایوسی کے ساتھ مازندران کی طرف کوچ کر گیا اور اسی غربت و مسافرت کی حالت میں اسنے اپنے اوپر یوسف زلیخا کے نظم کرنیکا التزام کیا۔

روایتیں اس بارے میں مختلف ہیں کہ محمود کے انعام کی مقدار کیا تھی اور فردوسی نے اسکا موضع تصرف کیا قرار دیا۔ لیکن بعض مورخین کے نزدیک یہ حقیقت لائق ترجیح ہے کہ محمود نے ابتداً اس کے پاس ساٹھ ہزار اشرفیوں کے بھیجنے کا ارادہ کیا تھا مگر حساد کی شکایتوں سے متاثر ہو کر اس نے اسکی نوعیت بدل کر اشرفیوں کے بجائے ساٹھ ہزار روپے بھیجے جو فردوسی کے نزدیک اپنی محنت شاقہ کے بالمقابل بہت کم تھے۔ ایاز جب انعام لیکر پہنچا تو فردوسی حمام میں تھا۔ غسل سے فارغ ہونیکے بعد اس نے جب اشرفیوں کے بجائے روپئے دیکھے تو اسے سخت غصہ آیا اور اس نے وہیں اس کے تین

حصے کر ڈالے جن میں سے ایک حصہ صاحب حمام کے حصہ میں آیا دوسرا ایک شراب فروش کے اور تیسرا ایاز کے۔

وہ اس کام سے فارغ ہو کر ایاز کیطرف متوجہ ہوا اور غصہ میں بھر کر بولا کہ سلطان تک میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ میں نے یہ مصیبتیں انعام کے لالچ میں نہیں جھیلی تھیں بلکہ اس سے میرا مقصود یہ تھا کہ دنیا میں اپنی دائمی یادگار اور ابدی ذکر چھوڑ جاؤں۔

پروفیسر عزام کو اس روایت کے بعض حصے سے اختلاف ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ شاعر کی طرف منسوب کردہ بعض اشعار سے لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس نے سلطان کا انعام ایاز، صاحب حمام اور شراب فروش کے مابین تقسیم کر دیا حالانکہ یہ بات دائرۂ تحقیق سے خارج ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے اس انعام کو لے لینے کے بعد قصد مسافرت کیا تھا۔ فردوسی کی مازندران کی طرف ہجرت اسکی مشکلات کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اقتصادی مشکلات سے وہ ذاتی مشکلات میں گھر گیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی ۳۵ سالہ محنت کا اجر امید سے بہت کم ملا ہے۔ اس طرح سیر الملوک کے نظم کرنے کی محنت کا ثمرہ اس کی نظروں میں غیر وقیع اور ناقابل قبول تھا۔ اسلئے وہ یہ خیال کرنے پر مجبور ہوا کہ ان بادشاہوں کی اولاد کے نزدیک اسکی کوئی قدر نہیں اور وہ اسکے انعام واکرام کے باب میں بالکل نااہل ہیں چنانچہ یوسفؑ زلیخا کے بعض اشعار اور چند دیگر قصائد اس کے اس خیال کا بہترین آئینہ ہیں۔ ان روح فرسا واقعات سے فردوسی کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ اور وہ اپنے عہد پیری میں شکستہ دل ہو کر انبیاء کے قصص کو منظوم کرنیکی طرف متوجہ ہوا اور نہایت حسرت ویاس سے کہتا ہے:۔

"میں نے ہر عنوان پر طبع آزمائی کی اور میرے دلنشین اشعار کو ہر شخص نے گوش ہوش سے سنا اور ان سے لذت یاب ہوا لیکن میں نے ان سے شمہ برابر بھی لذت نہ پائی۔ افسوس میں نے گناہوں کی تخم ریزی کی ہے اور آج نتیجہ کے طور پر غم وہم اور رنج والم کا شکار ہو رہا ہوں۔ اب میں اپنے دل وزبان پر خاموشی کی مہر ثبت کرتا ہوں۔ اور عہد پیری میں جبکہ میرے بال دودھ کی طرح سفید ہو چکے ہیں عہد کرتا ہوں کہ اب کبھی بھی جھوٹ بولنے اور گناہوں کی تخم ریزی کرنیکی جرأت نہ کرونگا۔"

"میرا دل افریدوں کی طرف سے ٹوٹ چکا ہے اور میں کیقباد سے رنجیدہ خاطر ہوں۔ افسوس کیکاؤس کا تخت سلطنت ضائع ہو گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ کیخسرو اور افراسیاب کی طرف سے تختۂ مشق بنائے جانیکے علاوہ بھی میرے حصہ میں کوئی چیز آسکتی ہے؟ عقل کبتک ان ستم رانیوں کو گوارا کرتی رہیگی اور جذبات اس بارے میں کب میری ہمنوائی کر سکتے ہیں کہ میں اپنے ہنگامہ پرور اور کیف بار اشعار کے ذریعہ رستم کو مشہور کرنے میں اپنی نصف متاع حیات کو ضائع کر دوں۔"

پھر کہتا ہے "میرا دل بادشاہوں کے عتاب سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے اور اب میں ان کے قصوں کو شعریت کا جامہ پہنا کر روایت کرنے سے قاصر ہوں میں نے ابتک جو کچھ کہا اسمیں جھوٹ کی کافی آمیزش تھی اور ان تخموں میں سے دو سو بیج بھی لگنے کے قابل نہیں۔"

پھر کہتا ہے "انبیاء کے حالات کی روایت مجھ پر فرض عین اور واجب ہے جنکی زبان فیض ترجمان کبھی جھوٹ سے ملوث نہیں ہوئی۔"

"میں تم سے ایک قصہ بیان کرونگا جو جھوٹ نہیں۔ بلکہ رب الصادقین کے کلام سے مستفاد ہے۔"

اپنے ایک قصیدہ میں لکھتا ہے "میں ساٹھ سال تک مختلف علوم و فنون کی تحصیل میں مشغول رہا۔ آج میرا وقار، عزت ذاتی، عظمت مرتبہ اور بزرگی کہاں گئی۔ افسوس ـــــ سوائے حسرت و ندامت کے کچھ نہیں ـــ آہ! ـــ میرا انگوں سے بھرا شباب اور کیف پرور جوانی کی رعنائیاں غارت ہوگئیں اور اب میری قسمت میں حسرت و افسوس کے سوا کچھ بھی باقی نہیں"

تمام مورخین باتفاق کہتے ہیں کہ اس کے بعد بادشاہ فردوسی سے راضی ہوگیا اور ساٹھ ہزار اشرفیاں بطور انعام اسکی خدمت میں بھیجیں۔ لیکن جب انعام پہنچا تو شاعر کی لاش غمخواروں اور دردمندوں کے کندھوں کے سہارے شہر خموشاں کیطرف جارہی تھی تاکہ دفن کردی جائے۔ جب یہ رقم اس کی لڑکی پر پیش کی گئی تو اس نے لینے سے انکار کردیا۔ چنانچہ اس رقم سے نیساپور کے راستہ میں مسافروں کیلئے ایک عمارت تعمیر کردی گئی۔

۴۱۶ھ میں انتقال کیوقت فردوسی نے طہران کے واعظ سے نصیحت کی کہ اسے مسلمان ہونیکی حیثیت سے مسلمانوں کے مقبرہ میں دفن کیا جائے۔ چنانچہ اس کی نصیحت کے مطابق اسے ایک باغ میں دفن کردیا گیا۔ (الھلال مصر)

فتاوے

سوال (۱) کسی ہندو نے نذر مانی کہ اگر میری تجارت کامیاب رہی تو دس سیر مٹھائی کسی مسجد میں دیدونگا۔ کیا ایسی مٹھائی کا قبول کرنا جائز ہے؟ (۲) زید نے کچھ زمین کسی مدرسہ کیلئے وقف کردی اب مہتمم مدرسہ چاہتا ہے کہ اس وقف شدہ زمین کو بیچ ڈالے۔ زید واقف کہتا ہے کہ اگر بیچنی ہے تو میرے ہاتھ بیچدو۔ پس کیا متولی و مہتمم مدرسہ کو جائز ہے کہ اس زمین موقوف کو فروخت کردے؟ اگر فروخت کرنا جائز ہے تو کیا خود وقف کرنیوالا اس زمین کو جسے وہ وقف کرچکا ہے خرید سکتا ہے۔ (محمد مسلم از مالدہ)

جواب:- (۱) اگر کافر کسی بت یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کی نذر مانے تو یہ نذر بالاتفاق منعقد نہیں ہوگی اور نہ کسی مسلمان کیلئے ایسی نذر کی چیز کا استعمال اور کھانا پینا جائز ہوگا۔ لقولہ تعالیٰ وما اھل بہ لغیر اللہ۔ قال فی البحر الرائق شرح کنز الدقائق النذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لا یکون لمخلوق انتھی۔ وقال فی دلیل الصالحین النذر لا یکون الا للہ تعالیٰ فمن نذر لنبی او ولی لا یلزم علیہ شئی فان اعطی بذلک الشئی لاحد من الناس علی تلک النیۃ لا یجوز اخذہ ان علم الاخذ بذلک فان کان طعاما لا یحل اکلہ وان کان ذبیحۃ فھو میتۃ فان اکلوا وسموا اللہ تعالیٰ علیھا کفروا جمیعا انتھی۔ والاجماع انعقد علی حرمۃ النذر للمشائخ ولا ینعقد ولا یشتغل الذمۃ واخذہ حرام وسحت (رسالہ رد بدعات للعلامۃ آفندی) اور اگر کوئی کافر خالص اللہ کیلئے نذر مانے تو اسکے منعقد ہونیکی بابت علمائے سلف کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ ایسی نذر کی صحت کا قائل ہے اور دوسرا اسکے لغو اور مردود ہونے کا۔ میرے نزدیک پہلے گروہ کا قول راجح اور قوی ہے یعنی کافر جو نذر لوجہ اللہ مانے وہ منعقد ہوگی لما روی عن عمر

قال نذرت نذراً فی الجاهلية فسألت النبی صلی الله علیه وسلم بعد ما اسلمت فامرنی ان اوفی بنذری رواه ابن ماجه وعن کردم بن سفیان انه سأل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن نذر نذره فی الجاهلية فقال له الوثن اولنصب قال لا ولکن لله قال اوف لله ما جعلت له انحر علی بوانة واوف بنذرك رواه احمد قال الشوکانی وفی حدیث عمر دلیل علی انه یجب الوفاء بالنذر من الکافر متی اسلم وقد ذهب الی هذا البعض اصحاب الشافعی وعند الجمهور لا ینعقد النذر من الکافر وحدیث عمر حجة علیهم (نیل ص ۲۶۸) صورت مسئولہ میں اگر ہندو نے بت وغیرہ کے نام کی ندرمانی ہے یا اسکا قوی شبہ ہے تو ایسی مٹھائی مسجد والوں کو یا کسی مسلمان کو ہرگز نہیں کھانی چاہئے اور اگر اللہ کے نام کی ندرمانی ہے تو اسکے کھانے میں شرعاً کوئی حرج وقباحت نہیں ہے جس طرح شرائط مخصوصہ کے ساتھ کافر کا ہدیہ اور عطیہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے ہدایا و تحائف قبول فرمالیا کرتے تھے۔

(۲) شئی موقوف کا ہبہ کرنا یا بیچنا جائز نہیں ہے عن ابن عمر ان عمر تصدق بمال له علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وکان یقال له ثمغ وکان نخلا فقال عمر یا رسول الله انی استفدت مالا وهو عندی نفیس فاردت ان اتصدق به فقال النبی صلی الله علیه وسلم تصدق باصله لا یباع ولا یوهب ولا یورث ولکن ینفق ثمره (بخاری) الوقف لا یباع ولا یوهب ولا یورث (عالمگیری) صورت مسئولہ میں مہتمم مدرسہ۔ مدرسہ پر وقف شدہ زمین کو فروخت نہیں کرسکتا۔ ہاں اگر وہ وقفی زمین مدرسہ کے حق میں بغیر فروخت کئے ہوئے بیکار ہو اور کسی طرح بغیر بیچے ہوئے مفید و کار آمد ہو سکے تو فروخت کرنا جائز ہے۔ لیکن اس صورت میں وقف کرنے والا اپنی وقف کردہ زمین خود نہیں خرید سکتا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں باب وقف الدواب والکراع کے ماتحت حدیث ذیل ذکر کی ہے۔ عن ابن عمر ان عمر حمل علی فرس له فی سبیل الله اعطاها رسول الله صلی الله علیه وسلم لیحمل علیها فحمل علیها رجلا فاخبر عمر انه قد وقفها یبیعها فسأل رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یبتاعها فقال لا تبتعها ولا ترجعن فی صدقتك۔

سوال:۔ اگر کسی شخص نے مسجد میں روشنی کے واسطے تیل کے لئے کچھ پیسے دیئے اور مسجد کے دوسرے مصرف میں صرف کرنے کی اجازت نہ دی لیکن مسجد کے متولی نے بجائے تیل کے، یہ پیسے مسجد کے لوٹوں پر صرف کر دیئے۔ کیا شرعاً متولی مسجد کا یہ عمل جائز ہے؟　　(عبد الرحیم از بھوپال)

جواب:۔ اگر تیل کے لئے ان پیسوں کی حاجت و ضرورت نہیں تھی اور لوٹوں کیلئے ضرورت تھی تو متولی کا یہ فعل جائز ہے۔ دینے والے کی تصریح اور شرط کا بلا ضرورت و مصلحت خلاف نہیں کرنا چاہئے شرط الواقف یجب اتباعه لقولهم شرط الواقف کنص الشارع کذا فی الاشباه وغیره من کتب الفقه۔ السابعة، شرط الواقف عدم الاستبدال فللقاضی الاستبدال اذا کان اصلح (الاشباه والنظائر)

کتب خانہ ... دہلی

روحِ اخبار

—— گذشتہ جنگ عظیم (۱۹۱۴-۱۸ء) میں مختلف صوبوں کی مجموعی بھرتیوں کا نقشہ حسب ذیل تھا۔

صوبہ	آبادی	فوجی بھرتی
سرحد (ایجنسی سمیت)	تیس لاکھ	۳۲ ہزار
پنجاب (ریاستوں سمیت)	دو کروڑ چالیس لاکھ	تین لاکھ اسی ہزار
صوبجات متحدہ	چار کروڑ ساٹھ لاکھ	ایک لاکھ بیالیس ہزار
بمبئی	دو کروڑ ستر لاکھ	۳۵ ہزار
بنگال	چار کروڑ اسی لاکھ	۶ ہزار
بہار واڑیسہ	تین کروڑ اسی لاکھ	۸ ہزار
مدراس	چار کروڑ اسی لاکھ	۴۶ ہزار
صوبجات متوسط	ایک کروڑ ساٹھ لاکھ	۵ ہزار

(انقلاب ۳ جنوری)

—— یکم دسمبر ۱۹۴۰ء سے لفافہ کی قیمت پانچ پیسے ہوگئی۔ (تیج)

—— ۴ دسمبر۔ ضلع سیالکوٹ کے باشندوں نے ہز ایکسیلنسی گورنر پنجاب کے ذریعہ دو جنگی طیاروں کی فوری خرید کیلئے ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ برطانیہ کو بھیجا ہے۔ یہ جنگی طیارے سیالکوٹ اول اور سیالکوٹ دوم کے نام سے موسوم کئے جائیں گے (انقلاب)

—— ۷ دسمبر۔ آج صبح دہلی اور اس کے آس پاس کے علاقوں پر ہوائی جہازوں نے اشتہارات پھینکے۔ ان اشتہارات کے ذریعہ والسرائے ہند کی صاحبزادی نے اہل دہلی سے ہوائی جہاز خریدنے کے لئے چندہ دینے کی اپیل کی ہے ابتک ۷۱ہزار روپیہ جمع ہوچکا ہے (تیج ۹ دسمبر)

—— کہا جاتا ہے کہ لندن میں اسوقت ۷۵ ہزار اندھے جو جنگ سے قبل قوم کیلئے بارگراں ثابت ہورہے تھے ہتھیار بنانیوالی فیکٹریوں اور دیگر کارخانوں میں کام کررہے ہیں (تیج وکلی)

—— اس سال گنے کی پیداوار صرف یوپی اور بہار ہی وزن میں گذشتہ سال سے تقریباً دس کروڑ من زائد ہوگی (مدینہ)

—— یہ طے کردیا گیا ہے کہ اس سال شوگر فیکٹریاں ۹۷ دن سے زیادہ نہ چلیں اور ۲۰ لاکھ ٹن سے زیادہ شکر تیار نہ کی جائے۔ (مدینہ)

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب پرنٹر و پبلشر نے جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع کیا۔

فروری اپریل

یادگار فدائے علم و دین جناب شیخ عطاء الرحمٰن صاحب مرحوم و مغفور

رسالہ

محدّث دھلی

ملکیّت

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم دارالحدیث رحمانیہ دھلی

فہرست مضامین

مقاصد

(۱) کتاب و سنت کی اشاعت۔

(۲) مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح۔

(۳) دار الحدیث رحمانیہ کے کوائف کی ترجمانی۔

ضوابط

(۱) یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) یہ رسالہ ان لوگوں کو سال بھر مفت بھیجا جائے گا جو ہر بذریعہ منی آڈر ٹکٹ کیلئے دفتر میں بھیجدینگے۔ رسالہ وی پی نہیں بھیجا جائیگا۔

(۳) اس رسالہ میں دینی، علمی، اصلاحی، اخلاقی، تاریخی، تمدنی، مضامین بشرط پسند شائع ہونگے۔

(۴) ناپسندیدہ مضامین محصولڈاک آنے پر واپس کئے جائینگے اور شائع شدہ مضامین واپس نہیں ہونگے۔

(۵) جوابی امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔

(۶) فتویٰ پوچھنے والے سوال کے ساتھ جواب کیلئے ٹکٹ ضرور بھیجیں۔

پتہ

منیجر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

دہلی

محدث

نگران اصول
مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

جلد ۸	ماہ فروری ۱۹۴۱ء مطابق ماہ محرم الحرام ۱۳۶۰ھ	نمبر ۱۰

کیا یہ جائز ہے؟

محرم کا مہینہ شروع ہوتے ہی مسلمانوں کی آبادی میں جیسی کچھ چہل پہل نظر آنے لگتی ہے، اس کا اندازہ صرف ہروں میں بسنے والے مسلمانوں ہی کے طرز عمل سے نہیں بلکہ قصبوں اور دیہاتوں میں رہنے والوں کے طریق کار سے بھی خوبی ہو جاتا ہے۔ ابھی محرم کی دسویں تاریخ آنے میں کئی دن باقی ہیں لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ شہر شہر گاؤں گاؤں، بلکہ ملہ محلہ میں کیا ہو رہا ہے؟

بہت سی عورتوں اور بچوں نے ماتمی لباس پہن لئے ہیں۔ جگہ جگہ مجلس عزا منعقد کر کے مظلومین کربلا کے نام پر آنسو ہائے جا رہے ہیں۔ لکڑی کی کھپچیوں کو جوڑ جاڑ کر ان پر رنگین کپڑے یا کاغذ چپکا کر، تعزیے کے نام سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ قبر کا نقشہ بنایا جاتا ہے، اور پھر اس اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے ڈھانچے کے سامنے آ کر سجدے کرتے ہیں۔ اس سے نی مرادیں مانگتے ہیں۔ اس پر مالیدہ یا شربت چڑھاتے ہیں۔ جب دسویں تاریخ آئیگی تو جھنڈ کی جھنڈ تعزیوں کا جلوس نکلے گا۔ آگے گے مرثیہ پڑھنے والے ہوں گے، اور ان کے ساتھ نوحہ کرنیوالے یا حسین یا حسین چیختے ہوئے اور اپنے سینے کوٹتے ہوئے چلینگے ر پھر فرضی کربلا میں لیجا کر اس کو دفن کرینگے۔

لیکن یہ سب کچھ کرنیوالے صرف شیعہ ہی نہیں ہیں۔ بلکہ رونا تو یہ ہے کہ "اہل سنت والجماعۃ" کہلانے والے حنفی مسلمان بھی س میں بری طرح مبتلا ہیں۔ اور آج میں انھیں سُنیوں سے خطاب کر کے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اپنے مذہب وعقیدہ کی کتابوں کو سامنے کھکر، اپنے بزرگوں اور علماء سلف کے فتووں کو دیکھکر، خدارا ذرا ایک لمحہ کیلئے غور تو کرو کہ حُبِّ حسینؓ کے نام سے آج جتنی رسمیں تم

ادا کررہے ہو کیا یہ جائز بھی ہیں؟ اگر اللہ اور اس کے رسول کے کلام سے نہیں تو کم سے کم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول ہی سے اس کی سند تو پیش کرو۔

شیعوں کو چھوڑ دو کہ ان کی اور تمہاری راہ بالکل جداگانہ ہے۔ اللہ کے جن برگزیدہ بندوں کو تم اللہ اور اس کے سچے رسول کے محبوب سمجھتے ہو، یہ بدبخت ان کو منافق کہتے ہیں (نعوذ باللہ) تم جن ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و عمروؓ، خالدؓ و طلحہؓ وغیرہ وغیرہ لاکھوں جاں نثارانِ رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اسلام کا ستون کہتے ہو، ان مقدس ہستیوں کو یہ بد باطن نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔ مسلمان بھی نہیں سمجھتے ہیں۔ تم جن عائشہؓ و حفصہؓ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اپنی اور تمام مومنوں کی ماں کہتے ہو، ان کو یہ بدزبان بدترین گالیاں دینا اپنے لئے ثواب سمجھتے ہیں۔ اسقدر کھلا ہوا اعتقادی اختلاف ہوتے ہوئے میں حیران ہوں کہ ان حنفیوں کی عقل کیوں ماری گئی جو اپنے آپ کو سُنّی کہتے ہوئے بھی شیعوں کی اس جہالت میں مبتلا ہوگئے۔ حالانکہ نہ قرآن میں اس کا ثبوت ہے اور نہ حدیث میں اور نہ فقہ میں۔

ہماری بات تو شاید ہمارے تعزیہ پرست حنفی دوستوں کی سمجھ میں نہ آئے اسلئے ہم خود ان کے مذہب کے ایک بہت بڑے عالم کا فتویٰ درج کرتے ہیں۔ مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم جو حنفیوں میں چوٹی کے عالم گذرے ہیں، انھوں نے اپنے مرتب کردہ "مجموعۂ فتاویٰ" میں ایک سوال کا جواب لکھا ہے۔ سوال و جواب دونوں فارسی زبان میں ہیں۔ ہم ان کا خلاصہ ترجمہ آپ کی خدمت میں پیش کررہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ "کیا تعزیہ بنانا اور اس کو اپنے گھر میں رکھنا، اس کی عزت کرنا، اس کے سامنے رونا پیٹنا وغیرہ اس قسم کی حرکتیں جائز ہیں"؟ جواب میں فرماتے ہیں "تعزیہ داری در عشرۂ محرم یا غیر آں و ساختن ضرائح و صورت قبور و علم و تیار کردن دُلدُل وغیر ذلک اینہمہ امور بدعت است نہ در قرن اول بود نہ در قرن ثانی نہ در قرن ثالث (ص۱۱۹ ج۳) یعنی تعزیہ داری محرم کے دس دنوں میں ہو یا کسی اور دن میں، اسی طرح ضریح یا قبروں کی صورت بنانا، علم نکالنا۔ دلدل بنانا وغیرہ یہ تمام امور **بدعت ہیں**۔ یہ باتیں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کبھی ہوئیں اور نہ آپ کے بعد آپ کے صحابہؓ نے کیں، اور نہ صحابہؓ کے بعد تابعینؒ نے۔" آگے چلکر فرماتے ہیں "خود تراشیدہ و مصنوعہ را قابل احترام فہمیدن فہم عبدۃ الاصنام را شاں می دہد" (صفحہ مذکور) یعنی اپنے ہی ہاتھوں کی تراشی اور بنائی ہوئی چیز کو عزت اور احترام کے قابل سمجھنا یہ تو بت پرستوں کی عقل ہے (توحید پرست آدمی ایسی جہالت نہیں کرسکتا) بدعت کی مذمت میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ عن ابن عباسؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْدَثَ حَدَثًا اَوْ اٰوٰی مُحْدِثًا عَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ مِنْہُ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا (رواہ الطبرانی) حضرت عباسؓ کے بیٹے (عبداللہ) رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کوئی بدعت نکالے یا کسی بدعتی کو پناہ دے (آرام پہنچائے) اس پر اللہ کی، اسکے فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی **لعنت** ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ اس کی نفل مقبول ہوگی اور نہ فرض۔" ایک دوسری حدیث اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں وارد ہوئی ہے۔ عَنْ حُذَیْفَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ

لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ صَوْمًا وَّلَا صَلٰوۃً وَّلَا صَدَقَۃً وَّلَا حَجَّۃً وَّلَا عُمْرَۃً وَّلَا جِهَادًا وَّلَا صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا وَيَخْرُجُ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا يَخْرُجُ الشَّعْرُ مِنَ الْعَجِيْنِ (رواہ ابن ماجہ) یعنی حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی بدعت کرنیوالے کا نہ روزہ قبول کریگا اور نہ نماز، نہ زکوٰۃ، نہ حج، نہ عمرہ، نہ جہاد، نہ فرض نہ نفل۔ بلکہ وہ اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے میں سے بال۔

تعزیہ دار سنیو! اگر دل میں ایمان اور اللہ تعالیٰ کا خوف و تقویٰ رکھتے ہو، تو ضد اور تعصب کو چھوڑ کر ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھکر ٹھنڈے دل سے سوچو کہ یہ تم کیا کر رہے ہو۔ تمہارے ہی مذہب کے ایک زبردست عالم نے کتنے صاف لفظوں میں اس کو بدعت قرار دیا ہے۔ اور پھر بدعت کرنیوالے کا جو حال اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے وہ بھی انھوں نے بیان کر دیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے مطابق اس کی کوئی عبادت بھی اللہ کے نزدیک مقبول نہیں۔ بلکہ وہ اسلام سے نکل جاتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی، اور تمام انسانوں کی لعنت و پھٹکار برستی رہتی ہے۔ کیا یہ وعیدیں تمہارے لئے کم ہیں؟ اس کے بعد مولانا نے تعزیہ داری کے ثبوت میں جو دلیل پیش کی جاتی ہے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ "اگر بخیال گذرد کہ ایں تعزیہ را واسطہ تذکر حضرت امامین می انگارم پس باید شنید کہ تذکر بہماں طریقہ و واسطہ می باید کہ در شرع محمدی جائز است چراکہ نصاری ہم چلیپا برائے تذکر حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ السلام تیار می نمایند کدام فرقے دریں مادہ خواہد بود (صفحہ ۱۲) یعنی اگر کسی کو یہ خیال گذرے کہ ہم تعزیہ اسلئے بناتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے حضرت امام حسنؓ و حسینؓ کو یاد کر سکیں، تو جاننا چاہئے کہ کسی کو یاد کرنے، یا کسی کی یادگار منانے کا طریقہ وہ اختیار کرنا چاہئے، جو شرع محمدی میں جائز ہو۔ ورنہ یوں تو عیسائی بھی صلیب کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یاد ہی کیلئے بناتے ہیں تو پھر ہم میں اور ان میں اس بات میں کیا فرق رہیگا؟۔

اس سے آگے فرماتے ہیں "سینہ کوبی و شق کردن پارچہ و نوحہ کردن و خاک بر سر انداختن و موہا را منتشر ساختن وغیرہ امور از قبیل منہیات و ممنوعات است و در حدیث شریف بر نائحہ لعنت آمدہ است (صفحہ مذکور) یعنی کسی کے ماتم میں سینہ پیٹنا کپڑے پھاڑنا، نوحہ کرنا، سر پر خاک ڈالنا، بال بکھیرنا وغیرہ امور سب کے سب شریعت میں حرام اور ناجائز ہیں۔ بلکہ نوحہ کرنے والوں پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے۔

کسی نے سوال کیا ہے کہ تعزیہ سے مراد مانگنا جائز ہے یا نہیں تو اس کے جواب میں فرماتے ہیں "فانها لا تسمع ولا تبصر ولا تغني عنك شيئا۔ و اگر فاعلی ایں فعل تعزیہ را مستقل در انجاح مرام می داند کافر است" (صفحہ ۱۲۷) یعنی تعزیے سے مراد مانگنا جائز نہیں ہے اسلئے کہ وہ تو (ایک بے جان چیز ہے) نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے اور نہ تم کو کچھ نفع اور نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اور اگر تعزیے کے متعلق کوئی شخص یہ اعتقاد رکھے کہ مستقل طور پر یہی ہماری حاجتیں پوری کر سکتا ہے تو وہ کافر ہے۔ (العیاذ باللہ)

پھر کسی نے سوال کیا ہے کہ "امام حسینؓ کا چوک اور چبوترہ (جو تعزیہ رکھنے کیلئے بنایا جاتا ہے) قابل تعظیم ہے یا نہیں؟

تو اس کے جواب میں بھی فرماتے ہیں " زیرا چہ اثرے ازاں در شریعت محمدیہ پیدا نیست وخود تراشیدہ وساختہ را قابل تعظیم دانستن فعل بے عقلاں است (ص ۱۲۵) یعنی اس کی تعظیم بھی جائز نہیں ہے اسلئے کہ شریعت محمدیہ میں اس کا کوئی نشان و پتہ نہیں ہے۔ اور یہ بالکل بے ثبوت و بے اصل چیز ہے۔ اپنے ہی ہاتھوں کی گھڑی اور بنائی ہوئی چیز کو قابل تعظیم جاننا، بے عقلوں کا کام ہے۔

کسی نے یہ بھی سوال کیا ہے کہ " اگر تعزیے پر اعتقاد نہ ہو، محض تماشے کے طور پر دیکھنا چاہے تو یہ جائز ہے یا نہیں ؟۔
اس کے جواب میں فرماتے ہیں " در تعزیہ تماشا چیست، امر بدعت را نباید دید، امر بدعت قابل ازالہ است، بدعت بدست یا بزبان دفع باید کرد و اگر نتواند بدل بد باید دانست وذلك من اضعف الایمان کذا جاء فی الحدیث " (ص ۱۲۷) یعنی تعزیہ میں تماشا کیا ہے ؟ یہ تو ایک ناجائز اور بدعت چیز ہے۔ اس کو دیکھنا یا اس سے دلچسپی لینا نہیں چاہئے بلکہ اس کو تو مٹانے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اگر اپنے بس میں ہو تو اپنی طاقت اور قوت سے اس کو بند کرانا چاہئے۔ اور اگر اتنا اختیار نہ ہو تو زبان سے اس کی برائیوں کا اظہار کر دے اور اگر اس کی بھی ہمت اور طاقت نہ ہو تو کم سے کم اتنا تو کرے کہ اس کو دل سے برا سمجھے۔ لیکن یہ ضعیف الایمان آدمی کا کام ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے " مطلب یہ ہوا کہ جو کام آدمی دل سے برا سمجھے گا۔ بھلا اس کے دیکھنے میں اس کو مزا کیا آئے گا۔ اور اس کو تماشہ سمجھکر اس سے دلچسپی کیسے لیگا ؟ پس معلوم ہوا کہ اس کا دیکھنا بھی ناجائز ہے۔

جو لوگ تعزیہ خود تو نہیں بناتے اور نہ اس پر اعتقاد رکھتے ہیں، لیکن اس کا تماشہ دیکھنے کیلئے تنہا یا اپنے بچوں، یا دوستوں سمیت شوق اور دلچسپی کے ساتھ جاتے ہیں۔ ایسی مجلسوں کی رونق بڑھاتے ہیں۔ اور یا حسینؓ یا حسینؓ کہکر سینہ پیٹنے والوں، مرثیہ پڑھنے والوں، اور نوحہ کرنے والوں کی باتوں کو غور اور توجہ سے سنتے ہیں۔ ان کو اس دھوکے میں نہ رہنا چاہئے کہ وہ گنہ گار نہیں ہوں گے بلکہ ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح تعزیہ دار خدائے تعالیٰ کے عذاب اور غضب کے مستحق ہیں، اسی طرح یہ بھی عذابِ الٰہی کے سزاوار ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (مشکوٰۃ) یعنی جو شخص کسی جماعت (یا مجلس) کی تعداد (اور رونق) بڑھائیگا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا شمار بھی انھیں لوگوں میں سے ہوگا۔ یعنی اگر اچھے لوگوں کے ساتھ رہیگا اور ان کی تعداد بڑھائیگا تو اس کا بھی اچھوں میں شمار ہوگا۔ اور اگر گنہگاروں، بدعملوں اور بدعتیوں کے ساتھ میں ہوگا تو ان کے ساتھ شمار ہوگا۔ دوسری حدیث ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنیوالوں اور اسکو شوق و دلچسپی سے سننے والوں دونوں پر لعنت کی ہے۔

سنی دوستو! خدا کیلئے ذرا سوچو تو سہی کہ خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کام کے کرنیوالوں پر لعنت بھیجی ہو، بھلا اسکے کرنیوالوں یا اس سے لطف و مزا حاصل کرنیوالوں کا کہاں ٹھکانا ہوگا ؟ حدیث میں ہے کہ محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنے سے ایک سال کے گناہ معاف ہونگے، پس اسکے علاوہ اور ہمیں کچھ نہیں کرنا چاہیے۔

عدلِ پیغمبری

(از جناب مولانا عبدالجلیل صاحب بستوی فاضل رحمانیہ)

دنیا کی قدیم وجدید امتوں نے جہاں ہزاروں مسائل میں غلطیاں کیں، انسانیت جس طرح سینکڑوں مقامات میں سنت مستقیمہ سے بھٹک کر چاہ ضلالت میں گری، دنیا نے جیسے بیسیوں حقائق کے چہروں سے بہت دیر میں نقاب ہٹایا بعینہ اسی طرح عدل وانصاف کے معاملہ میں بھی قوموں نے بہت ٹھوکریں کھائیں۔ زمانے نے دیر میں فیصلہ کیا بالآخر عدل کو اپنی اصلی جگہ مل گئی۔ تَمَّتْ کَلِمَۃُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا۔

حقیقت کچھ دیر کیلئے چھپ تو سکتی ہے مگر مٹ نہیں سکتی جب حقیقت شناس نظریں پیدا ہونگی تو حقیقت بے نقاب ہوکر سامنے آجائے گی۔ ذیل کے مقالے میں عدل وانصاف کی تشریح کی ایک حقیر کوشش کی گئی ہے۔ بغور ملاحظہ فرمائیں مگر پہلے آپ یہ سمجھ لیں کہ اہل عرب یوں بولتے ہیں عَدَلَ الشَّیْئُ کسی چیز کو برابر کردیا۔ عَدَلَ الْمِیْزَانَ۔ ترازو کے دونوں پلوں کو برابر کیا۔ عَدَلَ الْحُکْمَ تَعْدِیْلًا برابر کا فیصلہ کیا کسی کے حق میں کوئی کمی بیشی نہیں کی۔ اَلْعَادِلُ۔ ہر شخص کو اسکا برابر حق دینے والا۔ عَدَلَ الْحَاکِمُ۔ حاکم نے انصاف کیا ذوی الحقوق میں سے ہر ایک کو اسکا اپنا اپنا حق دیدیا۔ عَدَلَ فُلَانًا بِفُلَانٍ۔ دو آدمیوں کو برابر کا حق عطا کیا۔ (دائرۃ المعارف وقاموس)

انھیں حروف سے بنے بنائے لفظ "عدالت گاہ" کو تم بولتے رہتے ہو اور یہی لفظ ہے کہ تم کسی حاکم کے چند اچھے فیصلوں کو دیکھکر اسے "عادل" کہنے لگتے ہو۔ مگر کیا تم نے حکام کی پوری تاریخ پڑھی، کیا تم نے قوموں اور امتوں کو عدل کی ترازو میں تولا کیا مختلف مذاہب وادیان کی مذہبی عدالت گاہوں کے فیصلے دیکھے۔ اور کیا دنیا جہان کی عدالت گاہوں کا جائزہ لیا؟ اگر نہیں تو پھر تم کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اینٹ اور پتھر، چونے اور گارے کی مضبوط اور سربفلک عمارتوں کو دیکھکر ان کو "عدالتگاہ" کہنے لگو۔ اور اگر تمہیں حکام کی ستم کیشیوں اور جفاکاریوں کا علم نہیں تو پھر تمہیں اس کا بھی حق نہیں کہ انھیں تم عادل کہو۔ اگر مذاہب عالم اور ادیان وہر کی دینی عدالت گاہوں کے تم نے فیصلے نہیں دیکھے تو تم کو کس نے اجازت دی کہ ان مذاہب کو بانیان عدل کہو۔

چاہیے کہ تمہارا ہر فیصلہ عقل ودانش کا فیصلہ ہو، تمہیں صحیفہ سماوی، اور آخری کتاب قرآن کریم تعقل وتدبر کی دعوت دیتا ہے مثلاً اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ اور اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ۔ یعنی "عقل اور تدبر سے کیوں کام نہیں لیتے" نیز قرآن کریم نے قومی گمراہی کا سبب یہ بتلایا ہے کہ دعوت حق کی قبولیت کے راستہ میں آباء واجداد کی اندھی تقلید ہمیشہ روک بنی ہے لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ ہم بالکل خالی الذہن ہوکر مسئلہ زیر بحث کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈالیں اور حق وحقیقت کا اعلان کردیں۔

اسلئے کہ وہ حقیقت ہے اور کذب و بطلان سے انکار کر دیں کہ وہ کذب ہے۔

آیئے ہم انھیں اصول کے ماتحت اب عدل کے معنی پر غور کریں، آپ کو معلوم ہے فلاسفران مذہب نے عدل کی دو قسمیں کی ہیں۔ عدل وضعی۔ عدل فطری۔ عدل وضعی اس عدل کو کہتے ہیں جسے مختلف قوموں اور گروہوں کے ادیان و مذاہب نے اپنے اپنے پیروان مذہب کیلئے وضع کر رکھا ہے مثلاً ہندو دھرم کا کچھ وضعی عدل ہے اور دین مسیحی کا وضعی عدل کچھ اور۔ اور یہودیت کا اور ہی وعلی ہذا القیاس۔

الغرض دین و دہرم کی کتابوں میں عدل و انصاف کے جو اصول و قوانین اور قواعد و آئین منضبط ہوتے ہیں انھیں کو "عدل وضعی" کہا جاتا ہے۔ اور عدل فطری یا عدل طبیعی اس عدل کو کہتے ہیں جسکو فطرت انسانی چاہتی ہو یعنی عقل سلیم وہ سارے حقوق اور تمام مطالبات اور جمیع استحقاقات جو کہ طبیعت کے حقوق ہیں طبیعت کو دیدے یعنی ایسا نہ کیا جائے کہ طبیعت من حیث طبیعت فطرت من حیث فطرت کسی چیز کی متقاضی ہو مگر اقتضار طبع کو ٹھکرا دیا جاے۔ ایسے عدل کو عدل فطری اور عدل طبیعی کہتے ہیں۔

ہو بہو عدل ہی جیسی حقوق انسانی کی بھی تقسیم کی گئی ہے۔ اول حقوق وضعی۔ ثانی حقوق فطری۔

حقوق وضعی ان حقوق کو کہا جاتا ہے جو قوموں اور امتوں کے نظام ملکی اور معیشی کے برقرار رکھنے کیلئے وضع و ترتیب دیئے جاتے ہیں اور انھیں آئین کا جامہ پہنایا جاتا ہے چونکہ انسان مدنی الطبع ہے اسلئے لازمی طور پر اسے اجتماعی زندگی بسر کرنی پڑتی ہے اور اجتماعی زندگی کے لوازمات میں سے ہے کہ اپنے حقوق دوسروں سے لے اور دوسروں کے حقوق ادا کرے کسی نے اسے تکلیف دی تو انتقام لے اور اگر کسی کو ایذا پہنچائی تو بدلہ دے۔ یہ اور اس قسم کے حقوق جن کی تفصیلات کو آئین کا جامہ پہنایا گیا ہو "حقوق وضعی" کہا جاتا ہے۔

اور حقوق طبعی یا فطری ایسے حقوق کو کہتے ہیں جو انسان کے پیدائشی حقوق ہوں یعنی انسان اپنی خلقت اور فطرت ہی کے اعتبار سے جن حقوق کا مستحق ہو جاتا ہے ان کو حقوق فطری کہتے ہیں مثلاً انسان کو زندہ رہنے کا پیدائشی حق ہے یہ جو تم آئین کی کتابوں میں پڑھتے ہو کہ کسی کو ناحق قتل کرنا جرم ہے اس سے یہ نہ سمجھنا کہ انسان کے زندہ رہنے کا حق یہ وضعی حق بنگیا۔ نہیں نہیں یہ تو قاتل کے حق میں ایک وضعی آئین ہے یہی وجہ ہے کہ تم کسی قانون میں یہ لکھا ہوا نہ دیکھوگے کہ "زندہ کو زندہ رہنے کا حق ہے" یا "انسان کو سانس لینے کا حق ہے" یا "آنکھ والے کو دیکھنے کا حق ہے" کیا ان حقوق کے متعلق کوئی قانون ملتا ہے؟۔ اس قسم کے حقوق کو فطری حقوق کہتے ہیں۔

الحاصل اس تفصیل کے بعد ہم عدل پیغمبری کو مدعیان عدل کے دعوی عدل کے ساتھ جانچتے ہیں۔ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۔ یعنی اے پیروان دعوت اسلام اور اے فدایان ملت بیضا تم کو کسی قوم کی عداوت ظلم و تعدی پر نہ آمادہ کرے تم عدل کا دامن نہ چھوڑو۔ تم عدل کرتے رہو کیونکہ عدل ہی تقوی کے مناسب ہے" اللہ اللہ اس تہذیب و تمدن کی دنیا میں اس عروج و ترقی کے زمانے میں عدل کا کیا حشر ہو رہا ہے اگر موجودہ دور کے

مظالم اور ستمرانیوں کا جگر دوز قصہ چھیڑا جائے تو رونگٹے کھڑے ہوجائیں۔ تہذیب و تمدن کے علمبرداروں، انسانیت مقدسکی حفاظت کے مدعیوں، عدل و انصاف کے کذاب حامیوں۔ جفا کاریوں اور ظلم کیشیوں کے جیتے جاگتے پتلوں کی زندگی کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوجاتے کہ ان کے وضع کردہ آئین ملکی اور قوانین سلطنت کی کتاب میں عدل و انصاف کا کوئی باب نہیں۔ چونکہ نیچریت کا زور ہے اور فطرت و طبعیت کا دور دورہ۔ اسلئے ہم سب سے پہلے حقوق طبیعی کیا تھ دینیلئے جو عدل و انصاف برتا ہے اُسے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ حقوق طبیعی کے بہت اقسام ہیں مختصراً مشتے نمونہ از خروارے پیش کیا جاتا ہے اول، حیات انسانی۔ انسان کو زندہ رہنے کا فطری حق حاصل ہے اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ناحق اسکی زندگی سلب کرلے، نیز خود انسان کو بھی یہ حق نہیں کہ اپنی زندگی کا خاتمہ کرلے۔ اس حق کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ حفاظت خود اختیاری کے لئے انسان مدافعت عن النفس کا مجاز ہے۔

غور کرو یہ حق کس طرح انسان کو دیا گیا ارشاد ہے۔ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا الی ان قال فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا (مائدہ) جسنے کسی انسان کی زندگی کا ناحق خاتمہ کردیا اُسنے ہر متنفس کو قتل کردیا۔ کیونکہ انسان کو زندہ رہنے کا فطری حق ہے اور فطرت میں سبھی برابر ہیں پس جب کسی نے کسی ایک کے فطری حق کو پائمال کردیا تو گویا اس نے تمام بنی نوع انسان کے حقوق فطریہ کو برباد کردیا سبحان اللہ کیسا پاکیزہ عدل ہے اور کیا ہی انصاف پروری ہے۔ انسان کو اس سے بڑھکر زندہ رہنے کا اور کیا حق دیا جاسکتا ہے جو پیغمبر عربی نے دیا ہے۔

نیز ارشاد ہے وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ الخ۔ اے لوگو اپنے آپ کو قتل مت کرو۔ اور حفاظت نفس کیلئے فرمایا أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا الخ یعنی مظلوموں کو حق مدافعت دیا جاتا ہے اور نظام زندگی استوار کرنے کیلئے فرمایا وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ الخ اے لوگو تمہارے لئے قصاص میں نظم حیاۃ مضمر ہے۔ قتل تو درگذر انسان کو کسی عضو کے معطل تک کرنیکی اجازت نہیں رسول عربی علیہ السلام نے اسے تغیر تخلق اللہ کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ قطع عضو اور تعطیل جوارح کے متعلق فرمایا ملعون من خصی او اختصی الخ جو قوت مردمی کو زائل کرنے کیلئے خصی ہوجائے وہ ملعون و مردود ہے۔ یہاں پہونچکر ذرا ٹھیر جاؤ اور دنیا کی ناانصافیوں کو بھی دیکھ لو۔ قدیم عرب کو دیکھو ان کی بچیوں کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہ تھا۔ مسیحیت کو دیکھو مسیح کی تعلیم انسان کو اس کے فطری حق سے محروم کررہی ہے کیونکہ وہاں اپنی حفاظت کیلئے بھی ظالم کے مقابلے کی ممانعت ہے۔

قدیم یونانیوں اور رومانیوں کی تاریخ پڑھو جن کے یہاں اعضاء بدن کی قطع و برید کو بڑی نیکی سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح قدیم شرائع و ادیان میں قتل نفس تک کو مستحسن سمجھ رکھا گیا تھا اور بیدردی کے ساتھ اپنی زندگی کا خاتمہ کردیا جاتا تھا۔

دور نہ جاؤ ہندوستان کی قدیم تاریخ دیکھو شوہر کے مرنے کے بعد عورت کو زندہ رہنے کا حق نہ تھا۔ ناانصافی اور ظلم کی اس سے بڑھکر اور کیا مثال ہوسکتی ہے کہ ایک معصوم عورت اپنی متاع زندگی اور خرمن حیات کو نذر آتش کردے۔ عورت مجبور تھی کہ ایسا ہی کرے کیونکہ دھرم کا فیصلہ یہی تھا اور سوسائٹی کا ظالمانہ مطالبہ بھی یہی تھا یہی وہ قبیح رسم ہے جس کو ہم ستی کے

نام سے یاد کرتے ہیں۔

ثانی، آزادی ضمیر۔ انسان کے فطری حقوق میں سے ہے کہ اسکو آزادی رائے اور حریت اعتقاد حاصل ہو اور انسان کو یہ بھی حق فطری حاصل ہے کہ نظام مملکت میں مشیر کار اور امور دنیویہ میں رائے دہندہ ہو۔ غور کیجئے دنیا کے مقنن اعظم پیغمبر عربی علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ اے پیغمبر اگرچہ تجھے معلوم ہے۔ اگرچہ تو منصب نبوت پر ہے اگرچہ تو دنیا کا سب سے بڑا انسان ہے مگر تو معاملات میں قوم سے مشورہ لیا کر۔ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ۔ تو ان پر ڈکٹیٹر بنا کر مسلط نہیں کیا گیا آج کل کی دنیا کے خونچکان منظر پر بھی ایک سرسری نظر ڈالتے چلو۔ ہٹلر جرمنی نازی ڈکٹیٹر آج دنیا کے امن وامان کیلئے قہر بنا ہوا ہے۔ خدا اسے ہدایت دے۔ اسٹالین ... روسی ڈکٹیٹر دنیا کی پرامن زندگی کیلئے بھوت سمجھا جاتا ہے۔ اطالیہ کا ڈکٹیٹر مسولینی اپنی قوم کی جان کیلئے ایک مہیب خطرہ جانا جاتا ہے۔ جنرل فرانکو کی تاریخ کچھ کم بھیانک نہیں ہے۔ ان واقعات کے بیان کرنیکا لیکن یہ مقصد نہیں ہے کہ تم موجودہ جمہوریت کے سیاہ چہروں کی نقاب کو نہ پھاڑ پھینکو۔

دشتِ عرب کے آخری پیغامبر ریگستان حجاز کے آخری داعی اور پیکر عدل وانصاف کے آخر الزماں نبی علیہ السلام کی عملی زندگی کو دیکھو غزوۂ احد کے موقع پر قوم نے آپ کی رائے سے اختلاف کیا۔ آپ نے اپنی رائے منسوخ کر دی، ڈکٹیٹروں کی سوانح پڑھو اور جمہوریتوں کی نقابوں کو پھاڑو تمہیں نظر آئے گا کہ کیا ہو رہا ہے۔ بیزنطینی شہنشاہیت۔ رومن امپائر۔ . . فرمانروایان بابل۔ اسکندر مقدونی، آشور بنی پال نینوائی۔ اور بخت نصر جیسے سفاک کے دور میں کیا یہودی کو زندہ رہنے کا حق تھا؟ اور کیا بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ نہ بجادی گئی؟ اور کیا اللہ کے اس مقدس گھر میں کوڑے کرکٹ اور گندگیاں نہیں جمع کی گئیں؟ اور کیا بیت المقدس کے مقدس پیالوں میں شراب نہیں پی گئی۔ چھٹی صدی یحی کے ان مظالم کو بھی نہ بھولو جو مسیحیت کی تاریخ میں "ازمنہ مظلمہ" کے جلی عنوانات کی شکل میں ثبت ہیں۔

اسلام اور پیغمبر اسلام ہی کی منصفانہ تعلیم تھی جس نے فاتح اسکندریہ اور گورنر مصر عمرو بن العاص کے بیٹے کو ایک حقیر مصری سے تھپڑ لگوایا تھا اور اختلاف مذہب اور اختلاف عقیدہ انصاف کے راستہ میں روک نہ بن سکا۔ آج دنیا کے گورنروں کے بھنگی رعایا کے کسی رئیس فرد کو بھی اگر ماردیں تو عدالت کے کٹہروں میں اسکی کوئی شنوائی نہ ہو۔

آزادی ضمیر کی جس طرح خونریزی مسیحیت نے کی ہے اسکا مختصر خاکہ بھی نہیں پیش کیا جا سکتا مسئلہ وحدۃ الوجود کی تحقیق اور بیان کے جرم میں مشہور ومعروف پروفیسر برونو کو زندہ آگ میں جلا دیا گیا۔ لوتھر پر مذہبی عدالت کا سب سے بڑا یہ الزام تھا کہ اس کا عقیدہ بگڑ گیا۔ ڈی رومینس کی نعش کو معہ اس کی کتابوں کے نذر آتش کر دینے کا بڑا سبب صرف یہ تھا کہ اس نے قوس قزح کے بارے میں قدیم اعتقاد کے سامنے سر خم نہیں کیا۔ فرانس کے بوڑھے گلیلیو پر عدالت نے پھانسی کا جرم عائد کیا محض اسلئے کہ وہ زمین کو متحرک مانتا تھا

دنیا کے مظالم کا داستان گو کبھی اس فسانہ سرائی سے فارغ نہیں ہو سکتا۔ پرویز کا عیسائیوں کے گرجاؤں کی مسمار کر دینا۔ اور عیسائیوں کا پارسیوں کی عبادت گاہوں کا ڈھا دینا۔ بادشاہان روما کا یہودیوں کی خانقاہوں اور معابد کو پست کر دینا۔ کیا یہ سب محض اختلاف عقائد ہی کی بنا پر نہ تھا۔

سینکڑا جارج کی تعلیم میں کیا گوتم بدھ کے فرمانبرداروں کو ہندوستان میں رہنے کی اجازت تھی۔ اور کیا جینی اور اتباع گوتم بدھ نے ہندوؤں کی پوتھیوں اور ان کے خاندانوں کو فنا کرنے کی کوشش میں کوئی کسر اٹھا رکھی؟ اگرچہ یہ بحث نہایت طویل الذیل اور تفصیل طلب ہے مگر ہم بغرض اختصار ختم کرتے ہیں اور اعتقادی حریت اور آزادی ضمیر جیسے فطری حقوق کے ساتھ دنیا نے جو ناانصافی کی اسی پر بس کرتے ہوئے اور بقیہ حقوق فطریہ کو پیش کر رہے ہیں۔

تیسرے، آزادی کسب و عمل۔ انسان طبعی طور پر اس کا مستحق ہے کہ اللہ کی زمین سے فائدہ اٹھائے اور زراعت کرے۔ نیز حرفت و صنعت، ایجاد و اختراع، تجارت اور معاملات، بیع و شراء وغیرہ امور میں جائز حد تک مختار ہو۔ اسلام کی پہلی صدی کا مورخ رومیوں اور فارسیوں ہندیوں اور یونانیوں کی صنعتی ترقیوں کا سبب پکار پکار کر ظاہر کر رہا ہے کہ یہ ترقی محض اسلام کی آزادی کسب عمل کی بدولت ہوئی۔ اسلام نے اموال تجارت کی شرح درآمد و برآمد کیلئے ایسا منصفانہ آئین جو نسلی قومی، ملکی مذہبی اصول پر مبنی نہیں وضع کیا۔ آج مہذب دنیا کی تاریخ پڑھو ہر جماعت اور ہر قوم ہر ملک اور ہر نسل اموال تجارت کی درآمد و برآمد کی شرح محاصل میں کیا رویہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ ہندوستان کی تجارت کی بھی بربادی پر چند قطرے آنسو بہاؤ اور دیکھو بربادی تجارت کا کیا سبب ہے۔ ہندوستان کی چھینٹ۔ چاندنا سلک اور ریشمین کپڑے دنیا کے بازاروں اور مارکیٹوں پر قبضہ جمائے ہوئے تھے۔ لنکا شائر اور مانچسٹر کے کپڑوں کی جگہ معلوم ہے کون کپڑے استعمال کئے جاتے تھے اسی ہندوستان ہی کے کپڑے تو تھے۔ مگر ہندوستان کی اشیاء کی برآمد پر خصوصاً ریشمین کپڑوں کی برآمد پر جب پچھتر فیصدی محصول لگایا گیا۔ اور درآمد کی چیزوں پر زیادہ سے زیادہ خفیف محصول رکھا گیا تو لازمی طور پر ہندوستان کی تجارت برباد ہو گئی۔ آج بھی شرح محاصل درآمد و برآمد برابر نہیں۔ ان حقائق کے پیش نظر کیا کہہ سکتے ہو کہ دنیا کی عدالتگاہوں میں انصاف ہوتا ہے۔

آزادی حیاۃ۔ آزادی ضمیر، آزادی کسب و عمل، انکی اجمالی طور پر اسلامی اور غیر اسلامی تصویر پیش کی جا چکی ہے۔ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ عدالت گاہ مدینہ کے سوا کسی دوسری عدالت نے بھی عدل و انصاف کا ساتھ دیا ہے۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو بتلاؤ ان واقعات کی کیا تاویل کروگے؟ یقیناً مجبور ہو کر کہنا پڑے گا کہ عدل و انصاف کیلئے ساری عدالتگاہوں کے دروازے بند ہیں وہاں عدل اور انصاف کو گھسنے کی گنجائش نہیں۔

عدل مذبوح ہو چکا تھا۔ انصاف کا خون بہایا جا چکا تھا پھر اسلام ظاہر ہوا اور اعلان کر دیا "عدل کرو یہی پرہیزگاری کی راہ ہے۔" یہ اعلان ہونا تھا کہ ظلم و ستم کے قصروں میں زلزلہ آ گیا، مظالم و استبداد کے اونچے اونچے محل زمین پر ڈھیر ہو گئے ظالموں اور غاصبوں کے بدن تھرا اٹھے۔ یہ ہے عدل پیغمبری کی ادنیٰ جھلک۔　　　　(باقی)

اسوۂ خلیلؑ و ذبیحؑ

از جناب صاحب بہاری

نتیجۂ فکر ... صاحب

یہ نظم جمعیۃ الخطابہ کے خصوصی اجلاس منعقدہ ۸ ذی الحجہ ۵۹ھ میں پڑھی گئی اور بیحد پسند کی گئی۔

وہ جو نورِ نظر لختِ جگر بی ہاجرہؑ کے تھے
وہ جو جانِ پدر حضرت خلیلِ کبریائی کے تھے

وہ جن کو خود خلیل اللہؑ نے ارماں سے پالا تھا
وہ جن کے دم سے ابراہیمؑ کا مسکن اُجالا تھا

وہ جن کی سیرت و صورت پہ لاکھوں جان قرباں ہوں
شبابِ نَو پہ جن کے حسرت و ارمان قرباں ہوں

وہ جن کی ذاتِ والا سے زمین و آسماں واقف
ذبیح اللہ اسمٰعیلؑ سے ہے کون ناواقف؟

انھیں کا ایک درد انگیز افسانہ سناتا ہوں
اسی نشتر سے زخمِ دل کو اپنے گدگداتا ہوں

خلیل اللہؑ نے اِک خواب میں اک روز یوں دیکھا
وہ خود خنجر بکف لختِ جگر کو سرنگوں دیکھا

خلش ہے دل میں پنہاں اور بےچینی کا عالم ہے
اُداسی رخ پہ چھائی ہے پریشانی کا عالم ہے

الٰہی امتحاں ہے یا کہ یہ خوابِ پریشاں ہے
کٹھن وقت آپڑا ہے اور اسیرِ امرِ ذی شاں ہے

اسی سوزِ دروں میں آپ کا وہ دن کٹا سارا
اسی فکر و تعب میں رات کا وقتِ "نحس" آیا

قضا را آج پھر حضرت نے خواب "بد اثر" دیکھا
نگوں گردن رواں خنجر وہی لختِ جگر دیکھا

صبح کیا تھی فقط افسردگی کا ایک منظر تھی
کہ شفقت باپ کی بیحد پریشاں اور مضطر تھی

جگر خستہ پریشاں حال تھا اور آنکھیں پُرنم تھیں
کہ کلیاں دل کی مرجھائی ہوئی اور وقفِ ماتم تھیں

مگر پھر تیسری شب بھی وہی تصویرِ غم دیکھا
جھکی گردن کھنچی تلوار دل وقفِ الم دیکھا

بشکلِ خواب ذبحِ لختِ دل کا حکم صادر تھا
خلیل اللہؑ سے یہ امتحانِ ربِّ قادر تھا

صبح ہوتے ہی اسمٰعیلؑ کو سینے سے چمٹایا
پھر اُن خوابوں کا مقصد آپ نے حضرت کو بتلایا

جواباً "صادق الوعدہؑ" نے یہ ارشاد فرمایا
نہیں، للّٰہیت کا راز ہم انساں کو سکھلایا

"مفر مجھکو نہیں یارب ترے فرمان کے آگے
ہماری روح قرباں ہو ترے رضوان کے آگے"

محبت سے پسر کی بر سرِ پیکار ہو بیٹھے
بہانے کو ہو فرزند کا تیار ہو بیٹھے

اُنھیں خنجر چلانے کی انھیں جھکنے کی ہے خواہش
سُلگ اٹھی ہے دونوں طرف حُبّ اللہ کی آتش

غرض اک روز دونوں نے عجب نقشہ دکھایا تھا
اِدھر تلوار کھینچی تھی اُدھر گردن جھکایا تھا

ہوئیں جوش تھا جسدم رگ جاں سے ابلنے کو　　ذرا سی دیر تھی جبدم چھری گردن پہ چلنے کو
کہ چرخ کجروش کے سخت دل میں پڑگیا لرزہ　　زمیں کے ذرہ ذرہ میں ہوا اک حشر سا برپا
کلی کے ننھے سے دل تک میں پیدا ہوگئی سوزش　　یکایک آگئی اسدم ستون عرش کو جنبش
ندا آئی کہ بس تم امتحاں میں ہوچکے فائز　　لہو فرزند کا ہے باپ کو ہرگز نہیں جائز
ادہر حاضر ہوئے جبریلؑ اک مینڈھا لئے فوراً　　اسی دم پھر گئی گردن پہ جس کے تیغۂ آہن
ادہر دونوں کی آنکھوں میں خوشی کا اشک بھر آیا　　ادھر پھر باپ نے فرزند کو سینے سے چمٹا یا
ہوئی فی الآخرین مشروع انکی آجتک سنت　　خوشی کا وقت آیا آگئی پھر ساعت فرحت

مبارک عین ہو رحمانیہ کو عید کا آنا
جہاں میں شادمانی آرہی ہے ہوکے مستانہ

ایک استفسار اور اسکا جواب

(از حضرت مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی مبارکپوری)

(۱) اسد اللہ کے خطاب اور لقب میں کونسی خوبی ہے جو حضرت علیؓ کیلئے رواج پاگیا ہے اور وہ اس لقب کے ساتھ مشہور ہوگئے۔ کیا یہ خوبی حضرت علیؓ ہی کیلئے پائی جاتی تھی اور دیگر خلفائے راشدین وصحابہ کرام میں نہیں پائی جاتی تھی۔ جنگل کا شیر بھی تو اللہ ہی کا شیر ہے پس کسی انسان کو خاص طور پر اللہ کا شیر کہنے کا کیا معنی ہے۔

(۲) حضرت علیؓ کو اسد اللہ کا خطاب کس نے دیا اور خطبۂ جمعہ میں ان کو اس لقب اور وصف کے ساتھ کس زمانہ سے ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ کیلئے یہ خطاب بظاہر شیعوں کا گھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔　　میر حسن شاہ یحیی گنج لکھنؤ

جواب

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت اور مشہور بات ہے کہ جری اور دلیر شجاع اور بہادر شخص کو بطور تشبیہ یا استعارہ شیر (اسد) کہا جاتا ہے (ملاحظہ ہو بلاغت کے فن ثانی علم بیان کے مباحث)۔ اور اللہ کی راہ اور اس کے دین کی نصرت وحمایت میں شجاعانہ امتیازی کام کرنے والے کو اللہ کا شیر (اسد اللہ) کہا جاتا ہے۔ اسی بنا پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے جنگ حنین کے موقعہ پر ابو قتادہ انصاریؓ کو اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کہا تھا چنانچہ فرمایا لاھا اللہ اذا لا یعمد الی اسد من اسد اللہ یقاتل عن اللہ ورسولہ فیعطیک سلبہ (بخاری عن ابی قتادۃ ص۶۱۵ ج۲ ومسند احمد عن انس) اور حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت حمزہؓ کے متعلق فرمایا ان حمزۃ مکتوب فی السماء اسد اللہ واسد رسولہ (فتح الباری بحوالہ ابن ہشام ذکر قتل حمزہ ص۲۷۴ پ۱۶) اسی حدیث کی رو سے ابن سعد نے حمزہؓ کا ترجمہ اسد اللہ واسد رسولہ کے وصف سے شروع کیا ہے (طبقات ابن سعد

طبع لیدن صفحہ ۳) اور اسی صفت شجاعت وجرأت کو مدنظر رکھکر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے اور تمام صحابہ کے متعلق فرمایا خطبنا ابوبکر وکنا کالثعالب فمازال یشجعنا حتی مرنا کالاسود (منہاج السنۃ صفحہ ۱۵۶/ج۲)

اس میں شک نہیں کہ جنگل کا شیر بھی اللہ ہی کا شیر ہے لیکن بعض انسانوں پر مطلق شیر یا بعض شخصیتوں پر لفظ شیر کو اللہ کی طرف منسوب کرکے شیر خدا (اسد اللہ) اسلئے اطلاق کیا جاتا ہے کہ وہ شیر کی طرح بہادر اور جری ہیں یا ان سے نصرۃ دین اور حمایت اسلام کے سلسلہ میں شجاعانہ امتیازی کارنامے انجام پذیر ہوئے۔ دنیا کی سب اونٹنیاں اللہ ہی کی ہیں لیکن حضرت صالح کی اونٹنی کو خصوصیت کے ساتھ ناقۃ اللہ کہا گیا۔ دنیا کے تمام گھر اور عبادت خانے اللہ ہی کے ہیں لیکن خانہ کعبہ کو خاص طور پر بیت اللہ کہا گیا۔ تمام تلواریں اللہ ہی کی ہیں لیکن حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو سیفٌ من سُیُوفِ اللہ کہا گیا۔ تخصیص کی جو وجہ ان مثالوں میں ہے وہی صورت مسئولہ میں بھی ہے۔

جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اسد اللہ (شیر خدا) کہتے ہیں ان کے نزدیک اس لقب کا سبب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت وجرأت اور دلیری وبہادری ہے لیکن یہ سمجھنا کہ اس تلقیب وتوصیف کیلئے جس مجاہدانہ دینی شجاعت اور طبعی جرأت کی ضرورت ہے وہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ میں تھی اور کسی دوسرے صحابی میں یہ خوبی نہیں تھی قطعاً غلط اور یکسر باطل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یقیناً بہادر اور شجاع تھے لیکن حقیقت اور واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ جری اور شجاع حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے ان کے بعد شجاعت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے اور بقیہ تمام صحابہ جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی داخل ہیں بلاشبہ اس وصف میں حضرات شیخین سے کمتر ہیں۔ شجاعت کی دو صورتیں ذکر کی جاتی ہیں۔ (۱) خطرات ومصائب میں دل کا قوی اور ثابت ومطمئن رہنا اور ارادہ کی پختگی اور صبر واستقلال وعدم جزع۔ (۲) میدانِ جنگ میں زیادہ سے زیادہ دشمنوں کو قتل کرنا ظاہر ہے کہ پہلی قسم شجاعت کی اعلیٰ ترین صورت ہے اور اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کی کوئی صحابی بھی ہمسری نہیں کرسکتا۔ جنگ بدر، آنحضرت کی وفات، تجہیز جیش اسامہ، مرتدین سے جہاد کے مواقع میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جس بے نظیر قلبی شجاعت اور صبر وسکون اور اطمینان وقوۃ یقین اور ارادہ کی پختگی کا اظہار کیا ہے دنیائے اسلام اسکی نظیر نہیں پیش کرسکتی۔ رہا یہ دعویٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دینی جہاد میں تمام صحابہ سے اعلیٰ وارفع تھے اور ان کے جیسے مجاہدانہ کارنامے کسی صحابی سے نہیں صادر ہوئے تو یہ بھی قطعاً غلط اور لغو ہے۔ جہاد کی تین قسمیں ہیں (۱) زبانی اور تبلیغی جہاد۔ (۲) میدان جنگ میں جنگی تدبیروں اور مشوروں کے ذریعہ جہاد (۳) آلات جنگ کے ذریعہ جسم کا جہاد۔ پہلی دونوں صورتیں جہاد کی اعلیٰ اور افضل ترین قسمیں ہیں اور تیسری قسم جہاد کا معمولی مرتبہ ہے۔ ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت سے بڑھکر شجاع اور جری اور آپ سے زیادہ مجاہد فی الدین ہونا تو درکنار اس وصف میں آپ کا کوئی برابر بھی نہیں ہے لیکن کیا یہ حقیقت نہیں ہے

کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے ساری عمر میں صرف ایک دشمن اسلام ابی بن خلف کو جنگ احد کے موقعہ پر قتل کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ جہاد بالید جہاد کی ایک ادنیٰ ترین نوع ہے۔ البتہ جہاد کی پہلی دونوں قسموں کے ساتھ آنحضرتؐ بدرجہ اتم متصف تھے۔ اور آپ کے بعد حضرات شیخین ہیں یہ دونوں قسمیں اس درجہ موجود تھیں کہ کوئی صحابی، حضرت علیؓ ہوں یا کوئی اور ان دونوں حضرات کا شریک وسہیم نہیں ہے۔ اور تیسری قسم میں بھی حضرت علیؓ تنہا و منفرد نہیں ہیں۔ اس وصف میں حضرات شیخین بھی ان کے شریک ہیں اور بہت سے صحابہؓ تو حضرت علیؓ کے برابر ہی نہیں بلکہ ان سے بڑھکر ہیں۔ اگر حضرت علیؓ آپ کے ساتھ غزوات میں شریک رہے اور ان کے ہاتھ میں علم رہتا اور کسی جنگ میں انکا فرار منقول نہیں تو حضرات شیخینؓ بھی آنحضرت کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے اور کسی معتبر روایت سے انکا فرار ثابت نہیں بلکہ حضرات شیخینؓ جن بعوث وسرایا میں امیر بنا کر بھیجے گئے ان کی تعداد حضرت علیؓ کے بعوث وسرایا سے زیادہ ہے۔ جنگ بدر میں حضرت علیؓ کے مقتولین کی تعداد زیادہ سے زیادہ گیارہ بتائی جاتی ہے ان میں بھی چھ کے متعلق اختلاف ہے کہ ان کے قاتل علیؓ ہیں یا کوئی اور صحابی۔ حضرت براء بن مالکؓ نے علی سبیل المبارزہ بلا شرکت غیرے مختلف جنگوں میں سو کافروں کو قتل کیا اور خالد بن الولیدؓ کے مقتولین کی تعداد تو بے شمار ہے۔ غزوہ موتہ میں ان کے ہاتھ میں ۸ تلواریں ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے کا واقعہ کس سے پوشیدہ ہے کیا حضرت علیؓ کو بھی یہ فخر حاصل ہے۔ حضرت طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ سعد بن ابی وقاصؓ۔ حمزہؓ۔ عبیدہ بن الحرثؓ۔ مصعب بن عمیرؓ۔ سعد بن معاذؓ ابودجانہؓ کے مشہور امتیازی جنگی کارنامے کس سے مخفی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک حضرت علیؓ کا ہمسر اور شریک وسہیم ہے۔

جنگ خندق میں حضرت علیؓ کا عمرو بن عبدود جیسی معروف شخصیت کو قتل کرنا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ اس واقعہ کے متعلق روایات میں جس مبالغہ سے کام لیا گیا ہے وہ قطعاً صحیح روایات کے خلاف ہے۔

خیبر کے بعض قلعے عنوۃً اور بعض صلحاً فتح ہوئے اور اس میں شک نہیں کہ قلعہ قموص حضرت علیؓ کی قیادت میں فتح ہوا لیکن وہ محض آنحضرتؐ کی دعا کی برکت سے جس طرح اس سے پہلے دوسرے قلعے دوسرے صحابہ کی قیادت میں آنحضرتؐ کی برکت سے فتح ہوئے پس حضرت علیؓ کو یہاں بھی کوئی امتیازی شرف حاصل نہیں ہے۔ قلعہ کے در کو جو سرتاپا پارۂ سنگ تھا اور جسکو ایک روایت کے مطابق واقعہ کے بعد آٹھ آدمی اور دوسری روایت کے مطابق چالیس آدمی نہ اٹھا سکے) اکھاڑ کر اس سے سپر کا کام لینے کی روایتیں بازاری قصے ہیں۔ علامہ سخاوی نے ان روایتوں کے متعلق تصریح کردی ہے کہ کلھا واھیۃ سب لغو روایتیں ہیں۔ امام ذہبیؒ نے اس روایت کو منکر بتایا ہے۔ تعجب ہے امام حاکم اور صاحب کنز العمال اور صاحب مجمع الزوائد و صاحب اسد الغابہ پر کہ انھوں نے حضرت علیؓ کے مناقب میں اس جیسی بے سروپا لغو روایتیں اپنی کتابوں میں بھر دیں۔ حضرت علیؓ کا مرحب یہودی کو قتل کرنا مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ مغازی موسی بن عقبہ۔ مغازی کی معتبر ترین کتاب ہے اس میں بروایت حضرت جابرؓ وسلمہ بن سلامہؓ و مجمع بن حارث مرحب کا قاتل محمد بن مسلمہؓ کو بتایا ہے (زاد المعاد صفحہ ۲۹۳ ج ۱)

اسی لئے ائمہ مغازی محمد بن اسحق و موسیٰ بن عقبہ اور واقدی مرحب کا قاتل محمد بن مسلمہ ہی کو بتاتے ہیں خالف ذلک اھل السیر فجزم ابن اسحق و موسی بن عقبۃ والواقدی بان الذی قتل مرحبا ھو محمد بن مسلمۃ وکذا روی احمد باسناد حسن عن جابر وقیل ان محمد بن مسلمۃ کان بارزہ فقطع رجلیہ فاجھز علیہ علی (فتح ج ۷ ص ۱۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایران اور روم کی کسی جنگ میں حضرت علیؓ کی شرکت ثابت نہیں ہے تعجب ہے کہ ان کی شجاعت و بہادری فقط آنحضرت کے زمانہ تک کیوں رہی۔ اور آپ کے ارتحال کے ساتھ ان کی شجاعت کیوں ختم ہو گئی شجاعت و جرأت کے اظہار کا سب سے زبردست اور ضروری موقعہ وہ تھا جب بقول اخوان یوسف خلافت پر دوسروں نے غاصبانہ اور ظالمانہ قبضہ کر لیا تھا مگر افسوس۔ شاید تقیہ کی نذر ہو گئی ہو گی۔ جنگ جمل اور نہروان میں حضرت علیؓ بظاہر منصور و غالب تھے لیکن یہ محض اس وجہ سے کہ ان کی فوج کی تعداد فریق مقابل سے کئی گنا زیادہ تھی۔ لیکن با ایں ہمہ وہ ان پر پورا قابو حاصل نہ کر سکے اور یہ فتنہ آخر دم تک دبا نہ سکے اور ہمیشہ ان معاملات کی وجہ سے مضطرب و پریشان و غیر مطمئن رہے۔ اس سے انکی جنگی تدبیروں اور سیاست میں مہارت کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔

پس ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ شجاعت اور جہاد فی الدین کی ادنیٰ ترین قسم کے اعتبار سے بلاشک و شبہ شجاع اور جری تھے یہاں تک کہ دشمن بھی اس کا اقرار کرنے پر مجبور تھے چنانچہ اسید بن ایاس بن زنیم کنانی قریش کو انکے خلاف ابھارتا ہوا کہتا ہے [1]

فی کل مجمع غایۃ اخزاکم + جذع ابر علی المذاکی القرح
للہ درکم الما تذکروا (تنکروا) + قد ینکر الحر الکریم ویستحی (ینکر)
ھذا ابن فاطمۃ الذی افناکم + ذبحا بقتلہ بعضہ لم یذبح (قتلۃ قعصۃ)
این الکھول واین کل دعامۃ + فی المعضلات واین زین الابطح

لیکن جہاد بالید کی یہ خوبی ان کے ساتھ مخصوص نہیں تھی۔ متعدد صحابہ ان کے اس وصف میں شریک ہی نہیں بلکہ ان سے بڑھکر شجاع اور میدان جنگ کے مشہور شہسوار تھے۔ اور شجاعت کی اعلیٰ ترین صورت اور جہاد فی الدین کی افضل ترین دونوں قسمیں تو آنحضرتؐ کے بعد حضرات شیخینؓ کے ساتھ مخصوص تھیں۔ پس حضرت علیؓ کو شیر خدا (اسد اللہ) کا لقب اور خطاب دینا کسی بنیاد اور اصل پر مبنی نہیں ہے ان سے زیادہ اس لقب کے مستحق حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، ابودجانہؓ، خالد بن الولید، براء بن مالکؓ، حمزہؓ وغیرہ ہیں۔

ہمارے نزدیک بلاشک و شبہ حضرت علیؓ کیلئے یہ لقب شیعوں کا گھڑا ہوا ہے حضرت علیؓ کو اس لقب کے ساتھ نہ آنحضرت

[1] اصابہ ص ۲۶۹ ج ۱ و اسد الغابہ ص ۲ ج ۱

صلی اللہ علیہ وسلم نے ملقب فرمایا ہے نہ کسی خلیفہ راشدؓ نے نہ دیگر صحابہ کرامؓ یا تابعین عظام نے اور نہ کسی صاحب سیرۃ و مغازی نے بخلاف حضرت حمزہؓ کے کہ جبریل امینؑ نے ان کو یہ لقب عنایت فرمایا ہے جیسا کہ ابن ہشام کے حوالے سے اوپر گذر چکا ہے پس اگر حضرت حمزہؓ کو اسد اللہ کہا جائے تو بلا شبہ درست ہوگا۔

ہاں حضرت علیؓ کی ماں فاطمہ بنت اسد نے حضرت علیؓ کا نام دو وجہوں سے اسد رکھا تھا (۱) حضرت علیؓ کے نانا کا نام اسد تھا۔ (۲) عربوں کا دستور تھا کہ بطور تفاؤل اپنے بیٹوں کا نام اسد، نمر، فہد، کلب، حجر، فہر وغیرہ رکھتے تھے۔ قال مصعب بن عبد اللہ الزبیری کانت فاطمۃ بنت اسد بن هاشم اول هاشمیۃ ولدت من هاشمی (الی ان قال) وکان اسم علی اسد ولذلک یقول ؎ انا الذی سمتنی امی حیدرہ + کلیث غابات کریہ المنظرہ + (المستدرک للحاکم ص ج۳/۱۰۸) حضرت علیؓ کا نام اسد ہونا اس شعر سے صاف واضح ہے۔ یہ شعر مسلم ص ج۲/۱۱۵ طبری ص ۱۵۷۹۔ زاد المعاد ص ج۱/۹۲، کنز العمال ج۵ ص ۲۸۵ میں بھی موجود ہے۔ لیکن حضرت علیؓ ماں کے تجویز کردہ اور پسندیدہ نام کے بجائے ابو طالب کے تجویز کردہ نام علیؓ کے ساتھ معروف و مشہور ہو گئے۔ علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں۔ مسئلۃ۔ ان قال قائل . . . قد سمعنا عن علی انہ قال انا الذی سمتنی امی حیدرہ۔ ولا نعلم انہ کان یدعی بھذا الاسم۔ الجواب۔ انہ لما ولد سمتہ امہ فاطمۃ بنت اسد بن هاشم باسم ابیها اسد، سماہ ابو طالب علیا فغلب علیہ ما سماہ ابو طالب ذکرہ عبد الغنی الحافظ۔ (تلقیح فهوم اهل الاثر ص ۳۷۷)

لیکن شیعوں نے حضرت علیؓ کی شجاعت و جرأت کے بے اصل و بے سرو پا اور گھڑے ہوئے واقعات کی بنا پر ان کو بحیثیت لقب کے اسد اللہ کے ساتھ مشہور کر دیا۔ آہستہ آہستہ یہ لقب حضرت علیؓ کیلئے سنیوں میں بھی رواج پذیر ہوگیا۔ سنیوں میں لقب کی حیثیت سے اس وصف کے رواج پانے کا سبب محبت اہل بیت میں غلو و افراط اور ان سنی امرا و علما کا اثر و رسوخ ہے جو تفضیلی تھے یا تشیع و رفض کی طرف میلان و رجحان رکھتے تھے۔ یا یہ نتیجہ ہے شیعوں کے قرب و مجاورت کا۔ جیسے تعزیہ داری وغیرہ شیعوں کی ہمسائگی کی وجہ سے سنیوں میں اور بہت سے مشرکانہ رسم و رواج ہندوؤں کی مجاورت سے مسلمانوں میں رواج پذیر ہوگئے ہیں اسی طرح یہ بے بنیاد لقب بھی سنیوں میں رواج پا گیا افسوس ہے کہ سنیوں نے اس کی تحقیق و تفتیش کی ضرورت نہیں سمجھی اور آنکھ بند کر کے اختیار کر لیا۔

خطبہ جمعہ میں خلفائے راشدین کے تعظیمی القاب اور اہلبیت و حضرت عباس و حضرت حمزہ، و دیگر حضرات عشرہ مبشرہ کا نام لیا جانا غالباً عہد بنی عباس کی پیداوار ہے۔ جب سنی اور شیعہ کی تفریق مذہبی حیثیت سے نمایاں کی گئی اور خطبہ جمعہ میں خاص حضرت علیؓ کو اسد اللہ الغالب کے لقب سے ذکر کئے جانے کے زمانے کی تعیین افسوس ہے کہ معلوم نہیں ہو سکی۔

ہماری عید الضحیٰ

(ایک فرزند رحمانیہ کے قلم سے)

جب کوئی شخص اپنے بال بچوں، عزیزوں اور رشتہ داروں سے دور ہو اور اس درمیان میں عیدین کا موقع آجائے تو اس کے دل پر ایک چوٹ سی لگتی ہے۔ اور کچھ کھویا سا معلوم ہونے لگتا ہے۔ اور افسوس کے ساتھ یہ مصرع دہراتا رہتا ہے:- ہم تو پردیسی ہیں ہماری عید کیا؟

قسمت سے اگر وہ عربی کا طالب علم ہے، تو اس کی کس مپرسی کا تو پوچھنا ہی نہیں۔ کم از کم دہلی کا حال تو ہم جانتے ہیں کہ جہاں بقر عید کے دن خدا جانے کتنے ہزار جانور ذبح ہو جاتے ہونگے، لیکن کتنے مدرسوں میں رہنے والے غریب طالب علموں کو گوشت کی ایک بوٹی بھی نہیں پہنچتی۔ مجھے دہلی میں یہ دیکھکر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ بقر عید کے دن بھی قصائیوں کی دکانیں کھلی رہتی ہیں، اور سینکڑوں غریب جو قربانی کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، سیر آدھ سیر گوشت اپنے بال بچوں کیلئے خرید کر لیجاتے ہیں۔ حالانکہ قربانیاں کرنیوالے اگر اپنے اپنے محلوں میں اپنے غریب پڑوسیوں کا ذرا سا خیال کر لیں تو آج مسلمانوں کا کوئی گھر کیا معنی، کوئی بچہ بھی ایسا باقی نہ رہ جائے۔ جسے قربانی کا گوشت نصیب نہ ہو۔

خدا غریق رحمت کرے محترم جناب شیخ عطاء الرحمٰن صاحب مرحوم و مغفور کو جنھوں نے اپنے مدرسہ کے غریب الوطن طالب علموں کے ساتھ بھی اپنے بچوں کا سا سلوک کرنے کی رسم ڈالی۔ جو بڑی فیاضی کے ساتھ قربانیاں کرتے، اور گوشت غریبوں میں تقسیم کرتے تھے۔ آج ان کے سچے جانشین عالیجناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب (بَارَکَ اللہُ فِیْہِ) بھی ان کی پوری پوری قائممقامی کر رہے ہیں۔ انھیں کی نوازشات کی بدولت ہم بے وطنوں کو، پردیس میں بھی وطن کا لطف آجاتا ہے۔ ابھی ذی الحجہ کا چاند نظر بھی نہیں آتا کہ جناب مہتمم صاحب قربانی کیلئے دنبوں کی خریداری شروع کر دیتے ہیں، اور ہم کو عید الضحیٰ کی آمد آمد کی مسرتوں کا احساس گدگدانے لگتا ہے اور دن بدن بڑھتا جاتا ہے۔ بس اسی انداز سے اس سال بھی ہماری یہ عید گذری۔ آیئے آپ کو بھی کچھ اس کی تفصیل سناؤں۔

ذی الحجہ کا چاند نظر آجانے پر طلبہ نے روزے رکھنے شروع کر دیئے۔ روز بروز روزے داروں کی تعداد بڑھتی گئی یہانتک کہ نویں تاریخ کو تو بجز چند معذورین کے سارا مدرسہ روزے سے تھا۔ ۸ر ذی الحجہ کو "جمعیۃ الخطابۃ" کا ایک شاندار خصوصی اجلاس منعقد ہوا، جس میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ پر عربی و اردو تقریریں ہوئیں۔ مدرسہ کے شعراء نے بھی بڑی دلچسپی سے حصہ لیا۔ اور حسب حال طبعزاد نظمیں سنائیں، جس سے محفل کی رونق دو بالا ہو جاتی تھی۔ اجلاس کے آخر میں جناب صدر نے انعامات تقسیم کئے۔ اس خصوصی اجلاس کا پروگرام

بھی نہایت دیدہ زیب تھا۔

۱۰ ار کی صبح کو تمام طلبہ و مدرسین نماز عید پڑھنے کیلئے اکٹھے ہو کر بلند آواز سے تکبیریں پکارتے ہوئے مصلّٰی (عیدگاہ) پہنچے۔ نماز و خطبہ سے فارغ ہو کر جب مدرسہ واپس آئے تو ناشتے کیلئے مہتمم صاحب کی طرف سے مٹھائیوں کا انتظام تھا نو بجے تک دنبے کا گوشت بھی آ گیا جس کا قورما پکوایا گیا۔ اور تافتان و کھیر کے ساتھ سب لوگوں نے سیر ہو کر کھایا۔ تقریباً ڈیڑھ بجے جناب مہتمم صاحب اپنی خاص کار میں تشریف لائے۔ آپ کے آتے ہی غریب پردیسیوں کے دل میں مسرت و انبساط کی ایک لہر دوڑ گئی۔ آپ نے تمام طالب علموں کو اپنے پاس بلایا۔ اور اپنے ہاتھ سے سب کو ایک ایک روپیہ عیدی عنایت فرمایا۔ طالب علموں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر لڑکے اپنی خوشی منانے کیلئے خود کچھ پکانا چاہیں تو میں ان کیلئے الگ بھی گوشت بھیجدوں، چنانچہ جن جن لڑکوں نے خواہش ظاہر کی دوسرے دن ان کیلئے الگ آپ نے گوشت بھجوادیا۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ اگر گوشت کھانے سے جی اکتا جائے تو پھر دوسری کوئی چیز کہو میں پکوادوں۔ ہماری درخواست پر آپ نے ۱۲ ار کو بریانی پکوانے کا حکم دیدیا۔

اساتذہ کیلئے موسم کے لحاظ سے پہلے ہی گرم شیروانیاں تیار کرائی گئی تھیں۔ الغرض رحمانیہ کے عالی حوصلہ مہتمم کی بدولت بحمد اللہ ہماری عید حقیقی معنوں میں عید ہوئی۔ اور ہماری اس تعطیل کے پانچ دن اس شادمانی کے ساتھ گذرے کہ ہمارے دل کی گہرائیوں سے جناب مہتمم صاحب کے حق میں دعائیں نکل رہی ہیں۔ اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

(بقیہ مضمون مردم شماری ص۲۳) وہ مسلمانوں کے ناموں کو درج کرنے میں بڑی بے ایمانیاں کرینگے خاصکر دیہاتوں میں جہاں کے مسلمان عام طور سے جاہل ناواقف اور اَن پڑھ ہیں۔ وہاں تو یہ اپنی من مانی کارروائیاں کرینگے اسلئے میں ہر ہر گاؤں اور دیہات کے اَن پڑھے لکھے مسلمانوں سے جو معاملہ کو سمجھ سکیں پُر زور درخواست کرتا ہوں کہ اس کا انتظام کریں کہ مردم شماری کے دنوں میں کم سے کم اپنے گاؤں اور دیہات میں مردم شماری کرنیوالے کے ساتھ ساتھ رہیں اور برابر دیکھتے رہیں کہ ٹھیک ٹھیک اندراج کر رہا ہے یا نہیں۔ اگر کوئی بے عنوانی کرے تو فوراً اعلیٰ حکام کو اس کی رپورٹ کی جائے۔ یاد رکھئے کہ اس وقت مسلمانوں کی سب سے بڑی خدمت یہی ہے کہ ان کی مردم شماری صحیح صحیح ہو جائے۔ اگر اس کام میں مسلمانوں سے چوک ہو گئی یا انھوں نے لاپرواہی سے کام لیا تو پھر اس کا انجام نہایت خطرناک اور افسوسناک ہو گا۔ ہندو اس مردم شماری میں مسلمانوں کی تعداد کم سے کم دکھانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ پس مسلمانو!

ہوشیار۔ ہوشیار۔ ہوشیار

فتاوے

سوال :- زید نے اپنی بیوی کا دودھ پی لیا اور اس وجہ سے اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام جانکر طلاق دیدی پھر ایام عدت میں ایک مولوی کے کہنے سے یا اپنے ہی طور سے رجوع کر لیا پس کیا بیوی کا دودھ پی لینے سے زید پر اس کی بیوی حرام ہو گئی ؟ اور کیا حرام سمجھکر دی ہوئی طلاق شرعاً معتبر ہوگی۔ اگر معتبر ہوگی تو کیا زید کا عدت کے اندر رجوع کر لینا درست اور صحیح ہوا۔ محمد مسلم از مالدہ

جواب :- زید پر اس کی بیوی حرام نہیں ہوئی۔ حرمت رضاعت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب بچہ مدت رضاعت یعنی دو برس کی عمر کے اندر کسی عورت کا دودھ پی لے۔ دو برس کی عمر کے بعد دودھ پینے سے حرمت نہیں ثابت ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انما الرضاعة من المجاعة (بخاری ومسلم) لا یحرم من الرضاع الا ما فتق الامعاء (ترمذی وحاکم) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا رضاع الا ما کان فی الحولین (دار قطنی وبیہقی وغیرہ) لیکن شوہر کیلئے احتیاط اس میں ہے کہ بیوی کا دودھ نہ پیے کیونکہ سلف میں حضرت عائشہؓ اور امام داؤد علامہ ابن حزم ظاہری وغیرہ حضرت سالم مولی ابی حذیفہ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے رضاعت کبیر کے قائل ہیں پس ورع واحتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے قطعی پرہیز کیا جائے۔ صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر طلاق واقع ہو گئی اس کی اس مسئلہ سے ناواقفی ولاعلمی وقوع طلاق سے مانع نہیں ہوگی۔ واما شرط الطلاق علی الخصوص فشیئان احدھما قیام القید فی المرءة نکاحا وعدة والثانی قیام حل محل النکاح حتی لو حرمت بالمصاهرة بعد الدخول بها حتی وجبت العدة فطلقها فی العدة لم یقع لزوال الحل واذا طلقها ثم راجعها یبقی الطلاق وان کان لا یزیل الحل والقید فی الحال الخ (عالمگیری)

اگر زید نے طلاق رجعی دی تھی تو رجوع کرنا درست ہوا اور اگر طلاق بائن دی تھی تو رجوع کرنے سے اسکی مطلقہ اسکی زوجیت میں واپس نہیں آئی۔ اور یہ رجوع کرنا لغو ہے ہاں اگر یہ مطلقہ راضی ہو تو نکاح جدید کے ذریعہ اسکو اپنی زوجیت میں لا سکتا ہے۔

سوال :- (۱) کیا نیم آستین اور صدری پہنکر عورت اور مرد نماز پڑھ سکتے ہیں ؟

(۲) نیند کے خوف سے عشاء ہی کے وقت وتر پڑھ لے اور آخر وقت نیند ٹوٹنے پر تہجد ادا کرلے کیا ایسا کرنا جائز ہے ؟

(۳) میت کے ذمہ فرضی روزہ فوت شدہ کامل مہینے بھر کا ہو تو اس کے وارث بیٹا بیٹی اور نانی نواسی بہو وغیرہ رکھ سکتے ہیں یا نہیں اور سب ملکر دو دو چار چار روزے رکھ دیں یا اکیلا ایک شخص۔ اگر اکیلا ایک شخص نہ رکھ سکے تو ادائیگی کی کیا صورت ہے اور فوراً رکھیں یا دو چار سال بعد بھی رکھ سکتے ہیں ؟

(۴) پائخانے کے بچے ہوئے یا استنجا کے بچے ہوئے پانی سے یا جھوٹے پانی سے وضو کر سکتے ہیں یا نہیں اور وضو کے بچے ہوئے پانی سے استنجا پاک کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

(۵) بلا دخول مباشرت کے انزال ہوجائے تو کیا غسل واجب ہوجاتا ہے اور روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

(۶) کیا آب زمزم کو کھڑے ہوکر پینا ثواب ہے اگر ثواب ہے تو کس وجہ سے؟

(۷) زید نے اپنی لڑکی کا بلا طلاق دلوائے دوسرے شخص سے نکاح کر دیا ہے حالانکہ شوہر موجود ہے۔ زید کہتا ہے کہ ہم نے چند مولویوں سے دریافت کیا ہے کہ شوہر تین سال سے نان ونفقہ نہیں دیتا ہے اور تکلیف دیتا ہے یعنی مار پیٹ کرتا ہے اور طلاق بھی نہیں دیتا ہے ایسی صورت میں کیا کریں تو جواب ملا کہ تین برس کے بعد دوسرا نکاح کر دینا چاہیئے۔ لہذا اس بنا پر نکاح کر دیا ہے کیا ایسا کرنا درست ہے؟ اگر درست نہیں ہے تو یہ دوسرا نکاح کر دینے کی صورت میں زید و زید کی لڑکی اور اس کا نیا شوہر اور قاضی اور گواہ وغیرہ مواخذہ الہٰی میں پڑینگے یا نہیں اور اولاد حلالی ہوگی یا حرامی؟

عبدالحلیم از سوہ سرائے

جواب: (۱) نماز میں عورت کیلئے چہرہ اور پہونچے تک دونوں ہاتھوں کے علاوہ پورے بدن کا چھپانا ضروری ہے۔ اگر چہرہ اور ہاتھوں کے علاوہ باقی جسم کا کچھ حصہ بھی کھلا رہجائیگا تو اس کی نماز باطل ہوگی۔ عن ام سلمۃ انہا سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتصلی المرأۃ فی درع وخمار لیس علیہا ازار قال اذا کان الدرع سابغا یغطی ظہور قدمیہا۔ (اخرجہ ابوداود وصحح الائمۃ وقفہ قالہ الحافظ قال الامیر الیمانی ولہ حکم الرفع وان کان موقوفا اذ لا فرب انہ لا مسرح للاجتہاد فی ذلک انتہی قلت ویمکن ان یجمع بان ام سلمۃ سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک وافتت بوفق روایتہا) پس عورت بڑی چادر یا کرتے کے نیچے یا کرتے کے اوپر نیم آستین یا صدری پہنکر نماز پڑھے تو نماز بلا شبہ صحیح اور درست ہوگی۔ اور مرد کیلئے نماز میں ناف سے لیکر گھٹنے کے نیچے تک اور اگر کپڑا کافی ہے تو دونوں کندھوں کا چھپانا بھی فرض اور ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا یصلی احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقہ شئ (بخاری عن ابی ہریرۃ) وقد عمل بظاہر الحدیث ابن حزم فقال وفرض علی الرجل ان صلی فی ثوب واسع ان یطرح منہ علی عاتقہ او عاتقیہ فان لم یفعل بطلت صلوتہ فان کان ضیقا اتزر بہ واجزأہ سواء کان معہ ثیاب غیرہ او لم یکن (نیل الاوطار)

(۲) بلاشک وشبہ جائز ہے۔ اور دوبارہ وتر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ والیہ ذہب ابوبکر وعائشۃ وابن عباس وابوہریرۃ وعمار بن یاسر ورافع بن خدیج (تحفۃ الاحوذی) وبہ قال الائمۃ الاربعۃ وہو المختار عند شیخنا الاستاذ الامام المبارکفوریؒ۔

(۳) میت کے تمام قرابتدار وارث ہوں یا غیر وارث عصبہ ہوں یا غیر عصبہ . . . . دو دو چار چار روزہ رکھکر میت کی طرف سے قضا دیسکتے ہیں۔ اختلف المجیزون فی المراد بقولہ ولیہ فقیل کل قریب وقیل الوارث خاصۃ وقیل عصبۃ قال الحافظ والاول ارجح والثانی قریب ویرد الثالث قصۃ المرأۃ التی سألت عن نذر امہا قال واختلفوا ہل یختص ذلک بالولی لان الاصل عدم النیابۃ فی العبادۃ البدنیۃ ولانہا عبادۃ لا یدخلہا النیابۃ

فی الحیاۃ فکذلک فی الموت الا ما ورد فیہ الدلیل فیقتصر علی ما ورد ویبقی الباقی علی الاصل وھذا ھو الراجح و قیل لا یختص بالولی فلو امر اجنبیا بان یصوم عنہ اجزأ وقیل یصح استقلال الاجنبی بذلک وذکر الولی لکونہ الغالب وظاھر صنیع البخاری اختیار . . ھذا الاخیر وبہ جزم ابو الطیب الطبری وقواہ بتشبیھہ صلی اللہ علیہ وسلم ذلک بالدین والدین لا یختص بالقریب انتھی (فتح الباری) بہتر اور اولی یہ ہے کہ اولیاء قضا دیکر جلد سبکدوش اور بریٔ الذمہ ہوجائیں اور اگر وہ ایک سال مؤخر کردیں تو کوئی گناہ نہیں ہوگا اور نہ فدیہ واجب ہوگا۔ لیکن یہ احتیاط کے منافی ہے اسلئے حتی الامکان جلد قضائی روزے رکھدینے چاہئیں۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں من مات وعلیہ صیام صام عنہ ولیہ۔ (بخاری ومسلم عن عائشہؓ) یہ حدیث مطلق ہے اسمیں کسی وقت کی تعیین اور تقیید نہیں ہے۔

(۴) دونوں صورتیں بلاشبہ جائز ہیں۔ منع یا کراہت کی کوئی وجہ اور دلیل نہیں ہے۔ عوام میں بہت سی باتیں یونہی بے سروپا مشہور ہوجاتی ہیں۔

(۵) بیداری میں بغیر دخول کے دفق اور شہوت کے ساتھ انزال ہوجائے تو غسل واجب ہے۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں انما الماء من الماء۔ اور سوکر اٹھنے کے بعد اگر کپڑے میں تری محسوس ہو اور اسکے منی ہونے کا یقین ہو تو غسل واجب ہے۔ خواب دیکھنا یاد ہو یا نہ منی دفق وشہوت کے ساتھ خارج ہوئی ہو یا بغیر دفق وشہوت کے بہر صورت غسل ضروری ہے (تحفۃ الاحوذی ج۱ ص۱۱۲) بحالت روزہ بیوی کا بوسہ لینے سے انزال ہوجائے تو روزہ ٹوٹ جائیگا اور قضاء واجب ہوگی خلافا لابن حزم الظاھری فقد حکی انہ لا یفطر ولو انزل وقوی ذلک وذھب الیہ (فتح)

(۶) آب زمزم کھڑے ہونیکی حالت میں پینا بلا کراہت جائز ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت قیام نوش فرمایا تھا (بخاری مسلم ترمذی عن ابن عباس) قال السیوطی ھذا لبیان الجواز (تحفۃ الاحوذی ج۱ ص۱۱۲) وھذا لان ماء زمزم نفع خالص وبرکۃ محضۃ والمقصود منہا الاکثار ووصول البرکۃ الی الاجزاء البدنیۃ بسرعۃ فلا یکون منھیا عنہ ولا مکروھا بخلاف غیرہ۔ یہ چیز کہ اسکا کھڑا ہوکر پینا باعث ثواب ہے اسکی دلیل میری نظر سے نہیں گذری۔

(۷) جب شوہر متعنت ہو (یعنی باوجود قدرت ووسعت کے ظلماً نان ونفقہ نہ دے) یا بوجہ تنگدستی وفقر وفاقہ کے نان نفقہ سے عاجز ہو تو اس کا فرض ہے کہ طلاق دیکر بیوی کو قید نکاح سے آزاد کردے۔ فامساک بمعروف او تسریح باحسان ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا ومن یفعل ذلک فقد ظلم نفسہ (قرآن کریم) ویدل علیہ ما روی عن عمر انہ کتب الی امراء الاجناد فی رجال غابوا عن نساءھم ان یاخذوھم بان ینفقوا او یطلقوا الحدیث (اخرجہ الشافعی ثم البیھقی باسناد حسن وصححہ ابو حاتم الرازی) اور اگر شوہر یوں طلاق نہ دے تو عورت کو چاہئے کہ اس سے خلع کرلے۔ اور اگر باوجود سعی کے خاوند اس پر بھی راضی نہ ہو تو عورت قاضی شرعی یا سرکاری عدالت میں مسلمان حاکم یا دیندار پنچوں کے ذریعہ اپنا نکاح فسخ کرالے اور عدت طلاق گذارنے کے بعد اسکا ولی اسکی اجازت ومرضی سے دوسری جگہ اسکا نکاح کردے۔ اگر زید کی لڑکی نے اس صورت سے تفریق حاصل کرنے کے بعد عدت گذار کرکے نکاح کیا ہے تو یہ نکاح شرعاً صحیح ہے۔

مردم شماری ۱۹۴۱ء

حکومت کی طرف سے ہندوستان کی مردم شماری کا کام بعض صوبوں میں شروع ہو چکا ہے دوسرے صوبوں میں بھی اسی فروری کے مہینہ میں شروع ہو جائیگا اور پہلی مارچ تک تمام ہندوستان میں ختم ہو جائیگا۔ جن صوبوں میں ابھی یہ کام باقی ہے ان کی آگاہی اور تنبیہ کیلئے یہ مضمون لکھا جا رہا ہے۔ جو لوگ خود اس مضمون کو پڑھیں ان سے میری درخواست ہے کہ وہ دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی جو جاہل ہیں یہ مضمون پڑھکر سنائیں۔ اور ان کو اچھی طرح سمجھا دیں کہ اس مضمون کا کیا مقصد ہے اور ان کو اس پر کس طرح عمل کرنا چاہیئے۔

مسلمانو! ابھی ابھی بقرعید کا مہینہ گذرا ہے، اور اب یہ محرم کا مہینہ شروع ہوا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ بقرعید اور محرم پر خاص طور سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں فساد اور جھگڑے ہوتے ہیں۔ ان جھگڑوں میں مسلمان ہی مارے جاتے ہیں انہیں کا نقصان بھی زیادہ ہوتا ہے، لیکن جب مقدمے کی باری آتی ہے تو یہی زیادہ پھنستے بھی ہیں، جیلخانے بھی یہی زیادہ جاتے ہیں، سزا بھی انہیں کو زیادہ بھگتنی پڑتی ہے اسلئے کہ شروع سے لیکر آخر تک جتنے حکام اور سرکاری ملازم ہوتے ہیں ان میں تمام ہندو بھرے ہوتے ہیں۔ کہیں کہیں اگر ایک آدھ مسلمان ہوتے بھی ہیں تو وہ ہندو افسروں کے دباؤ کی وجہ سے کچھ کر نہیں سکتے۔ ہندو حکام ہندوؤں کا پاس کرکے معاملہ کو شروع ہی سے اس طرح چلاتے ہیں کہ عدالت میں مسلمان ہی قصوروار بنجاتے ہیں اور پھر انکو اسکی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

ذرا ایک نظر دوڑاؤ اور دیکھو کہ ڈاکخانوں میں، ریلوے میں، پولیس میں، ہسپتالوں میں، عدالتوں میں، ڈسٹرکٹ بورڈوں میں، میونسپلٹیوں میں، کونسلوں، اسمبلیوں میں، کارخانوں میں، بینکوں میں، غرض جتنے بھی سرکاری محکمے اور سرکاری ملازمتیں ہیں، ان میں مسلمان کتنے ہیں اور ہندو کتنے شاید دس بیس میں قسمت سے کوئی مسلمان پہنچ گیا ہو، ورنہ سب ہندو ہی ہندو یا عیسائی وغیرہ بھرے ہیں لیکن اب حکومت کی طرف سے یہ انتظام ہونیوالا ہے کہ تمام ملازمتیں وغیرہ ہر قوم کو اسکی تعداد کے لحاظ سے ملیں گی۔ اب یہ مردم شماری اسی لئے ہو رہی کہ سب قوموں کی صحیح صحیح تعداد معلوم ہو جائے اور انکو ہر قسم کے حقوق ان کی تعداد کے مطابق دیئے جائیں۔ اسلئے ہندو جہاں پہلے ہی سے زیادہ ہیں۔ مثلاً یو، پی، سی پی، مدراس وغیرہ، وہاں تو خیر ہیں ہی۔ لیکن جہاں انکی تعداد مسلمانوں سے کم ہے مثلاً بنگال، پنجاب، صوبہ سرحد وغیرہ وہاں کیلئے بڑی بڑی چالیں چل رہے ہیں کہ ان صوبوں میں بھی اپنی تعداد زیادہ دکھادیں۔ اسلئے مسلمانوں کو بڑی مستعدی اور ہشیاری سے اپنی مردم شماری کرانی چاہیئے۔ کوشش کرنی چاہیئے کہ گاؤں میں بلکہ اردگرد کے گاؤں میں بھی کوئی مسلمان ایسا نہ رہ جائے جو درج نہ ہو۔ اپنے گھر کے بچوں، عورتوں، مردوں، بوڑھوں، جوانوں سب کی ٹھیک ٹھیک تعداد لکھوانی چاہیئے۔ بعض جگہ یہ افواہ اڑائی گئی ہے کہ یہ مردم شماری ٹیکس بڑھانے کیلئے اور فوج میں آدمی بھرتی کرنے کیلئے ہو رہی ہے، لیکن یہ محض مسلمانوں کو دھوکہ دینے کیلئے غلط بات پھیلائی جا رہی ہے مسلمانوں کو اس فریب میں نہیں آنا چاہیئے۔

یہ بھی یاد رکھئے کہ مردم شماری کرنیوالے بھی عام طور سے ہندو ہی ہیں (باقی مضمون صفحہ ۱۹ پر ملاحظہ فرمائیے)

روح اخبار

—— نئی دہلی ۶ر جنوری ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کا کام پہلی مارچ کو ختم ہوجانا چاہئے۔ یہ کام بہار اور آسام میں ایک ہفتہ میں شروع ہوجائیگا۔ مدراس۔ یو پی اور سی پی میں فروری کے دوسرے ہفتہ میں شروع ہوگا اور پنجاب، بمبئی اور سرحد میں فروری کے آخری ہفتہ میں شروع ہوگا۔ دوسرے صوبوں کی تاریخوں کے متعلق بعد میں اعلان ہوگا۔ ۱۹۳۱ء میں آخری تاریخ ۲۸ر فروری تھی۔ امریکہ میں مردم شماری پر بارہ کروڑ روپیہ صرف ہوتا ہے۔ ہندوستان میں پچاس لاکھ روپیہ صرف ہوگا۔ تقریباً پندرہ لاکھ اشخاص کام کرینگے۔ (تیج)

—— سلطنت برطانیہ کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کی آبادی حسب ذیل ہے۔

(۸) ہندوستان ۸ کروڑ ۵۰ لاکھ	(۲) سیلون ۵ لاکھ ۵۰ ہزار	(۳) جزائر ملایا ۲۰ لاکھ
(۴) جزائر بورنیو ۷ لاکھ	(۵) بحرین ایک لاکھ ۵۰ ہزار	(۶) عدن ایک لاکھ ۱۳ ہزار
(۷) فلسطین ۸۲ لاکھ	(۸) شرق اردن ۷ لاکھ	(۹) طرابلس ۳۰ ہزار
(۱۰) سوڈان ۵۶ لاکھ ۹۰ ہزار	(۱۱) جنوبی افریقہ ایک لاکھ ۷۰ ہزار	(۱۲) مغربی افریقہ ۲ کروڑ ۱۷ لاکھ
(۱۳) کینیا ۲۰ لاکھ	(۱۴) یوگینڈا ۱۵ لاکھ	(۱۵) ٹنگانیکا ۱۰ لاکھ
(۱۶) زنجبار ۳ لاکھ	(۱۷) سمالی لینڈ ۷۰ ہزار	(۱۸) آسٹریلیا ۱۰ لاکھ
(۱۹) افریقن جزائر ایک لاکھ ۵۰ ہزار	میزان کل ۳۲ کروڑ ۲۷ لاکھ ۱۸ ہزار	(انجام)

—— حیدرآباد میں ایک ہزار ۸۷ ڈاکخانے ہیں۔ ۳۹-۱۹۳۸ء میں ان میں سے ۳ لاکھ معمولی اور رجسٹری شدہ خطوط گذرے ۱۵۹ نئے ڈاکخانے کھلے۔ اور ۳۲۸ نئے ڈاک کے ڈبے لگائے گئے۔ دس ہزار اشخاص کا حساب ڈاکخانے میں جمع تھا جنکی کل رقم ایک کروڑ ۱۸ لاکھ روپیہ تھی۔ محکمہ کو سوا گیارہ لاکھ روپیہ کی آمدنی ہوئی اور خرچ نکالکر ۲ لاکھ روپیہ کا منافع رہا۔ (تیج)

—— بمبئی ۲۳ر دسمبر ۱۹۴۰ء۔ پچھلے ہفتہ ۴ لاکھ تولہ سونا (۱۲۵ من) جس کی قیمت ۱۰ لاکھ پونڈ بیان کی جاتی ہے امریکن جہاز پریذیڈنٹ پر امریکہ بھیجا گیا (انقلاب ۲۷ دسمبر)

—— ۲۴ر دسمبر ۱۹۴۰ء۔ مدراس میں گداگروں کے انسداد کے واسطے ایک جدید قانون بنایا جارہا ہے جس کے مطابق مدراس میں ایک ورک ہاؤس بنایا جائیگا۔ تندرست گداگروں کیلئے اجرت پر کام فراہم کیا جائیگا۔ اور اپاہج اور مریض گداگروں کیلئے روٹی فراہم کی جائیگی۔ اس کے بعد تندرست گداگروں کو جرمانے کئے جائینگے تاکہ وہ گداگری کی طرف مائل نہ ہوں (انقلاب)

—— ۷ر جنوری۔ ریاست حیدرآباد خاص میں تو پہلے ہی سے ریڈیو اسٹیشن ہے اب اورنگ آباد میں بھی ایک ریڈیو اسٹیشن کھلنے والا ہے جسکے لئے انتظامات مکمل ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ اس کے افتتاح کی رسم مارچ کے تیسرے ہفتہ میں ادا ہوگی۔ (تیج)

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب پرنٹر و پبلشر نے جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر رسالہ محدث دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع کیا۔

مارچ ۴۱ء

یادگار فدائے علم و دین جناب شیخ عطاء الرحمٰن صاحب مرحوم و مغفور

رسالہ

محدث
دہلی

ملکیّت

جناب شیخ حاجی عبد الوہاب صاحب مہتمم دار الحدیث رحمانیہ دہلی

فہرست مضامین

مقاصد

(۱) کتاب وسنت کی اشاعت۔

(۲) مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح۔

(۳) دار الحدیث رحمانیہ کے کوائف کی ترجمانی۔

ضوابط

(۱) یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) یہ رسالہ ان لوگوں کو سال بھر مفت بھیجا جائے گا جو ۱۲ر بذریعہ منی آرڈر ٹکٹ کیلئے دفتر میں بھیجدینگے۔ رسالہ وی پی نہیں بھیجا جائیگا۔

(۳) اس رسالہ میں دینی، علمی، اصلاحی، اخلاقی، تاریخی، تمدنی، مضامین بشرط پسند شائع ہونگے۔

(۴) ناپسندیدہ مضامین محصولڈاک آنے پر واپس کئے جائینگے اور شائع شدہ مضامین واپس نہیں ہونگے۔

(۵) جوابی امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔

(۶) فتویٰ پوچھنے والے سوال کے ساتھ جواب کیلئے ٹکٹ ضرور بھیجیں۔

پتہ

منیجر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

محدث دہلی

نگران اصول
مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

جلد ۸	بابت ماہ صفر المظفر ۱۳۶۰ھ مطابق ماہ مارچ سنہ ۱۹۴۱ء	نمبر ۱۱

چاند اور سورج گرہن کے احکام

(از مدیر)

اس سال کی جنتریوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۴ر صفر مطابق ۱۳ر مارچ کو چاند گرہن اور ۲۸ر شعبان مطابق ۲۱ر ستمبر کو سورج گرہن ہوگا۔ اگرچہ نجومیوں کے اس بیان پر نہ ہم کو اطمینان ہے، اور نہ ہمیں اطمینان کرنا ہی چاہیئے۔ اسلئے کہ رات دن ہم ان کی سینکڑوں باتوں کا تجربہ کرتے رہتے ہیں کہ وہ غلط ثابت ہوتی ہیں۔ لیکن کبھی کبھی بعض باتیں ان کی صحیح بھی ہوجاتی ہیں اسلئے اس خیال سے کہ شاید اب کی دفعہ بھی ایسا ہی اتفاق ہوجائے کہ یہ بات ان کی صحیح نکل آئے۔ ہم گرہن کے مسائل کے متعلق ایک مضمون شائع کررہے ہیں۔ تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہوجائے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے غافل بندوں کو متنبہ اور ہوشیار کرنے کے لئے اپنی یہ نشانی ظاہر فرمائے تو ایسے موقع پر ان کو کیا کرنا چاہیئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق ہم کو کیا ہدایت فرمائی ہے آج بہت کم مسلمان ایسے ہونگے جن کو گرہن کے احکام سے واقفیت ہو، اسلئے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ یہ مضمون غور سے پڑھے اور اس میں بتائے ہوئے احکام پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔

احادیث کی کتابوں میں مختلف طریقوں سے یہ روایت مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی یہ نشانی ظاہر ہوئی تھی، یعنی چاند اور سورج میں گرہن لگا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ جب سورج نکلکر کچھ بلندی پر آیا تو اس میں گہن معلوم ہوا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں جانے کی نیت سے سواری پر سوار ہوکر روانہ ہوچکے تھے، مگر جب یہ کیفیت دیکھی

توجلدی سے گھرواپس آگئے۔اور اس قدر پریشانی اور گھبراہٹ کی حالت میں معلوم ہوتے تھے کہ جیسے قیامت آرہی ہے آپ نے جلدی میں اپنی چادر اوڑھنے کی بجائے اپنا کرتا ہی اوڑھ لیا۔اور وضو کرکے فوراً ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ مدینہ کی گلیوں میں، محلہ محلہ یہ اعلان کردے اَلصَّلٰوۃَ جَامِعَۃٌ (یعنی (گرہن کی) نماز پڑھنے چلو۔آپ خود بھی مسجد میں تشریف لے گئے اور لوگ بھی آنے شروع ہوگئے۔تھوڑی ہی دیر میں تمام مسجد بھر گئی۔پھر آپ نے صفیں درست کرائیں اور بغیر اذان واقامت کہے ہوئے خود امامت کیلئے آگے بڑھ گئے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہکر حسب معمول آپ نے نماز شروع کرائی اور بہت دیر تک قرآن مجید کی لمبی لمبی سورتیں پڑھتے رہے۔اس کے بعد رکوع میں گئے اور بہت دیر تک رکوع میں رہے۔جب رکوع سے سر اٹھایا تو پھر کھڑے ہوکر دوبارہ قرآن مجید کی سورتیں بہت دیر تک پڑھتے رہے۔اس کے بعد پھر رکوع میں گئے اور دیر تک رکوع ہی میں رہے۔جب دوسرے رکوع سے سر اٹھاکر خوب سیدھے کھڑے ہوگئے، تو سجدے میں گئے اور بہت دیر تک سجدے میں رہے۔جب سجدے سے سر اٹھایا تو پھر دیر تک بیٹھے رہے۔اس کے بعد دوسرے سجدے میں گئے اور دیر تک سجدے ہی میں رہے۔جب دوسرے سجدے سے فارغ ہوئے تو دوسری رکعت پڑھنے کیلئے کھڑے ہوگئے اور اسی طرح دوسری رکعت بھی ادا کی۔یعنی پھر دومرتبہ لمبی لمبی قرأت اور دومرتبہ لمبا لمبا رکوع سجدہ کیا۔جب دوسری رکعت میں تشہد وغیرہ کے بعد سلام پھیر کر اس طول طویل نماز سے آپ فارغ ہوئے تو گہن ہٹ چکا تھا اور سورج کھل گیا تھا۔

آپ منبر پر تشریف لے گئے اور مؤثر انداز میں ایک نہایت بلیغ خطبہ دیا۔سب سے پہلے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔اور پھر فرمایا۔اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰیَتَانِ مِنْ اٰیَاتِ اللّٰہِ لَا یَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَیَاتِہٖ فَاِذَا رَاَیْتُمْ ذَالِکَ فَادْعُوا اللّٰہَ وَکَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا (بخاری شریف) یعنی سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں ان میں کسی کے مرجانے یا پیدا ہونے سے گہن نہیں لگتا۔(یہ آپ نے اس لئے فرمایا تھا کہ زمانہ جاہلیۃ میں لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ جب دنیا میں کوئی بڑا شخص مرجاتا ہے تو چاند اور سورج میں گہن لگتا ہے۔اور اتفاق کی بات ہے کہ جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کا (جن کا نام ابراہیم تھا) حالت شیرخوارگی میں انتقال ہوا تھا،اسی دن سورج میں یہ گہن بھی لگا تھا۔تو لوگوں نے اسی پرانے عقیدے کے مطابق کہا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کے انتقال کی وجہ سے یہ گہن ہوا ہے۔آپ نے اس عقیدے کی تردید کی اور فرمایا کہ یہ خیال غلط ہے) وَلٰکِنْ یُخَوِّفُ اللّٰہُ بِھِمَا عِبَادَہٗ بلکہ اللہ تعالیٰ تو اس گہن کے ذریعہ اپنے بندوں کو ڈرانا چاہتا ہے پس جب تم لوگ یہ دیکھو تو ڈر جاؤ اللہ سے دعا کرو اور اس کی بڑائی بیان کرو۔نماز پڑھو اور صدقہ خیرات کرو۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا فَاِذَا رَاَیْتُمْ شَیْئًا مِنْ ذَالِکَ فَافْزَعُوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَدُعَائِہٖ وَ اسْتِغْفَارِہٖ (بخاری شریف) یعنی جب کبھی اللہ تعالیٰ کی اس قسم کی نشانیاں دیکھو جو وہ اپنے بندوں کی تنبیہ کیلئے دکھاتا ہے تو خوف کی وجہ سے گھبرا جایا کرو، اور فوراً اللہ کی یاد میں لگ جاؤ۔اس سے دعائیں کرو اور اپنے گناہوں کی بخشش

طلب کرو۔ آپ نے یہ بھی فرمایا یا اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ وَاللہِ مَا مِنْ اَحَدٍ اَغْیَرَ مِنَ اللہِ اَنْ یَّزْنِیَ عَبْدُہٗ اَوْ تَزْنِیَ اَمَتُہٗ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت والو! خدا کی قسم اللہ تعالیٰ کو یہ بات بے حد ناگوار گزرتی ہے کہ اس کے بندوں میں سے کوئی مرد یا عورت زناکاری کرے۔

اسی خطبے میں آپ نے فرمایا کہ "میں نے آج نماز کی حالت میں ایسی ایسی چیزیں دیکھی ہیں جو کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ یہانتک کہ جنت اور دوزخ بھی ایک خاص ہیئت میں دیکھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر جنت کے انگوروں میں سے ایک خوشہ توڑنے کا ارادہ کیا لیکن پھر مناسب نہیں سمجھا۔ اگر میں توڑ کر تم کو دیدیتا تو جب تک دنیا باقی رہتی تم اس کو کھاتے رہتے۔ نماز میں تم نے دیکھا تھا کہ میں نے ایک مرتبہ اپنا ہاتھ بڑھایا تھا تو وہ اسی لئے بڑھایا تھا۔ اسی طرح جہنم ایسی خوفناک شکل میں میرے سامنے کبھی نہیں آئی تھی جیسی اسوقت۔ جہنم کے اندر میں نے مردوں سے زیادہ عورتوں کو دیکھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ناشکری۔ لوگوں نے پوچھا کس کی ناشکری؟ اللہ کی؟ آپ نے فرمایا اپنے شوہروں کی۔ ان کا یہ حال ہے کہ اگر تم زندگی بھر ان کے ساتھ احسان اور سلوک کرتے رہو۔ لیکن اگر ایک دن بھی ان کی مرضی کے خلاف کوئی بات ہوجائیگی، تو نہایت صفائی کے ساتھ کہدینگی کہ تمہارے ساتھ تو مجھے کبھی بھی سُکھ نصیب نہیں ہوا۔"

آپ نے فرمایا میں نے یہ بھی دیکھا کہ جہنم میں ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے یوں عذاب دیا جارہا تھا کہ جب عورت بلی کے سامنے آتی ہے تو وہ اس کو نوچ لیتی ہے۔ اور جب وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگتی ہے تو بلی اس کے سُرین کا گوشت نوچتی ہے اور یہ عذاب اس کو اس لئے ہورہا ہے کہ اس نے اس بلی کو ایک رسی میں باندھ دیا تھا، نہ خود اس کو کچھ کھانے پینے کو دیا اور نہ اس کی رسی ہی کھولی۔ یہانتک کہ وہ بھوکی پیاسی تڑپ تڑپ کر مرگئی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے جہنم میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جو ایک چھڑی پر ٹیک لگائے ہوئے کھڑا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو دنیا میں اپنی چھڑی کے ذریعہ حاجیوں کا مال چُرایا کرتا تھا۔ اس کے پاس ایک ایسی چھڑی تھی جس میں اس نے ایک ٹیڑھا سا لوہا لگوا لیا تھا۔ اسی لوہے سے وہ حاجیوں کی چیزیں کھینچ لیا کرتا تھا۔ اگر کھینچتے ہوئے کسی نے دیکھ لیا تو کہدیتا کہ میں نے قصداً ایسا نہیں کیا ہے بلکہ یہ تو میری چھڑی کے لوہے میں اٹک کر چلی آئی ہے۔ اور اگر کوئی نہ دیکھتا تو پھر اس پر قبضہ کرلیتا۔ آپ نے فرمایا میں نے اسی نماز کی حالت میں جہنم کے اندر عمرو بن مالک کافر کو بھی دیکھا جس کی انتڑیاں باہر نکلی ہوئی ہیں اور وہ ان کو ادھر اُدھر گھسیٹتا پھرتا ہے۔ اور عمرو بن لحیّ کو بھی دیکھا جس نے دنیا میں بتوں کے نام پر سانڈ چھوڑنے کا رواج سب سے پہلے نکالا تھا۔

فرمایا لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّکُمْ تُفْتَنُوْنَ فِی الْقُبُوْرِ (بخاری) یعنی مجھکو وحی کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ لوگ قبروں میں ایک بڑی آزمائش میں ڈالے جائینگے۔ اور وہاں ان کا ایک سخت امتحان ہوگا۔ پس ہمیشہ قبر کے عذاب سے پناہ مانگتے رہو۔ فرمایا۔ یا اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ وَاللہِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَّ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا (بخاری شریف) اے میری امت کے

لوگو! جتنا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو کس کس طرح عذاب دیگا، اور ان کے ساتھ کیا کیا برتاؤ ہوگا، خدا کی قسم! اگر تم کو بھی اتنا معلوم ہو جائے تو تم ہنسو گے کم، اور روؤ گے زیادہ ـــ آخر میں دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ ط (مسلم شریف) یعنی اے اللہ میں نے تیرا پیغام تیرے بندوں کو پہنچا دیا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر چاند یا سورج میں گرہن ہو جائے تو ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مندرجہ ذیل باتوں کی ہدایت کی گئی ہے۔ اور یہ تمام باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے صحیح حدیثوں میں ثابت ہیں۔ اختصار کیلئے حوالہ اور عبارتوں کو حذف کر دیا گیا ہے۔

(۱) جس وقت گہن نظر آئے تمام لوگ گھبراہٹ اور پریشانی کے ساتھ اللہ کی یاد میں لگ جائیں اور دعا و استغفار شروع کر دیں

(۲) جس سے جو کچھ ہو سکے روپیہ پیسہ یا غلہ وغیرہ غریبوں، محتاجوں میں تقسیم کر کے صدقہ خیرات بھی کرے۔

(۳) بجائے اذان کہنے کے موذن ہی کو، یا کسی دوسرے شخص کو محلوں میں بھیج دیا جائے کہ وہ لوگوں کو خبر کر دے کہ فلاں مسجد میں گہن کی نماز ہوگی۔ لہٰذا سب لوگ وہاں جمع ہو جائیں۔

(۴) جب لوگ جمع ہو جائیں اور وضو وغیرہ سے فارغ ہو جائیں تو اس مسجد کے امام کو یا اس کی اجازت اور مصلیوں کی مرضی سے کسی دوسرے شخص کو اس نماز کیلئے امام بنا دیا جائے۔ (لیکن امام ایسا شخص ہونا چاہیئے جو حافظ ہو۔ یا قرآن مجید کی لمبی لمبی سورتیں اس کو یاد ہوں، تاکہ دیر تک یہ نماز پڑھا سکے)۔

(۵) جب صفیں درست ہو جائیں تو بغیر اقامت کے امام آگے بڑھ کر نماز شروع کرا دے۔

(۶) اس نماز کا طریقہ یہ ہے کہ امام بلند آواز سے تکبیر تحریمہ کہکر نیت باندھ لے، اور دعاء ثنا کے بعد بلند آواز سے (چاہے سورج گرہن کی نماز ہو یا چاند گرہن کی) قرأت شروع کرے۔ پہلے سورہ فاتحہ پڑھے، اس کے بعد سورہ بقرہ یا کوئی اور لمبی سورہ شروع کرے۔ اور بہت دیر تک پڑھتا رہے۔ جب کافی دیر ہو جائے تو اللہ اکبر کہکر رکوع میں جائے۔ اور بہت دیر تک رکوع ہی میں رہے اور رکوع کی دعائیں پڑھتا رہے۔ دیر کے بعد سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہکر رکوع سے سر اٹھائے۔ لیکن ابھی سجدے میں نہ جائے، بلکہ پھر نیت باندھ کر دوبارہ (سورہ فاتحہ کے بغیر) کوئی لمبی سورہ پڑھنا شروع کر دے پھر دیر تک پڑھتا رہے، لیکن پہلی مرتبہ جتنی دیر کیا تھا اس سے کچھ کم ہونا چاہیئے۔ جب دیر تک قرأت کر لے تو پھر تکبیر کہکر رکوع میں جائے۔ یہ دوسرا رکوع بھی دیر تک کرے۔ مگر پہلے سے کچھ کم ہو۔ دیر کے بعد پہلے کی طرح رکوع سے سر اٹھائے۔ جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو پھر تکبیر کہکر سجدے میں جائے۔ اور جیسے ہر رکعت میں دو سجدے کئے جاتے ہیں ویسے ہی خوب لمبے لمبے دو سجدے کرے۔ جب دونوں سجدوں سے فارغ ہو جائے تو پھر دوسری رکعت کیلئے کھڑا ہو جائے۔ اور سورہ فاتحہ پڑھکر کوئی لمبی سورہ شروع کرے۔ اور دیر تک قرأت کرتا رہے مگر پہلی رکعت میں جتنی دیر کیا تھا اس سے کچھ کم ہونا چاہیئے۔ جب دیر تک قرأت کر لے تو پھر حسب معمول رکوع میں جائے

اور بہت دیر تک رکوع میں رہے۔ مگر پہلے رکوع سے کچھ کم ہو۔ دیر کے بعد رکوع سے سر اٹھائے، اور پھر پہلی رکعت کی طرح نیت باندھ کر (فاتحہ کے بغیر) دوبارہ کوئی لمبی سورہ شروع کردے اور دیر تک پڑھتا رہے، مگر پہلی رکعت سے کچھ کم ہو، دیر تک قرأت کرنے کے بعد دوبارہ رکوع میں جائے اور دیر تک رکوع ہی میں رہے۔ لیکن پہلے رکوع سے کچھ کم ہو۔ جب اس رکوع سے سر اٹھائے تو سیدھا کھڑا ہو جائے اور اس کے بعد سجدے میں جائے اور پھر دو سجدے کرکے تشہد کیلئے بیٹھے۔ اور جیسے ہر نماز میں تشہد اور درود وغیرہ پڑھتے ہیں ویسے ہی پڑھکر سلام پھیر دے۔

مقتدی جیسے ہر نماز میں امام کی اقتدا کرتے ہیں ویسے ہی اس میں بھی کریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جیسے فجر کی یا جمعہ وعیدین کی نماز دو رکعت قرأت جہری اور جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ ویسے ہی گہن کی نماز بھی ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ . . . . ان نمازوں میں قرارت اور رکوع ہر رکعت میں ایک ایک مرتبہ ہوتے ہیں، اور گہن کی نماز میں دو دو مرتبہ جیسا کہ صورت مذکورہ سے معلوم ہوا۔

بعض روایتوں میں ہر رکعت میں تین تین اور چار چار بلکہ پانچ پانچ رکوع اور قرارت بھی مذکور ہیں لیکن دو دو رکوع والی روایت متفق علیہ ہونے کی وجہ سے ان پر راجح ہے، اسلئے میں نے اسی کو یہاں ذکر کیا ہے۔

(۷) جب نماز سے فراغت ہو جائے تو خطبہ دینے کیلئے امام منبر پر آجائے۔ لیکن اگر امام وعظ نہ کہہ سکتا ہو، تو پھر کوئی دوسرا شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ ملکہ دیا ہو منبر پر بیٹھکر حاضرین کی زبان میں ان کو وعظ سنائے۔ اور اپنے وعظ کے اندر ان غلط اور فاسد عقائد کی تردید کرے جو گہن کے متعلق لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوں۔ اور ان کو قیامت کی مختلف نشانیاں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت کی بہت سی دلیلیں بیان کرکے برائیوں سے باز رہنے کی نصیحت کرے۔ اللہ کے عذاب سے ڈرائے۔ اور نیک عمل کرنے کی ترغیب دیکر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت طلب کرنے کا شوق دلائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر جو خطبہ دیا تھا اس کے الفاظ اوپر نقل کئے گئے ہیں۔ ان کو وضاحت اور تفصیل کے ساتھ لوگوں کو سمجھائے۔

(۸) (اولاً تو) نماز ہی اتنی دیر تک پڑھنا چاہیئے کہ چاند یا سورج بالکل صاف ہو جائے۔ (اور اگر بالفرض نماز کچھ پہلے ختم ہو جائے، تو پھر خطبے اور دعا و استغفار وغیرہ میں اتنی دیر تک مشغول رہنا چاہیئے کہ جب تک گہن بالکل دور نہ ہو جائے)۔

(۹) جب تک گہن بالکل دور نہ ہو جائے کسی کاروبار میں مشغول نہیں ہونا چاہیئے۔

ے نسائی مطبوعہ مجتبائی ص۲۲۳ ج۱

مسلم نوجوانوں سے خطاب

(از جناب طالب صاحب رحمانی)

رہو یوں نہ مخمور اے نوجوانو — کرو بے حسی دور اے نوجوانو
عمل سے ہو معمور اے نوجوانو — الٹ دو یہ دستور اے نوجوانو
وطن کی ہے امید وابستہ تم سے + وطن ہوگا آزاد و آباد تم سے

اٹھو اٹھ کے باطل جہاں سے مٹا دو — رہ حق پہ سارے جہاں کو لگا دو
اخوت کی شمعیں ہر سو جلا دو — سبق حریت کا ہر اک کو پڑھا دو
ہو مست مئے حریت سارا عالم + ہو شیدائے دین و وطن سارا عالم

نہ دو راہ اپنی طرف کاہلی کو — نہ غفلت میں ضائع کرو زندگی کو
جگہ دو نہ تم دل میں کم ہمتی کو — کرو دور اپنے سے تم بزدلی کو
جوانی کی پہچانو تم قدر و قیمت + بنو آدمی باعمل پاک طینت

تمہیں سے ہے آباد ساری خدائی — کرو ذرے ذرے سے رہ کر بھلائی
وطن کے بنو جان و دل سے فدائی — نہ لاؤ زباں پر کسی کی برائی
ہو شیوہ تمہارا محبت اخوت + نہ دل میں رکھو تم کسی سے عداوت

بناؤ نہ شیوہ تم آرام کوشی — یہ اچھی نہیں ہے تمہاری خموشی
دکھاؤ عمل میں بڑی گرم جوشی — رکھو دل میں تم جذبۂ سرفروشی
پڑے جب مصیبت تو ہمت نہ ہارو + جو غم آئے اس کو خوشی سے اٹھالو

ہمیشہ رکھو دل میں خوف الٰہی — بڑی کام کی چیز ہے خوش نگاہی
کریگا تمہیں حق عطا بادشاہی — نہ آئے گی تم پہ کبھی بھی تباہی
رہو گے اگر تابع دین رحماں + رکھو گے اگر جذبۂ صدق ایماں

رہو گے تمہیں ساری دنیا پہ غالب — نہ ہوگا کبھی تم سے کوئی محارب
اطاعت کو سارا جہاں ہوگا راغب — کرو غور اس پر یہی ہے مناسب
کرو دل میں مستور تم نور ایماں + ہے طالب یہی صاف فرمان قرآں

عدل پیغمبری ؐ

(از مولانا عبدالجلیل صاحب بستوی فاضل رحمانیہ)

(۲)

اس سلسلہ کی چند سطریں آپ کے سامنے پیش کی جا چکی ہیں اور نہایت اختصار کے ساتھ اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ عدل کے حقیقی مقتضی کو نہ کسی مذہب وملت نے پورا کیا اور نہ کسی مذہبی عدالت گاہ نے حقوق وضعیہ اور حقوق طبعیہ کی صحیح نگہداشت کیلئے ایسے قوانین بنائے جو عدل کے صحیح مفہوم کو پورا کرتے ہوں اور جنہیں عدل طبیعی کہا جا سکے آپ کو یاد ہوگا عدل کی لغوی تحقیق قدرے قلیل گذر چکی ہے ہم دوبارہ اس کا اعادہ کرکے آپ کا وقت عزیز ضائع کرنا نہیں چاہتے مختصر یہ کہ عدل جن تین حروف سے مرکب ہے وہ حروف خود عدل کی حقیقت پر واضح ترین دلیل ہیں۔ عدل کے تینوں حروف غیر منقوط ہیں جو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ عدل جس روشن اصول کا نام ہے وہ بے داغ اور سنہرا اصول ہے اس پر کوئی داغ اور کوئی دھبہ نہیں، اور نہ کوئی نشان کہ جس کی طرف حرف گیری کیلئے انگلیاں اٹھ سکیں۔ اس سلسلہ کی پہلی قسط میں حقوق طبعیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے۔ آزادی حیاۃ۔ آزادی ضمیر۔ آزادی کسب وعمل۔ ان تینوں حقوق طبعیہ کے ساتھ پیغمبر عربی علیہ الوف التحیہ والتسلیم نے جو عدل گستری فرمائی ہے انھیں کو ہم نے پیش کیا تھا اب اس کی بقیہ تکمیل ملاحظہ کیجئے۔

چوتھے مساواۃ حقوق

کسی کو اس کا واجبی حق غیر سے دلا دینا۔ ظالم کی ستم کیشی، جفاکار کی جفاکاری کا استیصال، مظلوم کی دادرسی، فریاد خواہ کی دادگیری، یقیناً عدل ہے۔ قسط ہے انصاف ہے مگر یہ یاد رہے کہ اس کے مختلف ارتقائی مدارج ومراتب بھی ہیں۔ دو فریق مدعی مدعیٰ علیہ میں توازن کے ساتھ فیصلہ کر دینا صاحب حق کو اس کا حق دلا دینا کون نہیں جانتا عدل ہے مگر اس عدل کا درجہ وہ نہیں ہے جو اپنی قوم اور دوسری قوم کے قضایا اور فیصلوں کے وقت برتا جاتا ہے۔ ایک حاکم کو دیکھوگے کہ اس کا قلم اغیار کے فیصلوں میں نہایت عادلانہ فیصلہ کرتا ہے دو فریق کے مابین جو نزاع ہے اس کا تصفیہ کرتے ہوئے اس نے جو تجویز تحریر کی ہے وہ عدل وانصاف کی مکمل تصویر ہوتی ہے مگر جب اسی حاکم کو اپنی قوم کے خلاف فیصلہ کرنا ہوتا ہے تو تم دیکھوگے کہ اس کے ہاتھ سے عدل وانصاف کا دامن چھوٹ جاتا ہے، یہ وہی حاکم ہے جس کے ہاتھ میں اغیار کیلئے عدل کی منصفانہ میزان تھی مگر اپنی قوم کے خلاف فیصلہ کرتے وقت اس کے ہاتھ میں حمیت قومی، میلان طبعی اور امتیازات نسلی کا ظالمانہ اور غیر منصفانہ کانٹا نظر آئے گا۔ اسی حاکم کا خاور قلم غیروں کے حق میں تو عدل وانصاف کی شاہراہ پر تیز گام اور نہایت رواں نظر آرہا تھا مگر اپنی قوم کے خلاف فیصلہ دیتے وقت اس کا توسن قلم تمہیں لنگ نظر آئے گا۔ اس مقام پر پہنچکر عدل وانصاف کرنا پہلی قسم سے بہت ہی اہم اور رفیع تر ہے۔ لیکن ٹھیرو مت آگے بڑھو اور دیکھو

تیسرا درجہ عدل کا ایک اور بھی ہے ممکن ہے آسانی کے ساتھ اپنی قوم کے خلاف نہایت منصفانہ فیصلہ کردیا جائے مگر جب اپنی اولاد کے خلاف عدل و انصاف سے کام لیکر فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ جب اپنی عزیز ترین اولاد سے دوسروں کے حقوق کے ادا کرانیکا نہایت صبر شکن اور شکیب فرسا امتحان کا وقت آجاتا ہے تو تم دیکھوگے کہ بہت کم ایسے حکام نظر آئینگے جو اس امتحان میں پورے اتریں۔ اپنی اولاد کے خلاف عادلانہ فیصلہ کرتے وقت بڑے بڑے منصف حاکموں اور عادل قاضیوں کے پیروں کو لغزش ہوجاتی ہے۔ ایک قاتل عمد کیلئے جو حاکم آسانی کے ساتھ یہ فیصلہ کردیتا ہے کہ ایسے مجرم کو سولی کے تختہ پر لٹکا دیا جائے کیونکہ عدل و انصاف کا تقاضا یہی ہے۔ تم سچ بتلاؤ اگر اسی حاکم کا اکلوتا فرزند اسی جرم میں ماخوذ ہو تو کیا بطیب خاطر یہ حکم دیدیگا کہ میرے بیٹے کو تختہ دار پر لٹکا دو کیونکہ عدل کا تقاضا یہی ہے۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں بلکہ آئین اور تعزیرات کی کتابوں کے ہزاروں اوراق الٹ ڈالیگا تاکہ کوئی ایسا نکتہ ملجائے جس سے اس کے عزیز فرزند کی جان بچ جائے۔

جو حاکم عدل و انصاف کے سہارے دوسروں کے عزیز فرزندوں کو حبس دوام عبور دریائے شور، اور جزیرۂ انڈمان بھیجدینے کی تجویز لکھکر انصاف کا ثبوت دیتا ہے اگر اسی کو اپنے بیٹوں کو جزیرۂ انڈمان بھیجنا پڑے، تاحین حیات قید کی سزا دینی ہو تو پتہ چل جائے کہ عدل کا بلند معیار کیا ہے۔ اس مقام پر کلیجہ پر پتھر رکھکر عدل و انصاف کے موافق فیصلہ کردینا عدل کا نہایت بلند مرتبہ ہے اور دوسرے درجے کے عدل سے ہزاروں درجہ اونچا۔ مگر کیوں نہ میں آپ کو اس سے بھی ایک اور ہی عدل کا بلند اور بالا مرتبہ بتلا دوں کہ جس سے بڑھکر کوئی رتبہ عدل کا ہے ہی نہیں۔ عدل و انصاف کے ارتقائی منازل کی آخری منزل اور مدارج عدل کا نقطۂ اوج یہ ہے کہ انسان خود اپنے نفس اور اپنی جان عزیز کے خلاف فیصلہ کردے یعنی اگر کسی کا حق تمہارے نفس پر عائد ہوتا ہو تو تم بے لاگ ہوکر یہ حق دینے پر تیار ہوجاؤ مثال کے طور پر یوں سمجھو کہ تمہارے ہاتھ سے مثلاً کسی غریب قلاش اور رعایا کے نہایت کمزور فرد پر ناحق چند کوڑے لگ گئے۔ چند ہی لمحوں کے بعد اپنی ناانصافی کا تم کو احساس ہوا نیز پبلک کا وہی کمزور اور مظلوم فرد تم سے دادرسی کا خواہاں ہوا اور عدل و انصاف کا واسطہ دیکر تم سے اپنا حق طلب کرتا ہے تو اگرچہ تمہارے پیروں کے نیچے تخت طاؤس پڑا ہوا ہو۔ اگرچہ تم اپنے قدموں سے دارا و سکندر کے تاج ہائے زریں تک کو ٹھکرا رہے ہو، اگرچہ تمہاری شوکت و حشمت، رعب و اجلال کے آگے دنیا نے نینوا و بابل کی حشمتوں کو بھلا دیا ہو۔ خواہ ایسا ہی کیوں نہ ہو کہ تمہارے ہاتھ میں تمام دنیا جہان کی باگ ڈور ہی ہوئے چاہے تمہارے دائیں ہاتھ میں جواہرات اور بائیں ہاتھ میں سونے کے پہاڑ ہی کیوں نہ ہوں، خواہ کروڑوں انسان تمہارے احکام و اوامر کی پرستش کیلئے کمربستہ ہی کھڑے رہتے ہوں مگر عدل کی یہ پکار ہے انصاف کی یہ آواز ہے کہ تم برسر بازار اس مظلوم کا بدلہ ادا کرنے کیلئے کھڑے ہوجاؤ۔ اور اپنی پشت سے کپڑا ہٹا کر پبلک کے اس غریب فرد کے کوڑے کی ضربیں سہہ لو اور پھر یہ نہیں کہ تم کبیدہ خاطر اور رنجیدہ ہو نہیں نہیں بلکہ تمہاری روح خوش ہوجائے کہ تم نے عدل و انصاف کا حق ادا کردیا۔ کیا عدل و انصاف کا یہ ارفع اور اعلیٰ ترین مقام انسانی تصور میں آسکتا ہے؟

مساواۃ حقوق کے ضمن میں جہاں عدل کے مذکورہ بالا مدارج کو یاد رکھنا ضروری ہو وہاں یہ بھی یاد رہے کہ مساوات

اور برابری کے وہ حقوق جو آئین اور شرع کی طرف سے ہر فرد بشر کو جو کہ آئین کے دائرے میں ہو بلا امتیاز نسل و قوم، زلعہ و بوم، بلا تفریق حسب و نسب، محض ذاتی قابلیت و استعداد کی بنا پر حاصل ہوں یہ بھی حقوق طبعیہ ہی میں سے ہیں۔
امیر اور غریب افراد، حاکم و محکوم، راعی و رعایا، خاندان شاہی اور خاندان فقیری کے جمیع افراد کو تمام مراعات میں برابر کا سہیم و شریک بنانا لابدی ہے۔ یا کسی شاہزادے کے خورد و نوش کا اگر انتظام ہے تو رعیت کے غریب بچوں کا پیٹ بھرنا بھی لازمی ہے، کسی امیر کو امور سلطنت میں رائے دہندگی کا حق اگر حاصل ہے تو کسی غریب کو کیوں نہ ہو، اگر رؤسا متمولین اور خاص مقدار کے ٹیکس دہندگان کو نمائندہ حکومت کے انتخاب میں ووٹ دینے کا حق ہو تو غرباء کو محض ان کی غربت کی وجہ سے کیوں اس حق سے محروم کر دیا جائے۔ اگر کسی غریب فرد پر ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ چلتا ہے تو شاہزادہ اس سے کیوں بری ہو۔ یہ اور اس قسم کی چیزیں جن کو مساوات حقوق کہا جاتا ہے۔ اگر انسان کو نہیں دیئے گئے تو یقین رکھئے انسان کے اس حق طبعی کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی کی گئی اور یہ وہ ظلم عظیم ہے کہ جس کے گناہوں کی ہوناکی کا تصور بھی محال ہے۔ اور اگر یہ حقوق سب کو دیدیئے گئے تو یہ بلند ترین عدل ہوگا جسکو عدل طبعی کہیں گے۔ آیئے ہم اب پیغمبر عربی علیہ السلام کی زندگی اور آپ کی پاکیزہ تعلیم میں دیکھیں کہانتک یہ عدل پایا جاتا ہے۔ اور آپ کی حیاۃ مقدسہ کس حدتک اس موضوع پر روشنی ڈالتی ہے۔ ہاں یہ دقیق تر نکتہ بھی آپ یاد کر رکھیں کہ وہ خلافت راشدہ جو آپ ہی کی پیشینگوئی کے مطابق منہاج نبوت پر قائم رہی۔ اس خلافت کے وقائع اور احوال سے بھی ہمارے اس موضوع "عدل پیغمبری" پر استدلال کرنا خارج از بحث نہ سمجھا جائیگا، کیونکہ خلافت کے یہ چھوٹے چھوٹے چراغ اسی آفتاب رسالت سے روشن ہوئے ہیں جو بانی عدل ہے۔ اور ان کے فیصلے اسی شمع رسالت کی مقدس تعلیم کی روشنی میں ہوئے ہیں جو پیکر عدل و قسط اور بانی انصاف ہے۔ کون نہیں جانتا یہ خلفاء مدینہ طیبہ ہی کی آموزگاہ عدل و انصاف کے فارغ التحصیل طلباء اور "عدالتگاہ" مدینہ ہی کے سند یافتہ ماہرین عدل و انصاف ہیں۔ لہذا ان میں سے اگر کسی کے بعض عادلانہ کارناموں سے استدلال کیا جائے تو اسے الثمرة تنبئ عن الشجرة کے قبیل سے شمار کرنا چاہیئے۔

آنحضور علیہ السلام کی تعلیم عدل کا سلسلہ بہت طویل ہے مختصراً چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں ارشاد ہے وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ۔ (پ ۵ ع ۵) اس آیت سے قبل مومنین بندوں کو کچھ بشارتیں سنائی گئی ہیں اور پھر اس کے بعد فرمایا گیا۔ "اے مومنو جس وقت تم لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو تو چاہیئے کہ تمہارا فیصلہ عدل و انصاف پر مبنی ہو" ناس مطلق آدمیوں کو کہتے ہیں۔ کالے گورے عربی عجمی کی کوئی تخصیص نہیں، مسلم و کافر میں کوئی حصر نہیں، کسی نسل و قوم، کسی وطن اور ملک کے آدمیوں کے ساتھ اختصاص نہیں، بلکہ ساری دنیا جہان کے بسنے والے فرزندان آدم کو ناس کہتے ہیں۔ پس اب آیۂ کریمہ کے معنی پر غور کرو پیغمبر عربی کی مقدس تعلیم اور ہمہ گیری عدل کو دیکھو، عدل و انصاف کی اس سے بڑھکر اور کیا پاکیزہ تعلیم ہو سکتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کی عدالتگاہوں میں تقسیم حقوق کے وقت، رنگ و روپ، نسل و قوم، ملک و وطن اور

زبان وغیرہ کے خصوصی امتیازات کی بنا پر فیصلے ہوتے آئے ہیں۔ اور بنی نوع انسانی کے ساتھ کبھی اس نوعیت کا عدل اور انصاف نہیں کیا گیا۔ کسی دور اور کسی عہد میں بادشاہ وقت کی طرف سے یہ حکم ماتحت عدالتوں کو نہیں دیا گیا کہ تمام لوگوں کو خواہ کسی قوم ونسل، کسی ملک وملت سے تعلق رکھتے ہوں نگران کے ساتھ اپنی ہی قوم جیسا سلوک اور انصاف کیا جائے اگر اس نوع کے عدل کا دعویٰ ہے تو محض آنحضورؐ کی تعلیم کو ہے کہ جس نے عدالت کے کٹھرے میں پیغمبر عربی علیہ السلام کے داماد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ایک جھوٹے مدعی یہودی کے مقابل میں مدعیٰ علیہ کی حیثیت سے کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا تھا، تاریخ کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک یہودی آیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف کچھ دعویٰ کیا مدینہ کی عدالت نے حکم دیا کہ علیؓ تم بھی کھڑے ہو اور صفائی پیش کرو۔ الغرض امتیازات نسل وقوم۔ زبان اور ملک وغیرہ کے پرانے امراض کا خاتمہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ (حجرات) اللہ کے نزدیک زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ نیز فرمایا وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ یعنی رنگ وروپ اور زبان کا اختلاف تو محض کارساز فطرت کی کرشمہ سازی کا مظہر ہے۔ تقسیم حقوق کا ان کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں۔ نیز فرمایا وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا (حجرات) ہم نے تمکو مختلف قبائل میں تقسیم صرف اس لئے کیا ہے تاکہ تم میں امتیاز باقی رہے اور تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ یعنی یہ نہیں ہے کہ اس اختلاف پر کچھ قومی اور نسلی فضائل وشرف مرتب ہوتے ہیں بلکہ یہ محض وسیلہ تعارف اور ذریعہ امتیاز ہے۔ نسل، زبان، رنگ، یہی سب چیزیں انصاف اور عدل کے راستے میں روک اور نہایت ہی شدید حائل ہوا کرتی تھیں اسلئے مدینہ کے مقنن اعظم رہبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے انھیں کا خاتمہ کیا اور نہایت تاکید کے ساتھ حکم دیا کہ جس وقت تم فیصلہ کرو تو یہ نہ دیکھو کہ کون ہیں جن کا تمہیں فیصلہ کرنا ہے بلکہ یہ دیکھو کہ تمہارا فیصلہ کیا ہو رہا ہے۔ تمہارا محکمہ عدل وانصاف کی سچی عدالتگاہ ہو۔

آپ کو معلوم ہوگا ملک غسان کا شاہزادہ جبلہ بن ایہم اسلام لانے کے بعد جب انتہائے ناز اور شان وشوکت کے ساتھ اپنی بیش قیمت چادر اوڑھے خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا تو سوء اتفاق سے لاعلمی کی حالت میں کسی غریب بدوی کا پیر اس کی چادر پر پڑ گیا کمال طیش سے شاہزادے نے اس غریب کو ایک طمانچہ رسید کر دیا تھا جب مدینہ کی عدالت میں حضرت فاروقؓ کے سامنے اس بدوی نے مرافعہ پیش کیا تو عدالت نے فیصلہ کیا کہ یا تو بدوی سے اپنے قصور کی معافی مانگ یا پھر بدوی بھی اے شاہزادے تیرے شاہانہ اور مغرور رخسار پر تھپڑ لگائے گا۔

انسان کے حق طبعی کے ساتھ یہ ہے مساویانہ عدل جس کی نظیر سے دنیا کی عدالت گاہیں خالی ہیں۔

دنیا کی سب سے بڑی ناانصافی میدانہائے جنگ میں ہوا کرتی ہے، نپولین بوناپارٹ، چنگیز اور ہلاکو خاں، سیزر وجولیس سکندر مقدونی اور بخت نصر کے معرکہائے کارزار کی ناانصافیوں کو دیکھو، جنگ عالمگیر کے دوران میں اینٹورپ اور لیسر پر جرمنی کی خوفناک بمباری کا تصور کرو کیا حشر برپا ہو گیا تھا۔ خیر یہ تو کچھ دن پہلے کی باتیں ہیں آؤ اس دور تہذیب وترقی میں دیکھیں کہ

رصہ رزم میں کونسا انصاف ہوتا ہے شاید آپ بھولے نہ ہوں ابھی چند سال ہوئے رومۃ الکبریٰ کی مغرور فاسطی طاقت نے بے سینیا کے مظلوم بوڑھوں، عورتوں، بچوں سب پر بلا امتیاز زہریلے بم برسا کر انھیں پاگل بنا دیا تھا، جاپان کی متمدن ملطنت کو دیکھو، کمزور اور ضعیف چین کے باشندوں پر بلا امتیاز گولہ باری کرتی ہے۔ آجکل ہی کی جنگ کو لو دیکھو کیا ناانصافی ہو رہی ہے، اسکول کے بچوں اور کمزور بوڑھوں اور ناتوان عورتوں کا کیا قصور مگر اندھا دھند گولہ باری سے سبھی موت کے گھاٹ اتر رہے ہیں، دولت برطانیہ جیسی عظیم الشان امپائر خود اپنے لفظوں میں "موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہے۔" بولوں، راہبوں، عبادت گاہوں، ہسپتالوں کی کیا خطا۔ مگر پوری بے رحمی کے ساتھ سب کو بمباری کی نذر کیا جا رہا ہے ۔ حکمہ اطلاعات لندن کی وہ فہرست نقصانات جو ۱۵ نومبر ۱۹۳۹ء تک کی شائع ہوئی ہے اسے پڑھو معلوم ہوگا کہ بڑے ڑے گیارہ ہسپتال۔ تینتیس "۳۳" گرجا گھر جن میں، ویسٹ منسٹر ایبے، سینٹ پال۔ اور کنٹر بری کی مشہور گرجائیں بھی برباد ی میں نامل ہیں۔ اخبارات مثلاً لندن ٹائمز، ڈیلی ہیرلڈ۔ ڈیلی میل، ڈیلی ورکر، نیو اسٹیٹسمین، وغیرہ کے دفاتر اور عمدہ کتب خانے بھی نگ کی نذر ہو رہے ہیں۔ کتب خانہ اسکندریہ کے نذر آتش کر دینے کا مسلمانوں پر فرضی الزام لگانے والے شاید اب بیدار ہوں۔

میرے معزز ناظرین یہ ان کی عدالت رانی ہے جو اسلام کو وحشی اور درندہ خونریز اور سفاک دین ثابت کرتے ہیں مگر تم ود اپنی تاریخ پڑھو۔ پیغمبر عربی علیہ السلام اپنے جانباز سپاہیوں کو فوجی ہدایات دیتے ہوئے فرماتے ہیں، خبردار عورت، بچے، بوڑھے بادت گاہیں، راہب، دشمن کے مویشی، ان کے باغات، ان کی کھیتیاں ہرگز برباد مت کرو۔ یہی نہیں۔ اثنائے جنگ میں سپہ سالا الدؓ کے ہاتھ سے ایک عورت قتل ہو جاتی ہے آپ کو خبر ہوئی تو فرمایا خدایا خالدؓ کے اس کام سے میں اپنی برأت ظاہر کرتا ہوں — فۃ اللہ یہ وہی خالدؓ سیف اللہ ہیں جن کی کمانڈ میں ایرانیوں اور رومیوں کو شام کی سرزمین سے مار بھگایا گیا تھا۔ انھیں کے اتھ میں نو تلواریں دشمن پر حملہ کرتے کرتے ٹوٹ گئی تھیں مگر ایک ناانصافی کی وجہ سے آنحضور علیہ السلام یہ تہدید اور وعید نا رہے ہیں۔

آپ کے ستائیس **غزوات** کو دیکھ جاؤ کیا یہ ناانصافیاں ملتی ہیں، تم دیکھو گے کہ آپ کی پوری زندگی میں کوئی واقعہ دل و انصاف کی شاہراہ سے الگ نہ ہوگا۔ دنیا کی دوسری سب سے بڑی ناانصافی میدان جنگ کے بعد دینی عدالتگاہوں یں ہوتی ہے، اس سلسلہ میں پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جب ہم طرز عمل کو دیکھتے ہیں تو روز روشن کی طرح آپ کی یہ عدل پروری ظاہر ہو جاتی ہے۔ جس میں آپ کا کوئی سہیم و شریک نہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں منجانب اللہ اس بات پر امور ہوں کہ جب کسی قوم کا فیصلہ دوں تو عدل و انصاف کے ساتھ دوں، ارشاد ہے۔ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ (پ ۶ س ۵) اے نبی اگر تم ان میں فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یہاں ذکر مومنوں اور جماعت مسلمہ کے یصلہ کا نہیں ہے اس سے قبل کی چند آیات کو پڑھو مکار یہودیوں کا بیان ہو رہا ہے، زر پرست علماء تورات زانی مجرموں کو بکہ کسی رئیس گھر سے اس کا علاقہ ہوتا سنگسار کرنے کے بجائے معمولی تعزیر کے بعد رہا کر دیتے ان مکار یہودیوں نے چاہا کہ

اپنے اس ظالمانہ فیصلہ پر آنحضور علیہ السلام کی بھی مہر تصدیق ثبت کرادیں مگر وحی الٰہی نے آپ کو خبردار کر دیا کہ دیکھنا جو فیصلہ کرو انصاف اور عدل کے موافق کرو۔ زنا زنا ہے۔ سرقہ سرقہ ہے، قتل وخونریزی بہر صورت جرم ہے اسلئے کوئی بھی جرم کا مرتکب ہو حد اور تعزیر برابر قائم کی جائیگی۔ امیر وغریب کا فرق نہیں۔ قبل از نبوت بنا رکعبہ کے وقت حجر اسود کو اس کی جگہ میں رکھنے کا جب جھگڑا پیدا ہوا تو آپ ہی کے عادلانہ فیصلہ نے قوم کو ایک بہت بڑی خونریزی سے بچا لیا تھا۔ ربیع بن خثیم کے اس قول پر ہم اس شق کو ختم کرتے ہیں جس نے کہا ہے کان یتحاکم الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل الاسلام یعنی آنحضورؐ کے پاس قبل از اسلام بھی مقدمات فیصلہ کے لئے جایا کرتے تھے۔ ظاہر ہے آپ کے ہاتھ میں قوت واقتدار کی باگ ڈور نہ تھی پھر بھی مقدموں کا جانا محض اسلئے تھا کہ آپ سب سے بڑے منصف اور عادل تھے۔ یہ تو مجموعی طور پر آپ کا تمام قوموں کے ساتھ میدان جنگ اور دینی عدالتگاہ میں عادلانہ معاملہ اور منصفانہ برتاؤ تھا۔ لیکن ذرا آپ کے ان فیصلوں کو دیکھو جو خاص اپنی قوم کے ساتھ متعلق ہیں۔ روایات حدیث کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک اعلیٰ خاندان کی عورت قریشیہ مخزومیہ چوری کے جرم میں ماخوذ ہوئی عدالتگاہ مدینہ سے فیصلہ صادر ہوا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ بڑے بڑے قریشی صحابہ کرام کے قدم ڈگمگا گئے۔ خیال ہوا کہ یہ تو بڑی بے عزتی ہے ناک کٹی جاتی ہے۔ لوگ کہینگے عرب کے اعلیٰ ترین خاندان قریش کی بہو بیٹیاں بھی چوری کرتی ہیں لہذا رسالتمآب کی خدمت میں اس کی معافی کی سفارش کی جائے مگر اس عادل فرمانروا کی بارگاہ میں اس کام کیلئے جانے کی جرأت کون کرے شدہ شدہ طے ہوا کہ آپ کے محبوب متبنیٰ زید بن حارثہ کو بھیجا جائے۔ چنانچہ زیدؓ گئے مطلب عرض کیا سنتے ہی آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا فرمایا اے زیدؓ کیا تم اللہ کے حدود میں سفارش کرتے ہو خبردار ہماری عدالتگاہ سے تمہیں یہ امید نہ ہونی چاہیئے کہ یہاں قریشی غیر قریشی، شریف غیر شریف کی لغو تقسیم کے موافق فیصلہ ہوگا یہاں تو ہماری عدالت کا یہ کھلا اعلان ہے کہ اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرے تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ آؤ دنیا کے موجودہ حکام کی جفاکیشیوں کا جائزہ لو دیکھو سفارشوں اور رشوتوں کا کیا حال ہے صحیح سے صحیح تر سچا سے سچا مقدمہ سفارشیں نہیں پہنچیں اور رشوتیں نہیں دی گئیں اسلئے جھوٹا ہوگیا۔ اور باطل سے باطل جھوٹا سے جھوٹا مقدمہ چونکہ سفارشیں پہنچ گئیں اسلئے حق ہوگیا اناللہ۔ جہاں آپ نے اپنی بیٹی فاطمہؓ کا ذکر فرمایا وہاں یہ عام حکم اور کلی قانون بھی بیان فرمایا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (پ ۸ ع ۷) یعنی جب کوئی بات کہنی ہو تو عدل کے موافق کہو چاہے اپنے اقربا اور عزیزوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

ہم نے شروع میں عرض کیا تھا کہ عام اقوام کے فیصلوں اور اپنی اولاد کے فیصلوں میں دنیا کی عدالت گاہوں نے نہایت ناانصافی کی ہے مگر تم دیکھ رہے ہو کہ پیغمبر عربی علیہ السلام کی عدالت گاہ میں ہر ایک کے لئے انصاف ہی عدل ہے۔ جو فیصلہ غیر اقوام کیلئے تھا وہی اپنی قوم کیلئے بھی اور جو حکم اپنی قوم کے عام افراد کیلئے تھا وہی اپنی چہیتی اولاد کیلئے بھی۔ دنیا میں آپ کو اس عدل کی نظیر نہ ملیگی۔

عدل اور انصاف کے ان چند انواع اور اقسام کے بعد اس عدل کو پیش کر رہا ہوں جو عدل کی انتہائی منزل ہے اور اپنی ذات اور اپنے نفس کے ساتھ متعلق ہے، آپ نے پڑھا ہوگا میدان بدر میں فوجیوں کی صف بندی ہو رہی تھی ایک شخص صف سے الگ ہو رہا تھا آپ نے چھڑی سے سیدھا ہونیکا حکم دیا ذرا سا اشارہ کرنا تھا کہ وہ شخص بول اٹھا اے نبی اکرم علیہ السلام آپ نے مجھے چھڑی سے چونکا لگا کر تکلیف دی ہے میں آپ سے اسکا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔

چند ٹکے کے ٹٹو حولداروں کو دیکھو پانچ پولیس پر افسری ملی ہے مگر دماغ آسمان پر ہوتا ہے زدوکوب بھی جائز ظلم وستم بھی روا۔ اس سے آگے انسپکٹر پولیس، داروغہ اور سپرنڈنٹ اور فوج کے چیف کمانڈر کو دیکھو سب اپنی اپنی جگہ فرعون ہوتے ہیں، بدلہ دینا تو درگذر اپنے ماتحت لشکریوں سے سیدھے منہ بات تک نہیں کرتے" یاد رہے کسی خاص حکومت کے ان پرزوں کی طرف میرا اشارہ نہیں ہے بلکہ عام دنیا کے غیر اسلامی نظام حکومت کے ارکان کی طرف اشارہ ہے خیر یہ تو اس وقت کی ناانصافی کا ذکر ہوا لیکن کیا تمہیں معلوم ہے کہ سرور کائنات فخر موجودات رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدلہ چاہنے والے سے کیا کہا تھا۔ تاریخ کے صفحات پر زریں حروف سے یہ واقعہ ثبت ہے کہ نبیوں کے سردار رسولوں کے پیشوا۔ نبی عربیؐ نے پکارا آجاءیں بدلہ دینے کیلئے تیار ہوں، اس نے کہا حضورؐ آپ کی پشت پر کپڑا ہے میری پشت ننگی تھی آپ نے فرمایا اس پر بھی میں بخوشی راضی ہوں اور فوراً کپڑا ہٹا دیا۔ اس نے بڑھکر آپ کی پشت مبارک کو چوم لیا اور کہا کہ میری غرض یہی تھی۔ اس عاشق رسولؐ کی اس دلی تمنا سے تو کوئی واقف نہ تھا کہ یہ تو صرف خاتم نبوت کو چومنے کیلئے تڑپ رہا ہے اور زندگی کی بڑی کامرانی اسی میں جانتا ہے" مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ آپ کس طرح بدلہ دینے پر تیار ہوگئے، دنیا کے تمام حکمرانوں کی تاریخ چھان ڈالو ایسی کوئی دوسری مثال نہ ملیگی۔

بادشاہ کے حقوق ومراعات کیلئے الگ قوانین ہوتے ہیں، گورنر جنرل اور صوبہ گورنران عام پبلک قانون کی زد میں نہیں آتے۔ گورنر جنرل اور صوبہ گورنر پر کوئی مقدمہ نہیں چل سکتا، بادشاہ تو درکنار یہ تو محض عدل پیغمبری ہی ہے کہ جس نے امیر فقیر۔ حاکم ومحکوم، بادشاہ۔ اور رعایا سب کو ایک نظر سے دیکھا اور سب کو ایک صف میں کھڑا کر دیا۔ چونکہ اس قسم کی تمام جزئیات کا استقصار مقصود نہیں اسلئے اسی پر ختم کرتے ہوئے ہم ایک آخری گذارش کر رہے ہیں امید کہ آپ عمل کی کوشش کریں گے۔

ناصحانہ گذارش ۔ اخبار بیں حضرات اور رسائل وجرائد کے ناظرین وقت کے اہم سے اہم مسئلوں کو بھی محض تفریح طبع کے طور پر پڑھتے ہیں۔ عمل کرنے کی نیت سے کم ایسا ہوتا ہے کہ ٹھنڈے دل سے مضامین پر غور کریں، کیا میں آپ سے امید رکھوں کہ عملی طور پر آپ عدل وانصاف پر کاربند ہوں گے۔ آپ اس قسم کی غلط فہمی میں نہ مبتلا رہیں کہ عدل وانصاف کی انجام دہی انھیں لوگوں کے فرائض میں سے ہے جن کے ہاتھ میں حکومت کا اقتدار اعلیٰ ہے نہیں نہیں بلکہ پورا نظام عالم سرتاسر عدل ہی عدل پر مبنی ہے۔ زندگی کا کوئی گوشہ مطالبۂ عدل سے خالی نہیں، بادشاہ رعیت کے ساتھ، شہر کا

حاکم شہریوں کے ساتھ گاؤں کا افسر بستی والوں کے ساتھ، گھر کا مختار گھر کے متعلقین کے ساتھ، بیٹے والدین کے ساتھ شوہر بیوی کے ساتھ، مالک نوکر وخادم کے ساتھ، امیر غریب کے ساتھ، الغرض ہر شخص اپنی جگہ پر عدل وانصاف کا مکلف ہے اور منجانب اللہ ہر شخص پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے، کاش عدل کے صحیح معنوں پر آپ عامل ہو جائیں، اگر ایسا ہو تو چند مہینوں اور سالوں میں ظلم وطغیان کا خاتمہ، اور برائیوں اور منکرات کا استیصال ہو جائے۔ آپ کا شہر پاک۔ آپ کا قصبہ اور موضع برائیوں سے محفوظ، اور آپ کے گھر کی پوری اصلاح ہو جائے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کا یہی مفہوم ہے کہ تم ہر برائی کے مٹانے اور ہر نیکی کی ترویج کیلئے پیدا کئے گئے ہو" تمام دنیا کے مسلمانوں کو بیک زبان پکار کہہ دینا چاہئے سے

اردنا خطۃ لاضیم فینا۔ یسوی بیننا فینا السواء ہم ظلم اور ناانصافی پر راضی نہیں۔ سب سے اخیر میں ہم ارادتمندی کے اس شعر پر اپنا مضمون ختم کرتے ہیں۔ یارب صل وسلم دائما ابدا + علی نبیک خیر الخلق کلھم۔

امتحان سہ ماہی

حسب دستور اس سال بھی مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی کا سہ ماہی امتحان بحمد اللہ خیر وخوبی کے ساتھ انجام پذیر ہوا ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۵ جنوری ۱۹۴۱ء بروز ہفتہ سے ۳ محرم ۱۳۶۰ھ مطابق ۳۱ جنوری ۱۹۴۱ء بروز جمعہ تک تعلیم ملتوی کر کے طلبہ کو تیاری کا موقع دیا گیا۔ ۴ محرم مطابق یکم فروری سے باقاعدہ تحریری امتحان شروع ہوا۔ تقریباً تین روز میں امتحان ختم ہوا۔ ۷ محرم بروز منگل کو مدرسہ میں تعطیل رہی۔ ۸ کو نتیجہ سنایا گیا۔ جناب مہتمم صاحب نے خود ان طلبہ کو جو ناکام ہوئے تھے بلا کر تنبیہ کی۔ اور آئندہ مزید محنت کرنے کی ترغیب دی۔ اور جو اپنی جماعتوں میں اول آئے ان کو دو دو روپے نقد بطور انعام مرحمت فرمائے۔

عجیب اتفاق ہے کہ ساتویں جماعت میں عبداللہ اعظمی اور عبدالعزیز بستوی دونوں کے نمبر مجموعی حیثیت سے برابر تھے، اور یہ دونوں گویا اپنی جماعت میں اول آئے۔ عالی حوصلہ مہتمم صاحب نے ان کی ہمت بڑھانے کیلئے دونوں کو برابر انعام عطا فرمایا۔ یعنی کل ؎۲۲ آپ نے اس موقع پر تقسیم کئے فجزاہ اللہ احسن الجزاء

جن لڑکوں کو انعام ملا ہے ان کے نام درج ذیل ہیں:۔

دورۂ حدیث میں۔ حافظ عبدالشکور حیدرآبادی	چہارم میں احمد اللہ مرشدآبادی
ہشتم " ۔ حافظ عبدالخالق بےپوری	سوم " عبدالرحیم پنجابی
ہفتم " عبداللہ اعظمی وعبدالعزیز بستوی	دوم " عبدالعلیم جےپوری
ششم " رستم احمد بنگالی	اولی " محمد عتیق ٹونکی
پنجم " میزان الرحمٰن بنگالی	ادنی " عبدالغنی راجمندری

پاکیزگی روح کا اثر

(از مولوی ابو عمران محمد حسین صاحب حسن پوری متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی)

حضرات! ٹیلیفون کی ایجاد سے پہلے کون جانتا تھا۔ کہ انسان سینکڑوں کوس پر بیٹھا ایک آلہ کے ذریعہ کسی دوسرے شخص سے باتیں کر سکتا ہے۔ ریڈیو کی ایجاد سے پہلے کسے علم تھا کہ ٹھیک اسی وقت جب ہم لندن میں کھڑے تقریر کر رہے ہوں دنیا کے گوشہ گوشہ اور کونے کونے میں ہماری تقریر سنی جائیگی۔ ٹیلی وژن کی ایجاد سے پہلے کس کے علم میں تھا کہ سینکڑوں میل دور بیٹھے جس سے باتیں کر رہے ہوں اس کے سامنے ہماری تصویر بھی پہنچ جائے اور یہ تصویر بولتی دکھائی دے۔ ہوائی جہاز کی ایجاد سے پہلے کس کے وہم و گمان میں تھا کہ خاکی انسان لوہے اور بھاپ کے زور پر ہوا میں اڑ سکتا ہے۔ بجلی کی ایجاد سے پہلے جب ہم مٹی یا لوہے کے دیوؤں میں اپنے ہاتھ سے تیل جلایا کرتے تھے تو ہم نے کبھی یہ سوچا تک نہ تھا۔ ہمارے دماغ میں یہ بات آئی تک نہ تھی کہ کوئی دن ایسا آئیگا کہ ہم گرتے آبشاروں اور بہتے دریا کی روانی سے ایک ایسی روشنی پیدا کر سکیں گے جو تار کے ذریعہ سینکڑوں میل تک لیجائی جا سکے گی۔ اور جب چاہیں گے بٹن پر ہاتھ رکھتے ہی اس ساری دنیا کو روشن کر دینگے۔ اور جب چاہیں گے تاریک بنا دینگے۔ لیکن آج نہ صرف ہم جانتے ہیں کہ یہ سب باتیں ممکن ہیں۔ بلکہ عملاً ہماری دنیا میں موجود ہیں۔ اور ہم ہر وقت اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے اور چلتے پھرتے غرضیکہ ہر حالت میں سائنس کے یہ عجائبات دیکھ رہے ہیں۔

کل جو چیز ناممکن تھی آج ممکن کیوں ہے؟ کل جو چیز معدوم تھی آج موجود کیوں ہے؟ یہ راز ہے اس کائنات کا، ہماری اس کائنات میں خدا جانے ابھی کتنے راز چھپے ہیں۔ قدرت کے حسین چہرہ پر ابھی کتنی نقابیں پڑی ہیں۔ اور انسان کب تک ان نقابوں کو چاک کر سکیگا۔ یہ ریڈیو کی ایجاد، یہ تار برقی سلسلہ کا قیام، یہ ٹیلی وژن، یہ ہوائی جہاز اور ٹیلی فون کیا ہیں؟ قدرت کے وہ چند راز ہیں جنھیں انسان اپنے غور و فکر اور جد و جہد کی وجہ سے معلوم کر چکا ہے۔ انسان کی کوشش اگر ایسی ہی رہی اور وہ قدرت کے چھپے خزانوں سے دامن بھرنے کی ایسی ہی محنت کرتا رہا تو وہ اور بھی سینکڑوں نامعلوم باتیں معلوم کر لیگا۔ بہت ممکن ہے کہ وہ دریا کی روانی روک سکے۔ بہت ممکن ہے کہ بارش برسا سکے۔ اور جب چاہے روک دے۔ ان چیزوں کو جو بظاہر ناممکن ہیں انسانی کوشش ممکن بنا سکتی ہے۔ چنانچہ یورپ کے مفکرین کوشش کر رہے ہیں کہ فضا میں پھیلی ہوئی ان آوازوں کو پکڑ سکیں جو سینکڑوں سال سے اس دنیا میں چکر لگا رہی ہیں، آج تم اسے ناممکن سمجھ رہے ہو لیکن کل جب یہ آوازیں پکڑ لی جائیں گی تو یہی ناممکن ممکن ہو جائیگا۔ اور تم اپنی آنکھوں سے یہ سب تماشا دیکھ لوگے تمہارے کان یہ ساری باتیں سن لینگے اسی مادی کائنات کی طرح جس میں ہم تم بستے ہیں۔ ایک اور کائنات بھی ہے۔ یہ ہے "روح کی دنیا" من کی کائنات اور

اس میں بھی وہی وسعتیں ہیں۔ جو یہ مادی دنیا اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اس میں بھی ریڈیو، تار برقی، ٹیلی وژن، اور بجلی کے خزانے مدفون ہیں۔ لیکن اس کا ریڈیو، تار برقی، ٹیلی وژن، اور بجلی ہماری اس مادی دنیا سے بہت مختلف ہیں۔

اس مادی دنیا کی یہ ساری چیزیں چند مادی آلات کے محتاج ہیں۔ کیونکہ مادی دنیا کے سامان بھی تو مادی ہوتے ہیں روح کی دنیا میں ان مادی سامانوں کی ضرورت نہیں۔ وہاں اپنے من کی بات دوسرے کے من تک پہنچانے کیلئے کسی آلہ کے توسط کی ضرورت نہیں پڑتی۔ تمہارے دل روشن ہوں، تمہارے دل کے کان کھل جائیں، تمہارے دل کی آنکھیں بصیرت رکھتی ہوں تو تم نہ صرف اس عالم کے مختلف گوشوں میں چھپی باتیں جان سکتے ہو۔ بلکہ بتوفیق الٰہی دوسرے کے من کے بھید بھی پا سکتے ہو۔ یہ چیز تمہیں عجیب معلوم ہوگی تم حیرت سے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لوگے لیکن محنت اور جدوجہد ان ساری ناممکنات کو ممکن بنا سکتی ہے۔ تم اپنی روح کو بیدار کرلو۔ تمہارے سینے میں ایمان اور توجہ الی اللہ کا چراغ روشن ہو جائے تو تم وہ چیزیں دیکھ لوگے جنھیں تمہارے کانوں نے نہ سنا ہوگا اور نہ آنکھوں نے اب تک دیکھا ہوگا۔ تم کہہ سکتے ہو کہ جو چیز ہمیں دکھائی نہیں دیتی جس کی آواز ہم سن نہیں سکتے وہ کیسے دیکھی اور سنی جا سکیگی۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح آج سے پہلے تم لندن میں کھڑے ہوئے اپنی تقریر ہندوستان والوں کے کانوں تک نہیں پہنچا سکتے تھے مگر آج پہنچا سکتے ہو۔ کل کا ناممکن آج ممکن ہے۔ ہم میں بہت سے ایسے بھی ہیں جن کے من کی دنیا روشن ہے جن کی روح کان بھی رکھتی ہے اور آنکھیں بھی۔ جو ایسی باتیں سن بھی سکتے ہیں جو ابھی زبان پر نہ آتی ہوں۔ ان میں یہ استعداد کہاں سے آتی ہے وہ اپنے دل کو توجہ الی اللہ سے بیدار کرتے ہیں۔ ان کا دل خدا سے لگاؤ رکھنے کی وجہ سے اتنا قوی ہو جاتا ہے کہ وہ چھپی باتیں سن بھی لیتا ہے اور دیکھ بھی سکتا ہے یہ ساری قوت وہ عطا کرتا ہے جو بہت قوی اور قادر مطلق ہے۔ وہ جس نے ہماری دنیا میں عجیب عجیب صلاحیتیں پیدا کیں۔ وہ جس نے ہماری زبان سے ادا کئے گئے۔ الفاظ کو فضا میں زندہ رکھا وہ جس نے لوہے شیشے اور اس قسم کی دھاتوں میں یہ قوت پیدا کی کہ فضا میں اڑنے والی آوازوں کو پکڑ سکیں اور نہ صرف پکڑ سکیں بلکہ جہاں چاہیں پھیلا سکیں۔ ہم میں یہ ساری مادی قوت محنت اور کوشش سے پیدا ہوئی۔ اگر ہم اپنے دل کو سنوارنے اور اسے بیدار کرنے کیلئے بھی کوشش اور محنت کریں تو ہماری روح بیدار ہو کر ہمیں ساری الجھنوں سے نجات دے سکتی ہے۔

جانتے ہو! نبی کی روح کیوں بیدار ہوتی ہے؟ وہ کیوں چھپی باتوں کو دیکھ اور سن لیتا ہے؟ محض اسلئے کہ وہ خدا کا ہو جاتا ہے۔ ہاتھ میں کنکر لیکر پھینکتا ہے تو خدا کہہ دیتا ہے کہ یہ کنکر تم نے نہیں ہم نے پھینکا۔ وہ بیعت لیتا ہے تو خدا کہہ دیتا ہے کہ یہ بیعت تم نے نہیں ہم نے لی۔ جو شخص خدا کا ہو جائے خدا اس کا ہو جاتا ہے اور سچ پوچھو تو خدا جس کا ہو جائے اس کے نزدیک یہ مادی سامان یہ مادی ریڈیو اور ٹیلی فون کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ نبیوں میں حضورؐ کی زندگی ہمارے سامنے ہے۔ ہم قدم قدم

عجیب باتیں دیکھتے ہیں۔ آخر یہ کیا تھا کہ جبرئیلؑ کو حضورؐ تو دیکھ لیتے ہیں۔ مگر ساتھ والے نہیں دیکھ سکتے۔ یہ کیا تھا کہ حضورؐ کو قتل کرنے کیلئے ننگی تلواریں لئے کھڑے ہیں۔ باہر جانے کے تمام راستے بند ہیں مگر حضورؐ نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سلا کر دروازہ سے باہر نکلتے ہیں۔ اور نکلتے ہی چلے جاتے ہیں۔ دشمن جاگنے اور آنکھیں رکھنے کے باوجود حضورؐ کو جاتے دیکھ نہیں پاتے۔ ان کی بصارت کیا ہوئی۔ ان کی روشن آنکھیں کیوں ایک مادی جسم رکھنے والے انسان کو جاتے نہ دیکھ سکیں؟ اسلئے کہ اس وقت ان آنکھوں کی بینائی چھین لی گئی تھی۔ اور چھیننے والا وہ تھا جو اندھوں کو بینا اور بیناؤں کو اندھا کر سکتا ہے۔

حضورؐ اور صدیقؓ غار حرا میں چھپے ہیں۔ ان دونوں مقدس وجودوں کے نقوش پا زمین کی چھاتی پر جمے ہیں۔ دشمن ان کو دیکھکر غار حرا کے منہ تک پہنچتا ہے۔ نقوش پا غار حرا کے منہ پر پہنچکر ختم ہو جاتے ہیں اور یہ صاف اور واضح بات ہے کہ بھاگنے والے یہیں چھپے ہیں۔ لیکن وہ ذات پاک جس نے پاؤں میں یہ طاقت پیدا کی کہ وہ چلتے وقت زمین کی چھاتی میں اپنے نشان چھوڑ جائیں۔ اس میں یہ طاقت بھی تھی کہ تعاقب کرنے والوں کے دل میں اپنی آنکھوں دیکھی بات پر یقین نہ آنے دے۔ اور وہ ان کے دلوں میں یہ خیال پیدا کردے کہ "اس تاریک اور خطرناک غار میں نہ آجتک کوئی چھپا ہے اور نہ چھپے گا گو نقوش پا یہاں تک آکر ختم ہوجاتے ہیں"

حضورؐ کی زندگی میں اور بھی بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ روح جب بیدار ہوجاتی ہے تو وہ وہ چیزیں دیکھنے اور سننے میں آتی ہیں جنھیں ہماری ظاہری آنکھ اور کان دیکھ اور سن نہیں سکتے۔ مگر حضورؐ نماز پڑھتے وقت شیطان کو دیکھ لیتے ہیں اور اسے پکڑنے کیلئے ہاتھ بڑھا دیتے ہیں۔ لوگوں کو کیا علم تھا کہ حضورؐ کی بیدار آنکھیں کس غیر مرئی چیز کو دیکھ رہی ہیں۔ نماز میں اس قسم کا ایک اور واقعہ ہوا۔ حضورؐ تلاوت فرماتے فرماتے کچھ قدم آگے بڑھے اور تھوڑی دیر بعد پیچھے ہٹے۔ نماز کے بعد لوگوں نے پوچھا حضور آپ آگے کیوں بڑھے اور پیچھے کیوں ہٹے؟ حضورؐ نے فرمایا مجھے جنت اور دوزخ دکھائی گئی۔ جنت کے میوے توڑنے کیلئے میں آگے بڑھا اور دوزخ سے ڈر کر پیچھے ہٹا۔ حضورؐ کی زندگی سے اگر قطع نظر کرلیا جائے تو بھی ہمیں تاریخ میں اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ مثلاً عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ میں ہیں اور مسجد نبوی میں کھڑے خطبہ ارشاد فرمارہے ہیں کہ آواز دیتے ہیں اے ساریہ پہاڑ کے اس طرف ہوجا۔ یہ آواز شام کے ایک میدان میں کھڑی مسلمان فوج سنتی ہے اور حکم کی تعمیل کرتی ہے۔ یہ کیا بات تھی حضرت عمرؓ کی آنکھوں نے سینکڑوں کوس دور کے ایک منظر کو دیکھ لیا۔ اور ایک ذمہ دار سپہ سالار کی طرح ہزاروں میل دور سے اپنی فوج کی اسوقت رہنمائی فرمائی۔ جبکہ فوج ایک بہت بڑے خطرے سے دوچار ہونیوالی تھی۔ قرآن حکیم کی روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوا پر قدرت حاصل تھی۔ وہ پرندوں کی زبان سمجھتے تھے۔ ہدہد ان کا نامہ بر تھا۔ جن ان کے چاکر تھے۔ ملکہ سبا کا تخت آنکھ جھپکنے میں سینکڑوں میل کی مسافت سے انکے پاس پہنچ گیا۔ یہ ساری نعمتیں کیوں حاصل تھیں محض اسلئے کہ انکی روح بیدار تھی وہ خدا کے ہوگئے تھے یہ سب فیاضی تھی اللہ کیطرف

متوجہ ہونگی۔ اوپر کی مثالیں محض اسلئے پیش کی گئی ہیں کہ آپ یہ سمجھ جائیں کہ وہ باتیں جو ہمیں بظاہر ناممکن نظر آتی ہیں خدا کے نزدیک ممکن ہیں اسکے ہاں کوئی بات ناممکن نہیں۔ وہ جو مادی آنکھوں کو دیکھنے کی قوت عطا کرسکتا ہے وہ جو کانوں کو سننے کے قابل بنا سکتا ہے۔ وہ ہماری روح میں اتنی قوت بھی پیدا کرسکتا ہے کہ ہم ظاہری آنکھوں کے بغیر دیکھ سکیں۔ لیکن یہ ساری قوتیں اسی وقت مل سکتی ہیں جب ہم اللہ کے ہو جائیں۔ حدیث میں ہے مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ یعنی جو اللہ کا ہو جائے اللہ اسکا ہو جاتا ہے اور اللہ کے ہونے کی یہی صورت ہے کہ ہم اسکی بتائی ہوئی راہ پر چلیں، اس کی نافرمانیوں سے باز رہیں اور اس کی اطاعت و عبادت میں دن گذاریں۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

(مولوی محمد مسلم صاحب مالدہی متعلم دار الحدیث رحمانیہ دہلی)

ناظرین کرام! اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں نبی رحمت کی امت میں پیدا کیا اور خیر الامم کے لقب سے سرفراز کیا۔ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں انکی جنس سے ایک رسول بھیجا جو اسکی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا اور ان کو کفر و شرک کی گندگی سے پاک کرتا۔ اور قرآن و حکمت کی تعلیم دیتا تھا اور اسمیں کچھ شبہ نہیں کہ رسول عربی کے آنے سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔ رب العزت فرماتا ہے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و احسان ہے کہ تم ان کو نرم دل سردار ملے ہو اور اگر تم سخت مزاج ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے منتشر اور الگ تھلگ ہو جاتے۔ ناظرین کرام اس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمدلی اور حسن اخلاق کو بیان فرمایا ہے۔ اور ایک دوسری آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجنے کو اپنا احسان بتلایا ہے واقعہ بھی یہی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا مومنوں کے حق میں ایک نعمت الٰہی ہے اور ان پر اللہ کا احسان عظیم ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ آتے تو خدا کے بندوں کی حالت بہائم سے بدتر اور خراب ہو جاتی وہ اپنی عقل سے نہ خدا کو پہچان سکتے تھے اور نہ نیک و بد میں تمیز کرسکتے تھے کیونکہ عقل آنکھ کی مانند ہے اور نور نبوت سورج کے مانند ہے ظاہر ہے کہ جب تک سورج نہ ہو آنکھ کی روشنی کچھ کام نہیں دیتی اسی طرح عقل انسانی نور نبوت کے بغیر ٹھوکریں کھا رہی تھی اور ا— صراط مستقیم کا پتہ تک نہ تھا بالآخر نبی رحمت دنیا میں آئے اور اسکو راہِ ہدایت پر لگا دیا۔

برادران محترم! اب نبی رحمت کی بارگاہِ نبوت میں آیئے۔ اور آپ کی رحمدلی و حسن اخلاق کو ملاحظہ کیجئے کہ یہاں ایک نئی تاریخ اور نیا نمونہ دنیا کے سامنے آتا ہے۔ یہاں دشمن خود عذاب مانگتے ہیں اور خود اپنے لئے سزائیں طلب کرتے ہیں لیکن آپ بددعا نہیں
رحمت ہمیں ملاکہ اگلے پیغمبر تو خدا سے عذاب مانگ کر نافرمان لوگوں کو ہلاک کراتے ہیں۔ مگر یہاں خود اللہ تعالیٰ عذاب کے فرشتے

بھیجکر فرماتا ہے کہ اے میرے حبیب آپ جو عذاب چاہیں میں اسے بھیجکر آپ کے دشمنوں اور مخالفوں کو ہلاک کر دوں؟ جواب دیا جاتا ہے اور یہ طلب وعرض کی جاتی ہے۔" اے اللہ میری قوم کو ہدایت کر وہ مجھے جانتی نہیں"۔

عفو اور رحم وکرم کے اعتبار سے آپ کو دیکھئے دس سال تک دن رات کے مظالم سہنے کے بعد فتح مکہ کے وقت آپ جب مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو کفار قریش مغلوب اور خوفزدہ ہو کر آپ کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ آپ نے انکی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا کہ تم کیا سمجھتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا کرونگا۔ انھوں نے جواب دیا کہ آپ ہمارے شریف بھائی اور شریف برادرزادہ ہیں۔ ارشاد ہوا کہ جاؤ تم سب لوگ آزاد ہو۔ کفار نے اس ترحم اور مہربانی کو دیکھکر اسلام کی طرف قدم بڑھایا اور ایک قلیل تعداد کے سوا جو بعد میں اسلام لائی تمام اصلِ قریش اسی دن مسلمان ہو گئے۔ آپ کے جانی دشمن ابوجہل کا لڑکا مسلمان ہو کر آیا تو حکم دیا کہ اسکے باپ کا ذکر بُرے الفاظ میں کوئی نہ کرے کیونکہ طبعاً اس سے بیٹے کو رنج پیدا ہوگا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ایک ایک کی گردن اڑا دیتے مگر باوجود اختیار ہونے کے بھی وہ نمونہ عفو اور کرم کا دکھایا کہ دنیا اسکی مثال لانے سے عاجز ہے۔

طائف کے اوباش کئی میل تک پتھراؤ کرتے چلے آئے فرماتے ہیں کہ مجھے ہوش نہ تھا کہ کدھر جا رہا ہوں۔ سر سے پیر تک لہولہان تھا۔ حکم الٰہی آیا کہ اگر چاہو تو ابھی عذاب نازل کر دوں۔ فرمایا نہیں مجھے امید ہے کہ انکی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہونگے جو خدا کی عبادت کرینگے ـــــ حضرات! تواریخ کا مطالعہ کیجئے۔ احد کا میدان ہے سر زخمی ہو گیا چہرہ میں زرہ کی کیلیں چبھ گئیں کافروں کے پتھر سے سامنے کے دانت ٹوٹ گئے اور روئے مبارک سے خون بہنے لگا لیکن اس کے سوا کچھ نہ فرمایا کہ وہ قوم کیسے فلاح پائیگی جس نے اپنے نبی کو زخمی کیا ہو۔ منافقوں سے رات دن آزار اور تلخی سہتے تھے لیکن کبھی انتقام کے درپے نہیں ہوئے بلکہ ہمیشہ ان کے ساتھ سلوک اور مہربانی سے پیش آئے۔ قریش نے کیا کچھ اذیتیں نہ پہنچائیں تھیں سب آپ نے برداشت کیں اور جب ان پر قابو پایا تو یکقلم ان کو معافی عطا کر دی۔ آپ کو عرش سے بار بار تاکید ہوتی رہتی تھی کہ تم اس طرح صبر کرو جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے کیا۔ چنانچہ آپ کے پائے ثبات کو صبر کے میدان میں کبھی لغزش نہیں ہوئی۔ جو لوگ قرابت توڑتے آپ ان سے رشتہ جوڑتے۔ جو دشمنی پر کمر باندھتے ان کے ساتھ احسان سے پیش آتے اور جو سختیاں کرتے ان سے درگزر فرماتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے کبھی کسی سے اپنی ذات کے بارے میں انتقام نہیں لیا۔ ہاں اگر کوئی دین کی ہتکِ حرمت کرتا تو اس کو سزا دیتے۔

آپ کی ذات نہ صرف اپنے اصحاب اور امت بلکہ دنیا والوں کیلئے رحمت تھی۔ بدخواہوں اور دشمنوں سے بھی آپ مہربانی سے پیش آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رؤف اور رحیم کا خطاب دیا ہے اور رحمۃ اللعالمین فرمایا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک بار مدینہ میں مجھ پر کئی فاقے گذر گئے۔ سوال کی جرأت نہیں پڑتی تھی۔ اسلئے اپنے گھر سے باہر نکلکر گذرگاہ میں بیٹھا کہ شاید کوئی راہگیر دیکھکر خود بخود میری حالت سمجھ جائے اور کچھ کھلا دے۔ اتفاقاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گزرے مگر سلام وجواب کے بعد آگے بڑھ گئے۔ میں نے جب یہ دیکھا تو ان کو بلا کر ایک آیت کے معنی پوچھے۔ مطلب صرف یہ تھا کہ وہ

اس گفتگو سے میری حالت کا اندازہ کرلیں ورنہ اس آیت کے معنی میں خود اچھی طرح جانتا تھا۔ انھوں نے مطلب بیان کردیا اور کوئی توجہ کئے بغیر جدہر جاتے تھے چلے گئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نکلے ان کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی اور وہ بھی میری کیفیت کو نہ سمجھ سکے۔ تھوڑی دیر کے بعد رحمت عالم کا ادہر سے گذر ہوا دور ہی سے مجھے دیکھکر مسکرائے قریب آکر ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے گھر تک ساتھ لیگئے۔ ازواج مطہرات سے دریافت فرمایا کہ کھانے کی کوئی چیز ہے؟ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ کچھ نہیں ہے۔ صرف ایک پیالہ دودھ ہے جو فلاں شخص کے یہاں سے ہدیتاً آیا ہے۔ فرمایا کہ بھیجدو۔ جب وہ آیا تو میری طرف بڑھایا میں نے کہا کہ جب تک حضور نہ نوش فرمالیں میں نہیں پیونگا۔ آپ نے چند گھونٹ پی لیا پھر مجھے عطا کیا میں کئی دن کا بھوکا تھا جب تک معدہ میں جگہ تھی پیتا رہا۔ اس کے بعد دیکھا تو وہ پیالہ اسی طرح پُر تھا۔ فرمایا کہ اور پیو۔ میں نے کہا کہ اب شکم میں گنجائش نہیں۔ آپ نے اسکو اصحاب صفہ کیلئے بھیجدیا وہ سب کے سب پی کر سیراب ہوگئے مگر پیالہ جوں کا توں بھرا ہوا تھا۔ آپ ہمیشہ غریبوں، فقیروں، مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کی امداد فرمایا کرتے تھے سچ کہا ہے حالی مرحوم نے ؎

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا ۔۔۔ مرادیں غریبوں کی برلانے والا
مصیبت میں غیروں کی کام آنیوالا ۔۔۔ وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ ۔۔۔ یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام عمر اپنی امت ہی کا غم کھاتے رہے اور اسی فکر میں رہے کہ کسی طرح میری امت عذاب الٰہی سے بچکر نجات و فلاح حاصل کرلے۔ حتیٰ کہ مرتے دم تک یہی فکر رہا۔ مرض الموت میں آپ منبر پر رونق افروز ہوئے اور حق تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا قرآن مجید کو مضبوط پکڑے رہنا۔ میرے اہل بیت سے حسن سلوک کرنا۔ نماز کو اچھی طرح مع جماعت کے پڑھنا۔ خدائے تعالیٰ کے فرمانوں کی بڑی تعظیم و تکریم کرنا۔ اولاد کو امانت سمجھو۔ عورتوں پر رحم و نرمی کرو۔ ظاہر و باطن میں خدا سے ڈرتے رہو۔ اور جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی اپنے دوسرے مسلمان بھائی کیلئے پسند کرو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا میں تم میں کیسا پیغمبر تھا؟ اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رونے لگے اور کہا یا رسول اللہ ہم میں آپ ایسے تھے کہ کوئی نبی اپنی امت پر ایسا نہیں تھا۔ آپ ہم پر ماں باپ سے بھی زیادہ مہربان و شفیق تھے۔

حضرات! ذرا غور کیجئے شفیع عاصیاں رحمتِ عالم سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اپنی گنہگار امت پر کس درجہ شفیق اور مہربان تھے۔ اور رب العزت کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں آپ کی امت میں پیدا کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم قیامت تک بھی اس احسان کا شکریہ ادا نہیں کرسکتے ہیں۔ پس کیا ہمارا یہی فرض نہیں کہ ہم ایسے شفیق نبی کی شریعت پر چلیں اور آپ کے اسوہ حسنہ کے مطابق اپنی زندگیاں گزاریں۔

فقط

فتاوے

سوال :- ہندہ زید کی بیوی ہے اور عرصہ سے میاں بیوی آباد ہیں۔ اس اثنار میں زید بیوی کو گھر میں چھوڑ کر سفر میں چلا گیا۔ زید دس ماہ سفر میں رہ کر شعبان کی ۲۷ تاریخ کو گھر میں واپس آیا بعدہ ہندہ مذکورہ کے بطن سے صفر کی ۶ تاریخ کو حالت مرض میں لڑکی پیدا ہوئی۔ سوال یہ ہے کہ یہ لڑکی صحیح النسب قرار دیجائیگی یا نہیں واضح رہے کہ زید کو اپنی بیوی ہندہ پر کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے اور وہ مقر ہے کہ لڑکی میری ہے۔ (سائل زین العابدین)

جواب :- یہ لڑکی شرعاً ثابت النسب اور صحیح النسب قرار دیجائیگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الولد للفراش وللعاھر الحجر (بخاری مسلم وغیرہ) ثبوت نسب موقوف ہے ثبوت فراش پر۔ اور ثبوت فراش کیلئے امکان وطی کافی ہے (امکان استخدامی اور کراماتی نہیں بلکہ امکان عادی) علامہ شوکانی حدیث مذکور کی بابت لکھتے ہیں۔ وظاھر الحدیث ان الولد انما یلحق بالاب بعد ثبوت الفراش وھو لا یثبت الا بعد امکان الوطی فی النکاح الصحیح او الفاسد والی ذلک ذھب الجمہور (نیل الاوطار ص۲۷۶) وقد بسط النووی الکلام فی ھذہ المسئلۃ مع الرد علی الحنفیۃ فی شرح مسلم ص۴۷۰ فارجع الیہ۔ علامہ ابن تیمیہ اور ابن القیم کے نزدیک ثبوت فراش کیلئے محض امکان کافی نہیں ہے بلکہ وطی یقینی اور جماع محقق ضروری ہے لیکن علامہ شوکانی فرماتے ہیں ان معرفۃ الوطی المحقق متعسرۃ جدا فاعتبارھا یؤدی الی بطلان کثیر من الانساب وھو یحتاط فیھا و اعتبار مجرد الامکان یناسب ذلک الاحتیاط (نیل ص۲۷۶) سوال میں صاف مذکور ہے کہ زید اور ہندہ عرصہ سے آباد ہیں اور زید کے سفر میں جانے تک دونوں آباد رہے اس صورت میں وطی صرف ممکن ہی نہیں بلکہ محقق بھی ہے۔ بنا بریں امکانِ وطی بلکہ تحقق وطی اور وضع حمل کے درمیان کل مدت ایک برس تین ماہ ۹ دن ہوئے جو اقلِ مدتِ حمل چھ ماہ سے زیادہ اور اکثر مدتِ حمل دو برس (علی قول الحنفیہ) یا چار برس (علی قول الشافعیہ) سے کم ہے پس ثبوت نسب کی شرط بلا شک وشبہ موجود ہے اسلئے یہ لڑکی ثابت النسب ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ زید کو اپنی بیوی ہندہ پر کوئی شبہ نہیں ہے بلکہ مقر ہے کہ وہ لڑکی اسی کی ہے اس لڑکی کے صحیح النسب ہونے میں شک نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سوال :- ایک مکان میں آگ لگ جانے سے اتفاقی طور پر دو مرد ہندو اور مسلمان اکٹھا اس طرح جل گئے کہ ان کی نعشوں میں بالکل امتیاز باقی نہ رہا۔ اب مسلمان پر نماز جنازہ کسطرح ادا کی جائے۔ محمد یوسف از بہرائچ

جواب :- دونوں نعشیں سامنے رکھی جائیں لیکن نیت کی جائے مسلمان کی نعش پر نماز جنازہ ادا کرنے اور اسکے لئے دعا و سفارش کرنیکی کما ان السنۃ اذا مر الرجل بمجلس فیہ مسلم وکافر وبمجلس فیہ اھل السنۃ والبدعۃ وبمجلس فیہ عدل وظلمۃ ان یسلم بلفظ التعمیم ویقصد بہ المسلم واھل السنۃ والعدل لحدیث اسامۃ بن زید فی قصۃ عبداللہ بن ابی المروی فی الصحیحین۔

مرتبہ ... دہلی

روح اخبار

—— محکمہ فوج کیلئے ہندوستان میں ہر ماہ ۷۵ لاکھ روپیہ سے زائد کی مالیت کے خیمے تیار ہوتے ہیں (تیج)

—— ریاست حیدرآباد کے کسٹم ڈپارٹمنٹ کو گذشتہ سال ایک کروڑ ۲۹ لاکھ روپیہ کی آمدنی ہوئی ۱۲۰۹ کروڑ روپیہ کی درآمد اور ۱۰۹ ا کروڑ روپیہ کی برآمد ہوئی۔ اور ریاست میں زرعی آبادی اور صنعتی ترقی کے فائدے کیلئے درآمد کئے جانیوالے ۲ کروڑ ۸۰ لاکھ روپے کے سامان پر کسٹم ڈیوٹی معاف ہوئی۔ (تیج)

—— حکومت ہند کے محکمہ ڈاک خانہ و تار، ٹیلی فون اور وائرلیس سے ۹۰ لاکھ روپیہ سے زائد منافع ہوا۔ (تیج ۲۰ ۱/۱ ۴ء)

—— نومبر ۱۹۴۱ء کے آخر تک ختم ہونے والے آٹھ مہینوں میں حکومت ہند کو ۶۴ کروڑ ۶۸ لاکھ روپے کی آمدنی ہوئی۔ تمام سال کا بجٹ ۸۹ کروڑ ۵ لاکھ روپوں کا ہے۔ خرچ ۷۷ کروڑ ۱۶ لاکھ روپیہ ہوا جو کہ پچھلے سال اسی زمانہ میں ۶۹ کروڑ ۵ ۹ لاکھ روپیہ تھا۔ سال کا خرچ ایک ارب ۳۶ کروڑ ۴ ۷ لاکھ روپیہ رکھا گیا ہے۔ اس آمدنی و خرچ میں ریل، ڈاک، اور تار کے بجٹ شامل نہیں ہیں (تیج)

—— زچاؤں اور حاملہ عورتوں کو اچھی اور مناسب غذا نہ ملنے کی وجہ سے ہندوستان میں ہر سال دس لاکھ سے زیادہ بچے ایک سال سے کم عمر میں مرجاتے ہیں (تیج ۱۸ ۱/۱ ۴ء)

—— اپریل ۱۹۴۰ء سے دسمبر ۱۹۴۰ء تک جنگی کوششوں پر حکومت برطانیہ نے کل ۲ ارب ۸۲ کروڑ ۵۵ لاکھ پونڈ (اندازاً ۳۷ ارب روپیہ) خرچ کیا ہے۔ ۹۹ کروڑ ۱۷ لاکھ پونڈ جنگی قرضوں سے وصول ہوا۔ اور ایک ارب ۱۳ کروڑ ۰۷ لاکھ پونڈ قرض لیا گیا (تیج ۲۵ ۱/۱ ۴ء)

—— ہندوستان کے جو طلبا ء جنگ کی وجہ سے ولایت نہیں جاسکے اور جنھوں نے ضروری شرائط کا لحاظ رکھا ہے انکا بیرسٹری کا امتحان یہیں لے لیا جائیگا۔ امتحان ۱۲ مئی ۱۹۴۱ء کو شروع ہوگا (زمزم ۲۷ ۱/۱ ۴ء)

—— یکم مئی ۱۹۴۱ء سے قرآن مجید کی تجارت صوبہ سرحد میں مسلمانوں کے ہاتھ میں آجائیگی۔ کوئی غیر مسلم یہ تجارت نہیں کرسکیگا۔ (زمزم)

—— ۲۴ جنوری معلوم ہوا ہے کہ گورنر مدراس کے جنگی فنڈ میں ۸۷ لاکھ روپیہ جمع ہوچکا ہے۔ (انقلاب)

—— گذشتہ ستمبر۔ اکتوبر۔ نومبر۔ دسمبر چار ماہ میں جرمن کے ہوائی جہازوں کی بمباری سے کل ۲۱ ہزار ۶ سو ۶۹ برطانوی لوگ ہلاک ہوئے۔ اور تقریباً ایک لاکھ ۲۰ ہزار اشخاص زخمی ہوئے (تیج ۳۰ ۱/۱ ۴ء)

—— کلکتہ کی مردم شماری کے سلسلہ میں جو ابتدائی رپورٹ شائع ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ مردم شماری میں یہاں کی آبادی ۱۱ لاکھ اور مکانوں کی تعداد ۲ لاکھ تھی۔ اب آبادی ۱۷ لاکھ اور مکان ۳ لاکھ ہوگئے۔ (انقلاب)

—— یورپ کی منڈیاں بند ہونے کی وجہ سے ہندوستان کی تجارت برآمد میں ۲۵ کروڑ ۲۰ لاکھ روپیہ کی کمی ہوئی ہے (تیج ۳۰ ۱/۱ ۴ء)

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب پرنٹر و پبلشر نے جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر رسالہ محدث دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع کیا۔

اپریل ۱۹۴۱

یادگار فدائے علم و دین جناب شیخ عطاء الرحمٰن صاحب مرحوم و مغفور

رسالہ

محدث

دھلی

ملکیّت

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم دار الحدیث رحمانیہ دہلی

فہرست مضامین

مقاصد

(۱) کتاب وسنت کی اشاعت۔

(۲) مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح۔

(۳) دار الحدیث رحمانیہ کے کوائف کی ترجمانی۔

ضوابط

(۱) یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) یہ رسالہ ان لوگوں کو سال بھر مفت بھیجا جائے گا جو ۴؍ بذریعہ منی آرڈر ٹکٹ کیلئے دفتر میں بھیجدینگے۔ رسالہ وی پی نہیں بھیجا جائیگا۔

(۳) اس رسالہ میں دینی، علمی، اصلاحی، اخلاقی، تاریخی، تمدنی مضامین بشرط پسند شائع ہونگے۔

(۴) ناپسندیدہ مضامین محصول ڈاک آنے پر واپس کئے جائینگے اور شائع شدہ مضامین واپس نہیں ہونگے۔

(۵) جوابی امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔

(۶) فتوی پوچھنے والے سوال کے ساتھ جواب کیلئے ٹکٹ ضرور بھیجیں۔

پتہ

منیجر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

محدث دہلی

نگران اصول
مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

جلد ۸ || بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۴۱ء || نمبر ۱۲

آہ! توحید وسنت کا علمبردار مجاہد چل بسا

یکم صفر ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۸ فروری ۱۹۴۱ء بروز جمعہ کی صبح بھی کیسی قیامت خیز صبح تھی جبکہ ہمارے کانوں نے انتہائی قلق واضطراب اور رنج والم کے ساتھ یہ غم انگیز خبر سنی کہ امانت الٰہیہ کے حامل، حدیث کے حافظ۔ توحید کے فدا کار سنت کے شیدائی، لشکر اسلام کے بہادر جرنیل، ہندوستان کے واحد ملی خطیب، حضرت مولانا محمد جوناگڈھی (نور اللہ مرقدہ) کا آج رات کو اپنے وطن (جوناگڑھ) میں حرکت قلب بند ہوجانے کی وجہ سے انتقال ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۰

گو مولانا مرحوم نے اپنی طالب علمی کا دور ختم کرکے تقریباً ۲۵-۳۰ سال سے مستقل قیام دہلی ہی میں اختیار کر لیا تھا۔ لیکن سال دو سال میں ہمیشہ ایک سفر چند روز کیلئے اپنے وطن کا بھی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس سال بھی ۹ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ کو جوناگڑھ پہنچ گئے۔ عجیب اتفاق ہے کہ اس سے پہلے جب کبھی وطن جاتے۔ دہلی سے اپنے ساتھ اپنے اہل وعیال کو بھی لیجاتے۔ مگر اس دفعہ تن تنہا تشریف لیگئے۔ اختلاج قلب کی شکایت تو ان کو عرصہ سے تھی، اسلئے سفر کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے۔ خصوصاً اس دفعہ تو بارہا کہتے سنے گئے کہ جوناگڑھ

جانیکی ضرورت ہے، لیکن خدا جانے ہمت کیوں نہیں پڑتی تھی کئی دفعہ بندھا بندھایا بستر کھلوا دیا۔ مگر نوشتہ الٰہی پورا تھا۔ اسلئے حالات نے اس سفر پر مجبور کیا، اور آخر وہ جانکاہ حادثہ پیش آیا جس سے دل مجروح، اور آنکھیں اشکبار ہیں ؎

الموت فاجئة واللہ قاتلہ فالعین باکیة والقلب مضطرم

آج مذہبی دنیا میں شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو، جو مولانا کو ان کی مجاہدانہ دینی خدمات کے باعث نہ جانتا ہو۔ وہ توحید میں اتنے پختہ اور اتباع سنت میں اتنے سخت تھے کہ آج مخالف کو بھی اس حقیقت کے اعتراف کے بغیر چارہ نہیں۔ قوت گویائی قدرت نے ان کو ایسی ودیعت کی تھی کہ جب کبھی میدان خطابت میں آتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ تائید الٰہی ان کے شامل حال ہے، اور روح القدس ان پر مضامین کا القاء کر رہے ہیں۔ کتاب و سنت کی حمایت میں ان کی پر جوش اور باطل شکن تقریروں کی گرج سے آج بھی ہندوستان کا چپہ چپہ گونج رہا ہے۔ خدائے ذوالجلال کی عظمت اور ذات مقدس رسول کی محبت سے ان کا سینہ اسقدر بھرپور تھا کہ باطل پرستوں کی سینکڑوں ریشہ دوانیوں کے باوجود بھی ان میں کبھی تزلزل پیدا نہیں ہوا۔

ان کی تصنیفات کی تعداد بھی غالباً ۶۰ — ۶۵ سے متجاوز ہے۔ جو توحید پرستی اور اتباع سنت کا اتنا بہترین اور جامع لٹریچر ہے کہ ان کے مطالعہ کے بعد کبھی کوئی سمجھدار انسان شرکیہ توہمات، بدعیہ خرافات، اور تقلیدی جمود پر قائم نہیں رہ سکتا۔ جہاں آپ نے جزوی مسائل پر . . . . چھوٹے چھوٹے رسائل لکھکر امت کی ہدایت کا بہترین فرض انجام دیا ہے، وہاں محدث کبیر، حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی پوری تفسیر، اور فقیہ اکبر، امام اعظم حضرت ابن قیم رحمہ اللہ کی مشہور تالیف "اعلام الموقعین" کا مکمل ترجمہ لکھکر بھی دین کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ "اعلام الموقعین" وہ کتاب ہے کہ جب اسکے ترجمہ کی خبر مولانا ابوالکلام آزاد کو معلوم ہوئی تو فرط مسرت سے بے اختیار ہوکر از خود مولانا جونا گڈھی کو خط لکھتے ہیں اور اس کا ترجمہ شائع کرنے پر ان کو مبارکباد دیتے ہیں۔

آجکل آپ ایک نہایت ضروری اور مفید تصنیف میں مصروف تھے، . . . . . یعنی آپ نے ارادہ کیا تھا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تمام خطبوں کو اکٹھا کر دیں جو آنحضور نے مختلف اوقات میں لوگوں کے سامنے بیان فرمائے تھے۔ اور خیال یہ تھا کہ ان خطبات نبویہ کی اتنی مقدار جمع کر دی جائے کہ ایک خطیب سال بھر تک اس میں سے ہر جمعہ کو ایک ایک خطبہ بیان کرتا رہے۔ چنانچہ ابتک اس کی تین جلدیں مطلب خیز ترجمے کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینکڑوں خطبات پر مشتمل ہیں۔ بقیہ حصہ بھی زیر طبع تھا مگر وائے حسرت! ما درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال

ان تصانیف کے علاوہ ان کے ملی جذبات و احساسات کا مستقل آرگن ایک پندرہ روزہ اخبار بھی تھا جو توحید کی تبلیغ اور سنت کی اشاعت میں بڑی جرأت اور پامردی کے ساتھ مصروف تھا۔ اسکے اصلاحی مضامین نے بہت سی بدعات و محدثات کی خطرناک دلدل میں پھنسے ہوئے لوگوں کی کمریں پکڑ پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔ اور ان کو ہدایت و رشد کی اس شاہراہ پہ لگا دیا جہاں حق و باطل بے نقاب ہو کر نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ اور دیکھنے والی آنکھیں دیکھ لیتی ہیں کہ حق کی ضیا رپاشیوں نے باطل کی ظلمتیں کس طرح کافور کر دیں۔ ع ۵

مرحوم کی یہی وہ دینی و ملی خدمات ہیں جن کے باعث ہمیں ان سے محبت تھی، اور آج ہم ان کی جدائی سے اسی لئے غمگین ہیں کہ اب ان خدمات کا انجام دینے والا ہمیں کوئی ان کا جانشین نظر نہیں آتا۔ خدائے ارحم الراحمین سے دعا ہے کہ وہ ان کی یہ دینی خدمتیں قبول فرمائے اور ان کو مرحوم کیلئے باعث نجات اور موجب رفع درجات قرار دیکر امت کی ہدایت کیلئے پھر کسی ایسے ہی مرد مجاہد کو کھڑا کر دے، جو اس کی توحید کی سربلندی اور اس کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنتوں کی اشاعت کیلئے اپنے آپ کو قربان کر دے۔ ہمیں ان کے پس ماندگان کے ساتھ بھی اس حادثے میں دلی ہمدردی ہے۔ خصوصاً ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کی یتیمی کا تصور تو بیحد رنجدہ اور عبرت انگیز ہے۔ باری تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان پر اپنی رحمت و عنایت کا سایہ قائم و دائم رکھے۔ آمین اللہم آمین

قطعہ تاریخ وفات حضرت علامہ جوناگڈھی رح

از مسیح الکلام حضرت زیبا ناروی

دنیا سے چل بسے ہیں جب حضرت محمد — تو کیوں نظر نہ آئے سارا جہاں پریشاں
میں دیکھتا ہوں جسکو یہ حال ہو رہا ہے — ہونٹوں پہ نالۂ غم آنکھیں الم سے گریاں
ایسا کہاں ہے کوئی رنگیں بیاں محدث — وابستۂ شریعت محوِ جمالِ عرفاں
کاٹی حیات ساری ہر دل عزیز ہو کر — سیرت میں تھی فرشتہ صورت میں تھے وہ انساں

سالِ وفات زیبا یوں عیسوی میں لکھدو
آغوشِ خلد سے ہے تاریخ غم نمایاں
۱۹۴۱ء

ع ۵ یہ مضمون لکھے جانیکے بعد معلوم ہوا ہے کہ خطبات کا مسودہ مکمل ہے اب انکی ترتیب و طباعت اور اخبار کی اشاعت جاری رکھنے کا بندوبست ہو رہا ہے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ منہ

ماہ ربیع الاول

(از مولانا عبید الرحمٰن صاحب طالب رحمانی مبارکپوری)

گلشن عالم ویران، افضائے عالم کی نیرنگیاں معدوم، بزم کائنات تاریک، عندلیبان چمن کی نغمہ سرائیاں بند، غنچہ و گل مرجھائے ہوئے، خزاں کا دور دورہ، میکدۂ علم و عرفان سنسان، جام و سبو ٹوٹے ہوئے، ہو کا عالم، ظلم و ستم عام کفر و شرک کا چرچا، اوہام باطلہ معبود، خود تراشیدہ مورتیوں کی پرستش، خالق کائنات کی کھلی ہوئی توہین، خواہشات نفسانی کی حکومت، قتل و غارت گری معمولی چیز بات بات پر لڑائی۔ قماربازی، شراب خواری زناکاری کا رواج عام، بیحیائی کی کثرت غرض دنیا ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کی پوری پوری مصداق تھی کہ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر دفعۃً افق مغرب پر ہلال ربیع الاول نمودار ہوا پھر کیا تھا چمنستان دہر میں روح پرور بہاریں چلنے لگیں، عندلیبان چمن جو کل تک مصروف آہ و فغاں تھے، مسرت و شادمانی کے گیت گانے لگے۔ گل و غنچہ جو مرجھائے سے تھے دفعتًہ کھل گئے۔ کائنات عالم کا ذرہ ذرہ جگمگا اٹھا، دنیا کی تاریکی نور سے بدل گئی، عالم کفر و شرک میں اک تہلکہ سا مچگیا، نہیں نہیں بلکہ آتشکدۂ کفر آزرکدہ ضلالت سرد ہو کر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، بتکدے خاک میں مل گئے۔ توحید کا غلغلہ اٹھا آفتاب عالم وادی فاران پر چمکا، یعنی یتیم عبداللہ، جگر گوشۂ آمنہ، تاجدار یثرب و بطحا، شاہ حرم بطن آمنہ سے جلوہ آرائے بزم امکاں ہوا۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

سال کے قمری مہینوں میں ربیع الاول کا مہینہ یہی ہے جس کا آغاز ماہ صفر کے بعد ہوتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ذیل میں اس کی لغوی تحقیق ذکر کرتے ہوئے اس مہینے کی عظمت اور اس میں پیدا شدہ بدعتوں اور اس سے متعلق مسلمانوں کے صحیح فرائض پر مختصرًا تبصرہ کریں۔

وجہ تسمیہ ربیع الاول:۔ اس میں شک نہیں کہ ربیع الاول کی وجہ تسمیہ میں کوئی ایسی پیچیدگی نہیں جو وضاحت طلب ہو۔ لیکن ادبی اور لسانی حیثیت سے غالبًا اس کا ذکر کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

لفظ ربیع عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی موسم بہار کے آتے ہیں جو غالبًا ہندی مہینے چیت اور بیساکھ میں پڑتا ہے جس وقت مہینوں کے نام رکھے جا رہے تھے اسوقت یہ مہینہ فصل ربیع یعنی ابتدائے موسم بہار میں واقع ہوا تھا اس لئے اس وقتی مناسبت سے اسکا نام ربیع رکھدیا گیا چونکہ دو مہینے یکے بعد دیگرے پڑتے ہیں اسلئے پہلے کو ربیع الاول اور دوسرے کو ربیع الثانی کہا گیا

ماہ ربیع الاول کی عظمت:۔ یوں تو سال کے ہر قمری مہینے اپنے اندر کچھ نہ کچھ اہمیت اور فضیلت و شرف رکھتے ہیں مگر ماہ ربیع الاول کو جو خاص عظمت اور فوقیت و برتری حاصل ہے وہ کسی دوسرے مہینے کو میسر نہیں۔ یہی وہ

مہینہ ہے جس میں بزم کائنات کو تجلی بخشنے والا خورشید عالمتاب پیکر رحمت بنکر اس وقت طلوع ہوا جب ساری دنیا ظلمتکدہ بن چکی تھی ظلم واستبداد کا پورا پورا تسلط ہو چکا تھا۔ انسانیت حیوانیت وبہیمیت کا رنگ اختیار کر چکی تھی آزادی وحریت اخوت ومساوات جیسے اوصاف ایک ایک کرکے دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ باہمی عداوت زور پکڑ چکی تھی۔ قتل وغارتگری سے عرصۂ حیات تنگ ہو رہا تھا۔ اس نے طلوع ہوتے ہی دنیا کی تاریکی کو نور سے بدل دیا ظلم واستبداد کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کردیا انسان کو صحیح معنی میں انسان بنادیا اور دلوں سے باہمی عداوت وکدورت نکالکر اخوت ومساوات کا بیج بودیا اور فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا کا صحیح نقشہ کھینچکر رکھدیا جسکو حالیؒ نے یوں کہا ہے

خطا کار سے درگذر کرنے والا — بد اندیش کے دل میں گھر کرنیوالا
مفاسد کو زیر وزبر کرنے والا — قبائل کو شیر وشکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

۲ اس سے بڑھکر ربیع الاول کی اور کیا عظمت ہو سکتی ہے کہ قدرت نے اپنے سچے حبیب اور پیارے رسولؐ کو دنیا میں مبعوث کرنے کیلئے اسی مبارک مہینہ کو منتخب فرمایا کسی نے سچ کہا ہے ؎

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا + بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است

ماہ ربیع الاول کی بدعتیں:۔ جہانتک ماہ ربیع الاول کی عظمت وبرکت اور اہمیت کا تعلق ہے اس سے کسی بشر کو انکار نہیں کہ اس مہینہ میں انسان کی قسمت خفتہ بیدار ہوئی اور ترقی کی نئی منزل اسی سے شروع ہوئی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس کی عظمت واہمیت کا اظہار جس صورت سے آج مسلمان کرتے ہیں کیا اسی صورت سے اس کی عظمت کا اظہار ہوجاتا ہے اور کیا یہ جائز ہے۔ جہانتک اسلام کی پاک تعلیم کا تعلق ہے وہ سراسر بیجا رسم ورواج کے مٹانے کیلئے آیا ہے جسکا ثبوت نہ ہو۔ جو محض آباؤ واجداد اور غیر قوموں کی کورانہ تقلید کا نتیجہ ہو۔ چنانچہ ایک جگہ نہیں بلکہ سینکڑوں جگہ قرآن مجید میں آباؤ واجداد کی کورانہ تقلید کی مذمت بیان کی گئی ہے اور نہ صرف قرآن ہی میں بلکہ احادیث میں بھی بار بار ہر اس چیز سے روکا گیا ہے جس کا کوئی ثبوت شریعت اور مذہب میں نہ ہو جو محض اپنی خواہشات نفسانی اور دنیاوی غرض کیلئے ایجاد کی گئی ہو۔

بد قسمتی سے وہ مسلمان جو دنیا میں صرف اسلئے آیا تھا کہ صرف خدا اور رسول کا متبع رہ کر دنیا اور دنیا والوں سے توہم پرستی اور ناجائز رسم ورواج اور خلاف شرع امور کو دور کرے آج خود سینکڑوں بدعتوں اور ہزاروں بیجا رسم ورواج کی آہنی زنجیروں میں اپنے کو جکڑے ہوئے ہے۔ کون نہیں جانتا کہ آج مسلمان مذہب کے نام پر ہر اس تحریک اور ہر اس رسم کا گرمجوشی سے استقبال کرتا ہے جسکی ظاہری صورت وشکل اسلامی ہوتی ہے لیکن درحقیقت وہ مذہب وشریعت سے

اتنا ہی دور ہوتی ہے جتنا مشرق مغرب سے۔

یہ جو ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو ہندوستان کے ہر ہر گوشہ میں جشن عید میلاد النبی کے نام سے یادگار منائی جائیگی اور بڑی دھوم دھام سے منائی جائے گی بظاہر کیسی مذہبی اسلامی تحریک معلوم ہوتی ہے چنانچہ آج عام مسلمان عبادت وثواب کا کام جانکر سرگرمی سے اس میں حصہ لیتے ہیں لیکن جہانتک قرآن وحدیث وفقہ سے ثبوت کا تعلق ہے یہ تحریک و رسم بالکل بے ثبوت اور خلاف شرع ہے۔

ذرا غور تو کیجئے کہ آنحضرت کی ولادت کے بعد آپ کی حیات مبارکہ میں بارہا ربیع الاول کا مہینہ آیا - اور اسکی بارہویں تاریخ بھی آئی - لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ آپ نے کسی سال بھی اپنی مبارک زندگی میں اپنا یوم ولادت منایا آپ کے بعد صحابہ کرامؓ کا زمانہ بھی آیا جو آپ کی ہر ہر ادا پر مرمٹنے والے تھے جن کی جاں نثاری وفداکاری کا یہ عالم تھا کہ باپ بیٹے بھائی کے شہید ہوجانے کی خبر بار بار کان میں پڑتی ہے لیکن ہر دفعہ آپ ہی کی خیریت پوچھی جاتی ہے۔

میں بھی اور باپ بھی بیٹا بھی برادر بھی فدا ❊ اے شہ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

پھر کیا صحابہؓ نے باوجود اتنی بے پناہ عقیدت ومحبت رکھتے ہوئے کبھی بھی آپ کا جشن میلاد منایا - خود ائمہ اربعہ میں سے کیا کسی امام نے بھی اپنی زندگی میں مجلس میلاد منعقد کیا - اگر نہیں تو پھر ہمیں کیا حق پہنچتا ہے کہ ہم ربیع الاول کا چاند دیکھتے ہی گھر گھر مجلس میلاد منعقد کریں - آج ہم جس کام کو دینی کام سمجھکر کرتے ہیں یہ درحقیقت آنحضرت کے چھ سو سال بعد کی ایجاد ہے جسے اربل کے بادشاہ نے اپنی شہرت اور نام ونمود کی غرض سے ایجاد کیا تھا - پس سوچو تو سہی کہ جو کام نہ آنحضرت کے زمانہ میں ہوا اور نہ صحابہ وائمہ کے زمانہ میں بلکہ آپ کے چھ سو سال بعد ایجاد کیا گیا ہو وہ بھی فقط اپنی نام وری کیلئے بھلا وہ کام کیسے دینی اور شرعی ہوسکتا ہے بلکہ ایسے ہی کاموں کو جنھیں لوگ اپنی ناواقفیت کی وجہ سے دینی وشرعی کام سمجھکر کرتے ہیں بدعت کہا جاتا ہے پس یہ رسم میلاد جس طرح آج مروج ہے - جب آنحضرت یا آپ کے بعد صحابہ یا ائمہ کسی سے بھی ثابت نہیں تو پھر اس کے بدعت ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے - بدعت کی برائی اور مذمت ایک حدیث میں نہیں بلکہ سینکڑوں حدیثوں میں آئی ہے - پس کیا مسلمانو! تم پر ضروری نہیں کہ تم ہر قسم کی بدعتوں اور بیجا رسم ورواج سے کنارہ کش ہوکر اسی کام کو کرو جسکا خدا اور رسول نے حکم دیا ہو۔

ماہ ربیع الاول اور مسلمانوں کے صحیح فرائض - مسلمانو! ماہ ربیع الاول جیسے بابرکت مہینے کو مجلس میلاد اور عید میلاد النبی کا آڑ لیکر بدعات وخرافات اور بیہودہ اور لغو کاموں میں نہ گذارو کیونکہ وہ ہستی جس کی یادگار منانے کیلئے اور جس کے ساتھ عقیدت ومحبت کا اظہار کرنے کیلئے تم مجلس میلاد منعقد کرتے ہوئے تمہارے ان ریاکارانہ اور غیر مخلصانہ جذبات محبت کی قدر نہیں وہ تم سے یہ نہیں چاہتا کہ تم غیر قوموں کی طرح بے عمل ہوکر سال کے چند مخصوص دنوں میں اس کی تعریف سن لو - بلکہ وہ تم سے عملی قربانی چاہتا ہے وہ چاہتا ہے کہ تم اس کی ہر ہر ادا پر مرمٹو اس کے

باقی صفحہ ۱۰ صفحہ ۹ پر ملاحظہ ہو۔

جذباتِ غم

(از طالب صاحب رحمانی مبارکپوری)

افسوس یہ کیا آج سماں دیکھ رہا ہوں — چھائی ہوئی گلشن پہ خزاں دیکھ رہا ہوں
ہر ذرے کو مصروف فغاں دیکھ رہا ہوں — ماتم کدہ میں سارا جہاں دیکھ رہا ہوں
وہ باغ جہاں صرف بہاروں کا گذر تھا — اف آج اسے نذرِ خزاں دیکھ رہا ہوں
گاتے تھے جو کل لطف و مسرت کے ترانے — اب آج انھیں محوِ فغاں دیکھ رہا ہوں
ہر ذرہ زمیں پر ہی پریشان نہیں ہے — گردوں کو بھی نوحہ گر بیکناں دیکھ رہا ہوں
وہ شیخ محمدؐ جنھیں تھا عشقِ محمدؐ — مصروف پئے سیرِ جناں دیکھ رہا ہوں
یہ کہہ کے ہوا محوِ غم و رنجِ زمانہ — ہوتے ہوئے مذہب کا زیاں دیکھ رہا ہوں
تھا سنت و قرآں کا جو دلدادہ ہمیشہ — اُف اُسکو نگاہوں سے نہاں دیکھ رہا ہوں
آگاہ کیا جس نے حقیقت کی ادا سے — افسوس کہ بند اسکی زباں دیکھ رہا ہوں
تھا ملتِ بیضا کا جو اک مردِ مجاہد — آج اسکے الم میں یہ سماں دیکھ رہا ہوں
کل تک جو رہا رونقِ صد محفلِ عرفاں — ہے ہے اُسے آنکھوں سے نہاں دیکھ رہا ہوں
دنیا میں ہوئیں کفر شکن جس کی ادائیں — اب ایسے موحّد کو کہاں دیکھ رہا ہوں
تھا میکدۂ علم و خطابت کا وہ ساقی — بے کیف سی اب بزمِ جہاں دیکھ رہا ہوں
اللہ جگہ رہنے کو دے باغِ جناں میں — ہر شخص کے یہ وردِ زباں دیکھ رہا ہوں

دنیائے غم و رنج میں طالب سنِ ہجری
"شہید قضا" سے ہے عیاں، دیکھ رہا ہوں
۱۳۹۰ھ

(بقیہ ص۸) ۔ رنگ میں اپنے کو رنگ دو۔ اپنی زندگی کے ہر چھوٹے بڑے کام میں اسی کی ذات کو نمونہ بناؤ۔ تمہارا کوئی کام اسکے بتلائے ہوئے طریقہ کے خلاف نہ ہو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو سمجھ لو کہ تم نے اس کی صحیح یادگار منائی اور ماہ ربیع الاول کی اچھی قدر کی۔ مسلمانو یہ عمل و حرکت کا وقت ہے جشن و یادگار اور رسمی منانے کا زمانہ نہیں ہے۔ خدارا خواب غفلت سے بیدار ہوکر اپنے فرائض کو پہچانو اور ہر قسم کی بیجا رسموں اور لغو باتوں سے کنارہ کش ہوکر میدان عمل اور جدوجہد کی دنیا میں گامزن ہو جاؤ کہ نبی اکرم فداہ ابی و امی کی حیاتِ مبارکہ ہمیں یہی سبق دیتی ہے اور درحقیقت دنیا میں وہی قوم سربلند رہی جس نے عمل کی راہ اختیار کی۔ وہ قوم دنیا سے بہت جلد نیست و نابود ہوگئی جس میں ایثار و عمل کا جذبہ نہ تھا۔ پس اگر عزت و سربلندی کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو آنحضرتؐ و صحابہؓ کی زندگی کو اپنے لئے نمونۂ عمل بناؤ اور دل میں ایثار و عمل کا حقیقی جذبہ پیدا کرو۔ فقط

بغداد یا مدینۃ السلام پر اجمالی نظر

(از مولانا عبد الجلیل صاحب بستوی فاضل رحمانیہ)

محرکات:۔ سرزمینِ شیراز کے حکیم دانا فارسی کے پیغمبرِ سخن مصلح الدین سعدیؒ شیرازی کے مشہور معروف نام سے کون ناواقف ہے؟ آپ مدرسہ نظامیہ بغداد کے آخری دور کے فارغ التحصیل فضلا میں سے ہیں، آپ نے بغداد کے کوثرِ علوم مدرسہ نظامیہ سے علمی سیرابی حاصل کی تھی ؎

مرا در نظامیہ ادرار بود ٭ شب و روز تلقین و تکرار بود

بوستاں کا یہ شعر آپ کے مدرسہ نظامیہ کے تعلیمی زمانے کے مباحث علمیہ، اور مسائل مختلفہ پر گرماگرمی کا پتہ دیتا ہے، فارسی شاعری میں آپ کا شمار صف اول کے لوگوں میں ہوتا ہے نیز آپ کے عربی قصائد بھی قعرِ قلب میں اتر جانے والے ہوتے ہیں۔ میرے اس مضمون کا محرک آپ کا وہ درد انگیز مرثیہ ہے جو زوالِ بغداد پر نہایت سوز و گداز کے ساتھ موصوف نے لکھا ہے مثلاً ؎

نَوَائِبُ دَهْرٍ لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَهَا ٭ وَلَمْ اَرَ عُدْوَانَ السفيه على الحبر

بغداد کے خونین حوادثات کی الم انگیزی کا تذکرہ کرتے ہوئے شیراز کے علامہؒ نے یہ شعر کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ اے کاش جنت نشان بغداد کے تباہ کن حوادثات کے دیکھنے سے قبل ہی میں مر گیا ہوتا اور وحشی غارتگران تاتار کے مظالم دیکھنے سے پہلے ہی فنا ہو گیا ہوتا تو کیا اچھا ہوتا۔ نیز فرماتے ہیں ؎

وَلَيْتَ صِمَاخِي صَمَّ قَبْلَ اسْتِمَاعِهِ ٭ بِهَتْكِ اَسَاتِيرِ الْمَحَارِمِ فِي الْاَسْرِ

کاش دار الخلافہ بغداد کی شاہزادیوں اور گلاب کے پھول جیسی حرم سراؤں کی عزت ریزی کی خبر سننے سے پیشتر میرے کان بہرے ہو گئے ہوتے اور یہ جگر پاش خبر میں نے نہ سنی ہوتی۔ نیز خلیفہ مستعصم باللہ جس کے عہد خلافت میں بغداد کی غارتگری اور بربادی واقع ہوئی اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

اَتَذْكُرُ فِي اَعْلَى الْمَنَابِرِ خُطْبَةً ٭ وَمُسْتَعْصِمُ بِاللهِ لَمْ يَكُ فِي الذِّكْرِ

اے منبر و محراب کے رونق بخشنے والے خطیب، اور اے واعظِ قوم کیا تیرے لئے یہ مناسب ہے کہ تو کوئی خطبہ پڑھے اور بغداد کے مظلوم خلیفہ مستعصم باللہ عباسی کی داستانِ مظلومیت قوم کو نہ سنائے، ہرگز نہیں بلکہ اس داستان غم کو بالالتزام سنایا کر ممکن ہے یہ تازیانہ عبرت خفتہ قوم کو بیدار کر دے اور بہت ممکن ہے اس حادثہ کی یہ مشتعل آگ ان کے دلوں کی بجھی ہوئی انگیٹھیوں کو پھر سے روشن کر دے اور احیاء ملت کیلئے اب سے تیار ہو جائیں" یہ اور اس قسم کے بہت سے اشعار تھے جن کے دیکھتے ہی میرے دل میں یہ تحریک اٹھی کہ اولین فرصت میں اس عنوان پر عدیم الفرصت ہونیکے باوجود ایک مختصر مضمون لکھکر

آپ کو مقاصد وقت پر توجہ دلانا میرا اسلامی فرض ہے۔ دل کے پورے سوز و گداز کے ساتھ میں نے یہ چند سطور قلمبند کئے ہیں اور آپ سے التجا ہے کہ اس مضمون کے ناصحانہ پہلوؤں پر آپ جلد از جلد عمل پیرا ہو جائیں۔ میں نے قارئین کی خاطر عربی اشعار پر اعراب بھی لگا دیئے ہیں تاکہ بہ آسانی آپ پڑھ سکیں۔

تاریخ تعمیر معہ اعتذار:۔ بغداد کے عنوان پر مضمون لکھتے ہوئے ضروری ہے کہ میں اپنی علمی بے مائگی اور قلت معلومات کا بھی اعتراف کرتا چلوں تاکہ اس ناقص مضمون کو دیکھکر کہیں فضائل بغداد اور مدینۃ السلام کے محاسن کے متعلق آپ کو یہ دھوکا نہ لگے کہ جنت نشان بغداد کو اسلام کی تاریخ ماضی میں کوئی اہمیت نہیں حالانکہ واقعہ بالکل اسکے برعکس ہے کون نہیں جانتا کہ سات سو سال تک کی اسلامی تہذیب و تمدن اور ملکی و ملی عروج و ارتقاء کا دامن بغداد ہی کیساتھ جڑا ہوا ہے۔ علم و حکمت کے چشمے پھوٹے ہیں تو بغداد ہی کے منبع سے، اسلام کی ترقی کا جو سیلاب کفر کی شان و شوکت، اور اسکے حشمت و اجلال کو تنکوں کی طرح بہائے گیا تھا وہ بغداد ہی کے بحر مواج میں تو پیدا ہوا تھا۔ بغداد ہی تو ہے جہاں علمی خدمات پر پانی کی طرح سونا بہا دیا جاتا تھا؛ ابوجعفر منصور، ہارون الرشید، مامون اعظم کے تخت شاہی جہاں بچھا کرتے تھے۔ یہی بغداد ہی تو ہے، عباسی خلفاء کی سنہری کشتیاں بغداد ہی کے دجلہ و فرات میں تو تیرتی تھیں، یہی وہ تاریخی شہر ہے جہاں خلفاء عباسیہ کا اسلامی علم سات صدیوں تک لہراتا رہا۔ قصر خلد۔ قصر السلام۔ قصر حسنی اور قصر تاج بھی تو بغداد ہی کے زیب و زینت تھے، اور یہیں پر تو مقتدر باللہ العباسی کی شاہی مجلس منعقد ہوتی تھی، اسی خلیفہ کا تو وہ دربار ہے جس کی آرائش و زیبائش اور شان شاہانہ کو دیکھتے ہی رومن امپائر کی جگمگاتی ہوئی تہذیب کے بھی دیکھنے والے رومی سفیر پر مدہوشی طاری ہو گئی تھی۔ یہی تو وہ مقدس شہر ہے کہ جہاں مدرسہ نظامیہ جیسے عالیشان مدرسے کے ہوتے ہوئے بھی تیس بڑے بڑے کالج موجود تھے۔ الغرض بغداد کی شان و شوکت اور عظمت دیرینہ کا مکمل خاکہ آپ کے سامنے پیش کرنا بہت مشکل ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کا یہ قول "اے یونسؒ کیا تم بغداد گئے ہو؟ یونسؒ نے کہا نہیں۔ امام صاحبؒ نے فرمایا پھر تو تو نے گویا دنیا ہی نہیں دیکھی" عروس البلاد بغداد کی عظمت پر روشن دلیل ہے۔ بغداد کی شان و عظمت کے متعلق اس سے بڑھکر کیا شہادت پیش کی جا سکتی ہے کہ حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی نے تقریباً پانچ ہزار صفحات کی نہایت ضخیم کتاب بغداد کی تاریخ پر تصنیف کر ڈالی ہے جو چودہ جلدوں میں چھپی ہے۔

یہ شہر جسکا آپ نے ایک اجمالی ساخاکہ پڑھا ہے دنیا کے سرسبز خطہ ارضی عراق کی دو حسین نہروں دجلہ و فرات کے دوآبہ کے درمیان دریائے فرات کے مشرق اور دریائے دجلہ کے مغرب میں لب ساحل آباد ہے گویا جنت تجری من تحتہا الانہار کا مکمل مصداق ہے۔ بلاشک و ریب اے سرزمین عراق اور اے بلدۂ طیبہ بغداد تیری خاک کے ذرات میں ہماری سات صدیوں کی تہذیب و تمدن، اور ہمارے علوم و فنون کے خزائن و دفائن چھپے ہوئے ہیں، تیرے تودوں اور ملبوں کے نیچے ہزاروں آفتاب علم و حکمت چھپے ہوئے ہیں لیکن صد حیف کہ ہم نے تیری شاندار تاریخ ماضی سے کوئی دلچسپی نہ لی، اور نہ تیرے وقائع و حوادثات کے

کوئی عبرت حاصل کی۔ یہ شہر جس کی داستانِ غم کو میں نے چھیڑا ہے اس کا سنگِ بنیاد خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے پر سطوت ہاتھوں نے ۱۴۰ھ میں رکھا اور خلافت عباسیہ کی شاہانہ فیاضیوں نے نو سال کی مدت میں اسے پایۂ تکمیل کو پہنچایا اور پورے ۱۴۹ھ میں مکمل ہوا۔ (تاریخ الخلفاء) محمد بن جریرؒ کا قول ہے کہ ۱۳۶ھ میں ابو جعفر منصور کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی گئی اور ۱۴۵ھ سے بغداد کی تعمیر شروع کرایا اور ۱۴۶ھ میں تعمیر ختم ہو گئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف ایک سال میں مکمل ہو گیا۔ مگر یہ قول بغداد کی صرف بعض تعمیرات کے متعلق ہے ورنہ بغداد کے مشہور محلات، ابواب، شہر پناہ، بیت المال، دفاتر، وغیرہ کی تکمیل تقریباً نو سال میں ہوئی ہے جیسا کہ خوارزمی اور ابو جعفر کے اقوال سے ظاہر ہوتا ہے (تاریخ بغداد للخطیب ص۶۶ ج۱)

جس طرح اسے بغداد کہتے ہیں اسی طرح مدینۃ السلام بھی کہتے ہیں، یہ نام خلیفہ ابو جعفر منصور کا رکھا ہوا ہے۔ نیز اس شہر کو زوراء اور دار السلام بھی کہا جاتا ہے، وقت کے مشاہیر صناعوں اور تجربے کار کاریگروں کی خدمات حاصل کی گئیں، چالیس لاکھ آٹھ سو تراسی (۴۰۰۰۸۸۳) دراہم ابو جعفر منصور بانیٔ بغداد نے اپنی تعمیر کے زمانے میں خرچ کیا تھا (حاشیہ تاریخ بغداد ص۶۹ ج۱) چونکہ یہ حقیقت تاریخ کے مسلمات سے ہے کہ بغداد پر پینتیس (۳۵) عباسی خلفاء نے یکے بعد دیگرے خلافت کی۔ جن میں سے اکثر خلفاء نے بغداد کی نہروں، قلعوں، قصروں۔ باغات، مساجد، حمام، مدارس، وغیرہ کی تعمیر میں ہمیشہ اپنے پیشرو خلیفہ سے سبقت لیجانیکی کوشش کی اور برابر نئی تعمیر اور تجدید میں لگے رہے۔ ہارون رشید، مامون اعظم، مقتدر باللہ۔ واثق، معتصم، اور مستعصم باللہ وغیرہ کی زندگی کے واقعات پڑھو تمہیں معلوم ہوگا کہ بغداد کی ابتدائی تعمیر سے لیکر اسے عہد شباب تک پہنچانے کیلئے اربوں روپئے پانی کی طرح بہا دیئے گئے تھے، اگر شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ الحموی الرومی البغدادی مولف معجم البلدان جیسے مشہور جغرافی مورخ کی ایک روایت پر اعتماد کیا جائے تو پھر خدا ہی کو بہتر علم ہے کہ کسقدر زر خطیر بغداد کی تعمیر پر صرف کیا گیا ہوگا۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں قالوا فانفق المنصور علی بغداد ثمانیۃ عشر الف الف دینار الخ" (معجم البلدان ص۲۳۵ ج۲) یعنی ایک کروڑ اسی لاکھ دینار تو بانی اول خلیفہ منصور نے بغداد کی تعمیر پر صرف کیا تھا، دینار چونکہ کم از کم پانچ روپیہ کا ہوتا ہے اس حساب سے تقریباً نو کروڑ روپیہ ہوگا، اب آپ ہی اندازہ لگائیے تمام خلفاء نے کتنا روپیہ صرف کیا ہوگا۔ بغداد کے احوال کا وقائع نگار ششدر رہ جاتا ہے جب یہ دیکھتا ہے کہ اس مقدس شہر میں بارہ ہزار سرائے بارہ ہزار پن چکیاں۔ چوبیس ہزار بازار، آٹھ لاکھ چھوٹے بڑے مدرسے اور مکتبے تھے۔ (الجوائز والصلات ص۲۲۴) نیز تین لاکھ مسجدیں اور ساٹھ ہزار غسل خانے بھی تھے جن میں ہر موسم کے موافق گرم و سرد پانی ہر وقت موجود رہتا تھا، (تاریخ بغداد ص۱۱۷ ج۱) موقعہ نہیں کہ تفصیل سے کسی چیز کی پوری فہرست پیش کی جائے ورنہ دکھلاتا کہ کیسے کیسے کتبخانے، مدارس اور مساجد اس شہر کی زیب و زینت بنی ہوئی تھیں، صرف ایک مسجد کو لو جو جامع رصافہ کے نام سے مشہور ہے اسکی وسعت کا یہ حال تھا کہ بیک وقت ایک لاکھ آدمی اس میں آجاتے تھے (کتاب الجوائز)

ممکن ہے آپ اس اعداد و شمار کو "داستان امیر حمزہ" سمجھ لیں۔ اور اس میں شک بھی نہیں کہ مبالغات سے خالی نہیں مگر جس نے خطیب بغدادی جیسے نامور مورخ کی کتاب "تاریخ بغداد" دیکھی ہوگی اسے کوئی حیرت نہیں ہو سکتی، اور جبکہ خطیب بغدادی نے

صرف ایک خلیفہ کے ایک محل کے شاہی سامانوں کے نام اور اسی محل شاہی کے فرنیچروں کے اجمالی اسما کے گنانے میں پانچ صفحات لکھ ڈالے ہیں تو آپ ہی اندازہ لگائیے کہ تمام خلفاء، جمیع وزراء، امراء اور اہل شہر کا کیا حال رہا ہوگا۔ انہی وجوہات کی بناپر تو شعبہ نے ابوالولید سے کہا تھا" اگر تونے بغداد نہیں دیکھا تو گویا تونے دنیا ہی نہیں دیکھی" انہی محاسن اور خوبیوں کی بناپر تو احمد بن ابی طاہر کہتے ہیں کہ کسی سے پوچھا گیا بغداد کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے تو اس بزرگ نے جواب دیا۔ "تمام دنیا دیہات ہے اور بغداد شہر ہے" اے سرزمین عراق اور اے دریائے دجلہ و فرات کے دوآبہ کی جنت" بغداد" صرف میں ہی تجھکو جنت نہیں کہتا بلکہ مجھ جیسے کتنے لوگوں نے تجھے دنیا کی جنت کہا ہے۔ میں ہی تیرا عاشق نہیں بلکہ بہت سے عشاق ہیں جنھوں نے عشق و محبت اور عقیدت کے پھول تجھ پر برسائے ہیں۔

امام وقت ابن مجاہد مقری کہتے ہیں میں نے ابو عمرو بن العلاء بغدادی رحمہ اللہ کو ان کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا میں نے دریافت کیا بارگاہ الٰہی میں آپ کے ساتھ کیا سلوک ہوا تو جواباً فرمایا کہ "ہوا کیا ایک جنت سے دوسری جنت میں داخل کردیئے گئے" یعنی دنیا کی جنت بغداد میں رہتے تھے اور اب آخرت کی جنت میں داخل کردیئے گئے ہیں۔ فضائل بغداد اور اس کے محاسن پر عمارہ بن عقیل بن بلال بن جریر بن الخطفی کا قصیدہ نہایت بلند پایہ سمجھا جاتا ہے جس کے چند چیدہ اشعار درج ذیل ہیں

أَعَايَنْتَ فِي طُولٍ مِنَ الْأَرْضِ وَالْعَرْضِ ۔۔۔ كَبَغْدَادَ دَارًا إِنَّهَا جَنَّةُ الْأَرْضِ

تَطُولُ بِهَا الْأَعْمَارُ إِنَّ غِذَاءَهَا ۔۔۔ مَرِئٌ وَبَعْضُ الْأَرْضِ أَمْرَءُ مِنْ بَعْضٍ

اگرچہ بغداد کی تعریف میں یہ اشعار اچھے مانے گئے ہیں مگر ابن زریق الکاتب الکوفی کے یہ اشعار بھی کم نہیں ہیں ؎

سَافَرْتُ أَبْغِي لِبَغْدَادٍ وَسَاكِنِهَا ۔۔۔ مِثْلًا قَدِ اخْتَرْتُ شَيْئًا دُونَهُ الْيَاسُ

هَيْهَاتَ بَغْدَادُ وَالدُّنْيَا بِأَجْمَعِهَا ۔۔۔ عِنْدِي وَسُكَّانُ بَغْدَادٍ هُمُ النَّاسُ

پہلے شاعر کے دونوں شعروں کا مطلب یہ ہے "اے مخاطب کیا تونے بغداد جیسا کوئی شہر دنیا کے طول و عرض میں دیکھا ہے؟ بغداد تو جنت ارضی ہے اس کی لطیف اور پاکیزہ ہواؤں سے عمریں بھی دراز ہو جاتی ہیں" دوسرے شاعر کے شعروں کا مطلب یہ ہے۔ شاعر کہتا ہے میں نے دنیا چھان ڈالی تاکہ دیکھوں کیا شہر بغداد اور باشندگان بغداد کی نظیر کہیں ملتی ہے مگر ان کی نظیر پانے سے میں بالکل ناامید ہوگیا بس اے بلدہ طیبہ بغداد، شہر تجھی کو کہا جاسکتا ہے۔ اور انسان کہے جاسکتے ہیں تو تیری ہی خاک پر بسنے والے۔ ہارون الرشید عباسی جب حج بیت اللہ کیلئے بغداد سے چلا ہے تو مقام زرود میں پہنچکر بغداد کو خطاب کرکے اس نے جو شعر پڑھا تھا وہ ہم کو پتہ دیتا ہے کہ خلفاء عباسیہ کے دلوں میں بغداد کے عشق و محبت کے جذبات کسقدر ابھرے ہوئے تھے اور انھیں اس شہر سے کتنی شیفتگی اور عقیدت تھی۔ خلیفہ ہارون نے یہ شعر پڑھا تھا ؎

عَلَى أَهْلِ بَغْدَادَ السَّلَامُ فَإِنَّنِي ۔۔۔ أَزِيدُ بِسَيْرِي عَنْ دِيَارِهِمْ بُعْدًا

یعنی۔ اے اہل بغداد تمہیں سلام پہنچے ہم تو سفر میں جا رہے ہیں۔

محمد بن علی بن خلف البریانی نے جو قصیدہ کہا ہے وہ بھی بغداد کی جاذبیت اور کشش کی مکمل تصویر ہے، اشعار کی جاذبانہ بلندی تو چاہتی ہے کہ مکمل قصیدہ نقل کیا جائے مگر "محدث" کے صفحات پر گنجائش نہیں اسلئے جستہ جستہ اشعار پر اکتفا کیا جاتا ہے اشعار یہ ہیں ؎

فِدًى لَكِ يَا بَغْدَادُ كُلُّ مَدِينَةٍ مِنَ الْأَرْضِ حَتّٰى خِطَّتِيْ وَدِيَارِنَا
فَقَدْ طُفْتُ فِي شَرْقِ الْبِلَادِ وَغَرْبِهَا وَسَيَّرْتُ خَيْلِيْ بَيْنَهَا وَرِكَابِيَا
فَلَمْ أَرَ فِيْهَا مِثْلَ بَغْدَادَ مَنْزِلًا وَلَمْ أَرَ فِيْهَا مِثْلَ دِجْلَةَ وَادِيَا
وَقَائِلَةٍ لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لِبَغْدَادَ لَمْ تَرْحَلْ فَقُلْتُ جَوَابِيَا
يُقِيْمُ الرِّجَالُ الْمُوْسِرُوْنَ بِأَرْضِهِمْ وَتَرْمِي النَّوٰى بِالْمُقْتِرِيْنَ الْمَرَامِيَا

مطلب :- اے بغداد تجھ پر دنیا کے تمام شہر اور میرے وطن و دیار سب فدا ہو جائیں۔ میں نے مشرق و مغرب چھان ڈالا مگر تیرے جیسا شہر اور دجلہ جیسی نہر کہیں نہیں دیکھا۔ بہت سی لائمات (ملامت گر عورتیں) ہیں جو مجھے کہتی ہیں اگر تو بغداد کی محبت اور عشق میں سچا ہے تو یہاں سے کوچ کیوں کرتا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ اغنیا اپنے وطنوں میں رہتے ہیں مگر فقرا، تو سفر پر مجبور ہی ہوتے ہیں" اس قسم کے مدحیہ قصائد دیکھنا چاہیں تو "معجم البلدان یاقوت حموی" یا "تاریخ بغداد للخطیب" دیکھیں۔ ہم بخوف تطویل اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

مدارس وفضلاء بغداد :- مدارس کا ضمنی تذکرہ آچکا ہے۔ ہم چاہتے ہیں یہاں دو مدرسوں کا تذکرہ تفصیل کیساتھ کر دیں ایک مدرسہ نظامیہ، دوسرے مستنصریہ۔ مدرسہ نظامیہ کا سنگ بنیاد نظام الملک طوسی جیسے نامور وزیر جس نے شاہی دربار میں بیس برس وزارت کی ہے۔ کے ہاتھوں نے رکھا تھا۔ ۴۵۷ھ سے اسکی تعمیر شروع کی گئی اور ۴۵۹ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ مشہور مورخ "ایڈورڈ گبن" لکھتا ہے ایک سلطان کے ایک وزیر نے بغداد میں مدرسہ قائم کرنے کیلئے دو لاکھ دینار (دس لاکھ روپیہ) وقف کئے اور پندرہ ہزار دینار سالانہ اس کے اخراجات کیلئے مقرر کیا۔ یعنی تقریباً پچھتر ہزار روپیہ — مورخین لکھتے ہیں اس اسلامی عربی کالج کے افتتاح کے وقت تمام بغداد امنڈ پڑا تھا۔ ندمار، وزرار، علما، فضلا، حکام افیسران، امرا، غربا سب ہی جمع ہوگئے تھے گویا انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ (رسائل شبلی)

عبرت :- بوقت افتتاح نظامیہ قوم کا یہ جوش خروش اور ان کا والہانہ اجتماع اُس دور کے مسلمانوں کی ذہنیت کا پتہ دیتا ہے، تم سچ بتلاؤ ایک مدرسہ کی رسم افتتاح ادا کی جانیوالی ہو اور شہر کے ہر کہہ ومہ، امیر و غریب، عالم و جاہل سب لوگ پروانہ وار جمع ہوگئے ہوں تو کیا اس سے یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ اس دور کی وہ زندہ قوم عاشق علم اور محب حکمت قوم تھی؟ خیر یہ تو ان کا ذکر جمیل تھا جن کی بخشائشوں نے صدیوں تک اسلامیوں ہی کو نہیں بلکہ اسلام اور بانیٔ اسلام کے دشمنوں، یہودیوں اور عیسائیوں، آتش پرستوں اور ملحدوں کی بھی اپنے علم وحکمت کے گہوارے میں پرورش کی تھی، مگر

تم اپنے دلوں کو ٹٹولو، اپنے ایمان کا جائزہ لو، اپنے ادعار اسلامی کو امتحان کی کسوٹی پر پرکھو۔ کیا تمہارے جذبات مردہ نہیں کیا تم دعویٔ عشق اسلام میں جھوٹے نہیں؟ کیا تم میں اٹھانوے فی صدی جاہل نہیں، کیا یہ سچ نہیں کہ ملت کے اکابر فضلاء ایک ایک کرکے اٹھتے جاتے ہیں مگر مستقبل کیلئے تم میں فضلاء پیدا نہیں ہوتے؟ بلغوا عنی ولو آیۃ (الحدیث) پر کیا عمل کیا طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم پر کس حد تک کاربند ہوئے۔

ہماری آواز بہت ممکن ہے ان عیش پرست رؤسا کی جگمگاتی ہوئی کوٹھیوں میں نہ گونج سکے جنکی کوٹھیوں کا طاق اور جن کے طاقوں کا ہر تختہ کتاب مقدس سے خالی ہے، جن کے مکانات کی زینت فلمستان کی مشہور ایکٹرسوں کی جھلکتی ہوئی تصویروں سے ہے نہ کہ خانہ قدس اور جامع دلی کے فوٹوؤں سے، یہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ وہ فریب خوردۂ نفس امراء جو پانچ پانچ لڑکوں کا مدرسہ کھولکر دو دو روپیہ فی طلبہ وظیفہ مقرر کرکے اپنے کو مہتمم اعلیٰ اور حضرت منیجر صاحب یا ناظم صاحب قبلہ لکھوانا پسند کرتے ہیں وہ بھی وقت کی پکار، اور زمانہ کی اقتصار کو دیدہ دانستہ پایۂ تکمیل تک نہ پہنچائینگے، مگر طبقہ عوام الناس کو کس نے اندھا بنادیا، احساس فرضی سے کس نے غافل کردیا، کیوں اتحاد و تنظیم کی روح سے جہالت کی دنیا میں تہلکہ نہیں مچا دیتے، کیوں باہمی تعاون و اشتراک سے ہر ناممکن (عادی) کو ممکن نہیں بنا ڈالتے۔

بیت المال:۔ سالانہ زکوٰۃ و صدقات، مردنی کردنی، چرم قربانی اور خصوصاً صدقۃ الفطر کا ایک معتد بہ حصہ نصف وثلث ہر سال کیوں جمع نہیں کر رکھا جاتا، جائز مستحقین اور مقامی غربا، و مساکین کی خبرگیری کے بعد کیوں ہر شہر ہر قصبہ گاؤں میں بیت المال قائم کرکے کسی معتمد خزانچی اور گاؤں کے چند باوثوق ممبران کی تحویل اور نگرانی میں مذکورہ رقوم جمع نہیں کی جائیں۔ اگر اس پر تمام ہندوستان میں عمل شروع کردیا جائے تو بہت سی مشکلات کا حل نکل آئے لیکن جبتک یہ تحریک عمومی شکل نہ اختیار کرسکے ہر شخص انفرادی طور پر اپنے یہاں یہ کام شروع کرسکتا ہے۔ میں نے اپنی چھوٹی سی بستی میں اس کا دو سال سے اولین تجربہ شروع کیا ہے اس پر جو ہمت افزائی کی گئی اسکے پیش نظر مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ کاش میں نے دس سال پیشتر سے یہ کام شروع کیا ہوتا تو آج کے دن کئی سو روپیہ ہمارے یہاں بیت المال میں جمع ہوتا۔

مستنصریہ:۔ بغداد کا یہ علمی کالج چھ سال کی مدت میں تیار ہوا تھا۔ ۶۲۵ھ سے ۶۳۱ھ تک اسکی تعمیر میں شاہی خزانہ کھلا رہا۔ اے مستنصریہ تیرے ہی لئے سینکڑوں مواضعات وقف تھے اور تیری ہی علمی خدمات پر ساڑھے چار لاکھ روپیہ سالانہ مقرر ہوا تھا۔ اور تیری ہی موج پرور دریائے دجلہ مستنصریہ کا بعض حصہ بنوایا گیا تھا۔ (مبالغہ نہیں) تیری موجیں اسکے نیچے کھیلتی تھیں، اکیسو ساٹھ اونٹوں پر لاد کر تیرے ہی استعمال کیلئے شاہی کتبخانے سے کتابیں آئی تھیں یہ ہی تیرے محاسن ہیں کہ جن کی تباہی پر شیراز کا علامہ گریہ کناں ہے ؎

بَكَتْ جُدْرُ الْمُسْتَنْصِرِيَّةِ نُدْبَةً ۔۔۔ عَلَى الْعُلَمَاءِ الرَّاسِخِيْنَ ذَوِي الْحِجْرِ

مستنصریہ کی دیواریں بھی اپنے فاضل معلمین پر نوحہ خواں ہیں۔

اے نظامیہ اور مستنصریہ، علامہ ابواسحق شیرازی، امام احمد غزالی، تبریزی شارح حماسہ، ابوالحسن فصیحی، ابوالمعالی قطب الدین شافعی، شیخ عمر رشید الدین فرغانی جیسے افاضل تمہاری ہی درسگاہوں کے فاضل مدرسین تھے، اے بغداد تیرے افاضل کا تذکرہ بالاختصار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ابوبکر شاشی، ابومنصور محمد ہروی، ابوالبرکات ہبۃ اللہ بن علی بغدادی، ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی، شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت الحموی البغدادی صاحب معجم، احمد بن یحیی بن جابر البغدادی بلاذری صاحب فتوح البلدان وغیرہ جیسے یگانہ روزگار تیرے ہی علمی آب وہوا کے ممنون منت ہیں۔

ایقاظ:۔ یہ مدارس جن فیاض خلفاء کی سرپرستی میں چل رہے تھے انھوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ افلاطون اور جالینوس، سقراطا اور بقراط کے وہ علمی دفاتر جو روم میں زیر زمین صدیوں سے پڑے تھے انھیں عربی کا جدید جامہ پہنوایا۔ نوبخت، خارج بن جربل، بطریق مسیحی، محمد بن ابراہیم فزاری، یوحنا بن ماسویہ، حنین بن اسحاق، یعقوب کندی، سہل بن ہارون وغیرہ۔ یہ چند اسماء ان افاضل کے گنا دیئے گئے ہیں جو خلفاء بغداد کے سایہ عاطفت میں بیٹھکر سینکڑوں کتابوں کی تنقیح اور عربی ترجمہ کر رہے تھے۔ "بیت الحکمت" کے نام سے بغداد کا مشہور ادارہ تحریر اپنی خدمات کی وجہ سے مشہور ہے کیا اسلاف کے یہ کارنامے ہمارے لئے نمونہ عمل نہیں کیا بغداد کی اس علم پروری کو ہمیں اپنا شمع راہ نہیں بنانا چاہیے، کاش امراء وقت، اعیان قوم، اور طبقہ عوام کو فرض مذہبی کا صحیح احساس ہوتا، سچ بتلاؤ کیا ہزاروں لغو سے لغو مجلسیں تم میں نہیں قائم ہیں، مجلس بزم طرب، مجلس رقص وسرود، مجلس عرس ونیاز، بزم مشاعرہ، مجلس عزا، مجلس میلاد، اسی طرح کی سینکڑوں انجمنیں ہیں، رافضیوں نے مجلس عزا منعقد کی تم نے مجلس میلاد رچایا کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ قرن اولیٰ کے مسلمانوں سے بڑھکر کسی کے دل میں آنحضور علیہ السلام کی محبت ہو سکتی ہے مگر صحابہؓ کے مقدس گروہ نے کبھی مجلس میلاد تاریخ اور ماہ کی تعیین کے ساتھ اس خاص نوعیت پر نہیں منعقد کیا، تابعین کرام، ائمہ عظام نے کبھی اسکی تعلیم نہیں دی پھر تم کیوں کرتے ہو۔ یہ زمانہ سعی وعمل کا ہے، عمل وحرکت سے زندگی کی اصلاح کی جا سکتی ہے۔ قیل وقال سے کچھ نہیں بنتا۔ ان نمائشوں کو چھوڑکر آپ کے عمل کو نمونہ بناؤ۔ اے میری قوم کے دولتمندو! آج ابولہب ابوجہل کی اولاد کرشن اور گوتم بدھ کے پیرو، مسلیمہ اور باب اللہ بھائی کی امت تم سے زیادہ بیدار اور سرگرم عمل ہے۔ تم میں کوئی مرکزی ادارہ تحریر، تفسیر وتراجم کا مرکزی دفتر، کیوں نہیں۔ محمد علیہ السلام کی سیرت پاک پر چند کتابوں کے علاوہ کونسی مستند اور معقول کتاب تم نے شائع کی، قرآن اور احادیث کی کیا جماعتی اور نمایاں خدمت کی گئی، ہماری جماعت مردہ ہو چکی ہے، ان کے قلوب سرد ہو گئے ہیں کاش ہماری تحریر کی یہ چند چنگاریاں ان کے دلوں کو گرما دیں۔

زوال بغداد:۔ منگولیوں کا وہ فتنہ جس نے جیحون سے لیکر دجلہ تک کی شش صد سالہ اسلامی تہذیب وتمدن کو آگ لگا دیا تاریخ اسلام کا ہولناک فتنہ ہے۔ بقول مورخ ابن اثیر، اہل دنیا پر ایسا عذاب کبھی نہیں آیا۔ بخت نصر کے مظالم کو لوگ بھول گئے۔ وقت کے بہت سے علماء نے کہا یاجوج ماجوج کا موعودہ فتنہ یہی ہے ۶۵۶ھ مطابق

۱۲۵۸ء کا سال تھا کہ ہلاکو خاں تاتاری نے ایک لاکھ فوج کے ساتھ بغداد پر چڑھائی کی۔ مختصر یہ کہ خلیفہ مستعصم باللہ کی فوج شکست کھا گئی۔ ۱ محرم کو یہ تاتاری درندے بغداد میں داخل ہوئے اور برابر چالیس دن تک بلا امتیاز اہل بغداد کے سر قلم کئے جاتے رہے۔ اور لاکھوں سے زیادہ آدمی قتل کر دیئے گئے (الجوائن) سعدی شیرازی کے دردناک لفظوں میں ؎

خونِ فرزندانِ عمِ مصطفےٰ شد ریختہ ہم براں خاکے کہ سلطانان نہادندے جبیں

قتل و خونریزی کی ہولناکی سعدیؒ مخدوم ہی کے پُردرد لفظوں میں یوں بھی سن سکتے ہیں ؎

وَقَفْتُ بِعَبَّادَانَ اَرْقُبُ دِجْلَۃً كَمِثْلِ دَمٍ قَانٍ تَسِيْلُ اِلَی الْبَحْرِ

میں نے دجلہ کو دیکھا سرخ خون کی طرح اسکا پانی بہ رہا تھا۔ اس حملے سے عربی خلافت کا بالکلیہ خاتمہ ہوگیا۔

سبب زوال۔ اسلام کی تاریخ کا یہ دردناک واقعہ کبھی نہیں فراموش کیا جاسکتا کہ یہ سب بربادیاں آپس کی فرقہ بندی۔ مذہبی گروہ بندی۔ حنفی، شافعی، شیعہ، سنی، نزاع کی وجہ سے نازل ہوئی تھیں۔ بلکہ پوری جرأت کے ساتھ میں کہہ سکتا ہوں کہ بغداد کی تباہی و بربادی کا پہلا دروازہ حنفیوں نے کھولا تھا۔ تاریخ کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ چنگیز خاں نے اگرچہ خوارزم تک مسخر کرلیا تھا مگر آگے قدم بڑھانے کی جرأت نہ کرسکا۔ اس کے بعد ہلاکو خاں بھی اسلامی خلافت کی طرف ترچھی نظر دیکھنے سے بھی ڈرتا تھا مگر شومئی قسمت سے خراسان کے حنفیوں اور شافعیوں میں مذہبی جنگ چھڑی یہانتک کہ شہر طوس کے حنفیوں نے شافعیوں کی مخالفت میں ہلاکو خاں کو حملہ کی دعوت دی اور طوس کا دروازہ خود اپنے ہاتھوں کھولدیا۔ آخرش تاتاری آئے۔ مگر نہ کوئی حنفی زندہ رہا نہ شافعی سب قتل کر دیئے گئے۔ اب بغداد پر یورش کا راستہ کھل گیا اور تاتاری گویا بغداد کے دروازے پہ پہنچ گئے لیکن پھر بھی عباسی خلفاء کا جاہ و جلال ہلاکو خاں کو بغداد پر حملہ کرنے سے مانع تھا مگر آہ اسی دوران میں خلیفہ بغداد کے غدار وزیر ابن العلقمی نے ہلاکو خاں کو بغداد پر حملہ آور ہونیکی دعوت دی اور آخرکار بغداد کی آخری شامت نے ہمیشہ کیلئے بغداد کی رونق کا خاتمہ کردیا۔ انا للہ الخ

کیا ہمارا فرض نہیں کہ تمام گروہ بندیوں کو ترک کرکے صرف قرآن و حدیث کے ہو رہیں۔ دنیا کا یہ پُررونق شہر جس کے مدارس، مساجد، حمام، مسافر خانوں کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں آپ خود ہی بتلائیے وہاں کتنے لاکھ آدمی رہتے رہے ہونگے۔ حسب روایت خطیب تین لاکھ مساجد ہیں کم ازکم پندرہ لاکھ ضروری خدام و ملازمین اور ساٹھ ہزار حماموں میں ضروری خدمتگاران تین لاکھ کے قریب رہا کرتے تھے۔ اسی طرح تمام محکموں اور شعبوں کو لے لیجئے اور اندازہ لگائیے کتنی آبادی رہتی ہوگی مگر واحسرتا۔ حنفی، شافعی، شیعہ، سنی نزاع کی وجہ سے یہ شہر تباہ ہوگیا اور اسوقت دنیا کے عام چھوٹے شہروں کی طرح بغداد بھی ایک معمولی سے شہر کی حیثیت رکھتا ہے جسکی آبادی دو پونے دو لاکھ آدمیوں کی ہے گو یا دلی جیسے شہر کا تقریباً چھٹا حصہ۔ یہ شہر عراق گورنمنٹ کے ماتحت ہے جسکے والی امیر عبداللہ ہیں۔ اس مضمون کے بہت سے ضروری مباحث رہ گئے ہیں لیکن بعض عوائق کی بنا پر اس شعر پر مضمون ختم کر رہا ہوں ؎ وذا انبذة من ابحر العلم فاعتبر + وغامضها ل

آنحضورؐ کی عملی زندگی

(از مولوی محمد اسید صاحب آسد کھرایاں دربھنگوی متعلم جامعہ رحمانیہ)

لوگ اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ دنیا میں چکنی چپڑی باتوں، مفید اور کارآمد نصیحتوں اور بہتر سے بہتر تعلیموں کی کمی نہیں، ہاں کمی جس چیز کی ہے وہ عمل اور کام ہے، موجودہ ادیان کے بانیوں کی سیرتوں کی تمام کتب و تواریخ مطالعہ کرجاؤ اس میں دلچسپ باتیں ملیں گی۔ دل مضطر کو مسرور کرنے والی حکایتیں دیکھنے میں آئیں گی، خطیبانہ بلند آرائیاں اور تقریر کا زور و شور فصاحت و بلاغت کا منظر دیکھنے میں آئیگا، موثر تمثیلیں اور ظاہری گریہ و بکا تھوڑی دیر کیلئے قلب کو متحرک کردینگی مگر جو چیز نظر نہ آئے گی وہ عمل، کام، اور اپنے بتائے ہوئے احکام و نصائح آپ برت کر دکھانا ہے۔

آپؐ کے اخلاق:۔ دوستو! کلام پاک کے علاوہ اور کس مذہب کی کتاب نے اپنے شارعوں کے بارے میں یہ کھلی شہادت دی ہے کہ وہ اپنے عمل کے اعتبار سے بھی بدرجہا اتم اور بلند انسان تھا۔ لیکن کلام الٰہی نے صاف کہا اور دوست دشمن کے اژدہام میں علی الاعلان کہا۔ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ۝ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝ (قلم) ترجمہ۔ اے محمدؐ یقیناً آپ کا اجر غیر منتہی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ اعلیٰ ترین اخلاق والے ہیں۔ اس آیت کے دو جز میں پہلی میں آپ کے اجر کے نہ ختم ہونے کا دعویٰ ہے اور دوسرے میں آپ کے اخلاق کو دلیل میں پیش کیا گیا ہے کہ آپ کے اخلاق و اعمال خود اس بات پر شاہد ہیں کہ آپ کا اجر نہ ختم ہو۔

تم نے حریفوں کو پیار کرنے کی نصیحت بارہا سنی ہوگی۔ لیکن اس کا عملی منظر نہیں دیکھا ہوگا۔ آؤ مدینہ کی سرکار میں میں تم کو اس کا عملی نقشہ دکھاؤں۔

ابو سفیان کون ہے وہی ابو سفیان جو بدر، احد، خندق وغیرہ لڑائیوں کا افسر تھا جس نے بہت سے مسلمانوں کو تہ تیغ کیا تھا جس نے کئی مرتبہ ذات اقدس کے قتل کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ جو ہر موقع پر اسلام کا سخت ترین دشمن ثابت ہوا۔ لیکن فتح مکہ سے قبل جب حضرت عباسؓ کے ہمراہ دربار اقدس میں حاضر ہوا۔ تو گو اس کا ہر جرم اس کے قتل کا مشورہ دیتا ہے مگر پیکر رحمت ابو سفیان سے یوں ہم کلام ہوتا ہے۔ یہ ذر کا مقام نہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انتقام کے جذبہ سے بلند تر ہیں پھر حضور نہ صرف اس سے درگذر فرماتے ہیں بلکہ یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں، من دخل دار ابی سفیان کان امناً (جو ابو سفیان کے گھر میں چلا جائیگا وہ امن میں رہیگا)

حضرت حمزہؓ کا قاتل (وحشی بن حرب) فتح طائف کے بعد کہیں فرار ہو جاتا ہے جب وہ مقام بھی قبضہ میں آجاتا ہے تو کوئی دوسری جائے پناہ نہیں ملتی، لوگ کہتے ہیں وحشی تم نے ابھی محمدؐ کو پہچانا نہیں۔ تمہارے لئے خود آستانۂ محمدؐ سے

بڑھکر کوئی دوسری جائے امن نہیں۔ وحشی حاضر ہوتا ہے حضور دیکھتے ہی آنکھیں پست کر لیتے ہیں۔ جاں نثار چچا کی شہادت کا منظر سامنے آجاتا ہے۔ آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، قاتل سامنے موجود ہے مگر صرف یہ کلمہ منہ پر آتا ہے " وحشی! کیا یہ تم سے ہو سکتا ہے کہ تم میرے سامنے نہ ہوا کرو؟

غزوۂ نجد سے واپسی کے وقت آپ تنہا ایک درخت کے سایہ میں آرام فرمارہے ہیں دوپہر کا وقت ہے پسینہ میں غرق ہیں تلوار مبارک درخت سے لٹک رہی ہے صحابہ ادھر ادھر درختوں کا سایہ لے رہے ہیں۔ ایک بدو ثمامہ نامی اسوقت سیدھا آپ کے پاس آتا ہے درخت سے آپ کی تلوار اتار کر نیام سے باہر نکال لیتا ہے کہ حضور نیند سے بیدار ہو جاتے ہیں وہ تلوار کو حرکت دیکر دریافت کرتا ہے مَنْ یُّنْجِیْکَ مِنِّیْ یَا مُحَمَّدُ (اے محمد اسوقت تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟) آپ نہایت اطمینان سے جواب دیتے ہیں اللہ۔ اس غیر متوقع جواب کو سنکر وہ مرعوب ہو جاتا ہے اور تلوار اس کے ہاتھ سے زمین پر گر جاتی ہے آپ فوراً اٹھا کر فرماتے ہیں۔ مَنْ یُّنْجِیْکَ مِنِّیْ یَا ثُمَامَہ (اب تمہیں مجھ سے کون بچائیگا اے ثمامہ!) وہ آپ کے عفو و حلم کو جواب میں پیش کرتا ہے پھر آپ اس سے کوئی تعرض نہیں فرماتے۔

لوگو! طائف کو جانتے ہو وہ طائف جس نے مکہ کے دور مظالم میں آپ کو پناہ نہیں دی، جس نے آپ کی بات بھی سننی نہیں چاہی۔ جہاں کے سردار عبد یالیل بن عمر کے رشتہ داروں نے آپ کا مذاق اڑایا۔ چھوٹے چھوٹے لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا، شہر کے اوباشوں نے آپ کے پیچھے تالیاں بجانی شروع کیں اور پتھر برسانے شروع کئے۔ یہاں تک کہ زخمی ہو گئے جوتیاں خون سے لبریز ہو گئیں۔ جب آپ پریشان ہو کر آرام فرمانے لگتے تو یہ شریر آپ کا بازو پکڑ کر اٹھا دیتے، جب آپ چلنے لگتے تو پھر پتھر کی بوچھاڑ کر دیتے آنحضرتؐ کو اس دن اسقدر تکلیفیں اٹھانی پڑیں کہ نو برس گذر جانے کے بعد حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ اثنائے تبلیغ میں سب سے سخت دن آپ پر کون آیا ہے تو آپ نے اسی طائف کا نام لیا۔ ۸ھ میں مسلمانوں کی فوج اسی طائف کا محاصرہ کرتی ہے۔ کئی دنوں تک محاصرہ جاری رہتا ہے۔ قلعہ فتح نہیں ہوتا کتنے مسلمان شہید ہوتے ہیں آپ واپسی کا ارادہ کرتے۔ مسلمانوں کی جرار فوج نہیں مانتی۔ طائف پر بددعا کی درخواست کرتے ہیں آپ کا دست مبارک اٹھتا ہے مگر کیا فرماتے ہیں خداوندا اہل طائف کو راہ راست پر لا۔ اور اسکو اسلام کے آستانہ پر جھکا۔ مسلمانو یہ کس شہر کے حق میں دعائے خیر ہے وہی شہر جس نے آپ پر پتھر برسائے تھے۔ آپ کو خون سے شرابور کیا تھا آپ کو پناہ دینے سے انکار کیا تھا۔

ہندا بو سفیان کی بیوی، وہ ہند جو معرکۂ احد میں اپنی سہیلیوں کے ہمراہ اپنے گانے سے قریش کے لشکروں کی ہمت بڑھاتی ہے، جو آپ کے عزیز ترین چچا حضرت حمزہؓ کی لاش کے ساتھ بے ادبی کرتی ہے ان کے سینہ مبارک کو شق کرتی ہے، ان کے ناک کان کاٹ کر اپنا طوق بناتی ہے، کلیجہ نکال کر چباتی ہے جنگ کے اختتام میں حضورؐ اس سانحہ کو دیکھکر لرز جاتے ہیں، وہ فتح مکہ کے روز نقاب پوش سامنے آتی ہے اور یہاں بھی گستاخانہ حرکت سے باز نہیں آتی، لیکن حضورؐ پھر بھی

کوئی عتاب نہیں فرماتے، حتیٰ کہ یہ بھی دریافت نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا؟ رحمت عالم کی اس معجزانہ مثال کو دیکھکر پکار اٹھتی ہے۔ اے محمدؐ آج سے پہلے تمہارے دربار سے زیادہ مبغوض میرے نزدیک کوئی دربار نہ تھا، لیکن آج تمہارے دربار سے بڑھکر کوئی دربار محبوب نہیں،

ہبار بن اسود وہ شخص ہے جو ایک حیثیت سے آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا قاتل ہے۔ علاوہ ازیں اور بھی کئی شرارتوں کا ارتکاب کرچکا ہے فتح مکہ کے موقع پر اس کو قتل کی اجازت دیدیجاتی ہے۔ وہ ارادہ کرتا ہے کہ بھاگ کر ایران چلا جائے۔ لیکن کچھ تفکر کے بعد دربار نبوی میں حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے میں بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا تھا لیکن پھر مجھے حضورؐ کا رحم و کرم حلم و عفو خیال آیا، میں حاضر ہوں۔ میری شرارتوں کی جو اطلاعیں آپ تک موصول ہوئی ہیں وہ سب درست ہیں۔ اتنا سنتے ہی آپ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور دوست و دشمن کا فرق سامنے سے محو ہوجاتا ہے۔

قریش اعلان شائع ہوتا ہے کہ جو محمدؐ کا سر کاٹ کر لائیگا اس کو سو اونٹ انعام دئیے جائیں گے۔ سراقہ اس انعام کے حصول میں مسلح ہو کر آپ کے پیچھے گھوڑا اڑاتا ہے جب وہ قریب پہنچتا ہے حضرت صدیقؓ گھبرا جاتے ہیں۔ اور حضورؐ دست بدعا ہوتے ہیں جس کے اثر سے تین دفعہ گھوڑے کے پاؤں دھنس جاتے ہیں۔ سراقہ تیر دکھاتا ہے۔ ہر مرتبہ صدا آتی ہے کہ تمہاری سعی بیکار ہے۔ سراقہ واپسی کا ارادہ کرلیتا ہے، حضورؐ کو آواز دیکر امن کی درخواست کرتا ہے، کہ جب آپ کو خدا قریش پر غلبہ دے تو مجھ پر کچھ عتاب نازل نہ ہو۔ آپ اس کی درخواست قبول کرلیتے ہیں۔ فتح مکہ کے بعد یہ بھی نہیں پوچھتے کہ سراقہ تمہارے اس دن کی خطار کی کیا سزا ہو۔

ایک یہودی عالم نے جب حضورؐ کو تقاضائے قرض میں اسقدر تنگ کیا کہ ظہر کی نماز سے لیکر فجر تک آپ کا ساتھ نہ چھوڑا تو صحابہؓ نے اس کو سخت دھمکیاں دیں، لیکن آپ نے فرمایا خدا نے مجھے کسی ذمی پر ظلم کرنے کی اجازت نہیں دی ہے دن چڑھا تو زیور اسلام سے مزین ہوگیا اور کہا کہ شطر مالی فی سبیل اللہ میرا نصف مال خدا کی راہ میں صدقہ ہے اس سختی سے میرا صرف یہ مقصد تھا کہ توراۃ میں آپ کے جو اوصاف مذکور ہیں ان کا تجربہ کروں۔

آپ خیبر جاتے ہیں وہاں لڑائیاں ہوتی ہیں شہر قبضہ میں آتا ہے ایک یہودیہ دعوت دیتی ہے آپ بلا پس و پیش قبول کرلیتے ہیں یہودیہ جو گوشت پیش کرتی ہے اس میں زہر ملا ہوتا ہے آپ گوشت کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہیں کہ آپ کو اس شرارت کی اطلاع ہوجاتی ہے، یہودیہ بلائی جاتی ہے وہ اپنے قصور کا اعتراف کرتی ہے۔ لیکن عفو عام کے دربار سے اس کو کوئی سزا نہیں ملتی۔ حالانکہ اس زہر کا اثر آپ کو اسکے بعد عمر بھر محسوس ہوتا رہا۔

بعث رسول اللہ خیلا قبل نجد فجاءت برجل من بنی حنیفة یقال لہ ثمامہ بن اثال فربطوہ بساریة فخرج الیہ رسول اللہ فقال ماذا عندک یا ثمامہ قال عندی یا محمد خیر ان تقتل تقتل ذا دم وان تنعم تنعم علی شاکر و ان کنت ترید المال فسل تعط منہ ما شئت فترکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث (مسلم) یعنی ثمامہ بن اثال

قید ہو کر آئے تھے لیکن جب آپ نے ان کو بلا شرط و بلا معاوضہ رہا کر دیا تو انھوں نے فوراً کلمہ توحید پڑھکر اسلام قبول کر لیا اور ان کا دل اسلام، والی اسلام اور مدینۃ السلام کی محبت سے معمور ہو گیا۔

مکہ جب فتح ہوا تو حرم کے صحن میں آپ نے خطبہ دیا پھر خطبہ ختم ہونے کے بعد آپ نے مجمع پر نظر ڈالی تو جباران قریش مفتوحانہ کھڑے تھے ان میں وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں، وہ بھی تھے جن کی تیغ وسنان نے پیکر قدسی کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں، وہ بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے، وہ بھی تھے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے جنھوں نے آپ پر پتھر پھینکے تھے وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت حضورؐ کی ایڑیوں کو لہولہان کر دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ کو جھٹلایا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ کی ہجو کیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جنھوں نے آپ کے عزیزوں کا خون ناحق کیا تھا، ان کے سینے چاک کئے تھے، اور ان کے دل وجگر کے ٹکڑے کئے تھے وہ بھی تھے جو غریب مسلمانوں کو ستاتے تھے ان کے سینوں پر اپنی جفاکاری کی آتشیں مہریں لگاتے تھے۔ ان کو جلتی ریتوں اور پتھروں پر لٹاتے تھے، دہکتے ہوئے انگاروں سے ان کے بدن کو داغتے تھے، آج یہ سب مجرم سرنگوں سامنے تھے، پیچھے دس ہزار خون آشام تلواریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اشارہ کی منتظر تھیں۔ دفعۃً زبان مبارک گویا ہوتی ہے، قریش! بتاؤ آج میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کروں، یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے، بیرحم تھے، لیکن مزاج شناس تھے چیخ اٹھے کہ اَنْتَ اَخٌ کَرِیْمٌ وَابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ تو ہمارا شریف بھائی اور شریف بھتیجا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے آج میں وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے ظالم بھائیوں سے کہا تھا لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں اِذْھَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔ کفار مکہ نے تمام مہاجرین کے مکانات پر قبضہ کر لیا تھا اب وہ موقع تھا کہ انکو انکے حقوق دلائے جاتے لیکن آپ نے مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنی مملوکات سے دست بردار ہو جائیں۔

رؤسائے عرب میں دس شخص تھے جو قریش کے سرتاج تھے ان میں صفوان بن امیہ جدہ بھاگ گئے۔ عمیر بن وہب نے آنحضرت کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ رئیس عرب مکہ سے جلاوطن ہوا جاتا ہے آپ نے علامت امان کے طور پر اپنا عمامہ عنایت فرمایا، عمیر جدہ جا کر ان کو واپس لائے یہ حنین کے معرکہ تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے۔

یہ تھے حضورؐ کے اخلاق جس کو میں نے مختصراً تحریر کیا ہے۔ اگر تفصیل سے بیان کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ انہی تمام واقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے قرآن نے کہا۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنْتَ لَھُمْ وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ الآیہ (آل عمران ۱۷) اے محمد خدا کے فضل وکرم سے آپ نرم دل واقع ہوئے ہیں اگر کج اخلاق ہوتے تو یہ لوگ آپ کے گرد پھٹکتے بھی نہیں۔"

(باقی آئندہ)

فتاوی

[سو]ال - (۱) صدقہ فطر اور قربانی کے چمڑے یا زکوٰۃ کا مال مسجد پر خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں مثلاً لیپنا تھوپنا یا اس میں روشنی کرنا یا اطراف مسجد کی دیواروں کی مرمت کرنا وغیرہ
(۲) لوگ کہتے ہیں کہ بیعت کرنا سنت ہے کیا یہ صحیح ہے ؟
(۳) صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ بغیر بیعت امام کے جو موت آئے وہ جاہلیت کی موت ہے اس امام سے کونسا امام مراد ہے ؟
(۴) یہاں پر یہ کہاوت مشہور ہے کہ کوڑھی (یعنی جس کے جسم پر سفیدی آگئی ہو) مرنے کے بعد سڑتا گلتا نہیں اور اس کے ناخن [اور ب]ال بڑھتے جاتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے۔
(۵) ایک عورت نیک بخت لئے پارسا ہے صوم وصلوٰۃ کی پابند ہے لیکن اسکا خاوند بے نمازی اور نشہ آور چیزوں کا عادی ہے۔ ایسے خاوند [کے] ساتھ عورت اپنی عمر گذارتی ہے کیا اس عورت کی عبادت قیامت میں اسکے کام آئیگی۔
(۶) صبح کی نماز میں دعا قنوت میں قرآنی دعاؤں کو مثلاً ربنا آتنا وغیرہ پڑھنا جائز ہے یا ناجائز ؟

عبدالرحیم مدرس وپیش امام مسجد اہلحدیث ہرنیالی

جواب :- (۱) چرم قربانی کی قیمت اور صدقہ فطر مسجد کی تعمیر یا اس کی اصلاح ومرمت میں صرف کرنا جائز [نہ]یں ہے۔ چرم قربانی کا مصرف فقراء ومساکین ہیں (بخاری وغیرہ) البتہ قربانی کرنے والا چمڑے سے بغیر فروخت کئے [اپ]نے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ صدقہ فطر اور زکوٰۃ کے مصارف ایک ہیں جو قرآن کریم کی آیت ۶۱ سورہ ۹ میں بالتفصیل [مذک]ور ہیں اور مسجد زکوٰۃ کے مصارف ثمانیہ میں سے نہیں ہے۔

(۲) کسی متقی متورع متدین عالم سے جو بیعت کرنے کو ذریعہ معاش نہ بنائے بیعت ہونا یعنی اسکے ہاتھ پر توبہ کرنا اور عمل [ص]الح کی پابندی کا عہد کرنا جائز اور مباح ہے کما یدل علیہ حدیث عبادۃ بن الصامتؓ المروی فی الصحیحین فان [ال]نبی صلی اللہ علیہ وسلم قد بایع الصحابۃ علی الامور التی ذکرت فی الحدیث الذی اشرنا الیہ بعد فتح مکۃ علی ما حققہ [الح]افظ فی شرح کتاب الایمان من صحیح الامام البخاری وکما یدل علیہ حدیث عوف بن مالک الاشجعی قال کنا عند [ر]سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال الا تبایعون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرددھا ثلث مرات فقدمنا [ا]یدینا فبایعناہ فقلنا یا رسول اللہ بایعناک فعلی م قال علی ان تعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا والصلوات الخمس [وا]سر کلمۃ خفیۃ ان لا تسئلوا الناس شیئا (نسائی ملخصا)

(۳) اس امام سے مراد وہ شخص ہے جو صاحب حکومت ہو، اجرائے حدود شرعیہ کی قوت رکھتا ہو۔ مسلمانوں کے ملکی

سیاسی و مذہبی امور کا ذمہ دار ہو اور غیر مسلم حکومت کا محکوم و تابع نہ ہو ارشاد ہے انما الامام جنۃ یقاتل من ورائہ و یتقی بہ
(۴) یہ کہاوت غلط اور بے اصل ہے ہاں صحیح حدیثوں سے انبیاء کرام کے متعلق ثابت ہے کہ انکا جسم اطہر محفوظ رہتا ہے والحق ابن عبد البر بہم الشہداء والقرطبی المؤذن المحتسب ولم ادغیرہ الصدیقین والعلماء الحاملین وحامل القرآن العامل بہ والمرابط والمیت بالطاعون صابرا محتسبا والمکثر من ذکر اللہ والمحبین لہ فتلک عشرۃ کاملۃ (زرقانی علی الموطا)

(۵) اگر عورت شوہر کے فعل بد کو برا سمجھتی ہے اور اسکو حسب موقع سمجھاتی رہتی ہے تو شوہر کے ساتھ زندگی گذارنے سے اسکے اپنے اعمال حسنہ پر کوئی اثر نہیں پڑیگا۔ اور اسکی عبادت قیامت میں بلاشبہ کام آئیگی من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ لا تزر وازرۃ وزر اخری۔ عورت معذور ہے اسلئے اس سے مواخذہ نہیں ہوگا۔ ہاں اگر عورت ایسے شوہر کے ساتھ زندگی گزارنے کو ناپسند کرتی ہے اور اصلاح کی کوئی امید نہیں رکھتی تو اس سے رہائی پانے کی دعا کرتی رہے وضرب اللہ مثلا للذین آمنوا امراءۃ فرعون اذ قالت رب ابن لی عندک بیتا فی الجنۃ ونجنی من فرعون وعملہ ونجنی من القوم الظالمین (قرآن کریم)

(۶) فجر کی نماز میں قنوت پر بلا ناغہ مداومت نہیں کرنی چاہئے۔ اللھم اھدنا فیمن ھدیت کے ساتھ یا اس کے بغیر یہ دعا بھی پڑھنی مناسب ہے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَاَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِھِمْ وَانْصُرْھُمْ عَلٰی عَدُوِّکَ وَعَدُوِّھِمْ اَللّٰھُمَّ الْعَنْ کَفَرَۃَ اَھْلِ الْکِتَابِ الَّذِیْنَ یُکَذِّبُوْنَ رُسُلَکَ وَیُقَاتِلُوْنَ اَوْلِیَاءَکَ اَللّٰھُمَّ خَالِفْ بَیْنَ کَلِمَتِھِمْ وَزَلْزِلْ اَقْدَامَھُمْ وَاَنْزِلْ بِھِمْ بَاْسَکَ الَّذِیْ لَا یُرَدُّ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ۝ قنوت میں قرآنی دعا بھی پڑھی جاسکتی ہے کہ حنفیہ قنوت وتر میں مصحف ابی کے مطابق سورۃ الحفد و سورۃ الخلع پڑھنے کے مدعی و قائل ہیں۔

LIBRARY DELHI

دو باتیں یاد رکھئے!

(۱) ہم کو ڈاکخانے کی طرف سے اطلاع دی گئی ہے کہ اب صرف وہی رسالہ (محدث) ایک پیسے کے ٹکٹ میں جا سکیگا جو انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو بھیجا جائے۔ اسکے بعد کسی تاریخ میں جو رسالہ بھیجا جائیگا اس پر تین پیسے کا ٹکٹ لگانا پڑیگا۔ ظاہر ہے کہ محدث جیسا بلا قیمت رسالہ یہ تاوان برداشت نہیں کر سکتا۔ اسلئے جو صاحب درمیان میں کوئی رسالہ منگانا چاہیں وہ یاد رکھیں کہ ان کے پاس آئندہ مہینے کی پہلی تاریخ کو رسالہ بھیجا جائیگا اس سے پہلے وہ انتظار نہ کریں۔

(۲) اگر دفتر سے کسی بات کا جواب آپ چاہتے ہوں تو جوابی کارڈ یا ٹکٹ ضرور بھیجئے، ورنہ جواب کا انتظار ہرگز نہ کیجئے۔

(منیجر)

GD. L. No. 3204.

روح اخبار

—— مختلف ممالک کی فی کس سالانہ آمدنی یہ ہے۔ برطانیہ ۵۰۷ روپے۔ آسٹریا ۸۱۰ روپے۔ کینیڈا ۱۰۰ ۶ روپے۔ فرانس ۵۷۰ روپے۔ جرمنی ۴۵۰ روپے۔ اٹلی ۳۷۵ روپے۔ جاپان ۹۰ روپے۔ ہندوستان ۳۶ روپے (تیج و کیل ۲۵ ہم)

—— اکبر بادشاہ کے زمانہ میں چاولوں کا نرخ ۸ ر فی من تھا۔ (تیج)

—— ممبر مالیات نے مرکزی اسمبلی میں جنگ کے دوسرے سال کا بجٹ پیش کرتے ہوئے ہندوستان کے اخراجات کو پورا کرنے کے سلسلے میں ۶ کروڑ ۶۱ لاکھ روپے کے مزید ٹیکس لگائے۔ آپ نے زائد منافع ٹیکس سپر ٹیکس میں اضافہ کرنیکا اعلان کیا۔ ماچس پر ڈیوٹی ڈبل کردی، اور نقلی ریشم اور سائیکلوں کے ٹائر ٹیوب پر ٹیکس کا اعلان کیا۔ آپ نے کہا کہ ۴۱-۱۹۴۰ء میں ۸ کروڑ ۲۴ لاکھ روپے کا گھاٹا آیا۔ اور ۴۲-۱۹۴۱ء میں اندازاً ۲۰ کروڑ ۴۶ لاکھ روپے کا گھاٹا آئیگا۔ اس گھاٹے کو پورا کرنیکے لئے ۶ کروڑ ۶۱ لاکھ روپے کے نئے ٹیکس لگائے گئے ہیں۔ اور باقی ۱۳ کروڑ ۸۵ لاکھ کا خسارہ قرض لیکر پورا کیا جائیگا۔ ہندوستان کی جنگی سرگرمیوں کی مزید تفصیلات پیش کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ اسوقت ہندوستان میں ۵ لاکھ سے زیادہ ہتھیار بند فوج ہے اور اسمیں برابر اضافہ کیا جا رہا ہے۔ آپنے یہ بھی کہا کہ اس سال صوبوں سے انکم ٹیکس کی مد میں ۳ کروڑ ۲۷ لاکھ روپے وصول ہوئے، مگر ۴۲-۱۹۴۱ء میں ۴ کروڑ ۶۴ لاکھ روپے وصول ہونگے۔ آپنے کہا اسوقت ہندوستان کی مدافعت کے کاموں پر ۲۳ لاکھ روپیہ روزانہ خرچ ہو رہا ہے۔ (تیج ۳ ہم)

—— شاہ دکن حضور نظام جنگ کے مقصد کیلئے اپنا دہلی کا محل تو پہلے ہی دے چکے تھے اب انھوں نے بمبئی کا محل بھی دوران جنگ میں ہسپتال کی طرح استعمال ہونے کیلئے دیدیا ہے (تیج)

—— حکومت ہند کے ایک اعلان کے ذریعہ ریزرو بنک آف انڈیا کی اجازت کے بغیر سونا ہندوستان سے باہر جانے کی ممانعت کردی گئی ہے۔ (تیج مذکور)

—— صوبہ یو۔پی کی آبادی سنہ ۱۹۳۱ء میں ۴ کروڑ ۸۴ لاکھ ۸ ہزار ۷ سو ۳۰ تھی۔ موجودہ مردم شماری میں ۱۵ فیصدی کا اضافہ ہوگیا۔ (تیج)

—— ملک کے مختلف حصوں سے مردم شماری کے متعلق جو سرسری اندازے آئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک کی آبادی بڑھ کر ۴۰ کروڑ ہوگئی ہے اور اس دس سال میں اضافہ ۱۲ فیصدی ہوا ہے جبکہ اس سے پہلے کے دس سالوں میں ۱۰-۱۱ فیصدی اضافہ ہوا کرتا تھا۔ (انجام)

محدث کی آٹھویں جلد کا یہ آخری نمبر ہے۔ آئندہ سے اسکی نویں جلد شروع ہوگی۔

(منیجر)

جناب شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب پرنٹر و پبلشر نے جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر رسالہ محدث دار الحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع کیا۔